

واعظین و مقررین خطباء و ائمہ مساجد کے لئے بے نظیر تحفہ

محاسن الامیر

تصنیف: حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ: ایضاً مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی
مصدقہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

دارالافتاء

لٹریچر بازار، ایچ اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان، فون: 32831861

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَشَرٌّ يُّرَوْنَ مِنْكَ الْجَمْعُ اَقْرَبُ

واعظین و مقررین خطباء و ائمہ مساجد کے لئے بے نظیر تحفہ

مجاہدین کے لایبریری

(اردو)

واعظ و تقریر اور نصیحت میں ایک بلند پایہ اور معتبر کتاب جو واعظین اور مقررین، خطباء و ائمہ مساجد کے لئے نعمت غیر متزقہ اور عام لوگوں کے لئے علم دین کے حصول اور اتباع سنت کا مستند ذخیرہ ہے جو غرض سے نایاب تھا۔ اب جدید ترتیب و بے شمار ذیلی عنوانات کے مفید اضافوں کے ساتھ تیار ہے۔

تصنیف: حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب: مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی

مصدقہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

ادوار ایم ایس پبلشرز
کراچی پاکستان 2213760

دارالاشاعت

جملہ حقوق ملکیت بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : اگست ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
ضخامت : 714 صفحات

297.07

87 م

109128

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نا بھروڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

عرضِ مَرْتَب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

گزارشات

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بو لہبی

اللہ رب العالمین کے انسان پر انعامات و احسانات تو بے حساب ہیں، اور ان میں سب سے بڑا انعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور سب سے بڑا احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق کا عطا کرنا ہے اس توفیق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کو انسان اپنا طریق عمل بنائے، اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو عملی و علمی سرِ لحاظ سے حرز جاں بنائے رکھے۔ یہ کام شکرِ لاد کے ساتھ دنیا و آخرت میں مزید عظیم انعامات کا ذریعہ بنے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد سے بزرگانِ دین نے قرآن کریم کے ساتھ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و اشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کر ڈالیں، اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور انشاء اللہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور ہر دور میں ایک جماعت اس کارِ خیر کے لیے مصروف کار رہے گی۔

شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "محاسن الابراہ" احیاء و حفاظت سنت کے اسی کارِ خیر کا ایک حصہ ہے۔ مصنف نے اس میں نہایت محتاط اور محققانہ انداز سے احادیثِ مصابیح کی شرح کی ہے کہ رطب و یابس روایات جمع نہیں کیں، اور سنتِ نبویہ کی محبت اور بدعت سے نفرت اس کے ایک ایک لفظ ظاہر ہوتی ہے۔ عقائد، فقہ اور تصوف و طریقت کے پہلو سے بحث کی گئی ہے، کتاب کو سو مجلسوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر مجلس کی بنا، حدیثِ شریف پر رکھی گئی ہے، شرح میں قرآن کریم، احادیثِ شریف، فقہ، سلوک و تصوف کے مسائل اور بزرگوں کے تجربات کو اس پیرایہ میں جمع فرمایا ہے کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں لکھی گئی تھی، امام الہند خاتم المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز نے اس کتاب کی نہایت بلیغ انداز میں توصیف فرماتے تھے۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلوی سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے اردو ترجمہ کو سلیس اور با محاورہ اور عام اردو زبان حضرت کے لیے صحیح و سلیس معنیوں کا ایک بہترین ذخیرہ فراہم کر دیا، مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کنایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی فرمائی، وعظ و تبلیغ کرنے والوں اور خطباء حضرت کے لیے بلاشبہ ایک نادر تحفہ ہے۔

موجودہ صورت میں کتاب کی ہر مجلس کے مضامین مسلسل تھے، نہ ضمنی عنوانات تھے اور نہ ایک بات کے ختم ہونے اور دوسری بات شروع ہونے کا پتہ چلتا تھا، طباعت کا انداز بھی بدل گیا ہے اور لوگوں کی سہل پسندی بھی عام ہو گئی، جس کی بنا پر اس کتاب سے پوری طرح استفادہ قدرے مشکل نظر پڑتا تھا۔

احقر کی رائے میں بزرگان دین کی کتابیں زبان کی قدامت کے باوجود نئی لکھی جاتی والی کتابوں سے کہیں زیادہ اثر انگیز ہیں۔ البتہ ان قدیم کتب کو جدید طرز طباعت کے مطابق کر کے شائع کتنا چاہیے اس کام میں نہ تو عبارت میں کمی بیشی کی جائے اور نہ الفاظ و عبارت میں تغیر و تبدل، بلکہ صرف پیرا گراف بنا کر اور ہر مضمون کی عبارت پر ضمنی عنوانات قائم کر کے اس کو جدید مذاق کے مطابق کیا جاسکتا ہے۔

محترم جناب محمد رنمی عثمانی صاحب مالک دارالاشاعت کراچی کی فرمائش پر احقر نے اپنے مذکورہ خیال کے مطابق اس کتاب "مجالس الابرار" کو بھی "جدید یانے" کا کام شروع کیا، نئی چیز بنا کر اس کو سجانا آسان ہے مگر اپنے انداز پر پہلے سے تیار شدہ چیز کی اپنی خواہش کے مطابق آرائش مشکل کام ہے۔ احقر کو بھی اس کتاب کی ترتیب جدید میں کافی محنت اٹھانا پڑی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مضامین کو کسی خاص ترتیب سے جمع نہیں کیا گیا، بلکہ وعظ و نصیحت کے انداز میں ایک بات سے دوسری بات نکلتی چلی آتی ہے۔ جو اپنے موضوع میں نہایت مناسب اور چمکتی ہوتی ہے مگر اس کو کسی علیحدہ مستقل عنوان کے تحت رکھنا بڑا دشوار ہوتا ہے، پھر مختلف مجلسوں میں بعض مضامین کا تکرار ہے جو فی نفسہ ضروری تھا۔ مگر تقسیم مضامین کرنے والے کے لیے دشواری پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک بات کو ختم کر کے دوسری بات شروع ہونے کا یقین کرنا بھی مذکورہ دشواری کا سبب بنتا ہے، کیونکہ ہر مجلس کے مضامین کا ربط باہم اتنا گہرا ہوتا ہے کہ یہ یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ کہاں بات ختم ہوئی اور کہاں سے نئی بات شروع ہوئی ہے۔

نام خدا اس کام کو شروع کر دیا اور بڑی سست روی کے ساتھ کام جاری رہا، تقریباً پونے سات صد صفحات پر مشتمل یہ کتاب ایک سال سے زائد عرصہ میں حسب خواہش جدید ترتیب کے ساتھ تیار ہو گئی۔ موجودہ ترتیب جدید میں ہماری کوشش کس حد تک کامیاب رہی ہے اور کتاب کی افادیت میں کس قدر اضافہ ہوا ہے اس کا اندازہ تو قارئین ہی کریں گے۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عجز و انکسار کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ جس طرح کتاب کے اصل مصنف، مترجم اور اس کی سابقہ اشاعت کرنے والوں کی سعی مشکور ہوئی ہے۔ اس عاجز مرتب اور کتاب کی موجودہ اشاعت کا استقامت کرنے والوں کو بھی اخلاص کی دولت نصیب فرمائے، اور اس معمولی خدمت کو قبول فرمائے آمین۔ واللہ التوفیق۔

ناکارہ خلائق

حسین احمد نجیب

رفیق دارالتصنیف، دارالعلوم کراچی
۱۸/جیب ۱۳۹۸ ہجری -

تفصیلی فہرست مضامین مجالس الابراہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
			عرض ناشر
۵۳	اولیاء اللہ کے بارے میں ایک بڑی غلطی اور اس کے نتائج۔		ترجمین عنوانات کے متعلق گزارش
۵۷	شیطان کے گمراہ کرنے کا طریقہ		تمہید و ترجمہ و تذکرہ مصنف علیہ الرحمۃ
۵۸	گانے وغیرہ کا سماع شیطان فی عمل ہے۔	۳۴	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی پہچان
۵۹	خوارق کے بارے میں اہل اللہ کا طریقہ	۳۵	کتاب مجالس الابراہ کی خصوصیات
۶۰	مجالس ایمان اور مومن کی بزرگی	"	نفاش الازہار ترجمہ مجالس الابراہ کی خصوصیات
۶۱	صفت ایمان کے اجزاء ترکیب	۳۶	تذکرہ مصنف مجالس الابراہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ
"	وجود باری کی عقلی دلیل	۳۷	حرف آغاز
۶۲	فلاسفہ کا عقیدہ قدیم و حادث اور ان کا بطلان	۳۸	کتاب مجالس الابراہ کا تعارف
۶۴	صفات باری کا کمالی ہونا ہمارے اعتبار سے ہے	۳۸	ایک سو مجالس کی تفصیل
"	معجزہ کی حقیقت		مجلس اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا لازماً زندہ کے اور
۶۵	اطاعت الہی اور اس کے ثمرات	۴۴	نہ کرنا لامثل مردہ کے ہے اور ذکر الہی کی پہچان
	مجلس رسول اکرم صلعم سے ماں باپ اولاد اور	۴۵	بغیر علم ریاضت کے نقصانات
۶۶	تمام لوگوں سے زیادہ محبت	۴۶	احکام شریعت کی قسمیں
۶۶	ایمان کا معنی اور مفہوم مراد	۴۷	غذاکہ نافرمان اور اس کا انجام
۶۷	نفس کی جانب میدان کے چار درجے ہیں	"	توہین دین کے مرتکب لوگ
۶۹	اللہ تعالیٰ کی صفات کمال	"	خطبات قلبی کی اقسام اور ان کی حقیقت
"	انبیاء کرام کے لیے معجزہ کی حیثیت	۴۸	شریعت شریعت کے تابع
۷۱	ایمان حقیقی اور مومن کمال	۴۹	ثمرات ذکر کے حصول کے لیے ضروری شرط
	مجلس ۵۰ حضرت صلعم کے لائے ہوئے احکام پر		مجلس ۲۲ ذکر الہی تمام نیک کاموں سے بہتر ہے اور اس کی
۷۱	ایمان لانا ضروری ہے اور اس کی مخالفت ناپاک ہے	۵۱	اہتمام
۷۱	نجات کے لیے آنحضرت کی نبوت پر ایمان لانا شرط ہے	۵۲	معرفت الہی کے طریقے
۷۳	حقیقت ایمان کی معرفت کی جستجو و تحقیق لازم ہے	"	خروف عبادت امور کی حقیقت
۷۴	تسلیق یقین معرفت کے لئے ضروری ہے	۵۳	اللہ کے دوست اور دشمن

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۹۲	دوزخ سے ہنکائے ہوئے لوگ	۷۵	اللہ کی پہچان کا طریقہ - استدلال
۹۳	قننا و تقدیر پر ایمان	۷۷	معرفت الہی کے لیے عجز و فکر کا حکم
	مجلس ۹۱ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و نافرمان میں سے کون جنت میں جائے گا اور کون نہیں	۷۷	مجلس ۹۲ جس شخص نے اللہ کو اپنا رب اسلام کو مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان لیا اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا
۹۴	امت محمدی سے مراد	۷۸	علم اور اس کی اقسام
۹۵	عاقل اور نادان اور آخرت کا پچھتاوا	۷۹	نفاق کی قسمیں اور منافقوں کا انجام
۹۷	آخرت میں لوگ کئی قسم کے ہوں گے	۸۰	علماء، سوہ اور ان کا کام
۹۸	آخرت میں گنہگاروں کی نجات	۸۱	نور سے مراد روشنی ہے یا معرفت الہی
۹۹	عذاب کی مختلف نوعیتیں	۸۲	عرفانِ علم واجب اور مقلد مومن
۱۰۰	یقینی اور حقیقی توحید	۸۳	عقائد ایمانی کی جانچ کا طریقہ
۱۰۱	محاسبہ نفس		مجلس ۹۳ وہ چیزیں جن پر ایمان لانا واجب ہے
	مجلس ۹۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام احکام میں پیروی اور اس میں ایک تحقیق	۸۴	ایمان کیا ہے؟
	خواہش نفسانی کی پیروی اور اس کے نتائج	۸۵	ایمان باللہ
۱۰۲	حق و باطل کی پہچان اور سعادت مند و بدبخت لوگ۔	۸۶	وجود اللہ پر استدلال
۱۰۳	قلب انسانی کی دو قوتیں اور ان کا نام۔	۸۷	صفات باری پر استدلال
۱۰۴	معرفت اور عبادت وہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔	۸۸	ایمان بالملائکہ
	خانہ کی خرابی کے اسباب	۸۹	آسمانی کتابوں پر ایمان
۱۰۵	عقیدے کی خرابی	۹۰	انبیاء کرام پر ایمان
۱۰۵	گناہوں پر اصرار	۹۱	ایمان بالآخرت
۱۰۶	استقامت فی الدین سے منہ پھیرنا	۹۲	ایمان کے کاویا جان
۱۰۷	ضعف ایمانی		آخرت میں لوگوں کی قسمیں
۱۰۹	مسلمان اور ابوسازم رضی اللہ عنہما کی ایمان افروز گفتگو		اعمال کا دن
			پلہراط
			حوض کوثر اور اس کے پینے والوں کے احوال
			حوض کوثر کا محل وقوع
			میدان حشر میں انبیاء کے حوض

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۲	آخرت کی نعمتوں کے لیے خلوص اور اخلاص شرط ہے		مجلس علماء مومن اور مسلم اور مجاہدو مہاجر کافرق
۱۰۹	خلوص اور اخلاص کے معنی		مومن کامل
۱۱۰	اعمال میں مسلسل کوتاہی سے زوال ایمان کا خطرہ ہے		مجاہد کامل
۱۱۱	انسان کا خاتمہ انہی اعمال پر ہوتا ہے جن سے زیادہ گناؤں ہوتا ہے۔		مہاجر کامل
۱۱۲	آدمی بلحاظ ایمان دو قسم کے ہیں		قبولیت عمل کے لیے اعتقاد شرط ہے۔
۱۱۳	دل کی بیماری اور اس کا علاج نیک نجات اور بد نجات		دل میں تصدیق و اطاعت کے وجود کی علامت کفر کی قسمیں
۱۱۴	اصل ایمان سے محرومی کا خطرہ		گناہوں سے توبہ کا حکم
۱۲۵	حسرت اور ندامت کا وقت توبہ کی حقیقت		توبہ کے لیے شرائط
۱۲۶	خلق کے حقوق اور ان کی ادائیگی		توبہ کی حقیقت اور قبولیت
۱۲۷	ایک مومن کا اپنے بھائی مومن کو معاف کرنے کا آخری انعام		گناہ کی قسمیں۔
۱۲۸	مسلمان پر کافر کے حقوق اور ان کی ادائیگی		مجلس علماء افضل ذکر اور افضل دعاء
	مجلس علماء توحید خالص دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتی ہے۔		افضل دعا
۱۲۹	کلمہ شہادت کا حقیقی مفہوم		افضل ذکر
۱۳۰	کلمہ میں نفی و اثبات کا مطلب		خدا کی تنزیہی اور وجودی صفات سے توحید کے معنی سمجھنے کے لیے فکر و نظر ضروری ہے
۱۳۱	معرفت الہی کا مفہوم		معرفت الہی سے مراد
۱۳۲	معرفت صفات الہی کے دلائل		وجود اللہ اور اس کی صفات پر تکوینی دلائل
۱۳۳	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر استدلال		صفات باری پر نقلی و عقلی دلائل
۱۳۴	علمت انبیاء علیہم السلام کا صحیح مفہوم		معجزہ کی حقیقت
			افضل الانبیاء کی فرمانبرداری اور نافرمانی کا انجام
			مجلس علماء آنحضرت صلعم کی شفاعت سے قیامت میں سب سے زیادہ کون کامیاب ہوگا۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۲۵	صفات باری تعالیٰ کا ثبوت	۱۳۵	انبیاء علیہم السلام کے لیے انسانی عوارضات اور اس کی حکمت
۱۲۶	انبیاء کے لیے کن صفات کا ہونا اور کن کا نہ ہونا واجب ہے۔	۱۳۶	خلاصہ تقریر
۱۲۷	انبیاء کے لیے اعراض بشری جائز ہیں		مجلس عکال ایمان جو روز قیامت نجات دلائے گا۔
۱۲۸	اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے۔	۱۳۶	تکمیل ایمان کی حقیقت
۱۲۹	سعدت مند اور بد بخت کی علامت اللہ کے دوستوں کے لیے موت کے وقت خصوصی بشارت	۱۳۷	کلمہ کی فضیلت
۱۳۰	اللہ کے دشمنوں کا موت سے گریز کرنا عمل بد خاتمہ کی خرابی کا سبب ہوتا ہے		بغیر سمجھے کلمہ پڑھنے والے کا حکم کلمہ کا پہلا حصہ نفی و اثبات اللہ سے مراد ہے۔
۱۳۱	شُرک استغفال	۱۳۸	اللہ واحد اور اس کی دلیل
۱۳۲	شُرک تبعض		صفات الہی کے ثبوت پر دلائل
۱۳۳	شُرک تقریب	۱۳۹	کلمہ کے دوسرے حصہ میں رسالت آنحضرت ص کا ثبوت
۱۳۴	شُرک تقلید		حقیقت ایمان کے حصول کے بعد اس کی حفاظت کا طریقہ
۱۳۵	شُرک اسباب	۱۴۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی فضیلت
۱۳۶	شُرک اغراض		مجلس عکال ہر بچہ اسلام کے طریقے پر پیدا ہوتا ہے۔
۱۳۷	مذکورہ بالا شرک اور مشرک کا شرعی حکم	۱۴۱	ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے
۱۳۸	فاسد عقیدہ والے کا عمل بے فائدہ ہے		معرفة الہی کا صحیح مفہوم اور حدوث عالم کی دلیل
۱۳۹	گناہوں پر اصرار کا نتیجہ	۱۴۲	فلاسفہ کا نظریہ کہ عالم قدیم سے
۱۴۰	استقامت سے پھر جانے والوں کے انجام کی مثالیں	۱۴۳	ثبوت وجود باری اور فلاسفہ کے نظریہ قدیم
۱۴۱	ضعف ایمانی کے نتائج اور ان سے حفاظت کا طریقہ	۱۴۴	عالم کا بطلان
۱۴۲	اللہ کی محبت اس کے پیچھے تھے کے بعد		

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۶۵	حضرت عبداللہ ابن مسعود کی تنبیہ	۱۵۲	ہی ہو سکتی ہے
"	بدعتِ سیئہ اور حسنہ کی حقیقت و ایک غلط فہمی کا ازالہ	"	مجلس علماء قبروں پر نماز پڑھنے اور قبروں سے بدوچا منے اور ان پر چراغاں درست ہیں
۱۶۶	خلافت قرآن و سنت کسی عابد و زاہد کی بات ماننے کی ممانعت	۱۵۴	قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا مطلب اور انحضرت کی لعنت
"	بدعتِ سیئہ اور حسنہ میں تمیز کرنے کا طریقہ	۱۵۵	قبروں کی تعظیم بت پرستی کا پیش خمیہ ہے
۱۶۷	دین میں نئی بات پیدا کرنا خدا و رسول کا مقابلہ ہے	"	برکت کے لیے قبروں پر نماز پڑھنا خدا اور رسول کی مخالفت سے
"	افعال کی بھلائی بُرائی کا معیار شرع ہے عقل نہیں	۱۵۶	حکمِ پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کی چند صورتیں
۱۶۸	ایک مشہور حدیث سے بدعت پر استدلال اور اس کا جواب	۱۵۷	گمراہی کی انتہا
۱۶۹	صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک بدعت کی حقیقت	۱۵۸	قرونِ ثلاثہ میں جو کام نہیں کیا گیا اسے مشروع سمجھنا فسق و گمراہی ہے
"	بدعتوں سے پرہیز کا حکم	"	بدعات کی ابتداء اور سنتِ نبوی اور صحابہ کرام
۱۷۰	سنت کی پیروی ہی سب سے بہتر عمل ہے	۱۵۹	قبروں پر عرس کی خرابیاں اور اس کا حکم
"	صحابہؓ ہی معیارِ حق ہیں۔	"	شیطان کا کام اور ان سے بچنے کا حکم الہی
۱۷۱	ہدایت و گمراہی قلت و کثرت سے نہیں پہچانی جاتی	۱۶۰	نذر حرام اور اس کا حکم
"	دین کی اصل عمدگی اور درستی۔	"	مقامِ ابراہیم، حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے چھوڑنے اور بوسے کا حکم
۱۷۲	دین میں قرونِ ثلاثہ کے لوگ ہی قابلِ تقلید ہیں۔	"	تلبیسِ ابلیس اور اس کے تالکج
"	قرونِ ثلاثہ کی تعبیر دین کے خلاف نئی تعبیر بدعت و گمراہی ہے۔	۱۶۲	قبر پرستی کے اسباب
"	فقہی مسائل کی صحت اور ان پر عمل کے لیے	۱۶۳	مجلس علماء بدعت اور اس کے اقسام و احکام
۱۷۳	اہم اصول	"	سنت و بدعت
"	مجلس علماء نوائل جماعت سے پڑھنا بدعت ہے۔	"	بدعتِ سیئہ اور بدعتِ حسنہ
۱۷۴	نسب	"	بدعت کے معنی و مفہوم
"	"	"	بدعت کا حکم
۱۷۵	"	"	خالص بدنی عبادت میں بدعت کا وجود اور حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۱۸۵	ہونے کا اصل مفہوم	۱۷۷	شرعی سال اور اس کا حساب
"	حج مبرور	۱۷۸	شرعی عید
۱۸۶	حجر اسود کو پھوننا حقیقت میں اللہ سے بیعت اور عہد کی تجدید ہے۔	"	مشرکوں کی عیدیں اور ان کا حکم
"	عبادت کی قبولیت کی علامت	"	ماہِ رجب میں روزے کا حکم
"	حج مبرور کے حاجی کی مغفرت اور اس کی دعا کی قبولیت	۱۷۹	رجب اور شعبان میں کسی خاص نماز کے اہتمام کی ممانعت
"	وہ بدعات و خرابیاں جو حاجیوں سے اکثر ہوتے ہیں۔	۱۸۰	نفل نماز کی جماعت کا حکم
۱۸۷	سب سے بڑا فتنہ ترک نماز اور خلافت شرع نمازوں کا جمع کرنا ہے۔	"	گناہ کی نہ منت ماننی جائز ہے اور نہ نذر کا پورا کرنا۔
"	حاجیوں کی بے بات تزیین و نمائش	۱۸۱	گناہ کی نذر پر قسم کفارہ ادا کرنا ضروری ہے
۱۸۸	بجور توں کا گھر سے نکلنا	"	میلوۃ التبیح کی جماعت مکر وہ تحریمی ہے
"	غیر سفر خرچ کے حج کو روانگی	"	عبادت کے لیے تحقیص ایام کی خرابیاں اور ان کے وجوہ
۱۸۹	اپنے مردوں کی حق تلفی	۱۸۲	بدعت کرنے والے کا حکم
۱۹۰	حج مبرور کے لیے منزوری تنبیہ	"	بدعت شیطان کی ایجاد ہے۔
"	حرام مال سے حج کرنے کا حکم	"	بدعت بدکاری سے بدتر ہے
"	حج کے واجب ہونے کے شرائط	"	دین کامل ہونے کے بعد اس میں زیادتی نقصان کا باعث ہے
"	راستہ کا امن مفقود ہو تو فرضیت حج کا حکم	"	نمازِ رغائب منلات شرع ہونے کی وجوہات
۱۹۱	حج کے فرائض	۱۸۳	عظیم فتنہ اور ابن مسعود کی تنبیہ
"	حج کے واجبات اور سنن	"	مسلمان کا فریضہ
"	احرام اس کے ارکان اور طریقہ	"	مجلس عن حج مبرور کے فضائل اور
۱۹۲	حج کا طریقہ اور ان کی ادائیگی	۱۸۵	اس کی بدعات
"	حجر اسود کا بوسہ	۱۸۶	حج کی برکات
۱۹۳	طوائفِ قدوم	"	منغیرہ گناہوں کا کفارہ
"		"	حج مبرور کے کبیرہ گناہوں کے کفارہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۰۰	مجلس ۲۲ مطلق روزے کی فضیلت	۱۹۳	مقام اہل سیم پر دو رکعت نماز
۲۰۱	شعبان میں رمضان کی تیاری کا حکم	"	سفا و مروہ کی سعی
۲۰۲	روزہ عبادت کا دروازہ ہے	"	وقوفِ عرفات و مزدلفہ
"	روزہ چوتھائی ایمان سے	"	رمی جہاز
"	روزہ کو تمام عبادتوں پر فضیلت ہے	۱۹۴	احرام سے حلال ہونے کا طریقہ
۲۰۳	روزہ دار سے آگ کو دور کر دیا جائیگا	"	طوافِ زیارت کے بارے میں ایک تنبیہ
"	روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں	"	دو بارہ رمی جہاز اور اس کا طریقہ
۲۰۴	قیامت کے دن روزہ داروں پر خاص رحمتِ خداوندی	"	حرم سے روانگی کے وقت طوافِ صدر اور دیگر امور
"	رحمتِ خداوندی کے مستحق روزہ دار	۱۹۴	عورت کا حج
۲۰۵	مجلس ۲۳ ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت	۱۹۴	احرام - تلبیہ اور تہجد کا بوسہ
"	رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے اچھے ہیں	"	طواف اور حلقِ رأس
۲۰۶	نفل عبادت کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے	"	حالتِ حیض کا مسئلہ
"	نفل عبادت کو پوشیدہ رکھنے کا سبب	۱۹۵	عورت کا بغیر محرم سفر حج کا حکم
۲۰۸	اسلام ابتدا میں بھی اجنبی تھا اور آخر میں بھی اجنبی ہوگا	"	عدت کی صورت میں عورت کے لیے حکم
"	غفلت کے زمانہ میں تنہا عبادت کرنے کا عمومی فائدہ	"	مجلس ۲۴ زکوٰۃ کے فضائل اور نہ دینے کی سختیاں
"	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبان کے روزے	۱۹۵	اپنے مال میں سے حق اللہ ادا کرنے والوں کے لیے سخت وعید
۲۰۹	فقہان روزہ کی ادائیگی کا حکم	۱۹۶	مال داروں کے لیے آخری عذاب کی کیفیت
"	شعبان کے روزے سے رمضان کے روزوں کی مشاقق کے لیے ہیں	۱۹۶	زکوٰۃ واجب کرنے کی حکمت
"	مجلس ۲۴ شبِ براءت میں مسنون طریقہ سے ہاگتے کی فضیلت اور بدعتِ مکروہ سے پرہیز	۲۰	لوگ مال خرچ کرنے میں تین قسم کے ہیں
"		"	وجوب زکوٰۃ اور وجوبِ ادا
"		"	مصارفِ زکوٰۃ
"		"	صدقہ منافع ہونے کی صورت میں اور ایک تنبیہ

صفحہ	موضوعات	صفحہ	موضوعات
۱۸	جس جگہ قاضی نہ ہو تو چاند ہونے کا حکم۔	۲۰۹	نصف شعبان کی شب اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔
"	آسمان کی خرابی میں رمضان کا اختتام دو گواہوں سے ہوگا۔	۲۱۰	اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا کی طرف نزول کا مطلب شب برات اور دیگر راتوں میں فرق۔
"	آسمان صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے۔	"	شب برات کی فضیلت
"	شہر سے باہر کے لوگوں کی گواہی کا حکم۔	"	تعظیم شب برات میں علماء کا اختلاف۔
"	حاکم کے تنہا چاند دیکھنے کا حکم۔	۲۱۱	شب برات میں چراغ وغیرہ جلانا بدعت ہے۔
۲۱۹	اشتباه کی وجہ سے رمضان کے آٹھائیس روزے رکھنے اور شوال کا چاند نظر آجانے کا حکم۔	"	نفل نماز کی جماعت تراویح، استسقاء اور کسوں کے سوا بدعت ہے۔
۲۲۰	سعید کا چاند غریب آفتاب سے پہلے دیکھ کر فوراً روزہ رکھنے کا حکم۔	"	شب برات میں نفلوں کی جماعت کی ابتدا اور اس کا حکم بدعت اور ممنوع کام میں شرکت نہ کرنا بھی موجب ثواب ہے۔
"	رمضان میں گناہ کے رسیا لوگوں کی حالت۔	"	ممنوع چیزوں سے عظمت شب برات بدعت اور بڑی بات ہے۔
"	مجلس ۲۶۔ رمضان کی بزرگی اور اس کے حق کا خیال۔	"	شعبان کی پندرہویں رات آئندہ سال جو ہو نیوالا ہوتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔
"	رمضان میں آسمان اور جہنم کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کا مفہوم۔	۲۱۲	مجلس ۲۵۔ رمضان کا چاند ضرور دیکھنا چاہیے۔
۲۲۱	شیاطین کے قید ہونے کا معنی و مفہوم۔	"	جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو۔
۲۲۲	رمضان کی پہلی رات میں انسانوں کی نجات کا طریقہ۔	"	مہینہ گنہی انیس دن کا ہوتا ہے کبھی تیس دن کا۔
"	خالص اللہ کے لیے روزے نجات کا ذریعہ ہیں۔	"	یوم شک کا روزہ مخالفت رسول ہے۔
۲۲۳	روزہ میں صبر کا انتہائی مقام حاصل ہوتا ہے۔	۲۱۳	یوم شک کا مطلب۔
۲۲۴	روزہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے۔	"	یوم شک میں نفلی روزہ حرام نہیں۔
"	روزہ دار کو دو خوشیاں۔	"	یوم شک کے روزے کا صحیح اور تفصیلی حکم۔
۲۲۵	روزہ بھلا نظر کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔	"	یوم شک کے روزے کی نیت کی کیفیت۔
"	روزہ دار مومن کی پسندیدہ حالت۔	۲۱۵	یوم شک میں رمضان کی نیت نہ کرنا مکروہ ہے۔
"	روزہ دار ہر وقت صرف عبادت ہے۔	"	اصل کرامت جواز کو نہیں روکتی استحباب کو روکتی ہے۔
"	روزہ دار کے منہ کی بو خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے۔	"	یوم شک اگر رمضان سے تو کسی بھی نیت سے صحیح ہوگا۔
۲۲۶	روزہ دار کی دعا افطار کے وقت قبول ہوتی ہے۔	"	یوم شک کے روزے کی فقائین۔
"	غیر مقبول روزہ۔	"	یوم شک اگر شعبان سے تو سوائے نفل کی نیت کے اور نیت سے روزہ ممنوع ہے۔
"	روزہ مومن کے لیے ڈھال ہے۔	۲۱۶	نیت میں تردد کی صورت میں افطار کرنا اللہ تعالیٰ سے ہے۔
۲۲۸	روزہ کی حالت میں غش اور بیہوشی سے اجتناب۔	"	یوم شک میں نفل کی نیت درست ہے اور افطار پر قضا ہے۔
"	شک عمل کرنے کے باوجود نماز سے والے لوگ۔	"	یوم شک میں ایک عادل مسلمان کی گواہی سے چاند ہونا ٹیگا۔
"	دنیا میں حرام چیزوں سے متفرق ہونے والا آخرت میں محروم ہوگا۔	۲۱۷	گواہ میں شرط عدالت۔
۲۲۹	مجلس ۲۷۔ اسلام کی مطلوبہ نیت کا بیان۔	"	چاند کی گواہی میں لفظ شہادت شرط نہیں۔
"	رمضان میں روزے اور شب بیداری سے اگلی خطاؤں کی معافی۔	"	
"	روزہ کی قسمیں اور ان کا حکم۔	"	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۳۰	طلوع صبح کا گمان غالب ہو یا یقین ہو جائے تو روزہ کی قضا ہوگی	۲۳۰	رمضان میں روزہ کی فرضیت اور ایٹگی کی شرط۔
۲۳۱	افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔	"	رمضان میں دن کو کھانے پینے کا حکم
"	چھوہارے اور پانی سے روزہ افطار کرنے کی فضیلت۔	"	رمضان کے روزے کی نیت۔
۲۳۲	افطار کے وقت دعا کی خصوصی قبولیت۔	۲۳۱	رمضان کے علاوہ روزوں کی نیت۔
"	افطار کا مستحب وقت	"	رمضان کا قصداً توڑنے کا کفارہ۔
۲۳۳	غلطی سے قبل از غروب روزہ کھولنے پر قضا واجب ہے۔	"	کن چیزوں سے روزہ ٹوٹتا ہے کفارہ اور قضا کی وہ صورتیں جن میں قصداً روزہ توڑنے سے صرف قضا آئے گی۔
۲۳۴	قضا کے وجوب اور کفارہ کے عدم وجوب کی دلیل۔	"	جلسہ ۳۸ تراویح کی کیفیت اور فضیلت۔
"	دن میں کسی وقت روزہ کے قابل ہونے والے کا حکم۔	۲۳۴	رمضان کی رات میں قیام سے مراد۔
۲۳۵	جو شخص روزہ کے قابل نہیں دن میں اس کے کھانے پینے کا حکم۔	"	تراویح اور اس کی نماز کا حکم۔
"	بیمار کی قسمیں اور سفر کا حکم۔	۲۳۵	تراویح میں رکعتیں ہیں۔
"	جلسہ ۳۰۔ اس شخص کے گناہ کا بیان جو رمضان کا روزہ اس طرح توڑ دے کہ کفارہ واجب ہو۔	"	دو تہ و تہوں کے درمیان وقفہ اور اس کا حکم۔
۲۳۶	بلا اجازت شرعی روزہ توڑنے پر وعید۔	۲۳۶	تراویح کا افضل وقت اور نیت۔
۲۳۷	رمضان کا روزہ توڑنے کی قضا اور کفارہ کا وجوب۔	"	تراویح کی قضا نہیں۔
"	حقہ کے احکام۔	"	عشاء کی نماز تہا پڑھنے والا تراویح جماعت پڑھ سکتا ہے
"	حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔	"	روا مالوں کے تراویح پڑھانے کا طریقہ۔
"	حقہ سے روزہ ٹوٹنے کی دلیل۔	"	تراویح میں قرأت کی حد۔
۲۳۸	رمضان کے روزہ میں حقہ نوشی پر کفارہ واجب ہے۔	"	تراویح میں مقدار قرأت۔
"	حالت روزہ کے علاوہ حقہ کے استعمال کا حکم۔	"	غلط پڑھنا حرام ہے غلط خواں امام کو چھوڑ کر دوسری جگہ جاسکتے ہیں۔
"	حقہ کی ضرر رسائی میں اطباء کے اقوال۔	۲۳۸	تراویح میں تعدیل ارکان کی خطرات درزی موجب خسارہ ہے۔
۲۳۹	حقہ کے ضرر پر عادل لوگوں کی شہادت۔	"	تعدیل ارکان میں کوتاہی کی صورتیں اور ان کا گناہ۔
"	حقہ کی ممانعت کی دلیل۔	"	جلسہ ۲۹۔ سحری میں دیر اور افطار میں جلدی کرنا۔
"	حقہ کی ممانعت میں فقہاء کی دلیل اور ایک اسکراپشن کا جواب۔	۲۳۹	رمضان میں سحری کھانے کا حکم۔
۲۴۰	چیزوں کی حرمت و اجابت کا عمدہ طریق۔	۲۴۰	مسلمانوں اور اہل کتاب میں سحری کھانے ہی فرق، ابتدائے اسلام میں رات کو سونے کے بعد کھانا حرام تھا۔
"	حقہ پینے کے مفاسد۔	"	رات کو نہ کھانے کے حکم کی فسوخی کا سبب۔
۲۴۱		"	سحری کھانے میں تاخیر مستحب ہے۔
۲۴۲		"	تاخیر سحری کا صحیح مفہوم۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۶۱	ایک شخص پر کن لوگوں کی طرف صدقۃ الفطر افانکنا واجب ہے	۲۴۹	حقہ اور ہبہ وار چیز استعمال کرنے کا حکم۔
"	فطرہ کے وجوب کا وقت۔	"	مجلس ۳۱ اعتکاف کے سنت ہونے اور شب قدر کی تلاش۔
"	فطرہ کس کو دینا واجب ہے۔	۲۵۱	اعتکاف کی اہمیت۔
۲۶۲	قیصری واجب چیز نماز عید ہے	۲۵۲	رات اور دن دونوں میں اعتکاف کی وجہ۔
"	عید کی تکبیر اور نماز عید کا وقت و طریقہ۔	"	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعتکاف پر مداومت۔
۲۶۳	امام کے تکبیرات عید بھول جانے کا حکم اور خطبہ عید	"	اعتکاف کے معنی۔
"	امام کے ساتھ عید کی نماز مکمل نہ پڑھنے والے کا حکم۔	"	اعتکاف سنت نوکدہ ہے۔
۲۶۴	نماز عید میں تعجیل و تاخیر۔	۲۵۳	اعتکاف کی مدت اور روزہ کی شرط۔
"	رمضان اور عید کا چاند اور اسکے دیکھنے پر شہادت۔	"	اعتکاف کے لیے مسجد کی شرط۔
"	مجلس ۳۲ ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت	"	سورت کا اعتکاف۔
۲۶۶	ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت۔	۲۵۴	معتکف کے لیے مسجد سے باہر جانے کا حکم۔
۲۶۷	ماہ شوال کے روزوں کا صحیح وقت اور ترتیب۔	"	معتکف کیلئے جو کچھ کھانے پینے اور خرید و فروخت کا حکم۔
"	ماہ صفر اور ماہ شوال میں نکاح کرنے کا مسئلہ۔	۲۵۵	معتکف کے لیے نماوش رہنا مکروہ ہے۔
"	نخواست اور برکت کا شرعی اصول۔	"	معتکف کے لیے مباشرت حرام ہے۔
"	اس شخص اور مقام سے دور رہنے کا حکم جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔	"	ایسا اور اعتکاف واجب کرنے کا طریقہ۔
۲۶۸	مجلس ۳۳ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت۔	"	مجلس ۳۳ صدقۃ فطر اور عیدین کا حکم اور ان کی بدعتیں۔
"	یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت۔	"	صدقۃ الفطر مقرر کرنے کی وجہ۔
۲۶۹	عرفہ کے دن ثواب اور فضیلت کے حصول کا طریقہ	۲۵۶	عید میں مسلمانوں پر جو چیزیں واجب ہیں۔
"	رویت ہلال عید الاضحیٰ۔	"	پہلی چیز گناہوں کا ترک کرنا۔
۲۷۱	تاریخ میں شبہ پڑ جائے تو قربانی کا حکم۔	۲۵۷	ایک گناہ کے دس نقصانات۔
"	مجلس ۳۴ ایام نحر میں قربانی کی فضیلت، انتقام و کیفیت۔	"	طرح طرح کے گناہ کرنے والے کی حالت۔
"	قربانی کے دن پسندیدہ عمل۔	۲۵۸	عید کے دن کن امور سے خوشی اور سرور کرنا چاہیے۔
۲۷۲	قربانی کی فضیلت کی وجہ۔	"	عید کے دن گانا بجانا۔
"	قربانی صرف تقویٰ والوں کی قبول ہوتی ہے۔	"	دوسری چیز صدقۃ فطر کی ادائیگی۔
"	معاصی کا ترک کرنا واجب ہے۔	"	غنی تین قسم کے ہیں۔
"		"	صدقۃ الفطر کی مقدار

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۸۵	۲۷۳ امام کے تکبیرات بھولنے کا مسئلہ اور خطبہ عید		گناہ کے نقصانات -
"	۲۷۴ مسبوق کی نماز عید کا طریقہ		عید کن لوگوں کی ہے۔
۲۸۶	۲۷۴ عید قربانی کی نماز میں تعجیل مستحب ہے۔		ناج گانا سنا معصیت ہے۔
"	۲۷۵ عید گاہ میں نماز عید کے علاوہ نماز مکروہ ہے۔		قربانی کس پر واجب اور غنی کی قسمیں۔
"	۲۷۶ عذر کے سبب نماز عید میں تاخیر۔		مفلسی اور غنا میں قربانی کے آخر دن کا اعتبار ہے۔
"	۲۷۷ مجلس ۳۶ - ماہ النبی محرم اور عاشورہ کے روز کی فضیلت		قربانی کا وقت۔
۲۸۷	۲۷۸ ماہ محرم کے روزوں کی فضیلت۔		قربانی کا افضل و مکروہ اور ادنیٰ وقت۔
"	روزہ بندے اور اس کے رب کے درمیان بھید ہوتا ہے۔		قربانی کے جانور اور ان کی عمر۔
۲۸۸	اطاعت و عبادت کا ثواب۔		مرغی وغیرہ کی قربانی نہیں اور فقیر کی قربانی کا حکم۔
"	۲۷۹ صبر کی قسمیں اور روزہ دار کی فضیلت کا سبب۔		اونٹ اور گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔
۲۸۹	روزہ کی دو خوشیاں۔		قربانی کا گوشت تقسیم کرنا طریقہ۔
"	۲۸۰ روزہ دار کے لیے عرش کے نیچے دسترخوان۔		وہ میڈ سے جن کی قربانی جائز یا ناجائز ہے۔
"	روزہ دار کے لیے سیرابی کا دروازہ۔		قربانی کے بچہ کو ذبح کرنا لازم ہے۔
۲۹۰	روزہ دار کی خوشیوں کا سبب۔		اپنے ہاتھ سے قربانی کرنا افضل ہے۔
"	۲۸۱ انظار کے وقت دعا کی قبولیت۔		ذبح کے وقت مکروہ افعال اور مستحب کام۔
"	ماہ محرم کے روزہ کی فضیلت کا سبب۔		بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اس کے بغیر مذبح حرام ہے۔
"	مجلس ۳۷ - یوم عاشورہ کی فضیلت اور اس دن کے کام۔		ذبح کے وقت اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کا نام لینا
۲۹۱	یوم عاشورہ کے روزہ کی فضیلت کی وجہ۔		غیر کی طرف سے قربانی جائز ہے۔
"	۲۸۲ دسویں محرم کے ساتھ نویں کا روزہ ملانے کا حکم		قربانی کے گوشت اور چمڑے کا مصرف۔
"	عاشورہ کے دن بعض امور کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ		نا بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کا مسئلہ۔
۲۹۳	شہادت حسین رضی اللہ عنہم کا ناجائز نہیں۔		تکبیرات تشریح واجب ہیں۔
۲۹۴	۲۸۳ صحابہ سے تقاضا و عداوت اللہ اور رسول سے بغاوت ہے۔		تکبیرات تشریح کا ابتدائی اور آخری وقت
"	شہادت عثمان اور امام حسین کے بعد نعت اور عاشورہ کا		تکبیر تشریح اور اس کی اصل
"	۲۸۴ ماتم شہادت حسین رضی اللہ عنہم کی وجہ سے ہمارے میں اللہ و رسول		تکبیر کے چند مسائل
"	۲۸۵ کے احکام		عید کی نماز واجب ہے۔
۲۹۴			نماز عید کا وقت اور طریقہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۰۵	بدفالی لینے کی ممانعت۔	۲۹۲	نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کا انجام۔
۳۰۶	مجلس ۴۔ دنیا کے کام میں تاخیر اور آخرت کے کام میں جلدی بہتر		مجلس ۳۸۔ ایک بیماری دوسرے میں سرایت نہیں کرتی
"	انسان کی قسمیں۔	"	اور بدشگونی۔
"	مشورہ کی اہمیت	۲۹۵	کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔
۳۰۷	مشورہ دینے والا امین ہے۔	"	بیماری کے سرایت کر جانے کی نفی ساری کی نفی نہیں
۳۰۸	استخارہ اور اس کی اہمیت و طریقہ۔	۲۹۶	بیماری کے علاج میں اسباب اختیار کرنے کا حکم۔
"	دینی اور دنیوی امور میں استخارہ کی نوعیت	"	اسباب کی دو قسمیں اور ان کا حکم الہی۔
"	کاہن کی خبروں کو سچا ماننا کفر ہے	"	بدشگونی شرک ہے۔
۳۰۹	بدفالی کا حکم اور آج کل فال لینے کے طریقے	۲۹۷	مصیبت کے وقت گناہ سے بچنے اور سبکی کا طریقہ۔
۳۱۰	آنحضرت صلعم فال پسند کرتے اور بدفالی کو برا جانتے	۲۹۸	اللہ تعالیٰ عذاب رحمت دونوں کے اسباب پیدا کرتا ہے
"	فال اور طریقہ میں فرق	"	ماہ صفر کی نحوست کی تردید۔
۳۱۱	بدفالی سے ممانعت اور اس کا کفار۔	۲۹۹	آدمی کے لیے زمانہ میں نحوست اس کے اچھے اور بد اعمال سے ہے
"	مجلس ۱۱۔ نبردِ دل بلا کے اسباب اور اسکے دفعہ کرنے کے طریقے	"	معاصی اور عذاب والے مقام سے بھاگنے کا حکم۔
۳۱۲	آمت کی وہ پندرہ عادتیں جن سے مصیبت نازل ہوگی	۳۰۰	آدمی کا ستر اپنے دوستوں کے دین پر ہوگا۔
"	کسی قوم پر مصیبت صرف گناہوں کے سبب سے	"	غول کی شہادت ذکر الہی سے دور ہو جاتی ہے۔
"	آتی ہے۔	"	مجلس ۳۹۔ شگون اور فال بد کی بڑائی اور سنون
"	مصیبت سے بچنے کا طریقہ۔	"	فال کی مدح اور اس کے اقسام کا بیان۔
"	دعا بلا کو روک دیتی ہے۔	"	شک فال اور شگون بد۔
۳۱۳	صدقہ و خیرات بلا کو دور کرتی ہے۔	۳۰۱	بدشگونی شرک ہے۔
"	سبحان اللہ کہنا بلا کو دور کرتا ہے۔	۳۰۲	صفر وغیرہ مہینوں اور تارِ نخوں کو منجوس کہنے کی ممانعت
"	بھاؤں کو دور کرنے والی سب سے بڑی چیز کثرت	"	کسی زمانہ کی نحوست و برکت بندوں کے اعمال کی وجہ سے
۳۱۴	درود شریف ہے۔	"	بلا گناہ و مصیبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔
"	تقویٰ دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات دینگا۔	۳۰۳	معاصی والے مقام کو چھوڑنا ہجرت ہے۔
"	لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کی کثرت سے مصیبت	"	بدشگونی کی صورتیں۔
"	دور ہوتی ہے۔	"	شرعیات میں محمود فال
"	گناہ اور مصیبت ہی تکلیف کا سبب بنتی ہے۔	۳۰۴	اہل جاہلیت کی بدشگونی کے طریقے۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۲۸	سورج اور چاند گن کا سبب ایک غلط فہمی کا آواز	۳۱۵	مومن کے لیے پانچ قسم کی عقوبت
۳۲۹	صلوٰۃ الکسوف سنت ہے۔	"	آخرت میں آدمیوں کی اقسام
"	صلوٰۃ کسوف کا طریقہ۔	"	مجلس ۲۲۔ دعا مصیبت آئے کے وقت بھی اُسکو دفع کرتی ہے۔
۳۳۰	دعا نماز کے بعد ہی مسنون ہے۔	۳۱۶	دعا بلا کو دور کرنے میں نافع ہے۔
"	صلوٰۃ کسوف غدیرہ علیہ پڑھنا بھی جائز ہے۔	۳۱۷	اللہ سوال کر نیوالے کو پسند اور نہ کر نیوالے پر غصہ ہوتا ہے۔
"	چاند گن اور دوسرے خوف ناک امور میں نماز۔	"	اللہ کے نزدیک دعائیں عبادات سے باعزت ہے۔
"	ہولناک امور میں آنحضرت صلعم کا اسوہ حسنہ	"	دعا کا وقت
۳۳۱	سفر میں ضرورت سے بچنے کی تدبیر	۳۱۸	بندہ جب دعائے مانگے تو قبولیت کا یقین ہو۔
"	سخنی کے وقت آنحضرت صلعم کا اسوہ حسنہ	"	قبولیت دعا کے تین درجے
"	مجلس ۲۵۔ بارش رکنے کے وقت نماز استسقاء مسنون ہونے کا بیان۔	۳۱۹	و قسم کی دعا قبول نہیں ہوتی اور دعا کا طریقہ
"	تخط کا سبب۔	"	مجلس ۲۶۔ خوف ناک مقامات کے وقت نماز مسنون ہونا
۳۳۲	استسقاء کی دعا کرنا سنت ہے۔	۳۲۰	معاصی اور لہو لعب مصیبت کا سبب بنتے ہیں
"	دعا استسقاء کا طریقہ	۳۲۱	گناہ سے نہ روکنا بھی عذاب کا سبب ہے۔
۳۳۳	تجدید توبہ دعا کی قبولیت کا سبب قریب ہے	۳۲۲	دنیا میں عذاب کا ضابطہ
"	قبولیت دعا کیلئے حقوق کی ادائیگی کی اہمیت	"	قیامت میں شخص کا حشر اس کی نیت کے مطابق ہوگا
"	گناہ دعا کی قبولیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔	۳۲۳	صالح اور محدود الہی میں سستی کرنے والے کی مثال
۳۳۴	دعا استسقاء ضعیفوں اور صلحاء کے ذریعہ مانگی جائے۔	"	کلہ تو حید کی توبہ کرنے کا انجام
"	دعا رو قبیلہ ہو کر مانگی جائے۔	"	صغیرہ و کبیرہ گناہ سے روکنا واجب ہے۔
"	بندہ جب دعا کرے تو قبولیت کا یقین کرے	"	بسی باتیں روکنا صرف حاکم کی نہیں بلکہ سب کی ذمہ داری ہے
۳۳۵	دعا مانگنے کا انداز	۳۲۵	امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری
"	دعا میں توسل مستحب ہے۔	"	اسلاف کا طریقہ
"	استسقاء میں صرف دعا	۳۲۸	امر بالمعروف و نہی عن المنکر جہاد کے قائم مقام ہے
۳۳۶	نماز استسقاء جائز ہے۔ ن نہیں۔	"	امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں نرم روی و سختی
"	استسقاء کی نماز کا طریقہ۔	"	جھوٹ اور خمش و قبیح۔
"	مجلس ۲۶۔ تعلیم قرآن اور زلفش۔	"	مجلس ۲۷۔ سورج و چاند گن اور خوف ناک امور کے ظہور
"		"	کے وقت نمازیں۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۴۸	فجر کی اذان میں زیادتی الفاظ کی وجہ۔	۳۴۷	فرائض اور قرآن کا علم سیکھنے کی ترغیب۔
"	تکبیر اور اذان میں فرق۔	"	علوم قرآن اور علم فرائض سے مراد۔
"	اذان اور تکبیر کے انحرافی حروف پر جزم ہے۔	"	قراۃ کے دس امام۔
"	کلمات اذان و تکبیر کی ترتیب۔	۳۴۸	قرآن کی شاد قرات سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔
"	اذان اور تکبیر میں قبلہ رو ہونا۔	"	تجوید فرض لازم ہے۔ اور تجوید سے مراد۔
۳۴۹	اذان میں کانوں پر آنگلیاں رکھنے کی ضرورت	"	لحن اس کی انتہا اور ان کا حکم۔
"	قبل از وقت اذان کا حکم شرعی۔	"	مجلس ۴۷۔ قرآن میں تعنی جائز ہونے اور وہ اہل
"	تشویب اور اس کا حکم۔	"	جو اس میں جائز نہیں۔
"	اذان و اقامت کے درمیان فاصلہ۔	۳۴۰	قرآن میں تعنی کرنے کا حکم اور اس کا مفہوم۔
۳۵۰	اذان و اقامت میں فصل کا طریقہ۔	"	قرآن تعنی کے ساتھ پڑھنا گناہ ہے۔
"	قصا نمازوں کے لیے اذان و اقامت کا حکم۔	۳۴۱	قرآن میں تعنی اور لحن کی حرمت اور اس کا شرعی حکم۔
۳۵۱	مسافر کے لیے اذان و تکبیر سے نماز پڑھنے کا حکم۔	"	عبادت کی صورت میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب
"	بلا اذان و اقامت نماز پڑھنے میں مکروہ ہونے کی صورتیں	۳۴۲	قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں پڑھنے کا حکم اور مخالفت پر عید
۳۵۲	اذان میں لحن اور تعنی کی ممانعت اور اس کی وجہ۔	"	تعنی سے مراد اور اس کا شرعی حکم۔
"	اذان کے ساتھ نبی علیہ السلام پر درود کے الفاظ کی زیادتی	۳۴۳	لحن کے معنی مراد ہی۔
"	کا حکم۔	۳۴۴	اذان میں حسن صوت مستحب و مقصود و گناہ تعنی ہرام ہے۔
"	تکبیرات انتقالات میں لحن و تعنی کا فساد۔	"	قرآن کو تعنی سے پڑھنے کے حکم سے مراد۔
۳۵۳	تکبیر کی ایک بے احتیاطی کا مفسدہ۔	۳۴۵	قرآن اور اذان میں تعنی کی حرمت و علت کی حقیقت
"	مجلس ۴۹ جمعہ کی فضیلت اور روز جمعہ کا اہمیت ہونا۔	"	مجلس ۴۸۔ مؤذن کی فضیلت اور اذان مقرر ہونے کا سبب
"	جمعہ کی فضیلت	"	اذان میں آواز بلند کرنے کی ترغیب۔
۳۵۴	تمام امتوں کو جمعہ کے دن عبادت کا حکم اور مسلمانوں کی تخصیص	"	ملاؤن کی گواہی۔
"	جمعہ کی نماز ترک کرنے کا انجام۔	۳۴۶	گواہی سے مراد فضیلت و بلند مرتبہ گواہی ہے۔
۳۵۵	جمعہ کی نماز فرض ہے اور اس کی فضیلت قرآن سنت سے ثابت ہے۔	"	اذان میں جہر کے اصل ہونے کی وجہ۔
"	وجوب نماز جمعہ کے لیے شرطیں۔	۳۴۷	اذان شعار اسلام میں سے ہے اسکے ترک پر جہاد لازم ہے
۳۵۶	اذان سے سعی اور بیع کا ترک اور سنت و بدعت	"	اکثر مشائخ کے نزدیک اذان و تکبیر سنت مولدہ ہے
"	اذان و نماز جمعہ کے درمیان معمولات۔	۳۴۸	واجب نماز کے لیے اذان و تکبیر سنت نہیں۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۶۹	نماز میں تعدیل ارکان کا خیال نہ رکھنے والے کا انجام	۳۶۰	مسیوق کی نماز جمعہ -
۳۷۰	نماز کو ضائع کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا مطلب	"	بلاعذر نماز جمعہ چھوڑنے کا حکم
"	نماز کو اچھی طرح اور برسی طرح پڑھنے کا نتیجہ	"	معذور لوگوں کو جمعہ کے دن ظہر کی نماز یا جماعت کب پڑھیں
"	نماز کے مقبول و غیر مقبول ہونے کا معلوم کرنا۔	"	جمعہ میں شرکت کے لیے لوگوں کو پھیلانگنے کی شرطیں
۳۷۱	مجلس ۵۲ - فرض نماز کی فرضیت اور اس کے ارکان	"	مجلس ۵۰ - مصافحہ کی کیفیت و طرز اور اس کے
"	اچھی طرح ادا کی گئی نماز میں گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہیں۔	"	قائدے اور بے محل اس کے بدعت ہونے کا بیان
"	درستی ارکان نماز پر مداومت کا حکم۔	۳۶۱	مسلمانوں کے باہم مصافحہ کرنے کا اجر
"	نماز کے فضائل۔	"	مصافحہ کا مسنون طریقہ اور اس میں بدعات
"	مجلس ۵۳ - پنجگانہ نماز کی فضیلت اور گناہوں کا کفارہ	۳۶۲	فتنہ بدعت اور مسلمانوں کا عمل -
۳۷۲	پنجگانہ نماز کی برکت سے گناہ بخش دئے جلتے ہیں۔	۳۶۳	تقاید صرف مجتہد کی جائز ہے۔
"	قرآن سے ارکان نماز کی فرضیت۔	"	مجلس ۵۱ - کتاب و سنت اور اجماع است سے نماز
۳۷۸	نماز شروع کرتے وقت تکبیر اور دائیگی کا طریقہ۔	"	کی فرضیت اور تارک نماز کی وعید۔
"	تکبیر تحریمیہ کا وقت۔	۳۶۵	بندے اور کفر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے
"	تکبیر تحریمیہ کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔	"	نماز اسلام کا ضروری لیکن ہے۔
۳۷۹	تتماد و بغوز۔	"	بچے کو نماز پڑھنے کا حکم۔
۳۸۰	تسمیہ اور نماز میں قرأت کا مسئلہ۔	"	قرآن و حدیث سے نماز کی فرضیت کا ثبوت
"	رکوع و سجود اور ان کا طریقہ۔	۳۶۶	وقت مقرر سے مؤخر کرنے والے کے شرعی عذر
۳۸۲	دوسری رکعت میں قرأت۔	"	عذر شرعی کے بغیر نماز کا ترک یا تاخیر جائز نہیں۔
"	قعدہ و تشهد۔	"	قرآن و حدیث اور اجماع سے پانچ نمازوں کا ثبوت
"	دو رکعت نماز سے زیادہ فرض نمازوں میں قرأت	۳۶۷	نماز چھوڑنے والے کے لیے سخت وعیدیں
۳۸۳	دو رکعت سے زیادہ سنت نمازوں میں قرأت۔	"	نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہو جاتا۔
"	قعدہ اخیرہ میں تشهد کے بعد دو دروغا۔	۳۶۸	بلاعذر قصداً نماز چھوڑنے والے کی سزا۔
۳۸۴	نماز کے اندر دعائیں ایک ضروری احتیاط۔	"	بلاعذر نماز چھوڑنے والے کی سزا۔
"	نماز سے فراغت کے لیے سلام اور اس کا طریقہ۔	"	مومن پر نمازوں کی محافظت لازم ہے۔
"	ہرمومن کے ساتھ فرشتوں کی تعداد۔	"	سنن و نقل نمازوں کی اہمیت
"	مجلس ۵۴ - تباعت کی فرضیت اور ترک پر وعید	"	نماز میں تعدیل ارکان فرض و واجب ہیں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۹۵	بلا وضو نماز جنازہ کا حکم شرعی۔	۳۸۵	نماز باجماعت کی فضیلت و اہمیت۔
"	صرف سورتوں کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم۔	"	عذر شرعی اور گھر یا مسجد کی جماعت کا مسئلہ۔
"	مردہ بچے کی نماز جنازہ کے ثبوت کی سورتیں۔	"	امامت کیلئے سب سے بہتر آدمی کی علامت۔
۳۹۶	سمندریں مرنے والے کی تجہیز و تکفین اور تدفین۔	"	فاسق اور بدعتی کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔
"	حد یا نقصان میں مقتول کی نماز جنازہ کا حکم۔	"	جماعت کی صفحہ میں بعد شامل ہونے والے کے لیے ہدایت
"	باسخی اور ڈاکو پر نماز نہ پڑھی جائے۔	"	جماعت کی صفحوں میں فضیلت کے درجے۔
۳۹۷	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۳۸۷	صفحوں کو سیدھا کرنے کی تاکید اور مخالفت پر وعید۔
"	تدفین بلا غسل ہی ہوگی۔	"	دو آدمیوں کی جماعت کا طریقہ۔
"	مقتول کے کسی عضو پر نماز نہ پڑھیں لیکن اگر وہ عضو کل حکم میں ہو	"	تین آدمیوں کی جماعت کا طریقہ۔
"	سولی پانے والے کی نماز۔	"	جماعت شروع ہونے کے بعد شامل ہونے والے کی نماز کا طریقہ
"	کافر کی تکفین و تدفین۔	۳۸۹	امام کیساتھ مسجد یا قعدہ میں ملنے کے لیے ہدایت۔
"	مرتد کی تکفین و تدفین۔	"	امام سے پہلے رکوع و سجود کی ممانعت اور وعید۔
۳۹۸	مجلس ۵۶ جب کا آخری کلام لا الہ الا اللہ سے وہ جنتی ہے۔	"	جماعت کی صفحہ کے اندر رکوع کی سنتیں پڑھنے کی ممانعت
"	زندگی کا آخری کلام کلمہ توحید جنت میں لے جائے گا۔	"	امام کیلئے قرأت اذکار حدیثوں سے کم یا زیادہ کرنا مکروہ ہے
"	استغفار کی کثرت اور گناہوں سے توبہ۔	"	رکوع و سجود کی تسبیحات کی مسنون مقدار۔
"	اداشگی قرص کی تاکید۔	"	رکوع و سجود اور قعدہ کے اذکار میں امام کی متابعت۔
"	حقداروں کے حق ادا کرنے کی تاکید۔	"	مجلس ۵۵۔ نماز جنازہ اور اس کی کیفیت۔
۳۹۹	اداشگی حقوق کی وصیت۔	۳۹۱	نماز جنازہ کا حکم۔
"	اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور امید کی تاکید۔	"	نماز جنازہ کے فرض کفایہ ہونے کی دلیل۔
"	نماز اور طہارت کی پابندی کا حکم۔	"	نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرائط۔
۴۰۰	اپنے اہل و اصحاب کو صبر و تحمل کی وصیت۔	۳۹۲	نماز جنازہ کا طریقہ اور دعا کا مناسب محل۔
"	جنازہ میں مردہ بدعات سے بچنے کی وصیت۔	"	سلام کے بعد کوئی دعا نہیں۔
"	میت کے ساتھ برتاؤ۔	"	نماز جنازہ کی دعا۔
"	مرنوالے کو کلمہ شہادت کی تلقین کا صحیح طریقہ۔	"	مردہ بچہ یا دیوانہ کے لیے دعا۔
۴۰۱	وم نکلنے کے بعد میت سے برتاؤ۔	۳۹۳	مسبوق کی تکبیریں کہنے کا طریقہ۔
"	میت کی آنکھیں بند کرنے وقت کی دعا۔	"	مسبوق اور صفحہ میں شامل غافل کی تکبیروں میں فرق۔
"	میت کو غسل دینا واجب ہے۔	۳۹۴	قبر پر نماز جنازہ۔
"	میت کو غسل دینے کا طریقہ۔	"	نماز جنازہ کی امامت کا حق اور اس کا استعمال۔
۴۰۲	میت کے خوشبو لگانے کا مسئلہ۔	"	امامت کے لیے میت کی وصیت کا حکم۔
۴۰۳	ہالوں میں گنگھی کرنے اور بال تراشنے کی ممانعت۔	"	امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔
"	غسل کے بجائے تیمم کا مسئلہ۔	۳۹۵	نماز جنازہ کی صفحہ اور ان میں فضیلت۔
"	میت پر خود بخود پانی بہ جانے سے غسل نہیں ہوتا۔	"	نماز جنازہ میں وقت کے اعتبار سے کراہت و جواز۔
"	میت کو غسل دینے والے کے لیے ہدایات۔	"	مسجد میں نماز جنازہ کا شرعی حکم۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۳۱۸	زیارت قبور کا طریقہ اور آداب۔	۳۰۳	کفن اور اس کو پہنانے کا طریقہ۔
"	اہل قبور سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ۔	۳۰۴	عورت کے لیے مسنون کفن اور اس کا طریقہ۔
۳۱۹	مرغیوں کی یاد اور اس عبرت کا طریقہ اور اس کی تاثیر۔	"	نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔
"	مجلس ۵۔ طاعون کی حقیقت اور وہاں جانے یا وہاں سے جانے کا طریقہ۔	"	جنازہ اٹھانے کا مسنون طریقہ۔
۳۲۰	طاعون طاهر ہونے کا سبب امر الہی کی مخالفت۔	"	جنازہ کو لے کر چلنے کا مستحب طریقہ۔
"	طاعون کے علاقے میں جانے اور وہاں سے بھاگنے کی نکتہ۔	۳۰۵	جنازہ کے لیے اٹھنے بیٹھنے کا مسئلہ۔
"	طاعون بھاگنے کی ممانعت کا صحیح مفہوم اور اس کے دلائل۔	"	جنازہ سے واپس لوٹنے والوں کے لیے ہدایت۔
"	طاعون سے بھاگنے کی ممانعت کی حکمت۔	"	قبر اور قبر میں میت اتارنے کی ہدایت و طریقہ۔
۳۲۱	طاعون اور جہاد سے بھاگنے والے کم زندہ بچتے ہیں۔	۳۰۶	قبر کی ہیئت اور اس میں مکروہ امور۔
۳۲۲	طاعون کا عذاب نازل ہونے کا سبب۔	"	میت والوں کے گھر کھانا مکروہ اور کھانا مستحب ہے۔
"	لنگ لوگوں کے عذاب اور عزم میں مبتلا ہونے کا سبب۔	"	تعزیت مستحب ہے۔
۳۲۳	طاعون مومن کیلئے شہادت اور رحمت ہے اور کافر کے لیے عذاب۔	"	منکر کبیر کا سوال انبیاء سے نہیں ہوتا۔
"	کیا کبیرہ گناہ کرنے والا مومن شہید ہوگا۔	"	مجلس ۵۔ زیارت قبور جائز یا ناجائز ہونا۔
۳۲۴	شہادت کی وجہ سے حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں۔	۳۰۷	زیارت قبور کی ممانعت و اجازت کے وجوہ۔
"	قیامت کے دن حقوق العباد کی معافی کا طریقہ الہی۔	۳۰۹	قبروں کی زیارت کرنے والے مردوں کو انتباہ۔
۳۲۵	مومن گنہگار دوزخ میں بھیجا گیا نہیں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔	"	قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت۔
"	مجلس ۶۔ طاعونی مقام میں صبر کی فضیلت اور اس کے دفع کے لیے دعائے جائز ہونے کا بیان۔	۳۱۰	قبر والوں سے عبرت و مواعظت۔
"	طاعون کے مقام پر صبر کرنا خواہ کسی طرح فوت ہو شہید ہوگا۔	"	قرآن پڑھنے کا مسئلہ۔
۳۲۶	تقدیر پر پھر دوسرے کے طاعون میں صبر کرنا خواہ کتنے ہی فتنے سے محفوظ رہے۔	۳۱۲	رد و صندہ اقدس پر سلام اور دعا کا طریقہ۔
"	طاعون میں صبر کرنے والوں کا طرز عمل۔	"	قبر والوں پر سلام کرنا اور ان کے لیے عبادت کا سبب۔
۳۲۷	ایک شبہ کا ازالہ۔	۳۱۳	فتنہ بدعت کی تباہ کاری۔
"	جہاد میں تل کی طرح طاعون کی موت بھی شہادت ہے۔	"	صحابہ کے اعمال و افعال اختیار کرنے کی ضرورت۔
"	طاعون دور ہونے کی دعا جائز نہیں۔	۳۱۴	لذم جماعت کا حکم اور اس کا مطلب۔
۳۲۸	طاعون کے خاتمہ کی دعا جمع کر کے گزنا بدعت ہے۔	"	دین کی اصل اور سجدگی و استنوازی۔
"	طاعون نادر دوسری بیماریوں کے خاتمہ کی دعا میں فرق ہے۔	"	حق و ناحق کی تمیز میں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔
۳۲۹	نیک لوگوں سے مراد۔	"	مجلس ۷۔ موت کی یاد اور اس کی تیاری کی ضرورت۔
"	مسلمان کا فرض۔	۳۱۵	موت کو بکثرت یاد کرنے کا حکم اور فائدہ۔
"	وصیت کی نوعیت اور ضرورت۔	"	موت کا وقت متعین نہ ہونے کا سبب۔
۳۳۰	وصیت کا طریقہ۔	"	موت نصیحت کرنے والی ہے۔
"	دراشت کے اصول شرعی کی مخالفت کا نتیجہ۔	"	موت کو یاد کرنے والے کا اعتراض۔
"	مجلس ۸۔ بلیات اور مصائب پر صبر اور انا للہ	"	شہداء کے ساتھ اٹھنے والے لوگ۔
"	وانا الیہ راجعون پڑھنے کی فضیلت۔	۳۱۸	دل کا علاج کر کے اصلاح نفس میں کوشش کرنا حکم۔
"		"	زیارت نبو کا حکم اور شرک بدعات سے بچنے کی ہدایت۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۲۲۴	دوست و دشمن کا معیار۔	۲۳۱	مومن پر آنیوالی مصیبت اسکے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوتی ہے
۲۲۵	اعمال کے بغیر صرف نیک لوگوں سے محبت کافی اور مفید ہے	"	گنہگار مومن کے لیے پانچ طرح کی سزائیں۔
"	مجلس ۲۳۔ قیامت کے دن بندہ سے حساب و جرح۔	۲۳۲	بے گناہ مومن پر مصیبت اس کے درجات کی بلندی سے
"	قیامت کے دن چار چیزوں کے بارے میں یقینا سوال ہوگا۔	"	مصیبت پر ثواب کا دار و مدار صبر کرنے پر ہے۔
۲۲۶	نجات آخری کا ذریعہ۔	"	صبر یہ بھی صدمہ کی ابتداء میں اجرت ملے گا۔
"	آخری تجارت اور نیادی میں ذوق اور نتائج۔	۲۳۳	مصیبت پر بے صبری کا نتیجہ۔
"	اپنے نفس کے محتاجے کا طریقہ۔	"	میت پر رونے اور نوحہ کرنے کا حکم شرعی۔
"	انسانی زندگی کی قدر۔	"	اہل میت سے تعزیت کا حکم اور طریقہ۔
۲۲۷	متقدمین کا نفس کی خیر گیری کا انداز۔	۲۳۴	صبر کی اہمیت اور اس پر اجر عظیم۔
"	دنیا میں گذاری ہوئی ساعتوں کے آخری نزلے	"	مصیبت میں صبر کرنے پر اجر اور ایک لوترا حق کا جواب
۲۲۸	اعضا کی حفاظت کا حکم۔	۲۳۵	مصیبت کے ہلکا ہونے کی صورت اور ثواب
"	آخرت میں آنکھ کے بارے میں سوال۔	۲۳۶	ہر مصیبت پر اناللہ العزائم پڑھنے کا حکم۔
"	دل کے بارے میں آخرت میں سوال۔	"	مصیبت پر اناللہ العزائم پڑھنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔
۲۲۹	قیامت میں اللہ ربے سے پوچھے گا۔	۲۳۷	رضا بالقضا کی اہمیت و حقیقت۔
"	مومن سے اللہ کا وعدہ کہ اسکی خطاؤں کو دوسرے نظر نہیں کرے گا۔	"	مومن اور منافق کی بیماری اور صحت میں فرق۔
۲۵۰	توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر نامہ اعمال سے مٹانے نہیں جاتے	"	انسان پر مصیبت کا اثر
"	حقوق العباد حسات بدلہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔	۲۳۸	مصیبت پہنچنے کی صورتیں۔
۲۵۱	حقوق کی ادائیگی میں غفلت کا انجام	"	اللہ کے بندوں پر مصیبت پڑنے کی حکمت۔
"	حقوق میں کوتاہی کی بخشش کرانے کا طریقہ۔		مجلس ۲۴۔ آنحضرت صلعم کے اس قول کی تحقیق کہ پانچ
"	قیامت میں اللہ مومنوں میں صلح کر دے گا۔	"	چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو۔
۲۵۳	قیامت میں مومنوں کی بخشش کا طریقہ خداوندی۔	"	پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو۔
"	روزہ مومن کے لیے ڈھال ہونے کا مطلب۔	"	زندگی ایک غنیمت ہے اسکو ضائع کرنا روحانی ذلت کا سبب ہے
"	مجلس ۲۴۔ بندے کو خود اپنے نفس سے حساب لینا۔	۲۳۹	دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو کر نیک کاموں کو فرصت کے
۲۵۲	قیامت میں حساب لینے اور پیش کرنے کا بیان۔	۲۴۰	لیے ٹالنا بے وقوفی ہے۔
"	انسان کو اپنا خاصہ کرنا ضروری ہے۔	"	دنیا سے محبت کا اثر۔
۲۵۵	حسابہ نفس کا فائدہ اور نہ کرنے کا نقصان۔	۲۴۱	موت کے بعد دنیا سے محبت کر نیوالوں کا حال۔
"	مرنے کے بعد انسان کی کیفیت اور سب سے پہلا عذاب	"	دنیا سے محبت کر نیوالوں کو آخرت میں پہلا عذاب
۲۵۶	دنیاوی شہوت سے انگ اور طاعت میں لگا ہوا انسان۔	"	موت کی مصیبت اور موت سے بھی بڑی مصیبت۔
"	موت کا کوئی وقت متعین معلوم نہیں۔	۲۴۲	ایمان یعنی اللہ سے ہمد کرنے کے تقاضے۔
۲۵۷	دعوائے ایمان کے ساتھ حالت نفاق کا ظہور۔	۲۴۳	اپنے نفس سے حساب لینے کا طریقہ۔
"	مصیبت پر جرات کی دو صورتیں۔	"	حقوق ادا کیے بغیر مرجانے والے کا انجام
"	شہوت میں مشغول رہنے اور عمل میں تاخیر کے اسباب	"	شیطان کی پیروی سے ممانعت کا حکم
۲۵۸	تکلیف اور عذاب سے پناہ کا طریقہ تباہی اللہ کا فضل کریم ہے	۲۴۴	بے ایمان انسان کی دوستی سے بچنے کا حکم

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۴۵۰	قبولیت توبہ علامت اور اثرات۔	۴۵۸	دنیا اور آخرت کے عیش و راحت میں فرق۔
"	توبہ کے بعد مومن کے گزشتہ گناہوں پر لعنہ زنی کی مخالفت	۴۵۹	موت ایک اہل حقیقت ہے۔
"	جلسہ ۲۷۔ ہوشیار و احمق کے حال۔	"	انسان کی کوتاہی پر تنبیہ۔
"	عقل مند اور بے وقوف لوگ۔	۴۶۰	نفس کو مجاہدہ اور طاعات کی راہ نکلنے کا طریقہ۔
۴۵۱	نفس کے دھوکے کے طریقے اور درجے۔	"	نفس کا ایک دھوکا اور اس کا علاج
"	نفس کے دھوکے کا علاج۔	"	زمین کے باشندوں کی اکثریت گمراہی پر ہے۔
۴۵۲	شیطان کے دھوکے کا ایک انداز اور اس میں غلطی۔	جلسہ ۲۵۔ امت کو توبہ کی رغبت اور وجوب اور زمین باطن	
۴۵۳	شیطان کے دھوکے کا دوسرا انداز اور اس میں غلطی۔	"	سے اس مقصد کا حصول۔
"	آخرت مومن کے نزدیک یقینی ہے۔	۴۶۱	امت کو توبہ کی ترغیب۔
"	کامل نجات اخروی کیلئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی اہمیت۔	"	ثبوت توبہ کی تین شرائط۔
۴۵۴	دنیا سے دھوکہ کھانے والے لوگ۔	۴۶۲	توبہ کی حقیقت برامت۔
"	رجا یعنی اُمید کا حقیقی مفہوم۔	"	توبہ مسلمانوں پر واجب ہے۔
"	جلسہ ۲۸۔ تقویٰ و حسن خلق کی فضیلت و حقیقت۔	"	توبہ بے کے معنی و مطلب۔
۴۵۵	سعادت ابدی کا سبب۔	"	بلوغ کے بعد کے بعض احوال جو توبہ سے زیادہ دشوار ہیں۔
۴۵۶	سعادت اخروی کے لیے تقویٰ کی شرط۔	۴۶۳	عقل اللہ کا گروہ سے اس کا شہوات پر غلبہ ہی توبہ سے
"	دنیا کی بھلائیاں۔	"	اولاد آدم کی گمراہی کے لیے شیطان کا اعلان۔
"	آخرت کی نیکیاں اور بھلائیاں۔	"	توبہ فرض عین ہونے کا سبب
"	تقویٰ کی فضیلت۔	"	توبہ کے طوراً واجب ہونے کا فائدہ اور تاخیر کے نقصان
۴۵۸	تقویٰ کے معنی و مفہوم۔	۴۶۴	ایمان کامل اور ایمان ناقص۔
"	تقویٰ کی حقیقت	"	گناہوں پر عہد بننے والے کے فائدہ کی دو صورتیں
۴۵۹	اس زمانہ میں شہادت سے احتراز نہ ہو سکنے کے اسباب	"	بخشش خداوندی۔
۴۶۰	لوگوں کے معاملات کی حالت۔	۴۶۵	دین و دنیا کے لیے اللہ کے تاعدہ میں تغیر نہیں۔
"	آج کے دور میں معاملات کی صورت۔	"	جلسہ ۲۶۔ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ اللہ اس وقت تک
۴۶۱	اس زمانہ میں تقویٰ کا مفہوم۔	"	و عاقبول کرتا ہے جب تک سانس گلہ میں نہ آئے
"	وظائف و تنخواہ پر کام کرنے والوں کا رزق۔	"	قبولیت توبہ کی معیار۔
۴۶۲	جس رزق کو شریعت برائے کہے وہ حلال ہے۔	۴۶۶	موت کے آثار نظر آنے کے بعد توبہ اور ایمان کا مفہوم ہونا
"	جب تک حرمت یقینی معلوم نہ ہو تو کھانا حلال ہے۔	"	بندہ پر گناہوں سے توبہ واجب ہے۔
"	جلسہ ۲۹۔ حلالی کمانی کی تلاش ضروری ہے اور یہ کہ	"	استغفار اور توبہ کی کثرت کا حکم۔
"	کو نسی کمانی یا کرے اور کو نسی بڑی۔	۴۶۷	لٹاک ہونے والے لوگ
۴۶۳	کسب حلال کی ترغیب۔	"	توبہ کرنے والوں کی اخروی جزا۔
"	کسب معاش کو کر وہ کہنے والوں کا استدلال۔	"	توبہ کے شرائط اور حقیقت۔
۴۶۴	محنت مزدوری کی شرعی حیثیت۔	"	اللہ توبہ قبول کرتا ہے۔
"	انبیاء علیہم السلام بھی کماتے تھے۔	"	گناہوں کی نسیمیں اور اس سے توبہ کا طریقہ

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۰۱	بیع میں قسم کھانے کی ممانعت۔	۲۸۵	کسب رزق کا حکم
"	مال کا عیب چھپانا ناجائز ہے۔	"	محبوب تاجر
"	بلا عیب تجارت کا طریقہ۔	۲۸۶	ایک مسلمان تاجر کا طرز عمل۔
۵۰۲	برکت والی بیع۔	۲۸۷	دنیا کی تجارت اسخرت کی تجارت کے خسارے کا سبب نہ بنے۔
"	دین و دنیا کی بھلائی کا اصول۔	"	سب سے بڑی جگہ بازار اور اس سے بچنے کا طریقہ۔
"	مجلس کی قیامت میں کونسا تاجر صادق یا فاجر ٹھہرے گا۔	۲۸۸	تجارت میں ظلم کا مطلب اور اس سے بچنے کا حکم۔
"	قیامت کے روز دو قسم کے تاجر۔	"	تاجر کا اپنے مال کی بیجا تعریف ظلم ہے۔
۵۰۳	غفل و ظلم سے مراد۔	"	مال کا عیب چھپانا بھی ظلم ہے۔
"	کھوٹے روپے پیسے کو رواج دینا ظلم عام ہے۔	۲۹۰	عیوب ظاہر کر کے مسلمانوں سے خیر خواہی کا حکم
۵۰۴	کھوٹے روپے پیسے لینے دینے کے بارے میں اچھے اور بُرے تاجر کا طریقہ	"	خیر خواہی کا سبب۔
"	کھوٹے روپے کو دینا اور روپے سے مراد۔	"	متقدمین صلحاء کا طرز عمل۔
۵۰۵	مال کی تعریف میں قسم کھانے کی ممانعت۔	"	مقدار میں کمی بیشی کی صورتیں اور ان کی ممانعت۔
۵۰۶	مال کا عیب چھپانا ناجائز ہے۔	۲۹۱	خرید و فروخت میں موجودہ نرخ سچ سچ بتانا ضروری ہے۔
"	خرید و فروخت میں خیانت کی صورتیں۔	"	عدل فقط نجات کا اور احسان کامیابی و حصول سعادت کا سبب ہے
۵۰۷	نفع لینے کی صحیح صورت۔	۲۹۲	احسان اور اس کی مختلف صورتیں۔
"	نفع لینے کی ایک غلط صورت۔	"	مجلس ۷۔ احتکار کی حرمت اور اسکے شرعی احکام۔
۵۰۸	فروخت میں احتیاط۔	۲۹۳	ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔
"	فروخت کی چیز کا عیب بیان کرنا ضروری ہے۔	"	قیمت متعین کرنا اور کنٹرول کرنا ناجائز ہے۔
۵۰۹	منافع پر چیز بیچنے کا حکم۔	۲۹۴	نرخ مقرر کرنے کی ایک صورت کی ابادت۔
"	بیزار دھار خرید کر منافع پر بیچنے کا حکم۔	"	استحکار یعنی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کیلئے حکم۔
"	مجلس ۷۔ تاجر کے تمام افعال و اقوال میں صدق و امانت کی تربیت	"	ذخیرہ اندوزی کا تعین اور مذمت۔
۵۱۰	تجارت میں صدق و امانت کی ضرورت۔	۲۹۵	غلہ کی تجارت کی ایک غلط صورت۔
۵۱۱	انفقا و بیع کے لیے الفاظ اور ان کا حکم۔	۲۹۷	بانع سے بھاؤ کی گرائی اور خریدار سے ارذانی چھپانا ظلم ہے۔
"	بیع تعاطی کا حکم۔	"	جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کا حکم شرعی
۵۱۲	بیع میں خیاب قبولی کا حکم شرعی۔	"	بخش کی صورت اور حکم۔
"	خیاب عیب۔	"	نرخ طے ہو جانے کے بعد مزید بڑھانے کا حکم
"	نقد و ادھار بیع صحیح ہے۔	"	ارخصت کا حکم۔
۵۱۳	ادار بیع کی صورت میں قیمت کی ادائیگی کی مدت متعین کرنا ضروری ہے	۲۹۸	بیع جس طرح قبول سے منعقد ہوتی ہے فعل سے بھی ہو جاتی ہے۔
۵۱۴	خریدی ہوئی چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے اگے فروخت کرنا جائز نہیں	"	خرید و فروخت کے ناجائز طریقے
"	قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف کے جائز ہونے کی صورت	۲۹۹	بیع ناسد کی صورتیں اور احکام۔
"	گیہوں وغیرہ کی خرید و فروخت کا صحیح طریقہ۔	۵۰۰	بیع موقوف کی صورت اور احکام۔
۵۱۵	اشیا کے ناپ تول کا صحیح طریقہ۔	"	تاجر کی ذمہ داری۔
"	فی بیعانہ کے حساب سے منعقد ہونے والی بیع۔	"	مال کی بے جا تعریف کی ممانعت۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۲۹	بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار و وصفت معلوم ہو۔	۵۱۵	جانوروں کے ریوڑ کی بیع کا صحیح طریقہ۔
۵۳۰	جس چیز کی مقدار اور وصفت معلوم نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں۔	۵۱۶	بیع ناجائز ہونے کی صورت۔
"	کسی تمام جمانے سے بھی سلم جائز نہیں۔	"	بیع باطل و فاسد کا فرق۔
"	امام اعظم کے نزدیک بغیر سات شرطوں کے بیع سلم جائز نہیں۔	۵۱۷	بیع باطل اور فاسد کی مثالیں۔
۵۳۱	بیع سلم کا عقد صحیح رہنے کی شرط۔	۵۱۸	روغن سمیت برتن بیچنے کی غلط اور صحیح صورت۔
"	من اور بیع پر قبضہ کی بعض صورتوں کا حکم۔	"	پانی میں بیع کی غلط اور صحیح صورت۔
۵۳۲	بیع استقناع اور اس کا حکم۔	"	اڑتے ہوئے جانور کی بیع
۵۳۳	اشیاء کے قرض کی جائز اور ناجائز صورتیں۔	"	دودھ کی بیع۔
۵۳۴	قرض لینے دینے اور اس کی ادائیگی کی جائز و ناجائز صورتیں۔	۵۱۹	بکری کی اُون کی اس کے جسم پر بیع۔
۵۳۵	قرض میں تعین مدت کا مسئلہ۔	"	مردانہ کھال اور ہڈیوں وغیرہ کی بیع کی جائز و ناجائز صورتیں۔
"	جلسہ ۷۵۔ سوال حرام اور اس کے متعلق وعیدیں۔	"	چھت میں شہتیر اور تھان میں سے حقوڑے کپڑے کی بیع۔
"	سوال کرنے والے کی آخرت میں رسوائی۔	۵۲۰	بعض معاملوں میں بیع جائز و ناجائز ہونے کی وجہ۔
۵۲۶	سوال حرام ہونے کی وجوہات۔	"	فروخت شدہ چیز کے استعمال کی جائز و ناجائز صورتیں۔
"	کس وقت سوال کرنا حلال ہے۔	۵۲۱	بعض صورتوں میں فروخت کرنا جائز ہے۔
۵۲۷	اُٹندہ ضرورت کے لیے مانگنے کا حکم شرعی۔	"	صرف نیت سے بیع منعقد نہیں ہوگی۔
"	ایسی صورت جس میں سوال کرنا لازم ہے۔	"	درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع۔
"	کمائی سے ناجائز شخص کی بلاک سے لوگ گنہ گار ہوں گے۔	"	جلسہ ۷۶۔ سود کی حقیقت اور اس کا انجام بد۔
۵۳۸	سائل حد شرعی سے بڑھ جانے تو اسکو تہنید تادیب جائز ہے۔	۵۲۲	سود کا لین دین پھیل جانے کی پیشین گوئی۔
۵۳۹	سائل کو نہ تہنید کرنے کے حکم کا مطلب	"	سود کے کثرت سے پھیلنے کا سبب۔
"	مسجد میں سائل کو دینے کا حکم	۵۲۳	سود کھانے والوں کا انجام۔
۵۴۰	جمعہ کے منہجہ کے دوران یا پہلے سوال کرنے کا حکم۔	"	تاجر کے لیے علم سیکھنے کی ضرورت۔
"	مسجد میں سوال کرنے والوں کے لیے وعید۔	"	سود کے معنی اور قسمیں۔
"	ضرورت مند کو مسجد میں مدد دینا استحساناً جائز ہے۔	۵۲۴	زیادتی تجارت کے سود کی شرط۔
"	سوال کی قسمیں اور ان کا شرعی حکم۔	"	ادھار کے سود کی شرط۔
۵۴۱	سوال کی حرمت جس طرح ال ہیں ہے خدمت میں بھی ہے۔	"	سود کی علت اور اس کا اثر۔
"	خدمت لینے کی جائز صورتیں۔	۵۲۵	ایک جنس کی اشیاء اور مختلف جنس کی اشیاء کی بیع۔
"	جلسہ ۷۷۔ مالک پر غلاموں کے حقوق و احکام۔	"	ایک ہی جنس کی اشیاء کی بیع کا اصل مدار۔
"	غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم۔	۵۲۶	اشیاء کے کیلی اور ردنی ہونے کا معیار۔
"	غلاموں کو مارنے کی ممانعت۔	"	ہم جنس اشیاء میں سود۔
۵۴۳	تادیب کے لیے مارنے کی اجازت اور اس میں احتیاط۔	۵۲۷	چیز اور اس کی قیمت پر فوری قبضہ کی شرط۔
۵۴۴	غلاموں کی سزاؤں سے دفعہ معاف کرنے کا حکم۔	"	سودنے پباندی کی بیع کی جائز و ناجائز صورتیں۔
"	گھر کا نقصان کرنے پر غلاموں کو مارنے سے ممانعت۔	۵۲۸	سودنے پباندی کی بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔
۵۴۵	منازی کو مارنے کی ممانعت۔	"	جلسہ ۷۸۔ بیع سلم اور دیگر قسم کے عقود کے اقسام اور احکام

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۶۰	اسلام میں شراب حرام ہونے کی وجہ۔	۵۴۵	عبادات کی ادائیگی میں غلام کے لیے حکم۔
"	اسلام میں حرمت شراب کا تدریجی حکم اور اس کی حکمت	"	مولا اور غلام کے ایک دوسرے پر حقوق۔
"	ہیلا حکم نفرت دلانے کے لیے۔	۵۴۶	غلاموں کو آزاد کر دینے کا حکم۔
۵۶۱	دوسرا حکم شراب کا گناہ نامدہ سے بڑا ہے۔	"	موتی کیلئے غلام کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کا حکم۔
"	تیسرا حکم نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منافقت۔	"	غلام کو دین کی باتیں سکھانا مولیٰ پر واجب ہے۔
"	چوتھا حکم صریح حرمت شراب۔	۵۴۸	مولیٰ غلام کو سزا کے شرعی نہیں دے سکتا۔
۵۶۲	حرمت شراب کی آیت کی شراب کے حرام ہونے پر دلالت کس پر ہے	۵۴۹	غلام کے ساتھ بڑا سلوک کرنے والے کا حکم۔
"	حرمت شراب کے حکم کی تعمیل میں صحابہؓ کا عمل۔	"	مدد قذت کی شرائط۔
۵۶۳	شراب کی قباحت۔	"	مدد قذت کے بعد اس شخص کی گواہی مقبول نہیں
"	دورخ کا عذاب۔	۵۵۰	کسی پر تہمت زنا لگانے والوں کے لیے حکم۔
۵۶۴	شراب کے بارے میں مومن کا رویہ۔	"	کسی کو زنا کرنے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا حلال ہے۔
"	شراب کی حقیقت اقسام اور ان کا حکم۔	"	مجلس ۷۷۔ غلام کی حرمت اور اس کی سزا۔
"	مجلس ۷۹۔ غنیمت میں خیانت اور نازیوں میں اسکی تقسیم کا واجب ہونا	۵۵۱	لواطت کی ذلت و خباثت۔
۵۶۵	غنیمت میں خیانت کا انجام۔	"	لواطت کرنے والے جو پاؤں سے بھی بدتر ہیں۔
"	مال غنیمت جمع و تقسیم کے احکام۔	۵۵۲	آخرت سے غافل لوگ۔
۵۶۶	مال غنیمت میں خیانت پر وعیدیں۔	"	آخرت میں لوگوں کی قسمیں۔
"	شرعی طریقے کے سوا مال غنیمت میں سے کچھ لینا حلال نہیں	"	گناہوں سے محبت کا سبب۔
۵۶۷	غنیمت کے مستحق دو ذریعہ۔	"	ایمان حقیقی کا تقاضہ
"	شرعی طریقے کے بغیر غنیمت میں تصرف کرنا حلال نہیں	۵۵۳	لواطت کرنے والے کا ایمان۔
۵۶۸	تصفیل یعنی انعام ملنے والے مال غنیمت اور اس میں تصرف کا حکم	"	لواطت کی سزا۔
۵۶۹	تصفیل کے سوا دار الحرب سے ملنے والی اشیاء کا حکم۔	۵۵۴	لواطت کی سزا سنگین ہونے کی وجہ۔
"	تجارت اور بندرگاہوں وغیرہ بیکس کی شرعی حیثیت۔	"	بالغ کے لیے نابالغ سے میل جول جائز نہیں۔
۵۷۰	سرکاری بیت المال میں ناجائز تصرف کی اخروی سزا۔	"	رہا کے عورت کے حکم میں ہیں۔
۵۷۱	پہلی قسم صدقات و زکوٰۃ اور اس کے مصارف	۵۵۵	رہا کوں سے تعلقات کی خرابی۔
"	دوسری قسم غنائم وغیرہ کا خمس اور اس کے مصارف۔	۵۵۶	لواطت حرام ہونے کے دلائل۔
"	تیسری قسم خراج و ہزیرہ اور اس کے مصارف۔	۵۵۷	لواطت کی اخروی سزا۔
"	چوتھی قسم قوطہ اور لا وارث مردہ کے ترکہ کا مال اور اسکے مصارف	"	لواطت خبیث نفل ہے۔
۵۷۲	بیت المال کے چاروں اقسام کو انکے مصارف پر شرح کرنا حکم	"	مجلس ۷۸۔ شراب کی حرمت اور اسکے عذاب اور اس کی برائیاں۔
"	بیت المال کے ایک قسم کے مال کو دوسری قسم کے مصارف میں	"	شراب حرام نجس اور غلیظ ہے اس کا پینے والا جنت میں نہ جائے گا۔
"	خرچ کرنے کے شرعی احکام۔	۵۵۸	شراب پینے کی دنیاوی سزا۔
۵۷۳	بیت المال حکمران کی ملکیت نہیں۔	"	شراب کو حلال سمجھنا کفر اور اس کا کاروبار حرام ہے۔
"	بیت المال سے سخاوت اور وظائف لینے کا مسئلہ۔	"	شراب خانوں کو جلانے کا شرعی حکم۔
"	مجلس ۸۰۔ فقہ اور ضلالت شرع امور کے ظاہر ہونے کی بوقت کیا کرنا	۵۵۹	شراب کو حلال قرار دینے والے مسلمان کو قتل کر دیا جائے گا۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۹۱	حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کی حقیقت -	۵۷۲	مسائل فتنوں کے ظہور سے پہلے عمل کی یقین
۵۹۲	بعض انبیاء علیہم السلام پر گرفت الہی کا سبب -	"	فتنوں کے سبب مسلمان کے کاڑھو جانے کی وجوہ
"	سعادت انبیاء علیہم السلام	"	عرف کی بنیاد پر شریعت کے خلاف فیصلہ شریعت کے
۵۹۳	قرآن و حدیث میں مذکورہ تخلص انبیاء کی توضیح	۵۷۵	احکام منسوخ کرنے کے مترادف ہے -
"	قرب الہی کے مقام پر نائن شخصوں کے عمل کی نوعیت	۵۷۶	جرم کی تفتیش میں سختی کا نتیجہ ظلم ہے -
"	مجلس ۸۳ - اللہ تعالیٰ سرحدی کے غازی پر مجدد دیکھ کر تلبے	"	عرف کی بنا پر ظلم کی انتہا
۵۹۴	سرحدی میں مجددین کی پستیں کوئی -	"	عرف کی بنیاد پر ظلم و سختی کرنے والوں کی مثال -
"	مجددین کی پہچان -	۵۷۷	عرف کی بنیاد پر ظلم و سختی کے جواز پر استدلال کی حقیقت
"	سر سو برس کے لیے تجدید دین کی ضرورت -	"	مشتبہ اذاد کو سیاست کے طور پر سخت سزا کا شرعی حکم -
"	نور بحری صدیوں کے مجددین -	۵۷۸	ہا غیوں کو قتل کرنے کا حکم -
۵۹۵	سرحدی کے شروع پر ایک ظالم بادشاہ اور ایک مجدد ہوگا	۵۷۹	قتلہ کے زمانہ میں باغیوں کے مددگار کا قتل کرنا جائز ہے -
"	پہلی صدی کا فتنہ احجاج -	"	مشہ کے سبب جرائم میں مشہور ملزم پر سختی کی جا سکتی ہے
"	دوسری صدی کا مامون کا فتنہ قرآن	"	مجلس ۸۱ - قاضی بننے بنانے کے احکام -
"	تیسری صدی میں قرامطہ کا فتنہ	۵۸۰	قاضی کا فیصلہ گواہی کے مطابق ہوگا -
"	چوتھی صدی میں حاکم بامر اللہ کا فتنہ -	۵۸۱	عقد کے انعقاد اور نسخ میں قاضی کا فیصلہ نافذ ہوگا -
"	پانچویں صدی میں بیت المقدس پر فرنگیوں کا غلبہ	۵۸۲	مطلق ملک میں صرف سال کے مطابق ہوگا -
"	چھٹی صدی میں فتنہ تاتار -	"	ملک عقد اور ملک مطلق کے فیصلے کی مثالیں -
۵۹۶	دارالسلام اور دارالحراب -	۵۸۳	جھوٹے دعویٰ اور جھوٹی گواہی پر وعیدیں -
"	کفار کے قبضے میں دارالسلام کے شہریوں کا حکم -	۵۸۴	مذکورہ صورتوں میں قاضی کے فیصلے کے نافذ ہونے کی شرط
"	ساتویں صدی کا فتنہ -	"	احکام کے جھوٹے دینی معاملات میں فیصلے نافذ ہونگے -
۵۹۷	آٹھویں صدی میں تیمور لنگ کا فتنہ -	"	عہدہ قضا قبول کرنے میں علماء دین کا ملاز عمل -
"	نویں صدی میں سلطان سلیم خان کا فتنہ	۵۸۵	عہدہ قضا طلب کرنے والے کا انجام -
"	دسویں صدی کے فتنے	"	مجلس ۸۲ - کن لوگوں کو علماء میں وعظ کہنا درست ہے -
"	مسلمان قاتل و مقتول کا حکم -	۵۸۶	وعظ کہنے والے لوگوں کی تین قسمیں -
"	فتنوں کا در اور فتنوں کی صورتیں	"	صحیح العقیدہ علماء کو وعظ کہنے کیلئے مقرر کرنے کی وجہ -
۵۹۸	اللہ تعالیٰ علماء کو انما کر علم کو اٹھایا اور تمہاری پیل چلنے کی -	۵۸۷	اچھے لوگوں کو وعظ کیلئے مقرر کرنے کی دوسری وجہ -
"	علم و دلیل اٹھانے جانے کی پیش گوئی پوری ہو چکی اور یہ بھی	"	اچھے علماء کو وعظ کے لیے مقرر کرنے کی تیسری وجہ -
۵۹۹	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل ہے -	"	روحانی بیماریوں کے علاج کا طریقہ
"	مجلس ۸۴ - سلام کا فرق اور پہلے سلام کا نقل ہے -	۵۸۸	آج کل کے واعظوں کی حالت -
۶۰۰	سلام پہلے کرنا سنت اور جو اب دنیا واجب ہے -	"	نہوں اور یا یوسی کی حقیقت -
"	سلام کا صحیح طریقہ -	"	وعظ کا صحیح طریقہ -
۶۰۱	کسی سے ملتے وقت سلام کرنے کی اہمیت	۵۹۰	وعظ جو وبال ہے -
"	سلام کیلئے تھکنا مکروہ تحریمی ہے -	"	وعظ میں قسمہ گوئی کی حقیقت -

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۱۱	دینی سبب سے چھوڑ دینا واجب ہے۔	۶۰۱	ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے۔
۶۱۲	چھوڑ دینے کی زیادہ سے زیادہ مدت جو بزرگوں سے ثابت	۶۰۳	سلام کا ضروری جواب اور کامل سلام
۶۱۲	دین کے لیے چھوڑ دینے کی اصل وجہ۔	۶۰۴	سلام کرنے اور اس کا جواب دینے میں حق سنت
۶۱۳	آدمی کا حقیقی دوست و دشمن۔	۶۰۵	ایک جماعت کو سلام کیا گیا تو سب پر جواب فرض ہے۔
۶۱۳	برائی سے زبرد کئے والے کا آخرت میں انجام۔	۶۰۶	سلام کرنا سنت کفار اور جواب دینا فرض کفار ہے۔
۶۱۳	مومن کو مومنوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم۔	۶۰۷	ایک چھوٹی جماعت کو سلام اور جواب
۶۱۴	آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا۔	۶۰۸	بڑی جماعت کو سلام کا طریقہ۔
۶۱۴	ایمان کی آخری حد۔	۶۰۹	جماعت میں بیٹھنے کے لیے سلام۔
۶۱۴	مجلس ۸۶۔ بدگمانی اور عیب جوئی سے بچانا۔	۶۱۰	سلام کا مسنون طریقہ۔
۶۱۴	بدگمانی اور عیب جوئی کی ممانعت۔	۶۱۱	سلام کرنے سے ممانعت کے مواقع۔
۶۱۴	گمان کی قسمیں	۶۱۲	جدا ہوتے وقت سلام کا وہی حکم جو ملاقات کے وقت ہے
۶۱۵	بدگمانی کے معنی اور اس کی قسمیں۔	۶۱۳	خط یا قلم کے ذریعہ سلام کا حکم۔
۶۱۵	حسن ظنی اور بدگمانی کی پہچان کا طریقہ۔	۶۱۴	قلم کے ذریعہ سلام پہنچنے کے جواب کا طریقہ۔
۶۱۶	گمان کی دو حالتیں اور ان کا حکم شرعی۔	۶۱۵	کثرت سلام مستحب ہے۔
۶۱۶	بدگمانی کے حرام ہونے کا سبب۔	۶۱۶	دشمن بیک وقت سلام کریں تو دونوں پر جواب واجب ہے
۶۱۶	کسی پر ہمت لگانا بدگمانی سے۔	۶۱۷	زندوں کو مردوں والا سلام کرنے کی ممانعت۔
۶۱۶	مومن کے لیے ہمت سے بچنے کا حکم۔	۶۱۸	مردوں کو دونوں طرح سلام جائز ہے
۶۱۶	تجسس کی ممانعت۔	۶۱۹	بہرے کو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کا طریقہ
۶۱۸	تجسس سے مراد۔ اور اس کا انجام۔	۶۲۰	گونگے کو سلام اور جواب۔
۶۱۸	غیبت سے بچنے کا نسخہ۔	۶۲۱	عورتوں کا آپس میں اور مردوں کو سلام و جواب کا مسئلہ
۶۱۹	مسلمان پر بلا سچی شہادت کے بدگمانی جائز نہیں۔	۶۲۲	نابالغ لڑکوں کو سلام کرنا سنت و جواب دینا واجب۔
۶۱۹	ایک عادل آدمی کی شہادت سے بدگمانی کے بارے میں حکم۔	۶۲۳	بدعتی وغیرہ کو سلام کی ممانعت۔
۶۱۹	دو عادل گواہوں کی شہادت کا حکم۔	۶۲۴	مشطربچ کھیلنے والے کو سلام کا مسئلہ۔
۶۱۹	شک وید کا اصل معیار۔	۶۲۵	ظالم کو سلام کرنے کا طریقہ۔
۶۱۹	مجلس ۸۷۔ فاسق کی صحبت اور اس کے ساتھ کھانسی کی ممانعت۔	۶۲۶	ذمی کافر کو سلام کا مسئلہ
۶۲۰	پرہیزگاری کی مجلس میں رہنے کا بیان۔	۶۲۷	معلوم نہ ہونے کے سبب کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ۔
۶۲۰	آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا۔	۶۲۸	ذمی کے سلام کا جواب دینے کا طریقہ
۶۲۱	اچھے دوست کی مصلحتیں۔	۶۲۹	مجلس ۸۸۔ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ
۶۲۱	وفاداری کے معنی اور اس کے تقاضے۔	۶۳۰	چھوڑنے کا بیان۔
۶۲۲	وفاداری کی شرعی حقیقت	۶۳۱	مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے کی ممانعت
۶۲۲	دوستی کے لائق شخص	۶۳۲	بھائی سے مل کر دینی بھائی ہے اور صلح کی اسمیت
۶۲۳	آج کل کے دوستوں کی حالت۔	۶۳۳	دین کی بھائی بندی نسلی بھائی بندی سے قوی ہے۔
۶۲۳	شیخ و مرشد کا مقام۔	۶۳۴	دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے والا دروغ نہیں

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۳۶	رحمت کا تقاضا۔	۶۳۳	استاد اور شاگرد کی ذمہ داریاں۔
"	بندوں پر رزق کی تنگی اور مصیبت بھی رحمت ہے۔	"	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی حکایت۔
۶۳۷	دائمی نعمت صرف دین حق ہی ہے۔	"	استاد اور شاگرد کی ذمہ داریاں۔
"	پرہیزگاروں کا انعام۔	"	مجلس ۸۸۔ محبت و عداوت اللہ ہی کے لیے ہے۔
۶۳۸	نیک لوگوں پر مصیبتیں آخرت کی ترقی کا سبب ہیں۔	۶۳۴	اللہ کے لیے محبت و دشمنی سب اعمال سے افضل ہے۔
"	گناہ گاروں کی مصیبت کا سبب۔	۶۳۵	دوستی و دشمنی اور اظہار بغض کے طریقے۔
"	دین حق حقیقت سے نادانگی کے نتائج۔	"	گناہ اور ظلم کرنے والے کے بارے میں روئے کا حکم۔
۶۳۹	عزت و رفعت صرف دین والوں کے لیے ہے۔	"	خدا کی نافرمانی کرنے والے کے ساتھ طرز عمل۔
"	اللہ تعالیٰ مومنوں کا دنیا میں بھی مددگار ہے۔	۶۳۶	گناہ گاروں اور ناسقوں کی قسمیں اور ان کا حکم۔
"	عاقبت سے مراد۔	۶۳۷	بدعتی شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کی ممانعت۔
۶۴۰	اللہ کی تائید کم ہونے کی وجہ۔	"	بدعتی سے تعلقات رکھنے کا نتیجہ۔
"	انسان پر مصیبت ارادہ الہی سے ہی آتی ہے۔	۶۳۸	فعل و عمل کے گناہ گار سے تعلقات کے بارے میں حکم۔
"	مصیبت میں گرفتاری کا معاشرتی سبب۔	"	گناہوں سے نبرد کرنے والے کا آخری انجام۔
۶۴۱	موت سے فرار ممکن نہیں۔	"	گناہوں سے صرف دلی نفرت ایمان کا آخری درجہ ہے۔
۶۴۲	جو اللہ کی اطاعت پر اصرار من کرتا ہے وہ مخلوق کی اطاعت کرتا ہے۔	۶۳۹	جب گناہ سے نفرت نہ رہی تو ایمان نہ رہا۔
"	مجلس ۸۹۔ شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔	"	ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق ہی مکلف ہے۔
۶۴۳	انسان کے اندر شیطان کے دوڑنے کا مطلب۔	"	مجلس ۸۹۔ امر دینی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم اور مخالفت کا ناجائز ہونا۔
۶۴۴	انسان کو گمراہ کرنے کا شیطانی طریقہ۔	۶۳۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔
"	انسان کو ذلیل کرنے کا شیطانی طریقہ۔	"	قیامت تک حلال و حرام وہی ہے جو آنحضرت کی زبان پہا چکا۔
۶۴۵	انسان پر شیطان کے غلبے کی حقیقت۔	"	طاقت کے مطابق عمل کا حکم۔
"	شیطان کو انسانوں کو گمراہ کرنے کی مہلت۔	"	جناہت کی سب باتوں کا چھوڑنا ضروری ہے۔
۶۴۶	اللہ کی اطاعت و عبادت کرنے والے شیطان سے پاک ہیں۔	"	تفصیل حکم بقدر استطاعت۔
"	شیطان کا تابو مشرکوں پر ہوگا۔	۶۳۱	پچھلی آیتوں کی ہلاکت کا ایک سبب کثرت سوال تھا۔
"	شیطان کے مسلط ہونے سے مراد۔	"	انبیاء سے کثرت سوال کی وجہ سے ہلاک ہونے کی وجہ۔
۶۴۷	شیطان کے دوسوہ کا انداز۔	"	بقدر حاجت سوال کرنا ضروری نہیں کرتا۔
"	اللہ کے حکم میں اذیت و تفریب ہی گمراہی ہے۔	۶۳۲	انبیاء کی اطاعت و پیروی ہی کا حکم ہے۔
۶۴۸	ظلم کے ذریعہ ملنے والے مال سے فکی کرنے کا شرعی حکم۔	"	صحابہ کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
"	غیبت اور بارہ گونی کا انجام۔	"	امور دینی میں عقل کی حیثیت۔
"	زبان کی آفتوں سے نہ بچنے والوں کیلئے عذر کا مقام۔	۶۳۳	مجلس ۹۰۔ اللہ تعالیٰ کے عفو پر اس کی رحمت غالب ہے اور دونوں کی حقیقت۔
"	مجلس ۹۱۔ دوسوہ پر جینک عمل نہ ہو مواخذہ نہیں۔	"	اللہ کی رحمت پر غالب ہے۔
۶۴۹	امت محمدیہ کو دوسوہ کی معافی۔	"	
"	دوسوہ اور الہام۔	"	
"	امت محمدیہ کو دوسوہ معاف ہونے کا مطلب۔	۶۳۵	

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۶۰	استمقاد و مواخذہ کی صورت	۶۴۹	اعمال قلبی اور دوسوسہ سے فرق۔
۶۶۱	عمل قلب اور اس پر مواخذہ کا ثبوت۔	۶۵۰	دل میں آنے والی بات کے پانچ درجے۔
"	اعمال قلب پر مواخذہ کی صورتیں۔	"	خیالات کے جن درجوں میں مواخذہ ہے نہ ثواب۔
۶۶۲	دوسوسہ کی معافی کی صورت۔	"	عزم پر گناہ و ثواب ہوتا ہے۔
"	شیطان کو انسان پر قابو پانے کی مہلت۔	۶۵۱	عزم نفل قلب ہے۔ اس پر مواخذہ ہوگا۔
"	شیطان کے فریب کا طریقہ۔	"	اعمال قلوب اور ان پر مواخذہ کا ثبوت۔
"	شیطان کو اپنی کامیابی کے تعین کا سبب۔	"	اعمال قلب پر گناہ و ثواب کی بعض صورتیں۔
۶۶۳	نفس پر شیطان اور عقل کی کشمکش پر تقدیر الہی کا فیصلہ۔	۶۵۲	عزم کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے دوسوسہ معاف ہے۔
	مجلس ۹۲۔ اسلام شروع میں اجنبی تھا اور پھر عنقریب اجنبی ہو جائے گا۔	"	شیطان کی طرف سے اور اس کو دور کرنے کا طریقہ۔
۶۶۴	آخر زمانہ میں اسلام کے عزیز ہونے کا مطلب۔	۶۵۳	خواہش نفس کی اتباع کرنے والے پر شیطان کا قابو۔
"	غریب کون لوگ ہیں اور ان کی قسمیں۔	"	شیطان کا راستہ روکنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم
۶۶۵	غریب اور ان کی فقہیت کا سبب۔	"	ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہے۔
۶۶۶	دین پر صبر کرنے کی اہمیت۔	۶۵۴	انسان پر شیطان کے تصرف نہ کر سکنے کا مطلب۔
"	آخر زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کا مرتبہ۔	"	شیطانی نکر و فریب کی صورت۔
"	دین کا کمال و نزوال۔	۶۵۵	شیطان مومنوں کو خوف دلاتا ہے۔
"	آخری زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کی حالت	"	اہل علم کے لیے شیطان کا فکد
"	مومن کی ذلت اور اُس کا سبب	"	علم شریعت حاصل کرنے والے کو شیطان کا فریب
۶۶۷	انبیاء و سلمیٰ کا طریقہ اور ان کے مصائب کی وجہ۔	"	شیطانی ذیب پر علماء و علماء حق کا طرز عمل۔
"	نبی اسرائیل نے ۴۰ انبیاء اور ایک سو بارہ عابدوں کو ایک دن میں قتل کیا۔	۶۵۶	بڑے علماء کی مثال۔
۶۶۸	امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والوں کی تلخیں۔	"	بے عمل عالم کا عذاب۔
"	تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم۔	"	علم مکاشفہ اور شیطان کا فریب۔
۶۶۹	مصیبت پر صبر کرنے اور معاف کرنے کے فائدے۔	"	مجلس ۹۳۔ آدمی سے فرشتہ اور شیطان کو تعلق ہے۔
"	مخلوق سے تکلیف گناہوں سے کفارہ ہوتی ہے۔	۶۵۷	انسان کے ساتھ فرشتہ و شیطان کا تعلق اور اُس کا اثر۔
	مجلس ۹۵۔ تندرستی و فراغت کی نعمت	"	الہام اور دوسوسہ اور ان کے اثرات۔
"	تندرستی و فراغت نعمتیں ہیں۔	"	صرف ذکر الہی و دوسوسہ کو دور کرتا ہے۔
۶۷۰	فراغت و تندرستی کی نعمتوں کی قدر و ناقدری۔	"	شیطان مہملوں سے دل کی حفاظت کا طریقہ۔
"	دنیا آخرت کی کیفیت ہے۔	"	شیطان کے راستوں کو بند کرنے والے لوگ
۶۷۱	انسان کو اس کی کوشش کے مطابق سعادت ملے گی۔	۶۵۸	شیطانی فریب کی ناکامی اور کامیابی کا سبب
"	قیامت کے دن انسان کی ندامت و حسرت	"	دل میں شیطان اور فرشتہ کی جنگ۔
"	دنیاوی کام میں مشغولیت سے نیک عمل میں کوتاہی کا نتیجہ۔	"	خیالات کی قسمیں اور ان کے اثرات۔
۶۷۲	نیک اعمال میں سستی نہ کرنے کی ہدایت۔	۶۵۹	عقائد و اعمال سے متعلق شیطانی نکر۔
		"	انسان کے دل میں آنے والی بات کے چار مرتبے۔
		"	مذکورہ بالا مرتبہ میں سے پہلے دو پر مواخذہ نہیں۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۶۸۱	مرد پر عورت کے حقوق۔	۶۷۲	دنیا کی محبت کا تیجہ۔
"	اپنے گھر کا کام کرنا عورت پر واجب ہے۔	۶۷۳	دنیا کو دوست بنانے والے کی مصیبت۔
"	عورت کے خادم کا نفقہ شوہر کے ذریعے کی صورت	"	دنیا کو دوست رکھنے والے کو پہلا عذاب۔
"	بیوی کے نفقہ میں وسعت کی ترغیب۔	"	دنیا سے محبت کرنے والوں کی حالت زار۔
۶۸۵	رزق ملال کی اہمیت۔	"	موت کی حقیقت۔
"	بیوی کو کھانے کی چیزیں خیرات کرنے کا حکم دینا چاہیے۔	۶۷۴	ہندسے کے ساتھ رہنے والی دو چیزیں علم اور عمل ہیں
"	بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ۔	"	علم و عمل میں معاون دنیاوی آسائشیں مذموم نہیں۔
"	عورت کے خادم کے لیے کپڑوں کا مسئلہ۔	"	جلس ۹۲۔ بدبو دار چیز کھانے کے بعد مسجد میں بجائے۔
"	عورت کے لیے علیحدہ گھر فراہم کرنے کا مسئلہ۔	۶۷۵	بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت۔
۶۹۰	اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرز عمل کا حکم۔	"	یہاں ہر ٹیک مجلس مسجد کے حکم میں ہے۔
"	اپنی بیوی کے ساتھ کبیل کو دروازے۔	"	بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت کا مطلب۔
"	بیوی سے خوش خلتی میں اعتدال کی راہ۔	"	حقہ پینے والے کو مسجد سے روکنا۔
۶۹۱	اللہ کے ہاں ناپسندیدہ غیرت۔	۶۷۶	حقہ کے نقصانات اور اس کے پینے کا شرعی حکم
"	بے عزتی سے بچانے والی راہ۔	۶۷۸	اشیا کی حرمت و اباحت کی پہچان کا طریقہ۔
"	عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت کا مسئلہ۔	"	کیا حقہ پینا حرام ہے؟
۶۹۲	خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکلنے والی عورت پر لعنت	۶۷۹	حقہ کے حرام ہونے کی ایک توجیہ۔
"	عورت کے لیے بارہ نکلنے کے شرائط و آداب۔	۶۸۰	حقہ پینے والوں کی حالت۔
"	عورت کے عقائد و اعمال درست کرتے ہوئے۔	"	عذات والوں کی طرح بناوٹ سے مسلمانوں کو ناپسند
"	عورت کو آداب سکھانے کا حکم و آداب۔	"	جلس ۹۳۔ بیکار قول و فعل کو لازم ہے۔
۵۱۳	چار صورتوں میں عورتوں کو مارنے کی اجازت	۶۸۱	آدمی کے اسلام کامل ہونے کی شرط۔
"	صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا ثواب۔	"	حقہ بے فائدہ کاموں میں سے ایک ہے۔
"	دوسرا نکاح شرعی عدل کے ساتھ مشروط ہے۔	۶۸۲	نقصان وہ چیزوں سے ممانعت۔
"	تعدد ازواج میں عدل و انصاف کا تقاضا۔	۶۸۳	نقصان وہ چیزوں سے ممانعت
۶۹۳	برا بھری صرف اختیاری امور میں ضروری ہے۔	"	اشیا کی حرمت و اباحت کی پہچان کا طریقہ۔
"	خاوند پر حق مہر کی ادائیگی کا شدید حکم۔	۶۸۵	بدبو دار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی شدید ممانعت۔
۶۹۵	ادائیگی مہر میں حملت یا اس کی معافی کا مسئلہ۔	"	حقہ کے حرام ہونے کی ایک توجیہ۔
"	بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت۔	۶۸۶	حقہ پینے والوں کی حالت۔
"	طلاق دینے کا حرام طریقہ۔	"	مومن کے لیے اہل نفاق سے مشابہت مناسب نہیں۔
۶۹۶	طلاق کی صورت میں عورت سے بیلانی کا حکم۔	۶۸۸	جلس ۹۸۔ عورتوں کے ساتھ گذران میں ان کے حق میں
"	خلع کی صورت میں شریعت کا حکم۔	"	وصیت۔
۶۹۷	عورت پر خاوند کے حقوق	۶۸۷	اپنی عورتوں کو ستانے کی ممانعت۔
"	عورت کا بھار۔	"	عورتوں کے بارے میں انسان کا اللہ سے وعدہ۔
"	عورت پر خاوند کی اطاعت کی انتہا۔	۶۸۸	مرد کا عورت پر حق۔

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۷۰۵	بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ۔	۶۹۷	خاوند کے گھر کی حفاظت
"	عورت کے خادم کے لیے لباس۔	"	بلا اجازت نقلی روزہ نہ رکھے۔
"	عورت کے لیے علیحدہ گھر کا مسئلہ۔	۶۹۸	بلا اجازت گھر سے باہر نہ نکلے
۷۰۶	اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرز عمل کا حکم۔	"	لعنت کی مستحق عورت
۷۰۷	اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود پسندیدہ ہے۔	"	حائضہ عورت کے لیے عبادت کی صورت اور ثواب
"	مومن کے ایمان کامل کی علامت۔	"	عورت کے لیے صحیح راہ عمل
"	بیوی سے خوش خلقی میں اعتدال کی راہ۔	۶۹۹	حمام میں جانے کی ممانعت
"	اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ غیرت	"	قبرستان جانے کی ممانعت۔
۷۰۸	بے عزتی سے بچانے والی راہ۔	۷۰۰	خاوند سے عورت کے تعلق کی نوعیت۔
۷۰۹	عورت کو حمام اور قبرستان جانے کی ممانعت۔	"	عورت رزق حلال کی مہینگی رہے۔
۷۱۰	گھر سے نکلنے کی صورت میں عورت کے لیے حکم۔	"	عورت اپنے جمال پر ناز نہ کرے
"	عورتوں کو ادب اور تعلیم سکھانے کا حکم۔	"	عورت کیلئے اپنی سوکن اور خاوند کے دوسرے
۷۱۱	شوہر کے لیے عورت کو بار بار نکاح جائز ہے۔	۷۰۱	نکاح کی صورت میں صحیح طرز عمل۔
"	ایک بیوی پر قناعت کرنے والے کا ثواب۔	"	عورت کو طلب طلاق کی ممانعت
"	نقد ازدواج سے ممانعت کی صورت۔	"	عورت کو زینت کرنے کے بارے میں شریعت کا حکم
"	نقد ازدواج میں عدل و انصاف کا تقاضا۔	"	بوٹی اور اس کے حکم میں دوسری عورتوں کی باطنی زینت
۷۱۲	عورت کا حق ہر اور اس ادائیگی کا شدید حکم۔	"	کا حکم۔
"	حرم میں ہملت یا معافی کا مسئلہ	"	مجلس ۹۹ و ۱۰۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ
۷۱۳	بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت۔	"	عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت حاصل کرو۔
"	طلاق کا حرام طریقہ۔	۷۰۳	عورتوں کے بارے میں حضور کی وصیت
"	تین طلاق کا مسئلہ۔	۷۰۴	عورت سے نفع اٹھانے کا طریقہ۔
"	طلاق کی صورت میں بیوی سے بھلائی	"	مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ
۷۱۴	کرنے کا حکم۔	"	شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ
"	عورت کے خلع کا شرعی حکم۔	"	گھر کے کام کرنا عورت پر واجب ہیں۔
"	بیوہ کے لیے نکاح کا مسئلہ۔	۷۰۵	عورت پر نزع کرنے میں دعوت کی ترغیب
"	خاتمہ کتاب۔	"	بیوی کو نثریت کرنے کی عادت ڈالنے کا حکم۔

تمہید ترجمہ و تذکرہ مُصَنَّفِ عَلَیہِ الرَّحْمَہُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي من علينا اذ بعث فينا رجا من انفسنا يتلو علينا آياته ويزكينا ويعلمنا الكتاب والحكمة وان كنا من قبل في ضلال مبين والصلاة والسلام على النبي الامي المكي المدني الهاشمي الصادق الامين وعلى اله وصحبه اجمعين اما بعد ارباب بصيرت پر مخفی نہ رہے کہ حضرت حق تعالیٰ جل شانہ و عم نوالہ نے اپنی بیشمار مخلوق میں سے جن و انس کو اس فضیلت عظمیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کہ یہ عقل و علم کے ذریعہ سے حضرت باری جل مجدہ کی کبریائی اور عظمت و جلال و تقدس و کمال کو پہچانیں اور اس کے سامنے اپنے عجز و احتیاج کے اظہار کیلئے سرسجود ہوں اپنی پشیمانی اسس حکم الحاکمین رب العالمین کے جلال و جبروت کے سامنے زمین پر رکھیں جس کے بیشمار احسانات ہیں ان کا بال بال اور روگنٹار و گنٹا بندھا ہوا ہے اور کوئی دم ایسا نہیں گزرتا کہ ہمیں اس کی بے انتہار رحمت سے غیر متناہی نعمتوں کی بارش نہ ہوتی ہو۔ انسان اگر ذرا بھی غور کرے تو جس وقت سے کہ یہ اپنے والد کی پیٹھ میں ایک ناپاک قطرے کی شکل میں تھا اپنی زندگی کے آخری دم تک ایک دقیقہ بھی اسے ایسا نظر نہ آئیگا جس میں یہ حضرت حق کے بیشمار احسانات میں متفق نہ ہو۔ پس ناممکن ہے کہ یہ اس کی قوتوں کے لاکھوں بلکہ کروڑوں حصے کا شکر بھی ادا کر سکے۔ سچ ہے کہ آسمان دست زبان بر آید کہ عبادہ شکرش بدر آید۔

عقل و انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کا ایک منٹ بھی ایک سکنڈ بھی ایسے محسن ایسے مربی ایسے مالک حقیقی کی عبادت سے خالی نہ گزرتا مگر یہ اس کی قدرت و طاقت سے باہر تھا اور حق تعالیٰ کی مقدس ذات نے بھی جو انسان پر ماں باپ سے بھی بدرجہا زیادہ دیرم ہے اس پر اتنا بوجھ نہیں ڈالا جسے یہ برداشت نہ کر سکتا۔ رات دن کے پوہیں گھنٹوں میں پانچ وقت کی نماز فرس کی جسے نہایت اطمینان اور فراغت سے ادا کر سکتا ہے۔ سال میں صرف ایک مہینے کے روزوں کا حکم دیا جو ہنسی خوشی سے رکھے جاسکتے ہیں۔ صاحب نصاب ہونے کی صورت میں پیالیسواں حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے امر فرمایا۔ جس میں سلیم الطبع انسان کو ذرا بھی پس و پیش نہیں ہو سکتا، استطاعت ہو تو عمر بھر میں ایک بار اپنے گھر کی زیارت کا حکم دیا جہاں ہر وقت انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ غرض اس کی رحمت کے قربان جانیے کہ اس نے باوجود ہمارے رگ و ریشہ کے مالک ہونے اور ہماری زندگی اور موت پر پوری قدرت رکھنے کے بھی ہمارے ساتھ اس نرمی اس ملاحظت اس آسانی کا معاملہ کیا کہ اگر ہزار جہاں بھی ہوں تو سب اس کی رحمت پر قربان کر دینے کے قابل ہیں۔

بیشمار انبیاء کرام علیہم السلام | پھر رحمت پر رحمت اور شفقت پر شفقت یہ قربانی کہ جاری ہدایت کے لئے حضرت

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ہم کو مولا سے حقیقی کی راہ پر لگائیں اور شیطانی و نفسانی گمراہیوں سے بچائیں۔ پیغمبروں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جو ہر زمانے میں اور ہر قوم میں خدا کے بزرگے کے قاصد بنکر ایمان و ہدایت کی مشعلیں ہاتھوں میں لئے ہوئے آتے رہے اور پچھلے ہوئے بندوں کو مولا سے ملاتے رہے۔ کیا ہی خوش قسمت تھے وہ لوگ جنہوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کی باتوں پر کان دھرے اور ان کی ہدایتوں پر عمل کیا اور کس قدر بد نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے ان کی طرف سے منہ موڑا اور ان کی تعلیم کو نہ سنا نہ مانا نہ کان دھرے اور ہمیشہ کیلئے خدا تعالیٰ کے غضب اور عقم کو اپنے سر لیا۔ ایک نیک بخت انسان کی اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں ہو سکتی کہ وہ خدا کے مقدس اور پاک پیغمبروں کی ذات کو اپنے لئے نمونہ بنا لے اور ہر خوشی اور رنج میں ان کے قدم بد قدم چل کر خدا کی خوشنودی اور رضامندی کا ثمرہ حاصل کرے۔ دنیا میں کروڑوں انسان پیدا ہوتے اور قیامت تک رہیں گے مگر صرف دنیا میں پیدا ہونا اور کھانا پینا زندگی کے مزے حاصل کر کے چلا جانا کمال انسانیت کی دلیل نہیں۔ کمال وہ ہے کہ اس سر لائے فانی میں پیدا ہونے کی اصلی غرض کو سمجھے اور اس کے مطابق کار بند ہو کر قیامت کی سرخوردگی حاصل کرے۔

دنیا میں ہمارے آنے کی اصلی غرض یہ ہے کہ ہم اپنے حقیقی آقا پیغمبر مولا کو پہچانیں اور اس کی عبادت کریں،

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ.

اگر ہم نے اس کی معرفت اور عبادت میں ذرا برابر بھی کمی کی تو اپنی پیدائش کے اصلی غرض سے بھی جاہل رہے۔ مولا نے حقیقی کی معرفت اور عبادت کے صحیح طریقوں کا علم بغیر مشکوٰۃ نبوت سے نہ سکی ہوتی تعلیمات کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ رسول پاک کی تعلیم پر عبور حاصل کرے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نجات کا وسیلہ سمجھ کر اور خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا واسطہ جان کر اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ محبوب رکھے۔ قرآن پاک کو نجات کا پروانہ اور حدیث شریف کو اس پروانہ کی شرح سمجھ کر ہر جان بنائے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کی پہچان یہ ہے کہ آپ کا کامل اتباع کیا سے محبت کرنے کی پہچان جائے۔ بدون کامل اتباع کے محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے اور جس قدر اتباع میں نقصان ہوگا اسی قدر محبت ناقص ہوگی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین محبت نبویہ کے نشے میں ایسے سرشار تھے کہ اپنی جان کی بھی خبر نہ رکھتے تھے یہی وجہ تھی کہ ان کے مرتبے امت محمدیہ میں بہت بڑے ہیں۔ مسلمانو اگر قیامت کے ہولناک دن میں حضور انور کی شفاعت کی خواہش رکھتے ہو، اگر حوض کوثر سے سیراب ہونے کی تمنا ہے، اگر اس دن کہ آفتاب کی گرمی سے انسانوں کے وماغ ہانڈی کی طرح ابلنے لگیں گے، غرض خداوندی کا سایہ درکار ہے، اگر جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔ اگر خدا تعالیٰ کے دیدار اور محبوب حقیقی کی رضامندی حاصل کرنے کا اشتیاق ہے تو اس کا صرف ایک راستہ اور واحد ذریعہ ہے۔ اور وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع اور بدعات سے اجتناب ہے۔

یاد رکھو کہ صرف سنت نبویہ کی روشنی میں منزل مقصود طے ہو سکتی ہے۔ منزل آخرت کے دشوار گزار مرحلوں میں سنت نبویہ کے علاوہ کسی فانوس کی روشنی نہیں۔ اور بدعت انسان کے دل کو تاریک اور بصیرت کو تباہ کر دیتی ہے۔ کتاب مجالس الابرار کی خصوصیات | اتباع سنت کی ترغیب اور فضائل اور اجتناب بدعت کی تاکید اور بدعت کے قبائح کے بیان میں بہت سی کتابیں علماء ربانی نے تصنیف کیں اور حد لے کر ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کو نائنہ پہنچایا مگر کتاب مجالس الابرار اس بارے میں نہایت مفید اور بے انتہا خوبوں سے لبریز تھی۔ اس کے مصنف کا اخلاص اس سے ظاہر ہے کہ اس نے اپنا نام تک ظاہر نہیں فرمایا کہ ریاکاروں کا وہم ہو سکتا اور سنت نبویہ کی محبت اور بدعت سے نفرت کتاب کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ احادیث پر وسعت نظری فقہ فی الدین مضامین کتاب سے عیاں ہے۔ غرض ہر مضمون ستینہ فلاح اور ہر مضمون حرز جان ہے۔

ایک محب سنت کیلئے یہ کتاب مونس انیس اور رفیق نفس ہے اسی لئے علماء محققین نے اس کی مدح و ثنا فرمائی ہے اور واعظین مخاطبین نے اس کے مضامین سے استفادہ کیا۔ کیونکہ اور کتب و عطف کی طرح اس میں رطب و یابس روایات جمع نہیں کی گئی ہیں بلکہ نہایت محققانہ طرز پر احادیث مسابیح کی شرح کی گئی ہے۔ اور عمدہ عمدہ بحثیں درج فرمائی ہیں۔ خدا تعالیٰ مصنف کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے آمین

نفاہس الازہار ترجمہ مجالس الابرار کی خصوصیات | یہ کتاب اگرچہ اردو ترجمہ کیساتھ چھپنی ہوئی تھی۔ یعنی اصل عربی کے ساتھ اردو ترجمہ بھی بنی السطور میں تھا۔ مگر عاشق سنت ماجی بدعت انجی فی اللہ مولوی اچکیم محمد ابراہیم صاحب رانڈیری سورتی نے یہ دیکھ کر کہ کم استعداد والے اردو خواں مسلمانوں کو اس سے کما حقہ فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اول تو عربی عبارات ساتھ ہونے کی وجہ سے گھبراتے ہیں دوسرے ترجمہ بھی پورا با محاورہ نہ ہونے سے الجھن ہوتی ہے۔ یہ چاہا کہ ترجمہ کو با محاورہ کر کے صرف ترجمہ ہی چھپا جائے تاکہ اردو خواں حضرات نے نکلنے مسلسل سے پڑھ سکیں۔ اس لئے مولانا موصوف کے فرمانے پر اول اس کے ترجمے کو ایک الاق عالم سے دست کرایا گیا اور عربی عبارت علیحدہ کر کے صرف ترجمہ ہی چھپوایا گیا۔ مولانا اچکیم محمد ابراہیم صاحب کی یہ سعی فی اللہ اور سنت نبویہ کی محبت کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دینی و دنیوی ترقیات و کمالات سے بہرہ اندوز فرمائے اور اس کتاب کے ترجمہ و طبع کے تمام معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

تذکرہ مصنف مجالس الابرار

از مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی

پیپٹ

مضمون سابق میں بیان ہو چکا ہے کہ مجالس الابرار کے مصنف نے غایت اخلاص و تواضع کی وجہ سے اپنا نام ظاہر نہیں فرمایا۔ میں نے ہر حیدر کوشش کی کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ حالات معلوم ہو جائیں۔ مگر افسوس کہ کامیابی نہیں ہوئی۔ صرف وہی معلوم ہو سکا جو خود اسی کتاب مجالس الابرار کے طبع سابق میں اس کے آخری صفحے پر مرقوم ہے جس کا حاصل یہ ہے۔

حضرت خاتم المحدثین حجۃ اللہ فی الارضین آیۃ من آیات اللہ فی العالمین امام ہمام ثقہ الاسلام منہائے روایت حدیث فی الہند حضرت شیخ شاہ عبدالعزیز العمری دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ نے اس کتاب کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی عبارت یہ ہے: "کتاب مجالس الابرار علم و وعظ و نصیحت میں اسرار شریعت و ابواب فقہ و ابواب سلوک و روایات و عادات ثنیۃ کے فوائد کثیرہ پر شامل ہے۔ میں اس کے مصنف کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں، جتنا کہ اس تصنیف سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اس کا مصنف ایک عالم متدین متورع اور علوم شرعیہ کے فنون مختلفہ پر حاوی تھا۔ اور کیا اچھی بات کسی نے کہی ہے کہ کہتے رہے کہ وہ دیکھو بلکہ اس کے کلام کو دیکھو، کیونکہ آدمیوں کی پہچان حق بات سے ہوتی ہے نہ حق بات کی پہچان آدمیوں سے۔" واللہ اعلم بالصواب۔

اور کشف الظنون میں ہے کہ کتاب مجالس الابرار کی تالیف میں جن میں مصابیح کی سو حدیثوں کی شرح ہے۔ اور مصنف اس کے شیخ احمد رومی ہیں۔ فقط

اس سے زیادہ مصنف کا کوئی حال معلوم نہیں ہو سکا۔ نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بھی اپنی کتاب اثخاف النبلاء التقیین باخبار آثار الفقہاء المحدثین میں مجالس الابرار کے بیان میں صرف اپنی دو نقلوں پر اکتفا کیا ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور کشف الظنون سے اوپر نقل کی گئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ خاکسار محمد کفایت اللہ غفرلہ
مدرس اول مدرسہ امینیہ دہلی

پیپٹ

تفاسیر الازہار

ترجمہ اردوئے

مجاہد الابرار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز | تمام تفسیریں خاص اُس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے علماء کے مرتبے بقدر اُن کے علم قرآنی کے بلند فرمائے پھر محدثین کو ہدایت کی کہ روشن چراغوں (یعنی رسول پاک کی حدیثوں) کے ذریعہ سے شبہات کی تاریکیوں سے بچیں۔ اور قرآن پاک کے علم کو پہلی گزری ہوئی امتوں کے لئے مثل نشان کے قرار دیا۔ اور اُن کو اپنی معرفت کی کامل نعمتیں سنت اور عرفان اتریم کے چراغوں سے عطا فرمائیں۔ اور دونوں جہان میں اُن کو عزت دی اور اُن کا اکرام و احترام کیا اور تمام اہل عالم پر اُن کو ازل میں قرآن پاک کے سبب سے فضیلت بخشی۔ پس فرمایا

الذین یجتنبون کبائر الاثم والنواہش الا اللہم

یعنی جو لوگ بڑے گناہوں اور فحش باتوں سے بچتے ہیں مگر کچھ صغیرہ گناہ (اُن سے بے غنائے اُنسا ہو جاتے ہیں تو خدا کی رحمت بہت وسیع ہے اور وہ اُن کو بخش دیگا) پس پاک ہے وہ ذات مقدس جو پہلوں اور پچھلوں کو حکمت سکھاتا ہے۔ میں اُس کی ایسی تعریف کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز بندہ اپنے آقا کی عطا کی ہوئی

نعمتوں کے شکر یہ میں آؤا کی تحریروں میں بیان کرتا ہے اور گواہی دیتا ہوں میں کہ سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بندے اور برگزیدہ پیغمبر ہیں جو تمام امتوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ہمارے نامہ اعمال کو اسی کلمہ شہادت پر ختم فرمائے جب کہ ہمارا خاتمہ ہو۔ خدا تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے اُن پر اور اُن کے آل و اصحاب پر جو فضل و حکمت والے ہیں جب تک کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی جاتی رہے جو سب سے زیادہ تعریف اور بزرگی والا ہے۔

کتاب مجالس الابرار کا تعارف | یہ کتاب مجالس الابرار کتاب منبج النظم کی بعض صحیح اور بعض خسن

حدیثوں کی شرح ہے۔ کتاب مصابیح ریح والم کی دفع کرنے والی ہے۔ میں نے اس شرح کو بعض دینی بھائیوں کے لئے جمع کیا اور تفسیر و حدیث و فقہ و کلام اور بزرگوں کے تصوف کی معتبر کتابوں سے لیکر بعض مضامین اس میں شامل کر دئے۔ میں اس میں صحیح اعتقاد اور آخرت کے اعمال بیان کروں گا۔ اور قبروں وغیرہ سے مدد مانگنے سے روکوں گا کہ یہ کافروں اور گمراہوں اور گمراہ کی نیوالوں کے کام ہیں۔ جبکہ میں نے دیکھا کہ اس زلزلے میں بہتیرے لوگوں نے قبروں کو ٹٹ بنا رکھا ہے ان کے سامنے نماز پڑھتے ہیں اور قبر بانیاں کرتے ہیں اور ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں جو ایماندار کو زیبا نہیں۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس بارے میں شریعت کے احکام بیان کر دوں تاکہ اُن لوگوں پر حق اور باطل کھل جائے جو اپنا ایمان درست کرنا اور شیطان کے مکر سے بچنا اور عذاب الہی سے نجات پانا اور جنت میں داخل ہونا چاہتے ہیں اور اللہ ہی ہدایت کرنے والا ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ میں نے اس میں بعض باتیں مکرر ہو جانے کی پر واہ نہیں کی کیونکہ بزرگوں کی نصیحت میں ایسا ہو جاتا ہے۔ اور اس کتاب میں ہیں وہ حالات بھی بیان کروں گا جن کو عام لوگ خیر اور شر اور سنگون اور فال کہتے ہیں اور اس کا نام میں نے مجالس الابرار و مالک الاخیار و مخالف البدع و متقا مع الاشرار رکھا اور تنو مجاہدوں پر اسے مرتب کیا۔

مجالس اور اُن کی تفصیل

پہلی مجلس اس بیان میں کہ اللہ کو یاد کرنے والا مثل زندہ کنبے اور جو اللہ کو یاد نہ کرے وہ مثل مردے کے ہے اور ذکر الہی کی پہچان کے بیان میں۔۔۔۔۔

دوسری مجلس اس بیان میں کہ ذکر الہی تمام نیک اعمال سے افضل ہے اور اس کی قسموں کے بیان میں۔

تیسری مجلس ایمان اور مومن کی فضیلت کے بیان میں۔

چوتھی مجلس اس بیان میں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے ماں باپ اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت رکھنی لازم ہے۔

پانچویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لاتے ہیں سب پر ایمان لانا چاہئے اور اُس

میں مخالفت درست نہیں۔

چھٹی مجلس اس بیان میں کہ جو شخص راضی ہو اللہ کے رب ہونے پر اور اسلام کے سچے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے پر، اس کو ایمان کا مزہ آگیا۔

ساتویں مجلس ان چیزوں کے بیان میں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ کہ صحیح مذہب میں ان چیزوں پر ایمان لانا کافی ہے اور بعض کے نزدیک تفصیلاً ایمان لازم ہے۔

آٹھویں مجلس اس بیان میں کہ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گا وہ بنتی ہے اور انکا مخالفت جنت سے محروم ہے۔

نویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لاتی ہوئی چیزوں پر ایمان لانا لازم ہے اور اس میں ایک اچھی تحقیق ہے۔

دسویں مجلس اس بیان میں کہ مومن اور مسلم میں اور مجاہد اور مہاجر میں کیا فرق ہے۔ گیارھویں مجلس اس بیان میں کہ افضل ذکر اور افضل دعا کیا ہے۔

بارھویں مجلس اس بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا قیامت کے دن سب سے زیادہ کون مستحق اور کامیاب ہوگا۔

تیرھویں مجلس اس بیان میں کہ خالص توحید و وزخ کی آگ لازم ہونے کا سبب ہے۔

چودھویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا ایمان قیامت میں ذریعہ نجات ہوگا۔

پندرھویں مجلس اس بیان میں کہ ہر کچھ فطرت اسلامی پر پیدا کیا جاتا ہے اور اس کی عمدہ تفصیل۔

سولھویں مجلس نیک بخت اور بد بخت کی تحقیق اور اقسام کفر وغیرہ کے بیان میں۔

سترھویں مجلس اس بیان میں قبروں کے پاس نماز پڑھنا اہل قبور سے مدد مانگنا قبروں پر چراغ اور موم بتیاں بلانا جائز نہیں ہے۔

اٹھارھویں مجلس بدعت کے اقسام اور اس کے احکام اور ضروری باتوں کے بیان میں۔

انیسویں مجلس اس بیان میں کہ نماز نفل یا جماعت اور نماز مثل سلوٰۃ رغائب وغیرہ کے بدعت ہے۔

بیسویں مجلس حج مقبول کے فضائل اور اس کی بدعتوں کے بیان میں۔

اکیسویں مجلس زکوٰۃ کی فضیلتوں اور زکوٰۃ نہ دینے کی آفتوں کے بیان میں۔

بانیسویں مجلس مطلقاً روزوں کی فضیلتوں کے بیان میں۔

تیسویں مجلس شعبان کے روزوں کی فضیلت کے بیان میں۔

چوبیسویں مجلس شب برأت میں سنت کے موافق جانے اور بدعتات مکر وہہ سے بچنے کے بیان میں۔

پچیسویں مجلس اس بیان میں کہ رمضان کا چاند دیکھنا ضروری ہے اور یوم الشک میں روزہ رکھنا۔

مکروہ ہے۔ چھبیسویں مجلس رمضان کی فضیلت اور اس کے حق کی رعایت اور تعظیم شان کے بیان میں۔
 سنا تیسویں مجلس نیت کی کیفیت اور روزہ توڑنے والی اور نہ توڑنے والی چیزوں کے بیان میں اور اس
 چیز کے بیان میں جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور جس سے واجب نہیں ہوتا۔

اٹھائیسویں مجلس تراویح کی کیفیت اور فضیلت کے بیان میں۔
 انیسویں مجلس دیر کر کے سحری کھانے اور افطار میں جلدی کرنے کی فضیلت وغیرہ کے بیان میں۔
 تیسویں مجلس اس شخص کے گناہ کے بیان میں جس نے رمضان کا روزہ اس طرح توڑ ڈالا کہ اس پر کفارہ
 واجب ہو جائے۔
 اکتیسویں مجلس اعتکاف اور شب قدر کی تلاش مسنون ہونے اور شب قدر کی فضیلت کے بیان

میں۔
 بیسویں مجلس صدقہ فطر اور احکام عیدین اور عید کی بدعتوں کے بیان میں۔
 پینتیسویں مجلس شوال کے روزوں کی فضیلت اور اس بات کے بیان میں کہ شوال کو منحوس سمجھنا
 جائز نہیں ہے۔

چونتیسویں مجلس بقر عید کے پہلے عشرہ کی فضیلت کے بیان میں۔
 پینتیسویں مجلس ایام قربانی میں قربانی کرنے کی فضیلت اور قربانی کے جانوروں کی قسموں اور
 ذبح کرنے کی کیفیت کے بیان میں۔
 چھبیسویں مجلس خدا کے مہینے یعنی محرم کی فضیلت اور عاشورے کے روزے کے بیان میں۔
 سینتیسویں مجلس روز عاشورا کی فضیلت اور ان بدعات کے بیان میں جو اس روز کی جاتی ہیں۔
 اڑتیسویں مجلس کسی کی بیماری کسی کو نہ لگنے اور شگون بد کے ناجائز ہونے اور بھوت پریت کے نہ ہونے
 کے بیان میں۔

انٹالیسویں مجلس شگون اور فال بد کی بُرائی اور اس کے اقسام اور فال مسنون کی تعریف اور اس
 کے اقسام کے بیان میں۔
 چالیسویں مجلس اعمال آخرت کے علاوہ دنیا کے کاموں میں دیر کرنے کی خوبی کے بیان میں۔
 اکتالیسویں مجلس بلاؤں کے اترنے کے اسباب اور ان کے دفع ہونے کے اسباب یعنی توبہ اور
 دعا کے بیان میں۔

سیالیسویں مجلس اس بیان میں کہ دُعا بلا کو اترتے وقت بھی اور بعد اترنے کے بھی دفع کر دیتی ہے۔
 تینتالیسویں مجلس اس بیان میں کہ جب کوئی امر خوفناک ظاہر ہو تو اس وقت نماز پڑھنا اور ایسے امر

میں مشغول ہونا مسنون ہے جو اسے دفع کر دیں۔

چوالیسویں مجلس سورج گہن اور چاند گہن کی نماز اور امور خوفناک کے ظہور کے بیان میں۔

پینتالیسویں مجلس بارش نہ ہونے پر نماز استسقا کے مسنون ہونے کے بیان میں۔
چھیالیسویں مجلس فرائض اور قرآن مجید کی تعلیم واجب ہونے اور تجوید یعنی ادائے حروف کے قواعد سکھنے اور خطائے ظاہر و پوشیدہ کے بیان میں۔

پینتالیسویں مجلس قرآن شریف پڑھنے میں خوش آوازی کی مقدار جائز اور ناجائز وغیرہ کے بیان میں۔
اڑتالیسویں مجلس مؤذن کی فضیلت اور اذان مقرر ہونے کے سبب کا بیان۔

انچاسویں مجلس جمعہ کی فضیلت کے بیان میں اور اس بیان میں کہ تیسرے دن تمام دنوں سے افضل ہے۔

چچاسویں مجلس مصافحہ اور اس کی کیفیت اور فوائد اور اس کے بے محل بدعت ہونے کے بیان میں ہے۔

اکیاونویں مجلس اس مجلس میں نماز کی فرضیت قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے اور نماز چھوڑنے والے کے حق میں وعید کا بیان۔

باونویں مجلس فرض نمازوں کی فرضیت اور ان کے ارکان کے تفصیل وار بیان میں۔

ترہنویں مجلس پانچوں نمازوں کی فرضیت اور ان کے کفارہ گناہ ہونے کا بیان۔

چونویں مجلس جماعت کی فرضیت اور اس کے تارک کے حق میں وعید کا بیان۔

پچیسویں مجلس نماز جنازہ اور اس کی کیفیت کے بیان میں۔

چھبیسویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بیان میں کہ "جس کا آخری کلام

لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا"

ستاونویں مجلس زیارت قبور کے جواز اور عدم جواز کے بیان میں۔

اٹھاونویں مجلس موت کو یاد کرنے کے فائدوں اور موت کے لئے تیار رہنے کے بیان میں۔

اسٹھویں مجلس طاعون کی حقیقت اور طاعون کی جگہ نہ جانے اور وہاں سے نہ بھاگنے کے بیان میں ہے۔

ساٹھویں مجلس طاعون کی جگہ صبر کے ساتھ بٹھیرے رہنے کی فضیلت اور طاعون کے دفع ہونے کی

دعا کے ناجائز ہونے کے بیان میں۔

اکسٹھویں مجلس بلاؤں اور مصیبتوں پر صبر کرنے کی فضیلت اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ و

اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ پڑھنے کی فضیلت کے بیان میں۔

باستھویں مجلس اس حدیث کہ "پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو" آنحضرت کی تحقیق اور اس کی تفریحات کے بیان میں۔

ترسیٹھویں مجلس قیامت کے دن بندہ سے حساب ہونے اور حساب میں مناقشہ ہونے کے بیان

میں ہے۔ چوٹیسٹھویں مجلس اس بیان میں کہ آدمی کو چاہئے کہ اپنے نفس سے خود محاسبہ کرتا رہے اس سے پہلے کہ قیامت کا حساب اور مناقشہ پیش آئے اور ہلاکت کو پہنچائے۔

پینسٹھویں مجلس اُمت کو توبہ کی رغبت دینے اور توبہ کے فوراً واجب ہونے اور توبہ کے ثمنوں معنوں کی تحقیق کے بیان میں۔

چھپاسٹھویں مجلس اس حدیث کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک وہ نزع کو نہ پہنچے۔

سترسیٹھویں مجلس عقلمند اور احمق کے حال کے بیان میں۔

اٹھاسٹھویں مجلس تقویٰ اور حُسنِ خلق کی فضیلت اور اُن دونوں کی حقیقت کے بیان میں۔

انہترویں مجلس اس بیان میں کہ حلال کمائی طلب کرنا لازم ہے اور کونسا پیشہ اچھا اور کونسا بُرا ہے

شترویں مجلس اختکار کی حرمت کے بیان میں اور جو جو احکام شرعی اس سے متعلق ہوں۔

اکہترویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا ناجر قیامت میں بدکاروں میں اٹھایا جائے گا اور کونسا صادق

بہترویں مجلس ناجروں کو اس بات کی ترغیب دینے میں کہ اپنے تمام اقوال و افعال میں سچائی اور

ایمانت داری کو لازم سمجھیں۔

تہترویں مجلس سود کی حقیقت اور اُس کے نقصانوں کے بیان میں۔

چوہترویں مجلس بیعِ سلم کی حقیقت اور اُس کے احکام اور دوسرے معاملات کے بیان میں۔

پچھترویں مجلس اس بیان میں کہ سوالِ حرام ہے اور اُس میں سزا کی وعید ہے اور یہ کہ کس مقام پر سوالِ جائز ہے۔

چھترویں مجلس آقا پر غلاموں کے حقوق اور اُس کے احکام کے بیان میں۔

سترویں مجلس لواطت کی حرمت اور اُس کے عذاب وغیرہ کے بیان میں۔

اٹھترویں مجلس شراب پینے کی حرمت اور اُس کے عذاب اور جملہ ممنوعات کے بیان میں۔

اناسویں مجلس غلوں کے حرام ہونے کے بیان میں اور یہ کہ مالِ غنیمت کا مجاہدین میں تقسیم کر دینا

۱۱ اختکار کے معنی یہ ہیں کہ غلہ کو ایسی طرح روکا جائے کہ مخلوق خدا کو تکلیف پہنچے، اور یہ ناجائز ہے ۱۱

۱۲ غلوں کہتے ہیں غنیمت کے مال میں سے چرنے کو ۱۲

ضروری ہے۔
اسٹی مجلس فتنوں اور خلاف شرع باتوں کے ظاہر ہونے کے بیان میں اور یہ کہ اُس وقت کیا کرنا چاہیے۔
ایک سو بیس مجلس قاضی بننے بنانے کے احکام میں اور یہ کہ رشوت دے کر منصب قضا حاصل کر نیکا کیا حکم
ہے اور جھوٹی گواہیوں پر فیصلہ کرنا کیسا ہے۔

بیا سو بیس مجلس اس بیان میں کہ کس شخص کو وعظ کرنا جائز ہے اور کس کو جائز نہیں ہے اور اُس کے تفریحات
تراسو بیس مجلس اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے ہرے پر اس امت کیلئے ایک مجدد پیدا کرتا ہے۔

چوراسو بیس مجلس سلام کی کیفیت اور پہلے سلام کرنے والے کی فضیلت کا بیان۔

پچاسو بیس مجلس مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ روٹھے رہنے کے بیان میں۔

چھیاسو بیس مجلس بدگمانی کرنے سے ڈرانے کے بیان میں اور اس بدگمانی سے مراد دوسرے کے عیوب کی
جستجو میں رہنا ہے۔

ستاسو بیس مجلس اس بیان میں کہ بدکار اور فاسق کے ساتھ رہنا اور کھانا پینا منع ہے۔

اٹھاسو بیس مجلس اس بیان میں کہ خدا کی راہ میں محبت کرنا اور خدا کی راہ میں عداوت کرنا افضل الاعمال ہے۔

نواسو بیس مجلس اس بیان میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امر و نہی میں فرمانبرداری کرنا اور اپنی مخالفت بچنا لازم ہے۔

توڑے مجلس اس بیان میں کہ خدا تعالیٰ کی رحمت اُسکے غضب پر غالب اور رحمت اور غضب کی حقیقت کا بیان۔

ایکیا نوے مجلس اس بیان میں کہ شیطان انسان کے خون کہ جگہ اس کے بدن میں پھرتا ہے۔

بانوے مجلس اس بیان میں کہ وسوسہ کا مواخذہ نہیں جتنک اُس پر عمل نہ کرے یا منہ سے نہ کہے۔

تیرانوے مجلس اس بیان میں کہ بنی آدم پر شیطانی اثر بھی ہوتا ہے اور فرشتے کا اثر بھی ہوتا ہے۔

چورانوے مجلس اس بیان میں کہ اسلام پیا ہونے کی حالت میں بھی بے یار و مددگار تھا اور پھر ایسا ہی یہ

بے یار و مددگار ہو جائے گا۔

پچانوے مجلس اس بیان میں کہ تندرستی اور فارغ البالی نعمت ہے اور یہ کہ بہت سے تند رست اور

فارغ البالی اس نعمت کو ضائع کر کے نقصان اٹھاتے ہیں۔

چھیانوے مجلس اس بیان میں کہ جو شخص بدبو دار چیز کھائے تو اُسے مسجد میں نہ جانا چاہیے۔

سٹانوے مجلس اس بیان میں کہ بے فائدہ قول اور فعل کا چھوڑنا ضروری ہے۔

اٹھانوے مجلس عورتوں کے ساتھ گزارا کرنے کے طریقوں کا بیان۔

تسانوے مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تحقیق میں کہ عورتوں کیساتھ بھلائی کرنے کی

وصیت حاصل کرو۔

سو مجلس اس بیان میں کہ بی بی کو اپنے خاوند کی حق شناسی لازم ہے اور ناحق شناسی کی حالت میں سزا کا بیان۔

پہلی مجلس

اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر نیوالا مثل زندہ کے ہے اور یاد نہ کر نیوالا
مثل مردے کے اور ذکر الہی کی پہچان کے بیان میں

ذکر اللہ کر نیوالا زندہ اور نہ کرنے والا مثل مردہ کے ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا | مثل الذی یذکر ربہ کمثل الحی والنیت۔

یہ حدیث مصباح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے روایت کیا ہے۔ یعنی جو شخص خدا کا ذکر کرتا ہے وہ مثل زندہ کے ہے اور جو خدا کا ذکر نہیں کرتا وہ مثل مردہ کے ہے۔
تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں یاد کر نیوالے کو مثل زندہ کے فرمایا حالانکہ وہ زندہ ہے اس لئے کہ زندہ سے مراد وہ ہے جس کو حقیقی اور دائمی زندگی حاصل ہو اور ایسی زندگی بغیر یاد الہی کے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ذکر الہی ذکر الہی کے دلوں کو زندہ رکھتا ہے اور ان کیلئے رب العالمین کی پہچان کا سامان تیار کر دیتا ہے اور بہشت کی ہمیشہ کی زندگی کے لائق بنا دیتا ہے اور جو شخص یاد الہی نہیں کرتا وہ مردے کے مانند ہے کیونکہ وہ اس چیز سے خالی ہے جس سے اُس کا دل زندہ ہو اور خدا کی معرفت اور دائمی زندگی حاصل ہو۔ کیونکہ انسان کی وہ شرافت جس سے تمام اقسام مخلوقات پر فضیلت رکھتا ہے صرف اسی وجہ سے ہے کہ اُس میں خدا کو پہچاننے کی لیاقت اور استعداد ہے اور اس معرفت کی استعداد کا تعلق صرف دل کے ساتھ ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء سے اسے کچھ علاقہ نہیں بلکہ تمام اعضاء دل کے تابع اور خدمت گزار ہیں دل ان اعضاء سے اس طرح کام لیتا ہے جس طرح بادشاہ رعیت سے اور اس طرح خدمت لیتا ہے جس طرح آفاقیہ علاموں سے اور دل کو اطمینان صرف یاد الہی سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (ترجمہ) "یعنی خبردار ہو کہ صرف خدا کی یاد سے دل اطمینان پاتے ہیں۔"
اور سب سے بہتر ذکر جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، تو ہر عاقل بالغ شخص پر ضروری ہے کہ اس ذکر میں مشغول رہے تاکہ اُس کا دل مطمئن ہو جائے اور معرفت الہی کی استعداد حاصل ہو۔
معرفت الہی کے لئے علم کا حصول واجب ہے لیکن اس میں مشغول ہونے سے پہلے اسپر واجب ہے کہ عقائد کا اتنا علم حاصل کرے جس سے اُس کا اعتقاد موافق مذہب اہلسنت والجماعت کے ٹھیک

ہو جائے اور اہل بدعت کے شبہات سے بچ سکے کیونکہ جب تک دل میں اعتقاد ہی بدعت کی تاریکی رہتی ہے اُس وقت اُس میں عبادت کی روشنی نہیں حکمتی۔

اور یہ بھی واجب ہے کہ اتنا علم فقہ بھی سیکھ لے جس سے اُس کے اعمال پاک شریعت کے موافق صحیح اور درست ہو جائیں اور نہیں تو بظہر من الشمس کہ وہ غلط و مضبوط کئے ہوئے اور ٹھیک راستہ دریافت کئے ہوئے بڑا کام کر بیٹھا شیطانی جلدی اور نفسانی خواہش ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل کرتی ہے کیونکہ ایسا جاہل کبھی دھوکے میں پڑ کر نادانی سے خیالاتِ نفسانی اور شبہاتِ شیطانی کو کرامت سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ اصل میں وہ استدراج ہوتا ہے اور اُس کے حق میں طرح طرح کی گمراہی بڑھ جاتی ہے۔

بغیر علم کے ریاضت کرنے کے نقصانات | کیونکہ جو شخص ذکر اور ریاضت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اُسے عقائد کا اتنا علم نہیں ہوتا کہ اس کا اعتقاد اہل سنت و الجماعت کے مذہب کے موافق صحیح ہو جائے، اور بدعتیوں کے شبہات سے بچ سکے اور فقہ کا اس قدر علم نہیں ہوتا کہ اُس کے اعمال پاک شریعت کے مطابق صحیح اور درست ہو جائیں تو کچھ بعید نہیں کہ اس پر محسوسات کا کشف ہونے لگے یا کوئی بات مثل کرامت کے اُس کی ریاضت یا شیطانی دھوکے کی وجہ سے ظاہر ہو جائے چنانچہ اس قسم کی بہت سی باتیں بعض ریاضت کرنے والے کفار سے منقول ہیں پھر یہ نادان خیال کرتا ہے کہ یہ ولایت اور کرامت ہے حالانکہ اصل میں وہ مکر اور استدراج ہوتا ہے نہ کرامت اور ولایت، اس لئے کہ کشف اور خلاف عادت باتیں کبھی کبھی بعض راہبوں وغیرہ کو جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں حاصل ہو جاتی ہیں باوجودیکہ اُن کے عمل اور اعتقاد خراب ہوتے ہیں پس اس کشف وغیرہ کا کچھ اعتبار نہیں۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ریاضت کو دلوں کی صفائی کا سبب بنا دیا ہے جس سے کشف اور کشف کے مانند اور خوارق ہونے لگتے ہیں مگر کشف وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کا سبب کشف سے راضی ہونا یقیناً ثابت نہیں ہوتا اور یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ خوارق کو معجزے اور کرامت کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے بلکہ بعضے وقت استدراج بھی ہوتا ہے پس اگر یہ امر خوارق ایسے شخص سے ظاہر ہو جس کے عمل یا اعتقاد میں خرابی ہے تو وہ استدراج ہی سمجھا جائیگا کرامت نہیں۔ کیونکہ کرامت وہ ہے کہ کوئی بات مآثر کے خلاف کسی نیک آدمی کے ہاتھ سے ظاہر ہو جس کی نیکی ظاہر ہونے کی قید کرامت کو استدراج سے علیحدہ

لے استدراج میں ڈھیل دینے کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ گنہگاروں کو خدا کی طرف سے بطور ڈھیل دینے کے بعض نعمتیں

دی جاتی ہیں جنکا سبب مقبولیت نہیں ہوتی بلکہ اُس سے اُس شخص کو دھوکہ لگ جاتا ہے اور زیادہ گناہ کرنے لگتا ہے ۱۲

۱۳ امر خارق اور خوارق عادات ایسی باتوں کو کہتے ہیں جو عادت جاریہ کے خلاف ظاہر ہوں جیسے کسی شخص کا ہوا پر اڑنا یا پانی پر چلنے کی طرح چلنا یا تیر پھیرنا اور اس قسم کی باتیں ۱۲

کرنے کے لئے لگائی ہے کیونکہ استدراج وہ ہے کہ بد اعمال اور بد اعتقاد لوگوں سے کوئی بات خلاف عادت ظاہر ہو جیسے دجال اور فرعون اور گمراہ کرنے والے جاہل لوگ پس خوارق جیسے پرہیزگاروں کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں بدوں کے ہاتھ پر بھی ہوتے ہیں تو جو امر خارق ایسے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو شرعی حکومت کا مطیع ہے تو اس کے لئے عبادت میں زیادہ کوشش کرنے کا سبب ہو جاتا ہے اور جو امر خارق ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر جو شرعی حکومت کا مطیع نہیں تو اس کی رحمت الہی سے دوری اور دھوکے کو زیادہ کر دیتا ہے اور شیطان ہمیشہ اس کو بہکانا رہتا ہے یہاں تک کہ حدود شرعیہ اور احکام الہیہ اور حلال حرام کا منکر بنا کر اُسے اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

اس لئے خدا کی یاد کرنے والے شخص پر واجب ہے کہ پہلے اپنے تمام اعمال جب تک ہوش و حواس میں ہے احکام شرعی کے موافق رکھے اور ہرگز یہ جائز نہیں کہ کسی وقت بھی احکام شرعی کے مخالف کوئی کام کرے۔

احکام شریعت کی قسمیں | اور شرع کے احکام دو قسم پر ہیں۔ ایک قسم ظاہر یعنی بدن سے علاقہ رکھتی ہے اور دوسری قسم باطن یعنی دل سے تعلق رکھتی ہے پھر ان دونوں قسموں کی دو دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ جس کا کرنا واجب ہے اور دوسری وہ جس کا ترک واجب ہے پس تمام احکام شرعی چار طرح کے ہوتے۔ اول وہ احکام جو بدن سے متعلق ہیں اور ان کا کرنا واجب ہے دوسرے وہ احکام جو بدن سے متعلق ہیں اور ان کا چھوڑنا واجب ہے۔ تیسرے وہ احکام جو دل سے متعلق ہیں اور ان میں کوئی فعل واجب ہے چوتھے وہ احکام جو دل سے متعلق ہیں اور ان میں ترک فعل واجب ہے۔

پس پہلی قسم جو بدن سے متعلق اور اس کا عمل میں لانا واجب ہے، شہادت کے دونوں کلمے زبان سے پڑھنا اور دل سے خدا کو ایک اور رسول کو برحق جانتا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور رمضان کے روزے اور خانہ کعبہ کا حج کرنا اور کفار پر جہاد اور نیک بات کا حکم کرنا اور بدی سے روکنا اور اس کے علاوہ اور فرائض و واجبات ہیں۔

اور دوسری قسم جو بدن سے متعلق اور اس کا ترک واجب ہے خوریزی اور بدکاری اور اغلام اور چوری اور شراب خوری اور غیبت اور سخن چینی اور جھوٹ بولنا اور ایسی چیز کا دیکھنا جس کی طرف نظر حرام ہے اور ایسی آواز سننی جس کا سننا حرام ہے اور اس کے علاوہ اور حرام اور مکروہ چیزیں۔ اور تیسری قسم جو دل سے متعلق ہیں اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، توبہ اور اخلاص اور توکل اور صبر اور شکر اور خوف اور امید واری اور اس کے علاوہ اور نیک عادتیں اور پسندیدہ خصالتیں ہیں۔

اور چوتھی قسم جو دل سے متعلق ہیں اور اس میں ترک فعل واجب ہے، تکبر اور خود پسندی اور

اور ریاء یعنی دکھلاوا اور حسد اور اس کے علاوہ اور بُری عادتیں اور خصلتیں ہیں۔
خدا کا نافرمان اور اس کا انجام | پس جو شخص ان چاروں قسموں کے حکموں میں سے کسی ایک حکم کا بھی
خلاف کرے وہ خدا کا نافرمان ہے اور اس کے عذاب کا مستحق ہے اور ایسا شخص ولی اور صاحبِ
کرامت نہیں ہو سکتا۔

تو ہمیں دین کے ترکیب لوگ | بعضے لوگ اس زمانہ میں تین دن یا کچھ زیادہ کا چلہ کھینچ کر خلوت خانہ سے
نکل آتے ہیں اور ایک یا دو بار ایسا چلہ کر کے دعویٰ کرنے لگتے ہیں کہ ہم کو سب حالات کھل گئے اور اولیاء
کے مقامات حاصل ہو گئے، حالانکہ شرع شریف کے خلاف کام کرتے ہیں اور جب اُن سے اُن کے اعمال
کی بُرائی بیان کرو تو کہنے لگتے ہیں میاں یہ علم ظاہر میں حرام ہے اور ہم تو باطنی علم والے ہیں اور یہ باتیں علم
باطن میں حلال ہیں اور خدا کا تقرب بدون چھوڑنے علم ظاہر کے حاصل نہیں ہوتا تم قرآن اور حدیث سے
احکام حاصل کرتے ہو اور ہم چلتے اور تنہائی اور پیر کی مدد سے خدا تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم پر سارے
علوم کھل جاتے ہیں ہم کو کتابوں کے مطالعہ کی اور استاد سے پڑھنے کی کچھ حاجت نہیں ہے اور اگر ہم سے
کوئی مکروہ یا حرام کام ہو جاتا ہے تو خواب میں ہم کو مانعت ہو جاتی ہے اُس سے ہم حلال اور حرام کو سمجھ
لیتے ہیں اور جس چیز کو تم حرام بتاتے ہو اُس سے ہم کو خواب میں منع نہیں کیا گیا اس لئے ہم نے جان لیا کہ
یہ حرام نہیں ہے اور اسی طرح کی خرافات باتیں جو ہر امر بے دینی اور گمراہی کی ہیں کہتے ہیں کیونکہ اس میں
ملت حنیفیہ اور شریعت نبویہ کی توہین ہے اور قرآن و حدیث اور اجماع امت پر بے اطمینانی ہے۔
پس جو شخص یہ باتیں سنے اُس پر واجب ہے کہ بے تامل اور بلا تردد اور بغیر توقف ان باتوں
کا انکار کرے اور اس کلام کو بیہودہ اور وابہیات سمجھے اور نہیں تو وہ بھی اسی گروہ میں داخل ہوگا اور اُس پر
بھی زندگی کا حکم لگ جائے گا کیونکہ جن لوگوں کا اعتقاد اس درجہ تک پہنچ جائے تو سمجھو کہ اُن میں اور
شیطان میں ایک تعلق اور لگاؤ پیدا ہو گیا ہے اور شیطان اُن کو بعضی دفعہ کچھ تھلی وغیرہ دکھا دیتا ہے جس
سے یہ لوگ دھوکہ کھا کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہمارے اعمال نیک ہیں اور ہم خدا رسیدہ ہیں اور خدا تعالیٰ
کے نزدیک ہماری عزت ہے اور نہیں جانتے کہ شیطان ہمیشہ اہل خلوت و ریاضت کے دلوں میں
اس بات کی خوبی بٹھا دیتا ہے کہ اپنے توہمات اور خوابوں پر عمل کریں اور شریعت کے احکام کا لحاظ
نہ کریں۔ پھر یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب دل خدا کی طرف لگ جاتا ہے تو اس کے خیالات غلطی سے
محفوظ ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ان کے حق میں بڑا شیطانی دھوکہ ہے کیونکہ،

خطراتِ قلبی کی اقسام اور ان کی حقیقت | خطراتِ تین طرح کے ہوتے ہیں ریحانی اور شیطانی اور
نفسانی۔ پس اگر انسان ریاضت اور مجاہدہ کے انتہائی درجے پر پہنچ جائے تاہم اُس کا شیطان اور نفس
اُس کے ہمراہ ہیں جو موت تک اُس سے جدا نہ ہوں گے اور شیطان اس کے جسم میں ایسا پتھر ہے جیسا

کہ بدن میں خون۔ اور گناہوں سے معصوم ہونا صرف پیغمبروں کا حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اُس کی مخلوق کے درمیان احکام الہی کے پہنچانے اور وعدہ و وعید کے سنانے میں واسطے ہیں اور سوائے ان کے کوئی معصوم نہیں۔ اور جو شخص یہ خیال کرے کہ اُس کو رسول کے لئے ہوتے احکام کی حاجت نہیں ہے اور اپنے خیالات کو کافی سمجھے تو وہ اعلیٰ درجے کا کافر ہے۔

کیونکہ جو خطرہ دل میں آتا ہے اُس میں احتمال ہے کہ نفسانی ہو یا شیطانی، اس لئے وہ قابل اعتبار نہیں نہ قابل توجہ ہے تا وقتیکہ احکام نبویہ پر پیش کر کے اُس کی موافقت جانچ نہ لی جائے اس لئے کہ یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ انسان عالم خواب یا بیداری میں دیکھے ہمیشہ صحیح ہوا کرے بلکہ بعض اوقات بعض باتیں خطرات نفسانی ہوتے ہیں اور بعض وسوسہ شیطانی اور بعض بذریعہ فرشتہ خواب کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتے ہیں پس ان تینوں میں کوئی تمیز ہونا ضرور ہے جس سے معلوم ہو سکے کہ جو چیز خواب یا بیداری میں دیکھی گئی ہے وہ کس قسم کی بات ہے اور جب یہ ثابت کہ وہ من جانب اللہ ہے تو پھر کوئی ایسا عالم ہونا چاہئے جو اُس کے مطلب کو سمجھ سکے کیونکہ اگر اُس کا مطلب ظاہر ہے تو تاویل کی ضرورت نہ ہوگی مگر تنبیہ کی پھر بھی حاجت ہوگی اور اگر مطلب ظاہر نہ ہو بلکہ تاویل کی حاجت ہو تو وہ عالم اُس کی صحیح تاویل کر دے گا۔

اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ قرآن و حدیث جس کے خدا اور رسول کے کلام ہونے میں شک نہیں لیکن اُن کا مطلب کبھی ظاہر ہوتا ہے کہ تاویل کی کچھ حاجت نہیں ہوتی اور کبھی ظاہر نہیں ہوتا تو تاویل کی حاجت ہوتی ہے اور علماء اس امر کی تصریح کر چکے ہیں کہ الہام یا خواب احکام الہی کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں ہیں خصوصاً وہ الہام یا خواب جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ اہل الہام اور محدثین کے سردار تھے جب کبھی آپ کے دل میں خطرات آتے آپ اُس طرف التفات نہ کرتے نہ اُس پر کوئی حکم لگاتے اور نہ اُس پر عمل کرتے، تا وقتیکہ قرآن و حدیث سے مقابلہ نہ کر لیتے اور ان جاہلوں کا یہ حال ہے کہ اگر کسی نے کبھی کوئی اذنیٰ درجہ کی چیز دیکھ لی تو اپنے خطرات کو قرآن و حدیث پر ترجیح دیتا ہے اور کتاب و سنت کی طرف طریقت شریعت کے تابع کچھ توجہ نہیں کرتا اور طریقت کے علماء محققین نے قرآن و حدیث ہی کو سند سمجھا ہے اور اپنے افعال اور مجاہدات اور مکاشفات کو قرآن و حدیث سے مقابلہ کیا ہے جس بات

۱۰ محدثین وال کے زبر سے محدث کی صحیح ہے محدث اُسے کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام خاص الہام کے ذریعہ سے آئے یہ لوگ بعض علماء کے نزدیک اذنیٰ درجہ کے نبی بعض کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ کے ولی ہوتے ہیں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے محدث کو اعلیٰ درجہ کا ولی قرار دیا کہ حضرت عمرؓ کو سید المحدثین کہا ہے ۱۰ محمد کفایت اللہ

کو انہوں نے قرآن و حدیث کے خلاف پایا اور ان دونوں میں اس کا ثبوت نہ دیکھا تو اُس کا اعتبار نہیں کیا اور نہ اس کی جانب التفات۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اکثر تصوف کے بعض نکتے آتے ہیں لیکن میں ان کو قبول نہیں کرتا تا وقتیکہ میں اُس کی دو عادل گواہوں یعنی قرآن و حدیث سے تصدیق نہ کر لوں۔ اور ابو سعید خراز فرماتے ہیں جو باطن کہ ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے یعنی تصوف کی جو بات قرآن و حدیث کے ظاہری احکام کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ اور

ابو حفص کبیر کا قول ہے کہ جو شخص اپنے افعال اور اقوال اور احوال کو کتاب اور سنت کی ترازو میں نہ تولے اور اپنے خطرات قلبی کو مشکوک نہ سمجھے اُس کو مردانِ خدا میں شمار نہ کرو۔ اور ابو یزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اگر تم دیکھو کہ کسی شخص کو طرح طرح کی کرامتیں دی گئی ہیں یہاں تک کہ ہوا میں چار زانو بیٹھا ہو یا پانی پر چلتا ہو تو ان باتوں سے دھوکہ نہ کھاؤ، تا وقتیکہ یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر اور نہی اور حدِ شرعی کی نگہداشت اور احکامِ شریعت کی پابندی میں پورا ہے یا نہیں۔ اور

جنید بغدادی نے فرمایا ہے کہ اللہ سے ملنے کے راستے اتنی کثرت سے ہیں جتنے مخلوق کے انفا میں لیکن وہ سب بند ہیں یعنی کوئی شخص ان راستوں سے خدا تک نہیں پہنچ سکتا سوائے اس شخص کے جو رسول اللہ کی پیروی کرے اور کہتے ہیں کہ انہوں نے (منصور) حلاج کے قتل کا فتویٰ صرف اس بات پر دیا تھا کہ اُس نے انا الحق کہا تھا۔

پس طالبِ حق عقل مند کو دیکھنا چاہئے کہ یہ تمام بزرگ باوجودیکہ بڑے بڑے مشائخِ طریقت اور اہل حقیقت کے سردار تھے پھر بھی شریعت ہی سے سند پکڑتے اور کسی چیز میں شریعت کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ پس اسی طرح ہر بندہ ڈاکر شاعلی پر واجب ہے کہ اپنے تمام اقوال اور افعال اور احوال میں پابندیِ شریعت کرے اور ہرگز کسی بات میں اس کے خلاف نہ کرے۔

ثمراتِ ذکر کے حصول کیلئے ضروری شرط | لیکن یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ذکر مؤثر اور نافع وہی ہے جو ہمیشہ ہو اور ولی توجہ کے ساتھ کیا جائے جس ذکر میں دل غافل رہے اُس سے بہت کم فائدہ ہوتا ہے اس لیے کہ ہر ذکر کی ایک ابتدائی حالت ہوتی ہے اور ایک انتہائی۔ ابتدائی حالت یہ ہے کہ ذکر سے محبتِ الہی پیدا کی جائے اور انتہائی حالت یہ ہے کہ محبتِ الہی سے خود بخود ذکر جاری ہو جائے اور مقصود یہی محبت اور انس ہے اسلئے کہ ڈاکر ابتدا میں تو اپنے دل کو بہ تکلف و وسوسوں سے پھیرتا ہے اور یادِ الہی میں لگاتا ہے پھر اگر اُس کو ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق ہوتی تو ذکرِ الہی سے اُسے انس ہو جاتا ہے اور محبت

اس کے دل میں جڑ پکڑ لیتی ہے اور کثرت ذکر کے لئے ایسا بے قرار رہتا ہے کہ بغیر اُس کے صبر نہیں آتا۔ اس لئے کہ جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اُس کو بہت یاد کیا کرتا ہے اور جو شخص کسی چیز کا بہت ذکر کرتا ہے گو تکلف سے ہی ہو تو اُس کے دل میں اُس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

ذکر کے ثمرات | خلاصہ یہ کہ ابتدائے ذکر میں تکلف ہوتا ہے آخر الذکر خدا سے اُس و محبت ہو جاتی ہے پھر اُس کی یاد سے صبر محال ہو جاتا ہے۔ پس سبب مستحب اور ثمر ممتزج بن جاتا ہے۔

پھر جب ذکر کو یاد الہی سے اُنس ہو جاتا ہے تو وہ غیر خدا سے الگ ہو جاتا ہے اور ذکر کا پورا فائدہ مرنے کے بعد پاتا ہے کیونکہ وہ ماسوی اللہ سے مرنے کے بعد جدا ہو جاتا ہے اور قبر میں اُس کے ساتھ نہ اہل ہوتا ہے نہ مال صرف یادِ خدا ہی اُس کے ساتھ رہ جاتی ہے پس اگر وہ اُس سے مانوس ہے تو فائدہ اٹھائے گا اور اُن تعلقات کے چھوٹ جانے سے جو یادِ خدا میں اُس کو مانع تھے لذت پائے گا کیونکہ دنیا کی ضروری حاجتیں اُس کو اللہ کے ذکر سے روکتی تھیں اور بعد مرنے کے کوئی مانع باقی نہیں رہتا پس گویا اُس کو اپنے محبوب کے ساتھ تخلیہ ہو گیا اور اس قید خانہ سے چھوٹ گیا جس میں رہ کر اپنے پیارے سے نہ مل سکتا تھا اور بندہ اس اُنس سے موت کے بعد مزہ لیتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے پاس بلا لیا جاتا ہے اور ذکر سے ترقی کر کے دیدار الہی سے مشرف ہوتا ہے کیونکہ لا الہ الا اللہ کہنے سے اُس کا مقصود سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ تھا۔ اس لئے کہ ہر مقصود معبود ہے اور ہر معبود الہ ہے۔ اور لا الہ الا اللہ کے دائمی ذکر سے تمام جھوٹے معبود فنا ہو جاتے ہیں اسی لئے اس ذکر کو تمام ذکروں پر افضلیت ہے اور بعض حدیثوں میں ذکر مطلق ہے۔

اور بعض میں صدق اور اخلاص کی بھی شرط ہے جیسا کہ زید بن ارقم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

من قال لا الہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنة ترجمہ

نے اپنے دل سے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنتی ہے۔ اور اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ جو بابت زبان سے کہے دل میں بھی وہی ہو۔ پس جو کوئی زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور دل میں نہ ہو تو اُس ذکر میں اخلاص بالکل نہیں ہے اور اُس کا قبول ہونا نہ ہو مشیت الہی پر ہے اور اُس کی حالت اندیشہ سے خالی نہیں۔

یعنی ذکر اپنی ابتدائی حالت میں محبت الہی پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے پھر جب محبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ محبت ذکر الہی کا سبب بن جاتی ہے تو ذکر جو پہلے محبت کا سبب تھا اخیر میں محبت کا سبب بن جاتا ہے اسی طرح ثمر کا ممتزج ہو جانا جو کہ محبت ذکر الہی سے پیدا ہوتی تو گویا ذکر الہی کا پہلے ہوتی پھر ذکر محبت سے پیدا ہوا تو گویا محبت کا پہلے ذکر ہوا تو محبت جو ذکر کا پہلے تھی اب ذکر اُس کا پہلے بن گیا ۱۷ محمد کفایت اللہ عنہ۔

دوسری مجلس اس بیان میں کہ ذکر الہی تمام نیکی کاموں سے بہتر ہے اور اس کے اقسام کا بیان

سب سے بہتر اور پاکیزہ عمل | فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تم کو ایسا کام نہ بتاؤں جو تمہارے تمام اعمال سے بہتر ہو اور تمہارے مالک حقیقی کے نزدیک بہت پاکیزہ ہو اور جس سے تمہارے درجے بہت بلند ہوں اور تمہارے لئے چاندی سونا خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو اور اس سے بھی اچھا ہو کہ تم دشمنانِ خدا سے لڑو اور انہیں قتل کرو اور خود شہید ہو جاؤ۔

صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں حضور ارشاد فرمائیے!

آپ نے فرمایا کہ وہ کام ذکر اللہ ہے

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اس کے

راوی ہیں۔

اور ذکر الہی کا تمام عبادتوں سے بڑھ کر ہونا اور سونا چاندی خرچ کرنے سے اور دشمنانِ خدا کے ساتھ جہاد کرنے سے بہتر ہونا اس وجہ سے ہے کہ تمام عبادتیں صرف ذکر الہی کا وسیلہ ہیں اور ذکر اللہ اصلی مطلوب اور انتہائی مقصود ہے۔ لیکن

ذکر کی قسمیں | ذکر کی دو قسمیں ہیں، ایک ذکر زبانی دو ثمر اور ذکر قلبی۔ زبانی ذکر تو یہ ہے کہ زبان سے ادا کیا جائے اور کانوں سے سنا جاسکے حروف اور آواز سے حاصل ہو۔ اور دلی ذکر نہ زبان سے ادا کیا جاتا ہے نہ کانوں سے سنا دیتا ہے بلکہ وہ صرف فکر اور دلی شور ہے اور ذکر کا یہی سب سے بڑا مرتبہ ہے اور عجیب نہیں کہ اس حدیث میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ذکر سے یہی ذکر قلبی فکری ہو کیونکہ یہی ذکر ایسا ہے جس کو جان و مال خرچ کرنے پر بھی فضیلت ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گھڑی کا تفکر ستر برس کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ ذکر قلبی اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ حضور دل کے ساتھ ذکر زبانی کی مداومت کی جائے تاکہ ذکر اس کے دل میں جم جائے اور اس پر ایسا قالب ہو جائے کہ غیر اللہ کی طرف دل کو متوجہ کرنے میں تکلف ہو جیسا کہ شروع میں دل کے اندر ذکر جانے میں تکلف ہوتا تھا لیکن اس بات کا دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے کیونکہ

جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہی نہیں وہ دل و زبان سے کیا ذکر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کے دو معرفت الہی کے طریقے | طریقے ہیں ایک تو اُن لوگوں کا طریقہ جو عقل اور دلیل سے خدا کو پہچانتے ہیں اور دوسرا اہل ریاضت اور مجاہدہ کا طریقہ ہے۔ پھر عقل و دلیل سے پہچاننے والے اگر انبیاء علیہم السلام کے مذاہب میں سے کسی مذہب کے متبع ہوں تو وہ متکلمین کہلاتے ہیں ورنہ وہ حکمائے مشائخین ہیں اور یہ فلسفیوں میں ایک گروہ ہے جنہوں نے ارسطو کا طریقہ اور اُس کی طرح بحث و دلیل و برہان قائم کرنا اختیار کیا ہے اور یہ لوگ اہل ایمان نہ تھے۔ اور ریاضت و مجاہدہ کا طریقہ رکھنے والے اگر موافق احکام شریعت کے ریاضت و مجاہدہ کریں تو وہ صوفی باشرع ہیں ورنہ حکمائے اشرافیہ ہیں اور یہ فلسفین کا دوسرا گروہ ہے جس نے افلاطون کے انداز پر کشف اور مشاہدہ کا طریقہ اختیار کیا ہے اور یہ لوگ بھی اہل ایمان نہ تھے۔

پس اس بنا پر ہر طریق کے دو گروہ ہوتے اور مؤمنین عارف باللہ دو قسم کے ہوتے ایک دلیل و برہان والے (یعنی متکلمین) اور دوسرے اہل مشاہدہ و عیاں والے (یعنی باشرع صوفی) کیونکہ جن لوگوں کی خدا شناسی عقلی و نقلی دلیلوں کے ذریعے سے ہو تو وہ علم باطن اور عیاں والے ہیں اور طریق اول کا حاصل یہ ہے کہ قوت نظریہ سے کمال حاصل کر کے اُس کے مراتب میں ترقی کی جائے۔ اور دوسرے طریقہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت عملیہ سے کمال حاصل کیا جائے اور اس کے مدارج میں ترقی کی جائے اور یہی وہ حقیقی کرامت ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ کرامت کا فائدہ یہ ہے کہ استقامت حاصل ہو اور کمال استقامت تک رسائی نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس سے بڑھ کر کرامت نہیں بخشی کہ اُس کو تقویٰ اور استقامت کے اُس رستے پر چلنے کی توفیق بخشے جسکو وہ پسند کرتا ہے۔ یہی وہ کرامت جو خلافت عادت امور ظاہر ہونے کے معنی میں ہے تو محققین اولیاء اللہ خرق عادت امور کی حقیقت | کے نزدیک وہ بالکل قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ کرامت کفار اور دوسرے ریاضت کرنے والے لوگوں سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے باوجودیکہ اُن کا عمل اور عقیدہ دونوں فاسد ہوتے ہیں۔

اور بعض اہل تدقیق کی رائے کے موافق اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ اسباب اور اُن کے آثار مقرر فرمائے ہیں اور عادت الہی یوں جاری ہے کہ ہر سبب اپنے مسبب یعنی اثر سے جدا نہیں ہوتا جیسے آگ کو سبب اور جلانے کو اُس کا اثر بنا دیا ہے اور آگ کبھی اپنے اثر یعنی جلانے سے جدا نہیں ہوتی اور اپنی اسباب میں سے ریاضت بھی ہے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے صفائی قلب کا ذریعہ بنایا ہے اور اُس کا اس سے ایسا علاقہ قائم کیا ہے کہ اس سے کشف اور خلافت عادت امور صادر ہوا کریں۔

لیکن یہ کشف وغیرہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا تعالیٰ اس ریاضت سے راضی ہے جس سے یہ کشف حاصل ہوا کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ خوارق عادت معجزہ اور کرامت ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات استدراج بھی ہوتا ہے۔

پس جس وقت کہ یہ ایسے شخص سے صادر ہوں جس کے عمل اور عقیدہ میں خلل ہو تو اسکو استدراج ہی کہیں گے اس لئے کہ کرامت تو اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی کام خلاف عادت ایسے نیک بندے کے ہاتھ سے ظاہر ہو جس کی پرہیزگاری ظاہر ہو اور اس آخری قید سے استدراج خارج ہوتا ہے اس لئے کہ استدراج اس کو کہتے ہیں کہ کوئی امر خارق عادت اختیار کے ہاتھوں پر ظاہر ہو جائے جیسے کہ دجال اور فرعون اور گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے جہاں، اس لئے کہ پرہیزگاروں سے جیسے کہ خوارق ظاہر ہوتے ہیں ویسے ہی اختیار سے بھی ہوتے ہیں۔

پس جو ایسے شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو جو مطیع فرمانِ شرع ہے تو یہ اس کی عبادت میں زیادہ کوشش کرنے کا سبب سمجھا جائے گا اور جب کوئی ایسی بات اس شخص کے ہاتھ سے ظاہر ہو جو تابع شرع نہیں ہے تو وہ خدا سے اس کی دوری بڑھ جانے کا سبب ہو جائے گی۔ اور شیطان اس کو ہمیشہ قوت دیتا رہے گا یہاں تک کہ حلال و حرام اور حدود و احکام کے انکار کی وجہ سے اس کو حلقہٴ اسلام سے نکال دے گا۔

اسی لئے حضرت ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص پانی پر چلتا ہو یا ہوا میں آلتی پالتی مار کر بیٹھے جائے لیکن پھر بھی تم جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر وہی اور پابندیِ شریعت میں کیسا ہے اس کے فریب میں نہ آجانا۔

کسی نے ان سے کہا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ معظمہ پہنچ جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ شیطان ایک لختہ میں مشرق سے مغرب پہنچ جاتا ہے حالانکہ وہ ملعون و مردود ہے اس بنا پر ہر شخص کو جس سے کچھ بھی خوارق ظاہر ہوں خدا کا دوست اور ولی سمجھ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ جس طرح اس کا خدا کا دوست ہونا ممکن ہے اسی طرح دشمن خدا بھی ہونا ممکن ہے اسی لئے کہ شاید وہ امر بعض ریاضت یا شیطان کے فریب سے ہوا ہو کیونکہ بسا اوقات شیطان بعض امور کو اس طرح سے انسان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ فی الواقع ویسے نہیں ہوتے اور باطل چیزیں حق کی صورت میں دکھاتا ہے۔

اللہ کے دوست اور دشمن | بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کے پاس کوئی شخص آتا ہے اور ان سے اس طرح باتیں کرتا ہے کہ وہ اس کو فرشتہ آسمانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جن اور شیاطین ہوتے ہیں۔ اسلام میں اس قسم کا سب سے پہلا شخص مختار بن ابی عبد اللہ ثقفی ہوا ہے جس کی خبر خود حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحیح حدیث میں دی ہے اور اس طرح فرمایا ہے کہ عنقریب ثقیف میں ایک جھوٹا پیدا ہوگا، کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ ممتاز کا یہ خیال ہے کہ پتھر پر وحی نازل ہوتی ہے آپ نے فرمایا وہ جھوٹا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر جھوٹے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر مسلمان کہلاتے ہیں حالانکہ فی الواقع ان کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں ایسے لوگ جیسا جیسا ان کا شیطان سے ربط اور جس قدر خدائے رحمن سے عداوت بڑھتی ہے ہے ان کو ان شیطانی حالات میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور مخلوق کے حق میں باعثِ فتنہ ہوتے جاتے ہیں

اور بعض ایسے ہیں کہ وہ اگرچہ اپنے معاملہ میں سچے ہیں اور عبادت اور مجاہدہ عملی بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایمان کی حقیقتوں سے کماحقہ واقف نہیں ہونے اور نہ شیطانی اور رحمانی باتوں کی تمیز کر سکتے ہیں اس لئے شبہ میں پڑ کر شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور ایسے کشف کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں جو عقل اور شرع دونوں کے خلاف ہوتا ہے اور ایسی باتوں کا اپنے کشف سے ظاہر ہونا بیان کرتے ہیں جو عقل و شرع دونوں کے صریح مخالف ہوتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قصداً جھوٹ نہیں بولتے لیکن چونکہ ان کو وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو خارج میں نادر الوجود ہوتی ہیں اس لئے وہ ان کو صلحاً کی کرامت خیال کر بیٹھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ شیاطین کے فریب ہیں کیونکہ ایسے لوگ بہت ہیں جو اپنے آپ کو خدا کا دوست اور ولی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خدا کے دوست نہیں ہوتے بلکہ وہ شیطان کے دوست ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ

اللہ کے دوست اور ولی وہی ہیں جن کی تعریف خداوند عالم نے قرآن شریف میں کی ہے، اور فرمایا ہے کہ ”خبردار رہو کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ کسی طرح کا غم“ (جن کی شان یہ ہے کہ) وہ ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس سے ڈرتے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے ”اُس کے دوست وہی لوگ ہیں جو اُس سے ڈرتے ہیں۔“

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ اُس کے دوست وہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور ظاہر ہیں ان کے لئے مباح چیزوں میں سے کوئی خاص چیز عین نہیں ہے جس سے وہ اوروں سے ممتاز ہوں، نہ یہ کہ دو مختلف مباح لباسوں میں سے ایک کو اپنے لئے خاص کر لیں بلکہ یہ لوگ امت محمدی کے ہر گروہ میں پائے جاتے ہیں بشرطیکہ بدعتی اور بدکار نہ ہوں۔ اور ولی کے لئے یہ شرط بھی نہیں کہ وہ معصوم ہو کہ نہ اُس سے غلطی ہو اور نہ خطا کرے اور اسی

لئے اُس کو یہ جائز نہیں کہ جو خطرہ دل میں گزرے یا جو بات اُس کو اپنے خیال کے مطابق الہام یا خطاب الہی سے معلوم ہو اُس پر بھروسہ کر بیٹھے، بلکہ اُس پر واجب ہے کہ اس قسم کی باتوں کو احکام شریعت سے جانچے، اگر اُن کے مطابق ہوں تو قبول کرے اور مخالف ہوں تو ہرگز قبول نہ کرے لیکن اگر موافقت یا مخالفت کا پتہ نہ چلے تو توقف کرے۔

اولیاء اللہ کے بارے میں ایک عام لوگ اس معاملہ میں بڑی غلطیاں کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو ولی بڑی غلطی اور اُس کے نتائج سمجھ لیتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ولی کا ہر قول قبول کرنے کے الٹی اور اُس کا ہر فعل ماننے کے قابل ہے خواہ قرآن و حدیث کے مخالف ہی کیوں نہ ہو یہ لوگ گو اس شخص کی فرمانبرداری تو ضرور کرتے ہیں لیکن اُن امور کی جس کے لئے اللہ نے اپنے پیارے رسول کو بھیجا اور اُس کی خبروں کو سچ جاننے اور اس کے ارشاد کی تعمیل کرنے کو تمام عالم پر فرض کیا ہے مخالفت کرتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کی مخالفت اور اُس شخص کی پیروی پہلے تو بدعت اور نافرمانی کی بطن اور آخر کار کفر اور سرکشی تک پہنچا دیتی ہے اور اُن لوگوں میں شامل ہو جاتے ہیں جن کی نسبت خداوند عالم یوں ارشاد فرماتا ہے

”اور جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہیگا کاش میں نے رسول کا طریقہ اختیار کیا ہوتا، ہاتے افسوس کاش میں فلاں کو اپنا دوست نہ بنانا جس نے مجھ کو بھٹکا دیا ذکر خدا سے جبکہ مجھ کو اُس کی خبر پہنچ چکی تھی اور شیطان آدمی کو بڑا دغا دینے والا ہے۔“

بلکہ وہ لوگ اُن نصاریٰ کی طرح ہیں جن کے بارے میں جناب باری نے یوں ارشاد فرمایا ہے

”بجائے اللہ کے اپنے عالموں اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا (اس آیت کے متعلق دریافت کرتے ہوئے) عدی بن حاتم نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ نصاریٰ نے اُن کی پرستش تو کی نہیں پھر اس ارشاد کا کیا مطلب؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُن کی اطاعت تو کی ہے اور خدا کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت کرنا گویا اُس کی پرستش کرنا اور اُس کو اپنا معبود ٹھہرانا ہے

پس اب جو شخص پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد کے کچھ بھی خلاف کرے اور کسی دوسرے کو ولی سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ولی کا کوئی قول و فعل خلاف نہیں ہونا پیروی کرے تو وہ گمراہ ہے اور ان لوگوں کی اس بارہ میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب یہ لوگ کسی ایسے شخص کو دیکھتے ہیں جس کو بعض حالات کا کشف ہو جاتا ہے یا کوئی امر خارق ظاہر ہوتا ہے مثلاً وہ شخص ہوا میں اڑتا ہے یا پانی پر چلتا ہے یا غائب شخص کا حال بتلا دیتا ہے یا چوری وغیرہ کا پتہ دیتا ہے تو ایسی باتوں سے اُس کو ولی قرار دیتے ہیں اور اُس کی مخالفت جائز نہیں سمجھتے باوجودیکہ اس قسم کی باتیں بعض اوقات ایسے شخص میں بھی پائی جاتی ہیں جو نہ شرعی پاکی سے پاک ہوتا ہے اور نہ دین و مذہب کے موافق پاک و صاف رہتا

ہے حالانکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”اللہ خود پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”اللہ طیب ہے اور طیب کو قبول کرتا ہے“۔

لیکن جو شخص نہ کبھی نہاتا ہے نہ وضو کرتا ہے نہ فرض نماز پڑھتا ہے بلکہ ہر وقت نجاست میں منتظر رہتا ہے کتوں سے میل جول رکھتا ہے اور کوڑے وغیرہ نجس مقامات میں پڑا رہتا ہے جنکو جنات اور شیطان کے سوا کوئی پسند نہیں کرتا مگر کیونکہ ولی ہو سکتا ہے اس لئے کہ کتب عقائد کے مطابق ولی وہی ہے جو خدا اور اس کے صفات کو جانتا ہو عبادت الہی سے کبھی غافل نہ رہتا ہو اور گناہوں اور حرام باتوں سے بچتا رہتا ہو، لذات اور شہوات نفسانی میں پھنسنے سے پر حذر ہو، نہ نجاست سے آلودہ ہو اور نہ کتوں سے میل جول رکھے نہ نماز اور دیگر عبادات کا تارک ہو نہ مجنون و بے عقل ننگ و دھڑنگ کہ بدن پر لٹا نہیں۔

اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان کی شناخت نہ کر سکنے کی وجہ سے عوام مبتلائے بلا ہو گئے اور ہر نئی بات کو ولایت اور کرامت سمجھنے لگے اور کرامات اولیاء اور شیطانی حالات میں جو بظاہر مشابہ ہیں فرق نہ کر سکے حالانکہ ان دونوں میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ عام لوگ بلا میں نہ پھنس جائیں اور وہ یوں کہ

اولیاء اللہ کی کرامتیں ایمان اور تقویٰ کے سبب سے ہوتی ہیں چنانچہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے ”خبردار رہو کہ اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی ڈر ہے اور نہ ان کو کوئی غم ہوگا“ (جن کی شان یہ ہے کہ) وہ ایمان لاتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے رہے ہیں۔ لیکن

شیطانی حالات حرام کام کرنے کی وجہ سے ہوتے ہیں جن کو اللہ اور رسول نے منع فرمایا ہے کیونکہ جو امور خارج عادت شیطان کے پسندیدہ شرک اور ظلم اور فحش کی وجہ سے ہوں وہ بیشک احوال شیطانی ہیں کراماتِ رحمانی نہیں۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ اور خدا کے دوست وہی ہیں جو مومن متقی عارف باللہ پیر و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ لوگ وہی کام کرتے ہیں جن کا حکم کیا گیا ہے اور ان باتوں سے بچتے ہیں جن سے منع کیا گیا ہے اور ان ہی سے کرامتیں ہوتی ہیں اور انہی کی کرامت دین میں محبت بھی ہے کیونکہ ان کرامات کا ظہور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے حاصل ہوتا ہے اور فی الحقیقت یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے معجزات ہوتے ہیں برخلاف شیطانی حالات کے جو محض جن اور شیطان کی پیروی سے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ یہ بات بہت سے لوگوں کو حاصل ہوئی جن کی حکایتیں مشہور ہیں۔

اُن ہی میں سے ایک عبداللہ بن سیاہ ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوا تھا اور بعض صحابہ نے اُس کو دجال بھی خیال کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے باب میں توقف فرمایا تھا بالآخر آپ کو ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ دجال نہیں ہے بلکہ ایک کاہن ہے اور کاہنوں کے مددگار شیطان ہوتے ہیں جو اُن کو غیب کی خبریں چوری سے سن کر جھوٹ سچ بلا کر بتایا کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک اسود بن عنی ہے جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا اُس کا بھی ایک شیطان مددگار تھا جو اُس کو بعض امور غیب کی خبریں دیا کرتا تھا لیکن جب مسلمان اُس کے قتل پر آمادہ ہوئے تو اندیشہ ہوا کہ شیاطین کہیں اُس کو اس ارادہ سے آگاہ نہ کر دیں یہاں تک کہ اُس کی جو رو نے یہ معلوم کر کے کہ یہ کافر ہے مسلمانوں کو مدد دی اور وہ قتل کیا گیا۔

اُن ہی میں سے ایک میلہ کذاب ہے۔ اُس کا مددگار بھی ایک شیطان تھا جو غیب کا حال بتایا کرتا تھا اور بعض ضرورتوں میں اُس کی مدد بھی کرتا تھا۔

ابھی میں سے ایک حارث دمشقی ہے جو عبد الملک بن مروان کے زمانہ میں ملک شام میں ظاہر ہوا تھا اور نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اُس کا مددگار شیطان تو اُس کا پاؤں بھی زنجیر میں سے نکال دیتا تھا اور کسی ہتھیار کا اُس کے جسم پر اثر نہیں ہونے دیتا تھا اور چند لوگوں کو ہوا پر سوار دکھا کر کہتا تھا کہ یہ فرشتے ہیں اور درحقیقت وہ جن و شیاطین ہوتے تھے جب مسلمانوں نے اُس کو بغرض قتل گرفتار کیا تو ایک شخص نے برپھی ماری لیکن ذرا بھی اثر نہ ہوا اس پر عبد الملک نے کہا کہ تم نے بسم اللہ نہیں کہی آخر اُس شخص نے بسم اللہ کہہ کر برپھی چھوڑی اور مار ڈالا۔

ان لوگوں کے سوا جن کا ذکر ہوا ایک اور شخص تھا جس کو اس کا مددگار شیطان شب عرفہ کو عرفات پہنچا دیتا تھا لیکن وہ حج شرعی جس کا حکم خدا اور رسول نے دیا ہے ادا نہ کرتا تھا کیونکہ نہ تو وہ مہینات سے احرام باندھتا تھا نہ لبیک کہتا تھا اور نہ مزدلفہ میں ٹھہرتا تھا نہ بیت اللہ کا طواف کرتا تھا اور نہ ما بین صفا و مروہ دوڑتا تھا نہ رمی جہار کرتا تھا بلکہ تھوڑا سا توقف کر کے اُسی رات کو واپس آجاتا تھا اُس کی حالت بعینہ ایسی تھی جیسے کوئی شخص جمعہ میں تو حاضر ہو لیکن بلا وضو نماز پڑھے کچھ ایسے شیطان کے گمراہ کرنے کا ایک طریقہ لوگ بھی ہیں جو مخلوق سے فریاد کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، مسلمان ہو یا کافر اس سے شیطان کو موقع ملتا ہے اور وہ اُس شخص کی صورت بڑا کر آتا ہے اور مستغنیث کی ضرورت پوری کر دیتا ہے جاہل مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ وہی ہے جس سے فریاد کی تھی۔ حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ وہ شیطان ہے جو حتی الامکان گمراہ کرنے کی کوشش میں تو لگا ہی رہتا ہے اب اُس نے موقع پا کر گمراہ کر دیا کیونکہ جب وہ انسان کی اُس کے مقصد میں مدد کرتا ہے تو نفع ہے۔ بدرجہا زیادہ نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ جو شخص اسلام کی طرف منسوب ہو کر ایسے مانے ہوئے پیروں

سے جن سے اُس نے حُسنِ اعتقاد کیا ہے، فریاد کرتا ہے تو شیطان اُس کے پاس اسی شیخ کی صورت میں آتا ہے کیونکہ شیطان بسا اوقات صلحا کی صورت بن کر آجاتا ہے۔

مگر ہاں اُس کی یہ مجال نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل بن سکے۔ اب اگر وہ پیر جس سے فریاد کی تھی ذمی علم ہے تو شیطان اُس سے فریاد کر نیوالے معتقدین کا حال بیان نہیں کرتا اور اگر جاہل ہے تو اُس سے اُن کے اقوال بیان کر دیتا ہے اور اُن کو پیر کا پورا کلام سنا دیتا ہے جاہلوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شیخ نے ہماری بات سُن کر خود باوجود اس قدر فاصلہ کے جواب دیا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سوال و جواب شیطان کے واسطے سے ہوتا ہے۔ چنانچہ خود اُن بعض مشائخ سے جن کو یہ معاملہ مکاشفہ اور مخاطبہ کے صورت میں پیش آیا۔ مروی ہے کہ مجھ کو کبھی کوئی چمکتی ہوئی چیز مثل پانی یا شیشہ کے نظر آتی ہے اور جو باتیں مجھ سے دریافت کی جاتی ہیں وہ اُس میں متنقش ہو جاتی ہیں اور میں لوگوں کو بتا دیتا ہوں اور اسی طرح فریاد کی بات مجھ تک پہنچ جاتی ہے اور میں جو جواب دیتا ہوں وہ اُن کو پہنچ جاتا ہے۔

علیٰ هذا القیاس اسی قسم کے اور بہتیرے خوارق اکثر اُن مشائخ کو حاصل ہو جاتے ہیں جو نہ قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں نہ اُن پر عمل کرتے ہیں کیونکہ شیطان تو لوگوں سے بسا اوقات ایسے ہی تماشے کیا کرتا ہے اور اُن کو باطل چیزیں حق کے پیرا میں دکھایا کرتا ہے۔

لیکن جو شخص ایمان کی حقیقتوں سے واقف ہیں اور احکامِ دینی سے آگاہی رکھتے ہیں انہیں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شیطان کا مکر ہے اور ایسی باتوں پر اَعوذ باللہ کہتے ہیں اور جنہیں معرفتِ الہی اور یقین نہیں ہے وہ دھوکہ کھاتے اور ہلاک ہوتے ہیں۔ سب سے بڑی چیز جس سے یہ شیطانی حالات اور بھی گانا وغیرہ کا سماعِ شیطانی عمل ہے | قوت پکڑ جاتے ہیں گانا سننا ہے اس لئے کہ سماع اُن مشرکین کا کام ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن کی نماز بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ بیت اللہ کے پاس نالیاں اور سیٹی بجانا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور نیز دیگر صحابین فرماتے ہیں کہ تصدیق کے معنی تالی بجانا اور مکار کے معنی سیٹی کے ہیں اور اسی کو مشرکوں نے عبادت قرار دے رکھا تھا تو اب جو کوئی راگ سننا اختیار کرے گا تو یہ اُس کے شیطان کا دوست ہونے کی نشانی ہے نہ کہ خدا کا دوست ہونے کی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کبھی گانا سننے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ تمام صحابہ اور تابعین اور تمام اکابر ائمہ دین میں سے کسی نے بھی اس کو اللہ سے ملنے کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ اُس کو خدا کی نزدیک کی کا سبب اور نہ عبادتوں میں شمار کیا بلکہ بدعت اور گناہوں میں شمار کیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ تمنا قلب میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے

جس طرح پانی سے ترکاریاں پیدا ہوتی ہیں۔

پس جو لوگ اُس معرفت سے ممتاز ہیں جس کا نام کمال ولایت ہے انہیں معلوم ہے کہ گانے میں کس قدر شیطانی اثر ہے لیکن جو لوگ معرفت سے بہت دور ہیں اُن پر شیطان کا اور زیادہ اثر ہوتا ہے کیونکہ گانا شراب کی طرح بلکہ اُس سے کچھ بڑھ کر نفوس میں اثر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب اُن کی یہ حالت بہت ترقی کر جاتی ہے تو اُن پر شیطان نازل ہوتا ہے اور کسی کے مُنہ سے بولتا ہے اور کسی کو ہوا میں معلق اٹھا لیتا ہے اور جہلا اُس کو اولیاء کی کرامت کہتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ محض شیطانی ڈھکوسلے ہیں اسی لئے اگر اُس وقت اُس جگہ وہ آیتیں پڑھی جاتیں جن سے شیطان بھاگتا ہے مثلاً آیت الکرسی وغیرہ تو شیطان بھاگ جاتا ہے اور وہ شخص گر پڑتا ہے چنانچہ چند لوگوں کو ایسا اتفاق ہوا ہے کیونکہ توحید شیطان کو بھگا دیتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص کا قصہ ہے کہ اسی طرح ہوا میں معلق ہو رہا تھا اتفاقاً اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا۔ کہنا تھا کہ فوراً گر پڑا۔ نظر براں خوارق خوارق کے بارے میں اہل اللہ کا طریقہ ہے چونکہ اکثر آدمی کا درجہ گر جاتا ہے اس لئے اکثر بزرگ اس سے بھاگتے ہیں اور اللہ سے اس طرح استغفار و توبہ کرتے ہیں جس طرح گناہوں سے توبہ و استغفار کی جاتی ہے اور اگر بعضوں کو ایسی حالت پیش آتی تھی تو دعا کرتے تھے کہ خداوند! اس کو سلب کر لے۔ اور تمام مشائخ اپنے مریدین ساکبین کو اس طرف توجہ کرنے سے غایت درجہ نفرت دلاتے تھے کیونکہ جو سالک کشف اور کرامات کا طالب ہوتا ہے وہی شیطان کے مجال میں پھنس جاتا ہے لہذا سالک کو لازم ہے کہ اس خواہش سے اپنے نفس کو روکے اس لئے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اگر یہ حالت بلا خواہش ہو جب بھی اشتدراج کا اندیشہ ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر کسی سالک کا گدڑ کسی باغ میں ہو اور اُس باغ کے درختوں کے پرند فصیح زبان سے السلام عیبک یا ولی اللہ کہیں اور وہ اُسکو مگر نہ سمجھے تو بیشک وہ اس دھوکے میں آگیا اور اُس کو شہر نہ ہوئی۔

بزرگوں کی یہ نفرت اُس وقت ہے جبکہ وہ اس حالت کو کرامت مانتے ہوں چہ جائیکہ اس حالت کا شیطانی اثر ہونا یقینی طور سے معلوم ہو جائے لیکن بہتیرے لوگ یہ نہ سمجھ کر کہ وہ جن اور شیطان کی بہانہ سے ہے اس کو بزرگوں کی کرامتیں سمجھ کر فتنے میں پھنستے اور خسارہ اٹھاتے ہیں۔ اور حقیقی کرامت کو تو جانتے ہی نہیں جو کہ استقامت فی الدین حاصل ہونا اور اُسکے کمال تک پہنچنا ہے اور جس کی بنا دو باتوں پر ہے ایک ایمان کی صحت پر دوسرے رسول کی ظاہری اور باطنی فرمان کی پیروی کرنا لہذا بندے پر واجب ہے کہ سوا ان دونوں کے کسی اور چیز کی خواہش نہ کرے اور اپنی کوشش ان ہی کے حاصل کرنے میں صرف کرے اور وہ کرامت جس کے معنی اُمران

کا ظاہر ہونا ہے اُس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ وہ مردوں کا حیض ہے اور جس شخص کو یہ بات حاصل نہ ہو وہ اُس شخص سے جسکو حاصل ہے مرتبہ میں کم نہیں ہوتا بلکہ وہ اُس سے افضل اور اولیٰ ہوتا ہے کیونکہ ایسے عجائبات کی طرف وہی توجہ کرتا ہے جو ایمان کا کمزور ہے اور جب اُس کو یہ حالت حاصل ہو جاتی ہے تو اُس کا یقین قوی ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ کامل الایمان ہیں وہ چونکہ ان چیزوں سے مستغنی ہوتے ہیں اس لئے وہ اس جانب متوجہ نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ یہ نسبت صحابہ کے تابعین میں خوارق زیادہ پائے جاتے تھے۔

پندرہویں مجلس ایمان اور مومن کی بزرگی بیان میں

مومن کا مقام بلند | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت والوں کو جہر و کول والے اوپر سے ایسے نظر آئیں گے جیسے چمکتے ہوئے ستارے پورٹ کچم کے انتہائی کنارے میں دکھائی دیتے ہیں تاکہ اُن کی فضیلت معلوم ہو جائے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے محل ہوں گے اُن کے سوا تو کوئی اور وہاں تک نہ پہنچ سکے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں بیشک ملیں گے اور قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل جنت اپنے سے اونچے محل والوں کی طرف ایسا دیکھیں گے جیسا کہ تم سپیدہ صبح پھیل جانے کے وقت مشرق اور مغرب کے کناروں پر چمکتے ہوئے ستارے دیکھتے ہو اور اُن لوگوں کا ایسے اونچے محلوں میں ہونا اس لئے ہے کہ اُن کا مرتبہ اوروں سے بلند ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے مرتبے اس طرح بیان فرمائے اور موجودہ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ جہر و کول والے کے محلات کے ہوں گے جن کے سوا اُن کے اور کوئی نہ پائے گا تو اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ محل اُن لوگوں کو ملیں گے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسول کی تصدیق کی ہے۔ اس لئے کہ بلا اثبات نفی کے لئے ہوتا ہے یعنی صحابہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ یہ محل انبیاء کے سوا کسی اور کو نہ ملیں گے بلکہ اور کو بھی ملیں گے اور وہ وہی ہیں جن کی آپ نے خود تصریح فرمائی اور قسم بھی اس واسطے کھائی کہ تابعین اس بات کو بہت بعید سمجھتے تھے کہ ایمانداروں کو نبیوں کا مرتبہ ملے۔

اور اس فرمان میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کا مرتبہ پانے والے صراطِ امت محمدی ہی کے لوگ ہوں گے کیونکہ تمام پیغمبروں کی تصدیق ان ہی نے کی ہے نہ اُن لوگوں نے

جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ پر ایمان جو اس امت کے مومنین صفت ایمان کے اجزاء ترکیب کی صفت ہے دو جزے مرکب ہے ایک اللہ پر ایمان لانا دوسرے تمام انبیاء پر ایمان لانا۔ اللہ پر ایمان لانے کا تو یہ مطلب ہے کہ یہ یقین کرے کہ وہ موجود ہے قدیم ہے ایک ہے قدرت اور ارادہ اور علم والا ہے اور زندہ ہے اور تمام وہ صفات جو اس کی شان کے مناسب ہیں کیونکہ اللہ کے وجود کا علم گویوں بھی آدمی میں وقت پیدائش سے اس کی طبیعت میں پایا جاتا ہے جیسے کہ مضمون آیت ہے۔

”اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا“ لیکن پھر بھی اللہ نے اور آیتوں میں اپنے وجود کی طرف ہدایت فرمائی ہے اس میں سے ایک یہ ہے کہ فرماتا ہے ”آسمان وزمین کی پیدائش اور رات دن کے اختلاف میں نشانیاں ہیں“ ایک یہ کہ فرمایا ”بھلا دیکھو تو سہی جو پانی تم ٹپکاتے ہو اس کو تم بتاتے ہو یا ہم“ ایک یہ قول ”بھلا دیکھو تو تم جو بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم“ پھر ارشاد ہوتا ہے ”کیا تمہیں خبر ہے کہ یہ پانی جس کو تم پیتے ہو اس کو بادل سے تم نے برسایا ہے یا ہم نے“

اس قسم کی اور بہت سی آیتیں ہیں جو وجود الہی پر دلالت کرتی ہیں پس جو شخص ان آیتوں کے مضمون اور زمین و آسمان کی بناوٹ اور اس کے اندر کی عجیب و غریب مخلوقات میں غور و فکر کرے گا اس کو مجبوراً کہنا پڑے گا کہ ان کے لئے ایک ایسی ذات کا ہونا ضروری ہے جو ان کو پیدا کرتا ہے اور ان کی غور و پرداخت کرتا ہے اور یہی تمام دنیا کا اعتقاد ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ اگر تم انے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے تو کہیں گے اللہ نے اور کفار کا کفر گہرے تو صرف شرک کی وجہ سے ہے اور اسی لئے انبیاء کا یہ کام تھا کہ لوگوں کو توحید سکھلائیں اور ان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرائیں یہ کام نہ تھا کہ وہ یہ سکھلاتے کہ عالم کا کوئی پروردگار بھی ہے کیونکہ طبیعت انسانی اور آیت قرآنی کے ہوتے ہوئے وجود باری پر دلیل قائم کرنے کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ لیکن علماء نے وجود باری کے وجود باری کی عقلی دلیل | ثبوت میں ایک عقلی دلیل بھی بیان کی ہے وہ کہتے ہیں کہ خدا کے وجود کی دلیل عالم کا حادث ہونا ہے اور اس کے حادث ہونے کا بیان یوں ہے کہ عالم یا تو اعیان ہیں یا اعراض ہیں اعیان وہ اجسام ہیں جو بذات خود قائم ہیں اور اعراض ان صفات کو کہتے ہیں جو بذات خود قائم نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کا قیام اجسام کے سہارے سے ہے اور اجسام کو وہ اس طرح لازم ہیں کہ کبھی ان سے جدا نہیں ہوتے اور یہ دونوں حادث ہیں۔

بعض اعراض کا حادث ہونا تو مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے جیسے حرکت سکون کے بعد اور

عہ مراد اس سے اس جگہ منی ہے۔ یعنی منی کے خالق تم ہو یا ہم ؟

اجالا اندھیرے کے بعد اور سیاہی سفیدی کے بعد۔

اور بعض کا حدوث دلیل سے معلوم ہوتا ہے اور وہ ہست سے نیست ہو جاتا ہے جیسا کہ ان مذکورات کی ضدوں پر۔

اور اجسام کے حدوث کی یہ دلیل ہے کہ وہ حوادث سے کبھی خالی نہیں رہتے اور جو چیز کہ حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے۔ حوادث سے خالی نہ ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اجسام حرکت اور سکون سے خالی نہیں ہوتے اور یہ ظاہر ہے بدھتہ معلوم ہوتا ہے کسی طرح غور و فکر کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ جو شخص یہ خیال کرے کہ کوئی جسم ایسا بھی ہو سکتا ہے جو نہ ساکن ہو اور نہ متحرک تو وہ عقل کے نزدیک گمراہ اور جاہل ہے۔

اور حرکت اور سکون دونوں حادث ہیں ان کے حدوث کی یہی دلیل ہے کہ دونوں آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور جب ایک آتا ہے تو دوسرا ہٹتا ہوتا ہے۔ بعض اجسام میں تو اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے اور جس میں یہ مشاہدہ نہیں ہوتا تو کہہ سکتے ہیں کہ ہر ساکن باعتبار بویہ عقل کے متحرک ہو سکتا ہے اور متحرک کا ساکن ہونا بھی عقل کے نزدیک ممکن ہے پس تو پیدا تو حادث ہی ہے کیونکہ ابھی پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے والا بھی حادث ہے کیونکہ اگر قدیم ہوتا تو اس کا عدم محال ہوتا اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو اس کے حدوث کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ حادث نہ ہو گا تو قدیم اور ازلی ہو گا تو حادث کا ثبوت ازل سے لازم ہو گا اور یہ محال ہے کہ ہر حادث سے پہلے چند حوادث مرتبہ ہوں جن کی ابتدا نہ ملے جیسا کہ فلسفی لوگ افلاک کی حرکت اور اشخاص حیوانات وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں۔ یہ لوگ اور ان کے تابع جو اپنے آپ کو مسلمان بتلاتے ہیں اور فی الحقیقت اسلام سے فلاسفہ کا عقیدہ قدیم و حادث اور انکا بطلان بے بہرہ ہیں کہتے ہیں کہ عالم بالا اپنی ذات و صفات دونوں اعتبار سے قدیم ہے رہی حرکت سو وہ گواہ اپنے افراد کے اعتبار سے حادث ہے مگر اپنی نوع کے اعتبار سے وہ بھی قدیم ہے لہذا کوئی حرکت ایسی نہیں کہ اس سے پہلے کوئی اور حرکت نہ ہو۔ اور عالم سفلی جو عالم کون و فساد کہلاتا ہے اور فلک قمر کے نیچے ہے اس کی نسبت وہ کہتے ہیں کہ اس کا ہیولے قدیم ہے مگر اس کے صور اور اغراض جزئیہ سب حادثات اور نوع قدیم ہیں لہذا ہر بیٹا باپ سے اور ہر اندام معنی سے اور ہر مرغی اندھے سے ہے اور کوئی کھیتی بغیر تخم کے نہیں ہو سکتی جو کھیتی ہوگی وہ تخم سے اور جو تخم ہوگا وہ کھیتی سے۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

پس ان کے قول پر لازم آتا ہے کہ ایسے حوادث موجود ہوں جن کی ابتدا نہیں ہے اس لئے کہ ان کے قول کے موافق ہر حادث سے پہلے ایک حادث ہے اور کوئی سب سے اول

نہیں جس پر یہ سلسلہ ختم ہوا اور حادثہ غیر متناہی کے موجود ہوتے ہوئے جن کی کہیں ابتداء نہیں۔ لازم آتا ہے کہ ہر حرکت فزکی اور ہر فرد حیوانات وغیرہ سے پہلے حوادث مرتب ہوں جن کی کہیں ابتداء نہ ہو پس جب تک وہ حوادث نہ گذر جائیں گے اُس وقت تک حادثہ موجود کے وجود کی نوبت نہ آئے گی اسلئے کہ حرکت یومیہ اس امر پر موقوف ہے کہ اُس سے پہلے کی حرکت گذر جائے اور اسی طرح اس سے پہلے کی حرکت بھی اسی بات پر موقوف ہے۔

اس کی تفصیل یوں سمجھو کہ اگر تم موجود حادثہ کو غور کرو اور پھر اُس کے ماقبل کی طرف متوجہ ہو اور دیکھو اور اسی طرح برابر ماقبل کی طرف بڑھتے جاؤ تو ایسی حد کو کبھی نہ پہنچو گے جہاں کوئی صورت حاضر کے وجود کی ملے اور اس سے لازم آتا ہے کہ حادثہ حاضر کا وجود محال ہو لیکن چونکہ حادثہ حاضر کا وجود تو ثابت ہے اس لئے وجود حوادث غیر متناہی کا باطل ہے اور جب وجود حوادث غیر متناہی کا باطل ہے تو ان اشیاء کا قدیم و ازلی ہونا بھی جو حوادث سے خالی نہیں ہیں باطل ہے اور جب اُن کا قدیم و ازلی ہونا باطل ہے تو ثابت ہوا کہ وہ حادثہ ہیں اور اس سے ثابت ہو گیا کہ عالم اپنے تمام اجزائے ارضی و سماوی کے ساتھ حادثہ ہے اور کسی ایسے پیدا کرنے والے کا محتاج ہے جو اُن کو عدم سے وجود میں لائے۔

اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ پیدا کرنے والا قدیم واحد قادر صاحب علم و ارادہ اور حی ہو، کیونکہ اگر وہ خود قدیم نہ ہو بلکہ حادثہ ہو تو پھر وہ اپنے پیدا کرنے والوں کا محتاج ہو گا اور دور و تسلسل لازم آئے گا یعنی حوادث غیر متناہی کا موجود ہونا اور یہ دونوں محال ہیں۔

اچھا اور اگر ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زیادہ ہوں تو ایسی روک ٹوک واقع ہوگی جو عالم کا وجود نہ ہونے دے گی اور اگر قادر، علیم اور حی نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا کیونکہ کسی شے کا پیدا کرنا قدرت ہی کے اثر سے ہوتا ہے اور کسی شے میں قدرت اُس وقت کام کرتی ہے جب ارادہ بھی ہو اور ارادہ بغیر علم کے ہو نہیں سکتا کیونکہ کسی شے کے ایجاد کا ارادہ بے سوچے سمجھے محال ہے اور یہ تینوں صفتیں حیات کی مقتضی ہیں اسلئے کہ یہ صفتیں حیات کے بغیر پائی نہیں جا سکتیں۔

اب اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ عالم بلکہ اس کے ہر ہر ذرے کا وجود جناب باری کے وجود اور اُس کے قدیم اور یکتا اور چاروں صفات سے موصوف ہونے کی قطعی دلیل ہے اور اسی بنا پر بعض اہل عقل اثر کے وجود سے مؤثر کے وجود پر دلیل لا کر کہتے ہیں کہ ہم نے جب کسی چیز کو دیکھا تو فوراً اس کے بعد اللہ کو دیکھا کیونکہ ہر ہر ذرہ کائنات کا بلحاظ اپنی حدود و احتیاج خالق ہمیشہ زبان حال سے جس میں نہ حرف سے نہ آواز بتلاتا ہے کہ میرا ایک خالق ہے جو قدیم اور یکتا صاحب قدرت و ارادہ والا اور حی اور ایسی صفتوں والا ہے جو اُس کی شان کے لائق ہیں اور ہر ہر ذرہ کا

یہ کلام سب کانوں والے سنتے ہیں ہاں جن کے کان ہی نہیں ہیں وہ نہیں سنتے ہیں اور سماعت سے مراد باطنی سماعت ہے جس کے ذریعہ سے وہ کلام سنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عجمی ہے نہ عربی۔ ظاہری سماعت مراد نہیں ہے جس سے صرف آوازیں سنائی دیتی ہیں اور جن میں بہائم اور انسان سب برابر ہیں۔ کیونکہ اُس چیز کی عزت ہی کیا جس میں انسان اور چوپائے سب شریک ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ انسان صفات الہی میں سے بذریعہ عقل صرف وہی صفات دریافت کر سکتا ہے جن کا افعال خداوندی سے پتہ ملتا ہے اور جن صفات کا پتہ افعال سے نہیں ملتا جیسے سنا دیکھنا اور بولنا ان کا ثبوت کبھی عقل سے اور کبھی نقل سے نکلتا ہے۔

ان صفات کے ثبوت کی دلیل عقلی تو یہ ہے کہ وہ کامل صفتیں ہیں اور ان کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کا صفات کمال سے موصوف ہونا اور صفات ناقصہ سے برہمی ہونا لازمی ہے پس اللہ تعالیٰ ان صفات سے ضرور موصوف ہے۔

اور دلیل نقلی ان صفات کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے پس اس کے ثابت ہونے پر ایمان لانا واجب ہے۔

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی دلیل عقلی سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر افعال خداوندی ہوئے نہیں ہیں کہ بذریعہ افعال ان صفات کا پتہ لگایا جائے اور اللہ کی ذات کا کسی کو علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ یہ اللہ کی وہ صفات کمالہ ہیں جن کا ثبوت ایسا ضروری ہے کہ اگر ان کے موصوف نہ ہو گا تو ان کے اضراد سے موصوف ہوگا۔ اور ان صفات کا کمالی ہونا ہمارے اعتبار سے ہے۔ اور صفات باری کا کمالی ہونا ہمارے اعتبار سے ہے | ہمارے حق میں کمال ہونے سے یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جناب باری کے حق میں بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ راحت و تکلیف اگرچہ ہمارے لئے کمالی صفات ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے صنع ہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفتیں ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان صفات کا ثبوت ذات باری کے لئے ان انبیاء سے نقل کیا جائے جن کی نبوت ایسے معجزہ سے ثابت ہو جو قائم مقام اس ارشاد خداوندی کے ہے کہ "میرا بندہ جو احکام میری طرف سے بیان کرتا ہے خواہ تبلیغ زبانی ہو خواہ عملی یا خموشی سے سب سچ ہے" کیونکہ معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کے حق میں عملی تصدیق ہے اس معجزہ کی حقیقت | لئے کہ معجزہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ایک خلاف مادت فعل ہوتا ہے جو صریح اس قول کی طرح ہے کہ میرا بندہ دعویٰ رسالت میں سچا ہے کیونکہ جب کسی پیغمبر نے دعویٰ نبوت کیا اور اللہ نے اس کے ہاتھ پر معجزہ دکھایا تو گویا اللہ نے یوں فرما دیا کہ میرا بندہ میری طرف سے جو پیغام پہنچاتا ہے وہ سب سچ ہے یہ پیغام ربانی خواہ زبانی ہو خواہ عملی یا سکوتی۔

نملار نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں کھڑے ہو کر سب

کے سامنے یوں کہے کہ میں اُس بادشاہ کا ایچی ہوں جس نے مجھے تمہارے پاس فلاں فلاں حکم پر عمل درآمد کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اس جماعت نے اس سے تصدیق کے لئے محبت طلب کی تو اُس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے عرض کرتا ہوں کہ خلافِ عادت اپنی جگہ سے تین بار کھڑا ہو اور بیٹھ جائے۔ بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا ہی کیا تو کچھ شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہے کہ گویا اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے جو حکم بیان کرے وہ سچا ہے۔

اب بادشاہ کا یہ فعل جس نے دیکھا ہوگا اُس کو تو ایسا یقین ہوگا کہ دلیل کی مطلق حاجت نہیں، اور جس نے نہیں دیکھا بلکہ یہ خبر اُس کو بذریعہ نواسہ پہنچی اُس کو بھی ایسا ہی یقین ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حال کے بالکل مطابق ہے کہ ان کے معجزے سے بھی اُن لوگوں کو پوری تصدیق ہو جاتی ہے جنہوں نے معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے لیکن بہت سے آدمیوں سے سنا ہے۔ جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا تو یاد رکھو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لایا ہے اور اطاعتِ الہی اور اُس کے ثمراتِ رسولوں کی تصدیق کی ہے اگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اہلِ غرقہ میں داخل ہو تو اُس کو ضرور ہے کہ طاعتِ الہی میں مشغول ہو اور گناہوں سے بچے اس لئے کہ صرف ایمان اگرچہ اُسکو دائمی عذاب سے نجات دے گا لیکن حصولِ درجات کے لئے صرف یہی کافی نہیں بلکہ اُس کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ چنانچہ آیاتِ قرآنی کا بھی یہی مضمون ہے منجملہ اُس کے ایک آیت یہ ہے ترجمہ: تمہارے مال اور اولاد ایسی چیزیں نہیں کہ تمہارا مرتبہ ہمارے قریب کر دیں لیکن جو کوئی ایمان لایا اور نیک کام کئے اُن کو اپنے لئے کا دونا ثواب ملے گا۔ اور وہ جنت کے جہر و کول میں بے کھلے ہوں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عملِ نیک میں چونکہ اللہ کی توجہ اور اس کی طاعت میں مشغولی ہوتی ہے اس لئے بندہ کو اللہ سے نزدیک کر دیتا ہے لیکن مال اور اولاد تو چونکہ ہر ایک انہیں سے انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتا ہے اس لئے کسی کو اللہ سے نزدیک نہیں کرتے سوائے ان علماءِ مومنین کے جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اور صلاحیت پر اُن کی تربیت کرتے ہیں۔

پس اُن کو ان اوصاف سے موسوف ہونے کے سبب آخرت میں کئی گنا اجر ملے گا اس طرح کہ اُن کی نیکیاں بڑھاوی جائیں گی اور ایک ایک نیکی دس دس بلکہ اس سے زائد ہو جائے گی اور وہ جنت کے جہر و کول میں اپنی نیکیوں کی بدولت تمام مکروہات سے محفوظ رہیں گے۔ خداوند عالم اپنے لطف و کرم سے ہم پر بھی آسانی فرمائے۔

چوتھی مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ اپنے مال باپ اور اولاد نیز تمام لوگوں سے زیادہ محبت کے بیان میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ مجھ کو اپنے مال باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ سمجھے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت انسؓ اس کے راوی ہیں۔ اور محبت سے مراد یہاں وہ محبت نہیں ہے جو طبعی ہے اور خواہش نفسانی کے تابع ہوتی ہے اس لئے کہ یہ محبت اختیار سے خارج ہوتی ہے پس بے اختیاری کی وجہ سے اس پر انسان کی گرفت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "نہیں تکلیف دینا اللہ کسی کو مگر اس کی طاقت بھر"۔

بلکہ اس سے مراد محبت عقلی اختیاری ہے یعنی اس چیز کا اختیار کرنا جس کو عقل بہتر سمجھے اور اختیار کرنا پسند کرے اگرچہ طبیعت کے خلاف ہی ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ مریض کڑوی دوا کو بڑا سمجھتا ہے اور اس کی طبیعت کو اس سے نفرت ہوتی ہے اس پر بھی اس کی طرف اپنے اختیار سے مائل ہوتا ہے اور بمقتضائے عقل اسی کو کھانا چاہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میری تندرستی اسی میں ہے۔ اسی طرح مومن جب یہ جان لیتا ہے کہ رسولؐ کی تمام وہ باتیں جن کا وہ ہم کو حکم کرتا ہے یا منع کرتا ہے وہی ہیں جن میں ہماری دین و دنیا کی بھلائی ہے تو ضرور ہے کہ وہ تمام دنیا پر رسولؐ کو ترجیح دے کر اس کا حکم بجالاتا ہے اور اس کی منع کی ہوتی بات سے بچتا ہے اور یہ وہ بات ہے جس کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا۔

ایمان کا معنی اور مفہوم مراد ہی | کیونکہ ایمان لغت میں اگرچہ مطلق تصدیق کو کہتے ہیں لیکن شریعت میں ایک امر مخصوص کے ساتھ مفید تصدیق کو ایمان کہتے ہیں اور وہ امر مخصوص رسولؐ کی ان سب باتوں میں جن کا اس کے دین سے ہونا معلوم ہو جائے تصدیق کرنا ہے۔ اور تصدیق میں یقین معتبر ہے اور لفظ یقین مشترک ہے، دو معنی میں مستعمل ہے ایک شک کا نہ ہونا اس بنا پر ہر علم کہ جس میں شک نہ ہو وہ یقین ہے اور اس معنی کے لحاظ سے قوت اور ضعف کے ساتھ منصف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شک کی نفی میں کچھ فرق نہیں ہے لہذا جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ان چیزوں کے متعلق شک ہو جن کا بدائتہ آپ کے دین سے ہونا ثابت ہے تو وہ ہرگز مومن نہیں ہے۔ بلکہ اس کے دل میں اس معنی کا یقین ہونا ضروری ہے تاکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہو اور ان کے حکم کو بجالائے اور ان کی نہی سے بچے۔

لیکن کبھی وہ ظن غالب بھی جس میں نقیض کا گمان دل میں نہ آئے ایمان حقیقی ہونے میں یقین ہی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اکثر عوام کا ایمان اسی قسم کا ہوتا ہے۔ اس امر کی تحقیق امام غزالیؒ نے تصدیق کی جانب | نے اجیاء العلوم میں اس طرح کی ہے کہ نفس کے تصدیق کی جانب میلان کے چار درجے ہیں۔

ایک یہ کہ جانبین کا خیال برابر ہو مثلاً ایک شخص کی نسبت جس کے حال سے تم واقف نہیں ہو اور تم سے پوچھیں کہ آیا آخرت میں اُس پر عذاب ہو گا یا نہیں تو تم اُس کی بابت نفی یا اثبات کی گئی رائے قائم نہیں کر سکتے بلکہ تمہارے نزدیک دونوں پہلو یکساں ممکن ہیں اور اس حالت کو شک کہتے ہیں دوسرے یہ کہ تمہارے خیال میں ایک پہلو راجح ہو اور دوسرے پہلو کے امکان کا بھی ایسا خیال رہے جس سے جانب اول کا غلبہ فوت نہ ہوتا ہو، مثلاً ایک شخص کی نسبت جو تمہارے خیال میں پرہیزگار ہے تم سے سوال کریں کہ اگر اسی حالت پر مر جائے تو اُس پر عذاب ہو گا یا نہیں تو تمہاری رائے عذاب نہ ہونے کی طرف زیادہ ہوگی بہ نسبت عذاب ہونے کے: کیونکہ تمہارے عذر یہ ہیں اُسکی صلاحیت کی نشانیوں ظاہر ہیں تاہم ممکن ہے کہ اُس کے دل میں کوئی ایسی بات مخفی ہو جس سے عذاب ہو جائے مگر اس سے جانب اول کا رجحان نہیں جانا۔ ایسے وقت میں جانب راجح کو ظن کہتے ہیں اور جانب مغلوب کو وہم۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شے کا تم کو اس درجہ یقین آجائے کہ اُس کی نقیض کا وہم بھی دل میں نہ آئے اور اگر آئے بھی تو طبیعت اُس کے قبول کرنے سے انکار کرے لیکن یہ یقین تحقیقی نہ ہو بلکہ محض سننے سے پیدا ہوا ہو اس کو اعتقاد قریب یقین کہتے ہیں اور امور شرعی میں عوام کا اعتقاد اسی طرح کا ہوا کرتا ہے جو سنتے سنتے اُن کے دل میں بیٹھ جاتا ہے چنانچہ ہر شخص اپنے مذہب کی سچائی اور اپنے امام کی صحت رائے پر یقین رکھتا ہے اور اگر کوئی اُس سے کہے کہ امام سے غلطی ممکن ہے تو نہ مانے گا لیکن اگر غور سے کام لے تو البتہ دل اس بات کو قبول کر لے گا۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی چیز کی نسبت ایسا قطعی یقین ہو کہ شک کا اُس کے ساتھ نام بھی نہ ہو اور نہ اُس میں شک ڈالنا ممکن ہو پس جو علم اس درجہ کا ہو گا اُس کو یقین کہیں گے۔ کیونکہ کسی چیز کو یقینی کہنے کے لئے یہی شرط ہے کہ بالکل شک باقی نہ ہو۔ پس جس امر میں شک جاتا رہے وہ یقینی ہے خواہ یہ یقین جس کے ذریعہ سے حاصل ہو مثلاً اشیائے محسوسہ کا علم یا بذریعہ عقل کے ہو جیسے اس بات کا علم کہ حادثہ بدون محدث کے پایا نہیں جاسکتا۔ یا تو اثر سے ثابت ہو، مثلاً مکہ شریف کے ہونے کا علم یا تجربہ سے مثلاً مٹیوں کے دست آور ہونے کا علم یا دلیل سے مثلاً ایک ذات قدیم کے موجود ہونے کا علم مثلاً تم سے پوچھا جائے کہ آیا کوئی قدیم ذات موجود ہے تو فوراً ہی اُس کا بتا دینا ناممکن ہے کیونکہ قدیم

آفتاب و ماہتاب کی طرح محسوس تو ہے نہیں کہ فوراً دیکھ کر بتلا دیا جائے اور نہ ایسا بدیہی ہے جیسے ایک کو دو کا آدھا ہونا کہ بے سوچے بتلا دیا جائے بلکہ اس موقع پر عقل کا کام یہ ہے کہ از روئے ہدایت کوئی بات نہ کہہ ڈالے۔

اب لوگ بھی مختلف ہیں بعض تو سنتے ہی یقین کر لیتے ہیں اور اسی پر جم جاتے ہیں اور اسی کا نام اعتقاد ہے اور سارے عوام کا یہی حال ہے۔ اور بعض لوگ دلیل و برہان سے اُس کے وجود کا یقین کرتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں کہ اگر موجودات میں کوئی ذات قدیم نہ ہوتی اور کل موجودات پیدا ہو جاتے تو سب کی پیدائش بغیر سبب ہوتی اور یہ بات محال ہے اور جس بات سے محال لازم آتا ہو وہ بھی محال ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ بات خیال میں نہیں آتی کہ حادث خود بخود پیدا ہو جائے بلکہ اپنے وجود قدرت الہیہ میں بغیر کا محتاج ہے اور یہ ظاہر ہے۔ اسی طرح یہ بھی خیال میں نہیں آتا کہ ایک حادث دوسرے کو پیدا کر دے، اسلئے کہ پیدا کرنا وجود کی فرع ہے۔ تو اگر وجود حادث ہی میں منحصر ہو جائے تو لازماً آئے گا کہ موجودات بالکل پائے نہ جائیں اور اس سے ضرورتاً لازم آتا ہے کہ عقل ایک ایسی شے کے وجود کا حکم کرے جو قدیم اور صاحب قدرت و ارادہ اور ذی علم اور ذی حیات ہوتا کہ تمام محدثات کا پیدا کرنا ممکن ہو۔

کیونکہ اگر اُس میں یہ صفات موجود نہ ہونگے تو کائنات میں سے ایک شے بھی پیدا نہ کر سکے گا اس لئے کہ ایجاد قدرت کا اثر ہے اور قدرت اپنا اثر نہیں کر سکتی تا وقتیکہ اُس شے کا ارادہ نہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم پر موقوف ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ جس چیز کے پیدا کرنے کا قصد کیا جائے وہ معلوم نہ ہو اور کوئی شخص بدون حیات کے ان تینوں صفات سے موصوف نہیں ہو سکتا کیونکہ ان سب میں حیات شرط ہے۔

پس اس بیان کے موافق تمام عالم کا وجود اور آسمان اور جو کچھ اُس میں ہے اور زمین اور جو کچھ اُس پر ہے اس بات کی دلیل قطعی ہے کہ وہ ذات قدیم جس میں یہ چاروں صفتیں پائی جائیں ضرور موجود ہے اور وہ ذات قدیم حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض اہل یقین اثر سے موثر پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا کسی چیز کو دیکھنا گو یا اللہ کو دیکھنا ہے اسلئے کہ عالم کا ہر ہر ذرہ اپنے حدوث اور محدث کا محتاج ہونے کے سبب سے ہمیشہ زبان حال سے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز، کہتا ہے کہ ہمارا ایک موجد ہے جو قدیم ہے اور یگانہ اور صاحب قدرت و ارادہ اور علیم اور حی اور تمام اُن صفات والا ہے جو اُس کے شایان شان ہیں متصف ہے اس ذرہ کی باتیں سننے والے ہی سنتے ہیں وہ لوگ نہیں سن سکتے جن کی سماعت بیکار ہے اس سے مراد جمع باطنی ہے جن کے ذریعہ سے وہ باتیں سنی جاتی ہیں جن میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عربی

زبان ہے نہ عجیبی۔ یہ سماعت ظاہری مراد نہیں جس سے سوائے آواز کے کچھ نہیں معلوم ہوتا اور جس میں بہائم اور انسان سبھی شریک ہیں اسلئے کہ اُس چیز کی کیا قدر ہے جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہوں غرض کہ حاصل یہ ہے کہ عقل صفات الہی میں سے وہ باتیں دریافت کر سکتی ہے جن پر افعال الہی دلالت کرتے ہوں اور جن صفات پر اُس کے افعال دلالت نہیں کرتے مثلاً سمع و بصر و کلام۔ اُن کے ثبوت کے لئے کبھی عقل اور کبھی نقل سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اچھا ان کے ثبوت کی دلیل عقلی تو یہ ہے کہ یہ صفات کمالیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کمال | اُن کے اضداد نقصان کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ کا صفات کمال سے موصوف ہونا اور صفات نقصان سے بری ہونا واجب ہے لہذا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان صفات سے موصوف ہو۔

اور نقلی دلیل اُن کے ثبوت پر یہ ہے کہ شریعت نے اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ صفات مذکورہ اللہ کے لئے ثابت ہیں اس لئے ان کو ثابت ماننا واجب ہے۔

اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر افعال خداوندی موقوف نہیں ہیں جن سے اُن کے ثبوت پر استدلال ہو سکے اور اللہ کو کسی نے دیکھا نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ صفات اُس کے حق میں صفات کمال ہیں کہ اگر اُن سے موصوف نہ ہوگا تو اُن کے اضداد سے موصوف ہوگا رہا اُن کا کمال ہونا سو ہمارے اعتبار سے ہے اور کچھ یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ہمارے لئے صفت کمالیہ ہو وہ اللہ کے لئے بھی صفت کمالیہ ہو۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ راحت و تکلیف کا ادراک باوجودیکہ ہمارے لئے کمالی صفت ہے لیکن اللہ کی طرف اُن کی نسبت کرنا ممتنع ہے کیونکہ یہ اجسام کے صفات ہیں پس انبیاء کرام کیلئے معجزہ کی حیثیت | اس بیان کی رُو سے ضروری ہے کہ ان صفات کے ثابت کرنے کے

لئے خداوند تعالیٰ کے اُن پیغمبروں کے قول سے استدلال کیا جاتے جن کی نبوت معجزہ سے ثابت ہو چکی ہو جو خداوند عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ ”میرا بندہ جو احکام میری طرف سے بتلاتا ہے خواہ زبانی یا عملاً یا سکو مناسب ہیں“ اسلئے کہ معجزہ اللہ کی طرف سے رسول کے لئے تصدیقِ عملی ہے اس لئے کہ معجزہ چونکہ خدائے تعالیٰ ہی کا خلافِ عادت ایک فعل ہے جو اپنے رسول کی تصدیقِ رسالت کے بارہ میں صریحی قول کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی امرِ خارقِ عادت کو دعویٰ رسالت کے زمانہ میں رسول کے ہاتھ پر ظاہر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ یہ فرماتے کہ میرا رسول تمام ان احکام میں جو میری جانب سے بیان کرتا ہے، سچا ہے خواہ وہ تبلیغِ قولاً ہو یا فعلاً یا خموشی کے ساتھ۔

علمائے اس کی مثال یوں دی ہے کہ کوئی شخص بادشاہ کے دربار میں ایک مجلس کو خطاب کر کے یوں کہے کہ میں بادشاہ کا ایلی پی ہوں جس نے مجھ کو تمہارے پاس فلاں فلاں حکم دے کر بھیجا ہے اپر انہوں نے اس سے ثبوت مانگا اُس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست

کرتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف تین مرتبہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو اور بیٹھ جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے اُس کی درخواست کے موافق ویسا ہی کیا پس بے شک بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہی ہے کہ گویا اُس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے جو کچھ کہے وہ سچ ہے اور ہر اُس شخص کے لئے جس نے بادشاہ کو ایسا کرتے ہوئے خود دیکھا ہے یا خود نہیں دیکھا بلکہ اوروں سے بطریق تواتر سنا ہے، علم یقینی حاصل کرادیکھا۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال معجزہ سے قطعی یقین پیدا ہو جانے کے بارے میں رسول کے حال کے بالکل مطابق ہے اس شخص کے حق میں جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا خود نہ دیکھا ہو مگر اُس کو خبر متواتر پہنچی ہو۔ اور یقین کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ شک نہ ہونے کا بھی خیال نہ کریں بلکہ یقین ہی یقین کامل کا غلبہ قلب پر اس قدر ہو کہ دل پر کسی کام کے کرنے نہ کرنے میں اُسی کا قابو ہو اور اسی معنی کے لحاظ سے یقین کو قوی اور ضعیف کہتے ہیں۔ مثلاً جو شخص موت کے سامان میں غفلت کرتا ہے تو کہتے ہیں فلاں شخص موت کے متعلق ضعیف یقین ہے باوجودیکہ موت آنے میں اُس کو شک نہیں ہوتا اس لئے کہ موت کا یقین تو سب کو برابر ہے اور کسی کو شک نہیں لیکن چونکہ بعض لوگ اُس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور نہ اُس کا کچھ سامان کرتے ہیں تو گویا اُس پر ایمان ہی نہیں رکھتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر موت کا خوف ایسا غالب آجاتا ہے کہ اپنی ساری توجہ اُس کی تیاری میں صرف کر دیتے ہیں اور اسی فکر میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ دوسری چیز کی گنجائش نہیں رہتی۔ دوزخ سے ڈرنے والوں اور بہشت کے امیدواروں کی یہی شان ہے لہذا عقل مند کو مناسب ہے کہ ان دونوں طرح کا یقین حاصل کرنے میں پوری کوشش صرف کرے اور وہ دونوں قسمیں اپنے نفس سے اول شک کا دور کرنا اور پھر اس پر یقین کا غالب کرنا ہے۔

لیکن اس کا جاننا نہایت ضروری ہے کہ شک کا رفع کرنا اور یقین کا غالب کرنا اس کے متعلقات اور نفس سے جہاد کے طریقوں کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتا اور وہ متعلقات و طرق جہاد معلومات ہیں جن کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لائے ہیں۔

پس جو شخص اُن کو سچا جانے کا وہ مومن ہے اور اس ایمان کے ساتھ اگر اُس کے دل سے شک بھی جاتا رہا تو یقین کے پہلے معنی بھی حاصل ہو گئے اور اگر دل پر یقین بھی غالب آگیا تو اُس کو یقین کے دوسرے معنی بھی حاصل ہو گئے اور اسی سے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنے کی توفیق ملتی ہے۔

کیونکہ جس شخص کے دل پر اس آیت کا مضمون چھا گیا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی کی اُس کے آگے آئے گی اور جس نے ذرہ برابر بدی کی وہ بھی اُس کے آگے آئے گی۔ اور اس بات کا یقین بھی ہو گیا کہ عبادت کا لگاؤ ثواب سے ایسا ہے جیسے غذا کو پیٹ بھرنے سے۔ تو کچھ شک نہیں

کہ وہ جیسے پیٹ بھرنے کے لئے کھانے کی فکر کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ ہو اُس کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح وہ ثواب حاصل کرنے کے لئے بھی عبادتوں کی حرص کریگا اور تلبیل و کثیر کو محفوظ رکھے ایمان حقیقی اور مومن کامل | اور جس کسی کو یہ بات ثابت ہو جائے کہ نافرمانی کو عذاب کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زہر کو ہلاکت سے ہے تو کوئی شک نہیں کہ جس طرح وہ تھوڑے بہت زہر سے ہلاکت کے خوف سے بچتا ہے اسی طرح تھوڑی بہت نافرمانی معصیہ اور کبیرہ گناہوں سے عذاب سے ڈر کر بچے گا اسلئے کہ گناہ اور بدکاری کا سبب لاعلمی کے سوا اور کچھ نہیں کیونکہ جو شخص یہ اچھی طرح جان لے گا کہ گناہ کرنے کا کتنا عذاب ہے تو وہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ دیکھو کھانا کتنا ہی مزے دار کیوں نہ ہو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں سبکیا ملی ہوئی ہے تو وہ کبھی نہیں کھائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی ایمان وہی ہے جو مومن کو ایسے کاموں پر آمادہ کرے جو آخرت میں کام آئیں اور ان کاموں سے باز رکھے جو آخرت میں نقصان پہنچانے والے ہیں۔ لیکن اگر ایسے کام نہ کرے جو آخرت میں کام آئیں اور ان باتوں سے باز نہ آئے جو وہاں نقصان رساں ہیں تو وہ کامل مومن نہیں ہے بلکہ زبانی مومن ہے واقعی نہیں ہے اس لئے کہ جو دوزخ پر حقیقی ایمان رکھتا ہے حتیٰ کہ گویا اُسے دیکھتا ہے وہ ایسا راستہ ہرگز نہ چلیگا جو اُس کو دوزخ میں گرا دے چہ جائیکہ اُس کے دخول کی کوشش کرے۔ اسی طرح جو جنت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے گویا جنت دیکھ رہا ہے تو وہ اس کی طلب میں کبھی کوتاہی نہ کرے گا بلکہ اس کے دخول کی کوشش کرے گا اور یہ حالت ہر شخص اپنے دل میں پاتا ہے دنیاوی امور میں سعی کرتے ہوئے پاتا ہے کہ مفسرتوں سے کیسے بچتا ہے اور طلب منفعت میں کیسی کوشش کرتا ہے۔ اللہ ہم کو وہ کام کرنے کی توفیق دے جو اُس کی رضا مندی کے موافق ہوں۔

پانچویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر ایمان ضروری ہونے اور اُس سے مخالفت ناجائز ہونے کا بیان

نجات کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا شرط ہے | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے کہ جو شخص اس امت کا خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر سن کر میری شریعت پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ یقیناً دوزخی ہوگا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں اس مقام پر اُمت سے مراد امت اجابت نہیں ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کا بھی اس میں ذکر ہے۔ بلکہ اس

سے اُمت دعوت مراد ہے۔ اس صورت میں اُس میں تمام باطل مذہب والے بھی شامل ہیں اور یہود و نصاریٰ کی تخصیص یہاں اس لئے ہے کہ یہ دونوں قومیں باوجود اہل کتاب و صاحب شریعت ہونے کے جبکہ شریعت اسلامیہ پر ایمان نہ لانے سے دوزخی ہیں تو اور لوگ جو نہ صاحب کتاب ہیں نہ کوئی شریعت رکھتے ہیں بطریق اولیٰ دوزخی ہیں۔

پس گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو شخص میری نبوت کو سنے گا اور مرتے وقت تک میری شریعت پر ایمان نہ لے آئے گا تو وہ دوزخی ہوگا۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اگرچہ از روئے لغت مطلق تصدیق ایمان کے معنی کا نام ہے لیکن شریعت میں رسول کے اُن احکام میں تصدیق کا نام ہے جو بدابنہ معلوم ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس سے لاتے ہیں اور اُن کا دین نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا مشہور ہو چکا ہو کہ ہر شخص کھلے اظہار پر جانتا ہو نہ عقلی دلیل کی ضرورت ہو نہ نقلی کی۔ گو فی نفسہ اُس کی شناخت کسی دلیل عقلی یا نقلی پر موقوف ہو مثلاً صانع کا موجود ہونا اور نماز کا فرض ہونا اور شراب کی حرمت اور آخرت کے حالات ان میں سے اگرچہ ہر ایک کی حقیقت کا سمجھنا استدلال پر موقوف ہے خواہ دلیل عقلی سے جیسے وجود باری خواہ دلیل نقلی سے جیسے فرضیت نماز اور حرمت شراب اور احوال آخرت، لیکن ان امور کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا سب بدابنہ جانتے ہیں اس کے جاننے میں کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے۔

اور نیز جن احکام کا اجمالاً اعتبار ہوتا ہے وہاں اجمال کافی ہے اور جو احکام تفصیلاً ملحوظ ہوتے ہیں اُن کی تفصیل شرط ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص فرضیت نماز اور شراب کی حرمت کا اس سے سوال کئے جانے کے وقت تصدیق نہ کرے تو وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں حکم بہ تواتر معلوم ہو چکے ہیں کہ دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو شخص مومن ہونے کے قصد سے اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اور دل سے اُس کی تصدیق کرے وہ مومن ہے اگرچہ وہ حرام اور فرض سے واقف نہ ہو لیکن پھر جب اُس کو یہ بتلایا جائے کہ تجھ پر پانچ وقت کی نماز ہر شبانہ روز میں فرض ہے تو اگر اُس نے اس کی بھی تصدیق کی اور قبول کر لیا تو وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم ہے اور اگر انکار کیا اور نہ مانا تو وہ ایمان سے خارج ہو جائے گا اور علیٰ ہذا القیاس تمام وہ فرائض اور محرمات جو بدلیل قطعی کتاب و سنت و اجماع اُمت سے ثابت ہیں اور اگر کسی ایمان کے مسئلہ میں شبہ واقع ہو تو اُس پر اجمالاً یہ عقیدہ رکھے کہ جو عند اللہ صحیح ہو وہ ٹھیک ہے اور یوں کہے کہ اللہ کے نزدیک جو حق ہے اس پر میرا اعتقاد ہے اور یہ حالت اسی وقت تک کافی ہے جب تک کوئی ایسا عالم نہ ملے کہ مسائل ایمان جانتا ہو

جب بل جائے تو اُس سے اس مشکل مسئلہ کو حل کر لینا چاہئے اور پھر اس کی دریافت میں تاخیر جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "عالموں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو" اور اس مشکل کے حل کرنے میں اگر وہ توقف کرے گا تو معذور نہ سمجھا جائے گا بلکہ توقف کرنے سے کافر ہو جائے گا بشرطیکہ وہ مسئلہ ضروری یا شرعی دین میں سے ہو اسلئے کہ اُس چیز کے بارے میں جس پر ایمان لایا جاتا ہے توقف کرنے سے تصدیق نہیں ہو سکتی اور یہی تو کفر ہے۔

مثلاً کسی کو وحدانیت خدائے تعالیٰ میں یا کسی شے پر اُس کے قادر ہونے میں یا یہ کہ وہ دانائے جزو کل ہے یا یہ کہ بعد مرنے کے پھر حیم زندہ ہونگے یا عالم کے حادث ہونے یا اور اسی قسم کے امور میں اگر شبہ پیدا ہو اور اُس پر اُس نے کہہ دیا کہ جو کچھ اللہ کے نزدیک حق ہو اسی پر میرا اعتقاد ہے تو اُس کا ایمان اجمالی تو ثابت ہے کیونکہ تسلیم اور قبول اجمالاً موجود ہے۔ لیکن اگر اُس نے اس مشکل کو حل نہ کیا بلکہ پوچھنے میں دیر کی یا پوچھا ہی نہیں تو صرف یہ قول اجمالی کہ جو اللہ کے نزدیک حق ہے اُس پر میرا ایمان ہے، کافی نہ ہوگا۔ اور وہ اس نہ پوچھنے کی وجہ سے مومن نہ رہے گا بلکہ کافر ہو جائیگا کیونکہ یہ تمام امور جو اوپر مذکور ہوئے دین کی ضروریات میں سے ہیں اور ان کو ہر سمجھدار جو مسلمانوں میں بڑھا پلا ہو جانتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ خداوند عالم ایک ہے یا کئی ہیں اور ان میں سے کسی ایک بات پر اُس کا دل نہ ٹھیرا ہو تو اُس پر واجب ہے کہ فوراً یہ کہے کہ عند اللہ جو امر حق ہے اسی پر میرا اعتقاد ہے۔ اس کے بعد اُس پر واجب ہے کہ وہ بلا توقف کسی عالم سے اُس کو پوچھے اور کسی قسم کی سستی نہ کرے حتیٰ کہ اگر اُس نے تاخیر کی یا پوچھا ہی نہیں اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لایا تو وہ مومن نہ ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح وہ شخص بھی جو قیامت اور جنت اور دوزخ اور میزان اور حساب اور پل صراط اور نامہ اعمال جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت میں شک اور توقف کرے تو وہ مومن نہ رہے گا بلکہ کافر ہو جائے گا اسلئے کہ توقف اور تردد تصدیق کے منافی ہے جس کو شریعت میں ایمان کہتے ہیں۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ ایمان لغت میں تصدیق ایمان تصدیق کا نام ہے | کو کہتے ہیں یعنی مجز کے حکم کو سچ جاننا اور اُس کو قبول کرنا اور اس کو سچائی معلوم ہو جانے کے بعد اُسے سچا قرار دینا اور شرع میں اُس کے کوئی اور معنی منقول نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اسی سے خطاب فرمایا اور ان میں سے جن کو مطلع ہونا تھا انہوں نے بغیر کسی قسم کے سوال اور بیان کی حاجت کے سوائے ان چیزوں کے متعلق جن پر ایمان لایا جاتا ہے اطاعت کر لی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چیزوں کو بیان فرما کر کچھ تفصیل بھی کر دی

حقیقت ایمان کی معرفت کی جستجو و تحقیق لازمی ہے

جبکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک مرد مسافر کی صورت میں آئے اور ایمان کو پوچھا کہ اے محمدؐ تلو اور ایمان کیا چیز ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان معتبر یہ ہے کہ اللہ اور اس کے ملائکہ اور کتب آسمانی اور جملہ پیغمبروں پر ایمان ہو، آخر حدیث تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایمان کے معنی ان لفظوں میں اسی خیال سے بیان فرمائے کہ ان الفاظ کے معانی یہ لوگ بخوبی جانتے ہیں اور پھر جب وہ چلے گئے تو فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے اور تم کو تمہارا دین سکھانے کے لئے آئے تھے۔

پس اگر ایمان کے معنی سوائے تصدیق کے کچھ اور ہوتے تو وہ بھی مشہور ہوتے جیسا کہ نماز اور زکوٰۃ کے معنی مشہور ہیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام ایسا ہوتا جس کو وہ سمجھتے ہی نہ تھے اور نہ یہ تعلیم صحیح ہوتی اور نہ وہ لوگ بغیر پوچھے مان لیتے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان میں شرعاً لغوی معنی سے زیادہ صرف خصوصیت متعلق ہی کا اعتبار ہے جس کو فارسی میں گرویدن اور ترکی میں امانن کہتے ہیں۔ پھر یہ کہ تصدیق یقین اور معرفت کے لئے ضروری ہے اور اس بنا پر تصدیق رسول اس وقت تصدیق یقین اور معرفت کے لئے ضروری ہے | تاکہ ثابت نہ ہوگی تا وقتیکہ اس کی پیغمبری کسی معجزہ سے ثابت نہ ہو جائے جو اس کی سچائی پر دلالت کرے اور معجزہ کی دلالت رسول کی سچائی پر اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ معجزہ خدائے تعالیٰ ہی کا ایک فعل خلاف عادت ہے جس کو خدا نے پیغمبر کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کے وقت اس کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا ہے پس اللہ تعالیٰ کا اس معجزہ کو اس کے ہاتھ پر ظاہر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ یہ فرمانا کہ میرا رسول جو کچھ میری طرف سے بیان کرتا ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا سکوتاً سب سچ ہے۔

اور علمائے اس کی یہ مثال بیان کی ہے کہ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں ایک جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلچی ہوں جس نے مجھ کو تمہارے پاس فلاں حکم کی تعمیل کا حکم دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیسے معام ہو کہ تم سچے ہو تو اس نے کہا کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی خلاف عادت تین مرتبہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ پس بادشاہ نے اس کے کہنے سے ایسا ہی کیا تو بے شک بادشاہ کا یہ فعل ایسا ہی ہے کہ گویا اس نے یہ کہہ دیا کہ یہ شخص میری طرف سے جو کہتا ہے وہ سب سچ ہے اور اس شخص کے حق میں جس نے خود بادشاہ کا یہ فعل دیکھا ہو یا اس تک اس واقعہ کی خبر بذریعہ تواتر پہنچی اس شخص کی سچائی کے بارے میں یقینی علم کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کے بالکل مطابق ہے کہ معجزہ سے آپ کی سچائی کا ہر اس شخص کو جس نے خود معجزہ دیکھا ہو یا بذریعہ تواتر سنا ہو علم

یقینی حاصل ہوتا ہے اور ہم تک چونکہ بطریقِ تواتر یہ خبر پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ پیغمبری کیا اور معجزہ دکھلایا ہے حتیٰ کہ یہ بات آفتاب کی طرح روشن ہے اس لئے ہم پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتے تکلیفی احکام کی تصدیق کریں۔ جیسے واجبات کو واجب سمجھنا اور مستحبات کو مستحب ماننا اور مباح چیزوں کو مباح سمجھنا اور حرام چیزوں کو حرام خیال کرنا اور مکروہات کو کرہیہ جانتا۔ بعض ان میں سے وہ امور ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے آخرت پر ایمان جن کی سب سے پہلی منزل قبر ہے پھر اُس میں مردہ کا زندہ کرنا، نکیرین کا سوال اور پارتو باغِ جنت کا ایک چمن ثابت ہونا یا دوزخ کا ایک گڑھا ہونا پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر میدانِ قیامت کو جانا اور وہاں نامہ اعمال جس میں بندوں کے سب اعمال لکھے ہوں گے دیا جانا اور کسی کو دلہنے ہاتھ میں دیا جانا اور کسی کو بائیں ہاتھ میں اور کسی کو پس پشت سے پھر حساب و کتاب ہونا پھر اعمال تولنے کے لئے ترازو کا قائم ہونا پھر جس کی نیکیاں بھاری اور گناہ ہلکے ہوں اُس کا مزے اور چین سے ہونا اور جس کی نیکیاں ہلکی اور گناہ بھاری ہوں اُس کا جہنمی ہونا پھر دوزخ کی پشت پر پل صراط کا لوگوں کے چلنے کے لئے قائم کرنا اور اُس پر سے بعض کا ایسے گذر جانا جیسے بجلی کو نہتی ہے اور اجس کا جیسے تیز آندھی اور بعض کا جیسے تیز گھوڑے اور کسی کا دوڑتے ہوئے اور کسی کا معمولی چال سے اور کسی کا گھٹتے ہوئے جانا اور دوزخ میں کسی کا گرنا اور موکلانِ عذاب کا اُس کو طوق و زنجیر میں جکڑ لینا۔

غرض کہ یہ تمام وہ امور ہیں جن کا تعلق آخرت سے ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں ان تمام باتوں سے محفوظ رکھے۔ اس تمام تقریر سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ تصدیقی رسالت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس اللہ کی پہچان کا طریقہ۔ استدلالِ اوقات تک نہیں ہو سکتی جب تک آپ کی رسالت کسی ایسے معجزہ سے ثابت نہ ہو جو آپ کی سچائی پر دلالت کرتا ہو اور معجزہ کی دلالت رسالت پر اس بات کے جاننے پر موقوف ہے کہ یہ معجزہ بھی خدائے تعالیٰ ہی کا ایک فعل ہے اور اس کا علم اس بات پر موقوف ہے کہ اول یہ علم ہو کہ خداوند تعالیٰ موجود اور قدیم اور یکتا اور قادر اور ارادہ والا اور حی ہے۔ کیونکہ معجزہ جبکہ فعلِ خدا ہے تو معجزہ کا وجود وجودِ الہی اور ان تمام صفات سے موصوف ہونے پر موقوف ہے اور وجودِ باری تعالیٰ کا علم جس ظاہری سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ چاند اور سورج کی طرح نہیں ہے کہ اس کا وجود ظاہری ہو اس سے معلوم کیا جائے اور نہ علمِ وجودِ الہی کا ایسا ہی ہے جیسا کہ دو کا ایک سے زائد ہونا تاکہ بدابنہ اُس کا وجود معلوم ہو جائے بلکہ اُس کا وجود مصنوع سے صانع اور اثر سے مؤثر پر استدلال کے طریقہ سے معلوم ہوگا۔

چنانچہ روایت ہے کہ ایک گنوار سے پوچھا گیا کہ خدا کے ہونے کی کیا دلیل ہے تو اُس نے کہا کہ بیگنی سے اونٹ کا پتہ ملتا ہے اور لید سے گدھے کا اور نقشِ پا سے چلنے والے کا تو کیا

یہ بڑوں والے آسمان اور راستوں والی زمین اور موجوں والے دریا صانع قدر پر دلالت نہیں کرتے۔

روایت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دہریوں کے حق میں ایک شمشیر برہنہ تھے اور دہریے ہر وقت ان کو قتل کرنے کی تاک میں لگے رہتے تھے چنانچہ ایک دن امام مدوح تنہا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ناگاہ دہریوں کا ایک غول ننگی تلواریں کھینچے ہوئے آپ کو قتل کرنے کے لئے چڑھ آیا اور آپ کے شہید کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا اول میرے ایک سوال کا جواب دیدو اس کے بعد تم جو چاہو وہ کرو۔ اس پر وہ بولے اچھا بتاؤ تمہارا کیا سوال ہے۔ آپ نے فرمایا تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میں نے ایک ایسی کشتی مال سے بھری ہوئی اسباب سے لدی ہوئی دیکھی ہے جس پر منجھدار میں موجوں کے تھپیرے اور باد مخالف کے زبردست جھونکے پڑ رہے تھے لیکن وہ بے کھٹکے سیدھی چلی جا رہی ہے نہ کوئی ملاح ہے کہ اُسے تدبیر سے چلائے نہ کوئی اور جو اُس کا بند و بست کرے تو آیا یہ بات عقلاً ممکن ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ نہیں عقل اُسکو ہرگز قبول نہیں کرتی۔ اسپر امام صاحب نے فرمایا سبحان اللہ جبکہ صرف ایک کشتی عقل کے نزدیک بغیر ملاح کے سیدھی نہیں چل سکتی تو پھر عقل یہ بات کیونکر قبول کرتی ہے کہ دنیا جس میں مختلف حالتیں اور ایک معیار معینہ پر کاموں کا ہونا لمبے چوڑے اطراف اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا نہایت بُعد ہو بغیر ایسے صانع کے جو اُس کی تدبیر کرتا ہے اور بغیر ایسے نگہبان کے جو اُس کی نگرانی کرے کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ وہ لوگ آپ کی یہ بات سُن کر رو پڑے اور کہنے لگے کہ بیشک آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اپنی اپنی تلواریں میان میں کر لیں اور توبہ کر کے آپ کے سامنے فوراً مسلمان ہو گئے۔

یہ بھی روایت ہے کہ کسی زندیق نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے سامنے خدا کا انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے کبھی دریا کا سفر کیا ہے اس نے کہا، ہاں۔ پھر آپ نے پوچھا اس کی سختیاں بھی جھیلیں ہیں کہنے لگا ہاں ایک روز ایسی آندھی چلی کہ کشتی ٹوٹ گئی ملاح بھی ڈوب گئے۔ میں ایک تختہ میں لیٹ رہا پھر وہ تختہ بھی چھوٹ گیا اور میں موجوں میں غوطے کھاتے کھاتے ایک دفعہ کنارے جا لگا۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ پہلے تجھے کشتی اور ملاح پر بھروسہ تھا پھر تختہ پر کہ یہ بچا لیکر جب یہ تینوں چیزیں تیرے ہاتھ سے جاتی رہیں تو تو نے اپنی جان موت کے حوالے کر دی تھی یا پھر بھی نجات کی امید باقی تھی؟ بولا ہاں نجات کی امید باقی تھی۔ آپ نے فرمایا کس سے امید تھی؟ تو وہ چیپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ جس سے تجھ کو امید تھی وہی خدا ہے گو تجھ کو شعور نہ تھا۔ اور اسی نے تجھ کو غرق ہو جانے سے بچایا۔ اُس نے یہ بات سنی تو اُس کے دل نے مان لیا اور وہ آپ کے سامنے فوراً مسلمان ہو گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے پہچاننے کا طریقہ استدلال یعنی دلیل میں غور و فکر کرنا ہے

معرفة الہی کیلئے غور و فکر کا حکم | لہذا غور و فکر واجب ہے کیونکہ اللہ نے اس کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے، کہد و غور کریں کہ زمین و آسمان میں کیا ہے اب جو شخص اُس کو ترک کرے گا گنہگار ہوگا کیونکہ اللہ نے انسان کو عقل کی نعمت اسی لئے دی ہے کہ وجود الہی پر اور اُس کے قدیم اور یکتا ہونے اور تمام اُن اوصاف پر جو افعال الہی ثابت ہوتے ہیں یعنی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیوة پر استدلال کیا کرے اور اگر ایسا نہ کرے گا تو نعمت عقل کا شکر ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ پس اگر اللہ اُس کے گناہ معاف نہ کرے تو اگرچہ آخر کار بہشت ملے گی لیکن اُس وقت جبکہ اپنے گناہ کا عذاب بگت چکے گا۔ اس بنا پر ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے پہچاننے اور تمام اعتقادی امور کے سمجھنے کے لئے استدلال اور نظر سے کام لیا کرے تاکہ اہل تقلید سے نکل کر اہل یقین میں داخل ہو جائے کیونکہ منقذ کو یقین کا مرتبہ بالکل نہیں حاصل ہوتا اسلئے کہ یہ تو وہی ہے جو آسمان و زمین کی پیدائش اور رات و دن کی تغیرات پر غور ہی نہیں کرتا جس سے اپنے خالق کو اور دوسرے امور اعتقادی کو سمجھ سکے بلکہ اُس سے تو کسی نے کہہ دیا ہے اور اسی پر وہ ایمان لے آیا ہے۔ علماء کا ایسے لوگوں کے ایمان میں اختلاف ہے۔ لیکن جو لوگ دارالاسلام میں پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحت ایمان کے معجزات سنے ہیں اور آسمان و زمین کی پیدائش اور رات و دن کے اختلاف میں غور کرتے ہیں اُن کے ایمان کی صحت میں کسی کو گفتگو نہیں کیونکہ وہ اہل نظر و استدلال ہیں اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ تخریر و تقریر اور بے دینوں کے ساتھ مناظرہ کرنے اور اُن کے اعتراضات کا جواب دینے پر بھی قادر ہوں۔

چھٹا مجلس اس بیان میں کہ جس شخص نے اللہ کو رب اور اسلام کو اپنا مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق مان لیا ہے اُس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا ہے

ایمان کا مزہ | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
 نے خوشی سے اللہ کو پروردگار اور اسلام کو پچا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق مان لیا۔
 یہ حدیث صحیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص کا ولی اللہ کی ربوبیت پر اس طرح مطمئن ہو جائے کہ پھر دوسرے رب کی جستجو نہ رہے اور اسلام کو کافی دین سمجھ کر دوسرے مذہب کی طرف نہ جکے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کی رسالت پر ایسا اڑ جائے کہ دوسرے کی طلب نہ ہو تو وہ پورا مسلمان ہے اور جو شخص کہ ان میں سے کسی ایک پر بھی دل سے آمادہ نہ ہو تو وہ ایمان سے خالی ہے اس لئے کہ ایمان شریعت میں بھی لغت کی طرح تصدیق کو کہتے ہیں یعنی مجتہد کے حکم کا یقین کرنا اور اُس کو ماننا اور اُس کی سچائی ظاہر ہونے کے بعد اس کو صادق بھی قرار دینا۔ محض سچائی کے جاننے کو ایمان نہیں کہتے ورنہ لازم آئیگا کہ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی معلوم ہو وہ مومن ہو حالانکہ یہ غلط ہے اسلئے کہ اکثر کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لانے باوجودیکہ وہ آپ کی سچائی کو جانتے تھے چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جو بعض کفار کے بارے میں ہے، اس پر دلالت کرتا ہے "اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اُس کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"

اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ تصدیق محض جاننے کا نام نہیں ہے بلکہ اُس جاننے ہوئے پر یقین کرنے اور انکار و مخالفت چھوڑ کر اُس کے قبول کرنے کا نام تصدیق ہے اور اسی پر سب کاموں کی بنیاد ہے اور یہ امر علم پر کچھ زیادتی ہے اور اکثر علم کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور علم نفس الامر کے علم اور اُس کی اقسام | مطابق یقین کرنے کو کہتے ہیں بشرطیکہ وہ یقین کسی سبب سے پیدا ہوا ہو اور لیکن جو یقین کہ بلا سبب ہو اس کو علم نہیں کہتے بلکہ وہ اعتقاد ہے اور اس کی تحقیق امام توسی کی تقریر کے مطابق یہ ہے کہ کسی شے پر حکم پانچ چیزوں سے ہوتا ہے اول علم دوم اعتقاد سوم ظن چہارم وہم اور پنجم شک۔

کیونکہ جو شخص کسی چیز پر اثبات یا نفی کا حکم لگاتا ہے تو وہ یا تو اپنے دل میں اُس حکم کا یقین رکھتا ہے یا نہیں۔ پہلی یعنی یقین کی صورت اگر کسی سبب یعنی ہدایت یا دلیل سے ہو تو وہ علم ہے اور اُس کا نام معرفت و یقین بھی ہے اور اگر کسی سبب سے نہیں بلکہ محض تقلید کے طور سے ہے تو وہ اعتقاد کہلاتا ہے اور دوسری یعنی یقین کامل نہ ہونے کی صورت اگر دوسرے پر غالب ہے تو ظن ہے اور اگر مغلوب ہے تو وہم ہے اور اگر دونوں پہلو برابر ہیں تو وہ شک ہے۔

پس ایمان اگر آخر کی تین قسموں سے بغیر ظن اور وہم و شک سے حاصل ہو تو وہ بالاتفاق باطل ایمان ہے اور اگر یقین کی دو قسموں میں سے پہلی قسم سے حاصل ہو یعنی علم و معرفت سے تو بالاتفاق صحیح ہے۔

لیکن یقین کی دوسری قسم یعنی اعتقاد و سواس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ مطابق نفس الامر کے ہو اور اُس کا نام اعتقاد صحیح ہے جیسا کہ عام مومنین کا اعتقاد ہے جو ائمہ دین کے پیرو ہیں اور دوسرے یہ کہ نفس الامر کے مطابق نہ ہو اور اُس کو اعتقاد فاسد اور جہل مرکب کہتے ہیں۔ جیسا کہ تمام کفار کا اعتقاد ہے جو کفر کے پیشواؤں کے پیرو ہیں پس فاسد اعتقاد و اولے کے کفر پر اور

اور ہمیشہ جہنم میں رہنے پر اجماع ہے۔

اور اس اعتقاد صحیح میں جو محض تقلید سے حاصل ہوتا ہے اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ اس اعتقاد والا مومن تو ہے لیکن نظر اور استدلال چھوڑ دینے کی وجہ سے گنہگار ہے اب آئندہ اللہ کی مرضی چاہے تو معاف کر کے بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور چاہے تو بقدر گناہ عذاب دیکر جنت میں داخل کرے۔ اس بنا پر مسلمان پر واجب ہے کہ عقائد ایمان کا ہر ہر مسئلہ کم سے کم ایک ہی ایک دلیل سے سیکھے تاکہ اپنے مذہب میں صاحب بصیرت ہو جائے اس لئے کہ جو عقائد تقلید سے حاصل ہوتے ہیں شبہات پیش آنے کے وقت ایسے شخص کے شک میں پڑ جانے کا خوف ہے کیونکہ بغیر دلیل حاصل کئے ہوئے عقائد کی پختگی کا ادنیٰ شبہ کے بھی پیش آجانے سے زائل ہو جانا کچھ بعید نہیں اور یہ ماننا کہ اُس شک اور زوال کے مقابلے میں گویا بانی پختگی ظاہر کرتا رہے لیکن اُس سے کیا فائدہ جبکہ دل ہی جو کہ ایمان کا مرکز ہے حیران ہو کر کہے کہ میں نہیں جانتا پس وہ منافقین کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا جو منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔ اسی لئے نفاق کی قسمیں اور منافقوں کا انجام | بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو وہ نفاق جس کو منافق خود بھی اپنے دل میں معلوم کرتا ہے اور یہ اُن لوگوں کا نفاق ہے جو لوگوں سے گواہ سلام ظاہر کرتے ہیں لیکن دل سے پوشیدہ طور پر وہ کافر ہیں جیسے وہ لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے یا اور دیگر زندیق اور ملحد۔

دوسرا نفاق وہ ہے کہ اُس کو منافق خود بھی نہیں پہچانتا اور یہ اُن لوگوں کا نفاق ہے جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں اور اُن سے ایمان کی باتیں سُن سُن کر خود بھی جیسا سُننا تقلیداً وہی کہنے لگتے ہیں حتیٰ کہ وہ یہود و نصاریٰ کے گھر پیدا ہوتے تو تقلیداً اُن ہی جیسی کہتے اور اُن ہی جیسے کام کینے ہیں نہ اس امر پر غور کرتے ہیں کہ ہم کس چیز سے پیدا کئے گئے ہیں جس سے دو اپنے خالق اور اُس کے اوامر و نواہی کو جو اُس نے کتابیں نازل کر کے اور پیغمبر بھیج کر ہم کو بتائے ہیں اُن کو پہچانیں۔ اور ان لوگوں کا بھی وہی انجام ہوگا جو اور لوگوں کا ہوگا جو کہ مرنے کے بعد جب قبر میں رکھے جائیں گے اور منکر و نکیر ان سے سوال کریں گے تو کہیں گے ہم کچھ نہیں جانتے۔ لوگ جو کہتے تھے وہی ہم بھی کہتے تھے کیونکہ اُن کے پاس بھی جب قبر میں منکر و نکیر آئیں گے تو بے کم و کاست اپنے دل کی بات کہہ دیں گے اس لئے کہ وہاں آدمی کو یہ قدرت نہ ہوگی کہ وہ کوئی ایسی بات جو اُس کے دل میں نہ ہو کہہ سکے بلکہ اگر حق جانتا ہوگا تو حق کہے گا اور اگر اُس میں تھا یقین نہ تھا تو کہے گا میں نہیں جانتا جیسا کہ زندگی میں اپنے دل میں کہا کرتا تھا کہ میں نہیں جانتا یہی وہاں کہے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن

ایک منادی پکارے گا کہ جس کی پوجا کرتا تھا اسی کے ساتھ ہولے پس جو شخص آفتاب کو پوجتا تھا وہ اُس کے ساتھ ہولے گا اور جو قبر کو پوجتا تھا وہ اُس کے ہمراہ ہولے گا اور جو بتوں کو پوجتا تھا وہ اُن کے ہمراہ ہولے گا حتیٰ کہ یہ امت مع اپنے منافقین کے باقی رہ جائے گی۔ اس حدیث میں منافقین سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو اپنے گھروں میں بت پرستی کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ بتوں کے ساتھ ہولیں گے جن کے وہ پیرو تھے اور اُن ہی کے ہمراہ دوزخ میں جائیں گے۔

بلکہ یہاں منافق سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل میں شک تھا اور قلبیہ تقلید کی وجہ سے اُن کو اس کا اور اک نہیں ہوا۔ کیونکہ اکثر عوام تو درکنار بلکہ بہتیرے وہ لوگ ہیں جو علماء کی صورت میں ہیں اپنے حال سے آگاہ نہ ہو کر سمجھتے ہیں کہ ہم کو معرفت اور یقین کا درجہ حاصل ہو گیا ہے حالانکہ اُن کا ایمان بھی سُختہ نہیں ہے اگرچہ تقلید ہی کے درجہ کا کیوں نہ ہو۔

بلکہ بعض مقلدین کی حالت تو یہاں تک گہری ہوئی ہے کہ کلمہ زبان سے پڑھتے ہیں لیکن نہ اُس کے معنی سے واقف ہیں اور نہ اللہ اور رسول میں فرق کر سکتے ہیں کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں کو ایمان تقلیدی بھی ٹھیک ٹھیک اور مطابق نفس الامر ہو حاصل نہیں ہے بلکہ اُن کا ایمان تقلیدی بھی فاسد اور غیر مطابق نفس الامر ہے۔ اور یہ خرابی صرف اس سبب سے پیدا ہو گئی ہے کہ علم والے علماء سو اور اُن کا کام | علماء کم ہو گئے ہیں اور دجال صفت خود گمراہ اور گمراہ کرنے والے کثرت سے پیدا ہو گئے جو مسلمانوں کے دین میں رہزنی کرنے کے لئے شیطانی جال بچھا کر صوفی بن بیٹھے ہیں۔

چنانچہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "آخر زمانہ میں بہتیرے جھوٹے دجال پیدا ہوں گے اور ایسی حدیثیں بیان کریں گے کہ تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بھی نہ سنی ہوں گی اُن سے بچو کہ تم کو گمراہ اور فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ آخر زمانہ میں مکاروں اور دغا بازوں کی ایک جماعت علماء کی صورت میں پیدا ہوگی لوگوں سے کہیں گے کہ ہم علماء و مشائخ ہیں تم کو دین سکھلاتے اور راہِ حق دکھاتے ہیں حالانکہ وہ جھوٹے ہوں گے اور جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے اور فاسد عقیدے سکھلائیں گے اور تمہارے لئے نئے نئے باطل احکام گھڑ دیں گے اُن سے بچو اور اُن کے پاس بھی نہ پھینکو، ایسا نہ ہو کہ تم کو گمراہ کر دیں اور فتنہ میں مبتلا کر دیں۔ پس اس ارشاد کی روشنی سے جو شخص اس زمانہ میں علم دین سیکھنے کے لئے کوشش نہ کرے گا تو وہ قیامت کے اندھیرے میں نور والے اور نور سے محروم لوگ | طرح طرح کی بدعتوں اور کفریات کی حالت

میں مرے گا اور اس کو خبر بھی نہ ہوگی اور اس گروہ میں داخل ہوگا جو قیامت کے دن ایسی باتیں کرے گا جن کو خداوند عالم یوں بیان فرماتا ہے جس دن منافق مردوزن ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ٹھہرو ہم بھی تمہارے نور سے کچھ فائدہ اٹھائیں۔

سو وہ لوگ ایسا اس لئے کہیں گے کہ وہ پیادہ ہونگے اور مومنین تیز سوار یوں پر سوار ہوں گے جو ان کو جنت کی طرف لئے جاتے ہوں گے اور ان کی داہنی جانب اور سامنے نور ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جس دن تو دیکھے کہ ایماندار مرد اور عورتوں کے داہنے اور آگے نور دوڑتا ہوگا۔ اس نور کے معنی میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ اس نور سے مراد وہ روشنی ہے نور سے مراد روشنی ہے یا معرفت الہی اجس سے پھر اطراف پر روشنی ہو جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ مومنین کو بقدر ان کے اعمال کے نور ملے گا بعضوں کو درخت کھجور کے برابر اور بعضوں کو تداوم کے برابر اور کم سے کم وہ نور والا ہوگا جس کے پاؤں کے انگوٹھے پر روشنی ہوگی کہ کبھی نچبھ جائے گی اور کبھی روشن ہو جائے گی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے اللہ کی معرفت مراد ہے اور اس بنا پر نور کی مقدار قیامت کے دن اسی قدر ہوگی جس قدر بندہ نے دنیا میں معرفت الہی حاصل کی ہوگی اور سوائے اُن نور کے قیامت کے دن کوئی اور نور نہ ہوگا جو اُس نے معارف ربانی حاصل کرنے کے لئے اعضائے بدنی اور قوی جسمانی یعنی حواس ظاہری و باطنی کو دنیا میں کام میں لاکر حاصل کئے ہوں گے۔ پس ہر شخص کو قیامت کے دن اسی قدر نور ملے گا جتنے کہ معارف یقینی اُس نے دنیا میں حاصل کئے ہوں گے اور جس نے معارف دینیہ سے یہاں کچھ حاصل نہ کیا ہوگا، وہ قیامت کے دن اندھیرے میں بے نور رہ جائے گا۔

چنانچہ ابی امامہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اول لوگوں کو ایک سخت تاریکی ڈھانک لے گی اس کے بعد نور تقسیم ہوگا اور ہر مومن کو بقدر معرفت الہی اور علم الہی کے نور عطا ہوگا۔ اور کافر اور منافق اندھیرے میں چھوڑ دیے جائیں گے اُن کو کچھ نور نہ ملے گا بلکہ اُن کے اور مومنین کے درمیان جہنم کے پل کے دوسری جانب ایک دیوار کے ذریعہ سے فصل کر دیا جائے گا۔

اور آیت سابقہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منافقین سے جن کا آیت میں ذکر ہے وہ لوگ مراد ہیں جو بتلائے شک و تردید ہیں اور مسجدوں میں نماز پڑھتے اور ایمانداروں کے ساتھ تمام اسلامی باتوں میں داخل ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا

اُن کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے ہاں (ضرور تھے) لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیا اور انتظار کرتے رہے اور شک کرنے لگے اور بے جا امیدوں نے تم کو دھوکہ دیا۔ یہاں تک کہ موت آگئی اور تم کو شیطان نے اللہ سے بہکا دیا۔ عزراں علم واجب اور مقلد مومن | یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے بت پرستی نہیں کی تھی بلکہ مومنین کے ساتھ تھے لیکن جس چیز کا علم اُن پر واجب تھا اُس کے عارف نہ تھے یہاں تک کہ حکم خداوندی یعنی قضا آگئی۔ پھر ان کو قیامت کے دن یہ حکم ہوگا اب نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ اُن لوگوں سے جو کافر ہیں، تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور بُری جگہ ہے۔

پھر جبکہ یہ حالت ہے تو مقلد مومن کو چاہئے کہ ہرگز مستی نہ کرے اور اپنی پختگی کی قوت اور کثرت عبادت سے یہ نہ سمجھے کہ وہ حق پر ہے ورنہ پھر اُس پر یہ اعتراض ہوگا کہ یہود و نصاریٰ بھی تو اپنے گمراہ باپ دادوں کے باطل مذہب پر اڑے رہتے ہیں تو چاہئے کہ وہ بھی حق پر ہوں اسلئے کہ کسی مقلد کے کسی مذہب کی حقیقت پر ایسے جم جانے سے بھی کہ اگر وہ اڑنے سے چیرا جائے جب بھی اُس مذہب سے نہ ملے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب حق ہی ہو کیونکہ اُس کا یقین کسی شے کے حق ہونے پر اڑ جانا اس لحاظ سے نہیں ہے کہ اُسے اُس کی حقیقت کی معرفت یقینی حاصل ہو گئی ہے بلکہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا نشوونما ایسی قوم میں ہوا ہے جن کا مذہب یہی ہے اور پیدائش اور صحبت کو کسی خیال میں پختگی میں بڑا اثر ہوتا ہے خواہ وہ خیال حق ہو یا نا حق۔ دیکھو اور سمجھو اس قسم کی پختگی تو تمام یہود و نصاریٰ میں بھی موجود ہے جن کو جہل مرکب میں مبتلا کہنا چاہئے۔

اسی واسطے علماء نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کسی بات کو حق سمجھتا ہو اور اُس یقین کے لئے کوئی دلیل خاص نہ ہو جس سے استدلال کرے تو اس کا دین بصیرت سے خالی ہے کیونکہ اعتقاد ہی یقین سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کو وہ حق سمجھا ہے وہ حق بھی ہے جبکہ ان میں کوئی تلازم نہیں ہے تو اُس پر واجب ہے کہ ایسی کوئی دلیل لائے جس سے اُن دونوں میں ایسی ملازمت پیدا ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ آیا میرا دین حق ہے یا نہیں۔ تاکہ اُس کو اپنے دین میں بصیرت حاصل ہو۔

اور یہ تمیز نظر صحیح اور برہان کے سوا محض بداہت سے حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے کہ عادت الہی یوں ہی جاری ہے کہ یہ تمیز دلائل ہی سے حاصل ہونہ محض بداہت سے، کیونکہ اگر یہ بدیہی طور پر حاصل ہو جاتی تو اُس کو ہر سمجھدار سمجھ لیتا۔

اور مکلف کے تقلید سے نکلنے کے لئے اجمالی دلیل بھی کافی ہے جس سے عقائد ایمان میں فی الجملہ اس قدر علم اور اطمینان حاصل ہو جائے کہ اپنے دل میں یوں نہ کہے کہ میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ اوروں سے سنتا رہا، کہتا رہا۔ اور یہ شرط بھی نہیں کہ دلیل کو اس طرح ترتیب دینے کی لیاقت پیدا کرے جس طرح علماء کر سکتے ہیں اور نہ یہ شرط ہے کہ بدعتیوں کے اعتراضاتاً دفع کرنے کی قدرت ہو اور نہ یہ ضرورت ہے کہ اپنے عقائد بیان کر دینے کی استعداد حاصل ہو بلکہ جب اتنا سمجھ لیا گیا تقلید سے پاک ہو کر عارف بن جائے گا۔ اگرچہ اس اجمالی دلیل کو بیان نہ کر سکتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ بدعتی جو اعتراضات اُس پر وارد کریں اُن کو رد کر سکے کیونکہ اکثر علماء اپنے مافی الضمیر بیان کرنے سے قاصر ہوتے ہیں تو پھر عوام کی کیا اصل ہے۔ حاصل یہ کہ عقائد ایمانی کی جانچ کا طریقہ جو شخص اپنے نفس کی حالت معلوم کرنا چاہے کہ اُس کو اپنے عقائد ایمانی میں معرفت کا مرتبہ حاصل ہے یا تقلید کا اور آیا وہ اپنے عقائد میں صواب پر ہے یا خطا پر، تو اُس کو چاہئے کہ معرفت اور تقلید کی حقیقت دریافت کرے تاکہ ایک دوسرے سے تمیز کر سکے اور معلوم کر سکے کہ ان میں سے کون اس کو حاصل ہے۔

سو معرفت وہ یقین ہے کہ علم الہی کے موافق ہو بشرطیکہ وہ یقین دلیل سے حاصل ہوا ہو۔ اور جو یقین بلا دلیل حاصل ہوا ہو اُس کو معرفت نہیں کہتے بلکہ اس کا نام اعتقاد ہے۔ خواہ وہ علم الہی کے موافق ہو یا نہ ہو اور کسی غیر کے کہنے پر بلا دلیل یقین کر لینے کا نام تقلید ہے۔ خواہ وہ حق ہو یا باطل۔ اور مقلد کو معرفت نہیں ہوتی بلکہ دوسرے کے کہنے پر یقین ہوتا ہے خواہ وہ حق ہو یا باطل۔

پس جو شخص ان دونوں حقیقتوں کو جان کر پھر اپنے دل کو دیکھے گا تو اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کو ان دونوں میں سے کونسی حقیقت حاصل ہے۔ پس اگر اس کو تقلید حاصل ہے اور معرفت حاصل نہیں ہے تو اُس پر واجب ہے کہ ایمان کے عقائد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے پہلے دلیل قائم کرے پھر صحیح عقیدوں پر بحث کرے تاکہ معادوم ہو کہ وہ اپنے عقائد میں حق پر تھا یا نہیں۔

پس اگر وہ اپنے آپ کو حق پر پائے تو اللہ کی اس نعمت غنیمتی کا شکر یہ ادا کرے جس کے برابر دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہو سکتی اور اگر اپنے آپ کو حق پر نہ پائے تو انہی پر فرض ہے کہ عقائد کے درست کرنے کے لئے بذریعہ دلائل کوشش کرے تاکہ اُس کو عذاب جہنم سے نجات ملے اور جنت میں داخل ہونے کا موقع ملے۔ اللہ اپنے فضل سے ہم کو بھی عنایت کرے۔

ساتویں مجلس اُن چیزوں کے بیان میں جن پر ایمان لانا واجب ہے اور یہ کہ اصح مذہب کی رُو سے مجھلاؤ اور بعض کے نزدیک تفصیلاً اُس پر ایمان لانا ضروری ہے

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کے جواب میں جبکہ ایمان کیا ہے؟ انہوں نے آپ کے پاس ایک اجنبی شخص کی صورت میں حاضر ہو کر ایمان کے متعلق سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور ملائکہ اور کتابوں اور پیغمبروں اور روزِ قیامت اور تقدیر نیک و بد پر ایمان لاؤ۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت عمر بن الخطاب ہیں اور یہ حدیث تمام اصول دین اور اُن چیزوں کو جن پر ایمان لانا چاہئے سب کی جامع ہے کیونکہ اعتقاد میں اصل شے دُنیا اور آخرت کا پہچانا ہی ہے۔ ملائکہ اور نیز اُس کے بعد دیگر چیزوں کا ذکر بس اسی لئے ہے کہ تم کو آخرت کا حال معلوم ہو کیونکہ دنیا کی معرفت تو سلیم عقول کو خود حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ یہ تو بنی آدم کی اصل فطرت ہی میں ابتداء آفرینش سے موجود ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

لیکن آخرت کی معرفت اور اُس کے لئے توفیق الہی کے سوا اور کوئی سبیل نہیں جو ان انبیاء کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جن کو خود اس کا علم ملائکہ اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے یہ سب امور ایمان ہی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اس حدیث میں یہ سب مذکور ہیں پس جو شخص کہ اس کے معنی کا جو یا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ ان چھٹوں چیزوں پر ایمان لانے کی حقیقت کو دریافت کرے جن کا اس حدیث میں ذکر ہے تاکہ اس کو اپنے دین میں بصیرت حاصل ہو۔ پہلی وہ چیز جس پر ایمان لانا واجب ایمان باللہ ہے اللہ پر ایمان لانا ہے اور اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وجود اور قدم اور وحدت اور قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات اور باقی تمام اُن اوصاف کے ساتھ جو اُس کی شان کے شایاں ہیں متصف ہونے کا علم یقین ہو۔ لیکن اُس کے وجود کا علم بذریعہ حواس حاصل ہونا ناممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مثل

چاند سورج کے نظر نہیں آتا جس کو جس ظاہری سے معلوم کر لینا ممکن ہو۔ اور نہ اس کا وجود ایسا بدیہی ہے جیسے دو کا ایک سے زیادہ ہونا کہ اس کا علم بھی بالبداہت حاصل ہو جائے۔ بلکہ اس وجود اللہ پر استدلال کے وجود کا علم دلیل سے حاصل ہوتا ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم حادث ہونے کی وجہ سے کسی خالق کی طرف محتاج ہونے کے سبب سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ وہ پیدا کرنے والا قدیم، یکتا قدرت اور ارادہ والا علیم اور حی ہو کیونکہ اگر قدیم نہ ہوگا بلکہ حادث ہوگا تو وہ خود کسی پیدا کرنے والے کا محتاج ہوگا جس کا نتیجہ یا دور ہوگا یا تسلسل، اور یہ دونوں محال ہیں اور اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو انتظام عالم میں باہم ایسی روک ٹوک ہوگی کہ عالم کا وجود نہ ہو سکے گا اور اگر صاحب قدرت و ارادہ اور علیم و حی نہ ہو تو دنیا کی ایک چیز بھی پیدا کرنے سے عاجز ہوگا اس لئے کہ پیدا کرنا قدرت پر موقوف ہے اور قدرت اسی وقت کسی شے میں کام کرتی ہے کہ جب ارادہ ہو کسی چیز کا اور ارادہ اسکے علم کو چاہتا ہے۔ کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ ایک چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ تو ہو لیکن اس کا علم نہ ہو۔ اور ان تینوں صفتوں کے لئے حیات لازمی ہے۔ کیونکہ حیات ان کے لئے شرط ہے۔

پس اس بیان کی رُو سے عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرے کا وجود وجود باری تعالیٰ اور اُس کی قدامت اور وحدت اور پاروں صفات سے موصوف ہونے کیلئے قطعی دلیل ہے اس لئے کہ عقل سے وہی صفات پہچانے جاسکتے ہیں جن پر اُس کے افعال موقوف ہیں لیکن صفات باری پر استدلال جن پر اس کے افعال موقوف نہیں جیسے سنا دیکھنا بولنا، تو ان کے ثبوت پر کبھی عقلی اور کبھی نقل سے استدلال کرنا جائز ہے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفتیں کمالی ہیں اور ان کی ضدیں صفات نقصان ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ کا صفات کمال سے منتصف ہونا اور صفات نقصان سے بری ہونا ضروری ہے جس سے لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ ان صفات کمالیہ سے منتصف ہے۔

اور نقلی دلیل ان کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ

عہ دور کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کا وجود خود اپنے اوپر موقوف ہو اور تسلسل یہ ہے کہ ایک غیر منتصفی سلسلہ چلے جس کی کہیں انتہا نہ ہو۔ فرض کرو کہ اگر خداوند تعالیٰ کو حادث مانا جائے تو اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو کسی اور نے پیدا کیا ہوگا۔ اب ہم سوال کرتے ہیں کہ اس اور کو جو خداوند تعالیٰ کا نعوذ باللہ خالق ہے کس نے پیدا کیا۔ اب اس کو یا تو کسی اور نے پیدا کیا ہوگا یا خود اُس نے جس کو اس نے پیدا کیا تھا تو اگر یہ صورت نکلے کہ خدا کو اُس نے پیدا کیا ہو اور اُس کو خدا نے تو اُس کو دور کہتے ہیں اور اگر یہ سلسلہ بیطرح چلا جائے اور کوئی فرد ایسا نہ ملے جس پر یہ سلسلہ قائم ہو جائے تو یہ اسکا نام تسلسل ہے

کے لئے موجود ہے اور اس وجہ سے اُن کے ثبوت کا یقین کرنا واجب ہے اور اس مسئلہ میں دلیل عقلی سے دلیل نقلی بہتر ہے اس لئے کہ ان صفات پر افعال الہی موقوف نہیں ہیں، تاکہ اُن افعال سے ان صفات کے اللہ تعالیٰ کے لئے ثبوت پر استدلال کیا جائے اور ذات الہی کا کسی کو علم نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ کے حق میں بھی صفات کمال ہیں جن سے اُس کا موصوف ہونا ضروری ہو۔ کہ اگر اُن کے ساتھ موصوف نہ ہو گا تو اُن کے اعداد کے ساتھ موصوف ہو گا۔ رہا ان صفات کو کمالی کہنا تو وہ ہمارے اعتبار سے ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو صفت ہمارے لئے کمال ہو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی کمال ہو۔ اور اُن چیزوں میں سے جن پر ایمان لانا واجب ہے امر ثانی فرشتوں پر ایمان لانا ایمان بالملائکہ ہے۔ اور ان پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے وجود کا قائل ہو۔ لیکن اُن کا وجود ثابت کرنے کے لئے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اُن کے وجود پر اجماع ہو چکا ہے اور قرآن اور حدیث میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کیونکہ ظاہر قرآن و حدیث اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں اور ایک لطیف نورانی جسم والے علم میں کامل اور مشکل کاموں کے کرنے پر اور مختلف صورتیں بدلنے پر قادر ہیں۔ نہ زہیں نہ مادہ، دن رات اُن کا شغل عبادت ہے اور اُن کا جائے قیام آسمان ہے اور وہ اللہ کی طرف سے رسولوں کے پاس پیغام لاتے ہیں اور وحی خداوندی کے ایمن ہیں جن فرشتوں کے نام کی تصریح ثابت ہے جیسے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، ان پر تو نام بنام ایمان ہونا واجب ہے اور جن کے نام معلوم نہیں اُن پر اجمالی ایمان واجب ہے۔ اور تیسری چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے، کتابیں ہیں اور اُن پر ایمان آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے کلام اللہ اور رسولوں پر نازل ہونے کا یقین کیا جائے۔ کل نازل شدہ کتابیں ایک سو چار ہیں جن میں سے دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر اور پچاس صحیفے حضرت شیت علیہ السلام پر اور تیس حضرت نادر علیہ السلام پر اور دس صحیفے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور بیت اور حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر زبور اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر انجیل اور حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل ہوا۔

پس جن کتابوں کے نام مبین ہیں اُن پر نام بنام اور جن کے نام کی تعیین ثابت نہیں ہے اُن پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے۔ چوتھی چیز جس پر ایمان لانا ضروری

انبیاء پر ایمان ہے، انبیاء پر ایمان لانا ہے۔ اُن پر ایمان لانے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بیان کرتے ہیں اُن میں اُن کو سچا سمجھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے بندوں کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اُس کے امر و نہی اور وعدہ و وعید سنائیں، اور ایسے معجزات سے اُن کی تائید کی جو اُن کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کی کل تعداد مذکور نہیں ہے بلکہ جن کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے بعض مفسروں نے اُن کی تعداد اٹھائیس شمار کی ہے اور وہ یہ ہیں حضرت آدمؑ اور ادریسؑ، و ہودؑ و صالحؑ و ابراہیمؑ و اسماعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ و یوسفؑ و لوطؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ و شعیبؑ و زکریاؑ و یحییٰؑ و عیسیٰؑ و داؤدؑ و سلیمانؑ و الیاسؑ و الیسعؑ و ذوالکفلؑ و ایوبؑ و یونسؑ و محمدؑ اور ذوالقرنینؑ اور عزیزؑ اور لقمانؑ بھی اس قول کی بنا پر جو ان تینوں کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان سب پر خدا کی طرف سے رحمت اور سلام ہو۔

بعض علماء نے یوں فرمایا ہے کہ مسلمان پر واجب ہے کہ اپنے بچوں اور عورتوں اور خدمتگاروں کو اُن پیغمبروں کے جن کا خدا نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے نام سکھائیں تاکہ وہ ان سب پر ایمان لائیں اور تصدیق کریں اور اسی خیال پر پڑے نہ رہ جائیں، کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ایمان لانا واجب ہے۔ کیونکہ مکلف کو سب انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے خواہ ان کا نام قرآن مجید میں مذکور ہو یا نہ ہو۔ ہاں جن کا نام بہ تصریح مذکور ہے اُن پر تو نام بنام اور جن کا نام مذکور نہیں اُن پر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے۔

ایمان بالآخرت پانچویں چیز جس پر ایمان لانا ضروری ہے روز قیامت ہے اور اُس پر ایمان لانے کا یہ مقصد ہے کہ اُن حالاتِ آخروی پر یقین کیا جائے جن کی منزلوں میں سے سب سے پہلی منزل قبر ہے پھر مردہ کا اُس میں زندہ کیا جانا اور نیکوین کا سوال۔

نیکوین دو ہیبت ناک فرشتے ہیں جو قبر میں بندہ کو بھٹلا کر اُس کے رب اور مذہب اور پیغمبر کو دریافت کرتے ہیں اور اُس سے کہتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے، اور تیرا مذہب کیا ہے اور تیرے پیغمبر کا کیا نام ہے۔ مرنے کے بعد ان کا سوال سب سے پہلی ہیبت ہے اُس وقت جس کو جواب کی توفیق عطا ہو جاتی ہے اُس کی قبر تو باغ بہشت کا ایک چمن ہوتی ہے اور جسے جواب کی توفیق نہیں ہوتی تو اُس کی قبر دوزخ کا ایک گڑھا بن جاتی ہے۔ پھر جب لوگ قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں پہنچیں گے تو

اعمال نامے کا دیا جانا | وہاں جب تک اللہ کی مرضی ہوگی ننگے پاؤں ننگے بدن کھڑے رہیں گے اور جب حساب کا وقت آئیگا تو کراما کا تبین کے لکھے ہوئے اعمال نامے طلب کئے جائیں گے اس لئے کہ لوگ جب قبروں سے نکلیں گے تو ان کو اپنے اعمال یاد نہ ہوں گے لہذا ان کو ان کے اعمال نامے دئے جائیں گے کہ اپنے اپنے اعمال سے واقف ہو جائیں۔ بعضوں کو نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دئے جائیں گے اور یہ خوش نصیب ہوں گے کیونکہ نامہ اعمال کا داہنے ہاتھ میں ہونا جنت میں جانے اور دوزخ میں ہمیشہ نہ رہنے کی علامت ہے۔ اور بعضوں کو نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں یا پس پشت سے دئے جائیں گے وہ بد بخت لوگ ہوں گے اور جب لوگ اپنے اپنے اعمال سے آگاہ ہو جائیں گے تو پھر ان سے حساب لیا جائے گا۔ اور جب حساب ہو جائے گا تو اعمال تو لٹنے کے لئے ترازو قائم کی جائے گی اعمال کا وزن | اس لئے کہ حساب سے بندہ کو معلوم ہوگا کہ اُس کے نیک عملوں میں سے کونسا مقبول ہے اور کونسا مردود ہے اور برے کاموں میں سے کونسا بخش دیا گیا اور کس کس پر گرفت ہوگی اور تولنے سے معلوم ہوگا کہ کس عمل پر ثواب ملے گا اور کس عمل پر عذاب اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ اعمال صالحہ میں سے جو مقبول ہیں ان پر کس قدر ثواب ملے گا اور اعمال بد کا کس قدر عذاب ہوگا۔ اسی سبب سے ترازو حساب کے بعد کھڑی کی جائے گی اور اور حدیث میں آیا ہے کہ ترازو کا ایک پتہ نور کا ہوگا اور دوسرا تاریکی کا، روشنی کا پتہ تو نیکیوں کے لئے ہوگا اور تاریکی کا پتہ برائیوں کے لئے۔ اور علماء کہتے ہیں کہ آخرت میں تین آخرت میں لوگوں کی قسمیں | قسم کے لوگ ہوں گے کفار اور خالص پرہیزگار اور مخلوط العمل۔ کفار کا کفر تاریک پتہ میں رکھا جائے گا اور چونکہ ان کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی کہ دوسرے پتہ میں رکھی جائے اس لئے وہ خالی رہے گا اور اپنے خالی اور ہلکا ہونے کی وجہ سے اونچا ہو جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ میں لے جانے کا حکم دے گا۔ اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جن سے کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوئے ان کی نیکیاں نور کے پتے میں رکھی جائیں گی اور اگر ان سے صغیرہ گناہ ہوئے ہوں گے تو دوسرے پتے میں رکھے جائیں گے لیکن اللہ محض اپنے فضل سے ان چھوٹے گناہوں کو بے وزن کر دینگا اور وہ نور کا پتہ استفادہ بھاری ہو جائے گا کہ زمین سے اٹھ نہ سکے گا اور تاریک پتہ اس قدر اونچا ہو جائے گا جیسے خالی ہو۔ اور مخلوط الاعمال لوگ جنہوں نے گناہ کبیرہ بھی کئے ہیں اور توبہ بھی نہیں کی ہے ان کی نیکیاں نور کے پتے میں اور بدیاں تاریک پتے میں رکھی جائیں گی اور ان کے کبیرہ گناہوں میں بھی بوجھ ہوگا پس جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی اگرچہ لیکھ

یہ برابر ہے وہ جتنی ہے اور جس کی بدی بھاری ہوگی اگرچہ لیکھ ہی برابر ہے وہ جہنمی ہے ہاں اگر خدائے تعالیٰ معاف فرمادے یہ اور بات ہے۔ اسلئے کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اگر بندہ پہاڑوں کے برابر بھی نیکیاں کرے اور پھر اُس سے کوئی نافرمانی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کو اب اختیار ہے چاہے اُس ایک گناہ کی سزا دے کہ اُس کی عبادتوں کا ثواب دے اور چاہے یوں ہی بخش دے اور کچھ بھی سزا نہ دے۔

یہ سب باتیں اُس وقت ہیں جبکہ یہ گناہ حق اللہ ہوں۔ لیکن اگر اُس پر حقوق العباد ہیں اور نیکیاں بھی زیادہ ہوں تو حق العباد کے برابر اول اُن نیکیوں کے ثواب میں سے وضع کیا جائے گا اور پھر اگر حقوق العباد کی کثرت کی وجہ سے اگر اُس کی نیکیاں تمام پوری ہو جائیں گی تو اُس پر ان لوگوں کے گناہ لا دے جائیں گے جن پر اُس نے ظلم کیا ہے۔ پھر سب کے عوض میں عذاب بھگتے گا اس لئے کہ بعضوں کا قول ہے کہ اگر کسی نے ستر بیویوں کے برابر ثواب حاصل کیا ہو اور اُس پر کوئی نصف دانگ کا دعویٰ دار بھی ہو تو جنت تک اُس کو راضی نہ کر لے گا بہشت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ ایک دانگ کے عوض میں ستر مقبول نمازوں کا ثواب ضبط کر کے مدنی کو دلا یا جائے گا علامہ قشیری نے تخریر میں اس کا ذکر کیا ہے

اس سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ قرآن میں صرف پہلی دو قسمیں مذکور ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے وزن کی آیتوں میں صرف زیادہ وزن اور کم وزن والوں کا ذکر فرمایا ہے اور قطعی فیصلہ کر دیا کہ جس کا وزن بھاری ہوگا وہ کامیاب اور اچھے عایش میں ہوگا اور جس کا وزن ہلکا اُترے گا اُس پر کفر کا حکم لگا کر ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم فرمایا ہے۔

رہے وہ لوگ جنہوں نے عمل نیک اور بد بلا جلا کر کئے ہیں سو اُن کو نبی کریم علیہ السلام نے بیان کر دیا جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔ وزن کے بعد پطراط دوزخ پر قائم کیجائے پطراط | گی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا ایک ہر میدان قیامت میں ہوگا اور دوسرا ہر میدان جنت کی زمین میں اور قیامت کا میدان دوزخ کے اوپر واقع ہوگا اور ساری خلقت اسی پر جمع ہوگی اور آگ اس قدر جوش مارے گی کہ اُس کے کناروں میں ایشیں اٹھیں گی اور قیامت والوں کو اس طرح گھیر لیں گی کہ پطراط کے سوا جذبت میں جانے کا کوئی راستہ نہ رہے گا اور پطراط پر چلنے کے سوا کوئی صورت جنت میں جانے کی نہ ہوگی اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہاں سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور لوگ اسی

سے اپنے اپنے اعمال کے موافق گزریں گے۔ بعض کو زندگی بچی کی طرح گزر جائیں گے اور بعض تیز آنکھی کی طرح، کوئی تیز گھوڑے جیسا کوئی خوب دوڑتا ہوا اور بعض معمولی چال سے جائیں گے یہاں تک کہ سب سے آخر والا وہ ہوگا کہ گھسٹتا ہوا جاتے گا اور کہے گا خدا یا تو نے مجھے دیر میں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے نہیں دیر کی بلکہ تیرے اعمال نے دیر لگائی۔ بعض دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے اپنے پر کھینچتے ہوں گے۔ بعض منہ کے بل دوزخ میں گر جائیں گے اور جہنم کے موکل زنجیروں اور طوق ہیں ان کو جکڑ دیں گے اور کہیں گے کیا تجھ کو بڑے کاموں سے منع نہ کیا گیا تھا، کیا تجھ کو دوزخ کی آگ سے ڈرایا نہ گیا تھا۔

سوائے مسکین اب دنیا میں ذرا اُس وقت کو غور کر جب کہ تو جہنم کو دیکھے گا، اور صراط پر ہوگا تیری حالت ضعیف اور گناہوں کا بوجھ تیری پیٹھ پر اور ساری خلقت تیرے سامنے کیونکر اترتی اور دوزخ میں گرتی ہوگی کہ پیرا پر اور سر نیچے۔ اور آخرت کے دن جو حالاً حوض کوثر اور اُس کے پینے والوں کے احوال پیش آئیں گے ان میں سے ایک حوض سے پانی کا پینا بھی ہے۔ کیونکہ ہر نبی کا ایک حوض ہوگا جس سے وہ اپنی اُمت کو پانی پلائے گا اور ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حوض سب سے بڑا ہوگا جس کے گوشے خوب وسیع ہوں گے اور ایک کنارہ سے دوسرا ایک مہینہ کی راہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے حوض کی وسعت ایک مہینے کے سفر کے برابر ہے اور اُس کے گوشے برابر ہیں اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار ہے اور ابجورے اتنے ہوں گے جتنے آسمان میں ستارے۔ جو شخص اُس میں سے ایک بار پانی پی لے گا پھر کبھی پیسا نہ ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص اُس کا پانی پی لیگا اس کے لئے پیاس کا عذاب کبھی نہ ہوگا۔

لیکن حوض سے ہر وہ شخص واپس کر دیا جائے گا جس نے دین میں تغیر و تبدل کیا ہوگا۔ کیونکہ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حوض کوثر پر میں تمہارا امیر منزل ہوں گا اور جو شخص میرے پاس آئے گا وہ پیے گا، اور جو پی لے گا وہ پھر کبھی پیسا نہ ہوگا۔ اور یقیناً میرے پاس کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جنکو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے لیکن میرے اور ان کے درمیان حجاب حائل ہو جائے گا اسپر نہیں کہوں گا کہ یہ تو میرے لوگ ہیں تو جواب ملیگا تم کو نہیں معلوم کہ تمہارے

بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں کیں۔ تو میں بھی کہوں گا دُور ہو دُور ہو جس نے میرے بعد میری شریعت میں تغیر کیا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اس وجہ سے پہچان لینگے کہ ان لوگوں کے ہاتھ منہ وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ چنانچہ حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا حوض برف سے زیادہ سفید اور شہد سے کہیں زیادہ شیریں ہے اور ان کے برتن ستاروں کی تعداد سے بہت زیادہ ہیں اور میں غیر آدمیوں کو اس طرح روکوں گا جس طرح لوگ غیروں کے اونٹ کو اپنے حوض میں آنے سے روکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس روز آپ ہم کو پہچانیں گے۔ آپ نے فرمایا ہاں تمہاری علامت ایسی ہوگی کہ کسی اُمت کی نہ ہوگی۔ تم لوگ میرے سامنے اس شکل میں آؤ گے کہ تمہارے اعضاء وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے دن حوض کا ہونا یقینی ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ وہ صراط سے پہلے ہے یا حوض کوثر کا محل وقوع اس کے بعد نیز اعمال تو لےنے سے پہلے یا بعد کو۔ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ صراط کے بعد ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ میدانِ حشر میں ہو تو چاہئے کہ جو شخص اس میں سے پانی پی لے وہ پھر دوزخ میں نہ جاسکے اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس میں سے پی لےگا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور یہ ثابت ہے کہ بعض گنہگار دوزخ میں جائیں گے پھر اپنے ایمان کے باعث اُس میں سے نکلیں گے تو پھر یہ اس میں سے کیونکر پی سکیں گے۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ حوض صراط اور میزان سے پہلے میدانِ حشر میں ہوگا اس لئے کہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے پیاسے اٹھیں گے اور اس کا اقدفنا ہی ہے کہ حوض ان دونوں سے پہلے ہی ہو۔

اور بخاری نے ابو ہریرہؓ سے یوں روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس اشار میں کہ میں حوض پر کھڑا ہوں گا یا ایک ایک گروہ آئیگا جب میں ان کو پہچان لوں گا تو میرے اور ان کے درمیان سے ایک شخص نکلے گا اور اس گروہ سے کہے گا چلو، میں کہوں گا: کدھر، تو وہ جواب دے گا کہ بخدا دوزخ کو، میں پوچھوں گا کیوں ان کی حالت کیا ہے۔ وہ کہے گا یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور اُلٹے پاؤں پس پشت رجعت کی تھی۔ اتنے میں ایک اور گروہ آجائیگا جب میں ان کو پہچان لوں گا تو پھر میرے اور ان کے درمیان ایک شخص آجائیگا اور ان لوگوں سے بھی کہے گا کہ چلو، میں پوچھوں گا کدھر، تو کہیگا خدا کی قسم دوزخ میں، پھر میں پوچھوں گا کہ ان کی کیا حالت ہے۔ وہ کہے

گاہ مرتد ہو گئے تھے تو ان میں سے کوئی مجھے بچتا ہوا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر شاید کوئی گم شدہ اونٹ کی طرح بچ جائے۔ یعنی اس میں سے نجات پانچواں لے مثل اونٹ گم شدہ کے تھوڑے ہی ہوں گے اس لئے کہ لفظ نعل بفتحین ہا ہا کی جمع ہے اور ہا ہا گم شدہ اونٹ کو کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی اپنے تذکرے میں اپنے استاد کا قول یوں نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس امر کی قوی دلیل ہے کہ حوض کوثر میدانِ حشر میں صراط سے پہلے ہوگا اس لئے کہ صراط دوزخ پر کھینچا ہوگا جس پر سے گزرنے والے گزریں گے جو گزر جائے گا وہ دوزخ سے بچ جائیگا پھر وہ ادھر کبھی لوٹ کر نہ آئے گا اس صورت میں اس کو پانی پینے کیلئے حوض پر بلانا کیونکر ممکن ہوگا۔ اسی طرح اور انبیاء کے حوض بھی میدانِ حشر میں ہوں گے میدانِ حشر میں انبیاء کے حوض اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کہ آیا میدانِ حشر میں پانی بھی ملیگا آپ نے فرمایا کہ ”قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہاں پانی ملیگا اور اللہ کے دوست انبیاء کے حوضوں پر پانی پینے کو آئیں گے اور خداوند عالم ستر ہزار فرشتے بھیجے گا جن کے ہاتھوں میں عصائے آتشیں ہوں گے جن سے وہ کفار کو حوضوں کے پاس سے ہٹائیں گے“ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے حوض میدانِ حشر میں ہوں گے اور اس سے لازم آیا کہ ہمارے نبیؐ کا حوض بھی میدانِ حشر ہی میں ہوگا۔

یہ اعتراض کہ اگر میدانِ حشر میں ہو تو چاہئے کہ جو شخص اس میں سے پانی پی لے وہ دوزخ میں نہ جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کبیرہ گناہ والوں میں سے جو شخص اُس حوض سے پانی پیے گا اگر وہ مشیتِ الہی سے دوزخ میں داخل بھی ہوگا تو اُس کو یہاں کا عذاب نہیں ہوگا اور آگ اس کے پیٹ کو نہ جلائے گی اور وہ لوگ جنہوں نے مذہب کو تغیر و تبدل کیا اور نبیؐ بائیں پیدائیں جو شریعتِ اسلامیہ میں نہیں تھیں، تو اگر تبدیلِ تغیر صرف اعمال میں ہو اعتقاد میں نہ ہو تو یہ لوگ پہلے تو حوض سے ہٹائے جائیں گے لیکن بعد از مغفرت ان کو پھر پانی پینے کا موقع دیا جائیگا۔ اور اگر تغیر و تبدل اعتقاد میں ہو تو ان کے دائمی دوزخی ہونے میں اختلاف ہے، لیکن یہ امر قطعاً معلوم ہے کہ دوزخ میں ہمیشہ صرف کافر ہی رہیں گے۔ اور یہ تو پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ حوض سے ہٹکاتے ہوئے دوزخ سے ہٹکاتے ہوئے لوگ کئی قسم کے ہوں گے ایک منافق جو ایمان ظاہر تو کرتے ہیں لیکن دلوں سے پوشیدہ طور پر کافر ہیں۔ دوسرے کفار تیسرے بدعتی اور ہوا پرست اور کھلم کھلا گناہ کبیرہ کرنے اور ہلکا جانتے والے اور ظالم اور ان کے مددگار۔

چنانچہ حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا اے کعب بن عجرہ تجھ پر اُن امیروں سے خدا کی پناہ رہے جو میرے بعد ہونگے اسلئے کہ جو شخص اُن کے دروازہ پڑا رہا اور اُن کے جھوٹ میں اُن کی تصدیق کی اور اُنکے ظلم میں اُن کا مددگار ہوا تو نہ وہ میرا ہے اور نہ میں اُس کا اور نہ وہ حوض پر آسکے گا اور جو شخص نہ اُن کے دروازہ پڑا رہا اور اُن کی جھوٹی باتوں کی تصدیق کی اور نہ اُن کے ظلم پر اُن کی مدد کی تو وہ میرا ہے اور میں اُس کا اور وہ حوض پر بھی آئے گا۔" خداوند ہمارے لئے حوض پر جانا آسان کیجئے اور دوزخ سے نجات دلائیو۔ اور تھپی شے جس پر ایمان لانا واجب قضاء اور تقدیر پر ایمان ہے تقدیر پر ایمان لانا ہے اور اُس پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے کہ اس بات پر یقین کرے کہ جلائی اور برائی اور نفع اور ضرر اور کفر و اسلام اور عباد و عصیان اور نفع و نقصان اور ارادہ اور خیالات نفسانی اور حرکات و سکنات جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے سب اللہ کے قضا و قدر سے ہوتا ہے۔

اور اس بنا پر چاہئے تھا کہ حدیث میں قضا پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہوتا لیکن اُس کا ذکر اس واسطے نہیں کیا گیا کہ تقدیر پر ایمان لانے کو قضا پر ایمان لانا لازم ہے اس لئے کہ تمام موجودات کے لوح محفوظ میں اجمالاً مذکور ہونے کا نام قضا ہے اور قضا سابق کی تفصیل کا نام تقدیر ہے اس طرح کہ تمام موجودات مادہ خارجی میں ایک ایک کر کے پیدا کئے جاتے ہیں گے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ قضا تو ارادہ قدیم اور مقصود الہی کا نام ہے جس سے موجودات کا انتظام ایک خاص ترتیب سے ہوتا ہے اور تقدیر اسی ارادہ کا تمام اشیاء کے ساتھ اُن کی اوقات مخصوصہ میں متعلق ہونے کو کہتے ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ سورہ یوسف کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ جاننے کی بات ہے کہ انسان کو اس عالم میں اسباب کی رعایت رکھنے کا حکم ہے کیونکہ اس کو اکثری طور پر یہی حکم ہے کہ مہلک چیزوں اور مضر غذاؤں سے بچتا رہے اور حتی الامکان منفعت اور دفع مضر سے کیلئے کوشاں رہے اس کے ساتھ ہی اُس کو اس بات کا یقین رکھنا چاہئے کہ جبکہ وہی ملیگا جو اللہ نے میرے مقدر میں لکھا ہے اور وہی حاصل ہوگا جو اللہ میرے لئے چاہیگا حضرت یعقوبؑ نے جو اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا کہ ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے اندر جانا یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس عالم میں اسباب ظاہری کا لحاظ ضروری ہے اور پھر اُن کا یہ فرمانا کہ میں تم کو اللہ کی کسی چیز سے بچا نہیں سکتا

خاص توجید اور ظاہری اسباب پر دل سے توجہ نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔

اور امام غزالی نے احیاء العلوم کی کتاب شکر میں ایک سوال ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں ورنہ ہم بُرے ہیں اور نافرمانی کا ہم پر عذاب ہو گا حالانکہ اطاعت و نافرمانی سب اللہ ہی کی جانب سے ہے اور ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے تو پھر ہماری یہ مذمت اور ہم پر عذاب کیوں ہو گا؟

پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یہ دھمکی اللہ کی طرف سے اس لئے ہے کہ ہم کو اعتقاد حاصل ہو اور اعتقاد حاصل ہونے سے خوف کا غلبہ حاصل ہوتا ہے اور خوف کی وجہ سے انسان بُری خواہشیں چھوڑ دیتا ہے اور جب بُری خواہشیں چھوٹ جاتی ہیں تو اللہ کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب اور اُن کا ترتیب دینے والا ہے جس کی قسمت میں ازل سے سعادت لکھی ہوئی ہے اُس کو اُس کے اسباب ملتے ہو جاتے ہیں اور اُنہی اسباب کا سلسلہ اُس کو نیکی کی طرف لیجاتا ہے اور جس کی قسمت میں سعادت مفتر نہیں ہے تو وہ شروع ہی سے اللہ و رسول اور علماء کی بات سننے سے دور بھاگتا ہے اور جب نہ سنے گا تو کیا جانے گا اور جب نہ جانے گا تو کیا خوف خدا نہ ہو گا تو دنیا کی رغبت اور اُس کی بُری خواہشیں نہ چھوڑیں گی اور جب دنیا کی رغبت اور اس کی بے جا خواہشیں ترک نہ ہوں گی تو شیطان کے گروہ میں داخل ہو گا اور اُن سب کے لئے جہنم کا

وعدہ ہے۔
آٹھویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطبع اور نافرمان
کے بیان میں کہ انہیں سے کون جنت میں جائیگا اور کون نہ جائیگا

”رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری کل اُمت جنت میں داخل ہوگی مگر جو خود نہ چاہے۔ لوگوں نے پوچھا یا حضرت خود نہ چاہنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ جو شخص میری اطاعت کریگا وہ جنتی ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے گا گویا اُس نے خود نہ چاہا۔“

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں سے ہے اور حضرت ابوہریرہؓ اسکے راوی ہیں۔ اس حدیث میں اُمت سے مراد شاید اُمت دعوت ہے اور اس بنا پر منکر سے مراد اُمت محمدی سے مراد کافر ہی ہونگے تو اب حدیث کے یہ معنی ہوں گے کہ جو شخص اُن احکام

پر ایمان لاتے گا جن کو میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں تو وہ جنت میں جائے گا خواہ عذاب جہنم سے پہلے یا اُس سے نکل کر، اور جو شخص منکر ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے احکام پر ایمان نہ لائے گا وہ ہرگز جنت میں نہ جائے پائیگا بلکہ ابد الابد تک دوزخ ہی میں رہے گا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت ہو اور اس صورت میں منکر سے مراد گنہگار اِن اُمتِ محمدی ہونگے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ جس نے مجھ پر ایمان لانے کے بعد میری اطاعت کی اور میری سنت پر عمل کیا اور میری شریعت کی پیروی کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور دوزخ سے بالکل محفوظ رہے گا اور جو شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد نافرمان ہو گیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چاہے تو معاف کر کے بلا عذاب کے جنت میں لیجائے اور چاہے دوزخ میں داخل کر کے بقدر گناہ عذاب دے کہ جنت میں داخل کرے۔

حاصل یہ کہ جس نے اپنے مولا کی فرمانبرداری کی اور اپنے نفس اور خواہشِ نفسانی کو روکا اور شیطان اور دنیائے دنی کی مخالفت کی تو اس کا گھر اور ٹھکانا جنت ہے اور جو شخص کجروی و نافرمانی کی طرف بڑھتا اور اپنی نافرمانی کی باگ و بنا میں ڈھیلی کرتا رہا اور اپنی خواہشِ نفس اور لذت و شہوت میں پڑ گیا تو اُس کے لئے دوزخ ہی مناسب سے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس جس نے نافرمانی کی اور دنیا کو اختیار کیا تو اُس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں شتی کے سوا کوئی نہ جائے گا۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ شتی کون ہے آپ نے فرمایا جس نے خدا کے لئے عبادت نہ کی اور نہ اُس کے خوف سے گناہ کو ترک کیا وہی شتی ہے۔ عاقل اور نادان اور آخرت کا پھیناوا اور شداوین اوس سے روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عاقل وہ ہے جس نے اپنے نفس کو ذلیل رکھا اور آخرت کیلئے کچھ کر لیا۔ اور عاجز اور نادان وہ ہے کہ جس کا نفس بڑی خواہشوں کے تابع ہو گیا اور اللہ سے بے جا تمنا رکھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بیان فرمایا ہے کہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کو ذلیل کر کے فرمانِ الہی کے تابع کر دے اور دنیا میں اُس سے اپنے اعمال کا اس سے پہلے کہ آخرت میں حساب ہو حساب لیا کرے۔ پس اگر دیکھے کہ اُس نے اچھے کام کئے ہیں تو اللہ کا شکر کرے اور اگر دیکھے کہ اُس نے بڑے کام کئے ہیں تو توبہ کرے اور اللہ سے بخشش چاہے اور اپنی عمر کے ضائع ہو جانے پر افسوس کرے اور

آئندہ اپنی عاقبت درست کرنے کیلئے مستعد ہو جائے یعنی نیک کاموں کی طرف متوجہ ہو اور اپنی پچھلی لغزشوں سے بیزار ہو اور ہر حال میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہے اور یہی توشہ آخرت ہے۔ اور احمق وہ ہے جو اپنے مولیٰ کے حکم میں کوتاہی کرے اور اپنی خواہش نفسانی کے حاصل کرنے میں کوشاں رہے اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کوتاہی کرتا ہے اور خواہش نفسانی کے تابع ہے پھر بھی اللہ سے بے جا آرزو کرے اور یہی دھوکا ہے اس لئے کہ خدا نے اول امر وہی ذکر کر کے پھر یہ بھی فرمایا کہ انسان کے لئے وہی ہے جو اُس نے کوشش کی ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جو مرنے کے بعد نہ پچھتائے۔ لوگوں نے عرض کیا ندامت کیا ہو گی آپ نے فرمایا کہ اگر وہ نیکو کار ہے تو وہ یوں پچھتائے گا کہ میں نے اور نیکیاں کیوں نہ کیں اور اگر بدکار ہے تو اُس کو یہ ندامت ہو گی کہ بُرے کاموں سے کیوں باز نہ رہا۔ پس اے عاقل اپنی عمر کو غفلت میں ضائع نہ کر اور آخرت کا سامان مہیا کرنے میں کوشش کر اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جبکہ تو سامان کی تحصیل پر قادر نہ ہو گا اور وہ دن تو بہت جلد کچھ گا اور اپنی عمر ضائع ہونے پر پچھتائے گا لیکن اُس وقت پچھانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

امام غزالیؒ اپنے رسالہ ایہا الولد میں لکھتے ہیں کہ میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ مردہ سے اتنے ہی عرصہ میں کہ چار پائی پر رکھ کر قبر کے کنارے رکھا جائے اللہ تعالیٰ اُس سے اپنی بڑائی کی وجہ سے چالیس سوال کرتا ہے پہلے یہ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے تو نے اپنے ظاہری جسم کو تو لوگوں کے دکھانے کیلئے برسوں پاک و صاف کیا لیکن جس پر میری نظر ہے یعنی دل اس کو ایک لحظہ بھی پاک نہ کیا کیونکہ اللہ ہر روز تمہارے دل کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ تو غیروں سے کیا اچھا ہوا ہے حالانکہ تو میری بھلائی سے گھرا ہوا ہے کیا تو بہرا ہے جو نہیں سنتا۔

اور ابوسلیمان دارانی کہتے ہیں کہ "اگر سمجھدار اپنی باقی عمر اس فوت شدہ عمر پر جس میں اُس نے کچھ عبادت نہیں کی توبہ و بیکانہ کرے تو یہ ایسی بات ہے کہ اس پر اسکو مرتے دم تک رنجیدہ رہنا چاہئے۔"

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ "یہ اسلئے کہا ہے کہ عاقل کے پاس اگر کوئی قیمتی موتی ہو اور وہ بے فائدہ تلف ہو جائے تو وہ اُس پر ضرور روتا ہے اور اگر موتی ضائع ہو جائے اور اُس کا ضائع ہونا اُس کی تباہی کا سبب بھی ہو تو وہ اور بھی پھوٹ پھوٹ کر روئیگا۔ پس عمر کی

ہر گھڑی بلکہ ہر ہر سانس ایک ایسا نفیس جو ہر ہے جس کا عوض اور بدل نہیں کیونکہ وہ اس قابل ہے جس سے تم سعادتِ ابدی تک پہنچ سکتے ہو اور دائمی بدبختی سے بچ سکتے ہو تو پھر اس جوہر سے زیادہ نفیس کونسا جوہر ہوگا۔ پس اگر تم نے اُس کو غفلت اور گناہوں میں صرف کیا تو تم نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا اور کھلی ہوئی تباہی میں پڑ گئے اور پھر اس پر بھی تم اگر اس گناہ پر نہ روئے تو یہ تمہاری سخت نادانی ہے اور تمہاری یہ مصیبت تمہاری نادانی کی وجہ سے نہایت عظیم الشان مصیبت ہے لیکن جہالت خود ایک ایسی مصیبت ہے کہ مصیبت زدہ اُس کو مصیبت نہیں سمجھتا کیونکہ غفلت کی نیند حائل ہو کر اُس کو سمجھنے نہیں دیتی اور لوگوں کی یہ زندگی نہیں ہے نیند ہے۔ جب مریں گے اُس وقت ہوش آئے گا اور پھر ہر مفلس کو اپنا افلاس اور ہر مصیبت زدہ کو اپنی مصیبت معلوم ہو جائیگی کیونکہ آخرت آخرت میں لوگ کئی قسم کے ہونگے میں لوگ کئی قسم کے ہوں گے۔

پہلی قسم کے تو وہ لوگ ہیں جو بامراد ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی شان میں خداوند عالم یوں ارشاد فرماتا ہے "کسی شخص کو نہیں معلوم کہ اُس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے اُن کی نیوکاریوں کے بدلے میں کیا کیا سامان پوشیدہ طور پر کیا گیا ہے۔" حضور علیہ السلام اللہ کی طرف سے فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ سامان کئے ہیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا ہے نہ کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی آدمی کو اُن کا وہم ہوا ہے۔"

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو ہلاک ہونے والے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اُس کی تصدیق نہیں کی کیونکہ سعادتِ آخری صرف قربِ الہی اور اُس کے دیدار ہی میں ہے اور یہ باتیں معرفت کے بغیر جس کو ایمان اور تصدیق کہتے ہیں حاصل نہیں ہو سکتیں اور چونکہ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اُس پر ایمان نہ لائے اس لئے اس سعادت سے دُور ہو گئے اور وہ اُس دن اپنے رب سے پوشیدہ ہوں گے اور جو محبوب ہوگا وہ تباہ ہوگا اور ابد الابد تک اُس پر جہنم کا عذاب ہوتا رہے گا۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر عذاب ہوگا اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان تو لائے لیکن متفقانے ایمان کی طرح عمل نہیں کئے۔ اس لئے کہ اصل ایمان توحید یعنی شرک کا دُور کرنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد کرے کہ اللہ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں یکتا ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے علم اور ارادے اور پیدا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں ہے اس بنا پر ہر وہ شخص جو لا الہ الا اللہ کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال

میں بیکتا ہے اور عالم میں جو چیز پیدا ہوتی ہے وہ اسی کے علم اور ارادہ اور پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور میں نے اُس کی عبادت اپنے ذمہ کر لی اور صرف اسی کی عبادت کروں گا۔ پس اس اقرار کے بعد جس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی اُس نے گویا اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود قرار دے لیا اور وہ فقط زبانی موجد رہ گیا اور جب تک اس اقرار پر استقامت نہ اختیار کرے توحید کامل نہیں ہوتی اور جو شخص اس پر قائم رہا اگرچہ ادنیٰ امر ہی میں ہو بلکہ اپنے نفس کی پیروی کرنے لگا ہو خواہ چھوٹے سے کام ہی میں ہو وہ سیدھی راہ سے نکل گیا اور سیدھی راہ سے نکل جانا توحید میں بٹالگانا ہے آخرت میں گنہگاروں کی نجات اور چونکہ غالباً کوئی آدمی اس سے بچا ہوا نہیں اسلئے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی ایسا نہیں جو اُس پر نہ گذرے پس ہر شخص کا دوزخ پر گذرنا تو یقینی ہوا ہاں شک صرف اس بات میں رہا کہ اُس سے نجات کس کس کو ہوگی۔ بعض حدیثوں کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ سے سب سے آخر میں جو شخص نکلیگا وہ سات ہزار برس کے بعد نکلیگا اور بعضے اُس پر سے چمکتی بجلی کی طرح گذر جائیں گے اور انہیں بالکل نہ ٹھہریں گے اور بعضے اُس میں ایک لمحہ ٹھہریں گے اور ایک لمحہ اور سات ہزار برس میں کئی مختلف درجات حائل ہیں جیسے دن ہفتہ، مہینہ، سال دو سال۔

اور باقی تمام عدد رہا سختی سزا کا اختلاف، تو عذاب کے اعلیٰ درجہ کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ ہاں سب سے ادنیٰ درجہ حساب نہیں کی گرفت کا عذاب ہے کیونکہ آخرت کے عذاب و ثواب کا تفاوت ایمان کے قوت و ضعف اور عبادت کی کمی و زیادتی اور گناہوں کی کمی و بیشی کے لحاظ سے ہوگا اور اُس کی دلیل بارشاد الہی قرآن مجید میں اس طرح ہے "آج جس نے جو کیا ہے اُس کا بدلہ پائے گا کسی پر آج ظلم نہ ہوگا" اور دوسری جگہ یوں فرماتا ہے "آدمی کو وہی ملے گا جو اُس نے کیا ہے"۔ پھر یوں ارشاد ہوا "جس نے ذرہ بھلائی کی اُس کے آگے آئے گی اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہے وہ اُس کے آگے آئے گی"۔ اسی طرح اور بہت سی باتیں قرآن و حدیث میں اس مضمون کی وارد ہیں کہ ثواب عذاب سب اپنے اپنے اعمال کی جزا ہے۔

پس اس بنا پر جس نے اپنے ایمان کی جڑ مضبوط کر لی اور تمام فرائض یعنی اس کے پانچوں ارکان اچھی طرح ادا کئے یعنی کلمہ شہادت پڑھا نماز پڑھی زکوٰۃ دی اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کیا اور کبیرہ گناہوں سے بچا اور صرف چند چھوٹے چھوٹے گناہ اُس سے ہوئے اور اُن پر بھی اصرار نہ کیا اور گناہ کبیرہ کرنے اور چھوٹے گناہ

پر اصرار کرنے کا ادراک مطلب یہ ہے کہ کثرت سے ان میں مبتلا رہے۔ خواہ وہ گناہ ایک قسم کے ہوں یا مختلف قسم کے، تو غالب یہ ہے کہ ایسے شخص کا عذاب صرف حساب و کتاب میں سخت گیری سے ہو اور حساب کے بعد اس کی نیکیاں برائیوں پر غالب آجائیں۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”پنج وقت نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہیں جو ان کے درمیان ہوں بشرطیکہ وہ گناہ کبیرہ نہ ہوں اور اسی طرح کبیرہ گناہوں سے بچنے سے بھی صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں قرآن مجید میں صاف اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو چھوٹے گناہ ہم خود مٹا دیں گے۔“ اور کفارہ کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر حساب موقوف نہ ہو تو کم از کم یہ کہ عذاب دور کرایا جائے اور جس شخص کا یہ حال ہوگا وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ بھاری ہوں گی اور جو خاطر خواہ عیش میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا حال ہوگا جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا رہا اور تمام فرائض ادا کرتا رہا۔ اور جس شخص نے کچھ گناہ کبیرہ کئے اور کچھ فرائض بھی ترک کئے ہیں تو اگر اس نے موت تو بہ سے پہلے دل سے توبہ کر لی ہے تو ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا اسلئے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں یا ڈھلا ہوا کپڑا اس کپڑے کے ساتھ جو ابھی میلایا ہی نہیں ہوا۔ اور اگر توبہ نہیں کی اور بغیر توبہ کئے مر گیا تو اس کی حالت مرنے کے وقت خطرہ سے نکالی نہیں اسلئے کہ اکثر اوقات آدمی اصرار گناہ کے خیال پر مرتا ہے جس سے ایمان جاتا رہتا ہے اس کا انجام بد ہے اور وہ ابدالاباب تک جہنم میں رہے گا اور اگر اس کا خاتمہ اچھا ہوا اور ایمان پر مہر تو اگر خدا اس کے گناہ معاف نہ کرے تو اس کو سختی و حساب سے زیادہ عذاب بھگتنا ہوگا۔ عذاب میں زیادتی زیادہ دیر تک عذاب میں مبتلا رہنے کے لحاظ سے کثرت اصرار کی وجہ سے ہوگی اور عذاب میں سختی گناہوں کی برائی کے اعتبار سے ہوگی یعنی جتنا ہی زیادہ گناہ بڑا ہوگا اسی قدر عذاب سخت ہوگا اور عذاب کا اختلاف نوعیت گناہوں کے اختلاف نوع کے اعتبار سے ہوگا عذاب کی مختلف نوعیتیں اگر یعنی جس قسم کا گناہ ہوگا اسی طرح کا عذاب ہوگا جیسا کہ خود قرآن شریف میں مذکور ہے کہ جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کا سونا چاندی گرم کر کے داغاً جائیگا۔ یا حدیث شریف میں ہے کہ ”جن کے پاس اونٹ ہوں گے اور وہ زکوٰۃ نہ دینگے تو وہ اونٹ ان کو روندیں گے الی آخر الحدیث“ اور عذاب کی مدت ختم ہو جانے کے بعد وہ ان لوگوں میں شامل ہو جائے گا جن کے نامہ اعمال واسطے ہاتھ میں دئے گئے

تھے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب سے آخر میں جو شخص دوزخ سے نکلے گا یقینی اور حقیقی توحید اُس کو ساری دُنیا سے دس گنا سامان بخشا جائے گا اور موجد کے سوا دوزخ سے کسی کو رہائی نہ ہوگی اور موجد اس کو نہیں کہتے جو صرف زبانی لا الہ الا اللہ کہے اس لئے کہ زبان اس جہان کی چیز ہے جس کو عالم ملک و شہادت کہتے ہیں اس لئے زبان سے کہنے کا فائدہ صرف اسی عالم تک ہے یعنی اس کی وجہ سے مسلمان اُس کی گردن پر تلوار نہ ماریں گے اور غنیمت دلنے اس کا مال نہ ٹوٹیں گے لیکن یہ گردن اور مال صرف اسی عالم تک ہیں اور جب یہی نہ رہیں گے تو زبان سے کہنا بھی مفید نہ ہوگا بلکہ توحید کو سچے دل سے ماننا وہاں مفید ہوگا اور توحید کا کمال تو یہ ہے کہ احکام شریعت کی پابندی اور ممنوعات سے بچنے میں استقامت اختیار کرے اور استقامت نہیں حاصل ہوتی تا وقتیکہ دل سے شک و تردید ہو کر یقین غالب نہ ہو جائے۔ کیونکہ جس شخص کے دل میں اس بات کا یقین ہو جائے کہ جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا اُس کے سامنے آئے گی اور جو شخص ذرہ برابر بدی کرے وہ اُس کے سامنے آئے گی تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اُس سے جہاں تک بنے گا عبادت کرے گا اور ہر چھوٹی بڑی عبادت کی حفاظت کرے گا اور گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ دے گا اور چھوٹے بڑے ٹھوڑے بہت سبب گناہوں سے بچتا رہے گا اور یہی ایمان حقیقی اور توحید یقینی ہے۔

اس توحید میں بھی لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں بعض کی توحید پہاڑوں کے برابر ہے اور بعض کی دینار کے برابر ہے اور بعض کی توحید رانی کے دانہ اور ذرہ کے برابر ہوگی۔ پس جس شخص کے دل میں دینار کے برابر ایمان ہے دوزخ سے سب سے پہلے وہی نکلے گا اور سب سے آخر میں وہ نکلے گا جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا۔

اور اکثر موحدین محض اُن ظلموں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے جو انہوں نے لوگوں پر کئے ہوں گے اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک بندہ اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور اُس کی نیکیاں پہاڑوں کے برابر ہوں گے اگر وہ سب اس کو مل جائیں تو اُس کے جنتی ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ پھر مظلوم لوگ کھڑے ہونگے کسی کو اُس نے گالی دی تھی کسی کو مارا تھا کسی سے بیگاری تھی کسی کا مال چھین لیا تھا پھر اُن میں سے ہر ایک کو اُس کی نیکیاں تقسیم ہونی شروع ہونگی یہاں تک کہ اُس کے پاس ایک نیکی بھی باقی نہ رہے گی اُس وقت فرشتے کہیں گے خداوند اس کی نیکیاں تو سب ختم ہو گئیں اور مدعی بہت

باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اُن کے گناہ اس کے گناہوں پر لاوتے جاؤ اور اُس کے لیے ایک دوا دوزخ کا کھول دو اور حسب طرح ظالم دوسرے کے عوض میں بطریق قصاص مارا جاتا ہے اس طرح مظلوم ظالم کی نیکیوں کے ذریعہ اسے نجات پا جاتا ہے کیونکہ اُس کے ظلموں کے عوض میں اس کی نیکی مظلوم کو مل جاتی ہے۔ جب یہ بات قرار پائی تو ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے محابسہ نفس | نفس کا حساب سمجھنے میں جلدی کرتا رہے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”اپنے نفس سے اُس روز سے پہلے حساب کیتے رہو جس دن تم سے لیا جائیگا اور اپنے نفسوں کو قبل اس کے کہ تم لوے جاؤ تولتے رہو اسلئے کہ اگر تم بالفعل اپنا حساب خود لیتے رہو گے اور اپنے اعمال کو سب سے بڑی پیشی کے لئے تولتے رہو گے تو کل قیامت کے دن کا حساب تم پر آسان ہو جائے گا اور سب بائیں پیش کر سکو گے اور تم پر کوئی بات مخفی نہ رہے گی۔“

اور محاسبہ نفس کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے حال پر غور کیا کرے کہ آیا مجھ پر اللہ کا یا بندہ کا کوئی حق تو نہیں ہے۔ پھر اللہ کے فرائض میں سے جو باقی رہ گیا ہو اُس کو ادا کرے اور بندوں کا حق ایک ایک پیہ ادا کرے اور جس کو اپنے ہاتھ سے یا دل سے یا زبان سے تکلیف دی ہو، دل سے ستانے کا یہ مطلب ہے کہ کسی کی طرف بدگمانی کی ہو تو اُس سے معافی مانگ لے اور ان کا دل خوش کر دے یہاں تک کہ جب مرے تو اُس پر اللہ یا بندے کا کوئی حق باقی نہ ہو اور جنت میں بے حساب چلا جائے۔

خدا اپنے فضل سے ہم پر آسانی کیجو۔

تویں مجلس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی، تمام آپ کے لئے ہوتے احکام کے پیہائیں اور اُسہیں ایک تحقیق ہے

خواہش نفسانی کی پیروی اور اُس کے نتائج | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے

ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی مرضی کو میرے حکم کے تابع نہ کر دے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنی نفسانی خواہشوں کی مخالفت اور حق کی پیروی نہ کرے اور اپنے ہوا و ہوس کو حق پر غالب نہ ہونے دے بلکہ وہ حق جس کو میں لایا ہوں ہوا و ہوس پر غالب ہو۔ کیونکہ جو شخص

اپنے نفس کی خواہش پر عمل کرتا ہے تو اُس کا نفس جس بات کو چاہتا ہے وہ اُسی کو کرنے لگتا ہے اور اپنے مولیٰ کی مخالفت کرتا ہے اور اپنے ہوا و ہوس کا ایسا تابع ہو جاتا ہے کہ کہا انہی کو معبود بنا کر پوجتا ہے اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "آسمان کے نیچے ہوائے نفس سے زیادہ بُرا اللہ کے نزدیک کوئی معبود نہیں ہے" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "سب سے بڑا معبود زمین پر اللہ کے نزدیک ہوائے نفس ہے"

اور فی الواقع جو شخص ذرا بھی غور کرے اُس کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جو بتوں کو پوجتا ہے وہ درحقیقت بتوں کو نہیں پوجتا بلکہ اپنے ہوائے نفس ہی کو پوجتا ہے کیونکہ اُس کا نفس اپنے آبائی دین کی طرف مائل ہے اور وہ اسی میل کا پیرو ہے جسکو خواہش نفس کہتے ہیں اسلئے کہ اہل ہوا کی عادت ہے کہ جو بات اُن کی خواہش نفس کے موافق ہو اُسی کو اچھا سمجھتے ہیں اگرچہ وہ تمام بُرائیوں اور وبالوں کا سبب بن جائے اور جو بات اُن کے ہوائے نفس کے خلاف ہو اُس کو بُرا جانتے ہیں اگرچہ اُس میں اُن کیلئے بھلائی ہی بھلائی ہو۔

پس سعید وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کے خلاف اپنے مولیٰ کی اطاعت کرے اور فشتی وہ ہے جو اپنے مولا کے خلاف اپنے نفس کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہوتا ہے اسلئے کہ جو شخص اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے تو وہ ایسے کام کرتا ہے جو مضر ہونے ہیں اور جس سے اُس کا حال اور مال دونوں تباہ ہو جاتے ہیں اور اُسکی اُس کو خبر ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو اپنی حماقت سے موجودہ لذت کو جو رہنے والی نہیں ہے اُن بڑے بڑے عذابوں پر ترجیح دیتا ہے جن کی انتہا نہیں ہے اور اپنے اندھے پن اور شدت حماقت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے خوب منے اڑائے لیکن احمق یہ نہیں جانتا کہ وہ دنیا سے جس دن نکلے گا اُس وقت معلوم ہوگا کہ اُس نے کچھ بھی لطف نہیں اٹھایا نہ دنیاوی لذتوں سے نہ آخرت کی نعمتوں سے، بلکہ اُس نے اپنے نفس کی اُن چیزوں میں پیروی کی جو کسی شمار میں نہیں کیونکہ دنیا کی لذتیں تو اُس سے جاتی رہیں گی اور آخرت کی لذتوں تک اُس کی رسائی نہ ہو سکے گی اُس وقت پھر پھپھپائے گا لیکن اب پھپھپانے سے کیا ہوت جب چڑیاں چُجک گئیں کھیت۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہوائے نفس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے جس جگہ بھی کیا ہے ہمیشہ برائی سے کیا ہے ایک جگہ فرماتا ہے "بلکہ ظالم لوگوں نے اپنی اپنی خواہشوں کی پیروی بے جا نے بوجھے کی" دوسری جگہ فرماتا ہے "اور بہتر سے لوگ

بے جانے بوجھے اپنی ہوائے نفس کے سبب سے گمراہ کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے "اُس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کی راہ کے سوا اپنے نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔ پس ان آیتوں حق و باطل کی پہچان اور اسے معلوم ہوا کہ خواہش نفس کی پیروی اکثر امر حق کی بے علمی سے ہوتی سعادتمند اور بد بخت لوگ ہے لہذا مومن کے لئے ضروری ہے کہ حق کو پہچانے اور باطل سے اس کو تمیز کرے۔ اس پر عمل کرے اور باطل پر اُس کو ترجیح دے۔ کیونکہ جو شخص حق کو نہ پہچانے تو وہ گمراہ ہے اور جو شخص حق کو پہچان کر غیر حق کو ترجیح دے تو اُس پر خدا کا غضب ہے اور جو حق کو پہچانے اور اُس پر عمل بھی کرے تو اُس پر خدا کا انعام ہے۔

اور خدا نے ہم کو حکم بھی دیا ہے کہ ہم اُس سے دن رات میں کئی بار اس بات کی دُعا مانگا کریں کہ ہم کو اُن لوگوں کا راستہ دکھلائے جن پر اس کا انعام ہے۔ نہ اُن لوگوں کا جن پر اُس کا غضب ہے اور نہ گمراہوں کا۔ اور اسی کے ضمن میں یہ بھی بیان فرما دیا کہ سعادتمند وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچان کر اُس کی پیروی کی اور ہدایت پانے والوں نہیں شمار ہوئے اور بد بخت وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو نہ پہچانا بلکہ اُس سے ناواقف رہے اور اس سے نکل کر گمراہ ہو گئے ہیں یا حق کو پہچان تو لیا لیکن اس کی مخالفت کر کے عمل نہ کیا اور غیر حق کی پیروی کر کے خدا کے غضب میں آ گئے۔

اور حدیث میں ثابت ہے کہ مغضوب علیہم تو یہودی ہیں اور گمراہ نصاریٰ اور یہود کو صرف مغضوب اور نصاریٰ کو صرف گمراہ فرمانا حالانکہ ان میں سے ہر ایک گمراہ اور مغضوب ہے اس وجہ سے ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کو بلحاظ قلبیہ جہل و عناد کے ایک ایک چیز سے خصوصیت ہے۔ چونکہ یہود اہل عناد تھے اس لئے ان کو غضب سے خصوصیت ہے اور چونکہ نصاریٰ اہل جہالت تھے اس لئے وہ گمراہی سے خصوصیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو شخص بگڑ جائے وہ یہودیوں سے مشابہ ہے اس لئے کہ یہود نے جان بوجھ کر پیروی نہیں کی بلکہ اُس سے منہ پھیر لیا اور خدا کے غضب میں مبتلا ہو گئے اور ہم میں جو عابد بگڑ جاتے تو وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے اس لئے کہ نصاریٰ نے حق کو پہچانا ہی نہیں اُس سے ناواقف رہنے کی وجہ سے گمراہ بنے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کو ثواب کا اور گناہ کو عذاب کا سبب قرار دیا ہے۔

پس جو شخص ثواب کا آرزو مند ہے اور عذاب سے ڈرتا ہے تو اُس کو ضروری ہے کہ عبادت اور گناہ کو معلوم کرے تاکہ عبادت کر کے ثواب پائے اور گناہ سے بچے۔

عذاب سے چھوٹے۔ اس لئے کہ جو شخص ان دونوں باتوں کو معلوم نہ کرے گا اور نہ ان دونوں میں فرق کر سکے گا وہ بڑے خسارہ میں رہے گا۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کے قلب میں دو قوتیں قلب انسانی کی دو قوتیں اور ان کا نام | ہیں قوت علم اور قوت ارادہ اور یہ نہ کبھی بیکار رہ سکتی ہیں اور نہ کوئی کام بڑا ہو یا اچھا ان کے بغیر نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے ارادہ کے بغیر کبھی نہیں سکتا اور ارادہ اس کے علم بغیر نہیں ہو سکتا پس انسان کا کمال ان ہی دو قوتوں کے کام لانے پر ہے جو اسکو دونوں جہاں میں نفع رساں اور دونوں دولتیں حاصل کرنے میں معاون ہیں اس لئے ضروری ہے کہ قوت علم حق کے معلوم کرنے اور باطل سے تمیز کرنے میں استعمال کرے اور قوت ارادہ کو طلب حق اور باطل پر اسکو ترجیح دینے میں کام لائے کیونکہ اگر اپنی قوت علم کو حق کے پہچاننے اور معلوم کرنے میں استعمال نہ کرے گا تو لامحالہ اس کو باطل اور اس کے لواحقات کے معلوم کرنے میں استعمال کرے گا اور اگر اپنی قوت ارادہ سے حق طلبی اور عمل نیک کا کام نہ لے گا تو کوئی شک نہیں کہ اس کو باطل کی جستجو اور عمل بد میں صرف کرے گا۔ انسان خلقی طور پر اپنے خالق کے ماننے پر بھی مجبور ہے معرفت اور عبادت وہی معتبر اور اس کی طبیعت اپنے خالق کی عبادت اور اس کی ہے جو شریعت کے موافق ہو۔ نزدیک کو بھی بمقتضائے اس فطرت کے جس پر انسان پیدا کیا گیا چاہتی ہے لیکن یہ خلقی معرفت اور طبعی عبادت قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ وہ بمقتضائے نفس و خواہش نفسانی ہو کرتی ہے لہذا وہ شرک کی آمیزش سے خالی نہیں ہو سکتی۔ معرفت اور عبادت وہی معتبر ہے جو شریعت کے موافق ہو نہ وہ جو طبعی ہو۔

کیا تم نہیں جانتے کہ اہلبیت کی طبیعت بھی اسی کی مقتضی تھی کہ اپنے رب کو سجدہ کرے چنانچہ بعض روایتوں میں ثابت ہے کہ اس نے اسی ہزار برس اللہ کی پرستش کی ہے اور کثرت عبادت کی وجہ سے مقرب فرشتوں میں شامل ہو گیا لیکن جب وہ اپنی خلاف طبیعت سجدہ کرنے کے لئے مامور ہوا تو اس نے ازراہ تکبر انکار کر دیا اور کافروں سے ہو گیا اور یہ اس لئے کہ جو شخص اپنی ہوا، نفس اور طبیعت پر کاربند ہوتا ہے تو وہ حسنت میں سے وہی کام کرتا ہے جو اس کی خواہش نفس کے مطابق ہوں، اور اہنی حرام چیزوں کو چھوڑتا ہے جو اس کی مرضی نفس کے خلاف ہوں اور اس بارہ میں بعض متقدمین کا یہ قول ہے کہ جو شخص وہی عمل نیک کرے جو اس کی مرضی کے موافق ہوں اور اہنی اعمال بد کو ترک کرے جو اس کے خلاف مزاج ہوں تو اس کو نہ اس عمل نیک کا ثواب ملے گا اور نہ اس حرام کے ترک کرنے سے وہ عذاب سے بری ہوگا بلکہ

اس کی یہ عادت اُس کے خاتمہ کے بُرے ہونے اور عاقبت کی خرابی کا سبب ہوگی۔

خاتمہ کی خرابی کے اسباب

۱۔ عقیدے کی خرابی | کیونکہ خاتمہ کی خرابی کے بہت سے اسباب ہیں جن سے مومن کو بچنا ضروری ہے منجملہ اُن کے ایک عقیدے کی خرابی ہے خواہ زہد و تقویٰ کیسا ہی اعلیٰ درجہ پر ہو کیونکہ جس شخص کا عقیدہ فاسد ہو اور اپنے اس عقیدہ فاسد پر اتنا یقین کا بل رکھتا ہو کہ اپنی غلطی کا اُس کو گمان بھی نہ ہو تو اُس کو جان کنی کے وقت معلوم ہو جائے گا کہ میرا یہ اعتقاد باطل تھا اور اس بنا پر اگر اس کو اس باطل اور دوسرے حق عقیدوں میں کسی طرح کا امتیاز نہ ہو تو حق عقیدوں کی نسبت بھی یہی خیال ہوگا کہ وہ بھی اس کی طرح باطل اور بے اصل ہیں اور ایک عقیدے کی غلطی ظاہر ہونے سے باقی عقیدے بھی زائل ہو جائیں گے اور پھر اگر اسی حال میں اس کی روح بھی نکل گئی اور وہ اپنے ایمان کو لوٹا کر درست نہ کر سکا تو اس کا خاتمہ خراب ہو کر دنیا سے بے ایمان جائے گا اور اُن لوگوں میں شمار ہو گا جن کی نسبت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "اور اللہ کی طرف سے اُن کو وہ بات ظاہر ہوئی جس کا اُن کو گمان بھی نہ تھا۔" اور دوسری آیت میں فرماتا ہے "کہو کہ آیا ہم تم کو بتادیں کہ کن کے عمل اکارت گئے، وہ لوگ جن کی سعی دنیا میں ضائع ہوئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔"

اور واقعی ہے بھی یوں ہی کہ جو شخص واقع کے خلاف اپنی رائے و عقل سے یا کسی اور سے جس کا خود یہی حال ہو شُن سنا کر کسی بات کا اعتقاد کرے تو وہ اسی اندیشہ میں ہے۔ رہی پرہیزگاری اور نیکی سو وہ اس اندیشہ کو دفع نہیں کر سکتی۔ بلکہ یہ اندیشہ صرف اُس عقیدہ صحیح ہی سے دور ہو سکتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق ہو۔ اس لئے کہ یہی عقائد وہی معتبر ہیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ۲۔ گناہوں پر اصرار | ماخوذ ہوں۔ بُرے خاتمہ کا ایک سبب گناہوں پر اڑا رہنا بھی ہے کیونکہ جو آدمی گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اُس کے دل میں گناہ کی الفت بیٹھ جاتی ہے اور قاعدہ ہے کہ انسان زندگی میں جس چیز سے محبت رکھتا ہے موت کے وقت اُسی کی یاد آجاتی ہے اگر اُس کی توجہ زیادہ تر عبادتوں کی طرف تھی تو اُس کو مرتے وقت اکثر عبادتوں ہی کا خیال رہے گا۔ اور اگر اس کو اکثر گناہوں کی طرف رغبت تھی تو مرتے وقت اُسکو زیادہ تر گناہوں ہی کی یاد آئے گی۔ سو اکثر اوقات مرتے وقت توبہ سے پہلے اس پر کوئی

خواہش نفس یا کوئی گناہ ایسا غالب ہو جاتا ہے کہ اُس کا دل اسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور وہ گناہ اُس کے اور پروردگار کے درمیان پردہ اور آخر زندگی میں اُس کی بدبختی کا سبب بن جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کفر کا قاصد ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا یا کر کے توبہ کر لی ہے سو وہ تو اس خطرہ سے دور ہے رہا وہ شخص جس نے اس کثرت سے گناہ کئے ہیں کہ اُس کی عبادتوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور اُن سے توبہ کی نہیں بلکہ اُنہی پر اڑا رہا تو اُس کے حق میں یہ خطرہ یقیناً بہت بڑا ہے اسلئے کہ بعض اوقات گناہوں سے محبت بڑھ جانا اس بات کا سبب ہو جاتا ہے کہ اُس کے دل میں گناہ کی صورت بیٹھ جاتی ہے اور اسی کی طرف ایک رغبت سی ہو جاتی ہے پھر اسی حالت پر اُس کی روح قبض کی جاتی ہے تو اُس کی یہ حالت اُسکے خاتمہ کی خرابی کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ بات ایک مثال میں یوں سمجھو کہ اس میں تو شک نہیں کہ انسان خواب میں وہی چیزیں دیکھتا ہے جن سے وہ زندگی بھر مالوف رہا ہے مثلاً جس کی عمر علم کے شغل میں گزری ہے وہ علم اور علماء کے متعلق خواب دیکھتا ہے اور جس کی عمر درزی گری میں گزری اُس کو درزی گری اور سلائی کے خواب دکھائی دیتے ہیں اسلئے کہ سونے میں وہی باتیں سامنے آتی ہیں جن سے اُس کے دل کو بلحاظ محبت زیادہ تعلق رہا ہے اور موت اگرچہ سونے سے بڑھ کر ہے لیکن اس کی سکرات اور مرنے سے پہلے جو عیشی وغیرہ ہو جاتی ہے وہ قریب قریب سونے ہی کے ہوتی ہے پس گناہوں سے محبت کی زیادتی اس کی مقتضی ہے کہ مرنے وقت اُن کی یاد اور اُن کا خیال اور اُن کا نقشہ دل میں ضرور آئے اور دل اسی طرف متوجہ ہو جاتے پس اگر اسی حال میں روح قبض ہو گئی تو خاتمہ بُرا ہو گا۔

۳۔ استقامت فی الدین سے منہ پھیرنا | خاتمہ کا ایک سبب استقامت فی الدین سے منہ پھیرنا ہے کیونکہ جو شخص ابتداء میں مقیم رہا پھر اپنی اس حالت سے ہلٹ کر جس طریقہ پر ابتداء میں تھا اُس سے نکل گیا تو یہ اُس کے بُرے خاتمہ کا سبب ہو جائے گا جیسا کہ ابلیس شروع میں فرشتوں کا سردار اور معلم تھا اور سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ کہا جانے لگا کہ ساتوں زمین اور آسمانوں میں اُس نے کہیں بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ چھوڑی تھی جس پر اُس نے سجدہ نہ کیا ہو لیکن جب اُس کو حضرت آدم کے سجدہ کا حکم دیا گیا تو اذراہ بکرا نکار کر کے کافر ہو گیا۔

اور جیسے بلعام بن باعورا جس کو اللہ نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن اُس نے اُن کو چھوڑ کر دنیا میں ہمیشہ رہنے کو اختیار کیا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کر کے

گمراہ ہو گیا۔

اور جیسے برصیصا عابد کہ اُس سے پہلے تو شیطان نے کہا کہ تو کافر ہو جا۔ جب وہ کافر ہو گیا تو کہا میں تجھ سے بری الذمہ ہوں میں اُس خدا سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ شیطان نے پہلے تو اُسے کفر پر ابھارا اور جب کافر ہو گیا تو اُس خوف سے کہ کہیں اُس کے ساتھ میں بھی عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں رات بھی کہنی لیکن اُس سے اُس کو کوئی نفع نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ بڑے خاتمہ کا ایک سبب ضعف ایمان بھی ہے کیونکہ جس شخص کا ضعف ایمانی ایمان ضعیف ہوتا ہے اُس کے دل میں اللہ کی محبت کمزور ہوتی ہے اور دنیا کی محبت اس قدر قوی اور غالب ہو جاتی ہے کہ اللہ کی محبت کا اُس کے دل میں ذرا سا بھی ٹھکانا نہیں رہتا اور اگر ہوتی بھی ہے تو وہ بھی محض ایک نفسانی خیال کی طرح جس کا خواہش نفسانی کے خلاف نہ کوئی پتہ چلتا ہے اور نہ گناہوں سے روکنے اور عبادت کی طرف آمادہ کرنے میں اس کا کوئی تاثر ہوتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شہوتوں اور گناہوں میں پھنسا رہتا ہے جس سے تیزگی روز بروز اُس کے قلب پر بڑھتی جاتی ہے اور نور ایمان کو جو پہلے ہی ضعیف تھا بجھائے جاتی ہے حتیٰ کہ جب موت کی سکرات شروع ہوتی ہے تو اللہ کی محبت جو پہلے ہی سے اُس کے دل میں ضعیف تھی اب ضعیف تر ہو جاتی ہے۔

اور یہ اسلئے کہ وہ دیکھتا ہے کہ دنیا جو اس کی محبوبہ تھی اُس کو جس سے محبت بھی زیادہ تھی اور اُس کا چھوڑنا بھی نہ چاہتا تھا اب اُس سے چھوٹ رہی ہے تو اُس کی جدائی سے رنجیدہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے ڈرتا ہے کہ کہیں بجائے محبت اُس کے دل میں اللہ کی طرف سے بغض نہ آجائے اور وہ تصور ہی محبت بغض نہ ہو جائے۔ پس اگر اس کی روح اسی شش و پنج و گومگو کی حالت میں نکل گئی تو اُس کا خاتمہ بُرا ہوگا۔ اور ہمیشہ کے لئے تباہی میں پڑ جائے گا۔ اور اسی انجام بد کا باعث صرف یہی دنیا کی محبت اور اس کی طرف رغبت اور باوجود ضعف ایمان کے جو خود خدا سے محبت کے ضعف کا باعث ہے دنیا پر خوش ہوتا ہے اور یہ ایک نہایت سخت بیماری ہے جس میں اکثر مخلوق مبتلا ہے۔

کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ جس شخص کے دل میں مرتے وقت دنیا کی باتیں اگر ایسی طرح چھا جائیں اور اُس کے دل میں اُن کی صورت اس طرح بندھ جائے اور ایسا مستغرق کر دے کہ غیر کیلئے گنجائش ہی نہ رہے اور اسی حالت میں اُس کی روح نکل جائے تو اُس کے دل کا

سر دنیا کی طرف جھکا ہوا ہوگا اور منہ اسی کی طرف ہوگا اور اس کے اور اس کے اللہ کے دریاں ایک پر وہ پڑ جائے گا اور یہ ممکن نہیں ہے کہ مرنے کے بعد کوئی ایسی صفت حاصل کر سکے جو اس صفت کو جس کا اس کے دل پر غلبہ ہے دفع کر دے اس لئے کہ قلب پر جو کچھ تصرف ہو سکتا ہے وہ اعمال ظاہری سے ہو سکتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ظاہری اعضاء اور اس کے افعال باطل ہو جاتے ہیں اور نہ پھر دنیا میں آنے کی کوئی امید رہتی ہے کہ اس کا کچھ تدارک ممکن ہو بلکہ حسرت اور ندامت میں پڑا رہے گا۔

پس جو شخص کہ اس ہلاکت سے بچنا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت دور کر کے اپنے ظاہری اعضاء کو گناہوں سے بچائے اور اپنے دل کو گناہ کے خیال سے روکے اور اہل دنیا کے دیکھنے سے بھی پرہیز کرے کہ اس کا بھی قلب پر اثر ہو سکے اور اپنی ساری توجہ اس طرف لگا دے کہ عبادت پر مداومت کر سکے کیونکہ خدا کی محبت کا یہی ثمر ہے کہ اللہ کی محبت اس کو پہچانے بغیر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ انسان اس چیز سے محبت نہیں کیا کرتا جس کو جانتا ہی نہ ہو۔ بلکہ اس سے محبت کرتا ہے جس کو جانتا ہو۔ پس جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ جو نعمتیں مجھ کو یا اوروں کو ملی ہیں وہ اللہ ہی کی طرف سے ہیں تو لا محالہ وہ اس سے محبت کرے گا اور جب اس سے محبت کرے گا تو بڑے کاموں سے بچے اور نیک کاموں میں مشغول رہ کر اس کی رضا جوئی کی کوشش کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علوم اور اعمال سے خدا وانی مقصود ہے تاکہ معرفت سے محبت پیدا ہو اور کسی شخص کو یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ دنیا سے اللہ کے سوا کسی اور کی محبت یا ملاقات کی تمنا لیکر جائے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کا دیدار چاہتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے اور ہر شخص کو اپنے محبوب سے ملکر جتنی ہی زیادہ محبت ہوتی ہے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے دنیا کی محبت یہاں سے ساتھ لیکر جائے کیونکہ اب دنیا چھوٹ رہی ہے اور محبوبانے سے چھوٹنے کا رنج اور تکلیف بہت ہوتی ہے پس جبکہ اولاد اور مال اور زمین اور مکان کی محبت غالب ہوگی تو گویا کہ اس شخص کی تمام پسندیدہ چیزیں دنیا ہی میں ہیں اور یہی اس کی جنت ہے تو ایسی حالت میں اس کا مرنا کیا ہوگا۔ جنت سے نکلنا اور اپنے محبوب سے جدا ہونا ہوگا اور ظاہر ہے کہ محبوب کی جدائی کس درجہ رنج دہ ہوئی ہے۔

لیکن اگر اللہ کے سوا کوئی اور محبوب ہی نہ ہو تو دنیا اس کے حق میں دوزخ ہوگی اور اس کا مرنا گویا دوزخ سے نکلنا اور محبوب سے ملنا ہوگا۔ مرنے کے بعد علاوہ ان دائمی نعمتوں کے جو اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے ہتیا کر رکھی ہیں یا وہ دردناک

مذاب جو ان لوگوں کے لئے بنائے گئے ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور اسی پر شاداں ہیں یہ مذکورہ غم یا خوشی سب سے پہلے پیش آئے گی۔ سلیمان بن عبد الملک کا قصہ ہے کہ جب سلیمان اور ابو حازم کی ایمان افروز گفتگو | وہ بغرض حج مدینہ میں آئے تو پوچھا یہاں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کئی صحابہؓ کو دیکھا ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں ابو حازمؓ ہیں۔ یہ سن کر انکو بلا بھیجا اور جب وہ تشریف لائے تو کہا اے ابو حازم ہم کو موت کیوں بڑی لگتی ہے۔ اپنے فرمایا چونکہ تم نے اپنی دنیا کو آباد کیا اور آخرت کو ویران کئے تم آبادی سے نکل کر ویرانہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ سلیمان نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر کہا یہ تو فرمائیے کہ آخرت میں ہمارا کیا حال ہونے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو کتاب اللہ سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اُسے پوچھا اچھا یہ مضمون ہم کو کس مقام پر لے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ یوں فرماتا ہے نیکو کار جنت میں ہونگے اور بدکار دوزخ میں۔ پھر پوچھا کہ اللہ کی رحمت کہاں ہوگی؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہوگی۔ پھر کہا یہ بتلائیے کہ اللہ کا سامنا کس طرح ہوگا؟ آپ نے جواب دیا کہ نیک لوگ تو اس طرح آئینگے جیسے کوئی بچھڑا ہوا اپنے گھر والوں سے ملتا ہے اور بدکار اس طرح آئیں گے جس طرح بھاگا ہوا غلام اپنے آقا کے پاس آتا ہے۔

یہ سنتے ہی سلیمان رو پڑے یہاں تک کہ ان کی آواز بلند ہو گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے پھر کہنے لگے کہ مجھ کو کچھ نصیحت کیجئے؟ آپ نے فرمایا کہ اس سے بچتے رہو کہ خدا تمہیں ان کاموں کو جن کی اس نے تمکو ممانعت کی ہے کرتے دیکھے اور ان کاموں سے جن کا حکم کیا ہے غافل پائے۔

دسویں مجلس مومن اور مسلم اور مجاہد و مہاجر کے فرق بیان میں

مومن کامل | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ سے لوگوں کی جان اور مال امن میں رہے اور مسلم وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی جان لڑا دے اور مہاجر وہ ہے جو خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن عسکریوں میں سے ہے جس کے راوی فضالہ بن عبید ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن وہ نہیں ہے جو صرف ایمان کا مدعی ہے بلکہ مومن کامل الایمان وہ ہے جس کی امانت اور استقامت ایسی ظاہر ہو کہ لوگ اس سے بے کھٹکے ہوں اور اس بات کا خوف نہ کھاتیں کہ وہ ہم کو قتل کر ڈالے گا یا ظلماً ہمارا مال لے لے گا اور مسلم وہ نہیں

ہے جو صرف دونوں کلمے شہادت کے پڑھتا ہے بلکہ مسلم کامل الاسلام وہ ہے جو کسی مسلمان کو نہیں ستانا نہ زبان سے گالی دیکر نہ غیبت کر کے نہ چغلی کھا کے نہ بہتان باندھ کے نہ ہاتھ سے کسی کو مار کر نہ قتل کر کے نہ ناحق کسی کا مال چھین کر۔

اور سارے اعضاء میں سے خاص زبان اور ہاتھ ہی کی ایذا کو اسوجہ سے ذکر کیا گیا ہے گو ایذا جیسی ہاتھ اور زبان سے ہوتی ہے ویسے ہی اور اعضاء کان آنکھ پیر وغیرہ سے بھی ہوتی ہے اس طرح کہ آدمی دوسرے شخص کے گھر میں جھانکے یا قائل کی مرضی کے بغیر اُس کی بات سُننے پا کسی کی ملک میں اُسکی اجازت کے بغیر داخل ہو، کہ اکثر ایذا ان ہی دونوں سے پہنچتی ہے اور ان دونوں کو جمع اس لئے کیا ہے کہ ہاتھ تو ممکن ہے کہ ضعف یا عدم قدرت کی وجہ سے رُک جائے لیکن جب اُس کے ساتھ زبان کا روکنا بھی شامل کر دیا گیا تو یہ بات متعین ہو گئی کہ ہاتھ کا روکنا اسلام ہی کیلئے ہے اور مجاہد صرف وہ نہیں ہے جو کفار سے محابہ کامل لڑے بلکہ مجاہد کامل وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑے اور اُس کو اللہ کی عبادت پر ابھارے اور گناہ سے روکے اسلئے کہ نفس انسانی کفار سے زیادہ مسلمان کا دشمن ہے اس لئے کہ کفار تو اُس سے دُور رہتے ہیں جن سے لڑنے اور ملنے کا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے اور اُس کا نفس ہمیشہ ہر آن اُس کے ساتھ لگا ہوا اُس سے لڑتا رہتا ہے اور اُس کو نیکیوں اور عبادتوں سے روکتا ہے اور اُس کو گناہوں اور طرح طرح کے فسادات پر ابھارتا رہتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر وقت ساتھ رہنے والے دشمن سے لڑنا دور کے دشمن کی لڑائی سے زیادہ دشوار ہے۔

اس کا شاہد خود خدا تعالیٰ کا یہ قول ہے "انے ایمان والو اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ پہلے پاس والے کفار سے مقابلہ کرو اور جب اُن سے فراغت پالو تو دُور والوں سے لڑو۔ اور مجاہد وہ نہیں جو مکے سے مہاجر کا بل | قبل فتح مکہ مدینہ کو چلا گیا ہو کیونکہ بعد فتح مکہ تو ہجرت کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا تھا بلکہ ہجرت قیامت تک جاری رہی اور وہ اس طرح کہ کفر سے ایمان میں اور دار الحرب سے دارالاسلام میں اور برائیوں سے نیکیوں کی طرف آنے کا نام بھی ہجرت ہی ہے اور یہ باتیں قیامت تک جاری رہیں گی۔ پس کامل مجاہد وہ ہے جو تمام گناہوں کو جو ممنوعات خداوندی ہیں ترک کر دے اور اللہ کے حکموں میں جو خود نیک اعمال ہیں مشغول ہو۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ "مہاجر کامل وہی ہے جس نے اللہ کے منع کئے ہوئے کاموں کو چھوڑ دیا۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں

بیان فرمادیا ہے کہ ہجرت کاملہ اور تمامہ فحش کاموں اور ممتنعات کو چھوڑ دینے اور عبادت اور بندگی میں کوشش کرنے کا نام ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بھی جانتا چاہئے کہ عبادت اور قبولیت عمل کیلئے صحت اعتقاد شرط ہے اور پرستش کی صحت اعتقاد کی صحت پر موقوف ہے کیونکہ ایمان جڑ ہے اور عمل اس کی شاخیں ہیں اور جب بندہ یہ نہ جانتا ہوگا کہ ایمان اور ہدایت کیا چیز ہے تو وہ یہ بھی نہیں جان سکتا کہ کفر اور گمراہی کیا چیز ہے تو ایسی حالت میں کسی بے جانے بوجھے اور بغیر اعتقاد کے عادتاً اس کی زبان سے کلمہ توحید نکل جائیگا اور کبھی کبھی کفر اور کفر اور کفر اس کو مرتد بنا دیں گے اور جس کے اعتقاد کا یہ حال ہو وہ اگر ہزار برس تک بھی روز اور نماز ادا کرتا رہے جب بھی اس کو یہ اعتقاد قیامت کے دن کچھ بھی فائدہ نہ بخشتے گا بلکہ اُس کا انجام دوزخ ہی ہوگا۔

اور جو شخص یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں مسلمان ہوں اُن عقائد ایمانی کے سیکھنے میں غفلت کرے جنکا سیکھنا فرض عین ہے تو ایسے شخص میں دعویٰ ایمان کے سوا خود ایمان کا پتہ بھی نہیں ہوگا اور اس قسم کا ایمان صرف دنیا میں تو مفید ہے کہ اُس سے کفار کی طرح جزیہ نہ لیا جاویگا لیکن آخرت میں اُس کو نیک لوگوں کا درجہ ملنا دشوار ہے کیونکہ بندہ کا صرف زبان سے کلمہ شہادت کہنا اور ایمان کے الفاظ بطور عادت پڑھنا اور اپنے آپ کو بے سمجھے بوجھے مومن سمجھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس کو مومن نہیں بناتا تا وقتیکہ دل سے تمام شرعی احکام کی تصدیق کر کے اُن کا فرمانبردار نہ ہو جائے اور کسی بات میں شک و تردید نہ کرے۔ اور دل میں اس تصدیق اور اطاعت کے پائے جانے کی چند علامتیں ہیں :-

دل میں تصدیق اور اطاعت کے وجود کی علامت | ایک تو یہ ہے کہ دینی امور سے غافل نہ ہو بلکہ دینداروں سے سیکھتے رہنے اور عمل کرتے رہنے سے اسی اصلاح میں کوشاں رہے۔ دوسرے یہ کہ اگر اُس کو کسی امر دینی کی اطلاع ہو تو اگرچہ وہ کتنا ہی حکم سنت اور بیان کر نیوالا کیسا ہی ذلیل و خوار کیوں نہ ہو وہ حکم اس کو نہ تو گراں گذرے اور نہ ہی وہ اس کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ہرکشی کرے بلکہ اُس کو مان لے اور اطاعت کرے۔

تیسرے یہ کہ اُس کی خواہش نفس غالب اور شریعت مغلوب نہ ہو، احکام شرعی میں سے وہی باتیں اختیار کرے جو اُس کے نفس کے موافق ہوں بلکہ ضروری ہے کہ شریعت کو ایسا سمجھے جیسے حاکم اور خواہشات نفسانی کو محکوم تاکہ کسی ایسی بات کو جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا ہے اختیار کرے اور اس میں خود اُس کے مال آبرو و مرتبہ کا نقصان ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کو پرواہ نہ ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی خبر دی ہے کہ کوئی بھی

شخص مومن نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ اُس کی نفسانی خواہش میرے لائے ہوئے احکام کی تابع نہ ہو جائے۔“

پس جس وقت بندہ میں یہ نشا نیاں پائی جائیں تو وہ بیشک سچا مومن ہے اور یہی ایمان ہے بشرطیکہ اس کی بگاڑنے والی کھونے والی تمام باتوں سے جو قلب اور زبان اور دیگر اعضاء سے صادر ہو کر موجب کفر ہوتی ہیں بچتا رہے عذاب ابدی سے بچا بیوالا ہے کیونکہ ایمان کفر کے سوا کسی اور چیز سے زائل نہیں ہوتا اور کفر کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ کفر کی قسمیں | پہلی قسم کفر جہلی ہے اور اس کا سبب دلائل اور آیات کو نہ سننا اور توجہ نہ کرنا اور غور نہ کرنا ہے جیسے عوام کا کفر کہ ان میں سے بہتیرے عقائد ایمانی کو جن کا جاننا فرض ہے نہیں جانتے ہیں بلکہ بعضے تو ایسے ہیں کہ منہ سے تو کلمہ شہادت کہتے ہیں لیکن اُس کے معنی نہیں سمجھتے ہیں اور نہ اللہ اور رسول میں فرق کر سکتے ہیں۔

دو ثمری قسم کفر انکاری ہے اور اس کا سبب یا تو تکبر ہے جیسے فرعون اور اُس کے آدمیوں کا کفر یا ریاست کے تلف ہو جانے یا نہ ملنے کا خوف جیسے ہرقل شاہ روم کا کفر یا مذمت اور شرم کے خیال سے جیسے ابی طالب کا کفر۔

اور تیسری قسم کفر حکمی ہے اور وہ یہ ہے جس کو شریعت نے بے ایمانی کی علامت قرار دیا ہے مثلاً جینو ڈالنا اور بتوں کو سجدہ کرنا یا قابل تعظیم چیزوں کی اہانت کرنا، جیسے قرآن مجید کو کوڑا میں ڈالنا یا علم اور علماء سے یا اور دیگر امور دین سے تمسخر کرنا یا حرام مہین چیزوں کو جن کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہے حلال سمجھنا جیسے زنا و شراب نوشی ان باتوں میں سے جو شخص کسی ایک کا مرتکب ہو اُس کے تمام دینی اعمال سوخت ہو جائیں گے اور اُس کو پھر تجدید نکاح کرنا ہوگی اور اگر قدرت رکھتا ہو تو دوبارہ حج بھی کرنا ہوگا۔ ان گناہوں گناہوں سے توبہ کا حکم کے علاوہ اور گناہ خواہ وہ صغیر ہوں یا کبیرہ اُن کے کرنے سے ایسا نادر ایمان سے خارج نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہو جاتا ہے لیکن نزع کے وقت اگر وہ ان پر اڑا رہا اور توبہ نہ کی تو نہایت اندیشہ کی بات ہے، اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”گناہ کفر کے قاصد ہیں۔“ اس بنا پر ہر مومن پر واجب ہے کہ سب گناہوں سے فوراً توبہ کرے کیونکہ گناہوں سے توبہ کرنا صغیر ہوں یا کبیرہ فی الفور واجب ہے صرف و جوہ کی دلیل تو باری تعالیٰ کا یہ قول ہے ”اے ایمان والو سب کے سب خدا کے سامنے توبہ کرو۔“ اور تیسری قول ”اے ایمان دارو اللہ کے سامنے سچے دل سے توبہ کرو۔“ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں توبہ کا امر فرمایا ہے اور چونکہ امر و جوہ کیلئے ہوتا ہے لہذا توبہ

واجب ہوگی لیکن فوراً واجب ہونا اسلئے ہے کہ تاخیر کرنے سے کہیں وہ اصرارِ حرام جو تباہی کا باعث ہے پیدا نہ ہو جائے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "تباہ ہو گئے تاخیر کرنے والے اور تاخیر کر نیوالے وہ لوگ ہیں جو کہا کرتے ہیں کہ اب توبہ کر لینگے اب توبہ کر لینگے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمام بنی آدم بڑے ہی گناہگار ہیں لیکن سب سے اچھے گناہگار ہیں جو توبہ بھی کر لیتے ہیں" لہذا مومن کو ضروری ہے کہ ہمیشہ توبہ کرتا رہے تاکہ توبہ کرنے والوں میں شامل رہے اسلئے کہ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو گناہ کے بعد توبہ کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس کا حکم کیا ہے اور ان کا مومن نام رکھ کر یہ بیان کیا ہے کہ ان کے لئے کیسی کچھ بخشش اور عزت ہے پس فرماتا ہے "قربیب ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہوں کا کفارہ کر کے تم کو ایسے باغوں میں لیجائے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں" اور ایک آیت میں یوں فرمایا ہے "اور وہ لوگ جبکہ وہ کوئی بیہودہ بات کرتے ہیں یا اپنے ہمتوں پر ظلم کرتے ہیں تو خدا کا ذکر کر کے استغفار کرتے ہیں۔"

اور اللہ کے سوا ایسا کون ہے جو گناہ بخشتے اور وہ لوگ اپنے گناہوں پر اڑے بھی نہیں رہتے ہیں ایسے لوگوں کا بدلہ اللہ کی طرف سے بخشش اور وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ لوگ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور عمل کرنے والوں کیلئے کیا ہی عمدہ اجر ہے پھر یہ بھی بتلا دیا کہ اللہ ان کو اس سبب سے کہ توبہ کر کے گناہوں کی نجاست سے پاک ہو جاتے ہیں دوست رکھتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ "اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں کو" جب یہ بات ہے تو مومن کیونکر توبہ نہ کیا کرے اور کیونکر اس سے الگ رہے لیکن اس کیلئے چار شرطیں ہیں اگر ان میں سے ایک میں بھی خلل پڑا تو توبہ صحیح نہ ہوگی اقل توبہ کیلئے شرائط | توبہ کہ اپنے پہلے کئے ہوئے گناہ پر دل سے شرمندہ ہو و و شرم فوراً گناہ کو ترک کر دے تیسرے یہ کہ آئندہ ایسا کام پھر کبھی نہ کرے عزم مصمم کرے چوتھے یہ کہ توبہ خدا کے خوف کے سوا کسی اور وجہ سے نہ ہو۔

کیونکہ اگر کوئی شخص شراب پینے سے اسوجہ سے نا دم ہو کہ اس سے درد سر ہوتا ہے اور عقل جاتی رہتی ہے اور مال و اسباب خراب ہوتا ہے تو وہ شرعاً تائب نہ کہا جائے گا اور نہ اُس کو وہ ثواب ملے گا جس کا توبہ کر نیوالوں کے لئے وعدہ ہے۔

اور ایسے ہی جو شخص زبان سے استغفر اللہ کہے اور دل اُسکا ویسا ہی گناہ پر اڑا

ہو تو خود اس استغفر اللہ سے شرمندہ ہو کہ توبہ کرنے کی ضرورت ہے اسلئے کہ :-
حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ اپنے ایک شخص کو دیکھا کہ جوں ہی نماز سے فارغ ہوا اُس نے جلدی سے کہا اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ اِسْمَیْرُ حَضْرَتِ عَلِیؑ نے فرمایا کہ اے شخص جلدی جلدی استغفار کہہ جانا جھوٹوں کی توبہ ہے اور تیری یہ توبہ خود توبہ کے قابل ہے۔

اور حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہماری توبہ خود توبہ کے لائق ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بات اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اب اس زمانہ کا تو کیا کہنا جس میں آدمی ظلم پر ہر وقت تلے ہوتے ہیں اور اُس کے حربیں ہورہے ہیں اور اُس سے باز نہیں آئے اور تبلیغ ہاتھ میں لیکر سمجھتے ہیں کہ میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں حالانکہ وہ محض مسخر اپن اور تحقیر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "صرف زبان سے اور اعضاء سے گناہ پر اڑا رہنے والا گویا اپنے پروردگار سے دل لگی کرتا ہے" اور توبہ توبہ کی حقیقت اور قبولیت تو وہی ہے کہ زبان سے مغفرت مانگے اور دل میں بد نیت کرے کہ اب پھر کبھی گناہ نہ کروں گا تو ایسی توبہ جب کوئی کرتا ہے اللہ اس کا گناہ معاف کر دیتا ہے اگرچہ وہ گناہ کیسا ہی بڑا ہوا اسلئے کہ کوئی گناہ کفر سے بڑھ کر نہیں اور خود کافروں کے حق میں اللہ یوں فرماتا ہے جو لوگ کافر ہو گئے ہیں اُن سے کہہ دو کہ اگر تم اپنے کفر سے باز آ جاؤ تو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دئے جائینگے تو پھر اس سے کم درجے کے گناہوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔

اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر تم میں سے کوئی شخص اتنے گناہ کرے کہ زمین سے آسمان تک بھر جائیں پھر توبہ کر ڈالے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے" اور دوسری حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ "بندہ جب گناہ کا اقرار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے تو اللہ اُس کی توبہ قبول کرتا ہے" یعنی اس نے جب اپنے گنہگار ہونے کا اقرار کیا اور اپنے کئے ہوئے گناہ اور اپنی کمائی ہوئی برائیوں سے شرمندہ ہوا اور یہ ارادہ کر لیا کہ پھر ایسا نہ کروں گا تو اللہ اُس کی توبہ قبول کرے گا اور اُس کے گناہوں سے درگزر کرے گا۔ لیکن جاننا چاہئے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک گناہ تو وہ ہے گناہ کی قسمیں جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہے اور دوسرا گناہ وہ ہے جو اُس کے اور بندگان خدا کے درمیان ہے۔ سو جو گناہ کہ اُس کے اور اللہ کے درمیان ہے اُس میں زبان

سے استغفار کرنا اور دل سے نادم ہونا اور یہ ارادہ کرنا کہ اب نہ کروں گا کافی ہے اور بندہ جب ایسی توبہ کرے گا تو وہ اپنی جگہ سے ابھی ہٹا نہ ہوگا کہ اُس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ لیکن اگر اُس کے ذمہ خدا کے کچھ فرغ رہ گئے ہیں تو شریعت صرف توبہ کو کافی نہیں سمجھتی بلکہ بعض کا قضا کرنا مثلاً نماز روزہ وغیرہ اور بعضوں میں کفارہ دینا بھی اسی میں شامل ہے۔ رہے آدمیوں کے حقوق تو وہ جبکہ ہیں اُسی کو دینے ہوں گے اور اگر وہ نہ مل سکے تو اس نیت سے کہ وہ حق اللہ کے یہاں امانت رہیں صدقہ کر دینا لازمی امر ہے کہ خداوند تعالیٰ اہل حقوق کو قیامت کے روز دیدے اور جس کو بسبب اپنی تنگدستی کے حق العباد سے سبکدوشی حاصل کرنے کی کوئی سبیل نہ ہو تو اُس کو چاہئے کہ کثرت سے نیک اعمال کرے اور اکثر اوقات اُن مومنین اور مومنات کیلئے دُعائے مغفرت کرتا رہے جن پر اُس نے ظلم کیا ہے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو خدا سے امید ہے کہ وہ اُس کے مدعیوں کو اپنے لطف و کرم سے قیامت کے دن راضی کر دے گا۔

گیارہویں مجلس افضل ذکر اور افضل دعا کے بیان میں

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ اور سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔

افضل دعا | یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت جابرؓ ہیں اور حدیث میں الحمد للہ کو سب دعاؤں سے افضل اسلئے بتایا گیا ہے کہ دعا بندہ کا اپنے اللہ کو یاد کر کے اُس سے اُس کے فضل کی درخواست کرنے کا نام ہے اور الحمد للہ میں یہ معنی موجود ہیں کیونکہ اس میں اللہ کی یاد بھی ہے اور زیادتی کی دعا بھی ہے کیونکہ الحمد للہ شکر کی جڑ اور شکر کا نہایت عمدہ طریقہ ہے اس واسطے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الحمد للہ شکر کا سر ہے جو بندہ الحمد للہ نہ کہے اُسے گویا خدا کا شکر ہی نہیں کیا اور شکر سے نعمت بڑھتی ہے اسلئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ "اگر تم شکر کرو گے تو میں اور دوں گا" پس جس شخص نے الحمد للہ کہا اُس نے گویا اللہ کی تعریف کر کے اُس سے زیادتی فضل کی درخواست کی۔ اور لا الہ الا اللہ افضل ذکر اتمام ذکر و ذکر میں بہتر اسلئے ہے کہ اس کے معنی میں وہ بات پائی جاتی ہے جو اور ذکروں میں نہیں ہے اور اس معنی کے معلوم ہونے سے گویا مکلف کو وہ سب باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو اللہ کے پہچاننے کے لئے ضروری ہیں یعنی ذات باری کی الوہیت ثابت کرنا اور غیر خدا سے الوہیت کی نفی کرنا اور الوہیت کے معنی میں وہ سب باتیں داخل

ہیں جن کا باری تعالیٰ کے لئے وجوب یا جواز یا جن کی خداوند تعالیٰ سے نفی بندے کو جانتا ضروری ہے اس لئے کہ الوہیت دو معنوں کو شامل ہے ایک یہ کہ اللہ کا تمام ماسوا سے بے نیاز ہونا خدا کی تشریحی اور وجودی صفات | دوسرے یہ کہ ماسوا کا اس کی طرف محتاج ہونا اور اب اس بنا پر کلمہ توحید کے یہ معنی ہونگے کہ کوئی ذات اللہ کے سوا ایسی نہیں ہے جو خود سب سے بے نیاز ہو اور جن کے سب محتاج ہوں اور اُس کی یہ بے نیازی جمع ماسوا سے اُس کے وجود اور قدامت اور بقا کو واجب کرتی ہے لہذا اگر یہ صفات خداوندی کیلئے واجب نہ ہوں تو وہ خود کسی پیدا کر نیوالے کا محتاج ہوگا اسلئے کہ ان صفات میں سے کسی ایک کے نہ ہونے سے بھی اُس کا وجود لازم آتا ہے اور حادث پیدا کرنے والے کا محتاج ہے۔

اور اسی طرح خدا کا تمام برائیوں سے پاک ہونا بھی ضروری ہے اور نقصان سے پاک ہونے میں بھننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کی صفات بھی ضرور شامل ہیں کیونکہ اگر یہ صفات ضروری نہ ہوتیں تو اللہ میں نقص پاتے جاتے اور کسی ایسی چیز کی طرف محتاج ہوتا جو اُس سے ان نقصوں کو دور کرتی۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے افعال و احکام میں اغراض سے پاک ہوا لہذا اگر وہ اغراض سے پاک نہیں تو گویا وہ ایسی چیز کی طرف محتاج ہے جس سے اُس کی غرض حاصل ہو۔

اسی طرح خداوند عالم پر کسی چیز کا کرنا نہ کرنا کچھ بھی واجب نہیں ہے اسلئے کہ اگر اُن میں سے اُس پر کوئی چیز بھی واجب ہو تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ اپنے کامل ہونے کے لئے اُس شے کی طرف محتاج ہے اس لئے کہ خدا پر وہی صفات واجب ہیں جو اُس کے لئے کمال ہیں۔

رہا کل ماسوا کا اُس کی طرف محتاج ہونا تو یہ خداوند تعالیٰ کے لئے قدرت اور علم اور ارادہ اور حیات کو لازم کرتا ہے کیونکہ اگر اللہ کے لئے یہ صفات لازم نہ ہوں تو وہ عالم امکان کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا اسی طرح اُس کے لئے وحدانیت بھی واجب ہے کیونکہ اگر اللہ کے لئے وحدانیت کی صفت ضروری نہ ہو بلکہ اُس کی خدائی میں کرئی اور بھی شامل ہو تو اُن دونوں کے عجز کی وجہ سے اس کی طرف کوئی چیز محتاج نہ ہوگی اور چونکہ تمام چیزیں اُسکی طرف محتاج ہیں اس لئے لازم آتا ہے کہ کل عالم حادث ہوا لہذا اگر کوئی چیز قدیم ہوگی تو وہ خدا سے بے نیاز ہوگی اور اُس کی طرف اُسے کچھ حاجت نہ ہوگی۔ اور اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ مخلوقات میں سے کسی چیز کو کسی اثر میں

کوئی دخل نہیں اس لئے کہ اگر مخلوقات میں سے کوئی چیز کسی اثر میں کوئی تاثر رکھتی ہوگی تو وہ اثر اللہ کا محتاج نہ ہوگا بلکہ بے نیاز ہوگا۔ اس تقریر کی رو سے واضح ہوا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ گویا یہ کہتا ہے کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی واجب الوجود ہے نہ کوئی قدیم اور باقی ہے اور نہ تمام ممکنات کے پیدا کرنے پر کوئی قادر ہے اور نہ معلومات غیر تنہا ہی کا کوئی عالم ہے نہ کوئی تقاضے سے بڑی ہے نہ اپنے افعال و احکام میں اغراض سے پاک ہے نہ کسی مخلوق میں کوئی مؤثر حقیقی ہے اسی طرح اور تمام وہ صفات جو اللہ کے لئے واجب یا محال یا جائز ہیں کوئی ان میں خدا کا شریک نہیں اس سے ظاہر ہوا کہ توحید کے معنی سمجھنے معرفت الہی پر موقوف ہے توحید کے معنی سمجھنے کے اور اللہ کی معرفت ایسی ظاہر نہیں ہے کہ لوگ بدابہتہ سمجھ لیں جیسا کہ ایک لئے فکر و نظر ضروری ہے کو دو کا آدھا سمجھتے ہیں، بلکہ محض استدلال یعنی دلیل پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے لہذا نظر واجب ٹھہری اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے "کہدو کہ دیکھیں آسمان اور زمین میں کیا ہے اور جو شخص غور نہ کرے گا وہ گنہگار ہوگا اس لئے کہ خدا نے انسان کو عقل کی نعمت اسی واسطے دی ہے کہ اُس کے وجود اور قدامت اور وحدت اور تمام اُن صفات پر جن پر اُس کے افعال دلالت کرتے ہیں جیسے قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات ان سب پر دلالت کرے اور اگر استدلال نہ کرے گا تو گویا اُس نے نعمت عقل کا شکر یہ نہیں ادا کیا جس سے وہ گنہگار ہوگا اور اللہ کے اختیار میں ہوگا چاہے یوں ہی بخش کر بلا عذاب جنت میں داخل کر دے اور چاہے نہ بخشے اور بڑھ کر گناہ عذاب دیگر جنت میں داخل کرے۔

لہذا اس بنا پر ہر مومن پر واجب ہے کہ معرفت الہی میں کوشش کیا کرے تاکہ اس کو کلمہ توحید کے معنی سمجھنا آسان ہوں اور یہی کلمہ توحید جنت کی قیمت اور عذاب ابدی سے رہائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور علماء نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس کے معنی سمجھنا ضروری ہے ورنہ محض زبان سے کہنے میں عذاب ابدی سے بچنے کیلئے کوئی فائدہ نہیں اسلئے کہ اس کی فضیلت صرف زبان بلانے سے نہیں ہے چاہے اس کے معنی دل میں خاک بھی نہ سمجھے، بلکہ اُس کی فضیلت اس سبب سے ہے کہ اُس کے معنی معرفت الہی کے ذریعہ دل سے حاصل ہوں اور معرفت الہی سے مراد یہ نہیں ہے کہ ذات الہی کو معلوم کرے، اس لئے کہ ذاتِ معرفت الہی سے مراد الہی کو تو بشر جان ہی نہیں سکتا بلکہ مراد یہ ہے کہ صرف یہ جانے کہ کون سے صفات خدا کیلئے ضروری ہیں اور کون محال ہیں اور کون اس کیلئے جائز ہیں تاکہ کلمہ گو کو یہ معلوم ہو سکے کہ کس صفت کی اُس سے نفی کیے اور کس کو اُس کیلئے ثابت کرے

اسلئے کہ کلمہ تو اثبات و نفی دونوں سے مرکب ہے یعنی اللہ کے سوا ہر فرد کو حقیقت اللہ کے افراد میں سے نفی کرنا اور اس میں سے صرف ایک فرد یعنی اللہ تعالیٰ کو ثابت کرنا اور اللہ کے معنی واجب الوجود اور مستحق عبادت کے ہیں اور یہ معنی کلی ہیں۔ لیکن یہ ہے کہ محض اپنے معنی کے لحاظ سے افراد کثیر پر صادق آسکے لیکن دلیل قطعی اس پر وال ہے کہ اس میں تعدد و محال ہے اور یہ ذات الہی کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ اور اس کی دلیل عالم کا حدوث و وجود اللہ اور اس کی صفات پر تکوینی دلائل ہے اسلئے کہ عالم حادث ہونے کی وجہ سے ایک محدث کا محتاج ہے اور اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ایک پیدا کرنے والا بھی ضرور ہے جو قدیم یکتا موصوف بقدرت و ارادہ و حیات و علم ہے کیونکہ اگر وہ قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو وہ خود کسی محدث کی طرف محتاج ہو گا جس سے دور و تسلسل لازم آئے گا اور یہ دونوں محال ہیں۔ اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو ان میں باہم روک ٹوک ہوگی جس سے عالم کا وجود ہی نہ ہو سکے گا اور اگر قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات سے منصف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا اس لئے بغیر قدرت کے ایجاد نہیں ہو سکتی اور کسی شے کو پیدا کرنے کی قدرت اسی وقت کام کرتی ہے جب ارادہ بھی ہو اور ارادہ علم پر موقوف ہے۔ کیونکہ کسی شے کے پیدا کرنے کا قصد بغیر اس کے علم کے محال ہے اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات پر موقوف ہے کیونکہ اس کے لئے حیات شرط ہے پس اس تقریر کی رُو سے عالم کا وجود بلکہ اس کے ہر ہر جز کا وجود اللہ کے وجود اور اس بات پر کہ وہ قدیم یکتا اور چاروں صفات مذکورہ سے منصف اور ان صفتوں کے برعکس صفات کے اس کیلئے محال ہونے پر یقینی دلیل ہے۔

اور اسی وجہ سے بعض موجد اثر سے مؤثر پر استدلال کر کے کہتے تھے کہ ہم نے کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھا کہ اُس کے بعد ہی خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ عالم کا ہر ہر جز جو بوجہ اپنے حادث ہونے کے اپنے موجد اور مرتبی کا محتاج ہے ہمیشہ ایسے کلام سے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز یہ کہتا رہتا ہے کہ اُس کا ایک موجد ہے جو قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ علیم اور حی ہے سننے والے اُس کی باتیں سنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سن سکتے جن کی سماعت بیکار ہے اور اس جگہ سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ کلام سنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی۔ وہ سمع ظاہری مراد نہیں جو صرف آوازیں سن سکتی ہیں اور جس

مہ کلی اس مفہوم کو کہتے ہیں کہ اگر کوئی خیال ہمارے ذہن میں آئے تو وہ اگر ایک سے زیادہ پر صادق آسکے تو کلی ہے جو جزئی جیسے انسان کا خیال کہ جتنے آدمی دنیا میں پائے جاتے ہیں سب پر صادق ہو سکتا ہے بخلاف جزئی کے جیسے زبیر کی یہ خیال جس وقت ہمارے ذہن میں آتا ہے تو اُس شخص کے سوا جس کا نام زبیر سے کسی اور پر صادق نہیں آسکتا۔ ۱۲

میں انسان اور چوپائے سب شریک ہیں۔ اس لئے کہ اُس چیز کی قدر ہی کیا جس میں انسان اور چوپائے سب برابر ہوں۔ اور حاصل یہ ہے کہ آدمی عقل سے صرف وہی صفات جان سکتا ہے صفات باری پر نقلی و عقلی دلائل جن پر اُس کے افعال موقوف ہیں اور جن پر اُس کے افعال موقوف نہیں ہیں مثلاً سمع اور بصر اور کلام سوان کے ثبوت کیلئے کبھی عقل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقل سے۔ عقلی دلیل تو یہ ہے کہ وہ صفات کمال ہیں اور اُس کی ضدیں نقصان کی صفات ہیں اور صفات کمال سے اللہ کا موصوف ہونا اور صفات نقصان سے پاک ہونا اللہ کیلئے واجب ہے پس اُن صفات سے اللہ کا موصوف ہونا بھی ضروری ہے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت سے اُن کا ثبوت خدا کیلئے صراحتاً ثابت ہے پس اُن کے ثبوت کا یقین کرنا واجب ہوا۔

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی و عقلی سے بہتر ہے اس لئے کہ اُن صفات پر افعال الہی موقوف نہیں ہیں جن سے اُس کے ثبوت پر استدلال کیا جاسکے اور ذات باری کسی کو معلوم نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ صفات اللہ کے حق میں کمال کی صفات ہیں تاکہ اس کا موصوف ہونا ضروری ہو کہ اگر اُن سے متصفیت ہو تو لازم آئے گا کہ اُن کی ضدوں سے موصوف ہو۔ اور ان صفات کو کمال کہنا ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ جو صفات ہمارے لئے کمال ہوں وہ اللہ کے لئے بھی کمال ہوں کیا تم نہیں دیکھتے کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے صفات کمال ہیں لیکن اللہ کے لئے عوارض جسمانی ہونے کی وجہ سے محال ہیں۔

اور اس بنا پر ان صفات کو اللہ کے واسطے ثابت کرنے کیلئے اُن انبیاء کے بیان سے دلیل نقلی تلاش کرنا چاہئے جن میں سے ہر ایک کی سچائی اور امانت اور ثبوت ایسے معجزہ سے ثابت ہو چکی ہو جو خداوند عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرا رسول جو کچھ میری طرف سے تبلیغ کرے خواہ اُس کی تبلیغ قول سے ہو یا فعل سے یا سکوت سے سب سچ ہے۔

معجزہ کی حقیقت اسلئے کہ معجزہ اللہ کی طرف سے اپنے رسول کے حق میں عملی تصدیق ہے کیونکہ معجزہ خداوند تعالیٰ ہی کا ایک خلاف عادت فعل ہے جو اپنے رسول کے دعویٰ رسالت میں صریح قولی تصدیق کے قائم مقام ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کا دعویٰ رسالت کے وقت رسول کے ہاتھ پر کسی خارق حادث امر کا ظاہر کرانا گویا یوں فرمانا ہے کہ میرا رسول میری طرف سے قولا یا فعلاً یا سکوتاً جو کچھ بیان کرتا ہے سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ اگر ایک شخص بادشاہ کی مجلس میں ایک جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں بادشاہ کا ایلیچی ہوں جس لئے مجھ کو یہ یہ احکام

دیکر تمہاری طرف بھیجا ہے اس پر اگر لوگ اُس سے اُس کی سچائی کی دلیل مانگیں اور وہ یہ کہے کہ میری سچائی کی دلیل یہ ہے کہ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف اپنی جگہ سے تین دفعہ کھڑا ہوا اور بیٹھے اور بادشاہ اُس کے کہنے سے ایسا کر بھی لے تو کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اُن لوگوں کے حق میں جنہوں نے خود بادشاہ کا یہ فعل دیکھا ہو یا اگر خود نہ دیکھا ہو تو اُن کو اس واقعہ کی خبر پڑے تو اتر پہنچی ہو اس صریحی قول کے قائم مقام اور علم بدیہی کا مفید ہے کہ بادشاہ کہے یہ شخص میری طرف سے جو کچھ کہتا ہے سب سچ ہے۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہ مثال اس معنی کو رسول کے حق میں بالکل مطابق ہے کہ اُن کے معجزے سے بھی اُن کی سچائی کا علم تمام اُن لوگوں کو حاصل ہو جاتا ہے جنہوں نے خود معجزہ کو دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے لیکن بطریق تواتر لوگوں سے سنا ہے اور جب معجزہ کے ذریعہ سے اُن کی سچائی ثابت ہو گئی تو جو احکام وہ اللہ کی طرف سے لائے ہیں اُن میں اُن کی تصدیق کرنی ضروری ہے اور انبیاء میں سب سے افضل ہمارے نبی اور سردار محمد افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام فرما نبرواری اور نافرمانی کا انجام دنیا کے پاس بھیجا ہے کہ آپ تمام اہل دنیا کو اللہ کے امر و نہی اور وعدہ و وعید بتلا دیں اور اُن کی اس قدر کثیر معجزات سے تائید کی ہے جن کا کوئی شمار نہیں تاکہ لوگ اُن کی تصدیق کریں پس تمام روتے زمین کے لوگوں پر واجب ہے کہ جو کچھ انہوں نے خبر دی ہے اس کو سچ جانیں اور جو حکم انہوں نے دیا ہے اُس میں اُن کی فرمانبرداری کریں اور جن باتوں سے منع کیا ہے اُن سے باز رہیں۔ لیکن جس نے اُن کی باتوں کو سچ جانا اور ان کے حکم کی فرمانبرداری نہ کی اور منع کی ہوئی باتوں سے باز نہ رہا تو وہ ان لوگوں میں شمار ہو گا جن کی نسبت خداوند کریم قرآن مجید میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ یوں فرماتا ہے "وہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

اس آیت میں اللہ نے اُن کو چوپایوں سے صرف اس وجہ ہی سے تشبیہ نہیں دی ہے کہ اُن کی عقلیں دنیاوی اسباب کی طرف متوجہ اور انہی پر جم کر رہ گئی ہیں اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں جو اُن کے کانوں میں چڑتی ہیں نہ کچھ غور کرتے ہیں اور نہ اُن کی طرف کچھ توجہ کرتے ہیں بلکہ اُن کو چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ کہا ہے اس لئے کہ چوپائے حتی الامکان اپنا نفع نقصان پہچانتے اور اپنے نفع کی چیز تلاش کرنے اور نقصان کی چیزوں سے بچنے میں کوشش کرتے ہیں اپنے مالک کے تابع ہوتے ہیں اور اپنے

ساتھ بھلائی برائی کر نیوالوں کو پہچانتے ہیں۔

اور یہ لوگ ایسے بھی نہیں ہیں کیونکہ یہ تو اپنا نفع نقصان بھی نہیں سمجھتے بلکہ نقصان کے حاصل کرنے میں حتی الامکان کوشش کرتے ہیں اور نفع کے کاموں سے بچتے ہیں اور اپنے پروردگار اور خالق و رازق کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور نہ اُس کے احسان کو سمجھتے ہیں، اور دروناک عذاب کی طرف تو دوڑے چلے جاتے ہیں لیکن دائمی عیش کی طرف نہیں آتے اور اُن لوگوں میں سے ہوئے جاتے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جانتے ہیں ظاہری جیسا دنیا کو اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔"

یعنی یہ لوگ اسی ظاہری حقیر و ذلیل دنیا اور اُس کی ظاہری شان و شوکت اور اور اُس کے اُن حالات کو جو اُن کی شہوت کے موافق اور خواہش نفس کے مناسب ہیں جانتے ہیں لیکن آخرت سے جو مقصدِ اعلیٰ اور سب سے بڑا مدعا ہے اور نہ اپنے دل میں ایسے خیالات لاتے ہیں نہ اُن باتوں میں غور و فکر کرتے ہیں جن سے آخرت کی معرفت حاصل ہو۔

اسلئے کہ آخرت کی باتوں کا جاننا وجودِ الہی کے پہچاننے اور اُس کی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور یہ علم اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتا تا وقتیکہ مصنوعات پر نظر اور غور نہ کرے اور اُن کے تغیرات سے اُن کے حدوث اور ایسے موجد کے وجود پر استدلال نہ کرے جو قدیم و احد متصف بقدرت و ارادہ و علم اور حیات ہو۔ اور اُن لوگوں نے اپنی نظر چوپایوں کی طرح صرف ظاہری حقیر چیزوں ہی تک محدود کر لی ہے اور اللہ کی عجیب صنعتوں پر غور ہی نہیں کرتے تاکہ اُن سے اللہ کی ہستی اور قدامت اور قدرت اور علم اور ارادہ اور حیات پر استدلال کر کے معلوم کرتے کہ آخرت کی جن باتوں کی خبر دی گئی ہے سب ہونیوالی ہیں اور ضرور ہونگی اور جس وقت ہونگی اُس وقت بندے اپنے اعمال نیک و بد کے لحاظ سے دو گروہ ہو جائیں گے، ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا دوزخ میں۔

ہماری دعا خدا کے حضور میں یہ ہے کہ ہم کو جنت میں نیک لوگوں کے ساتھ رکھے اور بدکار دوزخیوں میں نہ کرے۔

بارہویں مجلس میں بیان میں کہ سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے قیامت کے دن کون کامیاب ہوگا

آنحضرت کی نعمتوں کے پتے | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ میری شفاعت
خلوص اور اخلاص شرط ہے | سے قیامت کے دن وہ شخص کامیاب ہوگا جو سچے دل سے لا الہ الا
اللہ کہے | یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اس کے راوی
ہیں اور اسی کے قریب زید بن ارقمؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص
خلوص سے لا الہ الا اللہ کہے جنت میں داخل ہوگا | حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں
حدیثوں میں موعودہ نعمتیں حاصل کرنے کے لئے کلمہ گوئیوں کے لئے خلوص و اخلاص کی شرط
لگائی ہے اور خلوص اور اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر اور باطن یکساں ہو پس جو شخص لا الہ
خلوص اور اخلاص کے معنی | الا اللہ کہتا ہو لیکن اُس کا ظاہر و باطن یکساں نہ ہو تو اُس میں کچھ
بھی خلوص اور اخلاص نہیں بلکہ اُس کا خلوص اور اخلاص اُس وقت سمجھا جائے گا جبکہ یہ
کلمہ اس کو گناہوں سے باز رکھے اور اطاعت پر آمادہ کرے۔ اور اگر گناہوں سے باز نہ رکھا
اور عبادت پر آمادہ نہ کیا تو اس میں خلوص اور اخلاص نہیں اور ڈر ہے کہ یہ کلمہ کہیں اُس کی
زبان پر بطور مانگی ہوئی چیز کے نہ ہو کہ چھین جائے۔ کیونکہ جو شخص کے دل میں عروہ ایمان کی
اعمال میں مسلسل کوتاہی سے | جڑ یعنی کلمہ ہو اور وہ نیک اعمال میں کوتاہی کرتا رہے اور
زوال ایمان کا خطرہ ہے | گناہوں پر اڑا رہے تو ممکن ہے کہ اُس کے ایمان کا درخت
شیطانی وسوسوں کی تیز ہواؤں کے صدمہ سے جو اُس کو ہلاتی رہتی ہیں اُکھڑ جائے اسلئے
کہ ہر وہ ایمان جبکی جڑ اچھی طرح دل میں نہیں بیٹھی ہے اور نہ شاخیں تمام جسم میں پھیلی ہیں
اور نہ ابھی اُس میں کچھ پھل لگا ہے ملک الموت کے ظاہر ہونے کے وقت قائم نہ رہے گا
بلکہ اُس کے زوال کا خوف ہے اور ایمان کی جڑ دل میں جھبی بیٹھتی ہے اور اس کی شاخیں
اعضار میں جھبی پھلتی ہیں اور پھل جھبی لگتا ہے جبکہ ہمیشہ ہر گھڑی اُس کو عبادت کے پانی سے
سینچتا رہے یہاں تک کہ وہ خوب مضبوطی سے جڑ پکڑ جائے اور شاخیں پھیل جائیں اور پھل
نکل آئیں۔ اور یہ بات خاتمہ ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے اور اس قول کی اصلیت جیسا کہ علوم
انسان کا خاتمہ انہی اعمال پر ہوتا ہے جن | عقلی سے ثابت ہے یہ ہے کہ ایک کام کو بار بار کرنے
سے زندگی میں اُسکو زیادہ رگڑ ہوتا ہے | سے طبیعت میں ایک مضبوط ملک پیدا ہو جاتا ہے پس

جو شخص گناہوں پر اڑا رہتا ہے اُس کے دل میں گناہوں کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور جس چیز سے انسان کو اپنی زندگی میں محبت ہوتی ہے مرتے وقت بھی اسی کی یاد آتی ہے۔ پس اگر زیادہ رغبت عبادت کی طرف ہوتی ہے تو مرتے وقت زیادہ تر عبادتوں ہی کی یاد آتی ہے اور اگر زیادہ تر گناہوں کی طرف رغبت ہوتی ہے تو مرتے وقت بھی زیادہ تر گناہوں ہی کی یاد آتی ہے اور اکثر اوقات روح بھی ایسے ہی وقت میں قبض ہو جاتی ہے جبکہ گنہگار کے دل میں کسی شہوت یا گناہ کا غلبہ ہوتا ہے اور اُس کا دل اُس سے پھنس جاتا ہے اور خانہ کی خرابی کا سبب ہو جاتا ہے۔

اور جس شخص کے گناہ عبادتوں سے زیادہ ہوں اور توبہ بھی نہ کی ہو بلکہ گناہوں پر اڑا رہا ہو اور اُس کا دل اُن ہی باتوں سے خوش بھی ہو تو یہ اندیشہ اُس کے حق میں بہت ہی بڑا ہے کیونکہ بعض وقت غلبہ محبت کے باعث گناہ کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے اور نفس بھی اسی طرف مائل ہو جاتا ہے اور پھر اسی حالت میں روح قبض ہو جاتی ہے اور یہی انجام بد ہے اور جس نے گناہ کیا ہی نہیں یا کر کے توبہ کر ڈالی ہو وہ اس خطرہ سے بالکل محفوظ ہے اسلئے ہر مسلمان پر لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد ضروری ہے کہ جو عبادتیں واجب ہیں اُن کو ادا کرتا رہے اور اپنی زبان اور تمام اعضاء کو گناہوں سے روکے۔

اسلئے کہ بہترے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن اُن کے اعمال بد کے باعث آخر عمر میں یہ کلمہ اُن سے چھین لیا جاتا ہے اور دنیا سے لے ایمان جاتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی کہ ایک شخص کا نام تمام عمر تو مومنین میں رہا ہو لیکن مرنے کے بعد اُس کا نام آخرت میں کافروں کی فہرست میں ہو جائے۔

اُس شخص پر کچھ افسوس نہیں جو ثب خانہ سے نکل کر جہنم میں جائے افسوس تو اُس پر ہے جو مسجد سے نکل کر اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے۔ کیونکہ آدمی آدمی بلحاظ ایمان دو قسم کے ہیں | بلحاظ ایمان دو قسم کے ہیں۔ بعضوں کا ایمان تو بطور عاریت ہوتا ہے کہ پھر چھین جائے گا اور بعضوں کا ایمان بخشش ہے کہ واپس نہ لیا جائے گا اور اسکی شناخت یہ ہے کہ جس شخص کا ایمان گناہوں سے روکے اور عبادت پر آمادہ کرے اُسکا ایمان تو عطاء الہی ہے اُس سے چھینا نہیں جائے گا لیکن جس کا ایمان نہ گناہوں سے روکے اور نہ عبادتوں پر آمادہ کرے اُس کا ایمان عاریت ہے اور اُس سے چھین لیا جائے گا کیونکہ اگوا اسکا ایمان صحیح و خالص ہوتا تو اُس کو گناہوں سے روکتا اور عبادتوں پر ابھارتا لیکن جبکہ اُس نے گناہوں سے نہ روکا اور عبادت پر نہ ابھارا تو معلوم ہوا کہ اُس کا دل جو ایمان کا گھر ہے، بیمار ہے۔ کیونکہ

دل کی بیماری اور اُس کا علاج | کیونکہ دل کبھی کبھی بیمار بھی ہو جاتا ہے اور پھر اُس کا مرض بڑھ بھی جاتا ہے لیکن مریض کو بوجہ غلبہ ہوا ہو سکتا ہے اور کبھی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات اُس کا دل تک مرجانا ہے لیکن مریض کو اُس کی بھی خبر نہیں ہوتی۔

دل کے مرجانے کی یہ شناخت ہے کہ گناہوں کے زخم سے اُسے کچھ درد نہ ہو کیونکہ دل جب تک زندہ رہیگا اُس کو جتنی جان ہوگی اسی قدر گناہوں کے زخموں سے اذیت ہوگی۔ اور بعض اوقات اُس کو اپنی دل کی بیماری کی خبر بھی ہو جاتی ہے لیکن دوا کی تلخی کو برداشت نہ کر کے اُس پر صبر نہیں کرتا ہے، اور درد کے باقی رہنے کو بمقابلہ مشقت دوا گوارا کر لیتا ہے کیونکہ اُس کا علاج تو ہوا ہو سکتا ہے اور نفس کی مخالفت نہایت سخت کام ہے حالانکہ اُس کیلئے اس سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔

سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ تیری ہوا ہو س تیری بیماری ہے اگر تو نے اُسکی مخالفت کی تو یہی تیرا علاج ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہوا ہو س کا چھوڑ دینا جنت کی کنجی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو ہوا ہو س سے باز رکھا تو جنت ہی اُس کا ٹھکانا ہے۔ پس نیک بخت وہ ہے جو اپنے ہوائے نیک بخت اور بد بخت | نفس کی مخالفت کرے اپنے مولا کی اطاعت کرے۔ اور بد بخت وہ ہے جو اپنے ہوائے نفس کی پیروی کرے اپنے مولا کی مخالفت کرے۔ کیونکہ خواہش نفس کی پیروی دین کے لئے زہر قاتل اور ہلاک ابدی کا اُس روز باعث ہوگا جس دن مال اور اولاد کچھ کام نہ آئینگے سوائے اُس کے جو اللہ کے پاس تندرست دل لیکر آیا ہے۔

پس جبکہ اس دنیا سے فانی میں بلاکت سے ڈرنے والے کو یہ لازم ہے کہ ہر حال میں زہر اور دوسری مہلک چیزوں سے بچتا رہے تو جو شخص بلاکت ابدی سے ڈرتا ہو اُس پر تو بدرجہ اولیٰ یہ فرض ہے کہ ہر حال میں گناہوں سے بچتا رہے جو دین کے لئے زہر ہیں کیونکہ ان زہروں سے آخرت کے فوت ہو جانے کا ڈر ہے جس کے مقابلے میں عمر دنیا کا کئی گنا سوین حصے کے برابر بھی نہیں ہے کیونکہ زمانہ آخرت کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے اور آخرت ہی میں دائمی عیش اور بڑا ملک ہے اور اُس کے فوت ہو جانے میں دوزخ کی آگ اور دردناک عذاب ہے پس تو بہ اور استغفار میں اس سے پہلے کہ گناہوں کے زہر ایمان کی روح میں اپنا کام کر جائیں بہت جلدی کرو کیونکہ اُس وقت نہ پرہیز اور علاج سے کچھ فائدہ ہوگا اور نہ تاصحوں کی نصیحت اور واعظوں کے وعظ سے کچھ نفع ہوگا اور یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ ایسا شخص کافر ہے اور اللہ کے اس عام قول کے تحت میں شامل ہو جائے گا "ہم نے اُن کی گردنوں میں طوق ڈالے ہیں جو ٹھوڑیوں

تک ہیں پس وہ نمرال رہے ہیں اور اس دھوکے میں نہ آجانا کہ ہم مومن ہیں اور اس آیت میں اصل ایمان سے محرومی کا خطرہ | کافر مراد ہیں۔ اسلئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ زانی زنا نہیں کرتا۔ در آل حایکہ وہ مومن ہو یہاں حضور سرور کائنات نے اُس ایمان کی نفی مراد نہیں لی جو اللہ اور ملائکہ اور کتب الہی اور پیغمبروں کے جاننے کا نام ہے کیونکہ اس ایمان کے زنا اور دیگر گناہ منافی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان جو اس امر کے یقین کرنے کا نام ہے کہ زنا اور باقی تمام گناہ اللہ سے دور کرنے اور غضب الہی کا باعث ہیں سب ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص اُس اصل ایمان کی شاخ سے محروم ہو گیا وہ خاتمہ کے وقت اصل ایمان سے بھی محروم ہو جائیگا حتیٰ کہ بعض علمائے نے کہا ہے کہ گنہگار کا پرہیزگار سے یہ کہنا کہ میں بھی تیری طرح مومن ہوں ایک حکایت | ایسا ہی ہے جیسے کہ کدو کے درخت نے صنوبر کے درخت سے کہا کہ میں بھی تیری طرح ایک درخت ہوں اور صنوبر نے اُسکے جواب میں کیا خوب کہا ہے کہ ٹھہرو اپنا حال جس وقت خزاں کی ہوائیں چلیں گی اور تمہاری جڑیں اکھڑ جائیں گی اور پتے اڑتے پھریں گے اُس وقت معلوم ہوگا اور اپنے غرور کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جو محض درخت کے نام میں شرکت اور درختوں کے قیام کے ذرائع سے بخبری کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح گنہگار کو عنقریب جبکہ موت کی ہوائیں چلیں گی اور جان کنی شروع ہو گی اپنا حال معلوم ہوگا اور اپنے اس غرور کا حال کھلے گا کہ باوجود صرف نام کا مومن ہونے اور ایمان کے قائم رہنے کے اسباب سے بے خبر ہونے کے ایک پرہیزگار کی برابری کرنا تھا۔ حسرت اور ندامت کا وقت | اور یہ ایسی بات ہے کہ خاتمہ ہی کے وقت ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ بعض مشائخ کا مقولہ ہے کہ جب ملک الموت بندہ کو ظاہر ہوتے ہیں تو بندہ جانتا ہے کہ اب میری عمر کچھ باقی نہیں رہی تو اُس وقت اُس کو اس درجہ حسرت اور ندامت ہوتی ہے کہ اگر اُس کے قبضے میں تمام دنیا بھی ہوتی تاہم وہ اُسکو صرف اسلئے خرچ کر دیتا کہ صرف ایک گھڑی عمر اور بڑھ جائے کہ اپنی بدعنوانیوں کا تدارک کرے لیکن اُس کی کوئی سبیل نہ پا کر بے کار مضر چیزوں میں عمر ضائع کرنے پر رنج و افسوس و ندامت کے گھونٹ پی کر رہ جائے گا اسی حالت میں اُس کی روح نکلتا شروع ہو جائے گی اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اور وہ حسرت و ندامت کرتا رہ جائے گا اسی واسطے اللہ فرماتا ہے اُن لوگوں کی توبہ توبہ نہیں جو گناہ کرتے رہتے کت افسوس ملنے والے نادم لوگ | ہیں اور جب کسی ایک کو موت آگئی تو کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں بلکہ توبہ تو انہی کی ہے جنہوں نے جہالت سے گناہ کئے پھر قریب ہی توبہ کر لی۔ اور قریب سے مراد وہ وقت ہے جو گناہ سے قریب ہو کہ اُس گناہ پر فوراً نادم ہو کر اس سے پہلے

کہ گناہ کی تاریکی دل پر چھا جائے اور مٹائے نہ مٹے کسی نیکی سے اُس کا اثر مٹایا اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بوائی کے بعد ہی کوئی نیکی بھی کر لے کہ یہ نیکی بُرائی کے اثر کو مٹا دیگی۔ لہذا ان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا ہے کہ ”اے بچے توبہ میں کبھی دیر نہ کرنا اس لئے کہ موت بیکایک آجاتی ہے سو جو شخص جلد توبہ نہیں کرتا اور اب اور تب پر ٹالنا رہتا ہے کبھی موت اتنی جلدی آجاتی ہے کہ اُس کے مٹانے کی مہلت ہی نہیں ملتی۔“

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ”موت لوگ تباہ ہو گئے۔“ موت وہ ہے جو کہتا ہے اب توبہ کر لو نگائب توبہ کر لوں گا اور ایسا شخص ہلاک ہو گا کیونکہ اُس نے اپنے کام کی بنیاد ایسے باقی رہنے پر رکھی جو اُس کے اختیار میں نہیں۔ ممکن ہے کہ اُس کو بقا ہی نصیب نہ ہو اور اگر نصیب ہوتا ہے جیسا کہ وہ گناہ آج نہیں چھوڑ سکتا کل بھی نہ چھوڑ سکے کیونکہ آج اُس کا گناہ کو نہ چھوڑ سکتا غلبہ شہوت کی وجہ سے ہے۔ اور شہوت چھوٹا تو کیا اور بڑھتی جائے گی اور عادت ہو جانے سے پختہ ہوتی جائے گی اور وہ شہوت جو شوگر ہونکی وجہ سے پختہ ہو گئی ہو اُس شہوت جیسی نہیں جو ابھی پختہ نہ ہوئی ہو۔ سو جب گناہ اُس شہوت کی وجہ سے جو پختہ نہیں ہے نہ چھوٹے تو پختہ ہو جانے کے بعد چھوٹ جانا محال ہے۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ اب تب کرنے والے ہلاک ہو گئے کہ یہ لوگ دو مشابہ چیزوں میں فرق سمجھتے ہیں حالانکہ یہ نہیں جانتے کہ سب دن یکساں ہیں اور شہوت کا چھوڑنا ہمیشہ دشوار ہے۔

پس عاقل کو چاہئے کہ جب اُس سے کوئی گناہ سرزد ہو تو توبہ میں جلدی کرے کیونکہ جو شخص کسی بات میں اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور فوراً ہی اُس سے توبہ نہیں کرتا تو وہ ظالم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”جن لوگوں نے توبہ نہیں کی وہ ظالم ہیں۔“ توبہ اُس کیفیت کا نام ہے توبہ کی حقیقت جو تین چیزوں یعنی علم اور حال اور قصد سے حاصل ہو۔ علم توبہ ہے کہ گناہ ہونے کے نقصان عظیم اور اُن کے اپنے اور اپنے محبوب کے درمیان پر وہ ہو جانے کی معرفت حاصل ہو اور حال ندامت کو کہتے ہیں یعنی جس وقت یہ معلوم ہو کہ میرا محبوب میرے ہاتھ سے جاتا رہا تو دل میں درد اور رنج معلوم ہو۔ اور قصد اللہ کے ارادہ کا نام ہے۔

اور قصد کو موجودہ اور گزشتہ اور آئندہ تینوں زمانوں سے علاقہ ہے۔ زمانہ موجود سے اُس کا تعلق توبہ ہے کہ بالفعل جو گناہ وہ کر رہا ہے اُن سے باز آئے اور تمام فرائض جو اُس پر واجب ہیں ادا کرے اور زمانہ آئندہ سے تعلق یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے گناہ چھوڑ دے اور مرتے دم تک عبادت کرتا رہے اور زمانہ گزشتہ سے اُس کو علاقہ یہ ہے کہ جو افراط و تفریط کر

کر چکا ہے اس کا تدارک کرے۔

اور تدارک کا یہ طریقہ ہے کہ چھوٹے ہوئے عبادات اور کئے ہوئے گناہوں کو دیکھے
اگر کچھ عبادتیں چھوٹی ہیں تو قضا سے ان کا تدارک کرے اور جب فرائض و واجبات کی قضا سے
جو اس کے ذمے تھے فراغت پائے تو اپنے گناہوں میں غور کرے تو جو اس کے اور اللہ کے
درمیان ہوں ان میں تو دل سے شرمندہ ہونا اور زبان سے استغفار کرنا اور آئندہ کیلئے یہ عہد کرنا
کہ اب کبھی ایسا نہ کروں گا کافی ہے۔ اور اگر خلق کے حقوق ہوں تو جو جو حقدار معلوم ہوں، اگر
خلق کے حقوق اور ان کی ادائیگی | حقوق مالی ہوں تو ان کے حقوق ادا کرے اور اگر حقوق غیر
مالی ہوں تو ان سے معاف کر لے اور اگر اہل حقوق معاف نہ کریں تو آپس اس کا مواخذہ باقی رہیگا
اور ایسی حالت میں اس کو یہ لازم ہے کہ ان کیساتھ بھلائی کرے اور ان کے کاموں میں دوڑ دھوپ
کرتا رہے حتیٰ کہ ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے اپنی خطا معاف کر لے اور انسان احسان
کا بندہ ہے ممکن نہیں کہ کسی کے ساتھ احسان کرے اور وہ احسان کو نہ مانے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ "اپنے محسن کی محبت اور برائی کر نیوالے کے بغض پر دل اصل فطرت میں پیدا کئے
گئے ہیں پس اگر کسی شخص کا دل کسی برائی سے بیزار ہو جائے تو وہ بھلائی سے خوش بھی ہو جائے گا
اور جب حقدار کا دل کثرت احسان اور اس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کر نیے خوش ہو جائے
گا تو امید ہے کہ وہ معاف بھی کر دے گا اور اگر معاف نہ کرنے ہی پر اڑا رہے تاہم اس کا یہ احسان
اور اس کے کاموں میں اس کی یہ دوڑ دھوپ خود ایسی نیکیاں ہیں کہ ممکن ہے قیامت کے
دن یہی اس کی برائی کا بدلہ ہو جائیں اور اس سبب سے یہ مناسب ہے کہ حقدار کیساتھ احسان
کرے اور اس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کر کے اس کا دل خوش کرنے اور راضی کر نیکی اسی
قدر کوشش کیجئے جس قدر کہ اس کو تکلیف پہنچاتی ہو تا کہ اسکی یہ بھلائی اور احسان پہلی برائی کے
ساتھ برابر یا کچھ زیادہ ہو سوا سکا عوض قیامت کے دن حقدار سے لے سکے لیکن اگر حقدار موجود
نہ ہو یا مر گیا ہو اور ظلم کر نیوالا حقوق غیر مالی کو تو معاف نہ کر سکا ہو اور حقوق مالی کو جو اسکے ذمے
تھے منطقی کی وجہ سے صدقہ نہ کر سکا ہو تو اس کو واجب ہے کہ حتی الامکان کثرت سے عمل
صالح اور منطوق مومنین و مومنات کے لئے اکثر دعائے مغفرت کرتا رہے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا
تو اللہ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ اس کے مدعی کو قیامت کے دن راضی کر دے۔ چنانچہ
ایک مومن کا اپنے بھائی مومن | ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ
کو معاف کر نیکا اخروی انعام | علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے یکایک ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے

اگلے دن کھل گئے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنستے ہیں آپ نے فرمایا کہ میری امت کے دو شخص اللہ کے سامنے آبیٹھے ہیں ایک کہتا ہے کہ خداوند اس شخص سے میرا بدلہ لے لے اور اللہ تعالیٰ نے دوسرے سے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق دیدے تو اس نے کہا خدا یا میری نیکیاں میں سے تو کچھ بچا ہی نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے فرمایا کہ اب تو اپنے بھائی کا کیا کرے گا اُس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ رہا ہی نہیں۔ اُس نے عرض کی خداوند تو پھر اس پر میرے گناہوں کا بوجھ لا دنا چاہتے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل ہو گئے اور فرمایا کہ یہ ایسا دن ہو گا کہ لوگوں کو ضرورت ہو گی کہ اُن کے گناہ اوروں کے سر پر جائیں پھر فرمایا اللہ تعالیٰ حق مانگنے والوں سے کہے گا آنکھ اٹھا اور بہشت کی طرف دیکھ وہ آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو اُس کو ایسی خیر اور نعمتیں نظر آئیں گی کہ پھر ٹک اٹھے گا اور پوچھے گا خداوند یا یہ کس کیلئے ہیں اللہ فریگا جو اس کی قیمت دے وہ کہیگا اس کی قیمت کون دے سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو وہ کہے گا میں کیونکر دے سکتا ہوں اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس طرح کہ تو اپنے بھائی کو معافی دیدے تو وہ کہے گا کہ خداوند میں نے اس کو معاف کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اپنے بھائی کا ہاتھ تھام اور جنت میں لے جا۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ حقدار کافر نہ ہو اور اگر کافر ہو تو پھر بڑی دشواری مسلمان پر کافر کے حقوق اور اُن کی ادائیگی ہے کیونکہ وہ چونکہ جنت کا مستحق نہیں ہے اس لئے اُس کے راضی کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے نہ مومن کا ثواب یا اُس کو دے سکتے ہیں اور نہ کفر کا گناہ مومن پر لا دیا جاسکتا ہے اور اُس سے معافی کی امید بھی نہیں ہے پس کافر کا دعویٰ سخت ہو گا۔ اسی طرح جب بہائم کا حق ہو یعنی اُس کو بے گناہ مارا ہو یا کسی خطا سے اُس کے منہ پر مارا ہو یا اُس کی طاقت سے زیادہ اسپر لا دیا ہو یا اُس کے چارے پانی کی خبر نہ لی ہو تو اُس کا دعویٰ بھی قیامت کے دن بہت سخت ہو گا کیونکہ نہ وہ گنہگار ہیں کہ اُن کا گناہ اُس پر لا دیا جائے اور نہ اس قابل ہیں کہ اس کی نیکیاں اُس کو دیدی جائیں اور ایسی حالت میں عذاب متعین ہے۔

تیرھویں مجلس اس بیان میں کہ خالص دل سے توحید

دوزخ کی آگ کو حرام کہ دیتی ہے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اُس کے رسول ہیں اللہ اسپر آگ حرام کر دے گا یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت معاذ بن جبلؓ اس کے راوی

ہیں۔ اس حدیث کے ظاہری معنی کا تو یہی اقتضا ہے کہ جو شخص کلمہ شہادت پڑھ لے وہ دوزخ میں کلمہ شہادت کا حقیقی مفہوم نہ جائے گا اگرچہ نہ احکام بجالائے اور نہ مناسبت سے بچے لیکن فی الواقع اس کا یہ مطلب نہیں کیونکہ حدیث کے واقعی معنی یہ ہیں کہ جو شخص خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی گواہی دے اور اپنی گواہی کے مطابق احکام دین پر عمل کرے اور ناجائز باتوں سے بچے اللہ اُس کو دوزخ پر حرام کر دے گا یہ معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد صدقا من قلبہ سے نکلتے ہیں کیونکہ گواہی جب تہ دل سے ہوگی تو بندہ احکام پر عمل کر کے اور ممنوعات سے بچ کر اپنے مولیٰ کو خوش کرنے کی طرف متوجہ ہوگا لیکن اگر حکموں پر عمل نہ کرے اور گناہوں سے باز نہ رہے تو یہ گواہی صرف زبانی ہے صدق دل اور اعتقاد سے نہ ہوگی کیونکہ زبان دل کی ترجمان ہے اور اعضاء زبانی دعویٰ کے گواہ ہیں۔

پس جو شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ ایمان کے موافق اعضاء سے عمل بھی کرتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور جس بات کا دعویٰ کرتا تھا وہ ثابت ہے اور اگر بمقتضائے ایمان اعضاء سے کام نہیں لیتا ہے تو وہ نہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے نہ اُس کا دعویٰ ثابت ہے۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی کہ جو بات زبان سے کہی جاتی ہے بعض اوقات صدق دل اور اعتقاد سے نہیں ہوتی اگرچہ واقعہ میں صحیح ہو جیسا کہ منافقین کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک رسول خدا ہیں تو اُن کا یہ کہنا گو واقعہ میں سچا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ بیشک تم اللہ کے رسول ہو لیکن چونکہ اُنکی گواہی صدق دل اور اعتقاد سے نہ تھی اللہ نے اُن کو جھٹلا دیا اور فرمایا اللہ گواہ ہے کہ بیشک منافقین جھوٹے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ۔

شہادت یقینی بات کو کہتے ہیں جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے اور اسی لئے گواہ کیلئے یہ شرط ہے کہ اُس بات کی گواہی دے جو اُس کے نزدیک یقیناً ثابت ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم کو آفتاب کی طرح یقین ہو جائے اُس وقت گواہی دو" پس جو شخص کسی ایسی بات کی گواہی دے جو اُس کے نزدیک یقیناً ثابت نہیں ہے وہ جھوٹا ہے خواہ وہ بات واقعہ میں سچی ہی ہو اور اسی سبب سے حدیث میں اُس گواہی کی سچائی کا اعتبار کیا ہے جو سچائی کے منبع اور مرکز دل سے نکلی ہو تاکہ اُس کا اثر اعضاء میں بھی ظاہر ہو کیونکہ اعضاء دل کے تابع ہیں جو دل میں ہوگا وہی اعضاء سے سرزد ہوگا اس بنا پر جو شخص کلمہ شہادت کہتا ہے تو گویا اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کے منوں کا اُس کو

دل سے یقین ہے اور اگر اس کو اس کے معنے کا یقین نہ ہو تو وہ اپنے دعوے میں نہ سچا ہے اور نہ اس کا دعویٰ ثابت ہے اور پھر ایسی حالت سے وہ کیونکر مومن ہو سکتا ہے کیونکہ صرف زبان سے بغیر معنی سمجھے ہوئے کلمہ پڑھنا حقیقت ایمان حاصل ہونے میں کافی نہیں بلکہ حقیقت ایمان حاصل ہونے کے لئے زبان سے ادا کرنے کے ساتھ ہی معنی سمجھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ مکلف پر عقائد ایمانی میں سے اللہ اور پیغمبروں کے حق میں جن جن باتوں کا جانتنا ضروری ہے وہ سب اس کلمہ میں موجود ہیں۔ اس لئے کہ کلمہ کا پہلا حصہ نفی اور اثبات کا کلمہ میں نفی اور اثبات کا مطلب امر کب ہے اور جو چیز کہ غیر خدا سے نفی کر کے بطریق حصر کے خدا کے لئے ثابت کی گئی ہے وہ الوہیت ہے اور الوہیت دو معنی پر مشتمل ہے۔

ایک تو خداوند عالم کا کل ماسوا سے بے نیاز ہونا دوسرے تمام ماسوا کا اللہ کی طرف محتاج ہونا۔ پس اس رُوسے لا الہ الا اللہ کہنے کے یہ معنی ہوتے کہ اللہ کے سوا ایسا کوئی نہیں جو خود کل ماسوا سے بے نیاز ہو اور کل ماسوا اس کے محتاج ہوں اس کی ماسوا سے بے نیازی تو اس کے لئے وجود اور قدامت اور بقا کو لازم ثابت کرتی ہے کیونکہ ان صفات میں سے کسی ایک کا بھی پایا نہ جانا حدوث کو لازم کرتا ہے اور ہر حادث محدث کا محتاج ہے لہذا ان صفات کی خدا کے لئے ضروری نہ ہونے کی صورت میں وہ بھی محدث کا محتاج ہوگا۔

اسی طرح اس سے یہ بھی لازم آیا کہ اللہ کی ذات تمام نقائص سے پاک ہو اور نقائص سے منزہ ہونے میں سننے دیکھنے اور بولنے کا ضروری ہونا بھی شامل ہے اس لئے کہ اگر خدا کے لئے یہ صفات ضروری نہ ہوں تو نقائص کے ساتھ متصف ہوگا اور اس چیز کی طرف جو اس سے ان نقائص کو دور کرے محتاج ہوگا۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کا کوئی حکم یا کام کسی غرض کی وجہ سے نہ ہو بلکہ بلا غرض ہو کیونکہ اگر خدا کے لئے بے غرض ہونا ضروری نہ ہو تو جس شے سے اس کی غرض پوری ہو اس کی طرف محتاجی لازم آئے گی۔

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ممکنات میں سے کسی چیز کا کرنا یا نہ کرنا اس کے لئے ضروری نہ ہو ورنہ خدا کی ان کاموں کی طرف احتیاج لازم آئے گی تاکہ ان کو کر کے کمال حاصل کرے اور جمیع ماسوا کے جناب باری تعالیٰ کی طرف محتاج ہونے سے اس کے لئے علم ارادہ قدرت اور حیات واجب ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ صفات اس کیلئے واجب نہ ہوں تو وہ دنیا کی ہر شے پیدا کرنے سے عاجز ہوگا۔

اسی طرح اُس سے وحدانیت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر خداوندِ عالم بیکتا نہ ہو بلکہ اُس کیساتھ اُس کا کوئی شریک اور ہو تو دونوں کے عجز کی وجہ سے کوئی شے ان کیطرت امتحان نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام ماسوا کی احتیاج سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام عالم حادث ہے۔ کیونکہ اگر عالم کی کوئی شے بھی قدیم ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتی اور اللہ کی حاجتمند نہ ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں کسی طرح کا کچھ اثر نہیں ہے کیونکہ مخلوقات میں سے اگر کسی چیز میں بھی کچھ اثر ہوتا تو یقیناً وہ اثر اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا حاجتمند نہ ہوتا۔

سب اسی تقریر کی رُو سے گویا جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی واجب الوجود ہے نہ قدیم اور باقی رہنے والا ہے اور نہ کوئی ممکنات کے پیدا کرنے پر اللہ کے سوا قادر ہے اور نہ کوئی غیر متناہی معلومات کا اللہ کے سوا جاننے والا ہے اور نہ کوئی نقصانوں سے پاک ہے اور نہ کوئی اپنے تمام کاموں اور حکموں میں اللہ کے سوائے بے غرض ہے اور نہ کوئی اللہ کے سوا کسی مخلوق میں کچھ اثر کر سکتا ہے۔

اسی طرح وہ تمام صفات جو خدا کے لئے ضروری یا جائز یا اُس کے حق میں محال ہیں کوئی اُس کا شریک نہیں۔ اس تقریر مابقی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کلمہ توحید کے معنوں معرفت الہی کا مفہوم کا سمجھنا معرفت الہی پر موقوف ہے اور معرفت الہی سے یہ مراد نہیں کہ خود ذات الہی کا ادراک ہو کیونکہ ذات الہی تو کسی بشر کو معلوم نہیں ہو سکتی بلکہ معرفت الہی سے مراد ان صفات کا جاننا ہے جو خدا کے لئے واجب یا اُس کے حق میں محال یا جائز ہیں، تاکہ موجد کو کلمہ پڑھتے ہوئے معلوم ہو سکے کہ کونسی صفت غیر اللہ سے سلب کرے اور کیا کیا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرے۔

اس کلمہ میں حقیقت اللہ کا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر فردِ مسلوب ہے اور صرف ایک فرد یعنی خداوند تعالیٰ تثبت ہے یعنی تمام دنیا کے معبودوں سے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہونے کا انکار کیا گیا ہے اور صرف اللہ کے لئے معبود ہونا ثابت کیا گیا ہے اور چونکہ اللہ واجب الوجود مستحق عبادت کو کہتے ہیں اور یہ معنی کلی ہیں اس لئے اپنے معنی اور اک کے لحاظ سے افراد کثیر پر صادق آسکتے ہیں۔

لیکن دلیل عقلی یقینی کئی خداؤں کے محال ہونے اور اس معنی کے اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم اپنے حادث

ہونے اور محدث کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کا کوئی موجد ضرور ہے نیز یہ کہ موجد قدیم یکتا قدرت و ارادہ والا اور صاحب حیات و علم ہے کیونکہ اگر وہ عالم کا موجد قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو خود ایک محدث کا محتاج ہوگا اور دور یا تسلسل لازم آئے گا اور دور و تسلسل دونوں محال ہیں اور اگر ایک نہ ہو بلکہ کئی ہوں تو آپس میں روک ٹوک واقع ہوگی جو عالم کے موجود نہ ہونے کو منقضی ہے اور اگر قدرت و ارادہ اور علم اور حیات سے موصوف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ایجاد قدرت کا اثر ہے اور قدرت کا کسی چیز میں اثر ارادہ پر موقوف ہے اور ارادہ علم پر موقوف ہے کیونکہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد اُس چیز کو معلوم کئے بغیر محال ہے۔ اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات پر موقوف ہے کیونکہ اس کے لئے حیات شرط ہے اور اب اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرہ کا وجود اللہ تعالیٰ کے موجود قدیم اور یکتا اور چاروں صفات مذکورہ سے منصف ہونے اور اس امر پر کہ ان صفات کی ضدیں اُس کے لئے محال ہیں یقینی دلیل ہے۔

اسی لئے بعض موجد اثر سے مؤثر کے وجود پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے کسی ایسی چیز کو نہیں دیکھا کہ اُس کے بعد خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ عالم میں کا ہر ذرہ اپنے حادث ہونے اور موجد کی طرف احتیاج کی وجہ سے زبان حال سے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز، کہتا ہے کہ میرا ایک موجد ہے جو قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ و علم و حیات ہے سننے والے اس کا کلام سنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سن سکتے جن کی سماعت بیکار ہے۔

اور سماعت سے مراد سماعت باطنی ہے جس سے وہ کلام سنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی سماعت ظاہری مراد نہیں ہے جس سے صرف آواز سنی جاتی ہے اور جس میں انسان کے ساتھ بہائم بھی شریک ہیں۔ اور ایسی چیز کی قدر ہی کیا جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ انسان عقل سے اُنہی صفات الہی کو جان بگھانا معرفت صفات الہی کے دلائل ہے جن پر اُس کے افعال و دلالت کرتے ہیں اور چیز افعال خداوندی دلالت نہیں کرتے جیسے سُنا، دیکھنا، بولنا۔ تو اُن کے ثبوت کیلئے کبھی عقلی دلیل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اُن کے ثبوت کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ صفات کمالی ہیں اور ان کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور یہ کہ خدا کا صفات کمال سے موصوف ہونا اور صفات ناقص سے موصوف نہ ہونا ضروری ہے پس خدا کا ان صفات سے موصوف ہونا بھی ضروری ہوا۔

اور اُن کے ثبوت کی نقلی دلیل یہ ہے کہ شریعت صاف طور سے کہتی ہے کہ یہ صفیٰ خدایا کیلئے ثابت ہیں۔ پس اُن کے ثبوت کا یقین بھی واجب ہوا۔

اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے بہتر ہے کیونکہ ان صفات پر نہ افعال خداوندی مبنی ہیں کہ افعال سے ان صفات کے ثبوت پر استدلال کیا جاسکے اور نہ ذات خدا کسی کو معلوم ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ صفیٰ اللہ کے حق میں کمال ہیں کہ اگر ان سے متصف نہ ہوا تو لازم ہے کہ اُن کی ضدوں سے موصوف ہوگا بلکہ ان اوصاف کا کمال ہونا صرف ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو خدا کے لئے بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے ہیں اللہ کے حق میں عوارض جسمانی ہونے کی وجہ سے محال ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ شہادت کا پہلا حصہ اُن تینوں قسموں کو شامل ہے جن کا جاننا حق تعالیٰ کے بارہ میں مکلف پر فرض ہے یعنی وہ صفیٰ جو اللہ کے لئے واجب ہیں یا جو محال ہیں یا جو جائز ہیں اُن صفیوں سے جو اللہ کے لئے واجب ہیں۔ صفات ثبوتیہ مراد ہیں اور محال صفیوں سے صفات سلبیہ مراد ہیں اور جائز صفیوں سے صفات فعلیہ مراد ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر استدلال کلمہ کے دوسرے حصہ میں اس بات کا حکم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لیکن اُس کے معلوم کرنے کے لئے کوئی دلیل چاہئے۔

اور اُس کے معلوم ہونے کی دلیل آپ کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کے وقت معجزات کا ظاہر ہونا ہے کیونکہ معجزہ اللہ کی جانب سے ایک تصدیقِ فعلی ہے کیونکہ معجزہ اللہ ہی کا ایک خلافِ عادت فعل ہے۔ اور پیغمبر کے دعویٰ رسالت کی تصدیق کے بارے میں ایک صریح قول کا قائم مقام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ رسالت کے وقت اپنے رسول کے ہاتھ پر کسی خارقِ عادت کام کا ظاہر کرنا گویا اُس کا یہ فرمانا ہے کہ میرا رسول میری جانب سے جن اشیا کی تبلیغ کرے خواہ اُس کی تبلیغ تو لا ہو یا فعلاً یا بطریق سکوت سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ اگر ایک شخص بادشاہ کے دربار میں ایک جماعت کے روبرو کھڑے ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلیچی ہوں بادشاہ نے مجھ کو تمہارے پاس یہ احکام دے کر بھیجا ہے اور اسپر لوگ اُس سے کوئی ایسا ثبوت طلب کریں جس سے اُسکی سچائی ثابت ہو اور وہ یہ کہے کہ میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عادت کے خلاف تین دفعہ اٹھے بیٹھے۔ اور بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا کر

یہی لیا تو اس میں شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اس کہہ دینے کے قائم مقام ہے کہ یہ شخص میری طرف سے جو کچھ بیان کرتا ہے سب سچ ہے اور ہر اس شخص کو جس نے بادشاہ کا یہ فعل خود دیکھا ہے یا خود نہیں دیکھا ہے بلکہ بتواتر سنا ہے اس واقعہ سے علم بدیہی حاصل ہو جائے گا۔

اور کوئی شک نہیں کہ یہ مثال اس بارہ میں کہ انبیاء علیہ السلام کے معجزہ سے بھی ان لوگوں کو جنہوں نے خود دیکھا ہے یا اگر خود نہیں دیکھا ہے بلکہ بتواتر سنا ہے علم بدیہی حاصل ہو جائے ہیں بالکل رسول کے حال کے مطابق ہے۔ اور چونکہ معجزہ ہمارے رسول محمد اصلی اللہ علیہ وسلم عصمت انبیاء علیہم السلام کا صحیح مفہوم کے لئے اللہ کی طرف سے ایک تصدیق فعلی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اور انبیاء کے لئے بھی اللہ کی طرف سے کوئی تصدیق فعلی ہو کیونکہ وہ بھی آپ کی طرح نبی ہیں لہذا سب کے لئے صدق اور امانت اور جس بات کی تبلیغ پر مامور ہیں اس کی تبلیغ ضروری ہے اور ان کے حق میں ان صفوں کی ضدیں یعنی کذب اور خیانت اور امتزاجی کا چھپانا محال ہیں۔

اور ان کے حق میں وہ عوارض بشری جن سے ان کی شان رسالت میں کوئی بٹہ نہیں لگتا جائز ہیں جیسے بیماری وغیرہ۔

اور ان کے لئے صدق کی ضرورت اور کذب کا محال ہونا اس لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم ان کی تصدیق معجزہ سے کرتا ہے جو اس کے ارشاد و صریح کے قائم مقام ہے پس اگر ان کا صدق ضروری نہ ہوتا اور ان سے جھوٹ بولنا ممکن ہوتا تو اللہ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے کیونکہ جھوٹے کو سچا کہنا بھی جھوٹ ہے اور جھوٹ اللہ کے لئے محال ہے اور امانت کا واجب ہونا اور خیانت کا محال ہونا اس سبب سے ہے کہ اگر وہ کسی فعل حرام یا مکروہ میں خیانت کریں تو لازم آتا ہے کہ وہ فعل طاعت ہو جائے کیونکہ خدا کا تمام مخلوق کو یہ حکم ہے کہ انبیاء کے افعال اور قول اور سکوت میں پیروی کریں اور اللہ حرام یا مکروہ کے کرنے کا حکم نہیں دیتا۔ پس اگر اللہ کے نزدیک وہ خائن ہوتے تو ہرگز ان کی پیروی کرنے کا حکم نہ دیتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے ان کو حرام اور مکروہ کاموں سے معصوم بنایا ہے۔ اسی لئے ان سے وہی کام ہوتے ہیں جو واجب یا مستحب یا مباح ہوں، یہ تو بلحاظ نفس قول کے ہے اور بلحاظ ان کی شان کے تو حق یہ ہے کہ ان کا ہر فعل واجب اور مستحب ہی کے درمیان رہتا ہے اور اس کے سوا کسی اور طرح کا نہیں ہوتا کیونکہ ان سے عام لوگوں کی طرح مباح کام بھی خواہش نفس کے تقاضے سے نہیں ہوتے بلکہ مباح کام بھی محض نیک نیتی سے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ طاعت ہو جاتے ہیں اور کم از کم یہی کہ وہ کام تعلیم امت کے لئے کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا تو ہر مومن پر واجب ہے کہ بہت پرہیز کرتا رہے اور ڈرتا رہے کہ ان خرافات کو اپنے کانوں سے سننے یا اپنی عقل کو اس طرف متوجہ کرنے سے جن کو بعض گمراہ مورخین نے ان کے حق میں لکھا ہے اُس کا ایمان نہ جانا رہے اور جن کی بعض جاہل مفسرین نے بھی بعض باتوں میں پیروی کی ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی کم علمی اور غیر محقق ہونے کے سبب سے ظاہر قرآن و حدیث سے بعض وقت افترا کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے بزرگ کہتے ہیں کہ خدا اور رسول کی معرفت میں محض ظاہر مضمون کتاب و سنت سے دلیل پکڑنا اصول کفر میں سے ہے۔

امام سنوسی کہتے ہیں "ایسے ہی اس علم کا محض کتابوں اور گڑبڑ کر دینے والے مشائخ اور غیر محقق کفیبوں سے حاصل کرنا کفر کی جڑ ہے۔"

اور ان کے حق میں احکام رسائی کا واجب ہونا اور حق پوشی کا محال ہونا اس لئے ضروری ہوا کہ اگر وہ کوئی ایسی بات جس کے بتلانے کا حکم تھا مخفی رکھیں تو عام لوگ بھی اُس کی پیروی کرنے کے مامور ہونگے کہ کسی کسی بات کو جس کا بتلانا فرض ہے حاجتمند سے چھپا لیا کریں اور یہ کیونکہ خیال میں آسکتا ہے اسلئے کہ حق پوشی حرام اور حق پوشش ملعون ہے۔ جناب باری کا یہ ارشاد اس کی شہادت ہے "جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے صاف حکم اور ہدایت نازل کئے ہیں بعد اس بات کے کہ ہم بیان کر چکے لوگوں کے لئے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے۔" رہے انسانی عوارضات سو ان سے انبیاء علیہم السلام انبیاء علیہم السلام کیلئے انسانی کے مرتبے میں نہ کوئی کمی آتی ہے نہ ان کی رسالت کو منصر ہیں بلکہ عوارضات اور انکی حکمت اس سے تو ان کا مرتبہ اور اجر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں خود ان کا صبر بھی موجب اجر ہو گا کیونکہ خدا کو یہ قدرت تھی کہ ان کو بلا محنت ثواب عظیم عطا فرماتا لیکن اُس نے اپنی حکمت کاملہ سے جاہلوں اور بے وقوفوں پر مہربانی کرتے ہوئے تاکہ وہ انبیاء کی اُلوہیت کے قائل نہ ہو جائیں یہی پسند کیا کہ ان کو وہ ثواب ان عوارض انسانی کے ساتھ عطا کرے اور اُس میں ان کے سچے ہونے اور اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی اور نیز اسپر کہ جو معجزے ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں یہ سب اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان پیغمبروں کو ان کے پیدا کرنے کی کوئی قدرت نہیں ہے ایک بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ اگر ان کو خود اس کی قدرت ہوتی تو وہ اپنے اوپر سے ان باتوں کو بھی دور کر سکتے جو معجزہ سے زیادہ آسان ہیں جیسے بیماری، بھوک، پیاس، گرمی سردی کی تکلیف اور ایذا سے خلق وغیرہ۔

اور اس میں ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ خلق کے لئے وہ احکام مقرر ہوں جو ان عوارض سے متعلق ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کو نماز میں سہو ہو جانے سے احکام سہو معلوم ہوئے

اور حالت خوف و مرض میں ادا کے نماز کی کیفیت حضور ہی کے فعل سے معلوم ہوتی اور کھانے پینے کے آداب آپ ہی کے کھانے پینے سے معلوم ہوتے۔ اس تمام تقریر سے معلوم ہوا کہ خلاصہ تقریر | کلمہ شہادت گو مختصر ہے لیکن ان تمام عقائد کی باتوں کو شامل ہے جن کا جاننا اللہ اور رسول کے بارے میں ہر مکلف پر فرض ہے اور اسی وجہ سے شرع نے اس کلمہ کو ان عقائد ایمانی پر جو دل میں ہوں دلیل ٹھہرایا ہے یہاں تک کہ ان کلموں کے بغیر کسی کا ایمان مقبول نہیں ہے اس لئے عاقل پر فرض ہے کہ اس کے معنی ذہن نشین کرے پھر صبح و شام اس کلمہ کو پڑھا کرے یہاں تک کہ اس کے معنی خون اور گوشت میں مل جائے خدا ہم کو معنی سمجھ کر اس کے ہمیشہ ذکر کرنے کی توفیق دے۔ اور اللہ بزرگ و برتر کی مدد کے بغیر کچھ توفیق و طاقت ملے نہیں ہو سکتی۔

چودھویں مجلس اس ایمان کے بیان میں جو ایماندار کو روز قیامت نجات دلائے گا

تکمیل ایمان کی حقیقت | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس بندہ نے لا الہ الا اللہ کہا پھر اسی ایمان پر مر گیا وہ جنتی ہے" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی ابو ذر ہیں اور اس کا ظاہر اس بات کو متقنی ہے کہ جو شخص کلمہ کے پہلے حصہ یعنی توحید کے معنوں پر ایمان لائے وہ جنتی ہے اگرچہ کلمہ کے دوسرے حصہ یعنی مضمون رسالت پر ایمان نہ لائے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ دوسرے حصہ کا ذکر اس میں نہیں کیا ہے لیکن وہ بھی آپ کی مراد ہے کیونکہ صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے جنت میں داخل ہونا لازم نہیں آتا تا وقتیکہ محمد رسول اللہ کا بھی قائل نہ ہو۔ اس لئے کہ ایمان بغیر ان دونوں کے پورا نہیں ہوتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول ثمرات علی ذلک سے یہ بتلایا کہ آخر دم تک اس کلمہ پر ثابت رہنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ جو شخص ایمان پر ثابت نہ رہا بلکہ کفر پر خاتمہ ہوا تو اس کا ایمان جو پہلے تھا کچھ مفید نہ ہوگا بلکہ مفید وہی ہے جو مرتے دم تک قائم رہے تاکہ جنت میں داخل ہونے کا سبب ہو خواہ ایسے گناہ کتنے ہی ہوں جن سے توبہ بھی نہ کی ہو۔ کیونکہ جو شخص ایمان کے ساتھ مرتا ہے خواہ وہ گناہوں پر اڑا رہا ہو اور توبہ بھی نہ کی ہو تو وہ اللہ کی مشیت میں ہوگا چاہے تو بخش کر بلا عذاب جنت میں لیجائے اور چاہے

بقدر گناہ عذاب کر کے اُس کے بعد جنت میں داخل کرے گو ایک لمحہ بھر بعد ہی۔ لیکن جانتا چاہئے کلمہ کی فضیلت | کہ کلمہ ایمان چونکہ ذات و صفات و افعال خدا کو اور رسول کی رسالت کو ثابت کرتا ہے اس لئے اُس کو معنی سمجھ کر پڑھنا چاہئے کیونکہ بے سمجھے اُس کا پڑھنا حقیقت ایمان حاصل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ایمان انہی چاروں رکنوں پر مبنی ہے اور جب ان چاروں کے مضامین کا علم نہ ہو تو کلمہ کے پڑھنے سے نہ کچھ فائدہ نہ کچھ حاصل

کیونکہ اس کلمہ کی فضیلت صرف زبان بلائے کی وجہ سے نہیں کہ دل میں اسکے معنی حاصل ہوں یا نہ ہوں بلکہ فضیلت کلمہ کی اُس معرفت پر ہے جو ایمان کی حقیقت ہے بنا پر یہ ہر مومن پر واجب ہے کہ کلمہ کے معنی سمجھنے میں کوشش کرے کیونکہ یہی جنت کی قیمت اور دنیا و آخرت کے مصائب سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔

علمائے صاف تصریح کی ہے کہ اُس کے معنی سمجھنا ضروری ہیں۔ ورنہ صرف زبان سے کہنے والے کو عذاب دائمی سے بچنے کا راستہ حاصل ہونے میں متبیر نہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر اماموں سے پوچھا بغیر سمجھے کلمہ پڑھنے والے کا حکم | کیا کہ ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور طرح طرح کی عبادتیں کرتا ہے لیکن اُس کا کلمہ پڑھنا اور عبادت محض ظاہری قول و فعل ہیں جیسے لوگوں کو کرتے اور کہتے دیکھتا ہے ویسے ہی خود کہنے لگتا ہے حتیٰ کہ کلمہ تو پڑھتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ میں کیا بول رہا ہوں نہ اللہ کے معنی جانتا ہے نہ رسول کے نہ نفی و اثبات کی خبر ہے کبھی یہ وہم بھی ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ کی طرح ہوتا ہے تو کیا ایسا شخص اپنے افعال و اقوال ظاہری سے نفع اٹھائے گا اور عند اللہ اُس کیلئے ایمان کی حقیقت ثابت ہے یا نہیں۔ اُن سب نے یہی کہا کہ ایسے شخص کو اسلام سے کچھ نسبت نہیں ہے اگرچہ اُس سے ظاہری اقوال و افعال ایمانی جن کا ذکر ہوا صادر ہوا کرتے ہیں۔

امام سنوسی نے کہا ہے کہ یہ بات جو اُس شخص کے حق میں بیان کی ہے وہ بالکل ظاہر ہے کسی عالم کو اس میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اسی بنا پر ہر وہ شخص پر جو عذاب ابری سے بچنا اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہے واجب ہے کہ اول اُس کے معنی سمجھنے میں کوشش کرے اور معنی سمجھ کر زبان سے بھی ادا کرے تاکہ اقرار زبانی اور تصدیق قلبی دونوں پائی جائیں اور اُس کو حقیقت ایمان حاصل ہو۔ کلمہ کا پہلا کلمہ کا پہلا حصہ نفی و اثبات | حصہ نفی و اثبات سے مرکب ہے جس میں حقیقت اللہ کے کل افراد اللہ سے مرکب ہے | کی ذات خدا کے ہوا نفی کی گئی ہے اور حقیقت اللہ کے صرف ایک فریضی اللہ تعالیٰ کا اثبات کیا گیا ہے۔ اور الا واجب الوجود مستحق عبادت کو کہتے ہیں اور یہ مفہوم

الہ واحد اور اُس کی دلیل | کلی ہے کہ محض خیال کرنے سے بہت افراد پر صادق آسکتا ہے۔ لیکن دلیل عقلی قطعی ثابت کرتی ہے کہ کئی خدا کا ہونا محال ہے اور یہ مفہوم کلی خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ دلیل عالم کا وجود ہے کیونکہ عالم اپنے حادث ہونے اور محدث کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی اُس کا محدث ہے اور اُس کا واحد قدیم متصف بقدرت و ارادہ و علم و حیات ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر محدث ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زیادہ ہوں تو آپس میں ایسی رد و ٹوک کا ہونا یقینی ہے جو عالم کے معدوم ہو جانے کو مقتضی ہے اور اگر قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو پھر وہ خود کسی محدث کا محتاج ہوگا اور اس صورت میں یا دور لازم آئے گا یا تسلسل اور یہ دونوں محال ہیں۔

اور اگر قدرت و ارادہ اور علم و حیات سے متصف نہ ہو تو ایک چیز بھی پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ ایجاد قدرت کا کام ہے اور قدرت کسی چیز پر جب ہی کام کرتی ہے جب اس شے کا ارادہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم کا مقتضی ہے کیونکہ کسی چیز کی ایجاد کا قصد اُس کے جاننے کے بغیر محال ہے اور ان تینوں صفتوں سے موصوف ہونا حیات کو چاہتا ہے اس لئے کہ حیات ان سب کے لئے شرط ہے اور اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرہ کا وجود خدا کی ہستی اور وحدت و قدرت مذکورہ بالا اور چاروں صفتوں سے موصوف ہونے پر دلیل قاطع ہے۔ اور اسی لئے بعض اہل توحید اثر سے مؤثر پر استدلال کے کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے دیکھتے ہی ہم نے خدا کو نہ دیکھ لیا ہو کیونکہ ہر ہر ذرہ عالم اپنے حادث اور محدث کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے ہمیشہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ اُس کا کوئی مؤثر ہے جو یکتا قدیم و قادر و ارادہ و علم و حیات اور تمام اُن صفات والا جو اُس کی شان کے شایاں ہیں۔ یہ باتیں سننے والے ہی سنتے ہیں اور جن کی سماعت بیکار ہے وہ نہیں سنتے

اور سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ کلام سنا جاتا ہے جس میں نہ حرف ہیں نہ آواز نہ عربی نہ عجمی سماعت ظاہری مراد نہیں ہے جس سے آواز کے سوا کچھ نہ سنا جائے اور جس میں بہائم بھی انسان کے شریک ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ مکلف بذریعہ عقل صرف انہی صفات الہی کے ثبوت پر والہاں | صفات کو جان سکتا ہے جن پر افعال الہی دلالت کرتے ہیں اور جن کا پتہ افعال سے نہیں ملتا جیسے سمع بصر کلام ان کے ثبوت کے لئے کبھی تو عقلی دلیل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

ان صفات الہی کے ثبوت پر عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفات صفات کاملہ ہیں اور اُن کے ضد صفات ناقصہ ہیں اور یہ ضروری ہے کہ خدا کامل صفتوں سے موصوف اور ناقص

صفتوں سے بری ہو لہذا ان صفات سے اُس کا موصوف ہونا واجب ہوا ہے۔
اور نقلی دلیل اُن کے ثبوت کی یہ ہے کہ شریعت میں ان کا ثبوت ذات باری کے لئے موجود ہے لہذا باری تعالیٰ کے لئے اُن کا ثبوت قطعی ہے۔

اور اس مسئلہ میں دلیل نقلی دلیل عقلی سے اولیٰ ہے کیونکہ ان صفات پر افعال خداوندی تو موقوف ہیں نہیں کہ افعال سے اُن کا ثبوت کیا جاسکے اور ذات الہی کا کسی بشر کو علم نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وہ صفتیں اُس کے حق میں کمال ہیں اُن سے موصوف ہونا ضروری ہے کہ اگر اُن سے نہ موصوف ہو تو لازم آئے کہ اُن سے اعداؤ سے موصوف ہو، بلکہ اُن کا کمال ہونا ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو اللہ کے لئے بھی کمال ہو۔ دیکھو کہ راحت و تکلیف باوجودیکہ ہمارے اعتبار سے کمال ہیں لیکن عوارضِ حسانی ہونے کی وجہ سے اللہ کے لئے محال ہیں۔ یہ تو کلمہ کے حصہ اول یعنی توحید کی تحقیق ہے اور اس کلمہ کے دوسرے حصہ میں رسالت کے دوسرے حصہ میں یہ حکم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ہے کے رسول ہیں اور اس کے ثبوت کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل آپ کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کے وقت معجزہ کا ظاہر ہونا ہے کیونکہ معجزہ اللہ

کی طرف سے ایک تصدیقِ فعلی ہے اور یہ اسلئے کہ معجزہ بھی اللہ ہی کا ایک خارقِ عادتِ فعلی ہے جو رسول کے حق میں صریح تصدیقِ قولی کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ کا عادت کے خلاف دعویٰ رسالت کے وقت رسول کے ہاتھ پر کسی خارقِ عادت کام کا کرنا گویا اُس کا کہنا یہ ہے کہ میرا رسول قولاً یا فعلاً یا سکوناً جو کچھ میری طرف سے پہنچاتا ہے سب سچ ہے۔

اس کی مثال علماء نے یوں بیان کی ہے کہ ایک شخص اگر ایک بادشاہ کے دربار میں ایک جماعت کے زور و کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایچی ہوں جس نے مجھے فلاں فلاں حکم دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اور حاضرین اُس سے اُس کی سچائی کی دلیل مانگیں تو وہ یوں کہے کہ میری سچائی کی پہچان یہ ہے کہ میں بادشاہ سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی عادت کے خلاف اپنے تخت سے تین مرتبہ اٹھے بیٹھے اور بادشاہ نے اُس کے کہنے سے ایسا ہی کر لیا تو کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل بجا ہے اُس کے اس قول کے ہے کہ یہ شخص میری طرف سے جو کچھ بیان کرتا ہے سب سچ ہے اور ہر اس شخص کے لئے جس نے بادشاہ کا یہ فعل خود دیکھا ہو یا خود نہ دیکھا ہو بلکہ بتواتر سنا ہو یعنی علم کا ذریعہ ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال اس معنی کو رسول علیہ السلام کے حال کے بالکل مطابق ہے کہ اُن کے معجزے سے بھی ہر اس شخص کو جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا خود نہ دیکھا ہو بلکہ

بتواتر سنا ہو علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص کلمہ کے ان معانی کو سمجھ کر حقیقت ایمان کے حصول کے بعد اس کی حفاظت کا طریقہ حاصل ہو جائے گی اور اب اس پر واجب ہے کہ اوامر و نواہی کی پابندی کر کے اس کو مضر چیزوں سے محفوظ رکھے کیونکہ ایمان ایسا ہے جیسے چراغ اور احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنا ایسا ہے جیسے اس کو حفاظت کی خاطر فانوس میں رکھ دیا اور شیطانی دوسے اس کیلئے تیز آندھیوں کی طرح ہیں پس اگر کوئی شخص ایمان کا چراغ دل میں جلا کر اطاعت الہی کی فانوس میں رکھ کر اس کی حفاظت نہ کرے گا تو ڈر ہے کہ اس کے ایمان کا چراغ کہیں اُن تیز ہواؤں کے چلنے سے جن کو وساوس شیطانی کہتے ہیں گل نہ ہو جائے اور اسی لئے بعض علماء نے کہا ہے کہ گناہ سے بچنا یہ کیونکہ گناہ ایسا ہے جیسے ایک پتھر جو گوہر میں رکھ کر طاعت کی دیوار میں مارا جائے جس سے دیوار میں سوراخ ہو جائے اور ہوا و ہوس کی ہواؤں سوراخ سے داخل ہو کر ایمان کا چراغ گل کر دے کیونکہ ایمان اسی شخص کا ملت ہوتا ہے جس کے دل میں خرابی ہو اور گناہوں پر اڑا رہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گناہ کفر کے قاصد ہیں کیونکہ صغیرہ گناہ کبیرہ گناہ کرنے کا باعث ہو جاتا ہے اور کبیرہ گناہ کرتے کرتے کفر کی نوبت پہنچ جاتی ہے اس کی نسبت خداوند عالم کے کلام پاک میں یوں اشارہ ہے جو یہود کے حق میں آیا ہے اور ذلت اور مسکینی اُن پر ٹوٹ پڑی اور وہ لوگ کمالائے غضب الہی کا، پر سب اسلئے کہ وہ نہ مانتے تھے حکم اللہ کا اور ناحق پیغمبروں کا خون کرتے تھے۔ یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے حد سے بڑھ گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرما دیا۔ ہے کہ گناہ اور سرکشی اُن کو آخر کار کفر اور نبیوں کے قتل کی طرف کھینچ لے گئی اور خداوند عالم کا اپنی کتاب میں ایسی حکایت بیان کرنا اپنے نبی اور امت پر محض اُس کی مہربانی ہے تاکہ وہ ان باتوں کو سن کر اُن سے بچتے رہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمامی خلق سے بہتر اور امت کی افضلیت اور اس کا اقتضار افضل ہیں اس لئے آپ کی امت بھی تمام امتوں سے بہتر اور افضل ہے پس یہ کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ جس کا شمار بہترین امت میں ہو اور بہترین خلایق کی طرف منسوب ہو وہ اپنے لئے یہ بات روار کھے کہ گناہ کر کے سب سے بدتر ہو جائے بلکہ اُس کو چاہئے کہ ایمان اور عمل صالح سے اپنے نفس کی اصلاح میں کوشش کرے تاکہ بھلے آدمیوں میں اُس کا شمار ہو۔

چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے وہی بہترین خلق ہیں" اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سب سے اچھا وہ ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اعمال اچھے ہوں اور سب سے بُرا وہ ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اعمال بُرے ہوں۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید ہو اور برائی سے امن۔ اور تم میں بُرا وہ ہے جس سے بھلائی کی امید نہ ہو اور برائی کا اندیشہ ہو۔" اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ کے نزدیک مرتبہ کے لحاظ سے بدتر وہ شخص ہے جس کو لوگ اُس کی بدی کے اندیشہ سے چھوڑ دیں" اور ایک روایت میں ہے اُن کی بدزبانی کے خیال سے۔ اور روایت ہے کہ "امت کے اعمال عالم برزخ میں اُس کے نبی کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں پس بندہ کو شرم چاہئے کہ اُس کے پیغمبر کے سامنے اُس کے وہ کام پیش ہوں جن سے اُس نے منع کیا تھا۔"

اور کہتے ہیں اگر کوئی شخص گناہ کرے گا تو ساری خلقت یعنی انسان اور چوپائے اور وحشی جانور اور پرندے اور چوہنٹیاں اُس پر دعوے دازہوں گی۔ کیونکہ خدا گناہ کی نجات سے باز رکھتا ہے جس سے تمام خشکی تری کی مخلوق کو نقصان پہنچتا ہے۔ پس مومن پر ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے بچے۔ خدا ہمارے لئے اُن سے بچنا آسان فرمائے۔

پندرھویں مجلس اس بیان میں کہ ہر بچہ اسلام کے طریقے پر پیدا ہوتا ہے

ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "ہر بچہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اُس کو یہودی یا نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے کہ جانور پورا بچہ جنتے ہیں کیا اُن میں کوئی کان ناک کا کٹا ہوتا ہے تم ہی اُن کے کان ناک کاٹ کر عیب دار کر دیتے ہو۔" پھر فرمایا کہ "اللہ کا وہ طریقہ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اُس کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ہر بچہ عمدہ طینت اور اس حالت پر پیدا ہوتا ہے کہ جس میں خدا شناسی اور حق اور باطل میں تمیز کرنے کی اس عقل صحیح اور وضع مستقیم کی وجہ سے جو اُس میں پیدا کی گئی ہے پوری قابلیت ہوتی ہے اگر اُس کو خارجی آفت مثلاً تربیت کی خرابی یا والدین کی تقلید اور شہوتوں میں پھنس جانا وغیرہ آفتیں نہ پیش آئیں تو اُس کی طبیعت اُس کو اس بات پر لے آتی کہ وہ معرفت الہی کے دلائل میں مشغول ہو اور اس امر پر استدلال کرے کہ اللہ موجود اور قدیم اور واحد اور موصوف بقدرت و ارادہ و علم و حیات ہے۔ اسی طرح اور جو اوصاف اُس

کی شان کے شایاں ہیں لیکن مذکورہ بالا آفتیں اُس کو اس سے روک دیتی ہیں جیسا کہ جانور کا بچہ پورا پیدا ہوتا ہے اور جدوع سے بچا ہوا ہوتا ہے جدوع ناک اور کان وغیرہ نہ کاٹتے تو جیسا پیدا ہوا تھا ویسا ہی بھلا چنگا رہتا۔

حدیث میں حضور علیہ السلام نے لڑکے کے فطرتِ اسلامی پر پیدا ہونے کو جانور کے پورے بچہ پیدا ہونے سے مشابہت دی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ جانور میں سلامتی سے ظاہری عیبوں سے پاک ہونا مراد ہے اور لڑکے کی سلامتی سے باطنی عیبوں سے جو خدا شناسی اور امر و نہی کے قبول کر نیسے مانع ہیں بری ہونا مراد ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ سب لوگ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتے ہیں جو عقل عطا شدہ کے ساتھ مل کر خدا شناسی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی قابلیت و استعداد ہونے کا نام ہے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا ہے اور بطور اقتباسی کے فرمایا ہے کہ وہ فطرتِ الہی جس پر اُس نے لوگوں کی آفرینش فرمائی ہے۔

پس آپ کا یہ ارشاد اس کے قائم مقام ہے کہ اُس فطرتِ الہی کو جو خدا شناسی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی قوت کا نام ہے لازم کر لو۔ لہذا اس بنا پر ہر مکلف کو واجب ہے کہ اُس فطرت کو ضائع نہ ہونے دے بلکہ مناسب ہے کہ اُس کو معرفتِ الہی کی تحصیل اور حق و باطل کی شناخت میں استعمال کرے۔ اور معرفتِ الہی سے اس کی ذات کی شناخت مراد نہیں معرفتِ الہی کا صحیح مفہوم | کیونکہ ذاتِ خداوندی کا علم طاقتِ بشری سے باہر ہے بلکہ مقصود یہ اور حدوثِ عالم کی دلیل ہے کہ اُس کی صفات کو پہچاننا، اُس کی صفاتیں دو قسم کی ہیں ایک سببی دوسری ثبوتی۔ سببی تو اللہ تعالیٰ کو اُن تمام صفات سے پاک سمجھنا ہے جو اُس کی شان کے شایاں نہیں ہیں اور جن سے احتیاج اور نقصان لازم آتا ہے۔ اور ثبوتی کی دو قسمیں ہیں اول تو وہ جن پر خدا کے افعال مبنی ہیں اور وہ قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات ہیں اور دیگر قسم کی وہ صفاتیں ہیں جن پر اُس کے افعال موقوف نہیں ہیں مثلاً سمع و بصر و کلام۔

اور اُس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مثل چاند سورج کے محسوس تو ہے نہیں کہ اُس کو حس سے معلوم کر لیں نہ اُس کے وجود کا علم بدیہی ہے جیسے یہ معلوم ہے کہ ایک دو کا آدہ ہے تاکہ اُس کا وجود بدیہتہ معلوم ہو جائے بلکہ اُس کا وجود دلیل سے معلوم کیا جاتا ہے اور وہ دلیل عالم کا حادث ہونا ہے۔

مع اقتباس علم باریح کی ایک صنعت ہے کہ کلام مجید حدیث یا کسی بزرگ کے کلام سے بعینہ کچھ حصہ عبارت کا موقع مناسب اپنی عبارت میں ملا کر ادا کر دیا جائے۔

اور اُس کے حدوث کا بیان یہ ہے کہ وہ اعیان اور اعراض ہیں اعیان سے مراد وہ اجسام ہیں جو بذات خود قائم ہیں اور اعراض سے مراد وہ صفات ہیں جو بذات خود قائم نہیں بلکہ اجسام کے ساتھ قائم ہوتی ہیں اور اُن ہی کو لازم ہیں اور اُن سے جدا نہیں ہوتیں اور یہ دونوں سے حادث ہے۔

لیکن اعراض تو اُن میں سے بعض کا حدوث تو دیکھنے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ حرکت سکون کے بعد اور روشنی اندھیرے کے بعد اور سیاہی سفیدی کے بعد آتی جاتی رہتی ہیں۔ اور بعض کا حادث ہونا دلیل سے معلوم ہوتا ہے اور وہ دلیل عدم کا آجانا ہے جیسا کہ سفیدی روشنی کی ضدوں میں۔

اور اجسام کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اجسام حوادث سے کبھی خالی نہیں ہوتے اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے اور حوادث سے خالی نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ وہ حرکت اور سکون سے خالی نہیں ہوتے اور یہ ظاہر ہے بدائتہ اور انظرارا اس کا علم ہوتا ہے اس میں کچھ بھی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے اور حرکت اور سکون دونوں حادث ہیں کیونکہ وہ آگے پیچھے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ایک کے آنے سے دوسرا منت ہو جاتا ہے۔

اور بعض اجسام میں تو یہ دیکھا جاتا ہی ہے اور جن میں دیکھا نہیں جاتا اُن کی دلیل یہ ہے کہ کوئی ایسا ساکن نہیں ہے جس کی حرکت عقلاً ممکن نہ ہو اور نہ کوئی متحرک ایسا ہے جس کا ساکن ہونا عقلاً ناممکن ہو پس ان میں جو پیدا ہوا ہے وہ حادث ہے کیونکہ وہ اب پیدا ہوا ہے اور جو اس کو پیدا سے پہلے تھا وہ بھی حادث ہے کیونکہ اگر قدیم ہوتا تو معدوم نہ ہو سکتا اور جو چیز حوادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے کیونکہ اگر حادث نہ ہو تو قدیم ازلی ہوگی اور اس سے حادث کا ثبوت بھی ازل میں لازم آئے گا اور یہ مجال ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آئے گا کہ ہر حادث کے پہلے حوادث اس طرح مرتب ہوں کہ انکی ابتدا نہ ہو جیسا کہ فلاسفہ حرکات افلاک اور اشخاص حیوانات وغیرہ کے بارے میں کہتے ہیں چنانچہ فلاسفہ اور انکے پیرو بعض وہ نام کے فلاسفہ کا نظریہ، عالم قدیم ہے | مسلمان جن کو اسلام سے کچھ نسبت نہیں کہتے ہیں کہ عالم علوی اور ان کی تمام ذات و صفات سوائے ایک حرکت کے سب قدیم ہیں اور حرکت بھی اپنے افراد کے اعتبار سے حادث ہے لیکن نوع کے اعتبار سے وہ بھی قدیم ہے۔

پس کوئی ایسی حرکت نہیں جس سے پہلے اور حرکت نہ ہو مگر ایسی سے ابتدا ہو۔
در عالم سفلی جو عالم کون و فساد ہے اور یہ فلک قمر کے نیچے ہے اس کے بارے

ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کا ہیولی قدیم ہے اور اُس کے تمام اعراض اور صورتیں باعتبار اپنے اشخاص کے حادث ہیں اور بلحاظ انواع کے قدیم ہیں۔ جو بچہ ہے وہ باپ ہی سے ہے اور جوانڈا ہے وہ مرغی ہی سے ہے اور جو مرغی ہے وہ انڈے سے ہے اور ہر کھیتی بیج ہی سے ہے۔ اسی طرح ایک غیر متناہی سلسلہ تک۔

پس اُن کے قول کی رو سے لازم آتا ہے کہ ایسے عوادم موجود ہیں جن کی ابتدا نہیں کیونکہ اُن کے قول کی بنا پر کوئی حادث ایسا نہیں ہے جس کے پہلے کوئی ایسا حادث ہو جو سب سے اول ہو بلکہ اس سلسلہ کی کہیں ابتدا نہیں اور حوادث غیر متناہی کے موجود ہونے پر لازم آئے گا کہ حرکات افلاک اور اشخاص حیوانات وغیرہ میں سے ہر حادث کے پہلے حادث اس طرح مرتب ہوں کہ اُن کی ابتدا نہ نکلے تو جب تک کہ وہ سب حوادث نہ گذر چکیں گے اُس وقت تک حادث موجود کے وجود کی نوبت نہ آئے گی اس لئے کہ آج کی حرکت کے لئے بھی یہ شرط ہے اور اسی طرح اوپر کو بڑھتے چلے جاؤ اور جس چیز کا کہیں بہر نہ ہو اس کا ختم ہو جانا محال ہے۔

نبوت، وجود باری اور فلاسفہ اور اس کو یوں سمجھو کہ بر تقدیر عدم متناہی حوادث اگر تم کسی حادث کے نظریہ قدیم عالم کا بطلان موجود کو دیکھو اور پھر اُس سے پہلے حادث پر نظر لے جاؤ اسی طرح اس سے پہلے حادث کی طرف خیال کرو اور اسی طرح شروع کی جانب بڑھتے چلے جاؤ تو تم کو کبھی ابتدا کی جانب کوئی انتہا نہ ملے گی جس سے حادث موجود کے وجود کی نوبت آئے۔ اور اس لئے لازم آتا ہے کہ حادث موجود کا وجود محال ہو لیکن حادث موجود کا وجود چونکہ ثابت ہے لہذا حوادث غیر متناہی کا وجود باطل ہوا اور جب حادث غیر متناہی کا وجود باطل ہے تو یہ بھی باطل ہے کہ کوئی چیز حوادث سے خالی نہ ہوتے ہوتے قدیم و ازلی ہو اور ایسی شے کی قدامت کے بطلان سے اُس کا حادث اور اُس کے حادث سے عالم کا بجمع اجزائہ (آسمان زمین اور ان کے متعلقات وغیرہ) حادث اور ایک ایسے محدث کی طرف احتیاج ثابت ہوتی ہے کہ اُس کو عدم سے وجود میں لائے اور یہ ضروری ہے کہ وہ محدث قدیم واحد قدیر صاحب ارادہ و علم و حیات ہو۔

کیونکہ اگر وہ محدث قدیم نہ ہو بلکہ حادث ہو تو خود بھی کسی محدث کا محتاج ہوگا تو یہ دور پائلس یعنی حادث غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ دونوں محال ہیں اور اگر ایک نہ ہو بلکہ ایک سے زائد ہوں تو لازم آئے گا کہ اُن میں ایسی روک ٹوک واقع ہو کہ عالم کا عدم لازم آئے اور اگر قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات سے منتصف نہ ہو تو عالم کی کوئی چیز پیدا نہ کر سکے گا کیونکہ پیدا کرنا قدرت کا اثر ہے اور قدرت کسی چیز میں اسی وقت کام کرتی ہے جبکہ اُس شے کا ارادہ ہو اور کسی شے کا ارادہ اُس کے علم کو مقتضی ہے اس لئے کہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا قصد بدون اس کے علم کے

محال ہے اور ان تینوں صفتوں کے ساتھ موصوف ہونا حیات کو چاہتا ہے کیونکہ وہ اس میں شرط ہے پس اس بنا پر عالم کا وجود بلکہ اُس کے ہر ہر ذرہ کا وجود اس امر کے لئے دلیل قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور قدیم واحد اور چاروں صفات مذکورہ سے موصوف ہے۔

اسی لئے بعض اہل نظر اثر سے مؤثر پر دلیل لا کر کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی شے نہیں دیکھی جس کے بعد ہی خدا کو نہ دیکھا ہو۔ کیونکہ عالم کا ہر ذرہ بحیثیت اپنے حدوث اور وجود کا محتاج ہونے کی وجہ سے زبان حال سے جس میں نہ آواز ہے نہ حرف ہمیشہ کہتا ہے کہ میرا ایک موجد قدیم واحد و قدرت و ارادہ و علم و حیات سے اوصاف سے جو اُس کی شان کو زیبا ہیں موصوف ہے۔

سننے والے اُس کے کلام کو سنتے ہیں اور وہ لوگ نہیں سن سکتے جو معذور ہیں اور سمع سے مراد سمع باطنی ہے جس سے وہ باتیں سنی جاتی ہیں جن میں نہ حرف ہے نہ آواز نہ عربی ہے نہ عجمی، سمع ظاہری مراد نہیں ہے جس سے صرف آوازیں سن سکتے ہیں اور جس میں انسان اور چوپائے برابر ہیں۔ اس لئے اُس چیز کی قدر کیا جس میں چوپائے اور انسان برابر ہوں۔ صفات باری تعالیٰ کا ثبوت اور حاصل یہ ہے کہ مکلف بذریعہ عقل کے اُن ہی صفات کو جان سکتا ہے جن کا پتہ اُس کے افعال سے ملتا ہے اور جن پر اس کے افعال دلالت نہیں کرتے جیسے سمع و بصر و کلام، تو اللہ کے لئے اُن کے ثبوت کے لئے کبھی عقل سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی نقلی دلیل سے۔

اُن کے ثبوت کی عقلی دلیل تو یہ ہے کہ یہ صفتیں صفات کمال اور اُن کی ضدیں ناقص صفتیں ہیں اور یہ واجب ہے کہ خدا کامل صفتوں سے موصوف اور ناقص صفتوں سے بزمی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا ان صفات سے موصوف ہونا واجب ہوا۔

اور نقلی دلیل ان کے ثبوت پر یہ ہے کہ شریعت میں اس کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے پس واجب ہوا کہ اللہ کے لئے ان صفات کا ثبوت تسلیم کیا جائے اور اس مسئلہ میں نقلی دلیل عقلی دلیل سے زیادہ قوی ہے اس لئے کہ ان صفات پر افعال خداوندی موقوف نہیں ہیں جن سے ان کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے معام کیا جائے اور ذات خدا تعالیٰ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ صفات خدا کے اعتبار سے بھی کمال ہیں اور ان سے اس کا موصوف ہونا ضروری ہے کہ اگر اُن سے موصوف نہ ہو تو اُن کی ضدوں سے موصوف ہونا لازم آئے گا۔

اور ان صفتوں کا کمال ہونا صرف ہمارے اعتبار سے ہے اور یہ ضروری نہیں

ہے کہ جو چیز ہمارے لئے کمال ہو وہ اللہ کے لئے بھی کمال ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آرام اور تکلیف باوجودیکہ ہمارے لئے کمال ہیں اللہ کے لئے محال ہیں کیونکہ یہ اجسام کے عوارض ہیں، اسی بنا پر ان صفات کو خدا کے لئے ثابت کرنے میں ان انبیاء کا کلام نقل کرنا لازم ہے جن کی نبوت معجزہ سے ثابت ہو جو خداوند عالم کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میرا بندہ میری طرف سے جو احکام تو لا یا فعلاً یا سکوناً پہنچاتا ہے اس میں وہ سچا ہے کیونکہ معجزہ اس وجہ سے کہ وہ خداوند تعالیٰ ہی کا ایک خلاف عادت فعل ہے جو رسول کے ہاتھوں دعویٰ رسالت کی وقت ظاہر ہوتا ہے رسول کے لئے فعلی تصدیق اور تصدیق تولی کا قائم مقام ہے کیونکہ اللہ کا دعویٰ رسالت کے وقت کوئی امر خلاف عادت مستمرہ رسول کے ہاتھ پر ظاہر کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ میرا رسول میری جانب سے قولاً یا فعلاً یا سکوناً جو بیان کرتا ہے سب سچ ہے۔

علماء نے اس کی مثال یوں بیان کی ہے کہ ایک شخص اگر بادشاہ کے دربار میں جماعت کے سامنے کھڑا ہو کر یوں کہے کہ میں اس بادشاہ کا ایلیچی ہوں مجھ کو فلاں فلاں احکام دیکر تمہارے پاس بھیجا ہے اور لوگوں کے سچائی کی دلیل طلب کرنے پر یہ دلیل پیش کرے کہ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی عادت کے خلاف تین مرتبہ اٹھے اور بیٹھے اور بادشاہ اُس کے کہنے سے ایسا ہی کرے تو کوئی شک نہیں کہ بادشاہ کا یہ فعل اس قول کے قائم مقام ہے کہ یہ شخص جو کہتا ہے سچ ہے اور اس سے ہر اُس شخص کو جس نے بادشاہ کو ایسا کرتے خود دیکھا ہے یا بتواتر سنا ہے علم یقینی حاصل ہو جائے گا اور اس میں شک نہیں کہ یہ مثال انبیاء علیہم السلام کے حال کے بالکل مطابق ہے کیونکہ ان کے معجزات سے بھی ہر اُس شخص کو جس نے معجزہ خود دیکھا ہو یا بتواتر سنا ہو علم یقینی بدیہی حاصل ہو جاتا ہے اور جب اُن کا صدق ثابت ہو گیا تو اُن پر ایمان لانا واجب ہے لیکن ایمان اُس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے کیا چیزیں ضروری اور جائز ہیں اور کیا اُن کے حق میں محال ہیں۔ وہ صفات جو اُن کے لئے واجب ہیں یہ ہیں۔ سچائی انبیاء کے لئے کن صفات کا ہونا امانت اور امر و نہی کا بیان کر دینا اور ان صفتوں کی ضدیں اور کن کا نہ ہونا واجب ہے اُن کے حق میں محال ہیں یعنی کذب اور خیانت اور جس کی تبلیغ کا انہیں حکم ہوا ہے اُس کا چھپانا۔ اور جو صفتیں اُن کے لئے جائز ہیں وہ بشری اعراض ہیں جن سے اُن کی نشان میں کچھ بڑھ نہیں لگتا مثلاً بیماری وغیرہ۔ اور اُن کے لئے صدق کا واجب ہونا اور کذب کا محال ہونا اسلئے ہے کہ اُن کا معجزہ اُن کی صداقت کی دلیل ہے۔ تو اگر اُن کا کذب ممکن ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ معجزہ

جو صدق پر دلالت کرتا ہے باطل ہو جائے اور یہ محال ہے۔

اور اُن کے حق میں امانت کا واجب ہونا اور خیانت کا محال ہونا اس وجہ سے ہے کہ اگر وہ کوئی فعل حرام یا مکروہ کر کے خیانت کرتے تو ہم کو بھی اُس میں اُن کی پیروی کا حکم ہوتا کیونکہ خدا نے سب مخلوق کو اُن کے اقوال و افعال اور سکوت میں اُن کی پیروی کا حکم دیا ہے پس اگر اُن سے اللہ کے علم میں کوئی خیانت ممکن ہوتی تو وہ خلقت کو اُن کی پیروی کا حکم نہ دیتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ اللہ نے اُن کو حرام یا مکروہ کام کرنے سے معصوم بنایا ہے اور اُن سے وہی کام ہونگے جو واجب ہیں یا مستحب یا مباح، اور یہ باعتبار نفس فعل کے ہے ورنہ اُن کی ذات کے لحاظ سے تو حق یہی ہے کہ اُن کے افعال واجب اور مستحب کے ہی درمیان رہتے ہیں اس لئے کہ امر مباح اُن سے عام لوگوں کی طرح بمقتضائے شہوت نفس نہیں ہوتا بلکہ اُن سے تو نیک نیتی سے ہوتا ہے جس سے وہ عبادت بن جاتا ہے اور کم از کم یہی کہ اُمت کی تعلیم مقصود ہوتی ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوتی تو ہر مومن پر واجب ہے کہ نہایت محنت اور اپنے ایمان پر خوفزدہ رہے کہ ایسا نہ ہو کہیں اُن خرافات باتوں کی طرف کان لگائے اور ذہن کو منحرف کرنے سے جو جھوٹے مؤرخ اُن کے حق میں لکھتے ہیں اور بعض جاہل مفسرین بھی بعض باتوں میں اُن کی پیروی کرتے ہیں اُس کا ایمان جاتا رہے کیونکہ وہ بسبب کم فہمی اور عدم تحقیق کے اکثر اوقات قرآن اور حدیث کے ظاہری معنوں سے بہتان لگاتے ہیں۔

اس لئے بزرگ کہتے ہیں کہ عقائد میں محض ظاہر کتاب و سنت سے دلیل پکڑنا اور اس بات کی تفصیل نہ کرنا کہ اُن امور میں کونسا محال ہے اور کونسا محال نہیں ہے بلاشبہ کفر و بدعت کی جڑ ہے۔ امام سنوسی کہتے ہیں کہ صرف کتابوں اور غلط کار مشائخ اور فقہانے بے تحقیق سے علم حاصل کرنا بھی حکم رکھتا ہے۔

اور اُن کے حق میں احکام رسانی کا واجب ہونا اور چھپانے کا محال ہونا اس لئے ہے کہ اگر انبیاء علیہم السلام احکام الہی میں سے کچھ بھی چھپا لیتے تو اُمت کو بھی حکم یہی ہوتا کہ بعض باتیں اُن کی پیروی کے خیال سے چھپا لیا کریں۔ اور حاجت مند کو علم نافع نہ بتلائیں اور یہ چھپانا حرام ہوتے ہوئے اور چھپانے والا ملعون ہوتے ہوئے یہ کیونکر خیال میں آسکتا ہے اور یہ قول خداوندی اس کی شہادت ہے کہ جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ حکم نے اتارا کھلا حکم اور ہدایت بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے ظاہر کر دیا اُن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرتے ہیں سب لعنت کرنے والے۔

انبیاء کیلئے اعراض بشری جائز ہیں | اور اعراض بشری کا اُن کے لئے ممکن ہونا اس لئے ہے کہ وہ

ان کی رسالت اور علو شان میں بالکل مضر نہیں ہیں بلکہ ان کا مرتبہ بڑھانے والی چیزیں ہیں کیونکہ صبر کی عبادت سے ان کا ثواب بڑھ جاتا ہے اللہ اس پر قادر تھا کہ ان کو یہ ثواب عظیم بلا مشقت کئے ہوئے عنایت فرماتا لیکن اپنی حکمت عظیمہ سے ضعیف العقل لوگوں پر مہربانی کرتے ہوئے اس نے بھی پسند کیا کہ ان کو یہ ثواب عظیم ان عوارض کے ساتھ دیا جائے تاکہ بیوقوف لوگ ان کو خدا نہ سمجھ لیں۔

اور اسپس ان کے صدق اور منجانب اللہ بھیجے جانے کی اور نیز اس کی کہ ان کے ہاتھ پر جو معجزے ظاہر ہوتے ہیں وہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں ان کو اس کے پیدا کرنے کی کچھ قدرت نہیں ہے سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ اگر ان کو اس کے پیدا کرنے کی قدرت ہوتی تو اپنے اوپر سے ان بلاؤں کو بھی دور کر لیتے جو اس سے آسان کام ہے یعنی بیماری اور بھوک اور پیاس اور گرمی اور سردی کا ڈکھ اور خلق کی اذیت وغیرہ۔

اور اس میں ایک اور بڑا فائدہ اور بھی ہے یعنی خلق کو ان باتوں کے متعلق احکام سکھانا جیسا کہ حضور علیہ السلام کی نماز میں سہو کر جانے سے سہو نماز کے احکام معلوم ہوئے بیماری اور خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ آپ ہی کے عمل سے معلوم ہوا اور کھانے پینے کے آداب آپ ہی کے کھانے پینے سے معلوم ہوئے۔

سوٹھویں مجلس نیکیت اور بدبخت کی تحقیق اور کفر وغیرہ کے اقسام کے بیان میں

اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بعض بندے دوزخیوں کے کام کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ جنتی ہوتے ہیں اور بعض بندے جنتیوں کے کام کرتے رہتے ہیں حالانکہ وہ دوزخی ہوتے ہیں اور اعتبار خاتمہ ہی کا ہے۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور راوی سہل بن سعد ہیں اس حدیث میں عمل چھوڑ دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس میں ہمیشہ عبادت کرتے رہنے اور تمام عمر گناہوں سے اس خوف سے کہ وہی وقت اس کی عمر کی کہیں آخری گھڑی نہ ہو بچتے رہنے کی ترغیب ہے اور نیز اس میں اپنے اعمال پر خود بینی اور اثرانے سے چھڑکی بھی ہے کیونکہ کیا خبر ہے کہ انجام کار کیا ہوگا بہتیرے آدمی ایمان اور اطاعت سے جنتیوں کے کام کرتے رہتے ہیں اور تقدیر الہی میں وہ چونکہ دوزخی ہیں اسلئے وہ آخر میں ایمان اور طاعت سے کفر اور گناہ کی طرف پھر جاتے ہیں اور کفر اور معاصی پر مگر دوزخی ہو جاتے ہیں اور بہتیرے دوزخیوں کا کام

کفر اور گناہ کرتے رہتے ہیں اور تقدیر الہی میں چونکہ وہ جنتی ہیں پس آخر عمر میں وہ کفر اور گناہوں سے تائب ہو کر مؤمن اور عابد ہو جاتے ہیں اور ایمان اور عبادت پر ان کا خاتمہ ہوتا ہے اور جنت میں داخل ہوتے ہیں۔

اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے یعنی بندہ کے عمل سعادت اور شقاوت کے اعتبار سے آخر عمر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں سعادت مند اور بد بخت کی علامت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”عمل کرو کیونکہ ہر شخص کو وہی کام آسان ہوگا جس کیلئے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص سعادت مند ہے اُسکو نیکیوں جیسے کام آسان ہوں گے اور جو بد بخت ہے اُس کو بد بختوں جیسے کام آسان ہوں گے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں یہ بیان فرمایا ہے کہ ہر شخص بُرائی اور بھلائی جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا اسی کا مورد اور موقع ہے۔ جو شخص ایسے مفتر کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے کہ وہ جنتی ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہاتھ سے جنتیوں ہی کے کام کراتا ہے اور اُس کو اُس کے لئے آسان کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اسی حال میں مر کر جنتی ہوتا ہے اور جس کی پیدائش اس تقدیر کے ساتھ ہے کہ وہ دوزخی ہوگا تو اُس کے ہاتھ سے اللہ دوزخیوں کے کام کرائے گا اور اُس کو وہی کام آسان ہوں گے۔ یہاں تک کہ مر جائے گا۔ اور دوزخی ہوگا۔

پس ظاہر عمل کی دلیل سے ظن غالب ہو جاتا ہے کہ یہ آدمی ہر دو قسم میں سے کس قسم کا ہے۔ اور اسی لئے واجب ہے کہ عمل نیک سے کسی وقت خالی نہ رہے اسلئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ موت کب آئے گی کیونکہ نہ اُس کا کوئی سنہ اور وقت معین ہے نہ اُس کا مرض معلوم ہے پس خوشی سے اُس شخص کے لئے جس کو خدا نے سمجھ دی سے اور خواب غفلت سے بیدار ہے اور خاتمہ کی فکر میں لگا ہے۔ اور میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں کہ ہم کو نیکی میں بشارت اللہ کے دوستوں کے لئے کے ساتھ موت دے۔ کیونکہ مؤمن کو مرتے وقت اللہ کی طرف سے موت کے وقت خصوصی بشارت بشارت دی جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن لوگوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے اُن پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوشخبری لو جنت کی جس کا تم سے وعدہ ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا ہے کہ جن لوگوں نے اُس کے پروردگار ہونے کا اقرار کیا ہے اور اُس کی یکتائی کے قائل ہوئے ہیں اور مرتے دم تک اسی قول و قرار پر اسطرح جسے رہے ہیں کہ تمام احکام بجالاتے رہے اور تمام گناہوں سے بچتے رہے ہیں کیونکہ بدون اس کے استقامت نہیں ہوتی بلکہ ایک حکم پر بھی عمل نہ کرنے اور ایک گناہ کے کرنے

سے بھی راہِ حق سے کچی پیدا ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے مرتے وقت فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہ کہہ کر بشارت دیتے ہیں کہ مرت ڈرو اور مرت غم کرو اور اس جنت کی خوشخبری سنو جس کا تم سے تمہارے پیغمبر کی زبانی وعدہ تمہارے خدا نے وعدہ کیا تھا۔ اور اللہ کے دشمنوں کا موت سے گریز کرنا اپنے دشمنوں کے حق میں یوں فرمایا ہے کہ "اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو اور وہ اُس کی کبھی تمنا نہ کریں گے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں بہت بدکاریاں کر چکے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنے اقرار کے سچے ہیں وہ مرنے کے لئے ہر دم تیار رہنے کی وجہ سے موت کی خود تمنا کرتے ہیں اور اس سے بھاگتے نہیں ہیں کیونکہ ان کے عمل نیک ہیں، اور ظالم چونکہ مرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے وہ موت کے آرزو مند نہیں ہیں بلکہ اُس سے بھاگتے ہیں کیونکہ اُن کے بُرے عمل ہیں اس لئے کہ عملِ بد اگرچہ دائرہ ایمان سے نکالتا لیکن وہ خاتمہ کی خرابی اور آخرت کی نحوست کا عملِ بد خاتمہ کی خرابی کا سبب ہوتا ہے | سبب ضرور ہوتا ہے کیونکہ خاتمہ اسی کا خراب ہونا ہے جس کے عقیدے میں خرابی ہو یا گناہوں پر اصرار ہو یا استقامت سے پھر گیا ہو یا ایمان میں ضعف ہو۔ اعتقاد کی خرابی تو یوں ہوتی ہے کہ ڈل میں کسی قسم کا شرک ہو کیونکہ شرک چھ طرح کا شرک اور مشرکین کی اقسام | ہوتا ہے۔ ایک شرک استقلال ہے وہ یہ کہ دو مستقل خدا ثابت شرک استقلال | کر لے جیسے فرقہ ثنویہ کا شرک۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دنیا میں بہتیری بھلائیوں اور بہتیری بُرائیوں پاتے ہیں اور ایک ذات بھلی اور بُری دونوں طرح کی نہیں ہو سکتی پس ضرور ہے کہ اُن میں سے ہر ایک کا فاعل جدا جدا ہو پھر اس فرقہ کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک مانویہ اور اور ویسا نہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فاعل خیر نور ہے اور فاعل شر ظلمت اور دوسری قسم مجوسی ہیں وہ کہتے ہیں کہ فاعل خیر یزدان ہے اور فاعل شر اہرمن جس کو شیطان بھی کہتے ہیں۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اہرمن بھی یزدان کی طرح قدیم ہے یا اسی سے پیدا ہوا ہے۔

شرک تبعیض | اور شرک کی دوسری قسم شرک تبعیض ہے یعنی خدا کو کئی خداؤں سے مرکب بھیرنا جیسے نصاریٰ کا شرک کہ انہوں نے تین اقنوم وجود اور علم اور حیات ثابت کر کے یہ حکم لگایا ہے کہ یہ تینوں خدا ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ ایک جو ہر فرد ہے اور ان تینوں سے مرکب ہے اور کہتے ہیں کہ ان تینوں کا مجموعہ ملکر ایک خدا ہے اور ایک ذات کو تین صفتیں قرار دیا ہے اور یہ نامعقول بات ہے۔

شرک تقریب | اور شرک کی تیسری قسم شرک تقریب ہے یعنی غیر خدا کی عبادت اس لئے کرنا کہ وہ خدا

سے ملاوٹے گا جیسا کہ اگلے بُت پرست کیا کرتے تھے۔ اُن لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ ہماری اس قدر ذلیل اور ادنیٰ درجہ کی مخلوق ہونے کے باوجود اتنے بڑے سرکار کی عبادت بڑی بے ادبی اور چھوٹا منہ بڑی بات ہے اس لئے انہوں نے تقرب الہی کے لئے اُن چیزوں کی جو اُن کے خیال میں اُن سے بہتر ہیں مثلاً فرشتے - سورج - چاند - ستارے - آگ وغیرہ کی پرستش شروع کر دی پھر جب انہوں نے دیکھا کہ ہم جن کی پرستش کرتے ہیں وہ غائب ہیں تو انہوں نے اپنے غائب معبودوں کا شبیہ بنا کر انکی پرستش میں مشغول ہوئے اور گو اس سے اُن کی نیت یہی تھی کہ اُن بتوں کے ذریعہ سے اول اُن چیزوں کا تقرب حاصل کریں جن کی یہ شبیہ ہیں اور پھر اُس کے بعد اصل مقصد یعنی مولائے بزرگ سے مل جائیں لیکن شیطان نے اُن کی عقلوں کو کھلونا بنا کر اُن کو گمراہی میں ڈال دیا۔

شُرکِ تَقْلِید | چوتھی قسم شرک کی شرک تقلید ہے یعنی اوروں کی دیکھا دیکھی غیر خدا کی پرستش کرنا جیسا کہ پچھلے زمانے کے بُت پرست ہیں کہ جب انہوں نے اپنے باپ دادوں کو بُت چوختے دیکھا تو خود بھی ویسا ہی کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی اُن ہی کے قدم بقدم چلیں گے اور وہ بھی اپنے باپ دادوں کی طرح کھلی گمراہی میں ہیں۔

شُرکِ اسباب | پانچویں قسم شرک کی شرک اسباب ہے یعنی تاثیرات کو اسباب ظاہری کی طرف منسوب کرنا جیسے فلاسفہ اور طبیعیوں کا شرک اور بعض جاہل مومن جو اُس کے پیرو ہیں کہ انہوں نے جب پیٹ بھر جانے کا تعلق کھانا کھانے سے اور سیرابی کا پانی پینے سے اور ستر پوشی کا کپڑا پہننے سے اور روشنی کا سورج سے ارتباط دیکھا اور اسی طرح اور بہت سی چیزیں تو اپنی جہالت سے یہ سمجھنے لگے کہ جس چیز کے وجود کو جس سے علاقہ ہے بس وہی اس کی موثر ہے یا بذاتِ خود یا اس قوت سے جو اللہ نے اس میں پیدا کی ہے اور یہ غلط ہے۔

اور غلطی کا سبب یہ ہے کہ محسوسات پر معقولات کو قیاس کر لیا ہے کیونکہ انہوں نے صرف یہی بات تو دیکھی ہے کہ ایک چیز دوسری چیز سے دوسری کے ہوتے ہوئے متاثر ہوتی ہے اس قدر تو جس سے معلوم ہوا لیکن خود تاثیر جس سے نہیں معلوم ہوتی بلکہ عقل سے معلوم ہوتی ہے لیکن وہ نا سمجھی سے تاثیر پر بھی وہی حکم لگا بیٹھے۔

شُرکِ اغراض | چھٹی قسم شرک کی شرک اغراض ہے۔ یعنی دوسروں کے دکھانے کے لئے عمل کرنا جیسا ریہ کاروں کا شرک کہ وہ جب کوئی حکم شرعی واجب یا مستحب بجالاتے ہیں یا کوئی ممنوع چیز حرام یا مکروہ فعل کو چھوڑتے ہیں تو اُس سے خوشنودی خدا مقصود نہیں ہوتی بلکہ

ان کا مقصد اصلی اپنے بعض معتقدین سے تعریف کرانا یا اپنی محبت ان کے دل میں پیدا کرنا یا ان کے دل میں اپنی بڑائی ثابت کرنا یا مال حاصل کرنا یا جس مذمت کا انہیں ڈر ہے اُسے دفع کرنا ہوتا ہے اسی طرح وہ عمل بھی ہیں جو محض عروق و قصور اور بہشت کے لالچ سے اور دوزخ سے بچنے کے لئے کئے جائیں اور ان کے ایسا کرنے کا سبب یہ ہے کہ وہ توحید الہی بھول گئے اور ان کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ نفع یا نقصان اللہ کے سوا اور سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور نیز یہ کہ خلقت کو نفع و ضرر کی قدرت ہے یہاں تک کہ عبادت میں ان کا لحاظ اس خیال سے کرنے لگے کہ ان کی عبادت بھی دنیا و آخرت کے نفع و نقصان میں موثر ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر یہ لوگ اپنے دل میں یہی بات قائم رکھتے کہ کل کائنات کا خالق بلا واسطہ وہی ایک ہے اور کسی امر میں کسی چیز کو جس میں ان کی اطاعت بھی داخل ہے مطلق اثر نہیں تو ان کو اپنی عبادت سے جس کی ان کو توفیق ہوتی ہے سوائے تعمیل ارشاد الہی کے اور کچھ مقصود نہ ہوتا اور پھر اس چیز کی امید رکھتے جس کا اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا وجوب و استحقاق وعدہ فرمایا ہے۔ اور پہلی چار قسمیں یعنی شرک استقلال اور شرک تبعیض اور شرک تقرب مذکورہ بالا شرک اور مشرک کا حکم شرعی اور شرک تقلید بالاتفاق کفر ہیں۔ اور چھٹی قسم یعنی شرک اغراض بالاتفاق گناہ ہے اور پانچویں یعنی شرک اسباب کی تفصیل یہ ہے کہ ایسے مشرک اسباب کے موثر ہونے میں مختلف قسم کے اعتقاد رکھتے ہیں۔ بعض کا اعتقاد تو یہ ہوتا ہے کہ یہ اسباب ان چیزوں میں جن سے ان کو تعلق ہے بالبطع اور حقیقتہً موثر ہیں تو ان کے کفر میں کوئی کلام نہیں اور بعض کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ اسباب بالبطع اور حقیقتہً موثر نہیں ہیں بلکہ ایک قوت کے زور سے جو اللہ نے ان میں پیدا کی ہے موثر ہیں اور اگر وہ اس قوت کو نکال لے تو کچھ اثر نہ رہے اور اکثر عامۃً مسلمین نے بھی اس اعتقاد کی پیروی کی ہے تو اس عقیدت کے بدعت ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے البتہ کفر ہونے میں اختلاف ہے۔

پس جس شخص میں مذکورہ بالا چیزوں میں سے کوئی امر بھی ہو اور اپنے دل سے اس کے دور کرنے اور اپنی حالت درست کرنے میں کوشش نہ کرے تو اس کا خاتمہ بُرا ہو گا اگرچہ کتنا ہی بڑا زاہد و صالح ہو کیونکہ زہد و صلاح اسی وقت نفع دیتا ہے جب قرآن و حدیث فاسد عقیدہ والے کا عمل بیفائدہ ہے | کے موافق صحیح عقیدہ رکھتا ہو اور جب صحیح عقیدہ موافق قرآن و حدیث نہ ہو بلکہ اس کے خلاف فاسد عقیدہ رکھتا ہو تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

گناہوں پر اصرار کا نتیجہ | لیکن گناہوں پر اصرار کرنا تو اس سے دل میں ان کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان کو زندگی میں جس چیز سے محبت ہوتی ہے مرتے وقت اسی کی یاد آتی

ہے پس اگر انسان کی رغبت زیادہ تر عبادتوں کی طرف رہی ہوگی تو مرتے دم زیادہ تر عبادتیں ہی یاد آئیں گی اور اگر زیادہ تر گناہوں کی طرف رغبت رہی ہوگی تو مرتے دم گناہ ہی یاد آئیں گے پس کبھی مرتے وقت توبہ سے پہلے ہی کسی شہوت یا گناہ کا خیال غالب ہو جاتا ہے اور انسان کا دل اسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور اللہ اور اس کے درمیان پردہ بن جاتا ہے اور آخر وقت اُس کی بد بختی کا سبب ہو جاتا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گناہ کفر کے قاصد ہیں۔ اور جس نے گناہ کیا ہی نہیں یا کیا لیکن توبہ کر ڈالی ہے وہ اس خطرہ سے دور ہے استقامت سے پھر جانے والوں اور استقامت سے پھر جانا یہ ہے کہ راہِ حق سے کچی پیدا ہو کے انجام کی چند مثالیں جائے کیونکہ جو ابتدا میں مستقیم تھا پھر اپنی حالت سے پھر گیا اور جو حالت پہلی تھی وہ نہ رہی توبہ خاتمہ کی خرابی اور آخرت کی کوفت کا سبب ہو گا جیسا کہ۔

ابلیس شروع میں تو تمام فرشتوں کا سردار اور معلم اور سب سے زیادہ عبادت میں کوشش کرتا تھا یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین میں کہیں بالشت بھر جگہ اُس کے سجدہ سے نہ بچی تھی لیکن جب آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو غرور میں آکر انکار کر کے کافر ہو گیا۔

اور جیسے بلعام بن باعور اچکھو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیاں دی تھیں لیکن وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے اور اپنی خواہشوں کے پورا کرنے کو پسند کر کے اُن سے الگ ہو کر وہ گمراہ ہو گیا۔

اور جیسے برصیصا عابد جس سے شیطان نے کہا کافر ہو جا اور جب وہ کافر ہو گیا تو کہا میں تجھ سے بُری ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ شیطان نے پہلے تو اُسے کفر پر ابھارا اور جب وہ کافر ہو گیا تو اس ڈر سے کہ کہیں میں بھی اس کے عذاب میں شریک نہ ہو جاؤں اپنی برأت ظاہر کی حالانکہ اس سے شیطان کو کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "پس دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہی سزا ہے ظالموں کی" اور ضعفِ ایمانی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی محبت دل میں کم ہو کیونکہ جس شخص کا ضعفِ ایمانی کے نتائج اور ایمانِ ضعیف ہوتا ہے اُس کے دل پر دنیا کی محبت ایسی غالب اُن سے حفاظت کا طریقہ آجاتی ہے کہ اللہ کی محبت کی کچھ بھی گنجائش باقی نہیں رہتی مگر کچھ یوں ہی سی کہ خواہشِ نفس کی مخالفت میں کچھ اُس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا نہ گناہ روکنے میں وہ کچھ موثر ہوتی ہے نہ عبادت پر آمادہ کرنے میں اور اس وجہ سے وہ شہوتوں اور گناہوں میں غرق رہتا ہے جس سے اُس کے دل پر گناہوں کی سیاہی کی تہیں جم جاتی ہیں اور نورِ ایمان اول ہی سے

ضعیف تو تھائی۔ رہا سہا وہ بھی ہمیشہ بھتار ہوتا ہے حتیٰ کہ جب نزع کا وقت آتا ہے اور اُسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ اب وہ دنیا جو اُس کی پیاری ہے اور جس کی محبت اسقدر اُسپر غالب ہے کہ اُس کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور اگر چھوٹی تو رنج ہوگا اب چھوڑنے والا ہے تو چونکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اس لئے ڈر ہے کہ اُس کے دل میں کہیں محبت کے عوض خدا کا بغض نہ بیٹھ جائے اور اگر اتفاقاً اسی حالت میں جان بھی نکل گئی تو اُس کا خاتمہ بُرا ہوا اور ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گیا۔

اور اس بلا کا سبب دنیا کی محبت اور اُس کی رغبت اور ضعفِ ایمان کے ساتھ جو محبتِ خدا کو ضعیف کر دینے کا باعث ہے دنیا کے ساتھ دلچسپی ہے اور یہ بڑی سخت بیماری ہے جس میں اکثر خلقت مبتلا ہے جو شخص اس بلا سے بچنا چاہے اُس کو لازم ہے کہ دنیا کی محبت اپنے دل سے دور کر کے اور اپنا اعتقاد درست کر کے گناہوں اور گنہگاروں سے پرہیز کرے اور طاعتِ الہی سے جو اللہ کی محبت کا ثمرہ ہے مداومت کرے۔ اور اللہ کی محبت اُسکے پہچاننے اللہ کی محبت اس کے پہچاننے کے بعد ہی ہو سکتی ہے کیونکہ انسان کسی ایسی چیز سے محبت نہیں کر کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ سکتا جس کو جانتا ہی نہ ہو بلکہ محبت اسی سے ہوتی ہے جسے جانتا ہو پس جو شخص اللہ کو اُن اوصاف سے جان لے جن کا جانا واجب ہے اور سمجھ لے کہ غنئی نعمتیں مجھ کو اور اوروں کو حاصل ہیں سب اللہ ہی کی طرف سے ہیں تو بیشک اللہ کو دوست رکھے گا۔ پھر جب اُس سے محبت ہوگی تو اُس کی رضا جوئی میں کوشش کرے گا اور اُس کے عفتہ کے کاموں سے بچے گا۔ اور پھر حسب وعدہ الہی اُس کے احسان اور جنت میں داخل ہونے کے قابل ہوگا۔

خداوند اہم کو بھی آسان کیجیو ۛ

سترھویں مجلس اس بیان میں کہ قبروں پر نماز پڑھنے اور قبروں سے مدد مانگنے اور اُن پر چراغ اور موم بتیاں جلانا درست نہیں

قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا مطلب | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت خدا کی یہود اور نصاریٰ اور آنحضرت رسول خدا کی لعنت | پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہود و نصاریٰ کے لئے لعنت کی بددعا فرمانے کا یہ سبب ہے کہ وہ جہاں اُن کے انبیاء دفن تھے یا تو اس لحاظ سے کہ اُن کی قبروں کا سجدہ کرنا

اُن کی بڑائی کرتا ہے اُن مقاموں پر نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ کھلا شرک ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ "خداوند امیری قبر کو ثبت نہ بناؤ کہ اس کی پرستش ہو کرے۔"

یا اس خیال سے کہ وہ سمجھتے تھے کہ نماز پڑھتے وقت قبروں کی طرف منہ کرنا خدا کے نزدیک زیادہ تر قابل قبولیت ہے کہ اس میں دو باتیں ہیں اللہ کی عبادت اور انبیاء کی تعظیم اور یہ شرک خفی ہے اور اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو قبروں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت بھی نہ ہو اگرچہ دونوں کی یتیمیں الگ الگ ہیں اور یہ فرمایا کہ تم سے پہلے جو امتیں تھیں وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ بنا لیتی تھیں تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ بعض محققین نے کہا ہے قبروں کی تعظیم بت پرستی کہ کسی متبرک مقام میں جہاں صلحاء کی قبریں ہوں نماز پڑھنا بھی اس کا پیش خیمہ ہے ممانعت میں شامل ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب اُن صلحاء کی تعظیم اس کا سبب ہوا سوائے کہ اس میں شرک خفی ہے کیونکہ نوح علیہ السلام کی امت میں بت پرستی کی ابتدا یوں ہی ہوئی تھی کہ لوگ قبروں پر بیٹھے رہتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اس قول سے خبر دیتا ہے "نوح نے کہا اے میرے پروردگار ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کی تابعداری کی جسکے مال اور اولاد نے نہیں بڑھایا مگر نقصان اور بڑا ہموں کو اور کہتے ہیں کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور ہرگز نہ چھوڑو و و کو اور نہ سواع کو اور نہ یعوث اور یعوق اور نسر کو۔"

ابن عباسؓ اور نیز اگلے لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں نیک لوگ تھے جب یہ مر گئے تو لوگ اُن کی قبروں پر بیٹھنے لگے پھر اُن کی صورتوں کے بت بنا لئے جب اُس پر ایک زمانہ گذر گیا تو پھر اُن کو پوجنے لگے اور یہی بت پرستی کی ابتدا ہے۔

ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثہ میں اپنے استاد سے نقل کیا ہے کہ یہ علت جس کی وجہ سے شارع نے قبروں کو مسجد بنانے سے منع فرمایا ہے اسی نے بہتروں کو شرک اکبر یا اس سے کچھ کم درجے کے شرک میں مبتلا کر دیا ہے کیونکہ مرد صالح کی قبر کا شرک بہ نسبت درخت و پتھر کے شرک کے دل جلد قبول کر لیتا ہے۔ اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ بہتر سے لوگ قبروں کے پاس روتے ہیں اور گڑ گڑاتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں اور ایسی طرح دل سے عبادت کرتے ہیں کہ مسجدوں میں ویسی نہیں کرتے اور نہ صبح کے وقت کرتے ہیں اور قبروں کے پاس نماز پڑھ کر اور دعا کر کے اتنی برکت کی امید کرتے ہیں جتنی مسجدوں میں نہیں کرتے اسی

مادہ فاسد کے دور کرنے کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس بھی طلوع و غروب اور زوال کے وقت نماز پڑھنے کی طرح بالکل منع فرمادیا خواہ نماز پڑھنے والے کے دل میں برکت مکان کا خیال بھی نہ ہو لیکن جیسا کہ محض مشابہت ظاہری کی وجہ سے کہ مشرک طلوع و غروب کے وقت عبادت آفتاب کا خیال کرتے تھے اپنی اُمت کو منع فرمادیا گو مشرکین جیسا خیال آپ کی اُمت کے دل میں نہ ہو۔ اب اگر کوئی شخص قبر کے پاس اس غرض سے نماز پڑھے گا کہ نماز میں برکت کے لئے قبر پر نماز پڑھنا | برکت ہو تو یہ عین مخالفت خدا و رسول اور ایسا دین ایجاد کرنا مخالفت خدا و رسول ہے | ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی کیونکہ عبادتوں کی جڑ سنت اور پیروی پر ہے ہوا و ہوس اور بدعت پر نہیں ہے مسلمانوں کا علم دین کے موافق اس امر پر اتفاق ہے کہ قبروں کے پاس نماز ممنوع ہے کیونکہ فسادِ شرک اور اُبت پرستی سے مشابہت قبروں کے پاس نماز پڑھنے میں بہ نسبت طلوع و غروب و زوال کی نماز کے زیادہ ہے۔

اور جبکہ شارع علیہ السلام نے صرف اُس مشابہت سے روکنے کیلئے اس مفسدہ سے منع کیا جو نمازی کے کبھی خیال میں بھی نہیں آیا تو پھر اُس ذریعہ کا کیا کہنا جس سے اکثر شرک تک نوبت پہنچ جاتی ہے اور وہ یہ کہ مردوں کو پکارنے ہیں اور اُن سے حاجتیں مانگتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا مسجدوں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اُس کے علاوہ اور وہ عقائد جو مخالفت خدا و رسول ہیں۔ ابن قیم نے اپنی کتاب اغاثہ میں لکھا ہے حکم پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کی چند صورتیں | کہ جو شخص اُن چیزوں کو جو قبروں کے بارے میں سنت پیغمبر علیہ السلام ہیں اور جن کا حکم اور جن کی ممانعت ہے اور جو صحابہؓ اور تابعینؓ کا مسلک رہا ہے اور اُن چیزوں کو جن پر آجکل اکثر لوگوں کا عمل درآمد ہے جمع کر کے خیال کرے تو ایک کو دوسرے سے استفادہ خلاف اور اُلٹا پائے گا کہ ایک دوسرے سے بالکل میل نہ کھائیں گے کیونکہ حضور علیہ السلام نے قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ لوگ اس کے خلاف وہیں نماز پڑھتے ہیں اور قبروں پر مسجدیں بنانے سے ممانعت کی ہے حالانکہ یہ لوگ اُس کے خلاف وہیں مسجدیں بناتے ہیں اور ان کو مشاہدہ کہتے ہیں۔

اور اُن پر چراغ جلانے کی ممانعت کی ہے اور یہ لوگ اس کے خلاف ان پر ہانڈیاں اور موم بنیاں روشن کرتے ہیں اور نہ یہی بلکہ اس کام کے لئے جائدادیں وقف کرتے ہیں۔

اور ان پر ریختہ کرنے اور مقبرہ بنانے سے بھی منع کیا ہے برخلاف اس کے

لوگ قبروں پر ریختہ کرتے ہیں اور بُرج بناتے ہیں۔

اور قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور برخلاف اس کے لوگ جو حسیں چسپاں کرتے ہیں اور قرآن وغیرہ لکھتے ہیں۔

اور قبروں پر اُس مٹی سے زائد ڈالنے سے بھی منع فرمایا جو خود قبر سے نکلی ہے اور لوگ اُس کے خلاف کرتے ہیں کہ علاوہ اُس مٹی کے اینٹیں۔ پتھر۔ چونا زیادہ کرتے ہیں۔

اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا ہے لیکن لوگ مخالفت کر کے میلہ بناتے ہیں اور اُس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور حاصل یہ گمراہی کی انتہا ہے کہ یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی سے متقابلہ اور اُن کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور بہکانے والے گمراہ کی تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ انہوں نے قبروں کا حج مقرر کیا ہے اور اُس کے طریقے مقرر کئے ہیں اور کسی کئے گمراہ نے تو اس بارہ میں کتاب تصنیف کی ہے اور اُس کا نام مناسک حج مشاہد رکھا ہے۔ گویا اُس نے قبروں کو بیت اللہ سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دین اسلام سے خارج ہو کر بت پرستوں کے دین میں داخل ہونا ہے۔

اب دیکھو کہ رسول اللہ نے قبروں کے بارہ میں جن مقدم الذکر باتوں سے منع فرمایا ہے اور اُن لوگوں نے جن باتوں کو گھڑ کر اپنا منقوض و بنایا ہے ان دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور بلاشبہ اُس میں اس قدر خرابیاں ہیں کہ اُن کے شمار کرنے سے انسان عاجز ہے ایک تو اُن کی اس قدر تعظیم کرنی جس سے لوگ فتنہ میں پڑ جائیں دوسرے اُن قبروں کو مسجدوں پر جو اللہ کے نزدیک سب مقاموں سے افضل اور پسندیدہ ہیں فضیلت دینا کیونکہ یہ لوگ قبروں کے پاس جاتے ہیں ایسی تعظیم اور حرمت اور عاجزی اور خوف اور ترم دلی کیساتھ جاتے ہیں کہ اتنا مسجدوں میں نہیں کرتے اور مسجدوں میں اُن سے ایسی حالت ظاہر نہیں ہوتی اور یہ کہ قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں اور چراغ جلاتے ہیں اور یہ کہ قبروں پر چتہ کشی کرتے ہیں اُن پر چادریں چڑھاتے ہیں اور اُن پر مجاور بٹھالتے ہیں۔ یہاں تک کہ گور پرست قبروں کی مجاوری کو مسجد حرام کی مجاوری سے بہتر سمجھتے ہیں اور قبروں پر بیٹھے رہنے کو مسجدوں کی خدمت سے افضل جانتے ہیں اور یہ کہ قبروں اور مجاوروں کی منتیں مانتے ہیں اور یہ کہ قبروں پر نماز کے لئے جانا اور اُن کا طواف کرنا اور بوسہ دینا اور چومنا اور رخساروں کا لگانا اور قبروں کی خاک لینا اور سنا مزار کو پکارنا اور اُن سے فریاد کرنا اور اُن سے مدد اور روزی اور تندرستی اور اولاد اور اداہ قرض اور مصیبتوں سے نجات کی دعا کرنا اور ان کے سوا اور اسی قسم کی حاجتیں مانگنا جیسے کہ

بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے ہیں۔ اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان میں سے کوئی بات قرون ثلاثہ میں جو کام نہیں کیا گیا | جائز نہیں کیونکہ ان میں سے کوئی کام نہ پروردگار کے رسول سے مشروع سمجھنا فسق و گمراہی ہے | نے کیا نہ کسی صحابی اور تابعی نے کیا اور نہ ائمہ دین نے کیا اور یہ محال ہے کہ ان میں سے کوئی چیز مشروع یا عمل نیک ہو اور قرون ثلاثہ اس سے خالی گذر جائیں جن کی نسبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور عدل کی شہادت دی ہے اور اُس پر وہ متاخرین عمل کریں جن کی نسبت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب اور فسق کی گواہی دی ہے۔

جس کو اس بیان میں شک ہو تو وہ تلاش کرے کہ تمام دنیا میں کوئی شخص ایسا ہے جو کسی روایت صحیح یا ضعیف سے یہ ثابت کر سکے کہ اُن کو بھی جب کبھی کوئی حاجت پیش آتی تھی تو وہ قبروں کے پاس جاتے اور وہاں دعا کرتے اور اُن پر ہاتھ پھیرتے تھے چہ جائیکہ وہاں نماز پڑھنا اور خود اُن سے حاجتیں مانگنا۔ ہرگز نہیں یہ بات کبھی نہیں ثابت کر سکتے۔ ہاں یہ بدعات کی ابتدا اور سنت نبوی | ممکن ہے کہ ان باتوں میں سے اکثر باتوں کی سند وہ پچھلے لوگوں صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام | سے حاصل کریں جو اُن تینوں زمانوں کے بعد ہوتے ہیں پھر جو اُن جو اُن زمانہ گذرنا گیا اور مدت دراز ہوتی گئی یہ بدعتیں بڑھتی گئیں یہاں تک کہ اس بارہ میں چند کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین اور صحابہ اور تابعین کسی سے ایک حرف بھی منقول نہیں۔

ہاں اس کے خلاف بہت سی مرفوع حدیثیں منقول ہیں منجملہ ان کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب جس کا دل چاہے زیارت کر لے۔ لیکن زبان پر فحش مت لاؤ اور بھلا قبروں کے پاس شرک ٹولی یا فعلی سے بڑھ کر اور کونسا فحش ہوگا اور صحابہ کے آثار تو شمار سے زائد ہیں۔

منجملہ اُن کے صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے حضرت انس کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت عمر نے کہا کہ دیکھو قبر ہے قبر۔ ابن قیم نے انماۃ میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک یہ بات ٹھہری ہوئی تھی کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ پھر بھی ثابت نہیں ہوتا کہ اُن کے نزدیک یہ فعل جائز تھا اس لئے کہ شاید انس نے قبر دیکھی نہ ہو یا یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ یہ قبر ہے یا خیال نہ رہا ہو۔ پھر جب حضرت عمر نے بتلایا تو وہ ہوشیار ہو گئے۔ اور ایک مفسدہ قبروں کا عرس کرنا

قبروں پر عرس کی خرابیاں اور اس کا حکم اسے جیسا کہ مشرکین اہل کتاب اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں پر عرس کرتے تھے اور زیارت کے لئے جمع ہو کر بیہودہ باتوں اور خوشیوں میں مشغول رہتے تھے۔ پس نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو اس سے منع فرما دیا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میری قبر پر عرس مت کرنا بلکہ مجھ پر درود بھیجا کرو، تمہارا درود تم جہاں بھی ہو مجھ کو پہنچ جائے گا اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت سرور کائنات کی قبر تمام روئے زمین کی قبروں سے بہتر اور افضل ہے جب اسپر عرس کرنے سے ممانعت ہوتی تو اوروں کی قبر خواہ وہ کوئی ہو بدرجہ اولیٰ منع کے لائق ہے

پھر حضور علیہ السلام نے اس قول سے کہ مجھ پر درود پڑھو تم جہاں سے درود پڑھو گے مجھ کو پہنچ جائے گا اس بات کا اشارہ فرمایا کہ امت کی طرف سے جو کچھ صلوات و سلام جاتا ہے وہ آپ کو پہنچ جاتا ہے قبر کے نزدیک سے بھیجا جائے خواہ دور سے حضور علیہ السلام کی قبر کے پاس مجمع کرنے کی کوئی حاجت نہیں، اس واسطے کہ قبروں پر عرس کرنے میں وہ خرابی ہے جس کو خدا ہی جانتا ہے کیونکہ کتے گور پرست جبکہ قبر کو دور سے دیکھتے ہیں تو سواری سے اتر پڑتے ہیں سر کھول دیتے ہیں اور اپنی پیشانی زمین پر رکھ دیتے ہیں اور زمین کو چومتے ہیں۔ اور پھر جب اُس کے پاس پہنچ جاتے ہیں تو وہاں پر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اور بیت اللہ سے جبکہ خداوند عالم نے جائے برکت اور خلقت کے لئے ہدایت بنایا ہے مشابہ ٹھہرا کر اُس کے گرد طواف کرتے ہیں اور حاجیوں کی طرح جیسا کہ وہ مسجد حرام میں کرتے ہیں بوسہ لینا اور چومنا شروع کرتے ہیں۔ پھر اپنے ماتھے اور گالوں پر وہاں کی خاک ملتے ہیں۔ اور نہر منڈا کر بال کٹوا کر حج قبر کے مناسک و آداب پورے کر کے پھر اُس بُت پر قربانیاں چڑھاتے ہیں۔ سو اُن کی یہ نمازیں شیطانی کام اور اُن سے بچنے کا حکم الہی اور آداب حج اور قربانیاں اور آنسو بہانا اور چیخ کر رونا اور مڑاویں مانگنا اور تکلیف سے نجات مانگنا اور فاقہ کشوں کا غمی کرانا اور مصیبت اور بلا والوں کو عافیت دینے کی دعا کرنا یہ سب کام اللہ کے لئے نہیں ہیں بلکہ شیطان کے لئے ہیں کیونکہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے کہ اُس کو طرح طرح کے مکر کر کے سیدھی راہ سے روکتا ہے اور اُس کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ اُس نے لوگوں کے لئے بُت بنائے ہیں جو ناپاک اور شیطانی کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو اُس سے بچنے کا حکم کیا ہے اور انکی نجات کے لئے اُس کو شہر بڑھٹیرا یا ہے اور یوں فرمایا ہے کہ اے ایہا ان دار و شراب اور خوا اور بُت اور پانسے یہ سب جس اور شیطانی کام ہیں اُن سے بچتے رہو تا کہ تم کو فلاح حاصل ہو۔

انصاب نصب بنمین یا نصب بفتح و سکون کی جمع ہے اور نصب وہ چیز ہے

جو خدا کے سوائے پرستش کے لئے مقرر کیجائے درخت ہو خواہ پتھر، قبر ہو یا اور کچھ اور ان سب کو گرا دینا اور ان کا نشان بٹا دینا واجب ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب سنا کہ لوگ اُس درخت کے پاس آتے جاتے ہیں جس کے نیچے حضور سرور کائناتؐ سے بیعت کی گئی تھی تو آپ نے آدمی بھیج کر اُس کو کٹوا ڈالا۔

پس جب کہ حضرت عمرؓ نے اُس درخت کیساتھ ایسا کیا جس کے نیچے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور جس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کمونین سے اُس وقت راضی ہو گیا جبکہ وہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کرنے لگے تو اُس کے لئے اُن انصاب کے لئے جن کے سبب سے اُننا بڑا فتنہ اور ایسی سخت بلا قائم ہو گئی ہے کیا حکم ہو سکتا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ خود پیغمبر علیہ السلام نے مسجد ضرار کو گرا دیا تھا اور اس میں اس پر دلیل ہے کہ وہ چیز جس کا فساد مسجد ضرار سے زیادہ ہو ڈھا دینا ضروری ہے مثلاً وہ مسجدیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں بیشک اسلام کا حکم ان کے بارے میں یہی ہے کہ اُن سب کو ڈھا کر زمین برابر کر دی جائے اسی طرح اُن گنبدوں اور بُرجوں کو بھی ڈھا دینا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہوں، اسلئے کہ اُن کی بنا رسول اللہ کی نافرمانی اور مخالفت پر ہے اور جو عمارت کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر بنا کی جائے اُس کا ڈھانا مسجد ضرار سے بھی زیادہ اولیٰ ہے۔

اس لئے کہ حضور سرور کائناتؐ نے قبروں پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے اور قبروں پر مسجد بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ پس ایسی عمارت کو گرا دینے میں بہت جلدی کرنی چاہئے کہ جس کے بنانے سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور بنانے والے پر لعنت کی ہے۔ اسی طرح اُن ہانڈیوں اور چراغوں اور موم بتیوں کو ڈور کرنا چاہئے جو قبروں پر روشن کی جائیں۔ کیونکہ اُس کا کرنے والا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت سے ملعون ہے اور جس امر پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اسی واسطے علماء کہتے ہیں کہ قبروں پر تیل بتی وغیرہ کی نذر جائز نہیں کیونکہ نذر حرام اور اُس کا حکم | یہ نذر حرام ہے، اس کا پورا کرنا بھی جائز نہیں ہے بلکہ کفارہ قسم کی طرح اس کا کفارہ دینا چاہئے نہ اس کے لئے کچھ وقف کرنا جائز ہے اسلئے کہ یہ وقف صحیح نہیں ہے اور اس کا ثابوت کرنا اور نافذ کرنا بھی درست نہیں۔

اور امام ابو بکر طوسی فرماتے ہیں کہ دیکھو خدا تم پر رحم کرے جہاں تم کو ایسا درخت

نظر آتے کہ لوگ اُس کے پاس آتے ہیں اور اُس کی تعظیم کرتے ہیں اور اُس سے صحبت اور شفا کی امید رکھتے ہیں اور اُس میں میخیں گاڑتے ہیں اور خرقدہ باندھتے ہیں تو اُن کو ذاتِ انواط سمجھو اور فوراً کاٹ ڈالو۔ اور ذاتِ انواط نام کا مشرکوں کا ایک درخت تھا جس پر اپنے ہتھیار اور اسباب لٹکا کر اُس کے پاس چلے کشتی کرتے تھے۔

چنانچہ امام بخاری اپنی کتاب صحیح میں ابی واقد لیشی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا ہے کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف چلے اور ہم ابھی نئے مسلمان تھے اور مشرکین کا ایک درخت پیر کا تھا جس کے آس پاس وہ چلے کشتی کرتے تھے، اور اُس پر اپنے ہتھیار و اسباب لٹکاتے تھے اُس درخت کا نام ذاتِ انواط تھا۔ ہم بھی ایک پیر کے درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ہمارے واسطے بھی ذاتِ انواط مقرر فرما دیجئے جیسا کہ اُن لوگوں کا ذاتِ انواط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر یہ تو ایسی ہی بات ہوئی جیسے کہ بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے کہ اُن کے معبود ہیں۔ پھر فرمایا کہ تم جاہل قوم ہو تم انہی لوگوں کے دستور اختیار کرو گے جو تم سے پہلے تھے۔

اب خیال کرو کہ جبکہ اُس درخت کو ہتھیار لٹکانے اور چلے کشتی کے لئے مقرر کرنا بھی باوجودیکہ وہ لوگ نہ اُس کی پرستش کرتے تھے نہ اُس درخت سے مرادیں مانگتے تھے خدا بنانا ٹھہرا تو اُن چیزوں کو کیا سمجھنا چاہئے کہ لوگ درخت یا پتھر یا قبر کی زیارت کو آتے ہیں اور اُس کی تعظیم کرتے ہیں اور اُس سے شفا کی امید رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ درخت یا پتھر یا یہ قبر منتوں کو جو عبادت اور قربت میں قبول کرتی ہے اُن بتوں کو ہاتھ سے چھوتے ہیں اور اُن کو چومتے ہیں۔ حالانکہ سلف نے مقام ابراہیم پر بھی ہاتھ ملنے سے منع فرمایا ہے جس مقام ابراہیم، حجرِ اسود اور رکنِ یمنی کے لئے اللہ کا یہ حکم ہے کہ اُس کو نماز کی جگہ بناؤ چنانچہ کے چھونے اور بوسے کا حکم ارزقی نے حضرت قتادہ کا قول اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے اور بناؤ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ، انہوں نے کہا کہ لوگوں کو اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم ہے اس کا حکم نہیں کہ اُس پر ہاتھ لگائیں۔ بلکہ بعض کا اس پر اتفاق ہے کہ حجرِ اسود کے سوا کسی چیز کو نہ چومنا چاہئے نہ بوسہ دینا چاہئے۔ اور رکنِ یمنی میں صحیح حکم یہ ہے کہ ہاتھ سے چومنا چاہئے اور نہ بوسہ دینا چاہئے۔ اور یہ اہلیس ہمیشہ اُن کے لئے کسی نہ کسی بزرگ کی قبر کو جس کو لوگ بزرگ سمجھتے تھیں اہلیس اور اُس کے نتائج | تھے نصب بنا دیتا ہے پھر رفتہ رفتہ اُس کو بت بنا کر غیر خدا کی پرستش کرانا ہے پھر اپنے دوستوں کو یہ سوچاتا ہے کہ جو شخص اُن کی عبادت سے منع

کرے اور قبر پر عرس کرنے سے روکے اور ان کو بُت نہ بتانے دے وہ ان بزرگوں کی حقارت کرتا ہے اور ان کی حق تلفی کرتا ہے اور جاہل لوگ ایسے شخص کے قتل اور ایذا میں کوشش کرتے ہیں اور اُس کو کافر بتاتے ہیں حالانکہ اُس کے سوائے اس کی کوئی نخطا نہیں کہ اُس نے اللہ و رسول کا حکم پہنچایا اور اُس کام سے منع کیا جس سے خدا و رسول نے منع فرمایا ہے اور گور پرستوں کے اس قبر پرستی کے اسبابِ فتنہ میں پڑنے کے کئی سبب ہیں :-

اول تو یہ کہ اُن کو بھی نہیں معلوم کہ رسول اللہ کی بعثت سے کیا مقصود ہے یعنی توحید اور اسبابِ شرک سے علیحدگی کر لینے کی حقیقت کیا ہے جن لوگوں کو اس کا علم کم ہے جب شیطان اُن کو اس فتنہ کی طرف بلاتا ہے اور اُن کو اتنا علم نہیں کہ وہ اس فتنہ کو روک سکیں تو وہ اُس کو بقدر اپنی بہالت کے قبول کر لیتے ہیں اپنے علم کی مطابق سمجھتے ہیں۔

اور دوسرا سبب یہ ہے کہ بہتیری حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بُت پرستوں کے ہمشکل گور پرستوں نے گھڑ لی ہیں جو آپ کے دین کے بالکل خلاف ہیں مثلاً ایک حدیث موضوع یہ ہے کہ جب تم کسی امر میں جبران ہو تو اہل قبور سے مدد مانگو۔ اور ایک حدیث یہ ہے کہ جب تم کسی امر میں ٹھک جاؤ تو لازم پکڑو قبر والوں کو۔ اور ایک حدیث یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پتھر پر بھی نیک اعتقاد کرے تو نفع پہنچ سکتا ہے۔

اسی طرح کی اور بہتیری حدیثیں جو دین اسلام کے بالکل خلاف ہیں یہ سب اُن بُت پرستوں کے ہم شکل گور پرستوں نے گھڑی ہیں اور جاہلوں اور گمراہوں میں پھیل گئیں۔

حالانکہ اللہ نے اپنا رسول اُن ہی لوگوں کے قتل کے لئے بھیجا ہے جو پتھروں اور درختوں کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت علیہ السلام نے اپنی اُمت کو قبروں کے فتنہ سے ہر طرح بچایا ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی حکایتیں اہل قبور کی مشہور ہیں کہ فلاں نے فلاں کی قبر سے اپنی مصیبت میں فریاد کی تو اپنی مصیبت سے نجات پائی اور فلاں پر ایک مصیبت آئی تو اُس نے اُن صاحب مزار سے دعا کی تو اُس کی بلا ٹل گئی اور فلاں نے اُس سے اپنی مراد مانگی تو اُس کی مراد پوری ہو گئی۔

اور مجاوروں اور گور پرستوں کے پاس ایسے بہت سے قصے ہیں جن کا ذکر طویل ہے۔ اور یہ لوگ زندوں اور مردوں پر تمام دنیا سے زیادہ جھوٹ باندھنے والے ہیں اور طبیعت انسانی حاجت پوری ہونے اور نقصان دفع کرنے کے لئے حریص ہوتی ہے بالخصوص جو اپنی ضرورت میں مضطرب ہوتا ہے وہ تو ہر چیز کا سہارا پکڑتا ہے اگرچہ کیسا ہی مکروہ ہو۔ تو جب کوئی سنتا ہے کہ

فلاں کی قبر تریاقی مجرب ہے تو اُس کی طرف مائل ہوتا ہے وہاں جاتا ہے اور نہایت عاجزی اور انکساری سے کانپتا ہوا اُس سے دُعا کرتا ہے تو اللہ اُس کی دُعا قبول کر لیتا ہے کیونکہ اُس کے دل میں لرزہ اور انکسار پیدا ہو گیا، قبر کی وجہ سے مقبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر یہ شخص اسی طرح دکان یا حمام یا بازار میں دُعا کرتا تو اُس کو خدا قبول فرمالتا۔ اور جاہل یہ سمجھتا ہے کہ اُس دُعا کی قبولیت قبر کی تاثیر سے ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اللہ ہر بقیار کی دُعا قبول کرتا ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات نہیں کہ اللہ جس کی دُعا قبول کرے اُس سے راضی بھی ہے یا اُس کا دوست ہے یا اُس کے کرتوت سے خوش ہے کیونکہ وہ بھلے اور بُرے اور مومن و کافر سب کی دُعا قبول کرتا ہے۔

خدا ہمارے لئے اپنے لطف و کرم سے وہ دُعا اور عمل آسان کرے جو اُس کی مرضی کے

موافق ہو۔

اٹھارھویں مجلس بدعت اور اُس کے اقسام و احکام کے بیان میں

سنت و بدعت | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بعد حمد کے معلوم ہو کہ سب سے اچھی بات قرآن مجید ہے اور سب سے اچھی عادت محمد کی سنت ہے۔ اور سب باتوں سے بُری نئی باتیں ہیں۔ اور نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت جابر ہیں اور ایک اور حدیث میں عرابض بن ساریث سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے بعد جینا رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا پس اُس وقت میرے اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کو پکڑے رہنا اور ایسا مضبوطی سے پکڑنا جیسے وائٹوں سے دابا ہو اور نئی باتوں سے بچتے رہنا کیونکہ نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ان دونوں مذکورہ بدعتیں ستیہ اور حسنہ | بالا حدیثوں میں بدعت سے مراد بدعت ستیہ ہے جس کی اصل نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث میں اور نہ ظاہر یا خفی کوئی سند ملتی ہے نہ لفظوں سے نہ منمنوں سے۔

بدعت حسنہ مراد نہیں ہے جس کی اصل و سند ظاہر یا خفی ملتی ہے کیونکہ بدعت حسنہ گمراہی نہیں ہے بلکہ یہ کبھی تو مباح ہوتی ہے جیسے تھنے آٹے کا استعمال یا ہمیشہ گیہوں کی روٹی کھانا اور پیٹ بھر کر کھانا۔ اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے منارہ کا تمیز کرنا اور کتابیں تصنیف کرنا اور کبھی واجب ہوتی ہے جیسے ملحدوں اور گمراہ فرقوں کے اعتراضات رد کرنے کے لئے دلائل مرتب کرنا بدعت کے معنی و مفہوم | اس لئے کہ لفظ بدعت کے دو معنی ہیں۔ ایک تو عام لغوی معنی یعنی مطلق نئی بات خواہ معاملات میں سے ہو خواہ عبادات میں سے۔ اور دوسری شرعی خاص ہے

یعنی زمانہ صحابہ کے بعد شارع علیہ السلام کی قولی یا فعلی یا صرخی یا اشارۃ اجازت کے بغیر دین میں کچھ گھٹانا بڑھانا۔ پس بدعت کا لفظ اگرچہ دونوں حدیثوں میں عام ہے ہر قسم کی بدعتوں کو شامل ہے لیکن یہ عموم معنی لغوی عام کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ معنی شرعی خاص کے اعتبار سے ہے۔ لہذا یہ عادات کو بالکل شامل نہیں ہے بلکہ صرف اس میں بعض اعتقادات اور بعض صورتیں عبادت کی داخل ہیں اس لئے کہ حضور علیہ السلام دنیاوی کاموں کی تعلیم دینے کے لئے نہیں آئے بلکہ صرف دین کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس پر حضور کا یہ قول دلیل ہے کہ تم اپنے دنیاوی کاموں کو خوب جانتے ہو دین کی باتوں کا جب میں تم کو حکم دوں تو اس پر عمل کیا کرو۔ پھر بعض بدعت کا حکم اعتقادی بدعات کفر ہیں اور بعض کفر تو نہیں ہیں لیکن کبیرہ گناہوں سے بڑھ کر ہیں یہاں تک کہ قتل اور زنا سے بھی۔ حتیٰ کہ اس سے اوپر بس کفر ہی کا درجہ ہے۔

رہی بدعت عبادت۔ سو اگرچہ یہ بدعت اعتقادی سے کمتر ہے لیکن اس پر عمل کرنا خصوصاً جبکہ سنت مؤکدہ کے مخالف ہونا فرمانی اور گمراہی ہے اور عادات کی بدعت کرنے میں کچھ گمراہی اور نافرمانی تو نہیں ہے لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ اور اس لئے اس کا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو منارے سے چونکہ وقت نماز کی خبر دینے میں مدد ملتی ہے اور کتابوں کی تصنیف سے تعلیم اور تبلیغ میں مدد ملتی ہے اور دلائل کی ترتیب بے دنیوں اور گمراہ فرقوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے ہے جس سے گناہوں کی روک تھام اور دین کی حمایت ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کام کی اجازت بلکہ حکم ہے کیونکہ بدعت غیر سنیہ وہ ہے کہ پہلے لوگوں کو تو اس کی ضرورت نہ پڑی لیکن پچھلے لوگوں کو اس کی ضرورت ہوئی اور سب نے بلا اختلاف اس کو اچھا بھی سمجھا۔ اور تلاش کرنے سے بدعت حسنہ خالص بدنی عبادت میں خالص بدنی عبادتوں میں نہیں پائی جاتی ہے مثلاً روزہ۔ نماز اور بدعت کا وجود اور حکم تلاوت قرآن اور تمام عبادت بدنی کے دوسرے طریقے بلکہ ان میں ہمیشہ بدعت سنیہ ہی ہوتی ہے۔

کیونکہ کسی کام کا اول زمانہ میں نہ ہونا یا تو اس لئے ہو گا کہ حاجت ہی نہ پڑی ہو یا کسی مانع کی وجہ سے یا بے خبری اور سستی کے باعث یا مکروہ اور ناجائز ہونے کے سبب سے ہو گا اور پہلے دونوں سبب خالص بدنی عبادت میں تو پائے نہیں جاتے کیونکہ بذریعہ عبادت قربت الہی کی ضرورت منقطع نہیں ہوتی اور اسلام کے ظاہر ہونے اور غلبہ کے اس کا کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی بے خبری اور گاہلی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی علیہ السلام

اور آپ کے اصحاب کی نسبت اس کا گمان کرنا بھی جائز نہیں پس بدعت مکروہہ اور ناجائز ہونے کے سوا اور کچھ نہ رہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہی غرض تھی جب آپ کو خبر دی گئی حضرت عبداللہ بن مسعود کی تنبیہ کہ ایک جماعت بعد خرب کے بیٹھا کرتی ہے اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنے مرتبہ اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمد للہ کہو اور لوگ کہتے جاتے ہیں۔ سو آپ ان لوگوں کے پاس گئے جو کچھ وہ لوگ کہتے تھے جب آپ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ ”میں عبداللہ بن مسعود ہوں تم سے اس خدا کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے بیشک یا تو تم لوگ نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہو گئے ہو یا حضرت محمد علیہ السلام کے اصحاب سے بھی علم میں بڑھ گئے ہو“

یعنی یہ جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے یا تم نے وہ بات پائی ہے جو صحابہ کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی خواہ بے خبری سے خواہ سستی سے پس تم طریق عبادت کے علم میں صحابہ سے غالب ہو گئے۔ دوسری صورت ناممکن ہے پس پہلی صورت یعنی اس کام کا بدعت سنیہ ہی ہونا متعین ہے۔ یہی بات ہر اس شخص کے بارہ میں کہی جائے گی جو خالص عبادت بدنی کو اس بدعت سنیہ اور حسنہ کی حقیقت طور سے ادا کرے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھا۔ اس لئے اور ایک غلط فہمی کا ازالہ کہ اگر عبادت ہونا ہر بدعت کو حسنہ بنا دیا کرے تو عبادت میں بدعت مکروہہ نہ ہونا چاہئے حالانکہ عبادت میں بھی بدعت مکروہہ موجود ہے جیسا کہ علماء نے اپنی تصانیف میں تصریح کی ہے

مثلاً ناز غائب اور اس کی جماعت اور اثنائے خطبہ میں صلی اللہ اور رضی اللہ اور آئین کہنا اور خطبہ اور اذان اور تلاوت قرآن میں گا کر پڑھنا اور جنازہ اور ولہن کے آگے راستہ میں پکار کے ذکر کرنا علاوہ اس کے اور بڑی بدعتیں جو عبادت میں ہوتی ہیں اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ باتیں بدعت سنیہ مکروہہ نہیں ہیں۔

بلکہ اس دلیل سے کہ بعض باتیں جو صحابہؓ کے بعد پیدا ہوئی ہیں حسنہ ہیں۔ یہ باتیں بھی بدعت حسنہ ہیں مثلاً مدرسے اور خانقاہیں اور سرائیں بنانی۔ اسی طرح کی اور مفید چیزیں جو صحابہؓ کے زمانہ میں نہ تھیں کیونکہ اس کا جواب تو یہ دیا جائے گا کہ جس چیز کا حسن شریعت کے صحیح دلائل سے ثابت ہو وہ اول تو بدعت ہی نہیں ہے۔ اور اس صورت میں عام کا عموم دونوں حدیثوں میں علیٰ حالہ باقی رہے گا یا اس نام سے مخصوص ہو جائے گا اور جو عام کہ اس سے کوئی فرد خاص ہو جائے وہ اس فرد خاص کے سوا باقی کے لئے دلیل ہوتا ہے۔

تو اب جو شخص نئی عبادت کے حسن کا دعویٰ کرے اور ان کو اس عام سے مخصوص

بتائے تو ایک ایسی دلیل کی حاجت ہوگی جو خصوصیت ثابت کر دے کیونکہ اکثر مقامات کا رسم و رواج یا چند عابدوں زاہدوں کا کہہ دینا اس قابل ہرگز نہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے معارض ہو سکے اور ایسی ہی دلیل مختص وہ ہی دلیل ہوتی ہے جو شرعی ہو اور قرآن اور حدیث اور ان لوگوں کے اجماع سے جو اہل اجتہاد ہیں مانع ہو اور جو عابد زاہد اہل اجتہاد نہیں ہیں وہ عوام میں داخل ہیں ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہاں اگر ان کی بات اصول اور معتبر کتابوں سے مطابق ہو تو پھر اس وقت معتبر ہوگی۔ خلاف قرآن و حدیث کسی عابد و زاہد کی بات خلاف قرآن و سنت کسی عابد و زاہد | نہ ماننا خود حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے کی بات ماننے سے ممانعت اور ساتھ ہی اس کے قرآن میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے وہ یہ کہ اللہ فرماتا ہے "آیا ان کے اور بھی شریک ہیں جنہوں نے ان کی واسطے دین میں وہ باتیں پیدا کی ہیں جن کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے"

پس جو شخص کوئی نئی بات اللہ سے ملنے کے لئے بغیر اس کے کہ خود اللہ نے اسکو مقرر کیا ہو ایجاد کیا ہو تو گویا اس نے دین میں وہ بات پیدا کی جس کا حکم خدا نے نہیں دیا۔ اور جو شخص اس کی پیروی کرے گا اس نے گویا اس کو شریک اور معبود مان لیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے حق میں فرمایا ہے "انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے علاوہ خدا مان لیا"

اس پر عدی بن حاتم نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ انہوں نے عبادت تو نہیں کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اطاعت تو کی ہے، اور جو شخص کسی دینی امر میں خلاف حکم خدا کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اسی کو پوجتا ہے اور پروردگار ماننا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالص عبادت بدنی کی ہر بدعت سبتہ ہے اور بہتیرے لوگ اکثر اوقات بدعت حسنہ اور سبتہ میں تمیز نہیں کرتے۔ اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جو بات دل کو پسند آئے اور طبیعت اس کی طرف متوجہ ہو وہی حسنہ ہے پس سبتہ کو حسنہ شمار کر لیتے ہیں سو وہ اندھی اونٹنی کی طرح خبط کرتے ہیں جو مہلک گڑھے اور صاف ستھرے راستہ میں تمیز نہیں کر سکتی۔ بدعت حسنہ اور سبتہ میں تمیز کرنے کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ آدمی کوئی نئی بات اس وقت بدعت حسنہ اور سبتہ میں تمیز کرنے کا طریقہ | تک نہیں کرتا جب تک اس کا مفید ہونا معلوم نہ ہو کیونکہ اگر اس میں کوئی برائی سمجھتے تو کیوں کرتے پس جس امر کو لوگ اچھا سمجھیں اس کے سبب کو دیکھنا چاہئے اگر کوئی ایسا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوا ہے اور حاجت کے موافق ایجاد کیا گیا ہے تو جائز ہے۔

مثلاً دلائل قائم کرنا اور اس کا باعث گمراہ فرقوں کا ظاہر ہونا ہے۔ چونکہ یہ فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے اس لئے اس وقت دلائل کی حاجت نہ تھی اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہو اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے، جیسے قرآن کا جمع کرنا۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ مانع تھا کہ وحی برابر آتی تھی، اللہ جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا۔ حضور کی وفات سے یہ مانع جاتا رہا۔

اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے کیونکہ اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو حضرت سرور کائنات اس کو خود ضرور کرتے یا ترغیب فرماتے۔ اور جب آپ نے نہ خود کیا نہ دوسروں کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں بلکہ وہ بدعت قبیحہ سیمہ ہے۔

اس کی مثال عیدین میں اذان کہنا ہے کہ جب اس کو بعض سلاطین نے ایجاد کیا تو علماء نے منع کیا اور اس کو ناجائز بتلایا۔ اگر اس کا بدعت ہونا اس کی کراہت کی دلیل نہ ہوتا تو کہا جاتا کہ یہ تو خدا کا ذکر ہے اور اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلانا ہے تو جمعہ کی اذان پر اس کا قیاس کیا جائے یا ان عام احکام کے تحت میں داخل مانا جائے جن میں سے ایک اللہ کا یہ فرمان بھی ہے "اللہ کو بہت یاد کیا کرو" اور یہ ارشاد "اس سے بہتر کون ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا" لیکن ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ یہی کہتے رہے کہ جیسے اس فعل کو کرنا جس کو پیغمبر علیہ السلام نے کیا ہے سنت ہے اسی طرح اس کام کو چھوڑ دینا بھی سنت ہے جس کو آپ نے باوجود ضرورت ہونے اور مانع نہ ہونے کے نہیں کیا ہے۔

کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے جب جمعہ کی اذان کا حکم دیا اور عیدین میں حکم نہیں دیا تو ان میں اذان نہ کہنا ہی سنت ہے۔

اور کسی کو حق نہیں ہے کہ اس پر زیادتی کرے اور یہ کہے کہ یہ نیک کام کی افزائش ہے اور ایسی زیادتی مضر نہیں۔ اس لئے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اسی طرح پیغمبر کے دین متغیر ہو گئے اور ان کی شریعتیں بدل گئیں کیونکہ دین میں زیادتی اگر جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ صبح کی نماز چار رکعت اور ظہر کی چھ رکعت پڑھے کیونکہ یہ بھی تو نیک کام کی زیادتی ہے اس میں کچھ حرج نہیں لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ بدعتی جو مصلحت اور فضیلت بیان کرتا ہے اگر وہ پیغمبر علیہ السلام کے وقت ثابت تھی اور باوجود اس کے آپ نے اس کو نہیں کیا تو

اس کام کا چھوڑنا ہی آپ سے سنت ہے جو ہر عموم اور قیاس سے مقدم ہے۔ پس جو شخص ایسے دین میں نئی بات پیدا کرنا | کام کو عمل میں لائے اور اس بات کا اعتقاد رکھے کہ یہ دین میں خدا و رسول کا مقابلہ کرتا ہے | ناجائز ہے تو فاسق ہوگا بدعتی نہ ہوگا اور اگر اُس کو عمل میں لائے اور اس بات کا عقیدہ رکھے کہ یہ دین میں جائز ہے تو وہ فاسق اور بدعتی ہے اس لئے کہ فسق بدعت سے عام ہے پس ہر بدعت فسق ہے اور ہر فسق بدعت نہیں ہے۔

اور اسی واسطے بعضوں نے کہا ہے کہ بدعت فسق سے بدتر ہے کیونکہ جو شخص بدعت کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو توڑتا ہے اگرچہ اُس کے گمان میں یہی ہو کہ وہ بدعت سے آپ کی تعظیم کرتا ہے کیونکہ وہ یوں گمان کرتا ہے کہ وہ بدعت سنت سے بہتر ہے اور بدرجہ اولیٰ ٹھیک ہے اور یہ اللہ و رسول کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس کام کو اچھا سمجھتا ہے جس کو شرع نے مکروہ ٹھہرایا اور منع کیا ہے یعنی دین میں نئی بات پیدا کرنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے واسطے جو عبادتیں مقرر کر چکا ہے وہ اُن کے لئے کافی ہیں اور دین بھی کامل ہو چکا اور اپنی نعمتیں اُن پر پوری کر چکا جیسا کہ اپنے کلام مجید میں اُسکی خبر دی ہے اور فرمایا کہ "آج میں پورا کر چکا تمہارا دین اور پوری کی میں نے تم پر اپنی نعمت" اور کمال کے بعد کچھ زیادتی کرنا نقصان اور خلل ہے جیسا کہ چھٹی انگلی۔ اور

افعال کی بھلائی برائی کا معیار | اصول میں ثابت ہے کہ افعال کی بھلائی اور بُرائی اہل حق کے شرع ہے عقل نہیں | نزدیک شرع سے معلوم کی جاتی ہے۔ پس جس کام کا حکم شرع نے دیا ہے وہ اچھا ہے اور جس کام سے شریعت نے منع کیا ہے وہ بُرا ہے۔ امام غزالی اپنی کتاب اربعین فی اصول الدین میں لکھتے ہیں "اپنی عقل کے تصرف سے بچنا رہو کہ کہیں کہنے لگے جو امر خیر و نفع رسال ہے وہی افضل ہے اور جو کام اکثر ہوتا ہے وہ زیادہ نفع رسال ہے کیونکہ تمہاری عقل خدا کے بھیدوں تک نہیں پہنچ سکتی اس بھید کو صرف نبی علیہ السلام کی قوت معلوم کر سکتی ہے تم کو تو پوری ہی چاہئے کیونکہ خاص باتیں قیاس سے نہیں معلوم ہو سکتیں دیکھو تمہیں گو نماز کا حکم دیا ہے لیکن سارے دن اور صبح اور عصر کے بعد اور طلوع اور غروب اور زوال کے وقت نماز کی ممانعت ہے اور یہ سب مل کر قریب تہائی دن کے ہوتا ہے۔

اور اجبار میں فرمایا ہے کہ "عقل جس طرح دواؤں کے نفع دریافت کرنے سے قاصر ہے باوجودیکہ اس میں تجربے کو بھی دخل ہے ایسے ہی اُن باتوں کے دریافت کرنے سے بھی قاصر ہے جو آخرت میں مفید ہوں اور وہاں تو تجربے کو بھی کوئی سبب نہیں کیونکہ تجربہ تو جب ہی ہو سکتا تھا جب کچھ مُردے ہم تک لوٹتے اور ہم کو وہ کام بتاتے جو اللہ سے ملانے

والے یا اُس سے دور کر نیوالے ہیں اور اُس کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اور مجمع البحرین کے مصنف نے اپنی شرح میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عید کے دن نماز سے پہلے عید گاہ میں نفل پڑھنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؑ نے اُس کو منع کیا۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں کرے گا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ کسی کام پر ثواب نہیں دیتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کیا ہو یا ترغیب نہ دی ہو تو تیری یہ نماز عبث ہو گئی اور عبث کام حرام ہے پس شاید خدا تجھ کو اپراستے عذاب دے کہ تو نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کیا ہے۔“

اور صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ صبح صادق کے بعد فجر کی دو رکعتوں کے سوا نفل پڑھنی مکروہ ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے باوجودیکہ نماز کی آپ کو حرص تھی دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی ہیں۔

اب دیکھو نبی علیہ السلام کے کسی کام کے نہ کرنے کو عبادات میں کیسی کراہت کی دلیل ٹھہرایا ہے اور ابن ہمام نے کہا ہے کہ جن عبادات کے واجب اور بدعت ہونے میں شبہ ہو اُس پر تو احتیاطاً عمل کرے لیکن جس کام کے بدعت اور سنت ہونے میں شبہ ہو اسکو چھوڑ دے کیونکہ بدعت کا چھوڑنا ضروری ہے اور سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔“

اور خلاصہ میں ایک مسئلہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدعت کا کرنا واجب کے چھوڑ دینے سے بھی زیادہ مضر ہے۔ وہ کہتے ہیں، جب کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ میں نے نماز پڑھی ہے یا نہیں، اگر وقت باقی ہے تو اُس کو پھر پڑھ لے۔ اور اگر وقت گزر جانے کے بعد شک ہو تو پھر کچھ نہیں۔ اور اگر عصر کی نماز میں شک ہو تو پہلی اور تیسری رکعت میں قرأت کرے اور دوسری چوتھی کو خالی پڑھے حالانکہ فرض میں قرأت کے لئے پہلی دو رکعتوں کو مستحبین کرنا واجب ہے لیکن اس موقع پر ڈر سے کہ عصر کے بعد نفل پڑھنے کا احتمال نہ رہے اُس ترتیب کے چھوڑ دینے کا حکم کیا ہے کیونکہ یہ بدعت مکروہہ ہے۔

اور سفیان ثوریؒ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ ”بدعت ابلیس کو سب گناہوں سے محبوب تر ہے۔“ کیونکہ گناہوں سے تو توبہ ہو سکتی ہے لیکن بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی اور اس کا سبب یہ ہے کہ گنہگار یہ تو سمجھتا ہے کہ میں گنہگار ہوں اور اسی وجہ سے اس کی توبہ و استغفار کی امید ہے۔ لیکن بدعتی توبہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت اور عبادت میں ہوں تو نہ یہ توبہ کرے گا نہ استغفار۔

اور یہ مضمون خود ابلیس سے منقول ہے کہ اُس نے کہا ہے میں نے اگر بنی آدم کی کمر معاصی اور گناہوں سے توڑ دی تو انہوں نے میری کمر توبہ اور استغفار سے توڑ دی ہے۔ اس لئے میں نے اُن کے لئے ایسے گناہ نکالے ہیں کہ جن سے وہ نہ استغفار کرتے ہیں نہ توبہ اور وہ عبادت کی صورت میں بدعتیں ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اکثر لوگ اُن بدعتوں کے جواز پر جن کے وہ عادی ہیں ایک مشہور حدیث سے بدعت | اُس حدیث مشہور سے سند لاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ شخص بات پر استدلال اور اس کا جواب | کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس کو مسلمان بُرا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔ تو کیا اُن کا یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں۔

اس کا جواب جیسا کہ بعض فاضلوں نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ یہ استدلال ٹھیک نہیں ہے اور یہ حدیث اُن کو مضر ہے مفید نہیں۔ کیونکہ یہ اُس حدیث کا حصہ ہے جو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ پر موقوف ہے۔ اس کو احمد اور بزار اور طبرانی اور طیالسی اور ابو نعیم نے اس طور پر روایت کیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا پھر اُن کو رسول بنا کر بھیجا پھر اُس نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو اُن میں سے آپ کے لئے اصحاب منتخب کئے اور ان کو دین اسلام کا مددگار اور نبی علیہ السلام کا وزیر بنایا۔ پس جس چیز کو یہ مومنین اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو یہ مسلمان بُری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔"

اور کوئی شبہ نہیں کہ المسلمین میں الف لام مطلق جنس کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے خلاف پڑے گی کہ میری امت میں عنقریب تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ جن میں سوائے ایک کے سب دوزخی ہیں۔ اس لئے کہ امت کا ہر فرقہ مسلم ہے اور اپنے ہی مذہب کو اچھا سمجھتا ہے تو لازم آتا ہے کہ کوئی فرقہ دوزخی نہ ہو اسی طرح چند مسلمان ایک بات کو اچھا سمجھتے ہیں اور چند مسلمان بُرا۔ تو لازم آتا ہے کہ حسن و قبح میں نیز نہ رہے بلکہ یا تو وہ لام عہد کے لئے ہے اور معہود وہی لوگ ہیں جن کا ذکر افتخار لہ صحابہ میں ہے پس مسلمین سے مراد فقط صحابہ ہیں۔

یا خصائص جنس کے استتراق کے لئے ہے۔ پس مسلمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو مجتہد ہیں اور اسلام کی صفت میں کامل ہیں۔ گو یا مطلق کو فرد کی طرف راجع کیا۔ اس لئے کہ جب مطلق قریب سے خالی ہوتا ہے تو اُس کو فرد کامل کی طرف لے جاتے ہیں اور وہ مجتہد ہی ہیں۔

تو اب یہ معنی ہوتے کہ جس بات کو صحابہ یا اہل اجتہاد عمدہ جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جس کو صحابہ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

اور ممکن ہے کہ لام استعراق حقیقی کے لئے ہو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس بات کو تمام مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔ اور جس بات میں اُن میں اختلاف پڑے تو اب اس میں قرونِ ثلاثہ کا اعتبار ہو گا جن کی نسبت خبر کی شہادت ہے نہ قرونِ مابعد کا جن کی نسبت کذب اور بے اعتباری کی نبی علیہ السلام کی اس حدیث میں شہادت ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر جو میرے بعد ہے اور پھر جو اُس کے بعد ہے پھر جھوٹ پھیل جائے گا، نہ اُن کے قول کا اعتبار کرنا نہ فعل کا۔ اور اس میں شک نہیں کہ چونکہ صحابہؓ اور تابعین اور ائمہ مجتہدین کسی چیز کی ضرورت صحابہؓ، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے زیادہ بڑھ جانے کو از قسم بدعت اور قبیح جانتے تھے، کے نزدیک بدعت کی حقیقت اس لئے وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔ اسی طرح ایک یہ حدیث اُمت سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں | یہی ہے کہ ”میری اُمت گمراہی پر اتفاق نہ کریگی“ کیونکہ اس حدیث میں اُمت سے مراد اہل اجماع ہیں جو ایسے مجتہد ہوں جن میں کسی طرح کا فسق و بدعت نہ ہو۔ اس لئے کہ فسق سے نہت پیدا ہوتی ہے اور عدالت جاتی رہتی ہے۔ اور بدعتی لوگوں کو بدعت ہی کی طرف بلاتا ہے اور وہ اُمتِ مطلق میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ اُمتِ مطلق سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں اور یہ لوگ وہ ہیں جن کا طریقہ بعینہ نبی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کا طریقہ ہے۔ اہل بدعت و ضلالت مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ نبی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ”میری اُمت وہ ہے جو میرے طریقہ پر چلے۔“

اور ممکن ہے کہ اُمتی سے مراد کل اُمت ہو اس بنا پر کہ اصناف بھی لام کی طرح کبھی استعراق کے لئے ہوتی ہے اور اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ میری کل اُمت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی جیسے کہ یہود و نصاریٰ اپنے پیغمبر کے بعد گمراہی پر متفق ہو گئے۔ پس یہ حدیث اُس حدیث کے موافق ہوگی کہ ”میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ امرِ الہی پر قائم رہے گا اور ان کو نہ ساتھ دینے والا کچھ ضرر پہنچا سکے گا نہ مخالفت کرنے والا یہاں تک کہ تیار اُمت آ جائے گی“۔ جب یہ بات ٹھہری تو اس زمانے میں ہر مسلمان پر ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے بدعتوں سے پرہیز کا حکم | کہ دھوکا کھانے اور بدعتوں اور نئی باتوں کی طرف توجہ کر نیسے پرہیز کرے اور اپنے دین کو اُن بلاؤں سے بچائے جن سے اُس رکھتا ہے۔ رہن میں اُس نے پرورش پائی ہے کیونکہ یہ زہرِ قاتل ہیں ایسے بہت کم ہیں جو اُس کی آفت سے بچے ہوں اور ان کو حق ظاہر ہوا ہو۔ دیکھو قریش اُن باتوں کی وجہ سے جن میں اُن کے دل لگے ہوئے تھے، نبی علیہ السلام کا اُن باتوں میں جو آپ نے اُن کے لئے بیان و ہدایت پیش کی تھیں انکار کر لیا

اور آخر ان کا یہ فعل کفر اور سرکشی کا سبب ہوا یہاں تک کہ نبی علیہ السلام کے حق میں جو کچھ انہوں نے کہا وہ کہا اور ان کی یہ حرکت کیوں تھی اسلئے کہ وہ اسی قسم کی لغویات کے عادی تھے اور اسی میں انہوں نے پرورش پائی تھی۔

اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ نبی نبی بدعتوں سے بچو۔ کیونکہ ایمان بیکبارگی دل سے نہیں جاتا لیکن شیطان تمہارے لئے روز بدعتیں پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ تمہارے دل سے ایمان نکل جائے گا۔

اس بیان کے موافق مومن کو لازم ہے کہ فریب میں نہ آئے اور اپنی قوت ایمانی کثرت عبادت سے یہ نہ سمجھے کہ میں حق پر ہوں کیونکہ کسی شخص کا کسی بات پر ایسا جم جانا کہ اگرچہ آڑے سے چیر ڈالا جائے لیکن اُس سے باز نہ آئے اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ اپنے دین میں حق پر ہے کیونکہ اُس کا یقین اور پختگی اُس کے خیالات کے حق ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اُس نے ایسے لوگوں میں نشوونما پائی ہے جن کا یہی دین ہے۔

اور پیدائش اور صحبت کو کسی شے کے حق یا باطل یقین کر لینے میں بڑا اثر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسی پختگی عام طور پر ان لوگوں میں موجود ہے جو جنس مرکب میں مبتلا ہیں، جیسے یہود اور نصاریٰ یا اور اسی طرح کے لوگ۔ پس اس زہر قاتل سے نہایت درجہ بچو اور حق کی طرف متوجہ ہو اور اتباع سنت پر عمل کر کے اور بدعتوں کو چھوڑ کر اپنی جان چھوڑنے کا فیض حاصل کرو۔ اس لئے کہ سنت کی پیروی آدمی کے لئے اس زمانہ میں سب سے بہتر عمل سنت کی پیروی ہی سب سے بہتر عمل ہے۔ کیونکہ مدت و راز سے خلاف سنت اعمال شائع ہو چکے ہیں اس لئے نہیں ضروری ہے کہ نبی بدعتوں سے بچتے رہو خواہ کتنی ہی خلقت کا اسپر اتفاق ہو۔ اور صحابہؓ کے بعد نوا ایجاد چیز پر لوگوں کے اتفاق سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے بلکہ تم صحابہؓ ہی معیار حق ہیں | کو چاہئے کہ صحابہؓ کے اعمال اور حالات کی تفتیش میں کوشاں رہیں کیونکہ سب سے بڑا عالم اور سب سے زیادہ مقرب وہی ہے جو ان سے مشابہت زیادہ رکھتا ہو اور ان کے طریقے سے زیادہ واقف ہو کیونکہ دین ان ہی سے حاصل ہوا ہے اور وہی لوگ صاحب شرع سے شریعت کے نقل میں اصل ہیں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑے تو بڑے گروہ کی پیروی کرو اور اس سے مطلب یہ ہے کہ حق کو اختیار کرو اور اُس پر عمل کرو اگرچہ اُس پر عمل کرنا زیادہ کم ہوں اور مخالف زیادہ ہوں۔ اسلئے کہ وہ حق ہے چسپری پہلی جماعت یعنی صحابہؓ

ہوں اور بعد صحابہ کے انہوہ باطل کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور فضیل بن عیاض نے فرمایا ہے جبکہ ہدایت و گمراہی قلت و کثرت | مضمون یہ ہے "ہدایت کی راہ مضبوطی سے اختیار کرو اس پر سے نہیں پھپھانی جاتی | چلنے والوں کی کمی کا کچھ ضرر نہیں۔ اور گمراہی کے راستے سے بچتے رہو اور اس میں مبتلا ہونے والوں کی کثرت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

بعض سلف کا مقولہ ہے کہ جب تک شریعت کے مطابق ہو جاؤ اور حقیقت کو سمجھ لو تو کچھ پروا نہ کرو اگرچہ ساری خلقت تمہاری راستے کے خلاف ہو جائے۔

اور ابن مسعود کا قول ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ سب سے بہتر وہ شخص

ہے جو نیک کام میں جلد ہی کرے اور تمہارے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں شبہات

پیدا ہو جانے کے سبب سے سب سے بہتر ثابت قدم رہنے والا اور توقف کرے والا ہو گا۔

اور امام غزالی کہتے ہیں کہ بیشک ابن عباس نے سچ کہا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں دین

پر قائم نہ رہے بلکہ عام مخلوق کے ساتھ جس میں وہ لگے ہوں ہو جائے اور جس میں وہ گھسے

ہوں وہ بھی گھس گیا اس میں جہیں وہ ڈوبے ہوئے تھے تو وہ بھی اُن کی طرح ہلاک ہو گا۔

دین کی اصل عمدگی اور درستی | اس لئے کہ دین کی اصل اور عمدگی اور درستی کثرت عبادت اور

تلاوت اور بھوک کی تکلیف اٹھانے سے نہیں ہے بلکہ اس کی خوبی آفات اور صعوبات سے

بچانے میں ہے جو بدعتوں اور نئی باتوں کے کرنے سے آتی ہیں کیونکہ یہ بدعتیں اپنی کثرت

اور زیادہ پھیلنے کے سبب سے ایسی معلوم ہوتی ہیں گویا دین کا شعار یا ہم پر فرائض ہیں کاش ہم

اُن کو بدعت ہی جان کر گرتے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو توبہ اور استغفار کی تو امید ہوتی۔

لیکن ہم نے تو اُس کو طاعت اور عبادت سمجھ لیا اور اپنا دین بنا لیا۔ اس باب

میں ہم نے بعض آگے گذر جانے والوں کی پیروی کر کے جن سے کہ خود سہو یا غلطی یا غفلت

ہوتی ہے ہم نے اُن کو اپنے دین کا پیشوا بنا لیا ہے اب اگر کوئی شخص آکر اُن امور کے کرنے

سے ہم کو منع کرتا ہے تو اگر وہ معترض ہماری نظروں میں عزت دار ہے تو اُس کے جواب

میں ہم یوں کہتے ہیں کہ جائز ہے فلاں بزرگ اُس کے جواز کے قائل تھے۔ اور اُس شخص کا نام

سن لیتے ہیں جو ہم سے پہلے سہو یا غلطی یا غفلت کر گیا ہے۔ اور اگر وہ معترض ہماری نظروں

میں عزت دار نہیں ہے تو ہم سے ایسی سنے گا جو اُس کے دہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اور یہ

سب کیوں؟ ہمارے جہل مرکب کی وجہ سے۔ اس لئے کہ اگر ہم کو وہ جہل جو ہمارے اندر موجود

ہے معلوم ہو جاتا تو جس شخص نے ہم کو حق بتلایا تھا اُس کو قبول کر لیتے اور جس سے سہو یا غلطی

یا غفلت ہو گئی ہے اُس کو دین کے بارے میں خجیت نہ بناتے۔ کیونکہ انسان کو یہ جائز نہیں

کہ اپنے دین میں معصوم یعنی صاحب شریعت کے سوا کسی اور کی تقلید کرے۔ مگر وہ جس کے دین میں قرونِ ثلاثہ کے لوگ ہی قابل تقلید ہیں | حق میں صاحب شریعت ہی نے شہادت خیر دی ہو اور وہ قرونِ ثلاثہ ہیں جن کی نسبت شائع علیہ السلام کی حکمت اس بات کو مقتضی ہوئی کہ ہر قرن ایک فضیلت خاص سے مخصوص ہو۔

اور قرن اول کو تو خدا نے ایسی فضیلت دی ہے کہ اُس میں کوئی اُن کی برابر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نبی علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اُن پر قرآن کے نزول کا مشاہدہ کرنے کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور انہی کو قرآن کی حفاظت کا الہام کیا یہاں تک کہ اُس کا ایک حرف ضائع نہیں ہو سکتا اور انہوں نے تمجیداً للحکم قرآن کو جمع کر کے پچھلوں کے لئے آسان کر دیا اور نہ یہی بلکہ نبی علیہ السلام کی احادیث کی اپنے سینوں میں حفاظت کی اور جیسا چاہتے تھا ویسا ہی اُن کو ثابت رکھا غرضکہ دین کے قائم رکھنے میں زیادہ تر اُن ہی کی کوشش ہے جس کا احاطہ کرنا دشوار ہے اور کوئی اُن کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ اُن کو امتِ نبی علیہ السلام کی طرف سے جزائے خیر عنایت کرے۔

پھر اُن کے بعد تابعین پیدا ہوئے انہوں نے تمام حدیثوں اور دینی مسائل کو جو مشرق تھے جمع کیا اور صحابہ سے احکام اور تفسیر کی نقل کی یہاں تک کہ ایک شخص صرف ایک حدیث کی تلاش میں مہینہ مہینہ دو دو مہینہ تک سفر کرتا تھا اور احکام شریعت کو اس طرح جمع کیا جیسا چاہتے تھا۔ اُن کو بھی دین کے قائم کرنے میں بڑی فضیلت حاصل ہوئی۔

پھر اُن کے بعد تبع تابعین پیدا ہوئے جن میں فقہا ظاہر ہوئے جو واقعات میں سب کے مرجع ہیں انہوں نے قرآن جمع کیا کرایا یا سانی پایا اور حدیثیں جمع اور ضبط کی ہوئی پائیں۔ پس انہوں نے بمقتضائے قواعد شرعی قرآن اور حدیث میں تدبیر اور تفقہ کیا اور از رو اصول دین اُن سے احکام نکالے اور دلالت کے طریقے مقرر کئے اور سب لوگوں پر آسان کر دیا۔ اب اُن کے سبب سے امتِ محمدیہ کا دین ٹھیک الحال درست ہو گیا۔ ان صاحبوں کو بھی اس دین کے قائم کرنے میں ایک خاص فضیلت حاصل ہوئی۔ پھر جب یہ لوگ چل بسے قرونِ ثلاثہ کی تعبیر دین کے خلاف | تو ان کے بعد جو لوگ آئے ان کو ایسا کوئی کام نہ ملا جس کو نئی تعبیر بدعت و گمراہی سے وہ کرتے بلکہ اُن کو دین کامل ترین حالات پر ملا اُن کا یہی کام رہ گیا کہ پہلے لوگ جو احکام نکال گئے ہیں اور بیان کر گئے ہیں اُس کو یاد رکھیں اور اُن کے لئے بہتر یہی ہے کہ اُن کی پیروی کریں اور اُن کی تقلید کریں اور اُن کے طریقے پر قائم رہیں اور اگر اُن کو کوئی حکم اُن کے احکام کے علاوہ ظاہر ہو تو اُس کا کوئی اعتبار نہیں۔

ہاں اگر کوئی ایسی بات ہو جس کا بیان اُن کے وقت میں نہیں ہوا نہ فعلاً اور نہ قولاً تو اس واقعہ میں اُہنی قواعد کی زون سے جن کے موافق وہ لوگ احکام ثابت کر گئے ہیں غور کریں پس اگر یہ حکم اُن کے قاعدے اور اصول کے موافق ہو تو ماننے کے قابل ہے ورنہ نہیں کیونکہ اُن کے بعد کے لوگ تو بدعت کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ مستحب ہے اور اُس پر اُن کے اصول کے خلاف کوئی دلیل بھی قائم کر دیتے ہیں لیکن اُن کی دلیل مقبول نہیں ہے کیونکہ محض نیک گمان سے اسی کی تقلید و پیروی جائز ہے جو مجتہد عادل ہو۔ متقلد کی محض حسن ظن سے تقلید جائز نہیں۔

لیکن چونکہ اجتہاد اب ایک مدت دراز سے منقطع ہو گیا ہے تو مجتہد کے مذہب معلوم کرنے کا طریقہ اسی میں منحصر ہے کہ جو شخص خود مطالعہ پر قادر ہے اُس کے سامنے کسی معتبر و مروج کتاب کا حوالہ دیا جائے اور جو شخص خود قادر نہ ہو اس کو خود کوئی معتبر عالم جس کے علم و عمل زہد و تقویٰ پر اطمینان ہو بتلائے۔ ہر کتاب پر عمل بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس زمانہ میں ایسی بہت سی کتابیں چل گئی ہیں جو کم علموں نے بلا دریافت حقیقت حال جمع کر دی ہیں۔

اور نہ ہر عالم کے کہنے پر عمل کرنا چاہئے اس لئے کہ بعد قرونِ ثلاثہ لوگوں میں فسق غالب ہو گیا ہے۔ پس مستور الحال بھی فاسق کے حکم میں ہے اس لئے ضروری ہے کہ عدالت جس سے سچائی کا یقین ہو جائے اُس میں موجود ہو۔ اس موقع پر ایک اور قاعدہ بھی ہے جس کا فقہی مسائل کی صحت اور اُن پر عمل جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ اگر کوئی فقہی مسئلہ بیان کیا جائے کے لئے ایک اہم اصول و قاعدہ تو اس میں غور کرنا چاہئے اگر اُس کا ماخذ کتاب اور سنت اور اجماع سے معلوم اور مشہور ہو تو اُس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں اور اگر اس کا ماخذ معلوم نہیں ہے بلکہ وہ مسئلہ اجتہادی ہے سو اگر اُس کا بیان کرنے والا مجتہد ہے تو ہر شخص پر جو متقلد ہو اس کی پیروی کرنا لازم ہے اور اُس سے دلیل طلب کرنا ضروری نہیں اس لئے کہ مجتہد کا بیان ہی اُس کی دلیل ہے۔

اور اگر اس کا ناقل مجتہد نہیں ہے بلکہ متقلد ہے، سو اگر اُس نے کسی مجتہد سے نقل کیا ہے اور اُس نقل کا ثبوت بھی دے دیا ہے تو اُس میں بھی اتباع لازم ہے اور اگر مجتہد سے نقل نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے بیان کیا ہے یا کسی دوسرے متقلد کی طرف سے یا کول رکھا ہے، تو اگر اُس کے بارہ میں کوئی دلیل شرعی بیان کی ہے تو اُس کے ماننے میں اس صورت میں بھی کوئی کلام نہیں۔ اور اگر دلیل نہیں بیان کی تو غور کرنا چاہئے کہ اگر اُس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مطابق ہے اور کوئی بات اُس میں خلاف نہیں ہے تو اُس پر عمل جائز ہے۔

لیکن عمل کرنے والے کو چاہئے کہ صرف تقلید پر نہ ٹھہر جائے بلکہ اُس بیان پر اس سے دلیل مانگے اور اگر اُس کا کلام اصول اور معتبر کتابوں کے مخالف ہو تو اُس کی طرف بالکل توجہ نہ کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ علماء تصریح کر چکے ہیں کہ جس بات کی صحت یقینی معلوم نہ ہو اُس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ اُس کا باطل ہونا بھی معلوم نہ ہو چہ جائیکہ اُس کا باطل ہونا بھی معلوم ہو جائے۔

انیسویں مجلس اس بیان میں کہ نوافل جماعت پڑھنا بدعت ہے مثلاً

تہا رعاتب وغیرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں قربانی کے دن فرمایا کہ زمانہ اسی دن کی ہیبت پر آگیا ہے جس دن کہ اللہ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں سے چار مہینے عزت والے ہیں تین پے در پے۔ یعنی ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر والا ایکلا جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جس کے ماہ و سال مقرر ہیں جیسا کہ شروع میں تھا ویسا پھر ہو گیا اور سال اسی اصلی حساب پر آگیا ہے جسے اللہ نے اُس دن اختیار کیا تھا جبکہ آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور وقت حج اگرچہ جاہلیت والوں نے ایک نیا طریقہ نسی کا نکال کر اُسکو اپنے محل سے ہٹا دیا تھا پھر ماہ ذی الحجہ میں لوٹ آیا۔ اور یہ نسی وہی ہے جس کو خداوند عالم نے قرآن میں ذکر کیا اور فرمایا ہے: "نسی کفر کو اور بڑھاتا ہے" اور نسی ایک مہینے کی نسی | تحريم کو دوسرے مہینے پر ٹال دینے کو کہتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ زمانہ جاہلیت میں حرمت والے مہینوں کی اول تو حضرت ابراہیم واسمعیل علیہما السلام کے وقت سے تعظیم کرتے چلے آئے اور ان مہینوں میں جنگ کو حرام جانتے رہے لیکن پھر انہوں نے نسی کا طریقہ نکالا اور تحريم کو بدل ڈالا اور چونکہ یون کی معاش عام طور پر ٹوٹ مار بھٹی اس سبب سے وہ بڑے جنگجو اور ڈاکو تھے، ماہ حرام جب آتا اور وہ ابھی لڑائی میں مصروف ہوتے تو ان کو لڑائی چھوڑنی ناگوار ہوتی تھی اُس مہینے کو حلال کر کے بجائے اُس کے دوسرے مہینے کو حرام کر لیتے تھے یہاں تک کہ ان مہینوں کی خصوصیت بالکل ہی چھوڑ بیٹھے اور محض شمار کا اعتبار رکھا اور اکثر اوقات تو سال کے مہینوں کا شمار بھی بڑھا دیتے تھے، اور ایک

سال تیرہ اور چودہ مہینوں کا مانتے تھے تاکہ وقت میں گنجائش ہو جائے۔ اسی واسطے حدیث شریعی سال اور اس کا حساب میں شمار کو کھول کر بیان کر دیا۔ آنحضرت علیہ السلام نے ظاہر کر دیا کہ ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ اور ہماری شریعت میں اس کا اندازہ چاند کی رفت و آہٹ پر ہے سورج کی رفت پر نہیں ہے جیسا کہ اہل کتاب کرتے ہیں۔

اور ان ہی قمری مہینوں میں سے چار ماہ حرام ہیں جن میں سے تین تو یکے بعد دیگرے ہیں یعنی ذیقعدہ۔ ذی الحجہ اور محرم اور ایک اکیلا ہے یعنی ماہ رجب اور اس مہینہ کو مضر کی طرف حدیث میں اسلئے مضاف کیا ہے کہ یہ قبیلہ اس مہینے کی بہت تعظیم و احترام کرتا تھا۔ اور اسی لئے ان کی طرف نسبت کی گئی ہے۔

اس مہینے میں اہل جاہلیت کے بہت سے احکام تھے۔

ایک یہ کہ وہ جنگ و جدال کو اس میں حرام جانتے تھے چنانچہ اوپر گزرا۔ اور یہ حرمت ابتدائی اسلام میں بھی جاری تھی۔ اور اس کے باقی رہنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک تو منسوخ ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہؓ نبی علیہ السلام کے بعد برابر جدال و قتال اور فتوحات بلاد میں مصروف رہے۔ ان میں کسی سے یہ بات منقول نہیں ہے کہ ان مہینوں میں سے کسی میں جنگ بند کی ہو اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریم بالاجماع منسوخ ہو گئی۔

ایک حکم یہ تھا کہ کفار زمانہ جاہلیت میں اس مہینے میں قربانی ذبح کرتے تھے۔ جس کا نام عتیرہ تھا۔ اس حکم میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ اسلام نے اس کو باطل کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے نہ فرع ہے نہ عتیرہ۔

(فرع بفتح فاء و را اوٹنی کے پہلے بچے کو کہتے ہیں۔ اور جاہلیت والے اسکو اپنے معبودوں پر ذبح کرتے تھے اور اس سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اور عتیرہ اس قربانی کو کہتے تھے جو رجب کے پہلے عشرہ میں ذبح کرتے تھے اور اس کا نام رجبیہ تھا اور اہل جاہلیت زمانہ جاہلیت میں اور اہل اسلام ابتدائے اسلام میں ثواب کا کام جانتے رہے۔ لیکن حدیث لافرع ولا عتیرہ سے یہ بات منسوخ ہو گئی۔)

اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا ہے کہ اسلام میں عتیرہ نہیں ہے عتیرہ تو صرف زمانہ جاہلیت میں تھا کہ رجب میں روزے بھی رکھتے تھے اور چونکہ اس کو موسم حج اور عید بھی مقرر کر چکے تھے اس لئے اس مشابہت سے اس میں عتیرہ

بھی ذبح کرتے تھے۔ اور طاؤس سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ کسی مہینے یا کسی دن شرعی عید کو عید مت بناؤ۔ اور اس کی اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو جائزہ نہیں کہ کسی وقت کو عید بنائیں مگر ہاں وہی جسے شریعت نے عید بنا دیا ہے اور یہ ہر ہفتہ میں جمعہ کا دن اور سال بھر عید بقر عید اور ایام تشریق کے دن ہیں۔ ان کے سوا کسی اور زمانے کو عید بنانا بدعت ہے جس کی کوئی اصل شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ بلکہ مشرکوں کی عید ہے۔ اور انکی مشرکوں کی عیدیں اور انکا حکم | کچھ عیدیں تو زمانی تھیں اور کچھ مکانی تھیں۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو باطل کر دیا اور ان کی زمانی عیدوں کی بجائے عید اور بقر عید اور ایام تشریق کو مقرر فرما دیا اور بجائے عید مکانی کے کعبہ اور عرفات اور منیٰ اور مزدلفہ کو قرار دیا اور ان موسموں میں سے نہ کوئی موسم ہے اور نہ ان جگہوں میں سے کوئی ایسی جگہ ہے جس میں کوئی نہ کوئی طریقہ عبادت الہی کا جو قرب خداوندی کا ذریعہ ہے مقرر نہ ہو اور ان کی لطیف خوشبوؤں میں سے کوئی خوشبو نہ ہو اپنے بندوں میں سے اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے عنایت کرتا ہے۔

پس خوش قسمت وہ ہے جو ان موسموں اور مکانوں کو عنایت جانے اور ان عبادت کے طریقوں کے ذریعہ سے جو ان موسموں میں مقرر ہیں اپنے مولا کا تقرب حاصل کرے۔ یہاں تک کہ ان کی خوشبو کی کوئی مہک اس کے دماغ تک پہنچے اور اس سبب سے وہ آگ اور اس کی لپٹوں سے بچے۔ اور ماہ رجب کے روزے کے بارے میں بہتیری حدیثیں آئی ہیں رجب میں روزے کا حکم | ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک نہر ہے جس کا نام رجب ہے دو دھڑے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے جو شخص رجب کے مہینے میں ایک روزہ بھی رکھے گا اللہ اُسکو اسی نہر کا پانی پلائے گا۔

یہ حدیث بعض روزوں کے بارے میں ہے۔ کل ماہ رجب کے روزوں کے بارے میں بخصوصیت کوئی حدیث ثابت نہیں ہے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صحابہ سے، البتہ تمام ماہہائے حرام کے روزوں کے بارے میں حدیث آئی ہے جن میں سے ایک رجب بھی ہے پس لازم ہے کہ رجب کے روزوں سے منع نہ کیا جائے۔ اور ابی قلابہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ جنت میں رجب کے روزہ داروں کے لئے ایک محل ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ ابو قلابہ بڑے پائے کے تابعی ہیں انہوں نے ایسے شخص سے روایت کی ہوگی جس نے خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہوگا۔

ہاں البتہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ کُل رجب کے روزے مکروہ جانتے تھے اور امام احمدؒ بھی مکروہ جانتے تھے۔ اور کہتے تھے ایک دو دن افطار کر ڈالے اور ابو عمرؒ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اس کی کراہت اس طور سے جاتی رہتی ہے کہ ایک اور مہینے کے روزے رکھ لئے جائیں۔ اور ماوردی اقناع میں لکھتے ہیں کہ رجب اور شعبان کے روزے مستحب ہیں۔ لیکن ان ایام میں کوئی خاص نماز ثابت نہیں ہے پس اس کی رُو رجب اور شعبان میں کسی خاص سے دیندار ایماندار کو چاہئے کہ اُن نمازوں کی طرف توجہ نہ نماز کے اہتمام کی مراد ہے۔ کرے جن پر اس زمانہ کے لوگ ٹوٹ پڑے ہیں اور اس بات سے دھوکا نہ کھائے کہ وہ دارالاسلام میں شائع ہے اور بڑے بڑے شہروں میں کثرت سے اُسپر عملدرآمد ہے۔

یعنی نماز رغائب جو ماہِ رجب کی پہلی شب جمعہ میں پڑھتے ہیں کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "نئی باتوں سے بچتے رہو اسلئے کہ ہر نوا ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

اور ایک اور حدیث میں ہے آپ نے فرمایا ہے کہ "سب کاموں سے بدتر نوا ایجاد باتیں ہیں اور ہر نوا ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" سو ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس رات کی نماز بدعت اور گمراہی ہے اس لئے کہ وہ نوا ایجاد ہے کیونکہ وہ صحابہؓ اور تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں نہیں تھی بلکہ چار صدی ہجری کے بعد ایجاد ہوئی ہے اسلئے اگلے لوگ اس سے واقف بھی نہ تھے نہ اس میں انہوں نے کوئی گفتگو کی۔ البتہ متاخرین کے بڑے بڑے علماء نے اس کی مذمت کی ہے اور صاف طور سے کہہ دیا ہے کہ وہ بدعتِ قلیجہ ہے اس میں بہت سی بُرائیاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کے بارہ میں جو حدیثیں بیان کی جاتی ہیں وہ سب موضوع ہیں اور ان کا واضح ابن جہنمؒ اور اس صراحت کے بعد اب کسی کتاب اور رسالہ میں لکھے ہونے کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ ہم کو دین اور ثواب و عذاب کا ملنا شارع علیہ السلام سے معلوم ہوا ہے عقل کا یہ کام نہیں ہے۔

اور چونکہ اس رات میں یہ نماز نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی نہ ہی کسی صحابی نے پڑھی۔ نہ اُس کی کسی نے تعلیم کی اسلئے اس میں ثواب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ فعلِ عبث ہی نہیں، عذاب کا بھی اندیشہ ہے۔

چنانچہ صاحب مجمع البحرین اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عید کے دن عید گاہ میں عید سے پہلے نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت علیؑ نے اُس کو منع فرمایا۔ اُس نے کہا، اے امیر المؤمنین میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نماز پر عذاب نہ دیگا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی کام پر جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کیا ہو یا حکم نہ دیا ہو کچھ ثواب نہ دے گا پس تیری نماز فضول کام ہوگا اور فضول کام کرنا چونکہ حرام ہے اسلئے عجیب نہیں کہ خدا اس کام پر بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے عذاب کرے۔

اور ابن ہمام نے کہا ہے کہ جس عبادت کی نسبت واجب یا بدعت ہونے میں شبہ ہو اُس کو احتیاطاً کر لیا کرے اور جس کے سنت اور بدعت ہونے میں شبہ ہو اُسکو ترک کر دینا چاہئے اسلئے کہ بدعت کا چھوڑنا واجب ہے اور سنت کا ادا کرنا ضروری نہیں۔ پس یہ نماز چونکہ سنت اور بدعت ہونے میں مشتبہ ہے لہذا اس کا چھوڑ دینا ہی ضروری ہے۔ اور اس کا پڑھنا کسی کو جائز نہیں ہے نہ تنہا نہ بجماعت کیونکہ جماعت بھی اس میں بدعت سے اس لئے کہ اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ نفل ہو۔ اور کتب معتبرہ مثلاً کافی وغیرہ میں اس کی تصریح ہے نفل نماز کی جماعت کا حکم کہ فقہاء کا اس بارہ میں اتفاق ہے کہ نفلوں میں سوائے تراویح کے اور نماز کسوف خسوف اور استسقاء کے جس وقت امام کے سوا چار آدمی ہوں جماعت مکروہ ہے اور فقہاء کا مقولہ ہے کہ جماعت نفل جب مجمع سے ہو مکروہ ہے اور مجمع یہ ہے کہ تین سے زیادہ آدمی جمع ہو کر ایک کو امام بنالیں۔ اور اگر ایک مقتدی اور ایک امام ہو یا دو مقتدی اور ایک امام ہو تو مکروہ نہیں ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔

اور یہ بات اصول میں ثابت ہو چکی ہے کہ اُن نمازوں کا جماعت سے ادا کرنا جن میں جماعت کا شرعاً حکم ہے جیسے قرآن اور نماز جمعہ اور نماز عیدین اور تراویح اور ترمہ ماہ رمضان میں تو ادائے کامل ہے اور ان کے علاوہ کسی اور دنوں میں یا نماز میں جماعت عجیب اور نقصان ہے جیسے چھٹی انگلی کہ گویا وہ ہے مگر پھر بھی عجیب ہے۔ اور یہ نماز چونکہ اور نمازوں میں داخل نہیں اسلئے اس میں جماعت عجیب اور موجب نقصان ہوگی۔ اگرچہ اس کی نذر بھی کر چکا ہو کیونکہ نفل بجماعت مکروہ اور گناہ ہے۔ اور گناہ کی نہ منت مانتی جاتے ہے اور نہ گناہ کی نہ منت مانتی جاتے ہے۔ اُس نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت اور نہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اطاعت خدا کی منت مانے تو اُس کو پوری کرے اور جس نے منت مانی کہ اُس

کی نافرمانی کرے گا تو اس کو ہرگز پورا نہ کرے۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اُسے نذر کا ادا کرنا واجب ہے جو اللہ کی اطاعت میں ہو۔ اور طاعت الہی سے یہاں یہ مطلب ہے کہ وہ فعل واجب یا گناہ نہ ہو۔ اس لئے کہ نذر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ مباح کو واجب کر لینا پس واجب اور گناہ میں قائم نہ ہوگی۔ بلکہ اگر یہ معصیت کی نذر مانے تو اُس کا پورا کرنا حرام ہے۔ ہاں اُس کا کفارہ قسم کی طرح ادا کرنا واجب گناہ کی نذر پر قسم کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد شامل ہیں اس قسم کی نذر اور قسم کا ایک حکم ہے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے گناہ کی نذر نہیں ہوتی اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے جس کے راوی ابن عباسؓ ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے گناہ کی نذر مانی تو اُس کا کفارہ ایسا ہے جیسے قسم کا کفارہ۔ اگر یہ کہا جائے کہ صلوٰۃ التبلیح جس کی اصل نبی علیہ السلام سے ثابت صلوٰۃ التبلیح کی جماعت مکروہ تخریمی ہے۔ ہے تو آپ اس کا بھی جماعت سے ادا کرنا اسی رات میں جائز ہے یا نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نفلوں میں جماعت بدعت ہونے کی وجہ سے مکروہ تخریمی ہے اس لئے اس کی نذر مانی بھی مکروہ تخریمی ہے پس اس کا کرنا جائز نہیں بالخصوص تخصیص وقت کے ساتھ۔ بلکہ تمام مخلوق پر حق کی پیروی واجب ہے اگرچہ اس کی خوبیوں سے واقف نہ ہوں اور بدعتوں اور نو ایجاد باتوں سے بچنا ضروری ہے اگرچہ ان کی خرابیوں کا علم نہ ہو اسلئے کہ ان کی خرابیاں بہت ہیں ایک یہی ہے کہ جو عمل کسی رات یا دن کی خصوصیت کے عبادت کے لئے تخصیص ایام ساتھ ایجاد کیا جاتا ہے تو اُس کا کرنے والا ضروریہ اعتقاد کرتا ہے کہ خرابیاں اور انکے وجوہ کہ یہ دن تمام دنوں سے افضل ہے اور اس میں عمل کرنا تمام اور دنوں کے عمل سے افضل ہے اور یہ رات تمام راتوں سے افضل ہے اور اس میں عمل کرنا اور راتوں میں عمل کرنے سے افضل ہے۔

کیونکہ اگر اُس کے دل میں یہ اعتقاد نہ ہوتا تو وہ اُس دن کو روزہ کے لئے اور اُس رات کو نماز کے لئے کیوں مخصوص کرتا۔ کیونکہ نبی علیہ السلام نے تو نماز روزہ کے لئے کوئی دن یا رات مخصوص کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور اگر تخصیص کے طور پر نہ ہو تو اجازت دی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب راتوں میں سے جمعہ کی رات شب بیداری کے لئے مخصوص نہ کرنا اور نہ جمعہ کے دن کو اور دنوں میں سے روزہ کیلئے

ہاں مگر جب اتفاقاً اُس کے روزہ رکھنے کے دن جمعہ پڑ جائے تو یہ اور بات ہے۔
پس اس سے معلوم ہوا کہ خرابی صرف اُس خصوصیت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جس
کی شریعت میں تخصیص نہیں ہے اور یہ بات جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں موجود ہے۔ کیونکہ لوگ
اُس نماز کے لئے اسی رات کو مخصوص کرتے ہیں اسلئے کہ اُن کا اعتقاد ہے کہ اُس رات میں جو
نماز ادا کی جائے وہ سب سے افضل ہے کہ دوسری کسی رات میں ادا کی جائے تو چونکہ درحقیقت
اس رات میں کوئی بزرگی نہیں ہے اس لئے اس تخصیص سے منع کیا گیا ہے کیونکہ تخصیص خصوصیت
کے اعتقاد ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

پس جو شخص کہے کہ میرے اعتقاد میں اس رات میں نماز اور اُس دن کا روزہ الیا
ہی ہے جیسے کہ اور دنوں میں پھر بھی میں نے روزہ اور نماز کے لئے ان ہی دنوں اور راتوں
کو مخصوص کر رکھا ہے پس ضرور ہے کہ اس کا سبب یا تو دنیا کی موافقت ہوگی یا کار بر آرمی مقصود
کے لئے یا طعنہ کا اندیشہ یا عادت کی پیروی کے لئے اور ان سب کی خرابی ظاہر ہے کیونکہ یہ سب
دکھاوے کی باتیں ہیں اور دکھاوے عبادت میں حرام ہے۔ نیز یہ کہ جو شخص کسی بدعت کو یہ جان
بدعت کرے یا لے کا حکم | کر کہ دین میں یہ جائز نہیں ہے پھر بھی کرتا ہے وہ فاسق ہے بدعتی
نہیں ہے۔ اور اگر وہ بدعت کو جائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ فاسق اور بدعتی دونوں ہے۔

اور چونکہ اس زمانے میں بہتیرے لوگ اُس رات میں یہ نماز بڑی بڑی جماعت
سے یہ سمجھ کر پڑھتے ہیں کہ وہ دین میں جائز ہے۔ پس اس وجہ سے لازم آتا ہے کہ وہ اس
حکمت کی وجہ سے فاسق اور بدعتی دونوں ہوں۔ کیونکہ وہ بدعت بھی کرتے ہیں اور یہ بھی
سمجھتے ہیں کہ وہ عبادت شرعی ہے اور اُن کی عادت یہ ہے کہ اگر اُن کو اس کام سے منع کر
تو کہتے ہیں کہ نماز پڑھنا گناہ کیسی تو بہتر ہی ہے۔ اگر یہ بیچارے بنظر انصاف غور کرتے،
تو اس فعل کو گناہ سے بھی زیادہ مضر پاتے اس لئے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اس کو گناہ
تو سمجھتا ہے اور اس وجہ سے اکثر اُس سے استغفار بھی کر لیتا ہے اور نادوم بھی ہوتا ہے۔
اور اُس کو ذلت اور عاجزی حاصل ہوتی ہے بخلاف ان لوگوں کے۔

کیونکہ یہ لوگ تو اس خیال کی وجہ سے کہ یہ عبادت اور قربت مشروع ہے نہ
استغفار کرتے ہیں نہ اپنے گناہ پر شرمندہ ہوتے ہیں بلکہ اُن کو فخر و ناز ہوتا ہے اور یہ وہی بات
بدعت شیطان کی ایجاد ہے | ہے جو ابلیس سے منقول ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں نے جب
اولاد آدم کی گناہوں کے بوجھ سے توڑ دی اور انہوں نے میری کمر تو بہ اور استغفار سے
توڑ دی نہیں نے اُن کے لئے ایسے گناہ ایجاد کئے جن سے وہ توبہ اور استغفار ہی نہ کریں گے

اور وہ بدعتیں بصورت عبادت ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ بدعت بدکاری سے بدتر ہے کیونکہ بدعت بدکاری سے بدتر ہے جو شخص بدعت کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں طاعت و عبادت میں ہوں اور یہ اللہ اور اس کے رسولی کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ اس نے دین میں نئی بات پیدا کرنے کو جس کو شریعت نے بُرا بتایا ہے اور منع کیا ہے اُسے اچھا جانا ہے۔ اللہ نے اپنے دین کامل ہو جانے کے بعد اس میں بندوں کے لئے جو عبادتیں مقرر فرمادی ہیں وہ ان کے زیادتی نقصان اور خلل کا باعث ہے لئے کافی ہیں اور وہ ان کا دین اور اپنی نعمت پوری کر چکا جیسا کہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے "آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر دیا اور پوری کی تم پر اپنی نعمت۔"

اب کمال پر کچھ زیادتی کرنا نقصان اور خلل کا باعث ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ نماز اگرچہ بدعت ہے لیکن چونکہ اس میں اذکار اور تلاوت قرآن ہے پس ان اذکار اور تلاوت قرآن کا ثواب تو ضرور ملنے کی امید ہے کیونکہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نماز جب بدعت اور گمراہی ٹھہری تو تمام ذکر اور تلاوت جو اس نماز میں ہے عبادت میں گناہ بلا دینے کے قبیل سے ہے اور یہ اور بھی گناہ ہے اور پہلے سے بھی زیادہ بڑی ہے اس لئے اس سے بچنا ہی چاہئے۔

اس طرح کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نماز سے منع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کہ تُو نے اُس کو دیکھا جو بندہ کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے اور نہ کوئی شخص اُسکی خوبی پر اس حدیث کو دلیل لا سکتا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "نماز ایک اچھی وضع کی ہوئی چیز ہے" اس لئے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اسی نماز کے بارہ بارہ میں ہے جو کسی طرح شرع کے خلاف نہ ہو۔ اور وہ نماز کئی وجہوں سے خلاف شرع ہے نمازِ رغائب کے خلاف شریعت ہونیکی وجوہات جیسا کہ علماء نے اپنی تصنیفوں میں بیان کیا ہے۔

ایک تو یہ کہ اس نماز کے بارے میں حدیث موضوع پر اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ جب حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہو گیا تو یہ نماز جائز نہ رہی اور اُس پر عمل کرنے والا شیطان کا خادم ہوا۔

اور ایک اس کا جماعت سے پڑھنا ہے حالانکہ نفل کا جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔ تو اس میں کیونکر جائز ہوگا۔

اور ایک اس کو شب جمعہ سے مخصوص کرنا حالانکہ شب جمعہ کی بیداری سے

ممانعت ہو چکی ہے۔

اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس کیلئے بکثرت چراغ جلاتے ہیں اور یہ چونکہ اہرا ہے۔ اور اسراف نص قرآن سے حرام ہے اسلئے جائز نہیں۔ اور ایک یہ کہ عوام اس کو سنت بلکہ بہترے عوام تو اس کو فرض سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ لوگ فرض کو تو ترک کر دیتے ہیں لیکن اس کو ترک نہیں کرتے بلکہ اس کو تمام فرض نمازوں سے افضل جانتے ہیں کیونکہ اس کو بعضے وہ بزرگ بھی پڑھتے اور اس میں شریک ہوتے ہیں جو فرض نمازوں کی جماعت میں نہیں آتے ہیں۔

اور ایک خرابی اس کو دینی کام سمجھنا ہے اور مسلمانوں کی بڑی مذہبی نشانیوں میں سے ایک نشانی جاننا یہاں تک کہ حکام وقت امام اور مؤذن کو خبردار کہہ دیتے ہیں کہ آج کی رات اس سے غفلت نہ کریں بلکہ منادی کرتے ہیں کہ جو شخص اس نماز کو نہ پڑھے گا وہ بہت پٹے گا اور اس امام کو برخواست کر دیتے ہیں جو اس میں نہ آئے چنانچہ یہ تمام باتیں کسی نہ کسی وقت بعض شہروں میں ہو چکی ہیں کاش یہ لوگ ایسی ہی تاکید فرمائیں اور واجبات میں کرنے اور یہی وہ فتنہ ہے جس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ **عظیم فتنہ اور ابن مسعود کی تنبیہ** تمہارا کیا حال ہو گا جبکہ تمہیں فتنہ گھیر لیا جس میں بڑا تو بڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا بڑا ہو جائے لوگوں میں ایسا پھیل جائے گا کہ اس کو سنت ٹھہرائیں گے۔ اگر تم اسکو بد لوگے تو کہیں گے کہ سنت کو بدل دیا یا تمہیں منکر سنت مشہور کریں گے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ ایجا و شدہ بدعتوں سے بچتے رہو کیونکہ ایمان تمہارے دلوں سے وقفہ نہیں جائے گا لیکن شیطان تمہارے لئے بدعتیں پیدا کرتا رہے گا یہاں تک کہ تمہارے دلوں سے ایمان نکل جائے۔ پس اس بنا پر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ فریب کھانے اور مسلمان کا فریضہ | بدعتوں اور نواہیات کی طرف رغبت کرنے سے بچتا رہے اور ان عادتوں سے اپنا دین بچاتا رہے جن سے الفت ہو گئی ہے اور جن میں پرورش پائی ہے کیونکہ یہ زہر قاتل ہے بہت کم ایسے لوگ ہیں جو اس سے بچے ہوں اور ان پر اس کی موجودگی میں حق بھی ظاہر ہوا ہو کیونکہ اس میں ایسا مزہ آتا ہے کہ بدعتیوں کے دل اس کو بہت پسند کرتے ہیں اور اس کو کبھی نہیں چھوڑتے ہیں۔

اور اسی لئے ہشام بن عروہ کہتے تھے لوگوں سے یہ نہ پوچھو کہ تم نے یہ کیا ایجا و کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس کے لئے ایک جواب تیار کر رکھا ہے لیکن ان سے یہ پوچھو کہ سنت کیا ہے کیونکہ وہ سنت کو نہیں جانتے ہیں۔ اے اللہ آج تو ہمارے لئے

سنت پر عمل کرنا اور بدعتوں سے بچنا آسان کر دے۔

بیسویں مجلس حج مبرور کے فضائل اور اسکی بدعتوں کا بیان

حج کی برکات | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ کے واسطے حج کیا اور اس نے نہ نفل نہ فتنہ نہ بدکاری کی تو وہ ایسا پاک ہو کر لوٹے گا جیسے وہ پیدا ہوا تھا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے حج کیا اور دوران حج میں تمام قولی و فعلی گناہوں سے بچا رہا تو تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور گناہوں سے مراد صغیرہ و کبیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ گناہوں کی معافی سوائے توبہ کے اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ ہاں صغیرہ گناہوں کا کفارہ بہتیری چیزیں ہیں جن میں سے توبہ کا ذکر حدیث میں ہے جیسے پنجگانہ نماز اور جمعہ اور ماہ رمضان کے روزے وغیرہ کیونکہ اسلام کے تمام اصول خطا اور گناہ کے کفارہ ہیں اور سب کو ڈھا دیتے ہیں کلمہ لا الہ الا اللہ تو کوئی گناہ نہیں چھوڑتا اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی کام ہے اور پانچ نمازیں اور اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک درمیان کے گناہوں کے کفارہ ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے اور صدقہ خطاؤں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور حج میں نہ نفل نہ بدکاری حاجی کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیتا ہے جیسے اپنی ماں کے پیٹ سے ابھی پیدا ہوا ہو۔ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے تمام لوازم حج ادا کئے اور تمام مسلمان اس کے ہاتھ اور زبان سے سلامت رہے تو اس کے تمام گناہ پھیلے گناہ معاف ہو گئے۔ اور صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حج مبرور کے کفارہ ہونے کا صحیح مفہوم | کبیرہ گناہوں کے لئے کفارہ ہونے میں اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ ان کا کفارہ نہیں ہے اور جو کہتا ہے کہ وہ کبیرہ گناہ کا بھی کفارہ ہے اس کا مفہود یہ نہیں ہے کہ عبادتوں کی قضا اور قرضے اور مظالم جو اسی پر لازم ہیں سب ساقط ہو جاتے ہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو باتیں اس کے ذمہ ہیں اس کے ادا کرنے میں تاخیر کا جرم معاف ہو جاتا ہے سو جب وہ اس سے فارغ ہو جائے گا اس وقت اس سے اس چیز کا جو اس کے ذمہ ہے ساقط ہوگا پس اگر اس نے باوجود قدرت کے ادا نہ کیا تو اب وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ حج مبرور | اور حج مبرور وہ ہے جس میں کسی گناہ کا لگاؤ نہ ہو اور بعضے کہتے ہیں کہ حج مبرور حج منقول کو کہتے ہیں اور یہ معنی بھی معنی اول کے قریب قریب ہیں اور حج کے مبرور ہونے کی یہ علامت

ہے کہ حاجی جتنے بڑے کام کیا کرتا تھا سب چھوڑ دے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں متوجہ ہو جائے اور اپنے نفس کی اصلاح میں سعی کرتا رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آدمی کا حج مقبول ہونے کی یہ علامت ہے کہ حج کے بعد اس میں نیکیاں زیادہ ہو جائیں اور حج سے لوٹ کر پھر کبھی گناہ کنی طرف متوجہ نہ ہو اور بڑے رانچیوں کو چھوڑ دے۔ کیونکہ جو شخص حجِ اسود کو ہاتھ لگاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس حجِ اسود کو چھوڑنا حقیقت میں اللہ سے بیعت کرنا ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچے گا اور اُس کے تمام حقوق ادا کرے گا پھر جو شخص اس عہد کو توڑ دے گا تو اپنی ہی بُرائی پر توڑے گا اور جو اللہ سے کئے ہوئے اقرار کو پورا کرے گا تو اُس کو خدا بہت بڑا اجر دیگا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں اسی طرف اشارہ ہے آپ فرماتے ہیں حجِ اسود اللہ کی زمین پر واہنا ہاتھ ہے جس نے اُس کو ہاتھ لگایا اور مصافحہ کیا تو گویا اُس نے اللہ سے مصافحہ کیا اور اس کا ہاتھ چومنا۔

اور عکرمہؓ کہتے ہیں کہ حجِ اسود زمین پر اللہ کا واہنا ہاتھ ہے۔ پس جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نصیب نہیں ہوئی اور اس نے اس رکن کو چھو لیا تو اُس نے اللہ اور رسولؐ سے بیعت کر لی۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کی پشت سے اُس کی اولاد کو نکالا اور اُن سے عہد لیا تو اُس عہد کو پوستِ آہو پر لکھا پھر اس حجِ اسود میں امانت رکھ دیا۔ اور کہتے ہیں کہ جو شخص حج کرتا ہے اور حجِ اسود کو بوسہ دیتا ہے تو گویا از سر نو بیعت کرتا ہے اور اُس پرانے عہد کے پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے پس اُس کو چاہئے کہ جب حجر کے پاس سے جدا ہوتو اپنے اس عہد کا لحاظ رکھے جو بوسہ دینے کے وقت کیا تھا۔ کیونکہ یہ بہت بڑی بات ہے کہ مبانی اسلام کو پورا کر کے گناہوں سے بنی بنائی چیز توڑ ڈالے کیونکہ عبادت کے قبول ہونے کی قبولیت کی علامت کی یہی علامت ہے کہ اُس کے بعد اور عبادت کرتا جائے اور اُس کے مَرود ہونے کی یہ پہچان ہے کہ اُس عبادت کے بعد گناہ کرے اور کیا ہی خوب ہے نیکی کے بعد نیکی اور کیا ہی بُری ہے نیکی کے بعد بُری۔ کہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گناہ قبل از توبہ ستر گناہوں سے بھی بدتر ہے کیونکہ بیماری کا دوبارہ پلٹنا پہلے مرض سے سخت ہوتا ہے۔ پس حاجی حج مبرور کے حاجی کی مغفرت کا حج اگر مبرور ہو تو وہ اپنے اور جس کے واسطے مغفرت مانگے اور اُس کی دعا کی مقبولیت بخش دیا جاتا ہے اور جب وہ واپس ہوتا ہے تو اس طرح لوٹتا ہے کہ اُس کے سب گناہ موات ہیں اور اُس کی دعا قبول ہے اور اسی واسطے اس سے ملنا اور سلام علیک کرنا اور اس سے مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ۔۔۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”جب تم کسی حاجی سے ملو تو اُس کو سلام اور مصافحہ کرو اور اُس سے کہو کہ اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے تمہارے لئے مغفرت کی دعا مانگے کیونکہ جس کے لئے وہ دعا مانگے گا اُسے بخشا ہوا چھوڑا اور حسنؓ سے روایت ہے کہ جب حاجی روانہ ہوں تو اُن کو رخصت کرنے کو جاؤ اور دعائے خیر کا توشہ اُن کے ساتھ دو اور جب وہ حج کر چکیں تو قبل اس کے کہ وہ گناہوں میں پڑ جائیں اُن سے ملو اور مصافحہ کرو کیونکہ اُن کے ہاتھوں میں برکت ہے لیکن ایسے بہت کم ہیں جن کا حج مبرور ہوتا ہے۔

وہ بدعات اور خرابیاں جن کا از نکاب حاجیوں سے کثرت ہوتا ہے کسی نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ”حاجی خوب ہی کثرت سے ہیں تو جواب دیا کہ ”کیا ہی قلیل ہیں“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”سوار تو بہت ہیں لیکن حاجی تھوڑے ہی ہیں“ اور یہ صرف اسی وجہ سے فرمایا کہ حاجیوں میں بدعتیں اور برائیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ سب سے بڑا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ترک نماز اور خلاف شرع نمازوں کا جمع کرنا ہے بلا اکثر نمازوں کا ترک کر دینا ہے اور جو نماز نہیں چھوڑتا وہ وقت کو کھو دیتا ہے اور شریعت کے خلاف جس کے پڑھتا ہے اور یہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور جو یہ جانتا ہو کہ اگر وہ حج کو جائے گا تو اُس کی ایک نماز فوت ہو جائے گی، تو اُس پر حج حرام ہے مرد ہو خواہ عورت کیونکہ ایک نماز چھوڑنے کا کفارہ ستر حج سے کم نہیں تو یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص ایک درہم کے لئے ہزار دینار خراب کر دے، سو جب یہ حالت ہے تو حاجی کے لئے ضروری ہے کہ نمازیں وقت پر ادا کرتا رہے بسہولت ہو تو عتبات سے وزنہ دشواری ہو تو اکیلا پڑھے۔

اور جب تک خود اور اپنے ساتھی کے لئے پینے اور وضو کے واسطے پانی کے رہنے کا گمان غالب ہو نجس پانی سے وضو یا تیمم نہ کرنے اور نہ وقت سے پہلے نماز پڑھے اور جس مقام پر سمت قبلہ مشتبہ ہو وہاں اُس کے دریافت میں پوری کوشش کرے۔ اور حاجیوں کی بے جا تزیین و زیبائش حاجیوں کی بدعتوں میں سے سونے اور چاندی کے زیور اور ہار اور کنگن اور حریر وغیرہ سے اونٹوں کا آراستہ کرنا ہے اور مشعلوں کا بھی ان چیزوں سے مزین کرنا یہ سب اپنے گھر سے نکلنے کے وقت اور گھر لوٹنے کے وقت اور مکہ و مدینہ میں داخل ہوتے وقت کرتے ہیں اور ان سب باتوں میں وہ گنہگار ہیں اور اس گناہ میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو اس تماشے کو دیکھنے جاتے ہیں اور اُس کی تعریف کرتے ہیں یا سکوت

کرتے ہیں۔ اور ان ہی بدعتوں میں سے ایک ان کے جاتے وقت اور آتے وقت عورتوں کو نکالنا کا گھر سے نکالنا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو اپنے گھر میں بیٹھا رہنا اور باہر نہ نکالنا ضروری ہے۔ اور شوہر پر لازم ہے کہ ان کو باہر جانے سے روکے اور اگر اُس نے اجازت دی اور وہ باہر نکلی تو دونوں گنہگار ہونگے۔ اور بعض اوقات خموشی سے بھی قول کی طرح اجازت سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ بُرے کام سے روکنا فرض ہے اور اگر عورت بغیر اجازت خاوند کے گھر سے نکلی تو آسمان کے کل فرشتے اور جن جن چیزوں پر اُس کا گذر ہوتا ہے انسان اور جن کے سوا سبھی لعنت بھیجتے ہیں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد عورتوں سے بدتر کوئی فتنہ کی چیز نہیں چھوڑی۔

پس اس زمانے میں عورتوں کا اپنے گھروں سے نکلنا سب فتنوں سے زیادہ ہے خصوصاً حرام طریق سے نکلنا مثلاً جنازہ کے پیچھے جانا یا قبروں کی زیارت کی غرض سے اور حاجوں کے آتے جاتے وقت ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں اور گھروں سے نہ نکلیں کیا نہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی بہترین عورتوں کو کہ وہ نبی علیہ السلام کی بیویاں ہیں گھر سے نہ نکلتے ہی کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ "اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور آیت پاک اگرچہ ان کے بارے میں نازل ہوتی ہے لیکن اس کا حکم سب کے بارے میں عام ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ قرآن کے خطابات وقت نزول کے موجودین اور جو قیامت تک ہوں گے سب کو شامل ہے۔ اور ان خرابیوں میں سے ایک بڑائی یہ ہے کہ بعض ایسے فقیر لوگ جن پر بغیر سفر خرچ کے حج کے لئے روانگی حج فرض نہیں ہے راہ خرچ کے بغیر حاجیوں کے ساتھ چل کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم متوکل ہیں اور لوگوں پر گراں گذرتے ہیں اور بوجھ بجاتے ہیں بیچاروں کو ان کی بھیک پوری کرنے سے فرصت نہیں ملتی حالانکہ مانگنا حرام ہے اور یہ لوگ اس حرام کے اُس امر کے اواکے لئے جو ان پر واجب نہیں ہے مرتکب ہوتے ہیں بلکہ اکثر اوقات پنجگانہ نمازیں بھی چھوڑ دیتے ہیں اور طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں پس جو ان کے کمال اور زیادتی کا سبب تھا وہی ان کے نقصان اور خسارہ کا باعث ہو جاتا ہے۔ اور بعض مفتہین نے کہا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ مالدار لوگ عیش کے لئے حج کریں گے اور اوسط درجہ کے لوگ تجارت کی غرض سے اور قاری دکھانے سنانے کے لئے اور فقرا مانگ کھانے کے لئے اور یہ کہنا بھی کچھ بعید نہیں کہ چور چوری کرنے کی غرض سے۔

اور حاصل یہ ہے کہ حج آجکل بہتیرے لوگوں کے لئے فتنہ اور بلا ہو گیا ہے کیونکہ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے اُن پر اپنے اور اپنے بندوں کے لئے کیا کیا حقوق مقرر کئے ہیں کیونکہ اللہ نے تو اُن پر حج بشرط استطاعت فرض کیا ہے اور استطاعت اتنی قدرت چاہتی ہے کہ آدمی کی حاجتوں اور آنے اور جانے کی ضروریات جیسے کھانے اور پینے اور سواری کے لائق اُسکے پاس خرچ ہو بعضے لوگ جو بوجہ محتاجی کے بلا زاد و راحل چل کھڑے ہوتے ہیں اکثر اوقات کھانے پینے اور سواری کی تکلیف سے راستہ ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں اور گنہگار مرتے ہیں کیونکہ خدا نے ایسی حالت میں سفر کو بیسے منع فرمایا ہے۔

اور جو شخص بدون اس کے کہ اُس کے پاس کافی خرچ ہو حج کے لئے چل کھڑا ہو اور چلتے وقت یہ ارادہ کرے کہ جس چیز کی ضرورت ہوگی حاجت کے وقت لوگوں سے کھانا پینا سواری مانگ لیا کروں گا تو اُس نے بہت ہی بُرا کیا کیونکہ اکثر حاجی بوجہ کی تکلیف اور طول مسافت کی وجہ سے بقدر ضرورت ہی سامان لیجاتے ہیں پس جو شخص اُن کے ساتھ بغیر سامان کے جائے گا اور اُن کے سامان میں اُن کا ہمان ہوگا تو یہ سفر خود اُس کو اور ول کو وبال ہو جائے گا۔ اور اکثر ایسے کام وہی لوگ کرتے ہیں جو دین کے شرائط اور اسلام کے احکام نہیں جانتے اور عبادت الہی اور فرمانبرداری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ مقصود اپنے دل کا ارمان نکالنا ہوتا ہے یعنی دُور دُور کے عجیب و غریب مقامات اور مکہ و مدینہ کو دیکھنا اور لوگوں کے مجمعوں کو دیکھنا کیونکہ لوگ بہت بہت دُور سے آتے ہیں اور یہ کہ لوگ اس کو حاجی کہیں، پس اس کا تو صرف یہ مقصود ہوتا ہے۔

اور بعضوں کے دل میں شیطان سواروں کی معیت ذہن نشین کر دیتا ہے اور اُسکا اُس سے صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کا مال چُرا کر یا زبردستی چھین کر یا جس طرح بنے لیجئے کیونکہ شیطان چونکہ ہمیشہ آدمی کو بُرائی میں پھنسا دینے میں کوشاں رہتا ہے کبھی بظاہر بھلائی کا دروازہ کھولتا ہے تاکہ اُس کی آڑ میں اُن کو طرح طرح کے گناہوں اور حرام کاریوں میں پھنسا دے۔ اور

۵۔ اپنے مُردوں کی حق تلفی | اُن ہی برائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنے مُردے کا حق تلف کر لیتے ہیں کیونکہ کبھی اُن کا کوئی رفیق مر جاتا ہے جبکہ یہ پڑاؤ میں ہوتے ہیں تو اُسکو نہ غسل دیتے ہیں نہ کفن دیتے ہیں نہ اُس پر نماز پڑھتے ہیں بلکہ کوچ کر جاتے ہیں اور اُسکی لاش یوں ہی بے گور و کفن چھوڑ جاتے ہیں اور گناہوں میں پھنستے ہیں اسلئے کہ اسپس کی ہر ایک بات فرض کفایہ ہے جس کو اگر ایک بھی نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں اور بعض وقت راستہ چلتے ہوئے مر جاتا ہے تو اُس کو یوں ہی چھیل میدان میں بلا دفن کے پھینک دیتے ہیں اور اُسکی لاش

کو درندے کھا جاتے ہیں۔

ان گناہوں کے کرنے کا سبب ان کا یہ خوف ہے کہ اُسکا مال کہیں بیت المال میں جمع نہ ہو جائے۔ اور بمقابلہ آخرت دنیا کی پونجی کو پسند کرتے ہیں اور ایسے ایسے فرض گنوا دیتے ہیں اور گنہگار ہوتے ہیں پھر بھلا ان کا حج کیونکہ مبرور ہو سکتا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ جو شخص حج مبرور کے لئے ضروری تہنید چاہے کہ اُس کا حج مبرور ہو تو اُس کو لازم ہے کہ حج میں تمام فرائض اور سنتوں اور واجبات کے ادا کرتا رہے اور احرام کے دنوں میں تمام باتوں سے جو حالت احرام میں منع ہیں اور تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتا رہے اور احرام سے پہلے تمام فرائض اور واجبات ادا کر کے اور حقوق عباد میں مدعیوں کو راضی کر کے تمام گناہوں سے توبہ کر ڈالے۔ اور اُس کا کھانا پینا اور کپڑا اور سواری سب حلال مال سے ہو حرام سے نہ ہو۔ اس حرام مال سے حج کرنے کا حکم واسطے کہ فقہار نے اس کے بارہ میں اختلاف کیا ہے کہ جو حرام مال سے حج کرے اُس کا حج صحیح ہوتا ہے یا نہیں۔

پس امام احمد کے نزدیک تو صحیح نہیں ہوتا اور اُس کو مال حلال سے پھر دوبارہ حج کرنا ضروری ہے اور تہنیدوں اماموں کے نزدیک اُس کا حج صحیح ہے اور اُس کے ذمہ ہے فرض بھی ادا ہو گیا اور اس پر دوبارہ حج کرنا بھی ضروری نہیں لیکن اُس کا حج حج مبرور نہیں۔ کیونکہ حج مبرور کے لئے تمام شرائط و ارکان و واجبات و سنن اور آداب ادا کرنے کے ساتھ ہر اُس چیز سے جس سے خداوند تعالیٰ نے منع کیا ہے بچنا بھی شرط ہے۔ حج کے واجب ہونے کے شرائط و وقت قسم کے ہیں حج کے واجب ہونے کے شرائط | شرائط ادا اور شرائط وجوب۔ شرائط ادا تو وقت اور مقام اور احرام ہیں اور شرائط وجوب عقل اور جوانی اور آزادی اور استطاعت اور صحت بدنی اور راستہ کا امن ہے۔ اور راستہ کا امن چونکہ شرط وجوب ہے اس کی وجہ سے اس زمانہ میں حج فرض ہونے راستہ کا امن منفق و ہو تو فرضیت حج کا حکم میں علماء نے اختلاف کیا ہے کیونکہ قرامطہ وغیرہ چوروں اور فساق کے ظاہر ہونے کی وجہ سے امن جاتا رہا ہے۔

ابو القاسم صفاری کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں عورتوں پر سے حج ساقط ہو جانے میں تو کوئی شک نہیں البتہ اگر شک ہے تو مردوں پر سے حج ساقط ہو جانے میں ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میں بیس برس سے جب سے قرامطہ پیدا ہوئے ہیں حج کو فرض نہیں سمجھتا اور بادیر میرے نزدیک دارا کرب ہے اور ابوبکر اسکا فت کہتے ہیں کہ میں نہیں کہتا کہ اس زمانہ میں حج فرض ہے یہ بات انہوں نے ۲۶ ہجری میں کہی تھی۔

اور ابوبکر رازی نے فتویٰ دیا ہے کہ اس زمانہ میں بغداد والوں پر حج فرض نہیں

ہے اور سنے ہوئے کپڑے اتار ڈالے اور صرف دو کپڑے تہبند اور چادر پہن لے سنے ہوں
خواہ ڈھلے ہوتے۔ ہاں اگر سنے ہوں تو بہتر ہے۔ اور مچھپیں کہ ترا ڈالے اور ناخن ترشوائے
اور زیر ناف کے بال مونڈ ڈالے پھر دو رکعت نماز ادا کرے اور سلام پھیرنے کے بعد کہے
خدا یا میں حج کرنا چاہتا ہوں تو مجھ پر آسان کر دے اور مجھ سے قبول کر لے۔ پھر تلبیہ کرے
یعنی بلند آواز سے عربی کی عبارت جس کا ترجمہ یہ ہے کہے (حاضر ہوں خداوند حاضر ہوں حاضر
ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک حمد اور نعمت اور ملک تیرا ہے۔ تیرا
کوئی سا بھی نہیں) اس عبارت سے کچھ نہ گھٹائے اور اگر کچھ بڑھا دے گا تو جائز ہے پھر
جب نیت کر کے تلبیہ پڑھ چکے تو احرام ہو گیا۔ اب جو باتیں احرام میں منع ہیں ان سے بچتا
جو باتیں احرام میں منع ہیں اسے یعنی نجس بنکنا اور بدکاری اور لڑائی جھگڑا اور شکار کا چھیرنا
خود پکڑنے یا اشارہ کر کے یا تہلا کے یا مدو دے کر۔ اور سبلا ہوا کپڑا یا کبڑا یا پانجامہ یا گمڑی
یا ٹوپی یا موزے نہ پہنے۔ ہاں اگر موزے ٹخنے کے نیچے تک کتر ڈالے تو شیر اور بال اور
ناخن نہ کٹوائے اور جوں نہ مارے اور نہ سر ڈھکے نہ منہ۔ اور مکان یا کجاوے کے سائے
میں بیٹھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور نہ سر کو کھجائے مگر نرمی سے یہاں تک کہ ابو حنیفہ سے
روایت ہے کہ انگلیوں کے اندر کی جانب سے کھجائے تاکہ سر کے کسی جانور کو تکلیف نہ ہو

حج کا طریقہ اور ارکان کی ادائیگی

تلبیہ اور بلند آواز سے کثرت سے لبیک کہے۔ جب کبھی نماز پڑھے یا بلندی پر
چڑھے یا پستی کی طرف اترے یا سوار ملیں یا صبح کو اٹھے۔ اور جب مکہ میں داخل ہو تو
پہلے مسجد حرام میں جائے اور جب بیت اللہ کو دیکھے تو اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے
حجر اسود کا بوسہ پھر حجر اسود کی طرف منہ کرے اور تکبیر اور لا الہ الا اللہ کہتا ہوا اپنے ہاتھ
اٹھائے اسے جس طرح نماز میں اٹھاتا ہے اور اس کو چوم لے اور فقہار کے نزدیک چومنے
کا یہ قاعدہ ہے کہ اپنی دونوں ہتھیلیاں حجر اسود پر رکھے اور اگر کسی کو ایذا بخیر ممکن ہو
تو اس کو چوم لے کیونکہ چومنا سنت ہی ہے اور کسی کو تکلیف نہ دینا واجب ہے۔ پس
واجب کا لحاظ رکھنا مقدم ہے۔

اور اگر اس پر قدرت نہ ہو تو کسی چیز سے چھو لے جو اس کے ہاتھ میں ہو اور اسکو
چوم لے اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو حجر اسود کے مقابل کھڑا ہو جائے اور اپنے
دونوں شانوں کے برابر ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی کی پشت اپنے منہ کی جانب اور ہتھیلی حجر اسود

کی طرف کر کے ان دونوں ہاتھوں سے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرتا ہوا اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور اللہ کی حمد کرے اور نبی علیہ السلام پر درود بھیجے۔ پھر طوافِ قدم کرے اور حطیم کو اندر طوافِ قدم لے کر داہنی طرف سے جو باب سے متصل ہے شروع کر کے اپنی چادر بغسل کے میچے داب کر اور اس کے کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال کر سات چکر لگائے۔ صرف پہلی تین گردشوں میں حجرِ اسود سے حجرِ اسود تک اکڑ کے چلے اور جب حجر کے پاس پہنچے تو جس طرح اوپر مذکور ہوا ہے بوسہ دے اور صرف رکنِ یمنی کو بوسہ دے اور یہی بہتر ہے۔ اور ان دونوں کے سوا اور کسی کو بوسہ نہ دے اور طواف کو حجر کے استلام پر ختم کر دے۔ پھر دو رکعتیں مقامِ ابراہیم مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز میں یا مسجد میں کسی اور جگہ اگر ازدحام مانع ہو پڑھے اور یہ نماز ہر سات طواف کے بعد واجب ہے۔ پھر پلٹ کر حجر کا استلام کرے اور مسجد سے نکل کر صفا پر سعی صفا و مروہ چڑھ جائے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور حضور علیہ السلام پر درود پڑھے۔ اور ہاتھ اٹھا کر جو چاہے دعا مانگے۔ پھر مروہ کی طرف اپنی معمولی چال سے چلے۔ یہاں تک کہ بطن وادی میں پہنچے پھر میلین اخضرین کے درمیان دوڑ کر چلے۔ اور جب بطن وادی سے گزر جاتے تو اپنی چال سے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ مروہ جا پہنچے۔ جب وہاں پہنچے تو اوپر چڑھ جائے اور وہی عمل کرے جو صفا پر کیا تھا۔ پھر مروہ سے اترے اور صفا کی طرف جاتے اسی طرح سات مرتبہ کرے صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ پھر احرام باندھے ہوئے مکہ میں رہے اور بیت اللہ کا طواف نفلی کیا کرے جتنے وقوفِ عرفات و مزدلفہ چاہے۔ اور جب مکہ میں ذیحجہ کی آٹھویں تاریخ صبح کی نماز پڑھ چکے تو منیٰ کو جائے وہاں جا کر عرفہ کی فجر تک ٹھہرے۔ پھر عرفات میں جائے عرفات بطن عرفہ کے سوا سب ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے ظہر کے وقت پڑھ چکنے کے بعد موقف کی طرف غسل مسنون کر کے جاتے اور دن چھپے مزدلفہ کو جائے سارا مزدلفہ ہوا وادیِ محسر کے سب ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور جبلِ قریح کے پاس اترے اور یہاں مغرب اور عشاء ملا کر پڑھے اور اذان اور تکبیر کہے۔ اور جب صبح ہو جائے تو فجر کی نماز غسل میں پڑھے اور غسلِ آخرات کی تاریکی کو کہتے ہیں۔ یعنی اول وقت فجر کے پڑھے۔ پھر ٹھہر کر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کہے اور حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے اور دعا مانگے۔ رمی جبار اور جب روشنی ہو جائے تو منیٰ میں آئے اور جمرۃ العقبہ پر بطن وادی سے نیچے سے اوپر کی طرف سات کنکریاں پھینکے انگوٹھے سے اور ہر کنکری پر تکبیر کہے اس طرح بسم اللہ واللہ اکبر شیطان اور اس کے گروہ کے سنگسار کرنے کے لئے خداوند اتومیراج مبرور کر اور میری

کوشش مشکور کر اور میرے گناہ معاف فرما اور پہلی کنکری پر تلبیہ موقوف کر دے۔ پھر اگر چاہے احرام سے حلال ہونے کا طریقہ | تو قربانی کرے پھر بال کتروائے اور سر منڈانا افضل ہے اور اس وقت اس کو احرام کے ممنوعات میں سے عورتوں کے سوا سب چیزیں حلال ہیں۔ پھر ایام طواف زیارت اور اس بارے میں ایک تلبیہ | نحر میں سے کسی دن سات پھرے طواف زیارت کے بدون رمل اور سعی کے اگر رمل اور سعی پہلے کر چکا ہو کرے ورنہ مع ان دونوں کے اور اگر طواف زیارت کو ایام نحر سے موخر کر دیا تو مکروہ ہے اور قربانی کرنا واجب ہے۔ پھر منیٰ میں آئے دوبارہ رمی جہار اور اس کا طریقہ | اور تینوں حجروں کو ایام نحر کے دوسرے دن کے ڈھلنے کے بعد کنکریاں مارے اور اس حجرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف سے متصل ہے پھر جو اس سے متصل ہے پھر حجرۃ العقبہ سے سات سات کنکریاں مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتا جاتے اور ہر اس رمی کے بعد ٹھہر کر دعا مانگا کرتے جس کے بعد اور رمی باقی ہو اور تیسری رمی کے بعد نہ ٹھیرے اور یوم نحر کی رمی کے بعد ٹھیرے۔ اسی طرح اگر ٹھیرے تو دوسرے دن اور ایسے ہی تیسرے دن بھی کرے اور رمی کی راتوں میں منیٰ میں نہ رہنا مکروہ ہے۔ اور جب حرم سے روانگی کے وقت طواف | وطن کی واپسی کا ارادہ کرے تو طواف صدر سات گزیشن صدر اور دیگر امور کی بجا آوری | بدون رمل اور سعی کے کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور زمزم کا پانی پی کر بیت اللہ کے پاس آئے اور آستانہ کو بوسہ دے اور اپنا سینہ اور منہ ملتزم پر رکھے اور ملتزم حجر اور باب کے درمیان میں ہے پھر گھڑی بھر پر وہ کعبہ کو تھامے کھڑا رہے پھر عاجزی سے دعا مانگے اور کعبہ کی جدائی پر روئے۔ اور اٹے پیروں واپس ہو یہاں تک کہ مسجد سے نکل آتے

عورت کا حج

اور عورت کا حال بھی مرد کا سا ہے اتنا فرق ہے کہ عورت سلاہوا کپڑا پہنے احرام | اور سر نہ کھولے بلکہ منہ کھولے رکھے اگرچہ کسی کپڑے سے گھونگھٹ رکھے لیکن کپڑا منہ سے جدا رکھے تو بھی صحیح ہے۔ اور تلبیہ بلند آواز سے نہ کرے اور حجر کے پاس نہ جائے، تلبیہ اور حجر اسود کا بوسہ | مگر اس وقت جبکہ مجمع سے خالی ہو جائے۔ اور طواف میں رمل نہ کرے طواف اور حلق راس | اور نہ میلین کے درمیان سعی کرے بلکہ اپنی چال پر چلی جائے اور سر نہ منڈائے بلکہ لٹ کتر ڈالے۔ اور اگر احرام باندھتے وقت حائض ہو جائے تو غسل کر ڈالے حالت حیض کا مسئلہ | اور یہ غسل احرام کے لئے ہوگا نماز کے لئے نہیں۔ اس سے طواف کے علاوہ اور امور کے لئے طہارت ہو جائے گی۔ اور دو رکن یعنی وقوف عرفات اور طواف

زیارت کے بعد حیض کا آنا طوافِ صدر کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور نہ اُس کے ترک سے اُس پر کچھ واجب ہوتا ہے اور نہ حیض کی وجہ سے طواف کے ایامِ نحر کے تاخیر ہو جانے سے۔ پھر یہ بھی عورت کا بغیر محرم سفر حج کا حکم معلوم کرنا لازم ہے کہ عورت جو ان ہو یا بدھتی جب اُس کے اور مکہ کے درمیان سفر کی مسافت ہو تو بغیر محرم اُس کو مستطیع نہیں کہا جاسکتا۔ محرم وہ شخص ہے، جس کیساتھ اُس کا نکاح کبھی کسی حال میں درست نہیں ہو سکتا تیب کی وجہ سے ہو یا وود کی پلانے کی وجہ سے یا رشتہ داماوی سے اور اگر اُس کا کوئی محرم نہ ہو تو اُس پر یہ واجب نہیں ہے کہ حج کے واسطے خاوند کرے اور تجنیس میں مذکور ہے کہ اگر اُس کا محرم فاسق یا مجنون یا لڑکا ہو تو اُس پر حج واجب نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ سفر حرام ہے۔ اور عورت کیلئے عدت کی صورت میں عورت کیلئے حکم یہ بھی شرط ہے کہ حج کو چلتے وقت عدت کے ایام سے فارغ ہو یہاں کہ اگر عدت میں ہو تو حج کو نہ جائے۔ ایسے ہی اگر اُس پر عدت راستہ میں کسی شہر میں واجب ہو جائے اور اُس شہر سے مکہ تک بقدر مسافت سفر فاصلہ ہے تو اُس شہر سے بھی جب تک عدت پوری ہو نہ نکلے۔

خدا اپنے فضل و کرم سے اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا ہم پر آسان کر دے۔

اکیسویں مجلس زکوٰۃ کے فضائل اور نہ دینے کی سختیوں کی بیانیہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایسا کوئی سونے چاندی والا نہیں کہ اس میں سے حق اللہ ادا نہ کرتا ہو مگر قیامت کے دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی اُس کے اپنے مال میں سے حق اللہ ادا نہ کر نیوالوں کیلئے سخت بُخید لائے آگ کی لوحیں بنائی جائیں گی پھر وہ دوزخ کی آگ میں گرم کی جائیں گی اور اُس کی دونوں کروٹیں اور پیشانی اور پشت اُن سے داعی جائیں گی۔ اور جب ٹھنڈی ہو جائیں گی تو پھر گرم کی جائیں گی۔ یہاں تک کہ تمام خلق کا حساب ہو چکے گا۔ اُس وقت اُس کو یا تو جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف جانے کا راستہ معلوم ہوگا۔

یہ حدیث مصباح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ ہیں۔ اس حدیث میں حضور علیہ السلام نے مال کی صرف دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ سونا اور چاندی پھر آگے چل کر ان دونوں کی طرف جو ضمیر پھیری ہے وہ معنی کا لحاظ کرتے ہوئے مفرد ہے نہ لفظ کے اعتبار سے اور یوں فرمایا ہے کہ نہ ادا کرے اُس میں سے حق اُس کا۔ کیونکہ ان سے مراد وہم و دینار ہیں۔ اور یعنی کہتے ہیں کہ شاید سونے چاندی سے مراد ہر قسم کا مال ہو۔

اس لئے کہ حکم تو عام ہے۔ رہی ذکر میں ان کی تخصیص سو تمام مالوں پر ان کی افضلیت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہی دونوں مالداروں کی جڑ ہیں اور تمام چیزوں کی قیمت ہیں اور ایسا ہی قرآن شریف میں آیا ہے: جو لوگ سونا اور چاندی گاڑ رکھتے ہیں اور اُس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خبر دیدو۔ جسدن ووزخ میں اُس پر آگ دھکائی جائے گی تو اُس سے اُن کی پیشانیوں اور پہلو اور پیٹھ داغی جائیں گی یہی ہے جس کو تم اپنے لئے گاڑتے تھے پس اپنی گاڑی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔

مال کا حق ادا نہ کرنے اور خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے مراد زکوٰۃ نہ ادا کرنا ہے۔ پس جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور اُس کو ذخیرہ کئے جاتے ہیں اور اُس کی زکوٰۃ نہیں دیتے قیامت کے دن طرح طرح کا عذاب اُن کو دیا جائے گا منجملہ اُن عذابوں کے ایک تو یہی ہے جو اس آیت اور حدیث میں بیان ہوا۔

اور اس عذاب کے ساتھ اُن اعضاء کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالدار باوجود زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت ادا آجانے پر جب زکوٰۃ دینے کی عادت نہیں ڈالتا۔ تو وہ جب فقیر طالب زکوٰۃ کو دیکھتا ہے تو منہ بگاڑ لیتا ہے اور جب وہ اُس سے مانگ بیٹھتا ہے تو منہ موڑ کر پہلو موڑ لیتا اور بدل لیتا ہے اور اگر وہ سوال میں زیادتی کرتا ہے تو اٹھ کھڑا ہو جاتا ہے اور پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اور اُس کو اس کا حق یعنی زکوٰۃ میں سے کچھ نہیں دیتا ہے۔ پس فقیر کو اُس کی ہر ایک حرکت سے ایذا ہوتی ہے۔ سو اللہ اُس کو یہ عذاب دے گا کہ اُس کے تمام مال درہم و دینار کی تختیاں آگ کی بنا دیگا اور اُس سے وہ عضو داغے جائیں گے جن سے فقیر کو ایذا دی گئی۔ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے دینار و دینار مال داروں کے لئے آخر وہی عذاب کی کیفیت پر اور درہم و درہم پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اُس کی کھال کو پھیلا دیں گے حتیٰ کہ سب درہم و دینار علیحدہ علیحدہ رکھے جائیں گے جب اُن سب کا ملکہ داغ لگ چکے گا تو پھر وہ داغ اسی طرح دوبارہ لگایا جائے گا حتیٰ کہ اسی طرح یہ عذاب قیامت کے دن اُس پر برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ سب کا حساب ہو چکے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ یا تو اس کی راہ جنت کی طرف ہے اگر اس کے سوا اُس کا کوئی اور گناہ نہیں ہے یا ہے لیکن خدا نے معاف کر دیا ہے اور یا دوزخ کی طرف ہے اگر اُس کی حالت اُس کے خلاف ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جس کو خدا نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ نہیں دی تو قیامت کے دن اُس کا مال گنجا سا نپ بنا دیا

جائے گا جس کے دو داغ ہوں گے جو اس کے گلے کا طوق ہو جائے گا پھر اُس کے دونوں جبڑے پکڑ لیگا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں میں ہی تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی نہ جہدہ اور نہ سمجھیں وہ لوگ بخل کرتے ہیں آپ جو اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے دیا کہ یہ اُن کے حق میں بہتر ہے بلکہ یہ اُن کے لئے بُرا ہے عنقریب طوق پہنائے جائیں گے اُس کا جس پر بخل کرتے تھے قیامت کے دن۔

سو پیغمبر علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ جس کو اللہ نے مال عنایت کیا اور اس نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دی تو اُس کا مال قیامت کے دن ایسے سانپ کی صورت بنا دیا جائے گا جس کے سر کے بال زہر کی کثرت اور درازئی عمر کی وجہ سے گر گئے ہوں گے اور اُس کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو سیاہ داغ ہوں گے۔ اور یہ تمام قسم کے سانپوں سے بڑی قسم ہے اور اُس کی گردن میں یہ سانپ مثل طوق کے ڈالا جائے گا پھر وہ اُن کے دونوں گلے پکڑ کر کاٹے گا اور کہے گا کہ میں تیرا وہی مال ہوں جس کو تو نے جمع کیا تھا اور زکوٰۃ نہیں دی تھی۔ تو جب زکوٰۃ نہ دینے میں اتنی بڑی سختی ہے تو زکوٰۃ واجب نے زکوٰۃ واجب کرنے کی حکمت کی حکمت بیان کر دینا لازم ہوا۔ اور وہ امتحان ہے کیونکہ کلمہ توحید کا زبان سے پڑھنا توحید کو لازم کر لیتا اور معبود کی یکتائی کی شہادت دیتا اور محبت الہی کا دعویٰ کرتا ہے۔

کیونکہ جو شخص کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ گویا یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے دل سے معام کیا اور اپنی عقل سے جانا کہ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ محبوب۔ پس میں نے اس کی عبادت اور محبت اپنے ذمے لازم کر لی میں نہ کہی اور کو پوجوں گا اور نہ کسی اور سے محبت رکھوں گا۔ مگر صرف اُنسی سے پس توحید کی وجہ سے جس محبت کا دعویٰ کیا ہے اُس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اور وفا کا کمال یہ ہے کہ موجد کا سوا ایک ذات واحد کے کوئی محبوب نہ رہے۔ اس لئے کہ محبت شرک کو قبول نہیں کرتی۔ اور صرف زبانی توحید میں کوئی ایسا زیادہ نفع نہیں ہے۔ کیونکہ محبت کا درجہ تمام محبوب چیزوں کے چھوڑ دینے ہی سے کھلتا ہے اور مخلوق کو چونکہ مال زیادہ پیارا ہوتا ہے کیونکہ یہی دنیا میں عیش اور کار بہ آرمی کا ذریعہ ہے اور مال ہی کے سبب سے باوجود یکہ موت سے محبوب حقیقی کی ملاقات ہوتی ہے اس عالم سے محبت اور موت سے نفرت کرتے ہیں اس لئے اپنے دعویٰ محبت کے سچائی میں مال خرچ کرنے سے جو اُن کا مشوق ہے آزمائش کی گئی ہے۔

لوگ مال خرچ کرنے میں تین قسم کے ہیں | پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو توحید اور محبت کے

دعوے میں ایسے سچے نیکے کہ اپنا تمام مال خرچ کر ڈالا اور اپنے لئے کچھ نہ رکھا۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ کہ اپنا کل مال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے کہ آپ اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ فرمائیں۔ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم نے اپنے لئے کیا رکھا ہے تو عرض کیا کہ اللہ اور اُس کے رسول کو۔ سو اس میں شک نہیں کہ آپ نے سچائی کا حق ادا کر دیا اور اپنے پاس اپنے محبوب خدا اور اُس کے رسول کے سوا اور کچھ نہ رکھا۔ اور یہ اُس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اللہ پر کامل اور پورا بھروسہ ہو۔

اور اسی سبب سے جب کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین صدقہ کو پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "بہتر صدقہ مفلس کی کوشش ہے" حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو فقیر باوجود اپنی محتاجی کے دیتا ہے۔

لیکن جس کا توکل پورا اور کامل نہ ہو اُس کو ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے کچھ رکھ لے اور اس سے جو کچھ بڑھے وہ صدقہ کر دے اسلئے کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھا صدقہ وہ ہے جو تو انگری سے ہو۔

اور حدیث مذکورہ بالا اور اس حدیث میں کچھ مخالفت نہیں ہے کیونکہ تو انگری دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مال کی تو انگری اور دوسری دل کی تو انگری۔ اور بہترین صدقہ وہ ہے کہ ان دونوں تو انگریوں میں سے کسی ایک سے ہو۔ خواہ دل کی تو انگری سے خواہ مال کی تو انگری سے۔ اس لئے کہ صدقہ کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس چیز کو خرچ کرتا ہے اُس سے مستغنی رہے۔ خواہ اپنی سخاوت نفس اور قوت عزیمت سے خدا پر بھروسہ کر کے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا یا اُس مال پر بھروسہ کر کے جو اُس کے پاس خرچ سے بچ رہا ہے۔

کیونکہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بال بچوں کا کھانا بھی فقروں کو دیدے اور اُن کو بھوکا مارے۔ ہاں اگر وہ اس پر راضی ہوں اور اُس کو اس بات کی اجازت دیدیں تو کچھ مضائقہ نہیں بلکہ اپنے اور اپنے بال بچوں کے خرچ سے بچے ہوئے کے سوا کچھ اور دینا جائز ہی نہیں۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہترین صدقہ وہ ہے جو تو انگری چھوڑ جائے" یعنی خیرات کر نیوالے کو چاہئے کہ دو بانو میں سے ایک اُس میں ضرور ہو یا تو مال سے آسودہ رہے یا دل سے آسودہ رہے۔ اور یہی

ان دونوں میں سے افضل استغنا رہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "مالداری مال کی کثرت سے نہیں ہے بلکہ دل کی آسودگی سے ہے" کیونکہ اگر غریب آدمی بھوک پر صبر کر کے جو کچھ اُس کو آج کے لئے میسر ہوا تھا اُس کو خرچ کر ڈالے تو اُس کا یہ صدقہ سب سے افضل ہے۔ اس واسطے کہ اس میں شک نہیں ہے کہ باوجود احتیاج ہونے کے خیرات کر دینا سب سے افضل ہے۔ مگر ہاں جبکہ اس دینے سے کوئی دینی نقصان نہ ہو مثلاً ضعف سے نماز میں کھڑا نہ ہو سکے یا ننگا رہ جائے اور اللہ نے بھی انصار کی اسی بات میں تعریف فرمائی ہے چنانچہ فرمایا ہے "اور ترجیح دیتے ہیں اوروں کو اپنے اوپر، اگرچہ خود اُن کو بھوک ہو۔"

دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اس مرتبے پر قدرت نہیں رکھتے بلکہ اوقات ضرورت کے لئے اور مواقع خیرات کے لئے اپنا مال روک رکھتے ہیں اور اس روکنے سے اُن کی غرض عیش و عشرت اور حصول لذت نہیں ہوتی بلکہ اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بقدر حاجت صرف کریں پھر باقی کو اور اقسام خیرات میں جب پیش آئیں صرف کر دیں۔

تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اُن پر واجب ہوتا ہے وہی ادا کر دیتے ہیں نہ اُس سے زیادہ دیتے ہیں اور اُس سے کم کرتے ہیں اور پھر درجہ سب سے کم ہے اور اکثر لوگ بسبب بخل اور مال کی محبت اور آخرت سے محبت کم ہونے کی وجہ سے اسی درجہ پر ہیں اور اس کے بعد محبت کا کوئی درجہ نہیں ہے۔

بلکہ جو اس درجہ سے اُترتا ہوا ہے وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔ اور اُس کی طرف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کا دعویٰ محبت صرف نیز زبانی کی وجہ سے تھا اس بنا پر ہر اُس شخص پر جو کہ پہلے یا دوسرے درجہ کی قدرت نہیں رکھتا واجب ہے کہ وہ تیسرے درجہ سے نہ گورے بلکہ اُس کو چاہئے ہے کہ اُس پر جو کچھ واجب ہے اُس کو فوراً ادا کرنے میں کوشش کرے تاکہ فرمانبرداری کی رعیت ظاہر ہو اور محتاجوں کے دل خوش ہوں اور اختلاف کے شبہ سے بچ جائے۔ اس لئے کہ بعض علماء کے نزدیک زکوٰۃ کا وجوب فوری ہونا وجوب زکوٰۃ اور وجوب ادا ہے یہاں تک کہ دیکھنے سے گنہگار ہوتا ہے اور اُسکی گواہی مقبول نہیں ہوتی۔ اور زکوٰۃ جب ہی واجب ہوتی ہے جب مقدار نصاب پر سال گذر جائے۔ اب ہر ایک کا سال جدا ہے جو کوئی جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے جب اُس کا سال پورا ہو جائے تو اُس پر اُس کی زکوٰۃ نکال دینا واجب ہے خواہ کوئی مہینہ ہو۔ اور اگر سال گذرنے سے پہلے اُس نے زکوٰۃ دینے میں جلدی کی تو پھر علماء کے نزدیک جائز

ہے۔ خواہ اس کی عجلت اس وجہ سے ہو کہ مبارک ایام آگئے جن کا مثل سال تمام ہونے پر نہ ملے گا جیسے ماہ رمضان اور اس سے پہلے ماہ رجب اور شعبان۔ یا اس لئے کہ اُس کا اچھا مصرف مصارف زکوٰۃ کوئی متقی تجارتِ اُخروی کا سوداگر مل گیا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو جو کچھ دیا جائے اُس سے وہ عبادت میں مدد حاصل کرتے ہیں اور اُن کو دینے والا بھی ان کی عبادت کے ثواب میں شریک ہو جاتا ہے۔ یا کوئی عالم مل گیا کیونکہ عالم کی خدمت کرنا علم کی امداد کرنا ہے۔

اور علم سب عبادتوں سے اشراف ہے۔ یہاں تک کہ بعض اگلے بزرگ اپنی زکوٰۃ علم والوں ہی کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مقامِ نبوت کے بعد مرتبہ علمائے بڑھ کر کسی کا مرتبہ نہیں جانتا۔

اور علماء سے وہ عالم مراد ہیں جو علمِ آخرت کے لئے حاصل کرتے ہیں نہ دنیا کے لئے۔ کیونکہ جو لوگ دنیا کے لئے علم حاصل کرتے ہیں اُن کو صدقہ دیکر گناہ میں مدد کرنا زیبا نہیں تاکہ اُنکے استحقاقِ عذاب میں شریک نہ ہو۔

اور سب سے بہتر مصرف وہ شخص ہے جو بال بچوں والا ہو یا قرضدار ہو یا بیمار ہو یا اپنا رشتہ دار ہو کیونکہ اپنے عزیز کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ بھی۔ اور کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ صلہ رحم میں کتنا ثواب ہے اور دوست اور دینی بھائی بھی جس طرح عزیز وغیرہ پر مقدم ہیں اور مصارف پر مقدم ہیں۔ لیکن یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ صدقہ دینے والے کو لازم صدقہ ضائع ہونے کی صورتیں ہیں کہ اپنے صدقہ کا ثواب احسان جتنا کر اور تکلیف دیکر باطل اور ایک ضروری تنبیہ نہ کروے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اپنے صدقوں کو باطل نہ کرو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر"۔

اور احسان رکھنے کی حقیقت یوں ہے کہ اپنے آپ کو فقیر کا محسن سمجھے۔ اور جب اپنے آپ کو اُس کا محسن جانے گا تو اُس سے ظاہر میں بھی وہ حرکتیں ہوں گی جو اس احسان کا ثواب مٹا بیولہ ہیں۔ مثلاً کہتے پھرنا اور اظہار کرنا اور اُس سے دعایا تعریف یا خدمت اور توقیر اور تعظیم سے عوض کا خواہاں ہونا۔

حالانکہ حق تو یہ تھا کہ فقیر کو اپنا محسن جانتا کیونکہ فقیر کا ہاتھ حق خداوندی کو قبضہ کرنے میں جس سے دوزخ سے نجات ہوتی ہے دستِ خداوندی کا قائم مقام ہے اس لئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "صدقہ اس سے پہلے کہ سائل کے ہاتھ میں جائے اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے۔ پس حقیقت امر یہی جانے

کہ میں اللہ کے ہاتھ میں اُس کا حق دے رہا ہوں اور فقیر اللہ سے اپنا رزق لیتا ہے۔ اور تکلیف دینا بظاہر تو جھڑکنا اور شرم دلانا اور درشت کلامی کرنا اور نیوری چڑھانا اور ظاہر کر کے پردہ درمی کرنا اور طرح طرح کی استخفاف کی باتیں کرنا ہے۔

لیکن اذیت واقعی جو ان سب کا سرچشمہ ہے دو امر ہیں۔ ایک تو اپنے ہاتھ سے مال کے نکلنے کا ملال اور دل پر اُس کا گراں گذرنا۔ دوسرے اس کا یہ خیال کرنا کہ میں فقیر سے اچھا ہوں اور فقیر بسبب اپنی حاجت کے مجھ سے مرتبہ میں ذلیل ہے۔ اور ان دونوں کا اصل منشا جہالت ہے۔

مال کے دینے کا ملال تو اس لئے جہالت ہے کہ جو ہزار روپیہ پانے کے لئے ایک روپیہ خرچ کرنے کو بڑا جانے وہ بڑا ہی بیوقوف ہے اس لئے کہ وہ مال خدا کے خوش کرنے کیلئے خرچ کرتا ہے اور دارِ آخرت میں ثواب کے لئے اور وہ دُنیا اور اُس کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

اور اپنے کو فقیر سے بہتر سمجھنا اس لئے جہالت ہے کہ اگر اس کو معلوم ہوتا کہ فقیر کو غنی پر امتیازِ فضیلت ہے اور اختیار کا آخری خطرہ معلوم ہوتا تو وہ فقیر کو بہرگز حقیر نہ جانتا بلکہ اس سے برکت حاصل کرتا اور اُس کے درجہ کی آرزو کرتا اسلئے کہ نیک امیر فقیروں سے پانسو برس بعد جنت میں داخل ہوں گے اور اُس کو کیونکر حقیر جانتا ہے حالانکہ خدا نے اُس کو اُن کا خادم بنایا ہے کیونکہ وہ مال اپنی کوشش سے کماتا ہے اور اس کو بڑھاتا ہے اور اس کی حفاظت میں کوشش کرتا ہے اور پھر اُس کو حکم ہے کہ بقدر ضرورت فقیروں کو دیا کرے اور باقی جس کا دینا فقیر کے لئے مضر ہے اپنے پاس رکھے۔

لہذا امیر تو فقیر کے رزق کو مہیا کرنے کا خادم ہے اور فقیر سے اس بات میں فرق رکھتا ہے کہ جنگلوں اور دریاؤں کے سفر کی محنت کو برداشت کرتا ہے اور مرتے دم تک درہم و دینار جیسے فضلہ کی حفاظت کرتا ہے اور مرنے کے بعد مال تو اختیار کھاتے ہیں لیکن اُس کے حاصل کرنے میں جو گناہ کئے تھے وہ اپنے ہی سر پر ساتھ لیجاتا ہے۔

خداوند اپنے لطف و کرم و احسان سے وہ اعمال آسان کر جو تیری خوشی کے موافق ہوں۔

پانچویں مجلس مطلق روزے کی فضیلت بیان میں

شعبان میں رمضان کی تیاری کا حکم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "شعبان کے مہینے کو رمضان کے واسطے گنتے رہو" یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ اور

اس کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں کیونکہ رمضان کا روزہ چونکہ ارکان دین کا ایک رکن ہے اور مسلمانوں پر فرض لازم ہے اور اس کے آنے کا علم اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ شعبان کے دن گنتے رہیں اسی لئے آپ نے اس کے خیال رکھنے کا حکم فرمایا تو گویا یوں حکم دیا کہ شعبان کے چاند کو ڈھونڈو اور اس کے دن گنتے رہو تاکہ رمضان کا آنا معلوم ہو۔ پھر شعبان چونکہ رمضان کا مقدمہ ہے اسلئے شعبان میں روزہ اور تلاوت قرآن سے رمضان کی تیاری مستحب ہے تاکہ اس سے نفس کو طاعت الہی کی عادت رمضان آنے سے پہلے ہی ہو جائے کیونکہ نبی علیہ السلام شعبان میں اتنے روزے رکھتے تھے کہ اتنے اور کسی مہینے میں نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی آپ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں۔ اور شعبان سے زیادہ اور کسی مہینے میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے آپ کو نہیں دیکھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ سارے شعبان میں روزے رکھتے تھے۔ اور یہ روایت اس روایت کے موافق ہے جو ام سلمہؓ سے منقول ہے آپ فرماتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا ہے کہ آپ نے برابر دو مہینے کے روزے رکھے ہوں سوا رمضان اور شعبان کے۔

اور فقہاء نے اسی روایت کو لیا ہے۔ حتیٰ کہ قاہنی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ جو شخص تمام شعبان روزے رکھے اور اس کو رمضان کے روزوں سے ملا دے تو بہتر ہے۔

روزہ عبادت کا دروازہ ہے اور یہ اسلئے ہے کہ روزے کا استحباب بعض نیک اوقات

میں باعتبار دنوں اور مہینوں کے بڑھ جاتا ہے اور عبادت کا دروازہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ

ابودرداء سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ”ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے۔“ اور

عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔ پھر روزہ چوتھائی ایمان ہے موافق مضمون ان دو حدیثوں کے

روزہ چوتھائی ایمان ہے جس میں سے ایک حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے یعنی رسول

خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ”روزہ نصف صبر ہے“ اور دوسری حضرت ابن مسعودؓ سے

مروی ہے کہ یعنی آنحضرتؐ کا یہ ارشاد کہ ”صبر آدھا ایمان ہے۔“ تو جب روزہ آدھا صبر ہے

تو اس کا ثواب بھی اندازہ اور حساب سے زائد ہوگا بوجہ ارشاد الہی کے کہ صبر کرنے والوں

ہی کو دیا جائے گا اجر ان کا بے حساب۔ پھر روزے کو اللہ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے

روزے کو تمام عبادتوں پر فضیلت ہے تمام عبادتوں پر فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے ”ہر نیکی کا ثواب دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک ہوگا،

سوائے روزہ کے کہ یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا“ اور صاحب کرم جب

فرماتے کہ میں خود اُس کی جزا دوں گا اور کسی کے سپرد نہ کروں گا۔ تو یہ جزا بہت بڑی اور بہت ہی ہوگی کہ جس کی نہ کچھ حد ہے نہ گنتی۔ اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ نبی علیہ السلام روزہ دار سے آگ کو دور کر دیا جائیگا نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن اللہ کے واسطے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اس کے منہ کو آگ سے ستر برس کی راہ تک دور رکھیگا۔

اور ایک حدیث میں آیا ہے جس کے راوی ابو امامہ باہلیؓ ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن اللہ کے واسطے روزہ رکھا تو اللہ اُس کے اور دوزخ کے درمیان میں خندق اتنی گہری بنا دے گا کہ جتنا فاصلہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

یعنی جس نے ایک دن کا روزہ محض اللہ اور اُس کی خوشی کے واسطے رکھا تو اللہ اُس کو دوزخ سے نجات دے گا۔ اس نجات کو بطور تمثیل کے بیان فرمایا تاکہ زیادہ پلغ ہو جائے اس لئے کہ جو شخص کسی چیز سے اتنے فاصلہ پر ہو تو ہرگز اُس تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ہے آپ نے فرمایا ہے کہ "روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک تو روزہ کھولنے کے وقت اور ایک اللہ سے ملاقات کے وقت"

نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ روزہ دار کو دو دفعہ خوشی ہے ایک روزہ کھولتے وقت دوسرے مرتے وقت اور اللہ سے ملنے وقت پس روزہ دار کا سرور افطار کے وقت تو کھانا پینا جماع مبسر آنے سے ہے کیونکہ انسان کی طبیعت اپنی مرغوب چیز پر جھکنے کی عادی ہے کھانا پینا ہو یا جماع ہو۔ اور جب اُس کو ان امور سے ایک وقت ممانعت ہوتی پھر دوسرے وقت اجازت ملی تو اس سے خود بخود خوش ہوتا ہے۔ ناصکر ایسے وقت کہ مارے بھوک اور پیاس کے نہایت حاجتمند ہو کہ اپنی کسی خواہش کا طلبگار ہو اور یہ مضمون ابن عمرؓ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ "حضور علیہ السلام جب روزہ افطار کرتے تو فرماتے کہ پیاس بجھ گئی اور رگیں تر تو روزہ ہو گئیں۔ اور اجر ثابت ہو چکا انشاء اللہ تعالیٰ۔

ساتھ ہی اس کے یہ کہ روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "افطار کے وقت روزہ دار کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ بلکہ اس کا سونا بھی عبادت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کا سونا عبادت ہے۔"

ابو علیہ نے کہا ہے کہ "روزہ دار ہر وقت عبادت میں ہوتا ہے جب تک کہ غیرت نہ کرے اگرچہ بستر پر سوتا رہے۔"

پس اس مضمون کی رُو سے وہ رات دن عبادت میں ہے۔

اور روزہ دار کا سرور اور خوش دلی مرتے وقت اپنے پروردگار کے ملنے پر اُس اپنے روزے

کے ثواب کی وجہ سے ہے جو اللہ کے ہاں جمع کیا ہوا پائے گا۔ کیونکہ جو شخص اللہ کے واسطے اپنا کھانا اور پینا اور شہوت چھوڑ دیکھا اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر بدلہ دیکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور جو آگے بھیجے گا اپنے واسطے کوئی نیکی اُس کو پاوے گا اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ۔"

اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے جو چیز بھی تم چھوڑ دو گے اللہ تم کو اُس سے بہتر دے گا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کیلئے قیامت قیامت کے دن روزہ داروں پر خاص رحمت خداوندی پرکھانا کھاتے ہوں گے اور لوگ ابھی حساب کتاب میں ہیں گے اور ان کو دیکھ کر کہیں گے یہ لوگ کیسے ہیں کہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں اور ہم حساب میں پھنسے ہوئے ہیں تو ان کو جواب ملے گا کہ یہ لوگ روزہ رکھتے تھے اور تم بے روز تھے۔

اور صحیحین میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام تیان ہے جس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ اور روزہ داروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اکثر رحمت خداوندی کے مستحق روزہ دار | روزہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے چونکہ پیاس کی مشقت برداشت کی ہے اسلئے ایسے دروازے کے ساتھ مخصوص ہوتے جس میں جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی پیاس سے بچاؤ ہے یہ تمام باتیں اُس وقت ہیں کہ روزہ مع ان باتوں سے پرہیز کے ہو جو حرام ہیں ورنہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کی نسبت حضور سرور کائنات نے ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ بہترے روزہ دار ایسے ہیں جن کیلئے روزے میں بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے "بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے روزوں سے پیاس کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔ بہت سے شب بیدار ایسے ہیں جن کو جاگنے کے سوا کچھ ہاتھ لگنے والا نہیں" کیونکہ اللہ کی نزدیک مباح چیزوں کے چھوڑ دینے سے نہیں ہوتی جب تک کہ حرام چیزوں کو چھوڑنے کے اقرب حاصل نہ کرے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ "جو شخص جھوٹ کو اور جھوٹے کاروبار کو ترک نہ کرے اللہ کو اُس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا ترک کر دے۔ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ جو شخص جھوٹ اور جھوٹے کاروبار کو ترک نہ کرے گا اللہ اس کا روزہ قبول نہ کرے گا اور اُس پر رحم کرے گا۔ اس لئے کہ وہ جائز کاموں سے تو بچا، اور حرام کاموں سے باز نہ آیا اور روزہ سے مقصود صرف بھوک اور پیاس نہیں ہے بلکہ اس

سے یہ غرض ہے کہ شہوت کو توڑ دے اور اپنے نفس کو جو بزور برائی کی طرف ایجا تا ہے مغلوب کیے اور جب یہ فائدہ کچھ بھی حاصل نہ ہوا تو کھانے اور پینے کے چھوڑ دینے سے کیا فائدہ۔ اس بنا پر جب بندہ چاہے کہ مجھ کو وہ ثواب اور فضیلت حاصل ہو جس کو نبی علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے تو اس کو چاہئے کہ وقت کی عزت اور شرف کو پہچانے اور اپنے پیٹ کو حرام سے اور اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت اور بڑے کلام سے اور باقی اعضاء کو خطا اور گناہوں سے اور اپنے دل کو غرور اور خود بینی اور لوگوں کی دشمنی سے بچائے۔ اور جب یہ سب کچھ کر چکے تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کہ دیکھئے میرا روزہ قبول ہوتا ہے یا نہیں اور دعا کرتا رہے کہ قبول ہو۔

تین سو میں مجلس ماہ شعبان کے روزہ کی فضیلت کے بیان میں

رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے افضل ہیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کم پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے بلکہ پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔

اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اور یہ آخری روایت حضرت ام سلمہؓ کی اس روایت سے مطابق ہے کہ وہ فرماتی ہیں "میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے سوائے ماہ شعبان اور رمضان کے دو مہینے برابر روزے رکھے ہوں۔" اگر کوئی یہ کہے کہ اس روایت سے تو یہ لازم آتا ہے کہ رمضان کے بعد شعبان کے روزے سب سے افضل ہوں حالانکہ حضور علیہ السلام نے تو یوں فرمایا ہے کہ محرم ماہ الہی کے بعد سب سے اچھے روزے رمضان کے ہیں تو جواب یہ ہے کہ بیشک ایک گروہ کا اگرچہ یہی اعتقاد ہے کہ محرم اور حرام مہینوں کے روزے شعبان کے روزوں سے افضل ہیں لیکن اس کے خلاف زیادہ ظاہر ہے۔ یعنی شعبان کے روزے ماہ ہاتے حرام کے روزوں سے افضل ہیں اور اس مضمون پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں "آپ نے فرمایا کہ شعبان کے روزے رمضان کی تعظیم کی وجہ سے افضل ہیں۔"

اور حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ وہ ماہ ہاتے حرام کے روزے رکھا کرتے تھے۔ تو آپ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوال کے روزے رکھا کرو۔ تو انہوں نے ماہ حرام کے روزے ترک کر دئے اور شوال کے روزے رکھنے لگے یہاں تک کہ وفات پائی۔

یہ روایت ماہ حرام کے روزوں پر سوال کے روزوں کی فضیلت میں صاف دلالت کرتی ہے اور جبکہ سوال کے روزے ماہ ہائے حرام کے روزوں سے افضل ہیں تو شعبان کے روزے بہتر اور فی فضل ہیں کیونکہ خود کو آپ نے سوال کی بجائے ہمیشہ شعبان کے روزے رکھے ہیں اور یہ اسلئے کہ یہ دونوں مہینے پہلے اور بعد رمضان سے ملتے ہوئے ہیں۔ سو اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزوں میں وہی افضل ہیں جو رمضان سے قریب ہوں پہلے ہوں خواہ بعد میں۔ پس اس کا مرتبہ روزہ میں ایسا ہی ہوگا جیسا کہ سنت مؤکدہ کا مرتبہ فرض کے پہلے اور بعد ہے اور اس میں شک نہیں کہ سنت مؤکدہ جیسی کہ فرائض سے فضیلت میں ملی رہتی ہے اور ان کی کمی کو پورا کرتی ہے اسی طرح رمضان کے پہلے اور بعد کے روزے بھی فضیلت میں رمضان کے روزوں کے ساتھ اس سے متصل ہونے کی وجہ سے قریب ہیں۔

رہا حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ رمضان کے بعد سب روزوں سے بہتر ماہ الہی یعنی محرم کے روزے ہیں تو یہ مطلق سنن پر محمول ہے۔ اور وہ روزے جو رمضان کے پہلے یا بعد ہیں وہ فضیلت میں رمضان کے ساتھ شامل ہیں جیسا کہ حضور کا حدیث کے آخر میں یہ قول ہے اور سب سے بہتر نماز فرائض کے بعد رات کی نماز یعنی تہجد کی نماز ہے۔ اس سے بھی جمہور علماء کے نزدیک نماز نوافل پر فضیلت مقصود ہے نہ کہ سنت مؤکدہ پر۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور مہینے کے سوا شعبان ہی میں روزے رکھنے کے بارے میں ایک خوب معنی لوگوں نے لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اُسامہؓ سے ایک روایت ہے، نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لیکن اس کی خوبی سے لوگ غافل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ چونکہ شعبان کو دو بڑے عظمت کے مہینوں نے گھیر لیا ہے یعنی ماہ حرام اور رمضان نے تو لوگ ان دونوں میں مشغول ہونے کے سبب سے اس سے پھر گئے ہیں اور یہ مہینہ بھولا بسرا رہ گیا بیانتنا کہ بہتر سے لوگوں نے یہ خیال کر لیا کہ رجب کے روزے شعبان کے روزوں سے بہتر ہیں اسلئے کہ وہ ماہ حرام ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے کیونکہ :-

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے وہ کہتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسی قوم کا ذکر آیا جو رجب کے روزے رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ”وہ شعبان کو چھوڑ کر گذر گئے۔“ آپ کے اس قول میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ گو بعض مہینوں یا دنوں یا مکانوں کی بزرگی مشہور ہو جاتی ہے لیکن کبھی دوسرا اس سے افضل ہوتا ہے۔ یا تو مطلقاً یا کسی خصوصیت کی وجہ سے جو آپس میں ہوتی ہے جو لوگوں کے خیال میں نہیں آتی۔ لہذا اس کو چھوڑ کر

مشہور میں لگے رہتے ہیں اور جو مشہور نہیں ہے اُس کی فضیلت سے رہ جاتے ہیں۔ اور نیز اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس زمانے میں لوگ غافل رہتے ہیں اُس کو عبادت سے آباد کرنا مستحب ہے اور نیز یہ کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اسی واسطے بہت سے اگلے لوگ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھتے رہنے کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ غفلت کا وقت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام جب صحابہؓ کے پاس ایسے وقت آئے کہ وہ نماز عشاء کے منتظر بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا کہ "اس نماز کا ہزارے سوا دنیا میں کوئی منتظر نہیں ہے۔" اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذکر الہی کے لئے کسی ایسے وقت تنہائی کو اختیار کرنا جس وقت کوئی ذکر نہ کرتا ہو بہت افضل ہے۔ اور اسی لئے آدھی رات کے وقت جاگنے کو فضیلت ہے کیونکہ اس نفل عبادت کو پوشیدہ رکھنا افضل ہے اور وقت اکثر لوگوں کو عام طور پر ذکر خدا سے غفلت ہوتی ہے اور غفلت کے وقت ذکر کرنے میں بہت فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ پوشیدہ وقت ہے اور نفلوں کا چھپانا اور پوشیدہ رکھنا ہی افضل ہے بالخصوص روزے کیونکہ روزہ خدا اور بندے کے درمیان ایک راز ہے۔ اسی پر خدا کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہوتا۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ روزہ میں ریا نہیں ہوتا۔ اور ایک یہ کہ وہ نفس پر گراں گذرتا ہے اور ہر وہ عبادت جو نفس کو گراں معلوم ہو زیادہ افضل ہوتی ہے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ طبیعت کا قاعدہ ہے کہ اپنے ہجس کی جو حالت نفل عبادت کو پوشیدہ رکھنے دیکھتی ہے اُن ہی کی پیروی ہو جاتی ہے۔ پس جب لوگوں میں شب کی فضیلت کا سبب بیداری اور عبادت بڑھ جاتی ہے تو اس سبب سے کہ اہل طاعت کے پیرو بہت ہو جاتے ہیں عبادت کر نیوالے بھی بہت ہو جاتے ہیں اور اب ان پر وہ عبادت آسان ہو جاتی ہے اور جب غفلت زیادہ ہو جاتی ہے تو عام لوگ اُسی کے پیرو ہوتے ہیں تو اب جاگنے والوں پر چونکہ ان کے پیرو کم ہیں عبادت دشوار ہو جاتی ہے۔ اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ایسے ایک عمل کرنے والے کو بھی تم میں کے پچاس آدمیوں کے برابر ثواب ملتا ہے کیونکہ تم تو نیک کام کے مددگار بہت سے پاتے ہو اور ان کو نہیں ملتے" اور نبی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "عبادت کرنا فساد کے وقت ایسا ہے جیسے میری طرف ہجرت کرنا۔"

حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ لوگوں کی بدراہی اور فتنہ کے وقت میں عبادت کا ثواب ایسا ہے کہ جیسے نبی علیہ السلام کے زمانے میں فتح مکہ سے پہلے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنا تھا اور اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ فتنہ کے وقت اپنی ہوا و ہوس کے پیرو ہو جاتے ہیں اور اپنے دین کے پابند نہیں رہتے تو اُن کا حال جاہلیت والوں کے مشابہ ہو جانا ہے لیکن اگر ایسی حالت میں کوئی شخص الگ ہو کر اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے رہے اور اپنے اللہ کی عبادت کرتا

رہے اور اس کے حکم کو ماننا ہے اور اس کی نہی سے باز رہے تو وہ اُس شخص کی طرح ہے جس نے اہل جاہلیت سے الگ ہو کر بحالت ایمان آپ کے احکام کو بجالاتے ہوئے اور نواہی سے بچتے ہوئے آپ کی طرف ہجرت کی۔ اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اسلام کی ابتداء بھی ایسی ہوئی جیسے مسافر اسلام ابتداء میں بھی اجنبی تھا اور بے یار و مددگار اور قریب ہے کہ وہ پھر ایسا ہی ہو جائے گا جیسا تھا آخر میں بھی اجنبی ہو جائے گا۔ سو خوشی ہے کمزوروں کو۔

یعنی اسلام شروع میں بھی کمزور تھا اور کسی کسی آدمی کے سوا بہت کم پایا جاتا تھا پھر قومی ہو کر پھیل گیا۔ اسکے بعد پھر عنقریب اس میں نقصان اور خلل پیدا ہو گا یہاں تک کہ بہت کمی کے ساتھ کسی کسی آدمی میں رہ جائے گا اور جن میں رہ جائے گا وہ اجنبی ہیں پس ان کو خوشی ہو۔

اور غر بار کی تفسیر ایک اور حدیث میں آئی ہے یعنی وہ قبیلوں کے چیدہ چیدہ لوگ وہی ہیں جو حضورؐ ہیں۔ اور ہر قبیلہ میں ایک دو سے سوا نہیں بلکہ بہتیرے قبیلوں اور شہروں میں تو ایک بھی نہ ملے گا جیسے کہ ابتدائے ظہور اسلام میں یہی حال تھا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ غر بار وہ ہیں کہ جب لوگوں میں خرابی پھیل جاتے تو وہ اس کی اصلاح کریں یعنی لوگوں کے بگڑ جانے کے وقت سنت پر عمل کرنے والے لوگ۔ ایک فائدہ یہی غفلت کے زمانہ میں تنہا عبادت کر نیکاً عمومی فائدہ ہے کہ غافلوں اور گنہگاروں میں تنہا عبادت

کرنیوالے کی وجہ سے ان سب پر سے بلا دفع ہوتی ہے گویا وہ ان کا محافظ اور ان کی بلا کو دفع کر نیوالا ہے۔ اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں آئی ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کے ماہ شعبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعبان کے روزے میں روزہ رکھنے کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے اور بعض اوقات تاخیر فرمادیتے تھے کہ اس کے عوض شعبان میں روزے رکھ لیں گے یعنی آپ کے روزے بعض مہینوں میں تین تک بھی نہ پہنچتے تھے تو ان سب کی کمی ماہ شعبان میں پوری کر لیتے تھے اسلئے کہ آپ کے اعمال دائمی ہوتے تھے تو جب ماہ شعبان آتا اور کچھ نفل روزے آپ پر باقی ہوتے جن کو ابھی نہیں رکھا تو ان کی قضا شعبان میں ادا کرتے تھے تاکہ رمضان شروع ہونے سے پہلے تمام نوافل روزے پورے ہو جائیں جیسا کہ نماز مسنون کو جو رہ جاتی تھی قضا کرتے تھے اور جیسا کہ رات کی نفلوں میں سے جو رہ جاتی تھی وہ دن میں پوری کرتے تھے۔

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں بعض وقت روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتی تھی اور نہ ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ جب پیغمبر علیہ السلام شعبان میں روزے رکھتے تھے تو میں آپ کے ساتھ روزے

رکھتی تھی۔

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں بعض وقت روزہ رکھنے کا ارادہ رکھتی تھی اور نہ ہو سکتا تھا، یہاں تک کہ جب پیغمبر علیہ السلام شعبان میں روزے رکھتے تھے تو میں آپ کے ساتھ روزے رکھتی تھی۔

سو اس وقت کو وہ غنیمت جانتی تھیں اور آپ کے رمضان کے جو روزے بسبب ایامِ حرمین کے قضا ہو جاتے تھے سب اس وقت ادا کرتی تھیں اس کے علاوہ اور مہینوں میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں کیونکہ عورت اپنے شوہر کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہیں رکھ سکتی۔ پس جس شخص کو ماہ شعبان آجائے اور اُس پر نفل روزے باقی ہوں تو اس کے لئے مستحب قضا روزہ کی ادائیگی کا حکم ہے کہ ماہ شعبان میں ادا کرے تاکہ اس کے نفل روزے رمضان کے بیچ میں پورے ہو جائیں اور جس شخص پر کچھ قضا رمضان کی باقی ہو تو اُس کو واجب ہے کہ قدرت ہوتے ہی دوسرا رمضان شروع ہونے سے پہلے اُن کی قضا ادا کرے اور یہ جائز نہیں ہے کہ بلا اثر دوسرے رمضان تک مؤخر کرے اور اگر اس کا عذر تاخیر دوسرے رمضان تک برابر باقی رہے، تو اُس پر اس کی قضا دوسرے رمضان کے بعد واجب ہوگی۔ اور قضا کے سوا اور کچھ اُس پر واجب نہ ہوگا۔

اور اگر یہ تاخیر بلا کسی عذر کے ہوتی ہے تو بعض فقہار کا قول تو یہ ہے کہ قضا بھی کرے اور ہر روزے کے ساتھ ساتھ محتاجوں کو کھانا بھی کھلائے۔ اور یہ قول اُن حدیثوں کے موافق جو اس بارے میں آئی ہیں امام شافعی اور احمد اور امام مالک کا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ قضا کرے اور اُس پر کھانا کھانا واجب نہیں۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں صرف کھانا کھلائے اور اُس پر قضا نہیں ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شعبان کے روزوں کی ایک شعبان کے روزے رمضان کے اور وجہ ہے کہ شعبان کے روزے رمضان کے روزوں کی مشافی کے لئے ہیں کی مشافی کے لئے ہیں تاکہ رمضان کے روزوں میں کچھ وقت اور تکلیف نہ ہو بلکہ پہلے سے روزہ کا جو گر ہو چکا ہو۔ اور شعبان ہی سے روزوں کا مزہ اٹھا رہا ہو۔ پھر رمضان کے روزے رغبت اور خوشی سے رکھے۔ خدا یا ہم پر اس کا عمل اپنے لطف و توفیق سے آسان کر دے۔

چوبیسویں مجلس شب بارات میں بطریق مسنون جانے کی
فضیلت اور بدعت مکر وہ سے پرہیز کر نیکیاں ہیں

نصف شعبان کی شب اللہ تعالیٰ | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے | نصف ماہ شعبان کی شب کو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ گناہ بخش دیتا ہے"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور اس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور نصف شعبان کی رات سے مُراد شبِ برات ہے۔ اور خاص قبیلہ کلب کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ اُس قبیلہ کے آدمی اور بکریاں اور سب قبیلوں سے زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے آسمان و نیا اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس رات میں صفتِ جلال سے جو گنہگاروں کی طرف نزول کا مطلب سے غلبہِ عداوت اور انتقام کی مقتضی ہے صفتِ جمال کی طرف جو کہ رحمت اور مغفرت کا باعث ہے، انتقال کرتا ہے اور حدیث کے الفاظ کو ان معنوں پر اسلئے عمل کیا ہے کہ اترنا اور چڑھنا اور حرکت اور سکون چونکہ یہ جسم مادی مکان کی صفتیں ہیں اور عقلی و نقلی قطعاً ذیلیوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمیت اور مکان سے پاک ہے۔ اسلئے اس کا نزول باپس معنی کہ بلند مکان سے پست جگہ کی طرف اترنا محال ہوا۔ پس اس حدیث کے وہی معنی ہوں گے جو اہل حق نے ذکر کئے ہیں یعنی رحمت کا اترنا اور اُس کی مہربانی اور بخشش کا اپنے بندوں پر زیادہ ہونا اور اُن کی دعا کا منظور کر لینا اور اُن کی توبہ کا قبول کر لینا۔ جیسا کہ کریم بادشاہوں اور رحیم سرداروں کی عادت ہوتی ہے کہ جب وہ فقیر محتاجوں کے پڑوس میں اترتے ہیں تو اُن کے ساتھ احسان کرتے ہیں۔ اور اس بات کا اگرچہ اور تمام راتوں میں بھی شبِ برات اور دیگر راتوں میں فرق وعدہ ہے کیونکہ روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے جبکہ آخری تنہائی رات رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کہ کون مجھ سے دعا کرتا ہے کہ میں اُس کو قبول کروں۔ کون مغفرت مانگتا ہے کہ میں اُس کو بخش دوں۔ کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اُس کو دوں۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اور تمام راتوں کے اترنے میں یہ قید ہے کہ پھلی تنہائی رات باقی رہ جائے۔ اور شبِ برات میں اس کی قید نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس رات میں شبِ قدر کے بعد شبِ برات کی فضیلت خصوصیت شرافت اور فضیلت کی زیادہ ہے کیونکہ یہ رات بہت شریف ہے چنانچہ حضرت عطار ابن یسار سے روایت ہے آپ فرماتے تھے کہ ”کوئی رات شبِ برات سے بہتر نہیں ہے“ اور اس رات کی فضیلت میں اور بھی کئی حدیثیں آئی ہیں اور تعظیم شبِ برات میں علماء کا اختلاف شام کے تابعی مثلاً خالد بن معدان اور محول اور لقمان بن عامر وغیرہ اس رات کی بہت تعظیم کرتے تھے اور اس رات میں عبادت میں بہت کوشش کرتے تھے جبکہ اُن کا یہ حال دوسرے ملکوں میں مشہور ہوا تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا بعض نے تو اُس کو مان لیا اور اُن کے موافق ہو کر تعظیم کرنے لگے۔ لیکن اکثر علمائے حجاز نے اس کا انکار کیا اور کہنے لگے کہ یہ سب بدعت ہے اور حق یہ ہے

اگر مومن خود اس رات میں اقسام عبادت نماز تلاوت ذکر و دعائیں مشغول رہے تو جائز ہے مکڑوہ نہیں ہے۔

اور اس رات میں مسجد محلہ یا جامع مسجد میں نماز کے لئے جمع ہونا اور جماعت کے ساتھ نقلیں ادا کرنا جیسا کہ اس زمانہ میں رسم ہے تو یہ ضرور مکڑوہ ہے اور یہ قول اوزاعی کا ہے جو امام اور عالم اور فقیر اہل شام ہیں۔ اسی طرح اس رات کو مسجدوں میں بکثرت چراغ جلانا اور جامع مسجدوں میں لکھا ہے کہ شب براءت کو کوچوں اور بازاروں میں بکثرت چراغ روشن کرنا بدعت ہے اور

ایسا ہی مسجدوں میں ہانڈیاں جلانا بھی بدعت ہے اور اگر متولی جلانے کا تو اس کو تاوان دینا پڑے گا بلکہ اگر وقف کرے تو اس کا ذکر کر کے اس کی شرط بھی کر دے تب بھی اس شرط کا اعتبار نہیں ہے اور اگر مسجد میں روشنی مال وقف سے نہیں بلکہ خود اپنے پاس سے کی ہے تو یہ اسراف اور بیکار مال کا

ضائع کرنا ہے اور اسراف از روئے نص قرآن حرام ہے اور جناب رسول خدا علیہ السلام نے بھی مال تلف کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اس کو ثواب جانا بڑی بدعت اور سخت گناہ ہے۔ اور نفل نماز کی جماعت تراویح، استسقاء ایسے ہی اس رات میں بڑی جماعت سے نقلیں پڑھنا بھی اور کسوف کے سوا سخت بدعت ہے

سخت بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے کیونکہ تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ نوافل کی جماعت تراویح اور استسقاء اور کسوف کے سوا جبکہ امام کے سوا چار آدمی ہوں مکڑوہ ہے۔ اور جو نماز کہ اس رات کو بڑی جماعت سے پڑھی جاتی ہے جس کو شب براءت میں نفلوں کی جماعت کی ابتداء اور احکام کے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ چوتھی صدی ہجری کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ نماز مسجد اقصیٰ میں ۶۸ھ میں شروع ہوئی ہے۔

اور اس کی اصل امام طرطوسی کے بیان کے موافق یہ ہے کہ ایک شخص نابلسی بیت المقدس میں آیا اور مسجد اقصیٰ میں شب براءت کو نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ پھر ایک شخص نے اس کے پیچھے بیت کی پھر دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا اور ابھی وہ ختم کرنے نہیں پایا تھا کہ بڑی بھاری جماعت ہو گئی۔ وہ شخص پھر دوسرے سال پھر آیا تو بہت مخلوق نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر اور مسجدوں میں جاری ہو گئی اور شہروں شہروں میں پھیل گئی۔ اور لوگوں نے اس کو سنت قرار دے لیا۔

حالانکہ بڑے بڑے علماء متاخرین نے اس کی مذمت کی ہے۔ اور صاف کہہ دیا ہے کہ یہ نماز بدعت فقیر ہے اس میں بہت سی خرابیاں ہیں پس جو شخص ان برائیوں کو دور نہیں کر سکتا تو اس کو کم از کم خود اس رات کو جماعت میں شریک نہ ہونا چاہئے بلکہ اگر کوئی مسجد ان بدعتوں سے نکالی

نہ ملے تو اپنے گھر میں پڑھ لے کیونکہ مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنا تو صرف سنت سے اور بدعتیوں کا گروہ بڑھانا منع ہے اور ممنوع کام کا چھوڑ دینا واجب ہے اور واجب پر عمل کرنا فرض ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کو جس کا علم اور زہد کے اعتبار سے شہرہ ہو۔ اس کو تو یہی واجب ہے کہ بدعت اور ممنوع کام میں شرکت نہ کرنا بھی موجب ثواب ہے۔ جس مسجد میں یہ برائیاں دیکھے وہاں نہ جائے کیونکہ اس کا وہاں جانا اور منع نہ کرنا عام لوگوں کو اس وہم میں ڈال دے گا کہ یہ افعال سب مباح یا مستحب ہیں تو اس کا وہاں جانا عام لوگوں کے لئے اس بات کا بہت بڑا شبہ پیدا کر دے گا کہ یہ افعال از روئے شرع اچھے ہیں۔

اور جب وہ اپنا معمول چھوڑ کر اس رات کو مسجد ہی میں نہ آئے گا اور دل سے انکار کرے گا کیونکہ زبان اور ہاتھ سے روکنے کی تو قدرت نہیں ہے تو آپ بھی گناہ سے بچ جائے گا اور دوسرے لوگ بھی دھوکا نہ کھائیں گے بلکہ بعض لوگ اُس کے شامل نہ ہونے سے یہ سمجھیں گے کہ یہ افعال خدا کو پسند نہیں ہیں بلکہ بدعت ہیں شرع ان کو جائز نہیں رکھتی ہے اور نہ پسند کرتی ہے تو بسا اوقات لوگ اس سے باز آجاتے ہیں گے اور اس فعل کی وجہ سے جس پر اسے قدرت تھی اس کو ثواب ملے گا اور وہ فعل مفقود دلی انکار اور شرکت نہ کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ اگرچہ اس رات کی فضیلت ممنوع چیزوں سے عظمت شب براءت میں کئی حدیثیں آتی ہیں لیکن کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی عظمت اُن چیزوں سے کرے جن کو شریعت نے

بڑا کہا اور منع کیا ہے باوجودیکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس رات کی نماز کے بارے میں کوئی حدیث رسول علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے اور نہ آپ کے صحابہ سے پس اس بنا پر اس زمانے کے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ بدعت اور نواہی و باتوں میں سے کسی کی طرف توجہ کرنے اور دھوکا کھانے سے بچا رہے اور اپنے دین کو اُن بلاؤں سے جن سے مانوس ہو رہا ہے اور جس میں پریشانی ہے بچاتا رہے کیونکہ یہ باتیں زہر قاتل ہیں۔ بہت کم ہیں جو ان آفتوں سے بچے ہوں اور ان خرابیوں کے ہوتے ہوئے انہیں حق ظاہر ہوا ہو کیونکہ بدعتیوں کے دل میں بدعت کا بڑا مزہ ہوتا ہے اُن کی طبیعت اس کو پسند کرتی ہے اور اس لئے وہ اُسے نہیں چھوڑتے ہیں۔ عکرمہ شعبان کی پندرہویں رات آئندہ سال اور دوسرے مفسرین سے روایت ہے کہ وہ مبارک جو ہونے والا ہوتا ہے لکھا جاتا ہے رات جس کا ذکر سورہ دخان میں ہے اس کی تفسیر شعبان رات ہی سے کی گئی ہے چنانچہ اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں کیونکہ یہ ایسی رات ہے کہ سب کچھ جو اس سال ہو نیوالا ہوتا ہے اسی رات میں مقدر کیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسی میں الگ الگ کیا جاتا ہے ہر حکم کام۔

عطار بن یسار کہتے ہیں کہ جب شربِ براءت ہوتی ہے تو ملک الموت کو ایک پرچہ دیکر کہا جاتا ہے کہ جن جن کا نام اسمیں لکھا ہے ان کی روح قبض کر لینا۔ سو بہتیرے آدمی ایسے ہیں جو گھر بناتے ہیں اور مخلوق کی استواری کرتے ہیں باغ لگاتے ہیں نہریں نکالتے ہیں پیاہ کرتے ہیں اور مکانات کی دھن میں رہتے ہیں حالانکہ ان کی موت لکھی جا چکی ہے اور اسکا پرچہ ملک الموت کو دیا جا چکا ہے اور وہ ہوا و ہوس میں پھنسا ہوا ہے اور اپنے انجام کی خبر نہیں۔

پس اسے طولِ اہل کے دیوانے اور اے بُرے اعمال کے متوالے موت سے ڈرتا رہے کبھی کیا معلوم کہ موت تجھ کو کس وقت آگھرے گی۔ بہتیرے لوگ جو ایک دن کو کم سمجھتے ہیں اس کو بھی پورا نہ کرنے پاتیں گے اور بہتیرے گل کے امیدوار کل تک نہ پہنچیں گے۔ خدا ہمارے لئے موت کا تدارک اُس کے آنے سے پہلے آسان کر دے۔

پچیسویں مجلس اس بیان میں کہ رمضان کا چاند ضرور دیکھنا چاہئے

جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تک چاند نہ دیکھو روزہ نہ رکھو اور نہ بغیر چاند دیکھے افطار کرو اور اگر گھٹا ہو جائے تو اندازہ کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تیس دن پورے کرو۔ یہ حدیث مصباح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت ابن عمر ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب مطلع صاف ہو اور اسمیں کچھ خرابی نہ ہو تو تم رمضان کا چاند دیکھے بغیر روزہ نہ رکھو نہ عید کا چاند دیکھے بغیر افطار کرو اور اگر چاند میں ابر آجائے اور تم اُس کو نہ دیکھ سکو تو اس مہینے کے جس میں تم ہو تیس دن پورے کر لو یعنی شعبان کے تیس دن پورے کر کے پھر روزہ رکھنا شروع کرو۔ اور اگر وہ مہینہ جس کا تم نے شمار کیا ہے رمضان کا ہو تو افطار کر لو اور یہ اسلئے کہ ہر ثابت شے میں اس کی بقا اصل ہے تا وقتیکہ اس کے عدم کی دلیل نہ ملے اور مہینہ پہلے تو یقینی ثابت تھا اب شک اسلئے ہے کہ ہر ثابت شدہ چیز میں تا وقتیکہ اُس کے عدم کی دلیل نہ ہو اس کا موجود ہونا ہی اصل ہے اور چونکہ مہینہ پہلے ثابت موجود تھا اور اب اسکے ختم ہونے میں شک ہے تو وہ شک چاند دیکھنے سے ختم ہو گا یا تیس دن پورے کرنے سے اور ان دونوں باتوں میں سے کوئی امر نہیں پایا گیا تو وہی مہینہ باقی رہے گا۔ اس روایت کے اعتبار سے جو مہینہ کبھی اکتیس دن کا ہوتا | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دونوں ہاتھ سے کبھی تیس دن کا کی انگلیاں کھول کر اشارہ کیا کہ "ایک مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہے اور تیسری مرتبہ انکو ٹھا موڑ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مہینہ اتنا ہے اور اتنا اور اتنا بلا انکو ٹھا موڑے۔"

تو اس سے معلوم ہوا کہ مہینہ کبھی تو انتہیں دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا تو رمضان کے آنے اور جانے میں شک رہتا ہے۔ بر تقدیر رمضان تمام نہ ہونے کے افطار کرنا حرام ہے اور رمضان کا مہینہ نہ یوم شک کا روزہ مخالفت رسول ہے | شروع ہونے کی صورت میں رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے قبل از وقت ادا کرنا لازم آتا ہے اور یہ حرام ہے۔

اور اسی لئے عمار بن یاسر کہتے ہیں کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا اُس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اور شک کے یہ معنی ہیں کہ جاننا اور نہ جاننا دونوں پہلو برابر ہوں اس طرح یوم شک کا مطلب | کہ شعبان کی انتیسویں تاریخ ابر ہو جائے اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ کل کا دن شعبان ہی کا ہے یا رمضان کا۔ پس اس بنا پر لوگوں کو چاہئے کہ شعبان کی انتیسویں کا چاند خوب غور سے دیکھیں پس اگر دیکھ لیں تو روزہ رکھ لیں اور اگر نہ دکھائی دے تو ماہ شعبان کے تیس دن پورے کریں اور اس کے بعد روزے رکھیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ کھولو اور اگر ابر میں چاند چھپ جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔ اور وہ دن جس میں یہ شک ہے کہ یہ شعبان کا ہے یا رمضان کا تو یوم شک میں نقلی روزہ حرام نہیں | صحیح یہی ہے کہ اس میں روزہ اگر نقل ہو تو مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ نقل روزہ بوجہ اس ارشاد نبی علیہ السلام کے کہ جس دن کے رمضان سے ہونے میں شک ہو اس میں روزہ نہ رکھو مگر نقل کا ممانعت سے الگ ہے اور اس دن میں روزہ رکھنے کی ممانعت سے وہ روزہ مراد ہے جو رمضان کے روزہ کی نیت سے ہو کیونکہ اس سے قبل از وقت ادا کرنا لازم آتا ہے اور ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ بوجہ حدیث عمار بن یاسر کے حرام ہے علاوہ ازیں اس میں اہل کتاب سے تشبیہ بھی لازم آتی ہے کہ وہ بھی اپنے روزوں کی مدت بڑھا لیا کرتے ہیں پس اس یوم شک کے روزے کا صحیح اور تفصیلی حکم | بنا پر مومن کو چاہئے کہ اُس روز صبح کو منتظر رہے نہ تو کچھ کھاتے اور نہ روزہ کی نیت کرے اور دوپہر سے پہلے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ رمضان کا دن ہے تو روزہ کی نیت کر لے اس لئے کہ دن چڑھے تک رمضان کے روزوں کی اور نقل روزوں کی بھی نیت درست ہے۔ اور اگر نہ ثابت ہو تو چاہئے افطار کر ڈالے چاہئے نقل روزہ رکھ لے، لیکن اگر وہ شک کا دن ایسے دن میں آ پڑے جن میں وہ روزہ رکھا کرتا تھا مثلاً دو شنبہ یا جمعرات یا جمعہ کو وہ روزہ رکھا تھا پس اتفاق سے وہ شک کا دن آ پڑا تو روزہ رکھنا ہی افضل ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ رمضان سے پہلے کوئی ہرگز روزہ نہ رکھے نہ ایک دن کا نہ دو دن کا لیکن اُس صورت میں کہ اتفاقاً یوم شک ایسے دن میں آ پڑے جس میں وہ روزہ رکھا تھا۔ اسی طرح اگر وہ پورے شعبان یا نصف اخیر شعبان یا ہر مہینہ کے اخیر میں تین دن روزہ رکھا کرتا ہے

اور اگر اُس دن سے مطابق نہ پڑے جبیں روزہ رکھا کرتا تھا تو بعضے کہتے ہیں کہ ظاہر نہیں ہے احتراز کے لئے افطار ہی افضل ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ بلحاظ پیروی حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کے روزہ رکھنا افضل ہے کہ دونوں شک کے دن روزہ رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم کو شعبان کا ایک روزہ رکھ لینا اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ رمضان کا ایک روزہ توڑ ڈالیں۔

اور فتویٰ اس پر ہے کہ خاص لوگ مثلاً مفتی اور قاضی نفل کا روزہ رکھ لیا کریں کیونکہ ان کو نیت کی کیفیت معلوم ہے اور یہ لوگ کراہت کو نہ ملنے دیں گے لہذا ان لوگوں کو چاہئے کہ خود تو روزہ رکھ لیں لیکن عوام کو زوال تک انتظار کرنے کا حکم دیں اور اس کے بعد اگر چاند کانگنا ثابت نہ ہو تو افطار کا حکم دیں اور جس شخص کو نیت کی کیفیت معلوم ہو وہ خواص میں ہے۔ اور نیت کی کیفیت یہ ہے یوم شک کے روزے کی نیت کی کیفیت | کہ نفل کی نیت کرے اور اس دن میں رمضان کے روزہ کا یا اور کسی واجب روزہ کا خطرہ بھی نہ لائے اور نہ اس میں کچھ متردد ہو۔

کیونکہ نیت یہ ہے کہ دل سے جانے کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ اور اُس دن میں نیت کی طرح ہو سکتی ہے۔ ایک یہ رمضان کے روزے کی نیت کرے اور یہ مکروہ ہے جیسا کہ عمار بن یاسرؓ کی یوم شک میں رمضان کی نیت کرنا مکروہ ہے | حدیث میں گزرا باوجودیکہ اس میں اہل کتاب کیساتھ تشبیہ بھی ہے پھر اگر معلوم ہو جائے کہ وہ رمضان ہی کا دن تھا تو بھی روزہ کافی ہے اس واسطے کہ اُس نے نیت بھی رمضان کے روزے کی کی ہے اور وہ دن بھی رمضان ہی کا نکلا پس حقدار ہی کا ہوگا۔ اصل کراہت جواز کو نہیں روکتی | اور اصل کراہت جواز کو نہیں روکتی بلکہ استحباب کو روکتی ہے استحباب کو روکتی ہے | بدوں عکس کے یعنی یہ کچھ ضروری نہیں کہ جس جگہ استحباب نہ ہو وہ مکروہ ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ امر مباح ہو اور مباحات ان دونوں سے موصوف نہیں ہوتے۔

یوم شک کے روزے کی قضا نہیں | اور اگر یہ معامد ہو کہ وہ دن شعبان ہی کا تھا تو وہ روزہ نفل ہو گا اور اگر افطار کر ڈالا ہو تو اُس پر کچھ قضا نہیں ہے کیونکہ یہ روزہ تو صرف اس خیال کی وجہ سے تھا کہ اپنے وقت اُس دن کا روزہ سمجھ لیا تھا لیکن بعد میں معامد ہوا کہ فی الواقع یہ روزہ ضروری نہ تھا اور ایسے خیالی روزہ کی قضا نہیں ہے کیونکہ قضا خود اپنے اوپر لازم کرنے سے آتی ہے یا شریعت کے لازم کرنے سے اور یہاں دونوں میں سے ایک بھی نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی اور یوم شک اگر رمضان ہے تو | واجب کی نیت کرے اور یہ بھی اسی اوپر والی حدیث کی رُو سے کسی بھی نیت سے وہ صحیح ہوگا | مکروہ ہے مگر ہاں اسکی کراہت اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ نہ ہونے

کی وجہ سے پہلے سے کم ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کے ساتھ تشبیہ تو واجب ہے کہ اس دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھے پھر اگر بعد میں یہ معامد ہو کہ وہ رمضان ہی کا دن تھا تو یہ روزہ رمضان

ہی کا ہو جائیگا کیونکہ رمضان کا روزہ تندرست مقیم سے بغیر اسکے کہ خود رمضان کی یا نفل روزہ کی یا غرضکہ نیت میں کسی قسم کی قید لگائے مطلق نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور نفل کی نیت سے بھی۔ اور کسی دوسرے واجب کی نیت سے بھی کیونکہ رمضان کا مہینہ رمضان ہی کے روزے کیلئے مقرر ہے اور اس وجہ سے کوئی اور روزہ اس وقت جائز نہیں۔

رہا نیت میں رمضان کی قید نہ لگانا سو یہ کچھ مضر نہیں، کسی مقرر شدہ چیز کو یوں ہی ذکر کرنا بھی تعین اور نفل یا کسی دوسرے واجب کی نیت کرنا اسوجہ سے کہ اس وقت کوئی اور روزہ مشروع نہیں لغو ہے کیونکہ وقت میں اس بات کی صلاحیت ہی نہیں کہ اُس میں کوئی اور روزہ ہو سکے۔ پس جب وصف باطل ہو گیا تو مطلقاً بغیر قید کے روزے کی نیت باقی رہ گئی اور اب یہ نیت مطلق ہونے کی وجہ سے اسی روزہ کی سمجھی جائے گی جو اس وقت میں مشروع ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص تنہا مکان میں ہو اور اس کو اے شخص کہہ کر یا کسی اور کا نام لیکر پکارا جائے تو وہی آدمی مراد ہو گا کیونکہ مکان میں کوئی اور موجود ہی نہیں رہا اُس کا نام نہ لینا یا غلط نام سے پکارنا پکارنے والے کی لاعلمی کی وجہ سے ہے ایسے ہی رمضان میں اگر کوئی شخص بغیر کسی نفل یا واجب کی نیت کے یا واجب و نفل کی نیت سے روزہ رکھے تو وہ روزہ رمضان ہی کا ہو گا کیونکہ وقت میں نہ گنجائش ہے نہ دوسرا روزہ بجائے رمضان کے ہو سکتا ہے یہی نیت، یہ نیت کرنے والے کی غلطی ہے۔ اور اگر ظاہر ہو کہ وہ دن شعبان کا تھا تو وہ روزہ نفل ہو جائے گا اور جس یوم شک اگر شعبان ہے تو سوائے نفل | روزے کی نیت کی تھی وہ نہ ہو گا کیونکہ اس دن بھی عید کی نیت کے اور نیت سے روزہ ممنوع ہے | کے دن کی طرح روزہ ممنوع ہے اور اس وجہ سے جیسا کہ

کابل واجب ہوا تھا ویسا ادا نہیں ہو سکتا لیکن صبح یہ ہے کہ جس روزے کی نیت کی ہے وہی ادا ہو گا۔ کیونکہ اس نے یہ روزہ ایسے دن ادا کیا ہے جس میں نفل جائز تو ہے بخلاف روز عید کے کہ اس میں تو سرے سے نفل جائز ہی نہیں اور اگر حال نہ کھلا تو اُس کے ذمہ سے واجب ساقط نہ ہو گا کیونکہ رمضان سے محسوب ہونے کا بھی احتمال ہے۔ تبسیر ہے یہ کہ نیت کے متعین کرنے نیت میں تردد ہو تو یہ صورت مکروہ ہے | میں متردد ہو یعنی اس طرح نیت کرے کہ اگر کل کا دن رمضان کا ہے تو میں رمضان کا روزہ رکھتا ہوں اور اگر کل کا دن شعبان کا ہے تو میرا روزہ فلاں واجب یا نفل کا روزہ ہے۔ اور یہ صورت مکروہ ہے۔

پہلی صورت تو اسلئے کہ اُس کو دو مکروہ امور کے درمیان تردد ہے یعنی رمضان کے روزے کی نیت اور دوسرے واجب روزے کی نیت۔ اور دوسری صورت اسلئے کہ ایک طرح فرض کی نیت ہے پس اگر وہ دن رمضان ہی کا نکلا تو وہ

رمضان ہی کا ہوگا کیونکہ اصل نیت میں تردید نہیں تھا اور رمضان کا روزہ ہو جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور اگر یہ ظاہر ہو کہ وہ شعبان کا دن ہے تو وہ واجب روزہ ادا نہیں ہوگا بلکہ دونوں حالتوں میں نفل ہو جائے گا۔ اور اگر افطار کر ڈالا تو اس پر قضا واجب نہیں۔ پہلی صورت میں تو نیت میں تردید کی صورت میں اس لئے کہ گمان ہی گمان ہے کہ یہ روزہ رمضان کا ہے۔ اور افطار کر ڈالا تو قضا نہیں دوسری صورت میں اس لئے کہ بہر طرح سے اپنے پر ذمہ ضروری

نہیں کیا ہے بلکہ یہ شرط کی ہے کہ اگر رمضان نہ ہو تو واجب روزہ رکھتا ہوں۔ اور چوتھے یہ کہ نفل یوم شک میں نفل کی نیت درست ہے اور افطار پر قضا ہے مذہب کی بنا پر بلا کر بہت درست ہے۔ پھر اگر ظاہر ہو کہ وہ

دن رمضان کا ہے تو رمضان ہی کا روزہ ہو جائے گا کیونکہ اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ رمضان کا روزہ نفل کی نیت سے بھی ہو جاتا ہے اور اگر ظاہر ہو کہ وہ دن شعبان کا تھا سو نفل ہو جائے گا اور اگر افطار کر ڈالے گا تو قضا لازم آئے گی اس لئے کہ اس نے اپنے ذمہ لے کر شروع کیا تھا۔ بخلاف مسابہ مننون کے کہ وہاں تو اپنے ذمہ لینا ہی نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی جانا چاہیے کہ نئے چاند کو دیکھنا تو یوم شک میں ایک عادل مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ چاند کی گواہی سے چاند ہو جائے گا دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو۔ اگر چہ روزے کے واجب ہونے اور افطار کا سبب ہے لیکن اس پر عمل کرنا بغیر قاضی کے حکم کے نہیں ہو سکتا

اسی لئے اس کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ پھر یہ کہ اگر آسمان پر کچھ خرابی ہو خواہ ابر ہو یا دھواں یا غبار ہو یا بخار وغیرہ ہو تو رمضان کے چاند میں ایک گواہ عادل مسلمان عاقل بالغ کی گواہی خواہ وہ آزاد ہو خواہ غلام، مرد ہو خواہ عورت مقبول ہے۔ کیونکہ وہ ایک دینی کام یعنی لوگوں پر روزہ کے واجب ہونے کی خبر دے رہا ہے لہذا اس کی خبر مان لی جائے گی لیکن ہاں اس شرط سے کہ صاف طور سے یوں کہے کہ میں نے شہر کے باہر یا بدلی کے درمیان میں چاند دیکھا ہے اور بدون اس تفصیل کے مقبول نہ ہوگا، کیونکہ شبہ کی گنجائش ہے۔ اور فاسق کو چاہئے کہ اگر چاند دیکھ لے تو گواہ میں شرط عدالت قاضی کے زور و گواہی دے شاید کہ اس کی گواہی قبول ہو جائے لیکن قاضی کو چاہئے کہ اس کی گواہی قبول نہ کرے۔ کیونکہ فاسق کی گواہی دینی کلاموں میں مردود ہے۔ مقبول نہیں ہے اور عدالت شرط ہے۔

اور طحاوی نے کہا ہے کہ عدالت شرط نہیں ہے۔ اور بعضہ منشاخ کہتے ہیں کہ اس سے انکی مراد سنور الحال ہے اور دعویٰ کرنا شرط نہیں۔ اور نہ لفظ شہادت کا ادا کرنا شرط ہے۔ اور رمضان کے چاند کی گواہی میں لفظ شہادت شرط نہیں چاند میں ایک شخص کے گواہی دینے پر کسی دوسرے

کی گواہی بھی مقبول ہے۔ اور جس نے رمضان کا چاند گاؤں میں دیکھا اور وہاں نہ کوئی حاکم ہے نہ قاضی جس جگہ قاضی نہ ہو تو چاند ہونے کا حکم | تو اگر وہ دیکھنے والا معتبر آدمی ہے تو سب لوگ اسی کے کہنے سے روزہ رکھیں۔ پھر اگر قاضی نے ایک شخص کی گواہی رمضان کے چاند میں قبول کر لی اور اگر رمضان تیس دن سے زائد ہو گیا تو اُس کا حکم | لوگوں نے تیس تیس روزے بھی رکھ لئے تب بھی عید کا چاند نظر نہ آیا تو ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی روایت کی رو سے اب بھی افطار نہ کرنا چاہئے کیونکہ افطار ایک آدمی کی گواہی سے واجب نہیں ہوتا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ وہ افطار کر ڈالیں۔ اور رمضان کے ثبوت کے ضمن میں ایک ہی گواہی سے افطار کا ثبوت بھی ہو جاتا آسمان کی خرابی میں رمضان کا اختتام | ہے اگرچہ ابتداء ثابت نہیں ہوتا کیونکہ سوال کے چاند دو گواہوں کی شہادت سے ہوگا | میں اگر آسمان پر کوئی خرابی ہو تو بدون دو آزاد مرد اور دو آزاد عورتوں کی گواہی کے چاند مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے حق العباد کو تعلق ہے کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس اس کا ثبوت بھی اس طرح ہوگا جس طرح اُن کے اور حقوق کا ثبوت لیا جاتا ہے بخلاف ہلال ماہ رمضان کے کیونکہ اس سے صرف حق شرع یعنی روزہ متعلق ہوتا ہے پس ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔ اور اگر آسمان میں کچھ خرابی نہ ہو تو پھر رمضان کے ہلال میں آسمان صاف ہو تو ایک بڑی | بھی ایک آدمی کی گواہی مقبول نہیں اور نہ عید کے چاند میں دو جماعت کی گواہی ضروری ہے | کی گواہی۔ بلکہ بہت سے آدمیوں کی گواہی جن کے بیان سے یقین آجاتے مقبول ہوگی اور اس جماعت کی گواہی کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پچاس مردوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ خبر اگر تو اثر کو پہنچ جاتے تو معتبر ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ بات حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اس علم سے جو ان کی خبر سے حاصل ہوتا ہے۔ علم شرعی جس سے عمل کرنا واجب ہو جاتے مراد ہے اور وہ ظن غالب ہے یقینی نہیں مشہرے باہر کے لوگوں کی گواہی کا حکم | اور اگر کوئی شخص باہر سے آیا اور اُس نے وہاں اپنے چاند دیکھنے کی گواہی دی تو ظاہر روایت میں اُس کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شبہ موجود ہے لیکن طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ چونکہ شہر کے باہر مانع کم ہوتا ہے اس لئے اس کی گواہی مقبول ہوگی اسی طرح اگر شہر میں کسی اونچے مقام سے چاند دیکھنے کی گواہی دے تو اس میں بھی اختلاف ہے۔ اور جس شخص نے رمضان کا چاند تنہا دیکھ کر گواہی دی لیکن گواہی مقبول نہ ہوئی تو اُس پر خود روزہ رکھنا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو چونکہ اُس نے چاند دیکھا ہے اس لئے اُس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اور اگر افطار کر ڈالے گا تو اُس پر قضا لازم آئے گی ہاں کفارہ نہ ہوگا۔ اور اگر شہادت رو ہونے سے پہلے ہی روزہ توڑ ڈالا ہے تو

اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور صحیح یہی ہے کہ اُس پر کفارہ واجب نہیں ہے۔ اور اگر حاکم حاکم کے تنہا چاند دیکھنے کا حکم | تنہا رمضان کا چاند دیکھ لے تو وہ آپ تو روزہ رکھے لیکن لوگوں کو روزہ کا حکم نہ دے۔ اور اگر ابر کی چھپ چھپ جانے کی وجہ سے رمضان کا چاند لوگوں کو نظر نہ آیا اور اشتباہ کی وجہ سے رمضان کے اٹھائیس | اسلئے وہ شعبان کے تیس دن پورے کر کے پھر رمضان روزے رکھتے اور شوال کا چاند نظر آجائے | حکم کے اٹھائیس ہی روزے رکھنے پائے۔ تھے کہ شوال کا چاند دیکھ لیا گیا۔ پس اگر شعبان کا مہینہ بے چاند دیکھے پورا کیا ہو تو دو دن کے روزے قضا کریں۔ اور اگر چاند دیکھ کر شمار کیا تھا پورا تو ایک دن کی قضا کریں۔ اور اس طرح اب ماہ رمضان اس سال اسی دن کا ہوگا یہاں تک کہ اگر عید کا چاند رمضان کے اسی روزے کے بعد دیکھا جائے تو اُن پر کچھ لازم نہ آئے گا۔ اور اگر ایک شہر والوں نے رمضان کا چاند دیکھ کر اسی روزے رکھے دوسرے شہر والوں کے چاند | پھر ایک گروہ نے اسیوں دن قاضی کے سامنے یہ گواہی دی کہ دیکھنے پر گواہی دینے کا حکم | فلاں شہر والوں نے فلاں رات رمضان کا چاند تم سے ایک دن پہلے دیکھ کر روزہ رکھا ہے اور اُس حساب سے آج رمضان کی تیسویں ہے اور اس شہر والوں نے اُس رات کو چاند نہ دیکھا حالانکہ آسمان بھی صاف تھا تو اُن کو جائز نہیں کہ اگلے دن افطار کریں اور نہ اُس رات تراویح ترک کریں۔ کیونکہ اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی اور نہ دوسرے کی گواہی دینے پر گواہی دی ہے بلکہ اوروں کے صرف دیکھنے کی خبر بیان کی ہے ہاں اگر قاضی کے سامنے شہادت دیتے کہ فلاں شہر کے قاضی کے سامنے دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی اور اُس قاضی نے اُن کی گواہی کے موافق حکم دے دیا ہے تو اب اس قاضی کو جائز ہوتا کہ اُن دونوں کی گواہی پر حکم دیدے کیونکہ پہلے قاضی کا حکم حجت ہے اور یہ اُس شخص کے قول کی بنا پر ہے جو کہ اختلاف مطالع کا معتبر ہے | ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں یہاں تک کہ اگر ایک شہر والوں نے رویت ہلال سے تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے بھی رویت ہی کے حساب سے اسی روزے رکھے تو اس قول کی بنا پر جن لوگوں نے اسی روزے رکھے ہیں اُن پر ایک دن کی قضا واجب ہے۔

اور زبلی کے بیان کے موافق اختلاف مطالع کا معتبر ہونا ہی ٹھیک ہے کیونکہ اسی بات کا حکم ہونا ہے جو اُن کے نزدیک ثابت ہو اور اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کی دلیل کریب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں شام میں پہنچا اور وہیں مجھ کو رمضان کا مہینہ آگیا میں نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا پھر آخر مہینہ میں مدینہ میں آیا تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے کب چاند دیکھا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم لوگوں نے تو جمعہ کی رات کو دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو پھر

کی رات کو دیکھا ہے اور ہم جتنک تیس روزے پورے نہ ہو جائیں گے رکھتے رہیں گے یا یہ کہ چاند نظر آجائے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ معاویہ کے دیکھنے اور ان کے روزہ رکھنے پر کفایت نہ کریں گے۔ آپ نے کہا نہیں، اسی طرح ہم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

اور یہ اس سے کہ ہلال کا شعاع آفتاب سے جدا ہونا اختلاف مسافت کی وجہ سے جیسا کہ وقت کا آجانا اور نکل جانا اطراف کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے مختلف ہوتا رہتا ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جس وقت آفتاب پورب میں ڈھل جائے اسی وقت کچھ میں بھی ڈھل جائے بلکہ آفتاب جب ایک درجہ بہرگنا ہے تو وہ ایک قوم کے لئے طلوع ہوتا ہے اور دوسری کے لئے غروب اور بعض کیلئے آدھی رات ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے پو پھٹنا۔ اور روایت ہے کہ نابینا ابو موسیٰ فقیہ ایک مرتبہ اسکندریہ میں تشریف لائے۔ کسی نے ان سے اس شخص کا حکم پوچھا جس نے کسی مینار پر چڑھ کر آفتاب کو اس وقت دیکھا کہ شہر میں اس سے بہت پیشتر آفتاب ڈوب چکا تھا کہ آیا اس کو اظہار کرنا درست ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو روزہ کھولنا درست نہیں اور شہر والوں کو درست ہے۔

اسلئے کہ ہر شخص کو اُس کے حال کے مطابق حکم ہے۔ اور جس نے عید کا چاند عصر کے وقت دیکھا اور عید کا چاند غروب آفتاب سے پہلے روزے کی مدت گزر جانے کے گمان پر روزہ کھول ڈالا، دیکھ کر فوراً روزہ کھولنے کا حکم محیط میں لکھا ہے کہ اُس پر کفارہ واجب ہونے میں اختلاف ہے اور اکثر علماء کفارہ واجب ہونے کے قائل ہیں اور بعض یہ سمجھ گئے ہیں کہ رمضان سے ایک دو

دن پہلے روزہ کی ممانعت سے یہ مطلب ہے کہ روزہ شروع ہونے سے پہلے کھانے پینے اور اپنی نفسانی خواہشوں سے دل خوش کرنے کو غنیمت سمجھیں لیکن یہ سب لغو اور جاہلانہ خیال ہیں کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اسکی اصل نصاریٰ سے ماخوذ ہے کیونکہ نصاریٰ اپنے روزوں کے نزدیک آنے پر ایسا ہی کیا کرتے تھے پس ان سے مشابہت لازم آتی ہے اور اُس وقت روزہ کی ممانعت صرف اسی وجہ سے تھی کہ کافروں کی مشابہت جس امر میں مجبوری نہ ہو اور وہ شرعاً برا ہو ممنوع ہے اسلئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی قوم سے مشابہت کی وہ ان ہی میں سے ہے اور اکثر اوقات بعض لوگ جائز خواہشوں پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ حرام باتوں کی طرف بڑھ جاتے ہیں تو جس کا یہ حال ہو اس سے تو جانور ہی عقلمند ہیں اور اُس کو اس ارشاد الہی میں سے بڑا حقتہ ہے اور بیشک ہم نے جہنم کے لئے بہتیرے جن اور انسان پیدا کر رکھے ہیں جن کے ایسے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ایسی ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور کان ایسے ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپائے جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ ہیں۔ اور بعض لوگ کبیرہ رمضان میں گناہ کے رسیا لوگوں کی حالت گناہوں سے رمضان کے سوا کبھی پرہیز نہیں کرتے

ان پر رمضان کے دن پہاڑ ہو جاتے ہیں اور روزے بڑے بڑے معلوم ہونے لگتے ہیں اور گناہوں کی جدائی اُن کے دل پر ایسی گراں گزرتی ہے گویا کہ وہ اُس کو بالکل کھو بیٹھے ہیں۔ پس وہ دن اور راتیں گنتا رہتا ہے تاکہ پھر گناہوں میں لگ جائے اور بعضے صرف رمضان کے نمازی ہوتے ہیں پس ان پر رمضان بھاری ہو جاتا ہے کیونکہ اُن پر عبادتیں روزہ نماز وغیرہ بھاری اور گراں معلوم ہوتے ہیں اور بعضوں کو گناہوں پر صبر نہیں آتا۔ پس رمضان میں بھی کرتے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ظاہر اڑا نقصان ہے۔

چھبیسویں مجلس رمضان کی بزرگی اور اُس کے حق کا خیال کھنے کا بیان

رمضان میں آسمان اور جہنم کے | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے دروازے کھلتے اور بند ہونیکا مفہوم | تو آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں ہے "جنت کے دروازے" اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور سب شیطان مقید کر دئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جسکے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں اور یہ حدیث اگر اپنے ظاہری معنی پر رٹھی جائے تو کچھ زیادہ فائدہ نہیں بتلاتی کیونکہ انسان جب تک دنیا میں ہے اُسکو آسمان پر چڑھنا ممکن نہیں اور نہ اُن دو مقاموں میں سے کسی میں داخل ہو سکتا ہے پھر دروازوں کے کھولنے بند کرنے سے کیا فائدہ۔ مگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ اہل اسلام میں سے جو نیک بندے مرچکے ہیں جب جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تو اس کی خوشبو وار ہوا اُن لوگوں تک اس سے زیادہ پہنچتی ہے جیسے کہ دروازے کھلنے سے پہلے آیا کرتی تھی اور جو گنہگار مرچکے ہیں جب دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں تو اُن کو اُس کی گرمی اور لپٹ اس قدر نہیں آنے پاتی جتنی کہ اُس کی حرارت اور سوزش بند کرنے سے پیشتر آتی تھی۔

لیکن یہ معنی بعید ہیں کیونکہ یہ حدیث تو صرف اُس بات کی رغبت دلانے کے لئے ہے جسکا حکم اُن کو ہوا ہے یعنی رمضان کے روزے اور اُس پر اُن کو ابھارنے کے لئے تاکہ وہ اس کیلئے تیار ہو جائیں اور گویا کہ جنت کے دروازے ایسے ہو گئے کہ اُن کے لئے کھل گئے اور دوزخ کے دروازے گویا اُن پر بند ہو گئے تو اب کسی تاویل کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا اور وہ یہ کہ آسمان کے دروازے کھلنے سے برابر رحمت کے اثر نے اور پلے درپلے عبادتوں کے چڑھنے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ دروازہ جب کھول دیا جاتا ہے تو جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے باہر نکلتا رہتا ہے اور جو اُسکے باہر ہوتا ہے پلے درپلے اندر آتا رہتا ہے اور اس تاویل کا مؤید وہ مضمون ہے جو

دوسری روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھلنے سے اُن عبادتوں کا حاصل ہونا مراد ہے جو دخولِ جنت کا سبب ہیں اور دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا اُن گناہوں کے دور ہو جانے سے کنایہ ہے جو دخولِ دوزخ کے باعث ہیں اسلئے کہ روزہ دار کبیرہ گناہوں سے بچتا ہے تو مجملہ ان کے صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنا بھی ہے پس روزہ کی برکت سے اُسکے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ سچگانہ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کبیرہ گناہوں کے سوا اُن گناہوں کو جو اُن کے درمیان ہوں مٹا دیتے ہیں۔ اور شیاطین کے قید ہونے سے شاید اُسکے وہی معنی ظاہر کیا شیاطین کے قید ہونے کا معنی اور مفہوم [مراد ہوں یعنی شیطانوں کا ماہِ رمضان کی تعظیم کے لئے قید ہو جانا۔ اور علامت اس کی یہ ہے کہ اکثر سرکشی میں غرق رہنے والے گناہوں اور بدی سے باوجود اُسپر حریص ہونے کے بچنے لگتے ہیں اور نماز پڑھنا شروع کر دیتے ہیں باوجودیکہ پہلے سُستی کرتے تھے اور وعظ و نصیحت سننے پر اور تلاوتِ قرآن کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور یہ جو بعض فاسقوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے فسق سے باز نہیں آتے بلکہ اگر ایک گناہ چھوڑ دیتے ہیں تو دوسرا گناہ کرنے لگتے ہیں۔ تو یہ اثر وہ ہے جو اُن کے خبیث نفسوں میں شیطانی وسوسے باقی ہیں اور علماء بعض کہتے ہیں کہ شیاطین کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن اس سے مراد صرف اُن کے ممدار ہیں اور اسکی تائید اُن الفاظِ حدیث سے ہوتی ہے جو بعض اور روایتوں میں واقع ہیں کہ سرکش شیاطین جکڑ دئے جاتے ہیں تو ان کے علاوہ اور شیاطین جن و انس کے وسوسے سے خرابیاں واقع ہوتی ہیں۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مجازاً روزہ داروں کے دلوں کا وساوسِ شیطانی کے قبول کرنے سے باز رہنا مراد ہے اور یہ اسلئے کہ جب رمضان آتا ہے تو لوگ روزہ میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اُن کی قوتِ حیوانی ٹوٹ جاتی ہے جو کہ شہوت اور غضب کی جڑ ہے جو طرح طرح کے فسق و فجور کی طرف لیجانے والی ہے اور اُن کی قوتِ عقلی براہِ کجنت ہو کر عبادتوں کی طرف بلاتی ہے اور گناہوں سے روکتی ہے پھر اُن کو روزمرہ کی مقررہ عبادتوں پر متوجہ اور ہر قسم کے گناہوں سے بیزار کر دیتی ہے پس وہ ایسے ہونگے ہیں کہ بہشت کے دروازے گویا اُن کے لئے کھول دئے گئے اور دوزخ کے دروازے اُن پر بند کر دئے گئے اور اُن پر شیطان کا قابو نہیں رہا۔

رمضان کی پہلی رات میں [اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم انسائوں کی نجات کا طریقہ] نے فرمایا کہ جب ماہِ رمضان کی پہلی شب آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن زنجیروں میں جکڑ دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سبب دروازے بند ہو جاتے ہیں

اور ایک دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور بہشت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ایک بھی دروازہ بند نہیں رہتا۔ پھر منادی پکارتا ہے اے طالب خیر آگے بڑھ اور اے بدکار بازا آ۔ اس میں دوزخ سے آزاد ہونے والے اللہ کے بہتیرے بندے ہیں اور یہ ہزرت کو ہوتا ہے۔ اور اس حدیث کے معنی بھی پہلی حدیث کی تاویل سے معلوم ہو گئے لیکن اس حدیث میں کچھ زیادتی ہے جس کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پکارنے والا رمضان کی راتوں میں پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ اے بھلائی چاہنے والے یہاں آ۔ اور ثواب کی درخواست کر اس وقت کی بزرگی کی وجہ سے تجھ کو تھوڑے عمل سے بہت ثواب ملے گا اور اے بُرائی کے طالب بُرائی کو چھوڑ، کیونکہ رمضان میں گناہ کا عذاب بہت زیادہ ہے اور اللہ کی طرف متوجہ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس مہینہ کی حرمت سے اپنے بہت روزہ دار بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جس نے خالص اللہ کی رضا کے لئے | نے رمضان کے روزے ایمان اور ثواب کے لئے رکھے تو اُس کے روزے نجات کا ذریعہ ہیں جو کچھ پہلے گناہ ہیں سب معاف ہو گئے۔ یعنی جس نے رمضان کے روزے اُس کی حقیقت اور فرعنیت مان کر اللہ کی خوشنودی اور ثواب کے لئے رکھے نہ لوگوں سے ڈر کر اور نہ اُن کی شرما شرمی تو اُس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور یہ نذر رمضان کی راتوں میں ہر شب کو ہوا کرتی ہے۔

اور ابی امامہ باہلی سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن بھی خدا کے واسطے روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ایسی چوڑی خندق بنا دے گا جیسا کہ آسمان اور زمین کا فاصلہ ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جس کے راوی ابو سعید خدری ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ایک دن کا روزہ اللہ کے واسطے رکھا تو اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ سے ستر سال کی راہ پر دود کر دیگا۔ یعنی جس نے ایک روزہ اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کے لئے رکھا اُس کو خدا عذاب دوزخ سے نجات دیگا۔ نجات کو بطور تمثیل بیان کیا ہے تاکہ اظہار مطلب میں زیادہ بلیغ ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص کسی چیز سے استفادہ فاصلہ پر ہو تو وہ چیز اُس تک نہ گزرنے پہنچے گی اور حریمت سے مراد سال ہے۔ جز سال کو ذکر کر کے کل مراد لیا ہے اور دوسری فصلوں کو چھوڑ کر حریمت ہی کو اس لئے ذکر کیا کہ وہ پھلوں کی تیاری اور آسائش کی فراخی کا وقت ہوتا ہے۔

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو نیکیوں پر دس گونہ سے لیکر سات سو گونہ تک ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ کے علاوہ کیونکہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا۔ بندہ میرے ہی لئے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑتا

ہے یعنی ہر عبادت اور نیکی پر بشرطیکہ دکھاوے اور نفاق سے نہ ہو تو کم از کم اس کے کر نیوالے کو دس گونہ ثواب ملے گا۔ بوجہ اس ارشاد الہی کے کہ جو شخص لائے نیکی تو اس کے لئے ہے اس سے دس گونہ اور بعض وقت سات سو تک بڑھا دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ بنا بر اس قول خداوندی کے، "ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں مثل ایک دانہ کے ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ زیادہ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور روزہ کا ثواب تو بے حساب ہے کیونکہ وہ بغیر صبر کے ادا نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ فرما ہے روزہ میں صبر کا انتہائی مقام حاصل ہوتا چکا ہے کہ صبر کر نیوالے دئے جائیں گے اجر اپنا بے حساب ہے اسلئے ثواب بھی بے حساب ہے اور صبر اگرچہ اور عبادتوں میں بھی پایا جاتا ہے لیکن روزہ

میں اور عبادتوں کی طرح نہیں ہے کیونکہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو اللہ کی عبادت پر صبر کرنا۔ دوسرے اللہ کے محارم پر صبر کرنا۔ تیسرے تکلیف اور سختیوں پر صبر کرنا۔ اور یہ تینوں قسمیں روزہ میں پائی جاتی ہیں اسلئے کہ اس میں ان عبادتوں پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے جو روزہ دار پر واجب ہیں اور جو نفسانی خواہشیں حرام ہیں ان پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے اور بھوک اور پیاس اور ضعف جسمانی کی جو تکلیفیں ہوتی ہیں ان پر بھی صبر کرنا ہوتا ہے کیونکہ روزہ داروں کے بدن کو لاغری اور نقصان اور پختہ میں ڈالنے والی چیزیں ہوتی ہیں لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سب کو گوارا کرتا ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ میری خاطر سے اپنی شہوت اور کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے وہاں اسی بات کی طرف اشارہ ہے نیز یہ کہ روزہ دار اپنے آپ کو کھانے اور پینے اور جماع سے روکنے کی وجہ سے صفات الہی کا نمونہ بن جاتا ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ان چیزوں سے بری ہے پس چونکہ روزے میں یہ اوصاف ہیں اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص کیا اور خود اس کے بدلہ دینے کا مشکل ہوا اور کسی اور کے حوالے نہ کیا اور روزہ دار کو اپنی بارگاہ سے اتنا ثواب بخشا کہ جس کی کوئی حد و حساب نہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ روزہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز ہے جس روزہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک وہ خالصاً لوجہ اللہ محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتا ہے راز ہے جسے کراما کا تبین بھی نہیں لکھ سکتے اس کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں کیونکہ روزہ نیت اور باز رہنے کا نام ہے۔ یہاں تک کہ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ کراما کا تبین کو بھی اس کی اطلاع نہیں ہوتی اور نہ وہ اس کو لکھتے ہیں بخلاف اور عبادتوں کے کہ ان کو اللہ کے سوا اور لوگ بھی جانتے ہیں۔ پس چونکہ روزے کی خبر اللہ ہی کو ہے اور کسی کو نہیں اسلئے اللہ نے اس کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا اور خود اس کا بدلہ دینے کا وعدہ کیا کسی دوسرے کے حوالے نہ کیا۔ گویا اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور کسی دوسرے کو اس کی خبر نہیں تو اب میں خود اس کی جزا کا ذمہ دار

ہوں اور نہ کسی پر حوالہ کرتا ہوں اور سخی جب کسی کام کے بارے میں یہ کہے کہ اس کی جزا کا میں خود ذمہ دار ہوں تو یہ امر اس بدلہ کی نہایت عظمت اور بے انتہا کثرت کا منقضی ہے کہ نہ اس کی کوئی حد ہوگی نہ حساب۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار روزہ دار کو دو خوشیاں | کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی روزہ کھولتے وقت دوسری خوشی دیدار الہی کے وقت یعنی روزہ دار کے لئے دو دفعہ خوشی ہوتی ہے اسلئے کہ وزن فرحت خود ایک بار کی خوشی کے لئے موضوع ہے اور فرح سے مشتق ہے جس کے معنی خوشی ہیں۔ اور سرور پروردگار کی ملاقات کے وقت روزے کے اس ثواب پر ہوگا جو خدا کے پاس جمع کیا ہوا پائے گا۔ کیونکہ جس نے اپنا کھانا اور پینا اور شہوت خدا کے واسطے چھوڑ دی خدا اس کو اس کا بدلہ اس سے بہتر عنایت فرمائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو آگے بھیجی تم نے اپنے لئے نیکی تو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ اور نبی علیہ السلام نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جو چیز چھوڑو گے خدا تم کو اس سے بہتر عنایت کرے گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کے واسطے قیامت کے دن عرش کے تلے دسترخوان چنا جائیگا جس پر وہ کھا رہے ہوں گے۔ اور لوگ حساب میں پھنسے ہوں گے انہیں دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ کھانا کھا رہے ہیں اور ہم حساب ہی میں پھنسے ہوئے ہیں تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ یہ لوگ روزہ دار تھے اور تم روزہ نہیں رکھتے تھے۔

اور صحیحین میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام بیان ہے اس دروازے سے صرف روزہ دار لوگ داخل ہوں گے۔ اور روزہ داروں سے وہ لوگ مراد ہیں جو بکثرت روزے رکھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے چونکہ پیاس کی شدت اٹھائی ہے تو اسلئے وہ دروازہ جس میں جنت میں پہنچنے سے پہلے ہی سیرابی اور پیاس سے پناہ ہے انہی کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

اور افطار کے وقت کی خوشی کھانے اور پینے اور جماع کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آدمی کا دل خلقِ ظہر پر کھانے پینے اور جماع کی طرف رغبت کرنے پر مجبور ہے اور جب ان باتوں سے ایک وقت منع کر کے دوسرے وقت اس کی اجازت دی جائے تو اس سے خود بخود خوشی ہوتی ہے خصوصاً جب کہ ٹھوک پیاس کے اثر اور حاجتوں کے تقاضے کی وجہ سے ان امور کی بہت حاجت ہو۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت اسی طرف اشارہ کرتی ہے کہ جب حضور علیہ السلام افطار کرتے تو فرلے پیاس کچھ گئی اور رگیں تازی ہو گئیں اور ثواب قائم ہو گیا انشاء اللہ تعالیٰ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ روزہ دار پر تمام دن کے لئے ان خواہشوں کو پورا کرنا حرام کر دیا ہے لیکن رات کے وقت اپنی خواہش

پوری کرنے کی اجازت ہے۔ بلکہ رات آتے ہی جلد افطار کرنا اور آخر شب تک تاخیر کرنا مستحب قرار
 روزہ جلد افطار کرنا اور سحری | ویسا ہے۔ جیسا کہ ابو ذرؓ کی روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ
 میں تاخیر کرنا مستحب ہے | ”ہمیشہ میری امت جب تک کہ وہ افطار میں عجلت اور سحری میں تاخیر
 کرتی رہیگی بھلائی پر رہے گی۔“ اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ اور اُس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر
 رحمت بھیجتے ہیں۔ اور اللہ کے محبوب تر بندے وہ ہیں جو جلد افطار کرتے ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ
 روزہ دار مومن کی پسندیدہ حالت | روزہ دار اپنی خواہشوں کو تو اللہ کے تقرب اور عبادت کے لئے سچو
 دیتا ہے اور رات کو وہی خواہشیں قرب الہی اور عبادت سمجھ کر ہی پوری کرتا ہے کیونکہ وہ اُن کو خدا ہی
 کے حکم سے چھوڑتا ہے اور اسی کی اجازت سے دوبارہ عمل میں لاتا ہے تو دونوں حال میں فرمانبردار ٹھہرا
 کیونکہ مومن روزہ دار جب یہ جان کر کہ میرے مولا کی خوشی تمام خواہشیں ترک کر دینے میں ہے تو اپنے
 مالک کی خوشی اپنی ہو اور ہوس پر مقدم رکھتا ہے تو گویا اُس کو اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی خواہشوں کے چھوڑ
 دینے میں اُن کے پورا کرنے سے زیادہ مزہ آتا ہے بلکہ اُس کو تنہائی میں اپنی خواہشوں پر عمل کرنا مار
 پٹنے کی تکلیف سے زیادہ بڑا معلوم ہوگا کیونکہ اُس کو یقین ہے کہ میرا روزہ توڑنا میرے مولا کو نا پسند
 ہے پس اُس کو اسی میں لطف آئے گا جس میں اُس کا مالک خوش ہو، اگرچہ وہ کام خود اُس کی خواہش
 کے خلاف ہو اور ہر اُس بات سے اُس کو رنج ہوگا جسے اُس کا مولیٰ پسند نہ کرنا ہو اگرچہ وہ بات خود
 اُس کی خواہش کے موافق ہو۔ توجیب مومن کا یہ حال اُن محرمات میں ہے جو روزہ کے سبب سے
 عارضی طور پر ممنوع ہیں مثلاً کھانا پینا اور جماع کرنا تو چاہئے کہ یہی حالت ان امور میں زیادہ محکم ہو جو
 مطلقاً حرام ہیں مثلاً زنا اور شراب نوشی اور پر ایما مال ناحق کھانا اور کسی کی کسر نشان کرنا یہ سب وہ
 باتیں ہیں جن سے خدا ہمیشہ اور ہر مقام پر ناراض ہے پس جس شخص کا ایمان کامل ہوگا وہ ان سب کو
 چوٹ کھانے کی تکلیف سے بھی زیادہ بدتر جانتا ہے۔ پھر مومن بحالت روزہ جب یہ جان کر کہ میرا روزہ
 روزہ دار ہر وقت مصروف عبادت ہے | ایسا ہے جو میرے حال سے خلوت میں بھی آگاہ ہے اور
 اس نے میرے لئے ان تمام خواہشوں پر کار بند ہونے کو جن کی طبعیت خلقاً مائل ہوتی
 ہے حرام کر دیا ہے اپنے رب کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اُس کے عذاب کے خوف اور ثواب کی رغبت
 سے اُس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور اس کے ممنوعات سے بچتا ہے تو اس سبب سے اُس کا سونا بھی
 عبادت ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کا سونا بھی عبادت ہے۔ ابو العالیہؓ کہتے ہیں کہ
 روزہ دار جب تک غیبت نہ کرے عبادت میں ہے۔ اگرچہ اپنے بستر پر رہا ہو۔ اس بنا پر وہ رات
 دن عبادت ہی میں ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 روزہ دار کے منہ کی بو خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہے | ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو مشک کی خوشبو سے

زیادہ پاکیزہ ہے یعنی خلوف بضم خاء اور یہ اُس بُوکو کہتے ہیں جو روزہ دار کے منہ سے کھانا پانی سے خالی ہونے پر بخارات اُٹھنے پر پیدا ہوتی ہے اور وہ اگرچہ آدمیوں کو ناپسند ہے لیکن اللہ کے نزدیک وہ مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔ کیونکہ اس کا منشاء عبادت الہی ہے اسی واسطے امام شافعیؒ کے نزدیک اس بُوکا باقی رکھنا مستحب اور مسواک سے اُس کا دور کرنا مکروہ ہے بخلاف اُس بوئے دہن کے جو روزہ کے بغیر پیدا ہوتی ہے کہ اس کو مسواک سے دور کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی عبادت اور اُس کی فرمانبرداری کر کے اُس کی خوشی چاہے پس اگر اُس عمل سے کوئی آثار آدمیوں کے خلاف نجات پیدا ہوں تو وہ اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے نزدیک وہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن کو آخرت میں مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ کر دیگا۔ کیونکہ روزہ چونکہ دنیا میں بندہ اور رب کے درمیان ایک راز تھا تو اُس کو خدا تعالیٰ آخرت میں ظاہر کر دیگا اور سب پر کھل جائے گا۔ اور روزہ داروں کی اُس سے تمام لوگوں میں شہرت ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ روزے دار اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے منہ کی بو سے پہچانے جائیں گے کیونکہ اُن کے منہ کی بو مشک سے زیادہ خوشبودار ہوگی۔

اور حاصل یہ ہے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ روزوں کی فضیلت اور روزہ دار کے درجے بیان کریں تو جو چیز آدمیوں کو ناپسند ہے یعنی بوئے دہن اُس کو آپ نے تمام خوشبوؤں میں سے اُس عمدہ ترین خوشبو سے تشبیہ دی جس کی لوگوں کو جستجو اور خواہش ہوتی ہے اور جو سونگھی جاتی ہے اور اس تشبیہ سے مقصود روزہ دار کی تعریف اور اُس کا دل خوش کرنا ہے تاکہ روزہ کی ہمیشگی سے کہ بوئے دہن کا باعث ہے باور نہ رہے اور جبکہ ایک ناپسند چیز کو خوشبو میں سے جس سے لوگوں کو نطف آتا ہے ایک نہایت پاکیزہ خوشبو پر یہ فوقیت دی گئی تو اب سے بڑھ کر آثار کو اسی پر قیاس کر لینا چاہئے) اسی کے ساتھ یہ بھی کہ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت قبول ہوتی ہے جیسا کہ حدیث روزہ دار کی دعا افطار کی وقت قبول ہوتی ہے | میں آیا ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے بشرطیکہ افطار حلال پر ہو کیونکہ جو شخص ان چیزوں سے باز رہ کر روزہ رکھے جو اللہ غیر مقبول روزہ | تعالیٰ نے حلال فرمائی ہیں اور اُس پر افطار کرے جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی ہیں تو اس کی دعا قبول نہ ہوگی اور نہ اس کا روزہ قبول ہوگا۔ کیونکہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور اُس پر عمل کرنا نہ چھوڑے گا تو اللہ کو اُس کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ کھانا اور پینا چھوڑ دے۔ یعنی جو جھوٹ بولنا اور جھوٹے کام نہ چھوڑے گا تو اللہ اُس کے روزے نہ قبول کرے گا اور نہ اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا۔

اسلئے کہ وہ شخص ان چیزوں سے تو باز رہا جو اُس کو بدون روزہ کے حلال تھیں اور ان چیزوں سے

نہ باز رہا جو کسی وقت جائز نہیں ہیں کیونکہ روزہ سے صرف بھوک پیاس مقصود نہیں ہے بلکہ شہوت کا ٹوڑنا اور نفس امارہ کا مغلوب کرنا جو روزہ سے حاصل ہوتا ہے مقصود ہے۔ جب اس میں سے کوئی بات حاصل نہ ہوئی تو پھر کھانا پینا چھوڑنے سے کیا فائدہ۔

اس تقریر کے موافق بنا رہیں کہ کبھی سبب کی نفی سے سبب کی نفی مراد لی جاتی ہے۔ حاجت کی نفی سے روزہ کا قبول نہ ہونا مراد ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ مومن کے لئے ڈھال ہے | فرمایا ہے روزہ ڈھال ہے پس جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو فحش نہ بکے اور نہ چلائے اور اگر اُس کو کوئی گالی دے یا لڑے تو کہدے کہ میں روزہ دار ہوں یعنی روزہ ڈھال ہے۔

چنتہ بضم جیم ڈھال کو کہتے ہیں اور اس کو ڈھال اس لئے ٹھہرایا ہے کہ روزہ دار بذریعہ روزہ کے بسبب کثرتِ ثواب کے آگ سے محفوظ رہتا ہے اور وہ روزوں کے سبب سے گناہوں اور شیطانی وسوسہ سے اپنی حفاظت کرتا ہے کیونکہ خون کے جاری ہونے کے مقامات جو کہ شیطان کا راستہ ہے بند ہو جاتے ہیں کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے پس شہوت ٹوٹ جاتی ہے اور غصہ فرو ہو جاتا ہے۔

لیکن جاننا چاہئے کہ جب طرح ڈھال سے کہ جب تک مضبوط اور بے سوراخ نہ ہو پورا پورا نفع نہیں ہوتا اسی طرح روزہ بھی جب تک کہ وہ خطا اور خلل سے صاف نہ ہو کچھ مفید نہیں کیونکہ اس میں جس قدر خلل ہوگا اسی قدر عمل کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ فرمایا روزہ کی حالت میں فحش اور ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہو تو فحش نہ بکے اور نہ جھگڑا پیو وہ کوئی سے ممانعت کرے۔

اور رفت بیوہ اور اسی جیسی ان باتوں کو کہتے ہیں جو جماع کے متعلق صریح باتیں کہی جائیں جنکو اشارۃً کہنا واجب ہے۔ اور صخب خائے معجم سے چیخنے اور جھگڑا کرنے کو کہتے ہیں۔

اور مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کسی تکرار کے وقت فحش اور بیوہ نہ بکے اور نہ بیوہ باتوں سے اپنی اپنی آواز بلند کرے بلکہ اس کو ضروری ہے کہ تمام گناہوں سے باز رہے صرف کھانے پینے سے نہیں اور اگر اس کو کوئی گالی دے تو اپنے روزہ کی حفاظت کی غرض سے گالی دینے والے کو ستا دے کہ میں روزہ دار ہوں اور یہی قول اس کی گالی کا جواب بنائے اور بعض کہتے ہیں کہ اپنے دل ہی میں کہے یعنی اپنے روزہ دار ہونے کا خیال کرے تاکہ اُس کا نفس بیوہ بات سے باز رہے اور غصہ کو پی جانے پر قوی رہے اور گالی کا بدلہ نہ لے تاکہ اُس کے روزہ کا ثواب سوخت نہ ہو جائے اور نیک عمل کرنے کے باوجود خسار ہوالے لوگ | ان لوگوں میں شامل نہ ہو جائے جن کی نسبت رسول خدا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے روزہ دار ہیں جن کو روزے سے پیاسا رہنے کے سوا کچھ فائدہ نہیں ہے اور بہتر ہے شب بیدار ہیں جن کو شب بیداری سے رات بھر جاگنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اس لئے کہ خدا کی نزدیکی صرف باحاط چھوڑ دینے سے پوری نہیں ہوتی تا وقتیکہ حرام باتوں کو بھی چھوڑ کر اس کی نزدیکی نہ چاہے۔ کیونکہ جو شخص روزہ کے دن کھانا پینا چھوڑ کر حکم خدا بجالائے اُسکو ان چیزوں میں بھی تعمیل ارشاد کرنا چاہئے جو بوقت اُس پر حرام ہیں اور کسی حالت میں اس کو حلال نہیں۔ پس جس شخص نے مرنے سے پہلے ان چیزوں سے منتفع ہونے میں جو اُس پر حرام تھیں عجلت دنیا میں حرام چیزوں سے منتفع کی تو آخرت میں اس کو محرومی اور نہ پانے کا عذاب دیا جائے گا ہو یہ والا آخرت میں محروم رہے گا اور اس قول کا شاہد نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پی لیا وہ آخرت میں نہ پیے گا اور جو شخص دنیا میں حریر پہنے گا وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔

پس اے اللہ کے بندو خداوندی قائم رکھنے میں اللہ سے ڈرو اسلئے کہ بہتر ہے لوگ اس زمانے میں صرف رسم و رواج پر چلتے ہیں جو ایمان کے مطابق ہو اس سے کچھ بخت نہیں ہے۔

سنا بیسویں مجلس اسلام کی مطلوبہ نیت کے بیان میں

رمضان میں روزے اور شب بیداری رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص رمضان سے اگلی خطاؤں کی معافی کے روزے ایمان اور ثواب کے لئے رکھے گا اس کے لگے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو کوئی رمضان میں ایمان اور ثواب کے لئے شب بیداری کرے گا اس کی اگلی سب خطا میں معاف ہو جائیں گی۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی ابو ہریرہؓ ہیں۔ اس حدیث میں دو عبادتوں کا ذکر ہے اور ہر ایک کی ماہ رمضان کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے ایک تو دن کا روزہ ہے دوسرے راتوں کا جاگ کر عبادت کرنا لہذا ان دونوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ اچھا لو سنو! روزہ، اس کی قسمیں اور حکم صوم، لغت میں مطلق روکنے کو کہتے ہیں اور شریعت میں روزہ کی شرعا توڑ دینے والی چیزوں کا کھانا اور پینا اور جماع سے صبح سے غروب آفتاب تک مع نیت کے رہنے کو کہتے ہیں۔ اور روزہ کی تین قسمیں ہیں فرض، واجب اور نفل۔ فرض رمضان کا روزہ خواہ ادا ہو خواہ قضا اور کفارہ کے روزے ہیں۔ اور واجب تذکرہ روزہ ہے خواہ نذر معین ہو یا غیر معین۔ اور ان دونوں کے سوائے باقی سب روزے نفل ہیں۔

اور جو شخص قصداً نفل کو شروع کر لے تو پھر اس کو پورا کرنا ضروری ہے اور اگر توڑ دے گا تو اُس پر قصداً لازم آئے گی اور اُس کا بلا عذر افطار کرنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عمل کا باطل کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

اور مہمان اور میزبان کے لئے مہمانی بھی ایک عذر ہے اور جس نے یہ گمان کر کے کہ میرے ذمے روزہ ہے، روزہ رکھ لیا۔ پھر معلوم ہوا کہ میرے ذمے روزہ نہیں ہے اور اس وجہ سے اُس نے روزہ توڑ ڈالا تو اُس پر کچھ نہیں ہے کیونکہ اُس کو روزہ کا شبہ ہی شبہ تھا اور شبہ کی بنا پر قضا نہیں آتی۔ کیونکہ قضا تو لازم کر لینے سے یا شرع کے لازم کر دینے سے لازم ہوتی ہے۔ اور یہاں اُن میں سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ رمضان کے روزے فرض ہونے کے لئے اسلام اور عاقل اور بالغ ہونا شرط ہے اور رمضان کے روزے کی فرضیت اُس کی ادائیگی کی فرضیت کے لئے تندرستی اور مقیم ہونا شرط ہے اور فرضیت ادائیگی کی شرائط کیونکہ بیمار اور مسافر کے لئے حالت موجودہ میں افطار کر لینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے لیکن مسافر کو روزہ رکھنا افضل ہے اور اُس کی ادائیگی صحیح ہونے کے لئے حیض اور نفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے جنابت سے پاک ہونا شرط نہیں ہے اسلئے کہ اُس کا روزہ ہو جاتا ہے۔ جس کو جنابت کی رات میں صبح ہو جائے یا دن میں سو گیا اور اختلام ہو گیا اور حیض اور نفاس والی کا روزہ جائز نہیں ہے، بلکہ اُن کو افطار کرنا اور پھر قضا کرنا لازم ہے۔ لیکن حیض والی عورت چھپ کر افطار کرے کھلم کھلا نہ کرے۔ اور ایسے ہی جس جس کو افطار کرنا جائز ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ کھائے گا اور اُس کا عذر ظاہر نہ ہو تو لوگوں میں وہ فسق کے ام سے بدنام ہوگا۔ کیونکہ رمضان میں رمضان میں دن کو کھانے پینے کا حکم | دن کو کھانا بھی فسق ہے اور تہمت کے موقع سے بچنا واجب جیسا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص اللہ اور قیامت کے دن کا ایمان رکھتا ہو تو تہمت کی جگہوں پر ہرگز نہ ٹھیرے۔ اور قتادونی بزاز یہ ہیں ہے کہ جو شخص رمضان میں کھلم کھلا قصداً کھائے اُس کے قتل کا حکم دینا چاہئے۔ اسلئے کہ اُس کی یہ حرکت اس کے حلال سمجھنے کی دلیل ہے۔ اور رمضان کے روزے کی نیت | رمضان کے روزے کا رات بھر اور چاشت کے وقت تک نیت کر لینے سے ادا کرنا صحیح ہے اور مطلق نیت سے بھی اور نفل کی نیت سے اور کسی اور واجب کی نیت سے بھی اور ہمارے نزدیک ہر روزے کی نیت ضروری ہے اور تہمیت افضل ہے یعنی روزے کی نیت رات سے کرنا تاکہ روزے کا پہلا حصہ بھی نیت سے گزرے۔ اور نیت یہ ہے کہ دل میں یہ ٹھکانے کہ میں روزہ رکھوں گا۔ اور غروب سے پہلے کی نیت کا کچھ اعتبار نہیں، بلکہ اعتبار اسی نیت کا ہے جو غروب کے بعد ہو۔ یہاں تک کہ اگر اس نے آفتاب ڈوبنے سے پہلے یوں نیت کی کہ میں کل روزہ رکھوں گا پھر کل کے دن دوپہر تک بھول گیا تو اُس کا روزہ درست نہ ہوگا اور اگر سورج

ڈوبنے کے بعد نیت کی ہے تو درست ہو جائے گا۔ اور نذر مطلق رات سے نیت کئے بغیر درست نہیں رمضان کے علاوہ روزوں کی نیت ہے۔ اور نذر معین اور نفل یہ دونوں رمضان کے روزے کی طرح ہیں۔ رات سے دن چڑھے تک کی نیت سے صحیح ہو جاتے ہیں۔ لیکن رات سے نیت کرنی افضل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ پھر جو روزہ کہ بلا رات کی نیت کے ادا نہیں ہوتا اگر اس میں پوچھتے ہی نیت کر لے گا تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ واجب تو یہ ہے کہ نیت روزہ کے ساتھ ساتھ ہو پہلے سے نیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور اگر طلوع صبح صادق کے بعد قضا کی نیت کر لے تو قضا کا نہ ہو گا بلکہ نفل ہو جائے گا اور اب اگر افطار کر ڈلے گا تو اُس کی قضا لازم ہوگی۔

اور اگر کسی شخص پر ایک ہی رمضان کی دو دن کی قضا واجب ہو اور وہ اُن کی قضا رکھنا چاہے تو اُسکو چاہئے کہ اس طرح نیت کرے کہ اس رمضان کا جو پہلا روزہ مجھ پر واجب ہے اُس کی قضا کرتا ہوں۔ اور اگر تعین اول کی نہیں ہے تب بھی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر دو رمضانوں کے ہوں تو اُس کو چاہئے کہ اول رمضان کے روزے کے قضا کی نیت کرے اور اگر معین نہ کرے گا تو اُس میں اختلاف ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ جائز ہے۔ اور جس نے رمضان کا کوئی روزہ قصداً توڑ ڈالا اور اس وجہ سے اُس پر کفارہ واجب ہوا، رمضان کا روزہ قصداً توڑنے کا کفارہ اور وہ مفلس بھی ہے اور اُس نے اکٹھا روزے قضا اور کفارہ کی بابت رکھے اور قضا کا روزہ کوئی معین نہیں رکھا تو جائز ہو جاتے ہیں اور یوں سمجھا جائے گا کہ گویا اُس نے پہلے دن قضا کا روزہ رکھا اور اس کے بعد ساٹھ روزے کفارہ کے رکھے۔

اور کفارہ کا قضا پر مقدم کرنا جائز ہے یا نہیں، سو قاضی امام نے کہا ہے کہ جائز ہے۔ اور کفارہ صرف روزہ رمضان ہی توڑنے سے واجب ہوتا ہے قضا کے فاسد کرنے سے واجب نہیں اور نہ غیر رمضان ادا اور قضا سے۔

اور کفارہ اول ایک غلام کا آزاد کرنا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو دو مہینے کے روزے لگانا رکھنا اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو اس طرح کھلانا کہ ان میں سے ہر ایک کو آدھا آدھا صاع گہوں یا پورا صاع جو دیدے۔

جب یہ ثابت ہو چکا تو اُن چیزوں کا جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور نیز وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اسی طرح وہ باتیں جن سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور وہ باتیں جن سے واجب نہیں ہوتا ہے جانتا ضروری ہے۔ لہذا معلوم ہو کہ جس نے دن کو قصداً جماع کیا یا دوستوں میں سے کسی میں اس کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن سے نہیں اور کب کفارہ ہوگا اور کب صرف قضا اور کب چھپ جانے کے بعد انزال کا ہونا کسی طرف

شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی غذا خواہ دو قصداً کھائے پیئے تو اس پر بھی قضا اور کفارہ لازم ہے۔ ہاں اگر بھول کر کھالے یا پی لے یا جماع کر لے تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ خواہ وہ روزہ فرض ہو تو نفل۔ اور اگر یہ گمان ہو کہ میرا روزہ ٹوٹ گیا اور اس خیال پر اس نے قصداً رمضان میں کھانا کھا لیا تو اب صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں۔ اسی طرح اگر دھوکے سے ٹوٹ گیا جیسا کہ روزہ تو یاد تھا لیکن غرارہ کیا تو پانی حلق میں چلا گیا تو روزہ فاسد ہو گیا اسپر قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔ اور اگر تھوک جو اس کے منہ میں جمع ہو گیا تھا نکل گیا تو روزہ تو نہ ٹوٹے گا لیکن مکروہ ہوگا اور ایسے ہی بلغم کو جو نسر کی طرف سے منہ کو آتا تھا اگر نکل جائے تو روزہ نہ ٹوٹے گا اور اسی طرح اگر منہ میں کٹی کے بعد کچھ تری رہ گئی اس کو تھوک کے ساتھ نکل گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنا دشوار ہے اور ایسے ہی اگر دانتوں میں سے خون نکل کر حلق میں چلا گیا اور وہ اس کو نکل گیا تو اگر تھوک زیادہ تھا اور خون کا مزہ معلوم نہیں ہوا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر خون زائد تھا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور اسپر قضا لازم ہے کفارہ نہیں آتا اور ایسے ہی اگر وہ دونوں برابر ہوں تو بھی احتیاطاً روزہ فاسد ہے اور اگر دانتوں میں کچھ رہ گیا تھا اس کو نکل گیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا بشرطیکہ وہ چیز تھوڑی ہو اسلئے کہ وہ تھوک ہی میں شامل ہے۔ اور اگر زیادہ ہے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی کفارہ نہ لازم آئے گا اور چنے کے برابر اور اس سے زیادہ بہت میں داخل ہے اور اس سے کم قلیل میں شامل ہے اور آنسو اور چہرہ کا پسینہ اگر منہ میں چلا گیا اور یہ اس کو نکل گیا تو اگر تھوڑا جیسے قطرہ دو قطرہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر بہت تھا کہ اس کی شوربت تمام منہ میں معلوم ہو تو روزہ جاتا رہتا ہے اور قضا لازم آتی ہے نہ کفارہ اور ایسے ہی اگر رنگا ہوا ابریشم منہ میں ڈالا اور اس کا رنگ نکل کر تھوک میں مل گیا اور اس کو وہ نکل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم آئے گی کفارہ نہیں اور ایسے ہی اگر ایسی چیز نکل گیا جو عادتہ نہ غذا ہے نہ دوا مثلاً مٹی پتھر وغیرہ تو روزہ جاتا رہے گا اور اسپر قضا لازم آئے گی نہ کفارہ۔

اور قنبلہ میں فقہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ جو شخص رمضان میں مٹی یا کنکر سے گناہ کے طور پر بار بار روزہ توڑے تو اسپر دھمکی کے طور سے کفارہ بھی ہے اور اوروں نے بھی لکھا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور اسی کو تمام دنیا کے علماء نے اختیار کیا ہے۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر پیشہ ور محتاج یہ جانے کہ اگر وہ اپنے پیشہ میں مشغول رہے گا تو اسے ماندگی ہو جائے گی جس کی وجہ سے روزہ توڑ ڈالنا جائز ہے تو بیماری سے پہلے روزہ توڑنا اسپر حرام ہے اور یہ بھی اس میں لکھا ہے کہ نان پز کو یہ جائز نہیں ہے کہ اتنی روٹیاں پکائے جس سے اتنا ضعف ہو جائے کہ جس سے روزہ توڑنا مباح ہو۔ بلکہ آدھے دن پکائے اور آدھے دن آرام کرے اور اسی میں یہ بھی بیان ہے کہ جس نے اپنی جان کسی کام میں اتنی مشقت میں ڈالی کہ اس کو شدت سے پیاس لگ آئی اور روزہ توڑ ڈالا تو اسپر کفارہ لازم ہے کیونکہ یہ مسافر نہیں مریض

ہے بخلاف لونڈی کے کیونکہ لونڈی کو اگر اپنے مالک کے کام کرنے سے ضعف ہو جانے اور اپنی جان کے خوف سے روزہ افطار کر ڈالے تو اُس پر صرف قضا آئے گی کفارہ نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر بی بی ایسی حالت میں افطار کر ڈالے تو اُس پر صرف قضا ہے نہ کفارہ۔ اس لئے کہ اس پر دیانتہ واجب ہے کہ گھر کے اندر کے سب کام کرنا روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ سب کیا کرے یہاں تک کہ اگر انہیں سے کوئی کام نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اسپر قاضی جبر نہ کرے گا۔ اور ایسے ہی غلام یا خادم جو نہر کے بند کرنے یا اُس کے کھودنے یا فیصل کی درستی کے لئے جائے اور اُس پر حاکم کی طرف سے وہ مقرر ہے اور گرمی تیز ہو گئی اور جان جانے کا خوف ہو گیا تو یہ اگر افطار کر ڈالے تو اُس پر قضا لازم ہے نہ کفارہ۔ اور جس نے وہ صورتیں جن میں قضا روزہ توڑنیے صرف قضا آئے گی ہو گیا تو کفارہ اُس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی عورت اگر قضا روزہ توڑ ڈالے اور اس پر کفارہ لازم آئے پھر اسی دن حائضہ ہو جائے تو اُس کے ذمہ سے بھی کفارہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ کفارہ حیض یا بیماری کے آئیے ساقط ہو جاتا ہے اور جس نے دن کے اول وقت میں قضا روزہ توڑ ڈالا حتیٰ کہ کفارہ لازم آیا پھر اپنے اختیار سے اُس نے سفر کیا تو کفارہ اُس سے ساقط نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر بادشاہ نے اُس کو سفر پر مجبور کیا تو ظاہر روایت میں یہی ہے کہ اُس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔

اور جس نے رمضان کے دن میں سفر کیا تو اُس کو جائز نہیں کہ اس دن افطار کرے اسلئے کہ اُس پر وجوب ثابت ہو چکا ہے تو اب وہ اُس کام سے جس کو اُس نے اپنے اختیار سے کیا ہے ساقط نہیں ہوگا۔ اور اگر افطار کر ڈالے تو اُس پر قضا آئے گی نہ کفارہ۔ اور اگر ابھی افطار نہیں کیا تھا کہ اس کو کوئی چیز یاد آئی جو گھر میں بھول آیا ہے۔ پس وہ گھر لوٹ آیا اور کچھ کھا کر روانہ ہوا تو اُس پر قضا اور کفارہ دونوں ہیں کیونکہ کھانے کے وقت وہ مہتمم ہے کیونکہ گھر کی طرف لوٹنے سے اُس کا سفر جاتا رہا اور اگر مسافر کو معلوم ہو جائے کہ آج ہی میں اپنے گھر پہنچ جاؤں گا تو اُس کو افطار کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس روز سفر اور قیام دونوں آئے ہیں لہذا قیام کا پہلو غالب رہے گا۔

اور جبکو قضا آتی ہوگی منہ بھر ہو خواہ کم تو روزہ نہیں جانا فرض ہو یا نفل، کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس کو خود قضا آگئی اس پر قضا نہیں ہے اور اگر آپ سے قضا آئی تو اگر منہ بھرے تو اُس کا روزہ جاتا رہے گا کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے آپ سے قضا کی تو اُس پر قضا ہے اور اگر منہ بھر کے نہ ہو تو بھی امام محمد کے نزدیک ظاہر حدیث کو دیکھتے ہوئے اُس کا روزہ پھر بھی ٹوٹ جاتا ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک روزہ نہیں جاتا۔

اور روزہ دار کو چاہئے کہ استنجے سے طہارت کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے نہ زور سے سانس لے

اور جب تک استنجے کے مقام کو کپڑے سے بخوبی نہ پونچھ لے اُس وقت تک اپنی جگہ سے کھڑا نہ ہوتا کہ پانی اندر جا کر روزہ نہ جاتا رہے۔ کیونکہ جس نے بہت مبالغہ سے استنجا کیا یہاں تک کہ حقنہ کی جگہ پہنچ گیا تو روزہ جاتا رہیگا لیکن کفارہ لازم نہ آئے گا یہ روزے کے احکام ہیں۔

اٹھائیسویں مجلس تراویح کی کیفیت اور اسکی فضیلت کے بیان میں

رمضان کی رات میں قیام سے مراد | رمضان کی راتوں میں قیام سے تمام رات یا رات کے کچھ حصہ میں جاگ کر تراویح پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام صحابہ کو رمضان میں شب بیداری کے لئے ترغیب دیا کرتے تھے لیکن عزیمت کا حکم نہیں فرماتے تھے اور یوں ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کے خاطر جاگتا رہے گا اُس کے سب کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یعنی جو شخص رمضان کی راتوں میں اس کو حق اور سنت سمجھ کر اللہ کی رضا مندی اور ثواب کے غرض سے نہ لوگوں کی مذمت کے خوف یا ان کی شرما شرمی سے نماز پڑھتا رہے گا اُس کے کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور ان دونوں شرطوں سے کوئی عمل خالی نہیں خواہ فرض ہو یا نفل۔ کیونکہ قبول نفل شرط | یہ دونوں پر عمل کے قبول ہونے کے لئے شرط ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بغیر ان کے کوئی عمل قبول نہیں کرتا اور ان دونوں کے بعد ایک شرط اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے موافق ہو اسلئے کہ اگر عمل خلاف سنت ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول نہیں کرے گا۔ اور تراویح تراویح اور اس کی نماز کا حکم | میں سنت یہی بات ہے کہ جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھی جائے۔ لیکن سنت کفایہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر ایک مسجد کے سب لوگ اس کو ترک کر دیں تو سب گنہگار ہوں گے اور تارک سنت سمجھے جائیں گے۔ اور اگر بعض نے جماعت سے مسجد میں پڑھی اور بعض نے گھر میں پڑھی تو یہ نہ آئیو الے فضیلت کے ترک کر نیوالے تو ضرور ہونگے لیکن نہ گنہگار ہوں گے اور نہ تارک سنت۔ کیونکہ بعض صحابہ سے جماعت میں نہ آنا بھی مروی ہے۔

اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ جو شخص تراویح کو جماعت کیساتھ اپنے گھر میں مع رعایت سنت کے ادا کرنے پر قادر ہو تو اُس کو گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ گھر کی جماعت کی اور فضیلت ہے اور مسجد کی جماعت کی اور فضیلت ہے، تو اُس نے ایک فضیلت تو لے لی اور زیادہ فضیلت چھوڑ دی کیونکہ مسجد کی جماعت ترک کی۔ اور خلاصہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہی جواب فرائن میں ہے۔ اور نفس تراویح تو ہر شخص پر سنت ہو کہ وہ ہے خواہ عورت ہو خواہ مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اس وقت تک پچھلے لوگ انکوں سے یہی دیکھتے چلے آتے ہیں اس لئے ان کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

اور اس پر دلیل وہ روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ٹاٹ کا ایک حجرہ بنایا تاکہ اُسکے اندر سنتیں پڑھا کریں۔ اور آپ حجرہ سے نکل کر لوگوں کو جماعت سے تراویح پڑھاتے تھے۔ آپ نے تین رات ایسا ہی کیا۔ جب چوتھی رات ہوئی تو استدر کثرت سے لوگ جمع ہو گئے کہ مسجد میں جگہ باقی نہ رہی جب آپ نے لوگوں کی اتنی رغبت دیکھی تو آپ فرض پڑھ کر حجرہ میں تشریف لے گئے اور پھر نہ نکلے اور یہ لوگ آپ کے آنے کے منتظر بیٹھے رہے اور یہ گمان کیا کہ آپ سو گئے۔ پس کوئی تو کھنکھارنے لگا تاکہ آپ باہر تشریف لائیں۔ اور کوئی کہتا تھا کہ نماز تیار ہے۔ پس آپ باہر نکلے اور فرمایا کہ میں تمہارا یہ شوق برابر دیکھتا رہا حتیٰ کہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ تم پر فرض نہ ہو جائے اور اگر تم پر فرض ہو جائے گی تو ادا نہ کر دو گے۔ پس اے لوگو اپنے اپنے گھروں میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ فرض کے سوا اور نمازیں گھری میں پڑھنا افضل ہیں۔ پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اسی طرح تراویح کا رواج رہا۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کل زمانہ خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع زمانہ خلافت میں یہی حال رہا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں جب یہ دیکھا کہ لوگ مسجد میں الگ الگ تراویح پڑھتے ہیں تو آپ نے یہ حکم دیا کہ جماعت سے پڑھا کرو۔ اور ابی بن کعب اور تمیم داری سے فرمایا کہ تم امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھایا کرو۔ سو ان دونوں نے جماعت سے نماز پڑھائی۔ اور بہت سے اصحاب اس وقت موجود تھے ان میں سے حضرت عثمان اور حضرت علی اور ابن مسعود اور عباس اور طلحہ اور زبیر اور معاذ، ان کے علاوہ اور مہاجرین و انصار موجود تھے اور ان میں سے کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ سجدوں نے ساتھ دیا اور موافقت کی اور اسی کا حکم دیا اور سب اسی طرح پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور آپ کے لئے دعائے خیر کی اور فرمایا کہ "خدا عمر رضی اللہ عنہ کی قبر روشن کرے جیسے کہ انہوں نے ہماری مسجدیں روشن کر دیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے طریقے اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اور تراویح اور تراویح بیس رکعتیں ہیں۔" بیس رکعتیں ہیں اور ان میں سے ہر چار رکعت کو مجازاً ترویج کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کے آخر میں ترویج ہوتا ہے اور یہ بیٹھنے کا نام ہے اور اس کو ترویج اس لئے کہتے ہیں کہ صحابہ ہر چار رکعت کے بعد نماز میں دیر تک قیام کرنے کی وجہ سے آرام کیا کرتے تھے اور ہر ترویج میں دو دو سلام ہیں تو کل دس سلام اور پانچ ترویجے ہوتے اور امام اور مقتدی ائمہ ترویج کے بعد سجا تک المہم سے آخر تک پڑھا کریں۔ اور ہر دو ترویجوں کے درمیان ایک ترویج کے برابر پڑھا کریں۔ اسی طرح دو ترویجوں کا درمیانی وقفہ اور اس کا حکم پانچویں ترویج اور وتر کے درمیان میں۔ کیونکہ صحابہ کے وقت سے آج تک یہی معمول ہے اور انتظار کے وقت میں ان کو اختیار ہے چاہیں سبحان اللہ پڑھیں چاہیں لا الہ الا اللہ پڑھیں اور چاہیں چُپ رہیں۔ ان میں سے جو کام کریں اختیار ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کا

ارشاد ہے کہ نماز کا منتظر گویا نماز ہی میں ہے۔

اور اہل مکہ ہر دو ترویحوں کے درمیان میں بیت اللہ کا سات سات پھرے طواف کرتے تھے اور دو رکعتیں طواف کی پڑھتے تھے اور مدینہ والے اس وقت میں چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ پھر سمجھو کہ تراویح تراویح کا افضل وقت | میں افضل یہ ہے کہ نصف رات ترویحوں اور نمازوں میں گزاروے اور تنہائی رات کے بعد شروع کرنا مستحب ہے۔ اور صبح یہ ہے کہ اس کا وقت بعد عشاء کے آخر شب تک ہے۔

وتر سے پہلے ہو یا پیچھے، کیونکہ تراویح نفلیں ہیں اور بعد فرائض عشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ اور آیا اس کی ضرورت ہے کہ تراویح کے ہر دو گانہ میں نیت کی جائے۔ اس کے متعلق بعض تو کہتے تراویح کی نیت | ہیں کہ ضرورت ہے کیونکہ ہر دو گانہ علیحدہ نماز ہے۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی ضرورت

نہیں اسلئے کہ سب بمنزلہ ایک نماز کے ہے۔ اور اگر فوت ہو جائیں تو مطلقاً قضا نہیں ہے نہ جماعت تراویح کی قضا نہیں | سے نہ بدوں جماعت کے۔ کیونکہ قضا تو فرض ہی کے ساتھ خاص ہے۔ اور جس

عشاء کی نماز تنہا پڑھنے والا | شخص نے عشاء کی نماز تنہا پڑھی اس کو جائز ہے کہ امام کے ساتھ تراویح تراویح جماعت سے پڑھ سکتا | پڑھ لے۔ اور اگر سارے لوگوں نے فرض میں جماعت چھوڑ دی ہے تو

پھر وہ سب تراویح جماعت سے نہ پڑھیں اور جس نے تراویح امام کے ساتھ نہیں پڑھی اس کو جائز ہے کہ وتر جماعت سے پڑھ لے۔ اور اگر تراویح دو اماموں کے پیچھے پڑھی اور ہر امام نے ایک ایک دو گانہ دو اماموں کے تراویح پڑھانے کا طریقہ | پڑھایا تو بعض کہتے ہیں درست ہے اور صحیح یہ ہے کہ مستحب کے

خلاف ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ ہر امام کم از کم ایک ترویج پڑھے۔ جب تراویح کا دو اماموں کیساتھ اس طرح پڑھنا جائز ہو تو یہ نبی جائز ہے کہ ایک امام فرض پڑھائے اور دوسرا تراویح۔ اور امام کو اس زمانہ میں ادنی تراویح میں قرأت کی حد | حد سنت سے زیادہ قرأت کو طول دینا اور ذکر کی اتنی درازی کہ لوگ اگتا جائیں

مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ کام جماعت سے لوگوں کو نفرت دلانے کا سبب ہے اور جماعت سے نفرت دلانا مکروہ ہے۔ لیکن یہ بھی مناسب نہیں کہ سنت کی ادنی مقدار سے بھی قرأت اور تسبیح میں ان کے ملال کے خیال سے کمی کرے کیونکہ اس میں وہ معذور نہیں ہے اور کم سے کم مقدار جس سے تسبیحات رکوع و سجود میں

سنت ادا ہو جاتے تین بار ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس وقت تم میں سے کوئی رکوع کرے تو چاہئے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنی مقدار ہے اور جب سجدہ کرے تو سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہے اور یہ بھی ادنی مقدار ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ حصول سنت کی ادنی مقدار ہے

اسی لئے تین سے گھٹانا مکروہ ہے اور اسی طرح امام کو ایسی جلدی کرنا بھی مکروہ ہے کہ لوگ کم سے کم مقدار سنت رکوع و سجود کی تسبیحات میں پورا کرنے اور قرأت و تشہد کی تکمیل سے عاجز رہیں بلکہ امام تشہد پر کچھ زیادہ کرے اور نبی علیہ السلام پر دو پڑھے بشرطیکہ جانتا ہو کہ جماعت کے لوگوں پر گراں

گذرے گا اور اگر یہ جانے کہ یہ درود ان پر گراں گزریگا تو نہ پڑھے بلکہ چھوڑ دے لیکن بالکل نہ چھوڑ دے بلکہ اس میں اتنا پڑھنے پر اکتفا کرے اللہم صل علی محمد وعلی ال محمد کیونکہ درود اگرچہ ہمارے مذہب میں سنت ہے لیکن وہ امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور اتنی مقدار سے دونوں قول ادا ہو جاتے ہیں۔

اور مقتدی کو یہ مکر وہ ہے کہ تراویح کے وقت بیٹھا رہے اور جب امام رکوع کرنے لگے تو کھڑا ہو کر شامل ہو جائے کیونکہ اس میں نماز میں سستی کا ظاہر کرنا اور منافقوں سے مشابہت ہے حتیٰ نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں توجی ہارے ہوتے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں ایسے ہی جب نیند غلبہ کرے تو اٹنگتے ہوئے نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ اس کو چاہئے کہ چلا جائے اور سورہ ہے۔ جب تک کہ ہوشیار نہ ہو نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ اٹنگتے ہوئے نماز پڑھنے میں سستی اور غفلت اور ترکِ فکر ہے۔ پھر اگر تمام قعدہ میں سوتا رہا تو جب ہوشیار ہو تو اُس پر فرض ہے کہ بقدر تشہد بیٹھا رہے اور اگر اتنی دیر نہ بیٹھا رہیگا تو نماز فاسد ہوگی۔ کیونکہ نیند کی حالت کے افعال بے اختیار سرزد ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں ان کا تو ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں اور یہ مسئلہ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے اور خصوصاً گرمی کی راتوں میں لیکن لوگ اس سے غافل ہیں۔ پھر مقدارِ قرأت میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض تو یہ کہتے تراویح میں مقدارِ قرأت | ہیں کہ ہر دو گانہ میں اتنا پڑھے جتنا مغرب کی نماز میں پڑھا جاتا ہے یعنی قضا و مفصل میں سے پڑھے اور وہ سورہ لم یکن الذین سے لے کر آخر قرآن تک ہے کیونکہ نفل فرضوں سے ہلکے ہوتے ہیں اور اسلئے فرائض میں سب سے ہلکے فرضوں پر قیاس کیا جائے گا اور وہ مغرب ہے۔ اور یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اتنی مقدار سے ختم نہیں ہو سکتا، اور تراویح میں ایک ختم کرنا سنت ہے لوگوں کی سستی کی وجہ سے ختم چھوڑیں نہیں، یہاں تک کہ اگر امام رمضان بھر میں سارا قرآن شریف اس خیال سے کہ لوگ تراویح کی قرأت سے اکتانہ جائیں ختم نہیں کریگا تو ان کو نماز کا ثواب ہوگا اور ختم قرآن کا ثواب نہ ہوگا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانے میں افضل یہ ہے کہ امام لوگوں کی رغبت اور نفرت کے حال کی موافق پڑھے۔ یعنی اتنا ہی پڑھے کہ لوگوں کو جماعت سے نفرت کا موجب نہ ہو۔ کیونکہ جماعت کا بڑھانا قرأت کے بڑھانے سے بہتر ہے لیکن سورہ فاتحہ کے بعد ایک ہی دو آیت پر اکتفا نہ کرے کیونکہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت سورہ فاتحہ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔

اور کتب میں مذکور ہے کہ بعض لوگوں نے سورہ فیل سے آخر قرآن تک دو مرتبہ پڑھنے کی عادت کر لی ہے یہ اس زمانہ میں بہت بہتر ہے۔ چنانچہ بعض مشائخ سے روایت ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں مذکور ہے کہ اگر اپنے زمانہ کے لوگوں کا حال نہ جانے تو وہ جاہل ہے کیونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگوں

کی طبیعتیں سمٹی ہوئی بدشواری طاعت قبول کرنیوالی ہوتی ہیں اگر سیدھی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو اختیار نہیں کرتے اور گمراہی کی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے تراویح کو عادت بنا رکھا ہے نہ کہ عبادت جس سے قرب الہی حاصل کریں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرأت وغیرہ کی تراویح میں شرط کی ہے اس طرح ادا کریں اور اس وجہ سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں جو پورے طور سے رکوع اور سجود اور قومہ اور جلسہ نہیں کرتا اور قرآن کو صاف صاف جیسا کہ خدا کا حکم ہے، نہیں پڑھتا، بلکہ نہایت جلدی کے سبب بعض حروف یا حرکات کے رہ جانے سے کھلا ہوا غلط ہوتا ہے۔ اور فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے کہ غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور فتاویٰ میں مذکور ہے کہ اگر غلط پڑھنا حرام ہے اور غلط خواں امام | امام غلط خواں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی اپنی مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں چلا جائے اور وہ اس سے گنہگار نہ ہوگا کیونکہ اس کا مقصد

پرہیزگار کے پیچھے نماز پڑھنا ہے اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے پرہیزگار عالم کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی پیغمبر کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ کے اس قول میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی عذر سے مسجد محلہ کو چھوڑ دے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بلا عذر مسجد محلہ میں جانا چھوڑ کر اس مسجد کی طرف دوڑتے ہیں جہاں طرح طرح کے راگ اور غلطیاں ہوتی ہیں اور ایسا امام چاہتے ہیں جو ٹھیک طور سے رکوع سجدہ نہیں کرتا اور نہ قرآن کو ٹھیک ٹھیک صحیح طور سے پڑھتا ہے بلکہ بعض اوقات ایسے امام پر اعتراض کرتے ہیں جو پورے طور سے رکوع سجدے کرتا ہے اور قرآن ٹھیک ٹھیک پڑھتا ہے اور اس سے بھاگتے ہیں اور ان لوگوں میں شامل ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دین کو ہنسی کھیل ٹھہرایا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ دیا ہے اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔ اور تراویح میں تعدیل ارکان کی | یہ یقینی ہے کہ جو شخص قومہ اور جلسہ اور اطمینان کو چھوڑ کر جس کی مفاد و خلاف ورزی موجب خسارہ ہے | دونوں میں ایک تسبیح کے برابر مقرر ہے تراویح پڑھے گا تو وہ گنہگار عذاب جہنم کا مستحق ہے کیونکہ یہ سب چیزیں امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہیں یہاں تک کہ ان کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ایک ایک روایت میں واجب ہیں یہاں تک کہ ان کے چھوڑ دینے سے نماز ڈھرا نا واجب ہوتی ہے۔ اور دوسری روایت میں سنت ہے اور اس روایت کے بموجب ان کا ترک کرنے والا حقیقی اور شفاعت سے محرومی کا مستحق ہو کر ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی کوشش دنیا میں اکارت ہوتی اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کو خدا کی طرف سے وہ بات پیش آتی جن کا ان کو گمان نہ ہوتا تھا۔ اور یہ کھلا خسارہ اور بڑا نقصان ہے۔ پھر یہاں ایک نکتہ ہے جس میں تعدیل ارکان میں کوتاہی کی صورتیں اور ان کا گناہ | سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہمیں انصاف اور

حق کی جانب میلان ہو وہ نصیحت حاصل کرے اور وہ یہ ہے کہ تراویح میں رکعتیں ہیں اور ہر رکعت میں ایک قومہ اور ایک جلسہ ہے اور ان دونوں میں اطمینان درکار ہے اور ان میں سے ایک کا چھوڑ دینا بھی گناہ ہے۔ پس اگر دونوں میں سے کسی ایک کی بھی طمانیت جاتی رہی تو شمار میں میں گناہ ہوں گے اور اگر دونوں میں اطمینان نہ ہو تو چالیس گناہ ہوں گے اور اگر وہ دونوں خود بھی چھٹ گئے تو سب گناہ اسی ہوتے اور اگر اس کے ساتھ اظہار کا گناہ بھی ملا لیں تو سب مل کر ایک سو ساٹھ گناہ ہو جائیں گے اور اگر اس کا دوبارہ نہ پڑھنا جو کہ واجب ہے ملا لیا جائے تو سب مجموعہ ایک سو اسی گناہ ہوں گے۔

باوجودیکہ ان مذاکرات کا ترک کرنا اس کا سبب یہی ہو جاتا ہے کہ ذکر انتقالات کے وقت مشروع ہیں وہ تمام انتقال کے بعد کئے جاتیں اور انتقالات کے وقت مقرر کئے ہوئے اذکار کو تمام انتقال کے بعد ملانے میں دو تباہتیں ہیں ایک تو ان کو ان کے موقع پر نہ کرنا دوسرے بے موقع کرنا تو اب ہر رکعت میں چار مکروہ ہوتے اور اس سے چار سنتوں کا ترک لازم آتا ہے کیونکہ جس نے قومہ یا اس کے اطمینان کو چھوڑ دیا تو سمع اللہ من حمدہ اور اللہ اکبر جھکتے وقت واقع ہوگا بلکہ اللہ اکبر سجدہ کے بعد واقع ہوگا۔ اور سنت یہ ہے کہ سمع اللہ من حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت کہے اور اللہ اکبر سجدہ کے لئے جھکتے وقت۔ اسی طرح اگر جلسہ یا اس کا اطمینان چھوڑ دیا جائے تو پہلی تکبیر کا کچھ حصہ جھکتے وقت ادا ہوگا بلکہ دوسری تکبیر کا کچھ حصہ سجدہ میں جانے کے بعد پڑھے گا۔ حالانکہ سنت پہلی تکبیر کا سر اٹھاتے وقت کہنا ہے اور دوسری تکبیر کا جھکتے وقت۔ تو اب مکروہات کا شمار تمام رکعتوں میں اسی ہو جائے گا جس سے اسی سنتوں کا چھوڑنا لازم آئے گا۔ اور جب ان مکروہات کے اظہار کا گناہ بھی اس میں شامل کریں کیونکہ مکروہ کا ظاہر کرنا بھی مکروہ ہے سو اب مجموعہ ایک سو ساٹھ مکروہات اور ایک سو ساٹھ سنتوں کا ترک ہوا۔

کیا وہ عاقلوں میں شمار کیا جاسکتا ہے جو رمضان کی راتوں میں ہر رات ایک سو اسی گناہ اور ایک سو ساٹھ مکروہ کام صرف تراویح میں کرتا ہو اور ایک سو ساٹھ سنت چھوڑتا ہو۔ کیونکہ ہر سنت کے چھوڑنے میں ایک خاص عتاب اور شفاعت سے محرومی ہے۔ پس کیا کوئی عاقل اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اپنے کو رسول رب العالمین کی شفاعت سے محروم کر دے جس کے تمام خالق اللہ حتیٰ کہ انبیاء و اولیاء اور صلحاء امیدوار اور خواستگار ہیں۔

اللہ سے ہماری دعا ہے کہ خدا ہم کو محروم لوگوں میں سے نہ کرے۔

ایسی سوئیں مجلس اسمیں کہ سحری کھائے ہیں پر اور قطار میں جا رہی کرنا افضل ہے

رمضان میں سحری کھانے کا حکم | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سحری کھایا کرو کیونکہ سحری میں بکت ہے۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی حضرت انسؓ ہیں اور اس میں

مخبرین کے نزدیک سحر میں سین کا زبر محفوظ ہے اور وہ اُس کھانے کا نام ہے جو سحر کے وقت جو کہ آخر رات کا وقت ہے کھاتے ہیں۔ یعنی اُس کے آخری چھٹے حصے میں کھایا جاتا ہے۔ سو اس میں ایک مضاف محذوف کی ضرورت ہے اور واقع میں عبارت یوں سمجھنی چاہئے کہ سحر کے کھانے میں برکت ہے۔ کیونکہ برکت اُس کھانے میں نہیں ہے جو کھایا جاتا ہے بلکہ سنت کے ادا کرنے میں ہے اور لفظ "سحر" میں سین کا پیش بھی جائز ہے اور اب یہ صیغہ مصدر کا ہوگا اور اس وقت مضاف کے ماننے کی ضرورت نہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ سحر کے وقت کھانا کھانے میں برکت ہے۔

اور یہاں برکت سے مراد یہ ہے کہ روزہ رکھنے کی قوت زیادہ ہو۔ اور حضرت رسول اللہ کا یہ فرمان کہ دن کے سونے سے نماز کے لئے رات کے جاگنے پر اور سحری کھانے سے دن کے روزہ پر مدد چاہو دلیل ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے آخرت میں ثواب کا زیادہ ملنا مراد ہو اور حضور علیہ السلام کا حضور کہنا امر کا صیغہ ہے اور امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے تو سحری یعنی فجر کے وقت کچھ کھانا مستحب ہوگا اور مسلمانوں اور اہل کتاب کے روزہ | عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں سحری کھانے کا ہی فرق ہے کہ ہمارے روزہ میں اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق صرف سحری

کھانے کا ہے اور آگاہ پیش کے ساتھ لقمہ کو کہتے ہیں یعنی جو لقمہ کہ سحر کے وقت کھایا جاتا ہے یہی ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے رمضان کی راتوں میں ان چیزوں کو حلال کر دیا ہے جو ان پر حرام تھیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اپنے دین کے متغیر ہونے اور اپنی شریعت کے ابتدائے اسلام میں رات کو سونے | بدل جانے سے پیشتر روزوں کی راتوں میں اگر سو جاتے تو کھانا پینا کے بعد کھانا حرام تھا | جماع ان پر حرام ہو جاتا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں بھی حکم تھا بعد

کو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ہم کو جب تک صبح نہ ہو ان چیزوں کی اجازت مل گئی۔ اور اس منسوخ ہونے رات کو کھانے وغیرہ کی ممانعت کی منسوخی کا سبب | کے دو سبب ہیں ایک تو وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے سونے کے بعد جماع کیا پھر اس فعل پر نادم ہوئے اور نبی علیہ السلام کے پاس آکر عذر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ تم کو روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے بے پردہ ملنا حلال کیا گیا ہے۔ اور ان کی لغزش تمام امت کے حق میں رحمت ہو گئی۔

اور دوسری وہ جو قیس ابن حزم سے روایت ہے کہ انہوں نے روزہ رکھا اور افطار کے وقت کوئی چیز نہ پانی جس سے روزہ کھولتے۔ ان کی بیوی کھانے کی تلاش میں گئیں۔ اتنے میں ان پر نپند غالب آئی اور سو گئے۔ بیوی کھانا اُس وقت لائی جب کھانا ان پر حرام ہو گیا اور یہ کھانے کا وقت گزر جانے کے بعد بیدار ہوئے اور کچھ نہ کھایا جب دوسرے دن دوپہر کے وقت ان کو غش آ گیا۔ پیغمبر علیہ السلام نے ان سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے تو انہوں نے سارا قصہ سنایا۔ اُس وقت یہ حکم نازل ہوا کھاؤ اور پیو یہاں

کہ تم کو ظاہر ہو سیاہ دھاری میں سے سفید دھاری فجر کی اور جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کی راتوں میں سونے کے بعد یہ چیزیں حلال کر دیں تو پیغمبر علیہ السلام نے سحری کھانے کی بھی ترغیب دی اور فرمایا کہ سحری کھایا کہ واسلے کہ سحری کھانے میں برکت ہے اور بیان فرمایا کہ ہمارے روزہ اور اہل کتاب کے روزوں میں یہی فرق ہے اور اسی لئے مستحب ہو گیا۔ اور جس کو سحری کھانے کی ضرورت نہ بھی ہو اس کو بھی مستحب ہے کہ کچھ تھوڑا کھالیا کرے اگرچہ ایک چھوہارا یا ایک انجیر یا ایک گھونٹ پانی ہی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل اور سحور کی برکت خیمت جان کر کھائے۔ اور سحری کھانے میں تاخیر کرنا سحری کھانے میں تاخیر مستحب ہے | بھی اس حدیث کی بنا پر مستحب ہے کہ مروی ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تین باتیں پیغمبروں کی عادت ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ اور سحری کھانے میں دیر کرنا اور سواگ کرنا۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ سحری میں تاخیر پیغمبروں کی عادتوں میں سے کیونکر ہو سکتا ہے حالانکہ یہ تو ہجرت امت کے لئے مخصوص ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سحری سے مراد دوبارہ کھانا ہے۔ کیونکہ یہ ان کے حق میں بجائے سحری کھانے کے تھا۔ اور ایک حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہمیشہ میری امت بھلائی پر رہے گی جب تک کہ سحر میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرتی رہے گی۔ لیکن اتنی دیر تاخیر سحری کا صحیح مفہوم نہ کرنی چاہئے کہ صبح ہو جانے کا اندیشہ ہو جائے۔ کیونکہ جب کسی کو صبح ہو جانے کا شک ہو تو بہتر یہ ہے کہ حرام میں مبتلا ہونے سے احتراز کے لئے نہ کھائے اور اگر کھالیا تو روزہ ٹھیک ہی ہوگا کیونکہ اصل تو رات کا باقی رہنا ہے اور شک سے اصلیت نہیں جاتی۔

اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اگر ایسے مقام پر ہو جہاں صبح معلوم ہو جاتی ہے تو شک پر کچھ توجہ نہ کرنی چاہئے اور اگر ایسے مقام پر ہے جہاں فجر صاف معلوم نہیں ہوتی یا چاندنی رات ہو یا بدنی ہو یا اس کی نگاہ میں کچھ فرق ہو تو شک کی صورت میں کھانے سے گنہگار ہوگا۔ کیونکہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے "شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ دو اور اس کو لو جس میں تم کو شک نہیں۔ اور اگر اس کو گمان غالب پر طلوع صبح کا گمان غالب ہو یا یقین ہو | ہو کہ طلوع صبح کے وقت کھایا تھا تو اس میں احتیاط ہے کہ غائب جاتے تو روزہ کی قضا ہوگی | گمان پر عمل کرتے ہوئے اس دن کی قضا رکھ لے کیونکہ جو امور احتیاط پر مبنی ہوتے ہیں ان میں گمان غالب یقین کے مثل ہے لیکن از روئے ظاہر روایت اسپر قضا نہیں ہے کیونکہ یقین یقین کے بغیر نہیں جاتا اور رات کا باقی ہونا اصل ہے۔ اور اگر یہ ظاہر ہو جائے کہ فجر ضرور ہو گئی تھی تو اسپر قضا لازم ہے اور کفارہ اس پر نہیں کیونکہ یہ امر اصل یعنی رات کے باقی رہنے پر مبنی ہے یہ سب تو سحری کے احکام تھے۔ اب رہا افطار سوا اس میں جلدی کرنا مستحب ہے کہ تارے نہ کھانے افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے | سے پہلے ہو۔ کیونکہ اسل بن مسعود سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے

فرمایا ہے کہ لوگ جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ یعنی جتنک لوگ اس نخصت کا خیال رکھیں گے بھلائی پر رہیں گے اور جب اس کو چھوڑ دیں گے تو ان کی بھلائی کم ہو جائے گی۔

کیونکہ سنت تو یہ ہے کہ روزہ دار افطار میں جبکہ ثابت ہو جائے کہ آفتاب ڈوب چکا، نماز سے پہلے جلدی کرے کیونکہ اہل کتاب افطار میں ستارے چھٹکنے تک تاخیر کرتے تھے پھر ہمارے مذہب میں یہ بدعتوں کا شعار اور ان کی علامت ہو گئی اور ان کی مخالفت کے لئے افطار میں جلدی مستحب ہوئی۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندوں میں میرا زیادہ محبوب افطار میں جلدی کرنے والا ہے پس جو شخص افطار میں زیادہ جلدی کرتا ہے وہی اللہ کا زیادہ محبوب ہے کیونکہ وہی نبی کی شریعت کا تھا منہ والا اور مخالف شریعت سے منہ پھیرنے والا ہے نیز یہ کہ جب نماز سے پہلے افطار کر لے گا تو نماز حضور قلب اور اطمینان سے ادا کرے گا پس جس شخص کی یہ حالت ہو وہ اللہ کا اُس شخص سے زیادہ محبوب ہے جس کا یہ حال نہ ہو۔ اور مناسب ہے چھوہارے اور پانی سے روزہ افطار کرنے کی فضیلت

سے افطار کرے مثلاً اپنی پانی پر۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نماز سے پہلے چند تازہ چھوہاروں پر روزہ کھولتے تھے اور اگر یہ بھی نہ ہوتے تو کوئی گھونٹا پانی پی لیتے تھے اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ شجب تم میں سے کوئی افطار کرے تو چھوہارے پر افطار کرے کیونکہ یہ برکت ہے اور اگر نہ ملے تو پانی سے کھول لے کیونکہ یہ پاک ہے۔ اور افطار کے وقت افطار کے وقت دعا کی خصوصی مقبولیت

اپنے بڑے بڑے اہم کاموں کے لئے دعا کرے کیونکہ وہ وقت ایسا ہے جس میں دعا کے قبول ہو جانے کا گمان ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ افطار کے وقت روزہ دار کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب افطار کرتے تو فرماتے خدا میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تجھی پر ایمان لایا اور تیرے ہی رزق پر میں نے روزہ کھولا۔ اور وقت افطار کا وہ ہے جو کہ حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے۔ نبی علیہ السلام افطار کا مستحب وقت

نے فرمایا ہے کہ جب رات یہاں سے شروع ہو اور دن اُس مقام سے چلا جائے اور سورج ڈوب جائے تو یہ روزہ دار کے افطار کا وقت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مقام پر اسم اشارہ لاتے ہیں۔ پہلا اشارہ پورب کی طرف ہے کیونکہ رات کا اندھیرا پہلے پورب ہی سے شروع ہوتا ہے اور ذات مشرق کی طرف سے تاریکی ظاہر ہونے کا نام ہے۔ اور دوسرا اشارہ پچم کی طرف ہے۔ کیونکہ دن کی روشنی جو سورج سے حاصل ہوتی ہے اسی طرف کو جاتی ہے اور دن سورج کے باقی رہنے کا نام ہے اور جب ڈوب جاتے تو دن رخصت ہو جاتا

ہے اور اس بنا پر آفتاب کا چھپ جانا اس قول اور الزہار سے معلوم ہو گیا کیونکہ ادا بار کے معنی چلے جانے کے ہیں اور غربت الشمس کہنے کی حاجت نہ رہی لیکن یہ لفظ کمال غروب کے بیان کرنے کے لئے لائے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ کچھ آفتاب ڈوب جانے پر افطار جائز ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب کا غروب خوب پورا اور کمال ہو جائے تو روزہ دار کے لئے افطار کا وقت آ گیا اب اس کو افطار جائز ہی نہیں بلکہ جلدی کرنا مستحب ہے لیکن ابر کے دن جلدی مستحب نہیں بلکہ جب تک غروب کا غالب گمان نہ ہو جائے، افطار نہیں کرنا چاہئے۔ اگرچہ مغرب کی اذان ہو چکی ہو اور آفتاب کے ڈوبنے میں شک ہو تو افطار جائز نہیں کیونکہ دن کا باقی رہنا اصل ہے۔ اور اگر روزہ کھول ڈالا تو قضا رکھنی ہو گی خصوصاً جبکہ افطار کرنے غلطی سے قبل از غروب روزہ | وقت غالب رائے یہی ہو کہ میں نے قبل از غروب افطار کر لیا ہے تو کھولنے پر قضا واجب ہے | اصل یعنی دن کے باقی رہنے پر عمل کرتے ہوئے قضا واجب ہو گی،

بخلاف سحری کھانے کے کیونکہ وہاں تو رات کا باقی رہنا اصل ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو سزاوار ہے کہ باعتبار اصل یعنی دن کے باقی رہنے کے کفارہ واجب ہو اور جس نے صو کے سے روزہ کھول ڈالا یا گمان کی بنا پر تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس کو پھر بھی شام تک رکا رہنا لازم ہے۔ ایسی صورت میں قضا تو واجب ہے لیکن نہ کفارہ واجب ہے اور نہ گنہگار ہوتا ہے۔ روزہ تو اس سبب سے فاسد ہو جاتا ہے کہ غلطی سے ایک رکن سے جس سے بچنا ممکن تھا تو ہو گیا اور بقیہ دن فاقہ سے رہنا اس لئے ہے کہ بقدر امکان وقت کا حق ادا کر دے اور اپنے ذمہ سے تہمت دفع کر دے اس لئے کہ اگر بغیر عذر کچھ کھا لے گا تو لوگوں کے نزدیک اسپرستی کی تہمت لگے گی اور تہمت کی جگہ سے بچنا واجب ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو تو تہمت کی جگہ وہ ہرگز نہ کھڑا ہو۔ اور قضا اس واسطے واجب ہے کہ روزہ قضا کے وجوب اور کفارہ کے عدم وجوب کی دلیل | شریعت میں ایک ایسا حق ہے جس کا فوت ہونے کی صورت میں اسی طرح روزہ سے فوت کنندہ کے ذمے ادا کرنا ضروری ہے۔ اس بنا پر اگر فوت ہو جائے گا تو قضا واجب ہوگی اور کفارہ اس لئے واجب نہیں کہ خطا کم ہے پوری نہیں ہے کیونکہ بلا قصد ہے اور جب قصد نہیں پایا گیا تو گناہ بھی نہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر سے روایت ہے کہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رمضان میں مسجد کوفہ کے صحن میں شام کے وقت بیٹھے تھے۔ اتنے میں دودھ کا پیالہ آیا پس آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے پیا اور مؤذن کو اذان کا حکم دیا جب مؤذن جائے اذان پر چڑھا تو اس نے آفتاب کو دیکھا اور کہا اے امیر المؤمنین آفتاب تو یہ موجود ہے۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہم نے تجھ کو اذان کہنے کے لئے بھیجا ہے نہ کہ گہبانی کے لئے، ہم نے گناہ کا ارادہ نہیں کیا اس کی جگہ ہم کسی دن قضا رکھ لیں گے ہم پر ایک دن کی قضا آسان ہے۔

تو یہ حدیث قضا کے لازم ہونے اور کفارہ اور گناہ کے لازم نہ ہونے دلالت کرتی ہے اسلئے کہ ان کا یہ قول کہ ہم نے کسی گناہ کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے گناہ کی طرف رغبت نہیں کی اور نہ اس فعل سے گناہ کرنے کا ہمارا ارادہ تھا۔ اور ایسے ہی جو شخص دن میں کسی وقت روزہ کے قابل ہوا اور شروع دن میں کسی وقت روزہ کے قابل ہونے والے کا حکم میں ایسا نہیں تھا تو اس کو باقی دن بے دانہ پانی رہنا چاہئے جیسے کوئی کافر مسلمان ہو یا لڑکا بالغ ہو یا دیوانہ اچھا ہو گیا یا مسافر گھر پہنچ گیا یا بیمار اچھا ہو گیا یا حیض و نفاس والی پاک ہو گئی تو ان میں سے ہر ایک کو باقی دن روزہ داروں کی مشابہت کے لئے رُکنا رہنا چاہئے اور اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص دن میں کسی وقت ایسی حالت میں ہو جائے کہ اگر دن کے شروع میں ہوتا تو اسپر روزہ فرض ہوتا تو ایسے شخص کو رُکنا لازم ہے۔ اور جو شخص روزہ کے قابل نہیں دن میں اس کو رُکنا واجب نہیں مثلاً کوئی مریض ہو یا مسافر میں اس کے کھانے پینے کا حکم ہو یا کوئی عورت حیض و نفاس والی ہو ان پر اس سبب سے کہ روزہ کا مانع یعنی ان عذروں کا ان میں پایا جانا موجود ہے رُکنا واجب نہیں کیونکہ یہ امور جس طرح روزہ سے مانع ہیں ایسے ہی روزہ داروں کی مشابہت سے بھی مانع ہیں۔ حیض و نفاس والی عورت کو تو اس لئے کہ ان دونوں پر روزہ حرام ہے اور حرام کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے اور مریض اور مسافر کو اس لئے کہ حرج کی وجہ سے ان کو اجازت ہوتی ہے اگر ہم ان پر مشابہت لازم کر دیں تو پھر حرج ہو جائے گا۔

مگر ہاں حائض اور ہر وہ شخص جس کو افطار جائز ہے چھپ کر کھائے علانیہ نہ کھائے لیکن اگر عذر ظاہر ہو مثلاً بیماری یا سفر اور نفاس تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اگر بغیر ظہور عذر کھایا تو لوگ فسق کی تہمت لگائیں گے کہ رمضان میں دن کو کھاتا ہے اور تہمت کے موقع سے بچنا واجب ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا پھر بیمار کی قسمیں اور سفر کا حکم | جانا چاہئے کہ بیمار دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جس کو روزہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے اور ایک وہ جس کو روزہ مضر ہے اور اسی کو روزہ نہ رکھنا معاف ہے اس واسطے کہ اجازت کو صرف نفس بیماری سے تعلق نہیں ہے بلکہ مشقت کی وجہ سے ہے پس مشقت کا معلوم کرنا ضروری ہے اور اس کی شناخت کبھی تو خود بیمار کے اجتہاد پر ہے کہ وہ اپنی حالت کا اندازہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لے کہ اگر میں روزہ رکھوں گا تو میری تکلیف اور درد بڑھ جائے گا اور کبھی مسلمان عادل طیب حاذق کے کہنے سے شناخت ہوتی ہے۔ فاسق طیب کا اعتبار نہیں کیونکہ فاسق کی خبر دینی باتوں میں مردود ہے مقبول نہیں، بخلاف سفر کے کہ سفر میں اجازت خود سفر ہی سے متعلق ہے کیونکہ سفر کبھی تکلیف سے نکلتا ہے ہوتا پس سفر کو اس کے قائم مقام ٹھہرا کر اسی پر حکم دیا۔

تیسویں مجلس اس شخص کے گناہ کے بیان میں جو رمضان کا کوئی روزہ اس طرح توڑ دے کہ کفارہ واجب نہ سمجھائے

بلا اجازت شرعی روزہ توڑنے پر وعید | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بلا اجازت شرعی اور بغیر کسی مرض کے توڑ ڈالا تو اس کے عوض میں تمام عمر کے روزے بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے جس کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور یہ حدیث اس گناہ سے جو ایسا فعل کرنے سے ہوتا ہے اور اس ثواب سے جو جاتا رہا ڈرانے اور خوف دلانے کے طور پر آتی ہے کیونکہ فرض روزے کی فضیلت تمام عمر کے نفل روزوں سے بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ مطلب رمضان کا روزہ توڑنے کی | نہیں ہے کہ اگر رمضان کے ایک روزے کے بدلے قضا کی نیت سے قضا اور کفارہ کا وجوب | تمام عمر روزے رکھے تو بھی اس کی قضا ادا نہ ہوگی کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ ایک دن کی قضا اس کے لئے کافی ہے۔ یا تو کفارے کے ساتھ اگر روزہ اس طرح ٹوٹا ہو کہ کفارہ واجب ہو مثلاً غذا اور دوا سے یا بغیر کفارے کے اگر ایسی چیز سے توڑا جس میں کفارہ واجب نہیں ہوتا یعنی غذا اور دوا نہ ہو جو روزہ کی توڑنے والی ہیں۔ اس بیان کی رو سے دھواں یعنی حقہ جو

حقہ کے احکام

حقہ پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے | اس زمانے میں کفارہ دشمنان اسلام کی طرف سے پیدا ہوا ہے اور جس میں ساری خلقت خاص و عام سب بنتلا ہو رہے ہیں آیا روزہ فاسد کرتا ہے یا نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کا قول عام کتابوں میں اگرچہ یہی صریح ہے کہ مطلق دھواں اگر حلق میں اتر جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اس کی علت میں یہ کہا ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں کیونکہ روزہ دہاں کو بولنے کے وقت منہ کھولے بغیر چارہ نہیں تو دھواں منہ میں گھس جائیگا اور قیاس یہ ہے کہ روزہ جانا رہے گا کیونکہ افطار کر نیوالی چیز پیٹ میں خود اس کے فعل سے گئی ہے اور غذا نہ ہونا فساد کے خلاف نہیں جیسے کہ مٹی اور کنکر۔ اور اس دلیل سے لازم آتا ہے کہ حقہ سے روزہ ٹوٹ جایا کرے کیونکہ وہ خود اسی کے فعل سے پیٹ میں جاتا ہے۔ اور اس کی دلیل قاضی خاں کا وہ قول ہے جو اپنے فتاویٰ میں حقہ سے روزہ ٹوٹنے کی دلیل | کہا ہے کہ اگر اپنے کان میں پانی ڈالے تو اس کے حکم میں اختلاف ہے اور روزہ کا ٹوٹ جانا ہی صحیح ہے۔ کیونکہ اسی کے فعل سے پیٹ میں جاتا ہے۔ اب دیکھو کہ اپنے

فعل سے اندر پہنچنا روزہ ٹوٹنے کے لئے کیسا اعتبار کیا گیا ہے اور اگر نہاتے ہوئے کان میں پانی چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ روزہ ٹوٹنے میں اپنے فعل کو بڑا دخل ہے۔ بلکہ اگر حقہ نوشوں کے رمضان کے روزہ میں حقہ نوشی پر کفارہ واجب ہے | اس دعویٰ کو خیال کرو کہ حقہ دواسے تو اس سے لازم آتا ہے کہ کفارہ واجب ہو کیونکہ کفارہ واجب ہونے کا یہ قاعدہ ہے کہ غذا یا دوا پیٹ میں معمولی راہ سے رمضان میں دن کو قصداً چلی جائے اور یہ بات اُن کے دعویٰ کے سچ ہونے کی تقریر پر حقہ میں موجود ہے۔ پھر یہ بات کہ حالت روزہ کے علاوہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں اس میں بہت اقوال حالت روزہ کے علاوہ حقہ کے استعمال کا حکم | ہیں اور سچی بات جو قابل اعتماد ہے یہ ہے کہ جو اختیاری کام آدمی کرتا ہے اگر اس میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ نہ ہو تو وہ کام عبث و لعب و لہو میں داخل ہے اور لغت کی کتابوں میں ان تینوں باتوں کا کوئی فرق نہیں کیا ہے لیکن ان میں فرق ہونا ضرور ہے کیونکہ قرآن میں ایک کو ایک پر عطف کیا ہے اور وہ فرق علماء کے بیان کی رو سے جو ماننے کے قابل ہے یہ ہے کہ عبث تو وہ کام ہے جس میں نہ کوئی لذت ہو اور نہ کوئی فائدہ اور جس کام میں لذت ہو اور فائدہ نہ ہو وہ لعب ہے اور ویسے ہی لہو ہے لیکن اس میں حظ نفس اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ اُس کی دھن میں ضروری کام بھول جانا ہے اور سب حرام ہیں کیونکہ قرآن میں اُن کا ذکر صرف برائی کے ساتھ ہے سو جب لعب اور لہو اور عبث کی حرمت معلوم ہوتی تو حقہ پینے کی حرمت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ وہ لعب میں داخل ہے یا لہو میں یا عبث میں بلکہ اس کو عبث سے زیادہ مناسبت ہے کیونکہ لذت سے خالی ہے جو لعب اور لہو میں ہوتی ہے ہاں شاید بعضے حقہ نوشوں کو شیطانی آراستگی سے لذت حاصل ہوتی ہوگی۔ پس اس صورت میں لعب اور لہو میں داخل ہوگا لیکن اس میں فائدہ کچھ بھی نہیں نہ دینی فائدہ اور نہ ظاہری ہے اور نہ دنیاوی فائدہ کیونکہ نہ اس میں غذا کی صلاحیت ہے نہ دوا کی بلکہ مضر ہے کیونکہ تمام اطباء کا اتفاق ہے کہ حقہ کی ضرر سانی میں اطباء کے اقوال | مطلق دھواں مضر ہے۔

این سینا کہتا ہے کہ "اگر دھواں اور دھول نہ ہوتی تو آدمی ہزار برس جیتا۔"

اور جالینوس کہتا ہے کہ تین چیزوں سے بچتے رہو اور چار چیزوں کو ضروری جانو تو تم کو طبیب کی ضرورت نہ ہوگی دھویں اور غبار اور بدبو سے بچتے رہو، اور چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو ضروری جانو۔

اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کے دھویں اپنے جوہر ارضی کی وجہ سے مجفّف ہیں اور کسی قدر اس میں آگ کا اثر بھی ہے بعضے فاضل کہتے ہیں کہ جب دھواں مجفّف یعنی خشک کر نیوالی چیز ہے تو بدن کی رطوبت کو بھی خشک کر کے بہتیری بیماریاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا اس لئے اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ اپنی جان کو نقصان سے بچانا ضروری ہے۔

اور نصاب الاحتساب میں لکھا ہے کہ مضر چیز کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ بعض طبیب ایک اعتراض کا جواب بعض اوقات دھویں کے بعض اقسام سے بعض بیماریوں کا علاج کرتے ہیں اور اس کا نفع مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے پس ہر قسم کے دھویں کے استعمال سے منع کرنا کیونکر درست ہے تو جواب یہ ہے کہ طبیب دھویں سے تھوڑی دیر علاج کرتے ہیں ہمیشہ نہیں کرتے کہ خشکی پیدا ہو سکے اور اگر یہ شبہ ہو کہ خشکی بلغمی مزاج کو نقصان نہیں کیونکہ اس میں رطوبت بہت ہوتی ہے اور خشکی سے بلغمی مزاج کو فائدہ ہوتا ہے تو ایسی حالت میں ممانعت کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دھویں سے فائدہ ہونے کی حد معلوم نہیں لہذا اس کی شناخت کے لئے کوئی طبیب حافظ جو مزاجوں سے واقف اور اس مقدار کو بھی جانتا ہو جو نافع ہو درکار ہے ورنہ سلامتی اور عدم سلامتی میں شک ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ کرنا جائز نہیں۔ عادل لوگ جنہوں نے اس کو استعمال کیا ہے اس کے بارے حقتہ کے ضرر پر عادل لوگوں کی شہادت میں مختلف ہیں۔ بعض تو اس کے نقصان کے قائل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں کوئی ضرر نہیں ہے اور بعضوں کو شک ہے۔ لیکن فریق غالب جن کی بات حق سے قریب تر ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ حقتہ سے شروع میں تو جسم میں قوت اور نگاہ میں تیزی پیدا پیدا ہوتی ہے اور کھانے کا ہاضمہ اور بدن میں سرور معلوم ہوتا ہے لیکن جب مداومت ہو جاتی ہے تو بنیائی میں دھندلا پن اور اعضاء میں گرانی اور ہاضمہ میں فتور اور بدن میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ دھواں بقول اطباء خشکی کرتا ہے پس ابتداء میں تو وہ اثر ہوتا ہے جو پہلے انہوں نے بیان کیا اور انتہا میں وہ جو دوبارہ بیان کیا۔ علاوہ اس کے اگر فائدہ ثابت بھی ہو جب بھی نفع ثابت ہو چکے حقتہ کی ممانعت کی دلیل کے بعد اس کی ممانعت ہے کیونکہ حقتہ اس صورت میں دوا ہے اور دوا کا اثر بیماری کے بعد جائز نہیں اسلئے کہ دوا اگر بدن میں بیماری کو نہیں پاتی ہے جس کو دفع کرے تو خود بدن میں اثر کرتی ہے جس سے نقصان ہوتا ہے اور جس چیز سے نقصان پہنچتا ہو اس کے استعمال کی ممانعت ہے اگرچہ اس میں کچھ فائدہ بھی ہو۔ دیکھتے نہیں ہو کہ شراب جو صریح آیت سے حرام ہے خود قرآن میں اس کے نفع کی خبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو ان میں بڑا گناہ ہے اور کچھ فائدے بھی لوگوں کو ہیں۔ لیکن نفع کی جانب سے اگر نقصان حقتہ کی ممانعت میں فقہاء کی دلیل کی جانب متقابل ہو تو نقصان کے پہلو کا زیادہ خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کسی چیز میں حلال اور جائز ہونے کی موجب کئی وجہیں پائی جاتی ہوں اور ناجائز و حرام ہونے کی موجب صرف ایک وجہ ہو تو احتیاطاً حرام ہی کے پہلو کو ترجیح ہوگی۔ اگر کوئی ایک اعتراض کا جواب یہ اعتراض کرے کہ حقتہ کے استعمال کر نیوالے تو کہتے ہیں کہ حقتہ پینے کے بعد ان کو بدن ہلکا معلوم ہوتا ہے پھر یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اس میں فائدہ نہیں۔ اس کا جواب بعض ان

لوگوں کے بیان کے موافق جنہوں نے اس کے نفع و نقصان کے تجربہ کیلئے پیاسے یہ ہے کہ حقہ پینے والوں کو پینے وقت سخت تکلیف ہوتی ہے اور اس سے فراغت کے بعد اس تکلیف سے نجات پاتے ہیں۔ اور ایک طرح کی راحت ملتی ہے تو یہ بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راحت حقہ پینے کی وجہ سے ملی ہے اور یہ نہیں جانتے کہ یہ آرام حقہ موقوف کرنے سے ملا ہے۔ پھر ہمارے پاس چیزوں کی حرمت اور اباحت چیزوں کی حرمت و اباحت کا عمدہ طریق | معلوم کرنے کا ایک اور عمدہ طریق ہے جو اصول سے مشغول ہے وہ یہ ہے کہ حق یوں ہے کہ بعثت سے پہلے اشیاء کا کوئی حکم حلال و حرام کا نہیں اور بعثت کے بعد اس میں علماء کا نین قول پر اختلاف ہوا ہے۔

اول :- یہ کہ تمام چیزیں حرام ہیں البتہ وہ چیزیں جن کی حلت کسی دلیل شرعی سے معلوم ہو جائے اور دوسرا :- قول یہ ہے کہ تمام چیزیں حلال ہیں سوا ان چیزوں کے جن کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی دلالت کرے۔ اور

تیسرا قول اور یہی صحیح بھی ہے یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ تمام مضر چیزیں تو حرام ہیں یعنی اصل ان میں حرمت ہے اور تمام مفید چیزیں حلال ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے۔" پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت احسان جتانے کے مقام پر بیان کی ہے اور جائز منفعوں کے سوا کسی چیز کا احسان نہیں بتایا جاتا پس گویا کہ یوں کہا گیا ہے کہ وہ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لئے تمام منفعت کی چیزیں زمین میں پیدا کیں تاکہ تم ان سے فائدہ اٹھاؤ۔

اور اسی تیسرے قول کی رو سے جو صحیح ہے حقہ کا حکم بھی نکلتا ہے کہ اگر حقہ مفید ہوتا تو اس میں اصل جو ہوتا لیکن حاذق طبیبوں کے بیان سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مضر ہے اگرچہ انجام ہی میں ہی۔ پس اصل حقہ میں حرمت ہی ہے بلکہ اگر نقصان میں شک بھی ہوتا تو بھی حرمت کا پہلو غالب ہوتا۔ چنانچہ یہی قاعدہ شرعیہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص مشتبہات سے بچتا رہا اس نے اپنا دین اور آبرو محفوظ رکھی اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا جیسے چوپایہ کا کھیت کے گر و چرنے کی حالت میں خود کھیت میں چلا جانا بہت ممکن ہے، علماء کا ان مشتبہات کے مشتبہات کا حکم | حکم میں اختلاف ہے۔

بعض اس کی حرمت کے قائل ہیں کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے "جو شخص نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم اس پر مشتبہ ہے اور جس کا حال منکشف نہیں اس کا دین خراب اور ناقص کر نیوالی چیزوں سے اور اس کی جان عیب اور ملامت کی چیزوں سے سالم رہی اور جس نے اسکو

نہ چھوڑا بلکہ گزرا وہ حرام میں پھنسا۔
 اور حقہ بھی اسی قبیل سے ہے جس کا حکم مشتبیہ ہے اور اس کا حکم صاف طور پر معلوم نہیں ہوا پس جس نے
 اس کو چھوڑ دیا اور استعمال نہ کیا تو اس کا دین فساد اور نقصان کے محفوظ اور خلقت میں عیب اور ملامت
 سے بری رہیگا اور جس نے اس کو ترک نہ کیا بلکہ پتیارہا وہ حرام میں پھنس جائے گا۔
 اور بعض علماء شتہات کی کراہیت کے قائل ہیں کیونکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے پیغمبر علیہ السلام
 نے فرمایا ہے کہ تین قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جس کی خوبی تجھ کو معلوم ہو چکی ہو اس کو تو اختیار کیجیو اور
 ایک وہ جس کا عیب تجھ کو معلوم ہو گیا اس سے پرہیز کیجیو اور ایک وہ جس میں اختلاف پڑا ہو تو اس
 مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کی طرف رغبت کرو۔

اور کوئی شک نہیں کہ حقہ کا حال بھی ایسا ہی ہے جس نے شک اور پریشانی میں ڈال رکھا ہے اور کم از کم
 اس کا مرتبہ کراہت کا ہے۔ اور اکثر حقہ نوشوں کی اس دلیل سے کہ حقہ ہر مرض کی دوا ہے اور انہوں نے
 حقہ پینے کے مفاسد اس کے استعمال سے بہتیری بیماریوں کی دوا پائی اس کو جائز نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ
 شیطانی دھوکا اور شیطان کی بناوٹ ہے تاکہ دھواں جتنے جتنے دوا کی حد سے نکل کر آخر کو خود بیماری بن
 جائے کیونکہ حقہ کا بار بار پینا اس مقام کو سیاہ کر دیتا ہے جس سے دھواں لگتا ہے اور پھر اس سے گرمی
 پیدا ہو کر رفتہ رفتہ بجائے شفا کے بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ نیز ان کے دعویٰ کے موافق لازم آتا ہے
 کہ تمام حقہ پینے والے بیماری ہوں اور ان کی بیماری چاروں فصلوں میں ایک ہی قسم کی ہو اور ان کا
 علاج بھی چاروں فصلوں میں ایک ہی طریقہ سے ہو اور اس کا باطل ہونا کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے
 نیز یہ کہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے کیونکہ گراں قیمت سے خرید جاتا ہے اس وجہ سے اسراف میں
 داخل ہوگا جو حرام ہے اس کے ساتھ ہی اس میں بدبو بھی ہے جس سے حقہ نہ پینے والوں کو تکلیف ہوتی
 ہے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "کل ایذا دینے والے دوزخی ہیں" اور کناسی کا قول ہے
 کہ بونے بدنہنوں کو جلاتی اور دماغ میں پہنچتی اور آدمی کو تکلیف دیتی ہے۔ اسی واسطے پیغمبر صلی اللہ
 حقہ اور بدبو دار چیز استعمال کرنے کا حکم علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس شخص نے اس دینت میں سے
 کچھ کھایا ہے وہ ہماری مسجد کے پاس بھی نہ آئے کہ اس کی بدبو ہم کو تکلیف پہنچائے" اور حضور کی اس
 علت کو بیان کر دینے کی وجہ سے ہذہ الشجرۃ سے تمام ایسی چیزیں مراد ہوں گی جن میں بدبو ہو اور جن
 سے انسان کو تکلیف ہوتی ہو۔

اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کھائے جس میں بدبو ہو اور انسان کو اس سے تکلیف ہوتی
 ہو تو ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ اس کی بدبو سے ہم کو تکلیف پہنچے گی۔
 اور صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جب کسی شخص سے مسجد میں لہسن یا پیاز کی بو پاتے تھے

تو اس کو بقیع کی طرف نکال دینے کا حکم فرماتے تھے۔ اسی لئے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس ایسی بدبو پائی جائے جس سے آدمی کو تکلیف ہو اس کو مسجد سے نکال دینا ضروری ہے اگرچہ ہاتھ پیر گھسیٹ کر نکالا جائے لیکن ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ کر نکالنا نہیں چاہئے۔ اس بنا پر اس زمانے کے اکثر مؤذنون اور اماموں کو مسجد سے نکال دینا لازم ہے کیونکہ حقہ کی مداومت سے ان کے پاس بدبو پائی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ لوگ جامع مسجد کے اندر ہی پیتے ہیں اور اس وقت ان کے حق میں اس کی کراہت بہت سخت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔

اور بعض علمائے مالکیہ نے ملک حجاز میں حقہ کے متعلق ایک سوال کا یہ جواب لکھا ہے کہ حقہ کا استعمال کرنا حرام ہے جیسا کہ اس کی اصل لکڑی اور آگ کا استعمال حرام ہے کیونکہ دھواں لکڑی کے اجزاء اور آگ کے اجزاء سے مرکب ہے۔ لہذا ان اجزائے ناری کے اعتبار سے جو دھوئیں میں پائے جاتے ہیں حقہ کا استعمال حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں" یہ آیت آگ کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے اس سبب سے دھواں بھی جو اس سے پیدا ہوتا ہے حرام ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے خود دھوئیں کو بھی عذاب کی چیزوں سے مقرر کیا ہے۔ چنانچہ یونس کی قوم کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب ایمان لائے تو ہم نے دنیا میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور جو عذاب ان سے دور ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا۔ اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے "اور اس دن کا منتظر رہ جب کہ آسمان پر دھواں آئے گا جو لوگوں کو ڈھانک لے گا اور یہ دردناک عذاب ہے"۔

اور دھوئیں سے جو اس آیت میں مذکور ہے ایک قول کے اعتبار سے اس کے حقیقی مراد ہیں اور اس قول کے موافق آیت کی عبارت میں دھوئیں کے دردناک عذاب ہونے کی تصریح ہے اور جس چیز سے عذاب دیا جائے اس کا استعمال حرام ہے کیونکہ تمام فقہاء عذاب کے مقام سے بھاگ جانے کے وجوب پر متفق ہیں جیسے لطن محسوس سے اسم فاعل کے وزن پر، جو ایک واہی کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا۔ اور جب عذاب کی جگہ سے بھاگنا واجب ہوا تو جس چیز سے عذاب ہو اس سے بھاگنا بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔

نیز یہ کہ حقہ پینے والوں کو تم دیکھتے ہو کہ ان کے حلق اور ناک سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دو چیزیں اور ان شریروں سے جو آخر زمانے میں ہلاک کئے جائیں گے مشابہت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "آخر زمانے میں ایسا دھواں پیدا ہوگا جو تمام زمین میں بھرجائے گا اور لوگوں پر چالیس روز تک قائم رہے گا۔ ایمانداروں پر تو اتنا ہی اثر کرے گا جیسے زکام ہوتا ہے اور کافر کے دونوں نکتھوں سے اور دونوں کانوں سے اور دونوں آنکھوں سے نکلے گا۔ یہاں تک کہ کافر کا سر ٹھنی ہوئی برہی کی طرح

معلوم ہوگا۔

پس ایمان والوں کو عذاب والوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا اور ایسی چیز کو استعمال کرنا جو ایک قسم کا عذاب ہے یا عذاب والوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے مناسب نہیں اور تمام علماء نے لوہے اور تانبے کی انگوٹھی کو بھی اسی سبب سے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ لوہا اور تانبا ووزخینوں کا زیور ہے مکروہ قرار دیا ہے اور جیسا کہ ہلائی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا یہ بات ثابت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم گرم کھانا کھانے کو برا جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ اس لحاظ سے یہ وہاں بطریق اولیٰ مکروہ ہے کیونکہ اس میں تو خود آگ کے اجزاء بے ہوئے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔

پھر اگر حقہ پینے میں صرف یہی بڑائی ہوتی کہ کپڑے اور منہ سیاہ ہو اور بدبو پھیلے جب بھی عقلمند کو اس کو اس کے استعمال سے روکنے کے لئے کافی تھی بلکہ اگر حقہ کے استعمال میں محض یہی ایک خرابی ہوتی کہ یہ ان کافروں کا رواج دیا ہوا طریقہ ہے جنہوں نے اسلامی شہروں میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسے پھیلا یا ہے اور مسلمان حقہ پی پی کر ان کے بڑے طریقے کو زندہ کر رہے ہیں جب بھی مسجدار کے لئے حقہ سے بچنے کے لئے کافی تھی۔

لیکن اس زمانے کے اکثر لوگوں کی طبیعتیں بگھی ہوئی اور بے شکل مطیع ہونے والی اور ہمیشہ بیفائدہ کاموں کی طرف جھکی رہنے والی ہیں اگر نصیحت کی جائے تو قبول نہیں کرتے ہیں اور اگر سکھاؤ تو سیکھتے نہیں ہیں اور اگر سمجھاؤ تو سمجھتے نہیں۔ اور اگر یہ سمجھتے بھی ہیں تو سمجھی سمجھائی بات چھوڑ دیتے ہیں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ اگر سیدھی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو اختیار نہیں کرتے اور اگر بھٹکی راہ دیکھتے ہیں تو اس کو راہ سمجھتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو سیدھے راستہ کی توفیق دے اور ٹیڑھے راستہ سے بچائے۔ آمین

اکتیسویں مجلس اعتکاف کے سنتوں اور شب قدر کی جستجو اور اس

کی فضیلت کے بیان میں

اعتکاف کی اہمیت | پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اس رات کی تلاش میں اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر میرے پاس کوئی آیا اور مجھے کہا گیا کہ پہلے عشرے میں اُس کو تلاش کرو۔ جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہو وہ پھر پہلے عشرے میں اعتکاف کرے کہ مجھ کو یہ رات دکھا دی گئی تھی مگر پھر بھلا دی گئی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کی ہے اور

اصل اس کی صحیحین کے موافق یوں ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے رمضان کے پہلے عشرے میں اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرے میں ترک کی جیسے میں پھر ستر باہر نکال کر فرمایا کہ میں نے پہلے عشرے میں اس رات کی تلاش میں اعتکاف کیا، آخر حدیث تک۔ اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف کے شروع ہونے سے شب قدر کی تلاش مقصود ہے کیونکہ یہ رات نص کی رُو سے چونکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے تو اس شب میں اچھے اعمال کے ساتھ جاگتے رہنا ضروری ہے کیونکہ اعتکاف میں دنیاوی امور سے دل کو خالی رکھنا اور اپنی جان کو مولا کے حوالے کرنا اور مضبوط قلعوں میں پناہ لینا اور پروردگار عالم کے گھر میں اڑ بیٹھنا ہے، تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی بڑے کام محتاج ہو کر اس کے دروازے پر اڑ جائے یہاں تک کہ اس کا مطلب پورا ہو۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اعتکاف کا مشروع ہونا جبکہ رات اور دن دونوں میں اعتکاف کی وجہ

شعب قدر کی تلاش کے لئے ہے تو پھر اعتکاف رات ہی کے ساتھ کیوں نہ مخصوص ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ امام شافعیؒ نے تصریح کر دی ہے کہ دن میں کوشش کرنا ایسا ہی مستحب ہے جیسے کہ رات میں۔ اسے امام نوویؒ نے اذکار میں بیان کیا ہے اور یہ حدیث بھی اسی کی مقتضی ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں شب قدر کی تلاش کے لئے اعتکاف کیا پھر درمیان کے عشرے میں اعتکاف کیا پھر جب اس کو بھی پورا کر چکے تو ملائکہ میں سے کسی نے آ کر کہا کہ شب قدر پچھلے عشرے میں ہے نہ پہلے عشرے میں ہے اور نہ درمیان کے عشرے میں، اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھلے عشرہ میں اعتکاف فرمانے کا خود بھی فیصلہ کر لیا اور لوگوں کو بھی اسی میں اعتکاف کرنے کی ترغیب دی۔ اور اسی طرح ہمیشہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے پچھلے عشرہ کا اعتکاف کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کی اعتکاف پر مداومت

کہتے ہیں کہ تعجب ہے لوگ اعتکاف کیسے چھوڑے ہوئے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کاموں کو تو کبھی کرتے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے لیکن اعتکاف کو آپ نے وفات کے وقت تک کبھی چھوڑا ہی نہیں۔ اعتکاف کے معنی لغت میں تو ایک شے پر بٹھیرے رہنے اور اس پر اپنی طبیعت اعتکاف کے معنی | کو روکنے کے ہیں اور شریعت میں نیت کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا اور دیر تک بٹھیرنا اعتکاف ہے۔ مطلق بٹھیرنا اعتکاف کا رکن ہے اور مسجد اور نیت اس کی شرطیں ہیں اور لغوی معنی بھی شرعی معنوں میں کسی قدر زیادتی کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اور اعتکاف رمضان کے پچھلے اعتکاف سنت مؤکدہ ہے | عشرے میں سنت مؤکدہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام جب سے مدینہ منورہ

تشریف لائے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو وفات دی، آپ نے اس پر مداومت کی۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو ہمیشہ کرنا اور کبھی نہ چھوڑنا یہ تو وجوب

کی دلیل ہے اسلئے اعتکاف واجب کیوں نہ ہوا۔ تو جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب کام کے باب میں یہ حال تھا کہ باوجود مدت اس عمل کے تارک کو بُرا سمجھتے تھے اور اعتکاف چھوڑنے والے کو کبھی بُرا نہیں کہا۔ لہذا معلوم ہوا کہ اعتکاف واجب نہیں ہے بلکہ رمضان کے پچھلے عشرہ میں بطور کفار سنت مؤکدہ ہے اور اس کے سوا اور وقتوں میں نفل ہے۔ ہاں واجب اُس وقت ہوتا ہے کہ اعتکاف کی نذر مانی جائے یا کسی شرط سے متعلق کیا جائے اور جو اعتکاف شروع کر نیسے لازم ہو جانا ہے وہ نفل ہی ہے اور کم سے کم مدت اعتکاف واجب کی ایک دن ہے یہاں تک کہ اگر ایک دن کے اعتکاف کی مدت اور اعتکاف کی نذر مانی تو مسجد میں پو پھٹنے سے پہلے داخل ہوا اور غروب آفتاب روزہ کی شرط کے بعد ہی نکلے اور اگر اس سے پہلے اعتکاف کو چھوڑ دیا یا فاسد کر دیا تو اس کو پھر سے قضا کرے اور اگر دو دن یا زیادہ کے اعتکاف کی نذر مانی ہے تو اعتکاف شروع کرنے کے لئے مسجد میں غروب آفتاب سے پہلے داخل ہوا اور غروب آفتاب ہی کے بعد پورا ہو چکنے پر نکلے اور اگر اعتکاف کرنے سے پہلے مر جائے تو وصیت کر دینا لازم ہے کہ ہر دن کے بدلے آدھا آدھا صاع گیہوں کا اس کی طرف سے دیدیا جائے۔ اور اعتکاف واجب روزہ کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ اگر کوئی اُس دن اعتکاف کی نذر مانے جس میں کھانا بھی رہا ہو تو نہ اُسکی نذر صحیح ہے اور نہ اُس کو کچھ لازم ہے اور ایسے ہی اگر رات کے اعتکاف کی نذر کی تو بھی صحیح نہیں کیونکہ رات روزہ کا محل نہیں، رہا اعتکاف نفل تو ظاہر روایت کے موافق ایسے روزہ شرط نہیں ہے۔ اور یہی صاحبین کا قول ہے پس اس روایت کے موافق کم کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص مسجد میں آئے اور نکلنے تک اعتکاف کی نیت کرے تو مسجد میں رہنے تک معتکف ہو جائے گا اور اس کو اعتکاف کر نیوالوں کا سا ثواب ملیگا۔ اور جب مسجد سے نکلے گا تو اُس کا اعتکاف ختم ہو جائے گا اور حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ روزہ اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ لہذا اس روایت کی بنا پر کم سے کم اعتکاف نفل بھی ایک ہی دن ہے۔ اور اعتکاف مسجد جماعت کے سوا جس کا امام اور اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط مؤذن مقرر ہو اور ایسے سبقتہ نماز جماعت سے ہوتی ہو کسی اور جگہ درست نہیں ہوتا کیونکہ اعتکاف چونکہ نماز کے انتظار کی عبادت ہے اسلئے اسی جگہ کے ساتھ مخصوص ہوگا جہاں نمازیں ہوتی ہوں۔ رہی عورت تو وہ اپنے گھر کی مسجد میں یعنی گھر میں نماز پڑھنے کی رات کا اعتکاف جگہ ہی اعتکاف کرے اور جب وہاں اعتکاف کرے تو پھر اعتکاف پورا ہونے سے پہلے وہاں سے نہ نکلے اور عورت کو یہ جائز نہیں کہ نماز کی جگہ کے علاوہ اپنے گھر میں کسی اور جگہ اعتکاف کرے اور اگر اُسے گھر میں کوئی معین مقام نماز کے لئے نہ ہو تو پھر اُس کو گھر میں اعتکاف جائز نہیں۔ اور معتکف کو حاجت شرعی جیسے نماز جمعہ یا حاجت طبعی پیشاب اور پاخانے

کے سوا کسی اور سبب سے مسجد سے نکلنا نہیں چاہئے اور پیشاب پاخانے کے لئے باہر آئے تو طہار
سے فراغت کے بعد اپنے گھر میں نہ بیٹھے اور نماز جمعہ کے لئے آفتاب ڈھلنے کے وقت نکلے مگر یہ
جب کہ مسجد جامع سے اتنا نزدیک معتکف ہو کہ اگر آفتاب ڈھلنے کا انتظار کرے گا تو خطبہ فوت
نہ ہوگا اور اگر خطبہ فوت ہوتا ہو تو آفتاب ڈھلنے کا انتظار نہ کرے بلکہ ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں
آکر پانچ رکعتیں اُس اذان سے پہلے جو منبر کے سامنے ہوتی ہے پڑھ سکے۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ چھ رکعتیں دو رکعت تخیۃ المسجد کی اور چار سنتیں اور نماز جمعہ کے بعد چار رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھنے
کے مقدار بیٹھے۔ ان احادیث کے اختلاف کے موافق جو بعد جمعہ کے نفلوں کے بارہ میں وارد ہیں اور
اس سے زیادہ نہ بیٹھے اور اگر دیر لگائے گا تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے اگرچہ ایک دن رات ہی ہو مگر
یہ اچھا نہیں۔

اور بیاد پرسی اور نماز بجا زہ اور گواہی دینے کے لئے نہ نکلے اور یہ سب امام ابو حنیفہ کے قول ہیں۔
کیونکہ اُن کے نزدیک بلا عذر مسجد سے نکلنا اگرچہ ایک ساعت ہی ہو اعتکاف فاسد کر دیتا ہے اور
یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ باہر نکلنا اندر بیٹھنے کے منافی ہے اور جو شے کسی شے کے خلاف ہو اس میں
تھوڑا بہت سب برابر ہے جیسے روزہ میں کھانا اور طہارت میں حدث۔

اور اسی طرح اگر ایک ساعت بیماری کے عذر سے نکلے تو بھی اعتکاف باطل ہو جائے گا کیونکہ بیماری
کے عذر سے نکلنا اس وجہ سے کہ بیماری کبھی کبھی ہوتی ہے معتکف کو وجوب سے مستثنیٰ نہیں کر سکتا
اور اب گویا بلا عذر باہر نکل آیا لیکن اتنا ہے کہ بیماری کے عذر سے نکلنے میں گنہگار نہیں ہوتا۔
اور اس طرح اگر بلا عذر بھول کر نکل آئے جب بھی اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔
اور ایسے ہی اگر مسجد گر پڑے اور معتکف دوسری مسجد میں اٹھ جائے یا حاکم زبردستی نکال دے یا
قرضخواہ نکال دے یا نکلے تو وہ خود لیکن قرض خواہ ایک ساعت پکڑے رکھے تو ان سب صورتوں
میں اعتکاف باطل ہو جائے گا۔

اور صاحبین کہتے ہیں جب تک آدھے دن سے زیادہ نکلنا نہ رہے گا اعتکاف باطل نہ ہوگا اور یہ
قول لوگوں کے لئے بہت گنجائش کا ہے کیونکہ اپنے ضروری کاروبار کے لئے لوگوں کا نکلنا ضروری امر
ہے اور اگر تھوڑی مدت بھی مباح نہ ہو تو ضرورت تنگی میں پڑ جائیں گے اور کثیر یعنی آدھے دن سے
زیادہ میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ اور معتکف کو جائز ہے کہ مسجد کے اندر کھائے اور پیے اور خرید و فروخت
معتکف کے لئے مسجد میں کھانے | کرے ہاں سامانِ فروخت مسجد میں لا کر نہ رکھے۔ بعض علماء
پینے اور خرید و فروخت کا حکم | کہتے ہیں کہ خرید و فروخت سے ضروری امور کھانا وغیرہ مراد ہیں
لیکن اگر معتکف مسجد کو دوکان بنانا چاہے تو یہ مکروہ ہے۔ زلیحی کہتے ہیں کہ یہ قول صحیح ہے کیونکہ

وہ چونکہ سب سے الگ ہو کر اللہ سے لو لگا کے بیٹھا ہے اسلئے اب مناسب نہیں کہ مسجد کے اندر ونیائی امور میں مشغول ہو۔ اور معتکف کو خاموش رہنا مکروہ ہے اور اس سے وہ خاموشی مراد ہے جو عبادت معتکف کے لئے خاموش رہنا مکروہ ہے | سمجھ کر ہو اور یہ منع ہے اسلئے کہ یہ طریقہ منسوخ ہے اور قرآن کی تلاوت اور حدیث اور علم دین اور سیرت نبی اور صالحین کی حکایتوں اور امور دینی کے لکھنے پڑھنے کا شغل رکھے اور فضول بات منہ سے نکالنا تو بغیر اعتکاف کے مسجد سے باہر بھی مکروہ ہے چہ جائیکہ مسجد کے اندر معتکف کے لئے۔ اور معتکف کو رات دن ہر وقت جماع کرنا حرام ہے اس ارشاد معتکف کے لئے مباشرت حرام ہے | خداوندی کی بنا پر اور نہ مباشرت کر و تم ان سے جب اعتکاف میں بیٹھے ہو مسجدوں میں، اور اسی طرح اسباب جماع بھی حرام ہیں جیسے چھوٹا اور بوسہ لینا اور جماع سے تو مطلقاً اعتکاف باطل ہو جانا ہے انزال ہو یا نہ ہو اور جماع کے اسباب سے اگر انزال ہو جب تو باطل، ورنہ نہیں۔ اور اگر اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنا چاہے تو زبان سے بھی کہنا چاہئے صرف اپنے اوپر اعتکاف واجب کرنے کا طریقہ | دل کی نیت پر کچھ اکتفا نہ کرے کیونکہ نذر ماننا زبان کا کام ہے اور زبان ہی سے ہو سکتی ہے بخلاف نیت کے کہ یہ دل ہی کا کام ہے۔ اور اگر کسی نے اعتکاف کیا بغیر اسکے کہ پہلے اپنے اوپر واجب کرتا اور پھر مسجد سے نکل گیا تو ظاہر روایت میں اس پر کچھ لازم نہیں۔

تیسویں مجلس صدقہ فطر اور دونوں عیدوں کے احکام اور انکی بدعتوں کے بیان

صدقہ الفطر مقرر کر نیکی وجہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کو لہو اور لغو اور بزبان کی آلودگی سے پاک کرنے اور مساکین کی روزی کی غرض سے مقرر فرمایا ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں۔ یہ حدیث صدقہ فطر کے واجب ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ لغت میں فرض کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں اور شرع میں واجب کرنے کے معنی ہیں اور شارع کا کلام اگر معنی شرع اور معنی لغوی کے درمیان دائرہ تو حسی الایمان شرعی معنوں پر محمول ہوتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر احکام شرعی ہی بیان فرماتے تھے نہ لغات کے، تو اس بنا پر معنی حدیث کے یہ ہوتے کہ صدقہ فطر کا وجوب انسان پر دو فائدوں کے لئے ہے ایک تو اس کی آن خطاؤں کا کفارہ اور اس عمل سے پاکیزگی ہے جو روزے کی حالت میں لہو اور لغو اس سے ہوتے ہوں جن میں کوئی دینی دنیوی فائدہ نہیں اور رفت یعنی کلام بد سے۔ اور اسی طرح اور گالیوں سے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اور دوسرا فائدہ مساکین کی روزی ہے، یہ بات شک کہ اس دن فقیر بھی باعتبار قوت کے موجود ہونے اور سوال کی حاجت نہ رہنے کے عینی کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کو سوال کرنے سے اس دن غنی کر دیا کرو۔

اور یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دن فقیروں کے حق میں عید جب ہی ہے کہ تو ان گروں سے صدقہ پانے کی وجہ سے سوال کرنے کی حاجت نہ رہے کیونکہ تو ان گروں کو راہ خیر میں مال خرچ کرنے کا حکم ہے اور اس حکم میں بھید یہ ہے کہ مال تمام خلقت کا محبوب ہے اور ان کو محبت الہی کا حکم ہے اور وہ محض ایمان کی رُو سے محبت کے مدعی ہیں اسلئے کہ لا الہ الا اللہ کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے جان لیا اور اعتقاد کر لیا کہ سوائے اللہ کے نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی محبوب تو ہم نے اُس کی عبادت اور محبت کو اپنے اوپر لازم کر لیا اور ہم اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اور نہ کسی کو محبوب رکھیں گے۔ سو مال کا خرچ کرنا ان کی محبت کی علامت اور ان کی صداقت کی تصدیق ہے کیونکہ تمام محبوب چیزیں ایسے محبوب کے واسطے جس کی محبت دل میں غالب ہو خرچ کر دی جاتی ہیں لہذا جو شخص مال کو خرچ کرے گا وہ ان لوگوں میں سے ہو گا جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا وہ سچا کر دکھایا اور جو خرچ نہ کرے گا وہ ان لوگوں میں سے ہو گا جو زبانی ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہو گا جو اپنی خواہش نفس کے تابع ہیں اور اسی کو اپنا معبود مانتا ہے گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ جو اپنی ہوائے نفسانی پر عمل کرتا ہے تو اُس کا نفس جو چاہتا ہے وہی کرنے لگتا ہے اور اپنے مولے کے خلاف کرتا ہے اسی واسطے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدترین معبود جس کی زمین پر پوجا کی گئی ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ہوائے نفسانی ہے۔ اور اسی بنا پر اس عید میں مکلف

عید میں مسلمانوں پر جو چیزیں واجب ہیں

پر کئی چیزیں واجب ہیں۔ اول تو گناہوں کا ترک کرنا کیونکہ گناہوں کا ترک کرنا اگرچہ ہر وقت لازم اور واجب ہے لیکن بعض وقت میں اور بھی زیادہ تر لازم اور واجب ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ارشاد الہی ہے کہ بے شک گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ مہینے ہیں جس دن آسمان و زمین پیدا کئے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہی دین سیدھا ہے سوائے میں زیادتی نہ کرو یعنی قمری مہینوں کی گنتی جن پر بہت سے احکام شرعیہ کا دار و مدار ہے از روئے حکم الہی لوح محفوظ میں جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے بارہ مہینے ہیں۔

ان بارہ میں سے چار معزز ہیں اور وہ ذیقعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور رجب ہیں اور ان چاروں معین مہینوں کا معزز ہونا یہی دین مستقیم دین ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام کا ہے پس ان مہینوں کی حرمت توڑ کر اور ان میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم مت کرو کیونکہ نیک کام کا جیسے کہ ان مہینوں میں ثواب زیادہ تر ہے ایسے ہی ان میں گناہ بھی از روئے نصاب نسبت اور مہینوں کے زیادہ ہے۔

اسی طرح ماہ رمضان اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے روز اور ان کی راتوں اور شب قدر اور دونوں عید کے دن اور ان کی راتوں میں گناہ باعتبار بوجہ کے زیادہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ ان اوقات کو فضیلت بخشی ہے کہ ان وقتوں کو ان عبادتوں سے مخصوص فرمایا ہے جو ان میں کی جاتی ہیں اور عبادات کا ثواب اور رحمت کا نزول اور مغفرت کا دینا بہ نسبت اور وقت کے ان میں اس امت پر ترجیحاً زیادہ مقرر فرمایا ہے لہذا جو شخص اس رحمت کو جس کا نزول اُس پر ہوا ہے نہ پہچان کر ان اوقات کی حرمت ان میں طرح طرح کے گناہ کر کے کھو دیکھا تو بیشک وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کا عذاب سخت اور عقاب زیادہ تر ہو۔ اسلئے مومن کو لازم ہے کہ جو اُس پر انعام ہوا ہے اُسکو پہچانے اور جس کو اللہ نے عظمت دی ہے اُس کی تعظیم کرے تاکہ اللہ کے نزدیک قابل عزت ہو اور ان اوقات کی تعظیم صرف یہی ہے کہ ان میں نیک اعمال کی زیادتی کی جائے لیکن جو شخص اس سے عاجز ہو تو پھر کم سے کم اُس کی تعظیمی حالت یہ ہے کہ ان امور ہی سے احتراز کرے جو اُسکو حرام اور مکروہ ہیں اور اسلئے تمام بدعتیں اور بُری باتیں اور تمام وہ کام جو ان اوقات میں نازیبا اور ممنوعات میں سے ہیں سب کو ترک کر دے لیکن اس زمانے کے اکثر لوگوں نے اس کے برخلاف اختیار کیا ہے کہ ایام عیدین اور ان کی راتوں میں لہو و لعب وغیرہ طرح طرح کے گناہوں میں کوشش کرتے ہیں۔ بعض تو خود کرتے ہیں اور بعض صرف تماشا ہی ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک گناہ میں جیسا کہ فقیر ابوالبیٹ نے تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے، دس نقصان ہیں: ایک گناہ کے دس نقصانات | اول اپنے خالق کو اُس کے حکم کے خلاف کر کے ناراض کرنا۔ دوسرے اہلس کو جو خود اس کا اور خدا کا دشمن ہے خوش کرنا۔ تیسرے جنت سے دوری جو حق جہنم سے نزدیکی پانچویں سب سے زیادہ محبوب اپنی جان پر ظلم کرنا۔ چھٹے اپنی جان کو جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے ناپاک کرنا۔ ساتویں محافظوں کو جو اُس کو ایذا نہیں دیتے ایذا دینا۔ آٹھویں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قہر شریف میں غمگین کرنا۔ نویں زمین اور رات دن کو اپنی برائی پر گواہ بنانا۔ دسویں تمام عالم کی بدخواہی، کیونکہ گناہوں کی شامت سے بارش کم ہوتی ہے۔ پس جب ایک گناہ کر نیوالے کا یہ حال ہے تو اُس طرح طرح کے گناہ کر نیوالے کی حالت | شخص کا کیا حال ہوگا جو طرح طرح کے گناہ کرتا رہتا ہے۔ اور خصوصاً ان مبارک دنوں میں باوجودیکہ واعظ لوگ زبور پر منادی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عید اُسکی نہیں ہے جو نئے کپڑے پہن لے عید تو اُس کی ہے جو عید سے پناہ میں رہے۔ عید اُس کی نہیں ہے جو خوشبو میں لے، عید اُسکی ہے جو توبہ کر کے نہ پھرے۔ عید اُسکی نہیں جو دنیا کی زینت سے آراستہ ہو عید اُسکی ہے جو توشہ تقویٰ اپنے ساتھ لے۔ عید اس کی نہیں جو اونٹنیوں پر سوار ہو عید اُسکی ہے جسے گناہ چھوڑ دئے۔ عید اُسکی نہیں جو فرش فرش بچپانے عید اُسکی ہے جو صراط سے گزر جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ ملاہی کا سننا معصیت ہے اور وہاں کا بیٹھا رہنا فسق ہے

اور اُس سے مزہ لینا کفر ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاہی کی آواز سُکر کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں۔

اور یہ لوگ اس قسم کے کلمات کو سنتے ہیں اور اسکی کچھ پرواہ نہ کرنا تو کجا، بلکہ اسلام اور اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ تمام ادا و نواہی میں اللہ اور رسول کے خلاف بھی کئے جاتے ہیں اور اس کا نتیجہ بُرا ہوگا۔

اور حاکم وقت اس قسم کے ممنوعات کو دیکھتے ہیں اور کسی بات کو منع نہیں کرتے بلکہ اس میں اور مدد دیتے ہیں۔ اب جو رونا چاہے وہ اسلام اور اس کی غربت پر روئے کیونکہ اب اسلام ویسا ہی غربت میں ہو گیا جیسا غربت میں شروع ہوا تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ یہ دن فرح اور مسرور عید کے دن کن امور سے ضرور ہیں لیکن اس کیلئے یہ مناسب ہے کہ ان میں خوشی اور خوشی اور مسرور کرنا چاہئے۔ سرور کا اظہار ان امور سے ہو جو مباح یا مستحب ہوں جیسے نہانا اور خوشبو لگانا اور اچھے لچھے مباح کپڑے پہننا کہ جو نئے ہوں یا دھوئے ہوئے۔ چنانچہ آگے آنا ہے ان امور سے نہیں جو حرام ہیں جیسے حریر پہننا اور واہیات باتوں میں گھسنا کیونکہ عید کو اسی لئے عید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر دوبارہ مغفرت اور احسان کرتا ہے تو ان پر واجب ہے کہ معصیت اور سرکشی سے باز رہیں تاکہ سعادت اور رضامندی کے لائق ہوں بد بخت اور بے مددگار نہ بنیں۔

اور بعض عارفوں سے حکایت ہے کہ عید کے دن ایک قوم پر ان کا گزر ہوا جو کھیل رہے تھے اور ہنستے تھے پس فرمایا اگر عید مقبول ہوتی ہے تو ان کو لازم ہے کہ شکر کریں اور یہ شکر گزاروں کے نام نہیں اور اگر قبول نہیں ہوتی ہے تو لازم ہے کہ خدا کا خوف کریں اور یہ ڈرنے والوں کے کام نہیں ہیں۔ یہ بھی جانتا چاہئے کہ بعض لوگ اس حدیث کی بنا پر جو حضرت عائشہ رض سے مروی ہے عید کے دن گانا بجانا گمان کرتے ہیں کہ دائرہ بجانا اور گانا عید کے دن جائز ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے یہاں عید کے دن آئے اور اس وقت ان کے پاس دو لڑکیاں دائرہ پر گاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ پس ان لڑکیوں کو ابو بکر نے چھڑکا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کھول کر فرمایا اے ابو بکر جانے دو کیونکہ ہر قوم کی ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

پس یہ حدیث اگرچہ ان کے خیال پر دلالت کرتی ہے لیکن ایسا نہیں جیسا ان کا گمان ہے کیونکہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ یہ حدیث اُس قول خداوندی کی بنا پر متردک ہے اسپر عمل نہیں ہے اور بعضے وہ لوگ ہیں جو کہ خریدتے ہیں کھیل کی باتیں۔ کیونکہ لہو الحدیث سے مراد معالم التشریح

کے بیان مطابق ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عمرؓ اور سعید بن جبیرؓ کے نزدیک غنا ہے اور اسی طرح دوسرے معازف و مزامیر ہیں اور اثرا سے اختیار کرنا مراد ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ بعض لوگ غنا اور اسی کی طرح معازف و مزامیر کو اختیار کرتے ہیں تاکہ بے سمجھے پوچھے اللہ کی ماہ سے بہکا دیں اور اس کو ہنسی کھیل بنا دیں ان ہی لوگوں کو ذلت والا عذاب ہے۔ پس یہ آیت غنا اور اس کی طرح جو لہو کی چیزیں ہیں ان کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اس کی یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بعد از بلوغ غنا اور معازف کی برائی کے سوا اور کچھ منقول نہیں ہے۔ اور دوسری بات جو اس دوسری چیز صدقہ فطر کی ادائیگی | عید میں بندہ مکلف پر واجب ہے صدقہ فطر ہے کہ یہ ہر مسلمان آزاد اور توانگر پر واجب ہے۔ اور وہ غنا جو اس کے وجوب کی شرط ہے یہ ہے کہ نصاب کا یا ایسی شے کا صدقہ الفطر کس پر واجب ہے | مالک ہو کہ جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو لیکن حاجت اصلی سے زیادہ ہونا اور بڑھنا اس میں معتبر نہیں لہذا جس کے پاس ایک ایسا گھر ہو جس میں رہنا نہ ہو بلکہ کرایہ پر اٹھنا دینا ہو یا نہ اٹھانا ہو جب بھی مالدار سمجھا جائے کہ بارہ میں اس کی قیمت معتبر ہوگی اور ایسے ہی اگر اس میں رہتا تو ہو لیکن سکونت سے کوئی قطعہ فاضل ہو تو اس فاضل کی قیمت مالدار ہونے میں معتبر ہوگی۔ کیونکہ جو چیز ضروری حاجت کی ہوگی وہ ضرور ہے کہ استعمال میں ہوگی یہ نہیں کہ آئندہ کو حاجت ہو۔ کیونکہ ایسا تو کوئی مال نہیں جس کی کبھی نہ کبھی حاجت نہ پڑے یہاں تک کہ اگر کرایہ کے گھر میں رہتا ہو اور ایک قطعہ زمین کا دوسرا درجہ کو مول لے کر رہنے کے لئے گھر بنا یا ہو تو اس گھر کی وجہ سے غنی سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اس وقت اس کی حاجت سے زائد ہے اگر اس کی حاجت ہوگی تو زمانہ آئندہ میں ہوگی اور جس کے مکان میں دو قطعہ ہوں ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا تو اس سے غنی نہیں ہوگا اور اگر اس مکان میں تین قطعہ ہوں تو تیسرے کی قیمت مالدار ہی میں اعتبار کی جائے گی۔ اور کپڑوں کا مالک تین جوڑے کپڑے سے غنی نہیں ہوگا ایک روزمرہ کا اور دوسرا کام کرنے کے وقت کا اور تیسرا جمعہ اور عید کے دنوں کا اور ایسے ہی دو بچپونوں سے۔ اور تین جوڑے اور دو بچپونوں سے زیادہ ہوگا غنی ہونے میں اس کی قیمت اعتبار کی جائے گی۔ اور فازی دو گھوڑوں سے غنی نہیں ہوگا اور اگر اس کے تین گھوڑے ہوں تو ایک کی قیمت غنی ہونے میں اعتبار کی جائے گی۔ اور ایک چوپایہ سے جو زیادہ ہوگا فازی کے سوا اور کے لئے گھوڑا ہو یا گدھا گاؤں کے باشندہ کے لئے یا اور کوئی ہو یا ایک خادم سے زیادہ ہو تو غنی ہونے کے لئے اس زائر کی قیمت معتبر ہوگی۔

اور ایسے ہی تفسیر اور حدیث اور فقہ کی کتابیں اس کے اہل کے لئے کہ جو ایک ایک نسخہ سے زیادہ ہوگا ایک روایت میں مالدار ہی میں اس کی قیمت معتبر ہوگی اور ایسے ہی ایک قرآن سے زیادہ فازی کے

پاس ہو تو مالدار ہی میں اسکی قیمت معتبر ہے۔

اور کسان دو سیلوں اور کھیتی کے آلات سے غنی نہیں ہوتا اور اگر تین سیلوں کے تو ایک کی قیمت مالدار ہی میں معتبر ہوگی اور گائے ایک ہو جب بھی اس کی قیمت مالدار ہی میں معتبر ہوگی اور نان پڑ کے پاس اگر گھیوں یا نمک ہو تو ان کی قیمت مالدار ہی میں معتبر ہوگی اور اسی طرح دھوبی اگر اس کے پاس اشنان یا صابون ہو تو مالدار ہی میں قیمت اس کی اعتبار کی جائے گی۔

اور جس کے پاس ایک سال کا کھانا ہو جسکی قیمت نصاب کے برابر ہے تو اسپیں گفتگو ہے اور ظاہر یہ ہے کہ غنی ہونے میں اس کا شمار نہیں اس کو قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔

اور جس عورت کے پاس جو اہر اور موتی ہوں کہ عید کے روز پہنتی ہو اور خاوند کے لئے سنگار کرتی ہو تو مالدار ہی میں اس کی قیمت معتبر ہوگی اور اسی طرح اگر عورت کی ملک میں گھر ہو جس میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہے اس گھر کی قیمت مالدار ہی میں اگر خاوند اسے گھر دینے کی قدرت رکھتا ہو معتبر ہوگی اور اسی نصاب سے زکوٰۃ لینے کی حرمت اور صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب متعلق ہے۔ کیونکہ غنی تین قسم کے ہیں | غنی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ غنی جس پر سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام ہے،

اور ایسے غنی پر صدقہ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ واجب ہے اور وہ یہ ہے جو پورے نصاب نامی مالک ہو اور ایک وہ غنی ہے جس پر سوال اور صدقہ لینا حرام ہے اور صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے، زکوٰۃ واجب نہیں اور وہ ہے جس کی قیمت نصاب کے برابر تو ہو لیکن نامی نہ ہو اور ایک وہ غنی ہے جس کو سوال تو حرام ہے لیکن صدقہ لینا حرام نہیں اور صدقہ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ جن کا بھی ذکر ہو اچھ واجب نہیں اور یہ وہ ہے جو ایک دن کے گزارے اور بدن ڈھکنے کے لائق کپڑے کا مالک ہو۔

صدقہ الفطر کی مقدار | پھر ہمارے مذہب میں تو گھیوں کا آدھا صاع یا پورا صاع چھو ہارے اور جو کا واجب ہے اور صاع وہ ہے جس میں ایک ہزار چالیس درہم سما جائیں۔ یہ صاع حضرت عمرؓ والا ہے گو یہ کم ہو گیا تھا لیکن حجاج نے نکالا تھا اور اسی لئے صاع چالیس اس کا نام ہو گیا اور ظاہر یوں ہے کہ یہ صاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ کسی باب میں آپؐ کی مخالفت نہیں کرتے تھے یہ جب ہے کہ صدقہ فطر صاع سے ناپ کر دے اور اگر صدقہ فطر تول کر دے تو بھی جائز ہے

کیونکہ صاع کا انداز جب وزن سے ہے تو ادا کرنا بھی وزن سے جائز ہے اور منقہ، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گھیوں کے حکم میں ہے اور صاحبین کے نزدیک جو کے حکم میں۔ اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ گھیوں کا آنا اور اس کے ستو گھیوں ہی کے حکم میں ہیں لیکن علماء یوں کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ احتیاطاً اسپیں اندازہ اور قیمت دونوں کا لحاظ کیا جائے کیونکہ جو حدیثیں اس باب میں آئی ہیں دونوں طرف ضعیف ہیں اور روٹی میں قیمت ہی کا اعتبار ہے اسپیں اندازہ کی رعایت نہیں کیونکہ

اس بارہ میں کوئی حدیث نہیں آئی ہے اور صدقہ فطر میں قیمت کا اعتبار نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے گہیوں کے آدھے صاع کی جگہ آدھا صاع چھوڑے گا ادا کر دیا تو جائز نہیں ہے اگرچہ چھوڑاؤں کی قیمت گہیوں سے بہت زیادہ ہو اور جو چیز صراحتہ مذکور نہیں وہ ان کیساتھ ملحق کر دی جاتی ہے جن کا صراحتہ قیمت کے ساتھ ذکر ہے مقدار کے اعتبار سے نہیں۔ اور ابو یوسف سے روایت ہے کہ آٹا گہیوں سے بہتر ہے کیونکہ مقصود سے زیادہ قریب ہے اور نقد سب سے بہتر ہے کیونکہ اس سے حاجتیں خوب پوری ہوتی ہیں۔ اور مکلف یعنی پر لازم ہے کہ اس اندازہ یا قیمت کو جس کا ذکر ہو اپنی ایک شخص پر کن لوگوں کی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے لڑکا ہو یا لڑکی ادا کرے سے صدقہ الفطر ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ نابالغ کی ملک میں مال نہ ہو یہاں تک کہ اگر نابالغ کے پاس مال ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ یا وصی خود اس کے مال سے ادا کر دے اور اولاد یا بالغ کی طرف سے صدقہ فطر واجب نہیں اگرچہ خود اس کے عیال میں ہو اور نہ بیوی کا فطرہ اس کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر ان کی طرف سے ان کے بے کہے ادا کر دیا تو استحساناً جائز ہے کیونکہ عادتہ اس کی اجازت ہوتی ہے۔ اور اپنے خدمتی غلام کی طرف سے بھی ادا کرے اگرچہ مدبر یا ام ولد ہو یا کافر ہو اور نہ غلام تجارت کی طرف سے فطرہ دینا لازم ہے اور نہ بھاگے ہوئے غلام کی طرف سے لیکن اگر بھاگا ہوا عید کا دن گزر جانے کے بعد واپس آجائے تو پھر اس پر گذشتہ فطرہ واجب ہے۔ فطرہ کے وجوب کا وقت فطرہ کے وجوب کا وقت | یوم فطر کی صبح صادق ہے۔ ہاں تک کہ اس کے غلاموں میں سے یا اولاد میں سے صبح صادق سے پہلے اگر کوئی مر جائے تو اس کا فطرہ واجب نہیں اور اسی طرح صبح صادق کے بعد جو بچہ پیدا ہو یا کسی غلام کا مالک ہو تو صدقہ واجب نہیں اور اگر صبح صادق سے پہلے بچہ پیدا ہو یا غلام کا مالک ہو تو اس کا صدقہ واجب ہے۔ اور ایسے ہی اگر صبح سے پہلے غنی ہو گیا جب بھی فطرہ واجب ہے اور بعد میں ہوا تو نہیں اور عید کی نماز سے پہلے اس کا ادا کرنا مستحب ہے اور دیر کرنے سے ساقط نہیں ہوتا اگرچہ فقیر ہو جائے اور مدت دراز گزر جائے کیونکہ فطرہ مکلف کے ذمہ سے متعلق ہے مال پر نہیں ہے اور صدقہ فطر وقت وجوب سے پہلے دے دینا صحیح مذہب میں مدت کی تفصیل کے بغیر جائز ہے۔ اور ایک شخص کا فطرہ ایک ہی فقیر کو دینا واجب ہے حتیٰ کہ اگر دو فقیروں کو تقسیم کر دیا فطرہ کس کو دینا واجب ہے | تو جائز نہیں کیونکہ نفس صریح میں غنی کر دینا ہے۔ چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان کو سوال سے کج کے دن غنی کر دو۔ اور اس سے کم میں مستغنی نہیں ہوتا۔

۱۔ مدبر وہ غلام ہے جس کو آقا اپنی زندگی میں کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے ۱۲۔ ام ولد اس باندی کو کہے جسے کوئی بچہ آٹا سے پیدا ہوا ہو۔ باندی آقا کے مزید بعد خود بخود آزاد ہو جاتی ہے ۱۳۔ یعنی یہ کہ کسی وقت جائز ہو کسی وقت ناجائز ۱۴۔ صلہ اور صلح ۱۵۔ مذہب ہے کہ ایک آدمی کا فطرہ کئی فقیروں کو بھی دینا درست ہے لیکن ایک فقیر کو دینا بہتر ہے۔ اس کتاب میں جو لکھا ہے وہ صحیح نہیں ۱۶۔ احمد علی مفتی مدرسہ جامع العلوم کراچی +

اور بعضے کہتے ہیں کہ ایک فطرہ دو فقیروں کو بھی دینا جائز ہے لیکن اول مذہب بہتر ہے اور ایک جماعت پھر کا فطرہ جو ان پر واجب ہے ایک فقیر کو دینا جائز ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ کئی دفعہ کر کے دے ایک ہی دفعہ نہ دے کیونکہ اوصاح صاع کم سے کم مقدار ہے کہ اس سے کم کی ممانعت کی گئی ہے نہ زیادتی کی لہذا جب کئی مرتبہ میں دے گا تو وہی فقیر دوسری دفعہ حکماً دوسرا مسکین ہوگا۔

اور صدقہ فطر کا اپنی اصل یعنی ماں باپ وغیرہ اور اپنے فروع یعنی بیٹا بیٹی اور اپنے غلاموں کو اور ان کے علاوہ جن جن کو زکوٰۃ کا دینا جائز ہے جائز نہیں اور ذمی فقیروں کو دینا جائز ہے لیکن مکروہ ہے برخلاف زکوٰۃ کے کیونکہ زکوٰۃ کا تو دینا ہی ان کو ناجائز ہے۔ تیسری چیز جو اس عید میں مکلف پر تیسری واجب چیز نماز عید ہے | واجب ہے نماز ہے اور نماز سے پہلے مرد کو مسواک کرنا اور نہانا اور نحو شہولگانا اور اچھے مباح نئے ہوں پاؤں دھونے ہوئے کپڑے کہ ریشمی نہ ہوں پہننا مستحب ہے کیونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے حتیٰ کہ بچوں کو بھی حرام ہے لیکن اس کا گناہ پہننے والے پر ہے۔

اور تیسری کھانا اور صدقہ فطر ادا کرنا اور نماز صبح مسجد محلہ میں پڑھنا اور تکبیر یعنی جلد مستعد ہونا اور ابتکار یعنی عید گاہ کی طرف جلد روانہ ہونا اور پیادہ پا جانا اور دوسری راہ سے ٹوٹنا اور عید گاہ کو جانا مسنون ہے۔

اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو لیکن ہاں امام کسی کو اپنا خلیفہ بنا جائے جو شہر کے اندر ناٹواں اور بیاروں کو نماز پڑھائے اس بنا پر کہ عید کی نماز ایک شہر میں دو جگہ بالاتفاق جائز ہے بخلاف جمعہ کے کہ وہ چونکہ جماعتوں کا جامع ہے اسلئے تفرقہ اُس کے منافی ہے۔

عید کی تکبیر | اور عید گاہ کے راستے میں تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس عید یعنی عید فطر میں پکار کر نہ پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک پکار کر کہے۔ اور یہ بھی امام ابو حنیفہ سے ہی ایک روایت ہے اور ابو جعفر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس سے منع نہ کرنا چاہئے کہ انہیں نیک کاموں کی رغبت کم ہوتی ہے اور اس بنا پر بہتر ہے کہ وہ تکبیر تو پڑھا کریں لیکن نہ سب مل کر اور آواز ملا کر راگنی کی رعایت کر کے کہ یہ سب حرام ہے بلکہ ہر ایک خود تکبیر پڑھے اور جب عید گاہ میں جا پہنچے تو تکبیر موقوف کر دے۔ اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ہر دس قدم پر ایک باز تکبیر پڑھتے تھے یہاں تک کہ عید گاہ پہنچ جاتے اور اگر کوئی گروہ نواح کا رہنے والا رات کے وقت عید گاہ کو کوس بھر یا اس سے کم زیادہ فاصلے سے چلے تو صبح صادق سے تکبیر کہتے شروع کر دے۔ پھر جب نماز کا وقت آجائے اور وقت مکروہ آفتاب بلند ہونے سے چلا جائے نماز عید کا وقت اور طریقہ | تو امام لوگوں کے ساتھ دو رکعت بدون اذان اور تکبیر کے اس طرح پڑھے کہ پہلے تکبیر تحریر ہے اور پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر سبحانک اللہم پڑھے اور پھر

تین دفعہ تکبیر کہے اور ہر تکبیر کے درمیان تین تین تسبیح کے برابر فرق کرے کیونکہ یہ نماز بڑے مجمع کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ پے درپے تکبیر کہنے سے دُور کے آدمیوں کو اشتباہ ہوگا اور ہر تکبیر کیساتھ تینوں تکبیروں میں دونوں ہاتھ اٹھائے اور درمیان میں دونوں ہاتھ چھوڑ دے اور تیسری تکبیر کے بعد نواف کے نیچے ہاندھ لے اور اعوذ باللہ پڑھے اور بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو اول قرأت کرے اور اس کے بعد تین باز تکبیر کہے ان کے درمیان بھی اسی قدر فاصلہ رکھے جس قدر ابھی ذکر ہوا ہے اور ہر تکبیر پر دونوں ہاتھ اٹھائے درمیان میں اور چھوڑ دے۔ ان کے بعد بھی ہاتھ کا ہاندھنا ثابت نہیں ہے بلکہ چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کرے اس طرح دونوں رکعتوں کی کل تکبیریں نو ہوں گی۔ تین ان میں سے اصلی ہیں ایک تکبیر تحریمیہ اور دو تکبیریں رکوع کی اور چھ زوائد ہیں۔ تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ اور اگر پہلی رکعت میں تکبیر کہنا بھول گیا۔ یہاں امام کے تکبیرات عید بھول جانے کا حکم ان تک کہ کل یا کچھ سورۃ فاتحہ پڑھ لی، اسکے بعد یاد آیا تو اب تکبیریں کہہ کر فاتحہ کو دوبارہ پڑھ لے اور اگر فاتحہ اور دوسری سورت پڑھنے کے بعد یاد آئے تو صرف تکبیریں کہہ لے قرأت دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ قرأت پوری ہو چکی اور پوری ہونے کے بعد پھر سے لوٹنا کر دوبارہ پڑھنے کی قابلیت نہیں رکھتی برخلاف پہلی اور دوسری صورت کے کہ قرأت ان دونوں صورتوں میں پوری نہیں ہوتی تھی تو گویا قرأت کو شروع ہی نہیں کیا تھا۔ اور اب ترتیب کی رعایت کے لئے لوٹا سکتا ہے۔ پھر نماز کے بعد امام دو خطبہ پڑھے اور دونوں خطبہ تکبیر سے شروع کرے اور خطبہ عیب دونوں خطبوں میں ایک جلسہ رخصت سے فصل کرے جسکی مقدار یہ ہے کہ بدن کا ہر جوڑ اپنی اپنی جگہ درست ہو جائے اور اس خطبہ میں مہربانی ہونی چاہئے جو جمعہ کے خطبہ میں مسنون ہیں اور وہی ہائیں مکر وہ ہیں جو اُس میں مکر وہ ہیں اور اسی عید یعنی عید الفطر کے خطبہ کے اندر فطرہ کے احکام بتائے۔ اور جو شخص عید کی نماز امام کے ساتھ نہ پائے وہ اُس کی قضا نہ کرے اور جو شخص امام کو رکوع امام کیساتھ عید کی نماز مکمل نہ پڑھنے والے کا حکم میں پاسے وہ تکبیر تحریمیہ حالت قیام میں کہے کیونکہ تکبیر تحریمیہ صرف قیام ہی میں شروع ہے پھر عید کی تکبیریں کہے۔ اگر یہ جانتا ہو کہ رکوع میں امام کیساتھ مل جائے گا کیونکہ اہلی جگہ عید کی تکبیروں کی قیام ہی ہے اور اگر امام کے ساتھ رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو تکبیر تحریمیہ کے بعد تکبیر رکوع کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں عید کی تکبیریں کہہ لے، کیونکہ یہ واجب ہیں ان کا ادا کرنا اولیٰ ہے اور تسبیحات رکوع کی چھوڑ دے کیونکہ یہ سنت ہیں اور رکوع میں دونوں ہاتھ اٹھائے کیونکہ رفع یدین سنت ہے اور ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا بھی سنت ہے اور ایسی سنت ادا کرنیکی کوئی وجہ نہیں جس میں دوسری سنت کا ترک ہوتا ہو اور جب

امام رکوع سے سر اٹھائے تو پھر اُس کے ذمے سے بقیہ تکبیریں عید کی ساقط ہو جاتی ہیں اب اس تکبیر کو رکوع میں پورا نہ کرے اور نہ قومہ میں بلکہ امام کی متابعت میں عجمت کرے کیونکہ متابعت فرض ہے لہذا واجب کے لئے ترک نہیں کی جاسکتی اور اگر امام کو قومہ میں پایا تو اُسہیں تکبیر عید نہ کہے کیونکہ اب اس رکعت کو مع تکبیرات قضا کر بیگا اور جس کی ایک رکعت جاتی رہے تو وہ جب فوت شدہ کو قضا کرنے کھڑا ہوا تو اول قرأت شروع کرے اس کے بعد عید کی تکبیریں کہے اور پھر رکوع میں جائے اور اگر امام کو التختیات میں پایا سلام کے بعد سہو کے سجدہ میں تو کھڑا ہو کر تکبیرات عید کو اپنے ٹھکانے پر کہہ کے نماز پڑھے۔ اور اس عید کی نماز میں کچھ دیر کرنا اور بقر عید میں جلدی نماز عید میں تعجیل و تاخیر کرنا مستحب ہے۔ اور قتیبہ میں ہے کہ جنازہ اور عید کی نماز اگر اکٹھی ہو جائیں تو عید کی نماز جنازہ پر مقدم کریں اور نماز جنازہ کو خطبہ پر۔ اور بزازیہ میں ہے اگر عید اور نماز کسوف جمع ہو جائیں تو عید کی نماز جس طرح کہ جنازہ کی نماز پر مقدم ہے اسی طرح اُس پر بھی واجب ہونے کی وجہ سے مقدم ہے اور یہ اسلئے کہ عید کی نماز کا وجوب عینی ہے اور جنازہ کی نماز کا وجوب کفایہ ہے۔

اور عید گاہ میں نماز عید سے پہلے اور بعد از نماز عید امام وغیرہ سب کو نفل پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر بلال عید پر گھٹا چھٹا جائے اور گواہ دوپہر ڈھلے امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو اب امام عید کی نماز لوگوں کو اگلے دن پڑھائے کیونکہ یہ تاخیر عذر سے ہے۔ اور یہ تو خود روایت ہے کہ ایک جماعت نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر ڈھلے چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے دن عید گاہ جانے کا حکم فرمایا تھا۔ ہاں بلا عذر تاخیر جائز نہیں ہے اور اگر کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ اگلے دن بھی نماز سے مانع ہو تو اب اس کے بعد نماز نہ پڑھیں کیونکہ اصل تو اس میں یہی تھا کہ اگلے دن بھی نماز نہ پڑھیں کیونکہ یوم فطر ایک ہی ہے لیکن چونکہ حدیث میں عذر کی وقت دوسرے دن تک تاخیر ثابت ہے اسلئے اس کے علاوہ مقتضائے قیاس ہی پر باقی رہے گا۔ نیز یہ بھی رمضان اور عید کا چاند اور اسکے دیکھنے پر شہادت | جانا چاہئے کہ گو چاند کا دیکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر کہ روزہ رکھو چاند دیکھ کر اور افطار کرو چاند دیکھ کر، روزہ اور افطار کے وجوب کا سبب ہے لیکن اس حدیث پر بلا حکم قاضی کے عمل واجب نہیں اور اسلئے قاضی کے پاس جانا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ اگر آسمان دھندلا ہو خواہ ابر ہو یا دھواں گر دو غبار ہو یا اسی طرح اور کچھ تو بلال فطر میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا کسی اور طرح گواہی مقبول نہیں اور جیسے کہ عدد اسہیں شرط ہے ایسے ہی آزاد ہونا اور عادل ہونا اور لفظ شہادت بھی شرط ہے کیونکہ اس سے حق العباد متعلق ہیں اور وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور اس لئے اس دلیل سے ثابت ہوگا جس سے

ان کے اور حقوق ثابت ہوتے ہیں برخلاف ہلالِ رمضان کے کہ اس سے صرف حقِ شرعی متعلق ہے اور وہ روزہ ہے پس اس میں ایک شخص عادل کی خبر کافی ہے آزاد ہو یا قلام مرو ہو یا عورت۔

ہاں اگر آسمان میں کوئی خرابی ہو تو اب صرف ایک شخص کی گواہی رمضان کے چاند میں بھی مقبول نہیں اور نہ ایسی حالت میں دو شخصوں کی گواہی عید الفطر کے چاند میں مقبول ہوگی بلکہ اب اتنی جماعت کثیر کی گواہی مقبول ہوگی جن کی خبر سے یقین آجائے اور اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک محلہ والوں کا ہونا ضروری ہے اور بعضے کہتے ہیں پچاس مرو ہونے چاہئیں۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ ہر طرف سے خبر کا لگانا آنا ضروری ہے اور صحیح یہ ہے کہ اسکا حوالہ حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اس علم سے مراد جو ان کی خبر سے حاصل ہو علم شرعی عمل کا واجب کرنے والا ظن غالب ہے علم یقینی مراد نہیں ہے۔

اور اگر کسی نے عید کا چاند اکیلے دیکھا اور قاضی کے زور پر گواہی بھی دی لیکن اس کی گواہی مقبول نہ ہوتی تو وہ خود روزہ رکھے اور افطار نہ کرے اور اگر افطار کر لیا تو قضا لازم ہوگی ہاں اگر کفارہ واجب نہیں اور اگر فقط امام نے عید کا چاند دیکھا ہو تو وہ افطار نہ کرے اور نہ عید کی نماز کو جائے۔

اور اگر کسی نے عید کا چاند عصر کے وقت دیکھ کر خیال کیا کہ روزوں کی مدت تمام ہوگئی اور روزہ افطار کر ڈالا۔ مجبطن میں ہے کہ وجوب کفارہ کے متعلق اختلاف ہے لیکن اکثر فقہ کفارہ واجب بتاتے ہیں۔

اور اگر ایک شہر والوں نے رمضان کا چاند دیکھ کر انہیں روزے رکھے تھے کہ ایک گز وہ نے انتیسویں تاریخ قاضی کے پاس گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے رمضان کا چاند فلانی شب میں تم سے ایک دن پہلے دیکھ کر روزے رکھے ہیں اور آج رمضان کا تیسواں دن ہے اور اس شہر والوں نے اُس شب چاند نہیں دیکھا تھا حالانکہ آسمان بھی صاف تھا تو ان لوگوں کو اگلے دن افطار کرنا مباح نہیں اور نہ تراویح ترک کی جائے کیونکہ اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی ہے اور نہ اوروں کی گواہی پر گواہی دی ہے صرف اوروں کی روایت نقل کی ہے۔ البتہ اگر قاضی کے سامنے یہ گواہی دیتے کہ فلاں شہر کے قاضی نے سامنے دو گواہوں نے فلانی شب چاند دیکھنے کی گواہی دی تھی اور اُس قاضی نے ان کی گواہی کے موافق حکم بھی دے دیا تھا تو اب اس قاضی کو بھی جائز ہونا کہ ان کی گواہی کے موافق حکم کر دیتا اور چونکہ یہ قاضی کا حکم حجت ہے لہذا اس پر عمل جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان کرے اور قبول کرے اور اے
مدد کرنے والے۔

تینتیسویں مجلس ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت میں

ماہ شوال کے روزہ کی فضیلت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان
کے سارے روزے رکھ کر اس کے بعد چھ روزے شوال کے بھی رکھے تو یہ ایسا ہے جیسے تمام
سال کے روزے رکھے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اس کے راوی ابو ہریرہؓ اور ابو ایوب انصاریؓ
ہیں اور یہ ایک سال کے روزوں کے برابر ملتے ہیں کہ حسنات دس گنا زیادہ کئے جاتے ہیں لہذا
جس نے رمضان کے روزے رکھے تو ایسا ہوا کہ گویا دس مہینے کے روزے رکھے پھر جب اس کے
بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو ایسا ہوا گویا دو مہینے کے روزے رکھے تو سب مجموعہ گویا بارہ
مہینے کے برابر ہوا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس کلام سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ دہر سے مراد سال ہے لیکن دہر کا استعمال سال کے
معنوں میں کلام عرب میں متعارف نہیں بلکہ اہل لغت کے نزدیک اس کا اطلاق ہمیشگی پر آتا ہے
اور امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ دہر کا لفظ الف لام کے ساتھ بمعنی عمر ہوتا
ہے لہذا ظاہر یہ ہے کہ مدت عمر پر محمول کریں سال کے معنوں پر حمل کرنے کی کوئی وجہ نہیں تو جواب
یہ ہے کہ سال کے معنی لینا مدت عمر کے معنی لینا ہیں کیونکہ مکلف آدمی کو رمضان کے روزے رکھنا
توضوری ہیں پھر جب عادت ہو گئی کہ اس کے بعد شوال کے بھی چھ روزے رکھا کرے تو ایسا
ہے کہ گویا اپنی تمام عمر روزے رکھے۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جو کوئی کسی ایک پورے مہینے کے روزے رکھ کر اس کے بعد چھ
روزے رکھے تو یہ بھی اس ارشاد الہی کے مطابق "جو کوئی لایا ایک نیکی اس کیلئے ہے اس سے
دس گونہ، سال بھر کے روزوں کے برابر ہو جائیں گے۔ پھر خاص رمضان اور شوال ہی کے ذکر کرنے
کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ ماہ رمضان روزے کے لئے مقرر ہے اور ماہ شوال چونکہ اس
کے بعد ہی واقع ہے تو اس کے روزے بھی فضیلت میں رمضان کے برابر ہیں اور شرافت میں
اس کے ساتھ ملحق ہیں یہاں تک کہ بعضے لوگ کہتے ہیں کہ چھ دن کے عید کے روزے رمضان ہی
کے روزوں میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ روزے رمضان کے ہمراہ ادا کر لے گا اس کو
سال بھر کے فرض روزے ہی کے برابر ثواب ملیگا اور اسی لئے بیان میں بھی ان دونوں کو اور

مہینوں میں سے خاص کیا گیا ہے۔ پھر افضل یہ ہے کہ یہ روزے عید الفطر کے بعد پے در پے ہیں
 ماہ شوال کے روزوں کا صحیح وقت اور ترتیب | لیکن بعضے علماء سے عید کے متصل ہی فرض پر بڑھا
 دینے میں اہل کتاب کی مشابہت سے احتراز کے لئے ان روزوں کی کراہت منقول ہے۔ لیکن مختار
 مذہب کی بنا پر کچھ کراہت نہیں کیونکہ کراہت جب ہے کہ ان کے رمضان میں شمار کئے جانے سے
 امن نہ ہو اور فرض پر بڑھا لینے میں نصاریٰ سے مشابہت ہو جائے اور یہ بات روز عید کے فاصل
 ہو جائیے اتصال نہ رہنے کی وجہ سے جاتی رہی۔ نیز یہ کہ فقہاء کا کلام عوام کے حق میں کراہت بتانا
 ہے اہل علم کے حق میں نہیں اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ وہ پے در پے اور جدا جدا
 دونوں کو بڑا جانتے تھے۔ اور ان کے مذہب کے متاخرین علماء نے اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا ہے۔
 لیکن اس میں اختلاف کیا ہے کہ آیا افضل پے در پے ہیں یا جدا جدا، پس اگر جدا جدا رکھے یا اول ماہ
 سے مؤخر کر دیا ہے تو اس کو اتباع فضیلت مل جائے گی اور اختلاف کے شبہ سے بھی دور رہیگا۔
 اور یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اس بات کو جاہلوں نے بنایا ہے اور جو حدیثیں اس میں مروی ہیں وہ
 موضوع ہیں تو یہ طعن سننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے اور جو حدیث
 صحیح مسلم یا صحیح بخاری میں ہو اس میں وضعی ہونے کا امکان مسموع نہیں ہے، یہ بھی جانتا چاہئے کہ
 ماہ صفر اور ماہ شوال میں نکاح کر نیکا مسئلہ | بعضے آدمی شوال میں نکاح کرنے کو مبارک نہیں جانتے
 ہیں اور اس میں بد فالی لیتے ہیں سو یہ جاہلیت کی بات ہے کہ وہ شوال میں نکاح کرنے کو نحس
 جانتے تھے اور اس کا سبب بعضوں کے قول کے موافق یہ ہے کہ ایک سال ماہ شوال میں طاعون
 ہو گیا تھا اور اس میں بہت سی دواہنیں مر گئی تھیں۔ اس لئے اہل جاہلیت نے اس سے بد فالی لی
 اور شرع میں اس کا بطلان آیا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ماہ
 شوال میں نکاح کیا اور ماہ شوال ہی میں میری رخصتی کی، پھر کونسی بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم کی مجھ سے زیادہ حضور کے نزدیک بہرہ مند تھی۔ تو وہی کہتے ہیں کہ ان کا مقصود اس سے
 اس اعتقاد کا رد کرنا ہے جس پر اہل جاہلیت تھے یعنی ماہ شوال میں نکاح کرنے کی بد شکونی کیونکہ
 وہ ماہ شوال کو فقط نکاح کرنے کے بارے میں نحس جانتے تھے جس طرح کہ ماہ صفر کو مطلقاً نحس
 سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مہینہ منحوس ہے۔ آج کل بھی بہت لوگ ان کی موافقت کرتے ہیں اور ماہ
 صفر کو منحوس سمجھتے ہیں اور اس میں سفر اور نکاح وغیرہ کر نیے منع کرتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں
 ماہ شوال وغیرہ کے منحوس ہونیکا مسئلہ | کہ نحوست کی خصوصیت کہ اس وقت ہو اور اس وقت
 اور نحوست و برکت کا شرعی اصول | نہ ہو جیسے ماہ شوال وغیرہ صحیح نہیں کیونکہ زمانہ کل کا کل

اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس میں تمام بندوں کے افعال ہوتے ہیں سو جس زمانے کو آدمی نے عبادت میں مشغول رکھا وہ اس کے لئے مبارک زمانہ ہوگا اور جس زمانے کو انسان معصیت میں مشغول رکھیںگا وہ اس کے حق میں منحوس زمانہ ہوگا۔

اور نحس اور مبارک حقیقت میں معصیت اور طاعت ہی ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا ہے کہ آدمی کی برکت اور نحوست اس کے دونوں چیزوں کے درمیان ہے یعنی اس کی زبان اور ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر کسی چیز میں نحوست ہے تو اس میں ہے جو دونوں کلوں کے درمیان ہے، یعنی زبان۔ اور کوئی چیز زبان سے زیادہ قید کی حاجت مند نہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی سے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نحوست بد خلقی ہے۔

پس اب حقیقت میں نحوست معاصی اور گناہوں کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ گناہ اللہ تعالیٰ کو پیرا کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے ناراض ہوتا ہے تو وہ دنیا اور آخرت میں سخت ہوتا ہے اور جب کسی بندے سے راضی ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں میجنت ہوتا ہے۔ کسی بزرگ سے ایک مصیبت کی جس میں تمام خلق گرفتار تھی شکایت کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ جس بلا میں تم گرفتار ہو گناہوں کی نحوست کے سوا اس کی اور کوئی وجہ میں نہیں جانتا۔ اس شخص اور مقام سے دور رہنے اور اب اس بنا پر نافرمان خود آپ اپنی جان کے لئے اور کاسم جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو نیز دوسروں کے لئے منحوس ہوتا ہے کیونکہ اس سے امن نہیں ہو سکتا کہ اسپر عذاب نازل ہو کر سب پر عام ہو جائے خصوصاً اسپر جسے اسکے عمل پر انکار نہیں کیا۔ لہذا ایسے شخص سے دور رہنا ہی لازم ہے اور اسی طرح ان مقامات سے جہاں معاصی کئے جاتے ہیں ان سے بھی اس خوف سے کہ جو اس مقام میں ہیں اسپر عذاب نازل نہ ہو، دور رہنا اور بھاگنا لازم ہے۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے جبکہ مقام حجر میں دیار قوم ثمود پر گزر رہے تھے فرمایا تھا کہ ان حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے مکانوں میں داخل نہ ہو مگر اس خوف سے روتے ہوئے کہ کہیں تم پر بھی جو ان پر آیا تھا نہ آجائے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اہل عصیان کا چھوڑ دینا بھی منجملہ اس ہجرت کے ہے جس کا حکم ہے اور جو گناہوں اور قصوروں کے بخشش کا سبب ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ جس نے سو آدمی بنی اسرائیل کے قتل کر کے ان کے عالموں میں سے ایک عالم سے پوچھا تھا کہ آیا میرے لئے کوئی توبہ ہے تو عالم نے اس کو جواب دیا اور اس کو حکم دیا کہ مفسد گاؤں میں سے صالح گاؤں میں منتقل ہو جائے۔ پھر دونوں گاؤں کے درمیان اس کو موت آگئی تو رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کے بارے میں جھگڑنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی بھیجی کہ دونوں کے مابین کا اندازہ کرو اور دونوں

میں جس سے زیادہ نزدیک ہو اُدھر بلا دو۔ پس اُس کو صالح گاؤں کی طرف اتنا نزدیک پایا جتنا ڈھیللا پھینکنے کا فاصلہ، پس اللہ کی رحمت اور مغفرت سے اُدھر ہی بلا دیا۔

چونتیسویں مجلس ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی فضیلت میں

ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں عبادت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایسے کوئی دن نہیں ہے جن میں عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو ان دنوں سے زیادہ پسند ہو۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباسؓ اس کے راوی ہیں اور ہذہ الایام سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے جیسا کہ ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ کوئی دن ایسے نہیں ہے کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ہو، اس کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ہر شب کا قیام لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے اور ان دنوں میں عمل صالح نہ و نہ اس لئے افضل ہے کہ یہ بیت اللہ اور مسجد حرام اور مکہ کی زیارت کے دن ہیں اور وقت جب افضل ہوتا ہے تو اس میں عمل صالح بھی افضل ہوتا ہے۔

اور ابو الدرداءؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے اپنے اوپر روزے ان دس دن کے اور دعا اور استغفار اور خیرات کی کثرت لازم کر لو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ افسوس ہے اُس شخص پر جو ان دس دن کی خوبی سے محروم رہا اور اپنے اوپر خاکسار نویں تاریخ کا روزہ لازم کر لو کیونکہ اس میں خوبیاں شمار کر نیوالوں کی شمار سے زیادہ ہیں۔ اور روایت یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ یوم عرفہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہو جائے۔ یعنی جس نے عرفہ کے دن کا روزہ رکھا تو اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اُس کے تمام صغیرہ گناہ جو سال گذشتہ میں ہوئے ہیں معاف ہو جائیں اور سال آئندہ میں گناہوں کی نزدیکی سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہے۔

قاضی خاں اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں عرفہ کے دن کے روزے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے خواہ مقیم ہو خواہ مسافر بشرطیکہ روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔ اور عرفات میں عرفہ کا روزہ مکروہ ہے اور عرفات میں عرفہ کا روزہ مکروہ ہے | ایسے ہی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کا روزہ۔ کیونکہ روزہ کی

حالت میں ارکان حج ادا کرنے سے عاجز ہو جائے گا۔ پس اگر آدمی یہ چاہے کہ وہ ثواب اور فضیلت عرفہ کے روزہ ثواب اور فضیلت کے حصول کا طریقہ | جو نبی علیہ السلام نے بیان کی ہے حاصل کرے تو چاہئے کہ وقت کی عزت اور شرافت کا لحاظ رکھے کہ اس میں اپنی زبان کو جھوٹ اور غیبت اور

یہ وہ کلام سے اور اپنے اعضاء کو قصوروں اور گناہوں سے اور اپنے دل کو خود پسندی اور تکبر اور خلقت کی دشمنی سے محفوظ رکھے۔ یہ وہ عبادت ہے جو نبی علیہ السلام نے عرفہ کے دن بیان فرمائی ہے۔

رہا اس دن مسجد جامع میں یا شہر سے باہر کسی خاص جگہ عرفات والوں کی مشابہت کے لئے جمع ہونا یہ کچھ نہیں ہے کیونکہ عرفات میں بھڑنا عرفات کے ساتھ ہی مخصوص عبادت ہے لہذا اس کے سوا کہیں اور دیگر ارکان حج کی طرح عبادت نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کعبہ کے سوا کسی مسجد میں طواف کرے تو اُس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب عشرہ ذی الحجہ آئے اور قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو اپنے بال اور بدن کو بالکل نہ چھوئے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جو ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کر نیکا ارادہ ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ تراشے۔

شرح السنہ میں مذکور ہے کہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنے میں علماء اختلاف کرتے ہیں۔ ایک گروہ تو اس طرف گیا ہے کہ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس کو ماہ ذی الحجہ شروع ہونے کے بعد ناخن اور بال ترشوانا جائز نہیں جب تک کہ قربانی ذبح نہ کرے اور کہتے ہیں کہ ممانعت اس حدیث میں حرمت کے لئے ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو مندوب اور مستحب جانتے تھے۔ شرح تلبیہ میں ہے قربانی کے ارادہ کرنے والے کو مستحب ہے کہ قربانی ذبح کرنے تک ناخن ترشوانے اور سر منڈانے کو مؤخر کرے لیکن واجب نہیں۔

اور اگر تاخیر سے کراہت لازم آتی ہو تو تاخیر نہ کرے اور وہ یہ کہ چالیس دن سے بڑھ جائے۔ کیونکہ تلبیہ میں مذکور ہے کہ ہر آدمی کو افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں اپنے ناخن تراشے اور لبیں کتروائے اور موئے زیر ناف موڈنے اور نہادھو کر بدن کو پاک صاف کرے اور اگر ہر ہفتہ نہ کرے تو ہر پندرہ دن کرے اور چالیس دن سے زیادہ چھوڑنے میں کوئی عذر نہیں۔ پس ہفتہ افضل مدت ہے اور پندرہ دن درمیانی مقدار اور چالیس دن انتہائی مدت ہے اور چالیس دن سے زیادہ میں کوئی عذر نہیں ہے لہذا وعید کا مستحق ہے۔ پھر یہ ممانعت احرام باندھنے والے حاجیوں سے مشابہت کی غرض سے نہیں ہے جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے کیونکہ اگر مشابہت کے لئے ہوتی تو احرام کے اور ممنوعات میں بھی جاری ہوتی اور اجزائے بدنی کے دور کرنے سے خصوصیت نہ ہوتی بلکہ یہی کی علت تو ریشتی کے پاپن کے موافق یہ ہے کہ قربانی کر نیوالا اپنی قربانی کو اپنی جان کے عوض میں دیدہ دیتا ہے کہ قیامت کے دن عذاب سے بچے اور اس سے قربت الہی زیادہ ہو تو گویا گناہوں کے

کرنے اور حقوق اللہ میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے اپنی جان کو بڑے سے بڑے عذاب کا سزاوار جانتا ہے اور وہ قتل ہے۔ اتنی بات ہے کہ اسپریش قدمی سے اسلئے رک گیا کہ خودکشی کی اجازت نہ نہیں ہے لہذا قربانی کو اپنی جان کا بدلہ دینا ہے سو ہر چیز قربانی کا اس کے بدن کے ہر ہر خیز کا بدلہ ہے پس قربانی کی برکت تمام اجزائے بدن کو شامل ہو گئی کہ کوئی ذرہ بدن کا خالی نہیں رہا اور نہ کوئی بال محروم رہا پس چونکہ یہ فضیلت متصل اجزاء کو ملتی ہے نہ اجزائے منفصل سے۔

لہذا نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے بال اور بدن کو نہ چھوئے تاکہ اس میں سے کوئی چیز نزول رحمت اور فیضان نور الہی کے وقت گم نہ ہو تمام فضائل پورے ہوں اور تمنا نص جاتے رہیں اس بنا پر لوگوں کو چاہئے کہ ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا کریں اور اس کے دن گنتے رہیں تاکہ قربانی کے ذبح کا وقت معلوم ہو اور اس کی تیاری کریں۔ لہذا چاند کا قرار پانا چونکہ قاضی کے حکم پر موقوف ہے اسلئے قاضی رویت ہلال عید الاضحیٰ کے پاس جانا لازم ہے۔ پس اگر آسمان میں کچھ خرابی ہو خواہ کھواہ کھواہ بخار ہو یا عیار یا ایسا ہی اور کچھ ہو تو ظاہر روایت میں دو مرد یا ایک مرد و دو عورتوں کے سوا اور کی گواہی معتبر نہیں اور حق العباد یعنی قربانی کے گوشت میں دست کے متعلق ہونے کی وجہ یہی ہے اور اسی دلیل سے ثابت ہو گا جس سے ان کے اور حقوق ثابت ہوتے ہیں اور جیسے کہ اس میں یہ عدد شرط ہے ویسے ہی آزاد ہونا اور عدالت اور شہادت کا لفظ بھی شرط ہے۔

اور اگر آسمان میں کوئی غلت نہ ہو تو پھر جماعت کثیر کی گواہی جن کی خبر سے علم ہو جائے ویسے کوئی گواہی مقبول نہیں ہوگی اور اس کی مقدار میں اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں کہ ایک محلہ کے لوگ چاہتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ پچاس آدمی ہونے ضروری ہیں۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ پے در پے ہر طرف سے خبر آنی چاہئے اور صحیح یہ ہے کہ حاکم کی رائے پر ہے کیونکہ اس علم سے جو ان کی خبر سے حاصل ہو علم شرعی مراد ہے جس سے ظن واجب ہو جائے اور علم شرعی ظن غالب ہے علم بمعنی یقین نہیں۔ اور اگر یہ شبہ پڑ جائے کہ یہ دن دسویں ذی الحجہ ہے یا نویں ذی الحجہ تو احتیاطاً تاریخ میں شبہ پڑ جائے تو قربانی کا حکم اس میں ہے کہ قربانی اگلے روز دو پہر ڈٹلے ذبح کرے اور اس کے بعد ذبح کو تیسرے دن تک مؤخر نہ کرے۔ کیونکہ غیر وقت میں ذبح ہو جائیگا احتمال ہے اور اگر مؤخر کر دیا تو پھر یوں مستحب ہے کہ سب گوشت صدقہ کر دے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔

مجلس امام محمد میں تحریریں قربانی کی فضیلت اور اس کے اقسام اور فضیلت کے بیان میں

قربانی کے دن پسندیدہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کا قربانی کے دن کوئی عمل ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور قیامت کے

روز قربانی کا جانور مع اپنے سینگوں اور بالوں اور سموں کے آئے گا اور نیز یہ کہ وہ خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو جاتا ہے پس اس سے دل خوش کرو۔

یہ حدیث صحیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ سب سے عمدہ عبادت یوم نحر میں قربانی کا ذبح کرنا ہے اور وہ قربانی قیامت کے دن جیسے دنیا میں تھی بعینہ موجود ہوگی بدوان اسکے کہ کچھ ایسے سے کم ہوتا کہ اس کے ہر ہر عضو کے بدلے میں اجر حاصل ہو اور پطراط پر اس کی سواری بنے۔ اور ہر وقت ایک عبادت کیساتھ قربانی کی افضلیت کی وجہ خاص ہوتا ہے اور اس دن میں وہ عبادت مخصوص ہے جو حضرت ابراہیم

نبی علیہ السلام نے کی تھی اور اگر کوئی عبادت اس سے افضل ہوتی تو حضرت اسمعیل نبی علیہ السلام کو کیوں فدیا ہوتے اور اسی واسطے صاحب خلاصہ نے لکھا ہے کہ وہ روز نحر کو قربانی کا جانور خرید کر ذبح کرنا ہزار درہم کے تصدق کرنے سے بہتر ہے کیونکہ جو قرب الہی خون بہانے سے حاصل ہوتا ہے وہ خیرات کر نیسے نہیں ہو سکتا۔ لیکن سمجھنا چاہئے کہ اس دن خون بہانا اگرچہ سب عبادات سے افضل قربانی صرف تقویٰ والوں کی قبول ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نہیں

پہنچتا اس کا گوشت اور نہ خون لیکن اسکو پہنچتا ہے تقویٰ تمہاری طرف سے یہ اشارہ کرتا ہے کہ صرف خون بہانا اور گوشت کا کھلانا معتبر نہیں ہے بلکہ اعتبار تقویٰ کا حاصل کرنا ہے جو تمام عبادات کے مقبول ہونے کی شرط ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ صرف تقویٰ والوں ہی سے قبول کرتا ہے اور تقویٰ تمام منہیات سے بچنے اور تمام احکام کے بجالانے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور جب یہ نہ حاصل ہو تو صرف خون بہانا اور گوشت خیرات کرنا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو۔ پس اس بنا پر اس عید میں مکلف پر کئی چیزیں واجب ہیں۔ اول معاصی کا ترک کرنا کیونکہ گناہ معاصی کا ترک کرنا واجب ہے۔

کمزور اگرچہ ہر وقت برا ہے لیکن بعضے وقتوں کی شرافت کے سبب قباحت میں بہت زیادہ اور حرم میں بہت سخت ہوتا ہے لہذا اس وقت اس کا ترک کرنا زیادہ لازم اور واجب ہے بسبب اس قول خداوند تعالیٰ کے "مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ ہے کتاب اللہ میں جس دن آسمان اور زمین کو پیدا کیا ان میں سے چار ماہ حرام ہیں یہی سیدھا دین ہے پس ان میں اپنے اوپر ظلم مت کرو۔ یعنی قمری مہینوں کا عدد چتر بہت سے احکام شرعی کا مدار ہے از روئے حکم الہی بارہ مہینے لوح محفوظ میں ثابت ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے ان بارہ مہینوں میں سے چار محترم ہیں۔ فریقہ اور ذی الحجہ اور محرم اور جب اور ان چاروں مقررہ مہینوں کا محترم ہونا یہی سیدھا دین ابراہیم نبی علیہ السلام کا دین ہے لہذا تم ان میں ان کی حرمت توڑ کر اور ان میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ عمل نیک ان مہینوں میں

جیسے کہ ثواب میں زیادہ ہے ایسے ہی معصیت بھی ان میں اور وقت کی معصیت سے بڑھی ہے۔ اسی طرح ماہ رمضان اور جمعہ کے دن اور عرفہ کے روز اور ان کی راتوں میں اور شب قدر میں اور اور دونوں عیدوں کے دن اور ان کی راتوں میں معصیت بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اوقات کو ان عبادتوں سے جو ان اوقات میں کیجاتی ہیں اور فضیلت دی ہے اور انہیں عبادت کا ثواب اور رحمت کا نزول اور مغفرت کے بابہ نسبت اور اوقات کے اس امرت مرحومہ پر رحمت کیلئے زیادہ مقرر فرمایا ہے۔ لہذا جو شخص اس رحمت کو جو اس وقت اُس پر ہے نہ پہچان کر اس وقت کی حرمت طرح طرح کے گناہ کر کے توڑ دے گا تو بیشک وہ اس لائق ہے کہ اس کا عذاب سخت اور عقاب بڑا ہو۔

مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس نعمت کو جو ان کو ملی ہے جانیں اور جس کو اللہ نے عظمت دی ہے اُس کی تعظیم کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے ہوں اور ان اوقات کی تعظیم صرف ان میں نیک اعمال کی کثرت ہی سے ہو سکتی ہے اور اگر کوئی شخص اس سے عاجز ہو تو کم از کم اسکی تعظیمی حالت یہ ہے کہ ان اوقات میں ان کاموں سے بچے جو اُس پر حرام اور اُس کیلئے مکروہ ہیں لہذا تمام بدعات اور منکرات اور جو کام سزاوار نہیں ہیں یعنی ممنوعات ترک دے اور آجکل تو اکثر لوگ کبھی کبھی ان اوقات میں اس کے خلاف کیا کرتے ہیں چنانچہ ایام عیدین اور ان کی راتوں میں لہو و آہ و غیرہ طرح طرح کے گناہوں میں لہجے خود کر کے لہجے تماشا بازی بن کے کوشش کرتے ہیں باوجودیکہ ایک گناہ کے دس ضرر ہیں جیسا کہ فقیہ ابواللیث نے تنبیہ الغافلین میں گناہ کے نقصانات ذکر کیا ہے۔ اول اپنے خالق کے حکم کی مخالفت کر کے اُس کو ناراض کرنا اور دوسرے ابلیس کا جو خود اس کا اور اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے خوش کرنا تیسرے جنت سے اسکا دور ہونا چوتھے دوزخ سے نزدیک ہو جانا پانچویں سب سے زیادہ محبوب چیز جان پر ظلم کرنا چھٹے اپنی جان جو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے نجس کرنا۔ ساتویں نگہبان فرشتوں کو جو اسے نہیں ستاتے ہیں ستانا آٹھویں نبی علیہ السلام کو قبر شریف کے اندر رنجیدہ کرنا نویں زمین اور رات اور دن کو اپنی بڑائی پر گواہ مقرر کرنا دسویں تمام خلق اللہ کی بدخواہی کیونکہ گناہوں کی شامت سے بارشش کم ہوتی ہے۔

پس جب ایک گناہ کر نیوالے کا یہ حال ہے تو بھلا اُس کا کیا حال ہوگا جو طرت طرح کے گناہ کرنا ہو اور خصوصاً ان مبارک ایام میں حالانکہ داعیہ لوگ منبروں پر پکار پکار کر کہتے ہیں کہ عید اس کی نہیں جو عید کن لوگوں کی ہے۔ اُسے کپڑے پہن لے عید اسی کی ہے جو عید سے امن میں ہو عید اس کی نہیں جو عید میں لے عید اسی تو بہ کر نیوالے کی ہے جو پھر نہ پھرے۔ عید اس کی نہیں ہے جو

دنیا کی زیب و زینت سے آراستہ ہو، عید اسی کی ہے جس کے ساتھ تقویٰ کا توشہ ہو۔ عید اسکی نہیں جو اونٹنیوں پر سوار ہو، عید اسی کی ہے جو خطائیں چھوڑ دے۔ عید اسکی نہیں جو فرش پر بیٹھے عید اسی کی ہے جو صراط پر سے گزر جاتے۔ اور نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ملاہی سنا معصیت ہے تاج گانا سنا معصیت ہے اور اسپر بیٹھا رہنا فسق ہے اور اس سے مزہ لینا کفر ہے نیز یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کی آواز سن کر اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں دے لی تھیں لیکن یہ لوگ اس قسم کے کلمات سنتے ہیں اور کچھ پرواہ نہیں کرتے ہیں بلکہ اسلام اور خدا و رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور پھر بھی اوامر و نواہی میں ان کی مخالفت کے جاتے ہیں لیکن اس کا انجام بہت برا ہوگا۔

رہے حاکم وقت تو وہ ایسے ایسے ممنوعات دیکھتے ہیں لیکن اس میں سے کسی بات کو منع کرنا تو کجا خود اور لوگوں کی موافقت کرتے ہیں اب جو کوئی رونا چاہے وہ اسلام اور اس کی غربت پر روئے کیونکہ اب اسلام اسی غربت پر ہو گیا ہے جس غربت پر شروع ہوا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایام خوشی اور مسرت کے ضرور ہیں لیکن اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ خوشی اور مسرت ان اوقات میں ان ہی امور سے ہو جو مستحب یا مباح ہوں جیسے نہانا، خوشبو لگانا، اچھے اچھے کپڑے بدلنا مئے ہوں یا دھونگے ہوتے، نہ ان امور سے جو حرام یا مکروہ ہیں جیسے ریشمی پہننا اور واہیات کاموں میں گھسنا کیونکہ عید کا نام عید اسی لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دن دوبارہ مومنین پر مغفرت اور احسان فرماتا ہے لہذا ان پر واجب ہے کہ گناہ اور بافرمانی سے پرہیز کریں تاکہ سعادت مند اور اہل رضوان ہوں بدبخت اور بے یار و مددگار نہ ہوں۔

نیز یہ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دائرہ بجا کر گانا عید کے روز جائز ہے اور دلیل یہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر عید کے روز ان کے یہاں آئے اور ان کے پاس دو رکعتیں وقت پر گاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کپڑا اوڑھے ہوئے تھے سو ان دونوں کو حضرت ابوبکر نے جھڑکا اسپر نبی علیہ السلام نے اپنا چہرہ مبارک کھول دیا اور فرمایا اے ابوبکر جانے بھی دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ یہ حدیث اگرچہ ان کے زعم پر دلالت کرتی ہے لیکن ایسا نہیں ہے جو وہ سمجھے ہیں کیونکہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ یہ حدیث متروکہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے اور بعض وہ لوگ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل کی چیزیں اسپر عمل ہے کیونکہ لہو الحدیث سے مراد حسب بیان منہالم التزئیل ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما اور اسی کے ہم مثل معازت اور مزامیر وغیرہ مراد ہیں اور اشتر سے مراد پسند کرنا ہے۔ یعنی اس کے یہ ہیں کہ بعض لوگ غنا اور اسی کے ہم

معاذت و مزامیر کو پسند کرتے ہیں تاکہ بہکائیں راہِ خدا سے بے جانے بوجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی ٹھٹھا ان ہی لوگوں کو ذلت کا عذاب ہے۔ پس یہ آیت غنا اور تمام ملاحی کو جو اسی طرح کے ہیں حرمت پر دلالت کرتی ہے۔

اور اس کی حرمت پر یہ بھی دلیل ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بلوغ کے بعد غنا اور معاذت کی مذمت کے سوا اور کچھ منقول نہیں۔ اور دوسرا امر جو اس عید میں مکلف پر واجب ہے قربانی ہے کہ قربانی قربانی واجب ہے ہر مسلمان آزاد و مقیم تو انگریز پر واجب ہے اور اس بارہ میں تو انگریز یہ ہے کہ قربانی کس پر واجب ہے نصاب کا یا ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت حاجتِ اصلی سے زائد ہو کر نصاب کے برابر ہو اور اس میں نامی ہونے کی صفت معتبر نہیں۔ اور اب اس بنا پر جس کے پاس کوئی ایسا گھر ہو جس میں خود نہیں رہتا ہو کرایہ پر دیتا ہے تو تو انگریز میں اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا اور اسی طرح اگر اس میں رہتا ہو لیکن اس کی سکونت سے کچھ فاضل ہو تو اس فاضل کی قیمت بھی تو انگریز کے بارہ میں اعتبار کی جائے گی کیونکہ جو چیز اس کی حاجتِ اصلی کی ہوگی وہ ضروری ہے کہ اُس وقت استعمال میں نہ ہونے پر یہ کہ آئندہ اُس کی حاجت پڑے ورنہ ایسا تو کوئی مال نہیں ہو سکتا جسکی کبھی نہ کبھی حاجت پیش نہ آئے یہاں تک کہ اگر ایک شخص کرایہ کے گھر میں رہتا ہے پھر ایک قطعہ زمین دو سو درہم کو خرید کر رہنے کے لئے گھر بنائے تو اب یہ شخص اس گھر کے سبب سے غنی ہے کیونکہ اس وقت اس کی ضرورت سے زائد ہے۔ اگر اس کی حاجت ہوگی تو آئندہ ہوگی۔ اور جس کے پاس کوئی ایسا مکان ہو جس میں دو قطعہ ہوں ایک گرمی کا اور ایک جاڑے کا تو وہ غنی نہیں ہے اور اگر اس میں تین قطعہ ہوں تو تیسرے قطعہ کی قیمت تو انگریز میں اعتبار کی جائے گی۔

اور کپڑوں کا مالک تین جوڑے کپڑے بے غنی نہیں ہوگا کہ ایک روڑمرہ کے پہننے کے لئے ہو اور دوسرا کام کرنے کے وقت کا اور تیسرا جمعہ اور عید کا۔ اور اسی طرح دو بچپونے سے غنی نہیں ہوگا اور جب قدر تین جوڑے کپڑے اور دو بچپونوں سے زیادہ ہوگی اس کی قیمت غنی ہونے کے لئے حساب کی جائے گی۔

اور غازی دو گھوڑوں سے غنی نہیں ہوتا اور اگر اسکے تین گھوڑے ہوں تو ایک گھوڑے کی قیمت تو انگریز میں حساب کی جائے گی۔ اور جس قدر ایک جانور سے زیادہ غازی کے علاوہ کسی اور شخص کے پاس ہوگا گھوڑا ہو یا گدھا زبیدار ہو یا اور کوئی یا ایک خادم سے زیادہ ہو تو اس کی قیمت تو انگریز میں معتبر ہوگی۔

اور اسی طرح تفسیر اور حدیث کی کتابیں ان کے اہل کے لئے اگر ایک ایک نسخہ سے زیادہ ہوں

تو ایک روایت کی بنا پر تو انگری میں اُس کی قیمت شمار کی جائے گی اور اسی طرح اگر ایک قرآن سے زیادہ اُس کے پاس ہو جو اچھی طرح پڑھ سکتا ہے تو تو انگری میں اُس کی قیمت معتبر ہوگی۔ اور کسان دو بیوں اور کھیتی کے آلات سے غنی نہیں ہوتا اور اگر تین بیوں ہوں تو ایک بیوں کی قیمت تو انگری میں معتبر ہوگی اور گائے اگر ایک ہو جب بھی اس کی قیمت تو انگری میں معتبر ہے۔ اور جس کے پاس ایک سال کے گزارے کا سامان ہو جو نصاب کے برابر ہے تو اس میں گفتگو ہے اور ظاہر یہ ہے کہ تو انگری میں اس کا شمار نہیں اس کو قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے اور عورت کے پاس اگر جو اہر ہوں موتی ہوں جن کو عید کے روز پہنتی ہو یا خاوند کے واسطے سنگار کرتی ہو تو اُس کی قیمت تو انگری میں معتبر ہے اور اسی طرح اگر عورت کی ملک میں کوئی گھر ہو جس میں اپنے خاوند کے ساتھ رہتی ہو تو اُس کی قیمت بھی تو انگری میں معتبر ہوگی بشرطیکہ اُس کا خاوند گھر دینے پر قدرت رکھتا ہو اور اسی قدر نصاب سے زکوٰۃ لینے کی حرمت اور صدقہ فطر اور قربانی کا وجوب متعلق ہے کیونکہ غنی کے تین مرتبے ہیں :-

غنی کی قسمیں | ایک تو وہ غنی ہے جسکو سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام ہے اور اسی پر صدقہ فطر اور قربانی اور زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور یہ وہ غنی ہے جو پورے نصاب نامی کا مالک ہے اور ایک وہ غنی جسکو سوال کرنا اور صدقہ لینا حرام اور صدقہ فطر و قربانی واجب ہے لیکن زکوٰۃ واجب نہیں اور یہ وہ شخص ہے جو ایسی چیز کا مالک ہو جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو لیکن اس میں نمونہ ہو۔

اور ایک غنی وہ ہے جس کو سوال کرنا تو حرام ہے لیکن صدقہ لینا حرام نہیں اور ایسے ہی شخص پر اشیائے مذکورہ بالا صدقہ فطر و قربانی زکوٰۃ کچھ واجب نہیں اور یہ وہ ہے جس کے پاس صرف ایک دن کا گزارا اور بدن ڈھکنے کا کپڑا ہو۔ پھر مفلسی اور غنا میں قربانی کے اخیر دن کا اعتبار ہے۔ لہذا مفلسی اور غنا میں قربانی کے اخیر دن کا اعتبار ہے | اگر ایام قربانی ایسی حالت میں آئیں کہ اُس کے پاس کچھ مال نہ ہو لیکن نصاب کے برابر ایام قربانی گزرنے سے قبل مل جائے اور اُس کے ذمہ کچھ قرض بھی نہ ہو تو اب قربانی اُس پر واجب ہے اور اگر ایام نحر تو انگری کی حالت میں تو آئے لیکن ایام قربانی گزرنے سے اُس کا مال یا کُل تلف ہو گیا یا نصاب سے کم رہ گیا تو ایسی حالت میں اسپر قربانی واجب نہیں ہے اور جس کا قرض لوگوں پر ایک وقت معین کے وعدے پر تو ہو لیکن قربانی کے زمانہ میں اس کے ہاتھ میں اتنا نہ ہو کہ قربانی خرید سکے تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اس کا قرض کسی مفلس پر آتا ہو جو قرض کا اقرار بھی کرتا ہے تو پھر بھی جب تک قرض وصول نہ ہو جائے اُس پر قربانی واجب نہیں اور اسی طرح اگر اس کا قرض کسی تو انگری پر آ

ہو جو اقرار بھی کرتا ہے اور اُس کے ہاتھ میں اتنا نہ ہو جس سے قربانی خرید سکے تو اس کو نہ یہ ضروری ہے کہ قرض لے کر قربانی کرے اور نہ قرض کی وصولیابی پر قربانی کی قیمت دینی لازم ہے۔ لیکن ہاں اسکو یہ لازم ہے کہ قرضدار سے قربانی کی قیمت مانگے۔ اگر یہ ظن غالب ہو کہ وہ دیدے گا اور اگر اُسکا بہت سا مال اسکے قبضہ سے باہر اسکے شریک یا مضارب کے قبضہ میں ہے لیکن اس کے قبضہ میں سونا یا چاندی اتنی ہے کہ قربانی خرید سکتا ہے یا گھر کا اسباب ہے تو اُس پر قربانی واجب ہے۔

قربانی کا وقت | قربانی کا اول وقت دسویں تاریخ ذوالحجہ کی طلوع فجر کے بعد سے ہے لیکن نماز عید کا قربانی پر شہر والوں کیلئے مقدم کرنا شرط ہے حتیٰ کہ جو شہر میں رہتا ہے اُس کو نماز سے پیشتر قربانی جائز نہیں تا وقتیکہ امام نماز سے فارغ نہ ہو جائے اور اگر امام کی نماز سے پیشتر قربانی کر لی تو درست نہیں۔ اور اگر امام جماعت کے ہمراہ عید گاہ کی طرف روانہ ہو اور ایک شخص کو نائب بنا گیا ہو کہ ناتوانوں کو شہر میں نماز پڑھاوے اور بعضوں نے دونوں میں سے ایک کے نماز پڑھ لینے کے بعد قربانی کر دی تو استحساناً جائز ہے۔

اور اگر کوئی ایسی بستی ہے جس میں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے یا تو اسلئے کہ امام نہیں ہے یا اہل فتنہ کے غلبہ کی وجہ سے تو قربانی پہلے دن دوپہر ڈھلنے کے بعد جائز ہے اور دوسرے اور تیسرے دن دوپہر ڈھلنے سے پہلے اور بعد میں دونوں وقت جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسی جگہ قربانی ہر وقت جائز ہے کیونکہ نماز کی ترہیاں توقع نہیں۔

اور اگر امام عید کے روز نماز میں دیر لگائے تو گوگوگوں کو بھی چاہئے کہ قربانی کو دوپہر ڈھلے تک مؤخر کر دیں اور اگر امام نماز کے لئے لگے دن یا اس کے بعد بھی نکلے اور بعض لوگوں نے امام کی نماز سے پہلے قربانی ذبح کر دی تو جائز ہے کیونکہ نماز کا وقت مسنون تو جاتا رہا۔

پھر یہ کہ قربانی جس جگہ کی جائے اُس کا اعتبار ہے قربانی کر نیوالے کی جائے قیام کا اعتبار نہیں شکیک کہ اگر قربانی شہر میں کی جائے اور قربانی کر نیوالا گاؤں میں ہو اور اُس نے کسی شخص کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہو اور اُس شخص نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا ہو تو جائز نہیں اور اگر قربانی گاؤں میں ہو اور مالک شہر میں اور اُس نے اپنے لوگوں کو کہہ دیا ہو کہ قربانی ذبح کر دینا اور اُس کے لوگوں نے نماز سے پہلے ذبح کر دیا تو جائز ہے اور اسی طرح اگر ایک شخص ایک شہر میں اور اُس کے گھر والے دوسرے شہر میں ہوں اور اس شخص نے گھر والوں کو لکھا ہو کہ میری طرف سے قربانی ذبح کر دینا تو اُن پر لازم ہے کہ اس شہر کے امام کی نماز کے بعد جہیں وہ رہتے ہیں مکان قربانی کا اعتبار کر کے اُس کی طرف سے ذبح کریں۔

اور جس نے یہ خیال کر کے کہ گوشت جلد ملجائے قربانی کو شہر سے باہر لیجا کر نماز سے پہلے ذبح کر

لیا تو علماء کہتے ہیں اگر وہ قربانی کو اتنا دور لے گیا ہے جس میں قصر نماز مباح ہو جاتی ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں یہ سب شہر والوں کے حق میں ہے۔

اور گرد و نواح اور گاؤں کے لوگوں کو دسویں تاریخ ذی الحجہ کی صبح صادق کے بعد ہی سے ذبح کرنا جائز ہے اور جنگل کے رہنے والے اپنے سے قریب تر امام کی نماز سے فراغت کے بغیر ذبح نہ کریں اور اس کا آخر وقت شہری اور گاؤں والے سب کے حق میں تیسرے دن ایام قربانی کے آفتاب ڈوبنے سے کچھ پہلے تک ہے۔ اور قربانی کا افضل وقت پہلا دن ہے اور اونٹنے

قربانی کا افضل و مکروہ اور ادنیٰ وقت | وقت پچھلا دن اور رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے اگرچہ جائز ہے کیونکہ رات کی اندھیری میں غلطی کا احتمال ہے۔ اگر یہ شبہ ہو جائے کہ یہ دن ذی الحجہ کی

دسویں ہے یا نویں تو احتیاط یوں ہے کہ اگلے دن دوپہر ڈھلے ذبح کرے۔ قاضیخان نے اپنے ایک غلط فہمی کا ازالہ | فتاویٰ کی کتاب الصوم میں کہا ہے کہ غرہ رمضان اگر جمعرات کے دن ہو

اور عرفہ کا دن بھی جمعرات کے روز آ پڑے تو وہ دن بیشک عرفہ ہی کا ہے یوم النحر نہیں یہاں تک کہ اس دن حضرت علیؑ کے اس قول پر وثوق کر کے ذی الحجہ کی دسویں رمضان کی پہلی ہے اس دن قربانی کرنا درست نہیں کیونکہ یہ قول محتمل ہے اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ آپ

نے اُس ہی سال کا حال ارشاد کیا ہو نہ ہمیشہ کا قاعدہ۔ پھر یہ کہ قربانی چار قسم کے جانوروں کی جائز ہے اور اونٹنی اور گائے میں مادہ افضل ہے اور بکری اور دنبہ میں نرا افضل ہے اور ان چاروں

قسموں میں شنی معتبر ہے۔ بکری اور دنبہ میں توشنی وہ ہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرا شروع ہوا ہو اور گائے میں وہ ہے جس کو دو برس پورے ہو چکے ہوں اور تیسرا شروع ہوا ہو اور اونٹ میں شنی وہ ہے جس کے پانچ برس پورے ہو چکے ہوں اور چھٹا شروع ہوا ہو اور ان

عمروں سے چھوٹا کسی قسم کا جائز نہیں مگر دنبہ کا جذع اگر خوب بڑا ہو کہ ایک برس کی عمر والوں میں مل جائے تو دور سے نہ پہچانا جائے تو جائز ہے اور جذع وہ ہے کہ جس کی چلی ہو اور چھ ماہ پورے ہو کر کچھ دن ساتویں مہینے کے بھی گذر گئے ہوں۔ اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ ایام نحر

مرغ مرغی کی قربانی نہیں | میں مرغ اور مرغی کی قربانی کرنا اس آدمی کو جس پر افلاس کے سبب سے قربانی واجب نہیں قربانی کرنا والوں کی مشابہت حاصل کرنے کو مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی رسم ہے۔ اور اگر کسی فقیر نے قربانی کے لئے بکری خریدی اور ذبح نہ کی یہاں تک کہ قربانی کے دن فقیر کی قربانی کا حکم | گذر گئے تو اسی پر لازم ہے کہ وہ بکری زندہ نجات کر دے یا اس کی قیمت

دیدے اور اگر قربانی کے دنوں کے بعد ذبح کیا اور گوشت نجات کر دیا تو بھی جائز ہے لیکن اگر

زندہ کی قیمت زیادہ ہو تو اتنی فاضل قیمت بھی خیرات کر دے اور اگر اُس میں سے خود کھائے تو اُسکو قیمت اور دینی پڑے گی اور اگر اس نے ان امور میں سے کچھ بھی نہ کیا یہاں تک کہ اگلے سال قربانی کا دن آگیا اور اب اُس نے پہلے سال کی طرف سے بھی ذبح کیا تو جائز نہیں کیونکہ ذبح کرنا صرف وقت موجودہ کی ادا کی حالت میں عبادت ہے گذشتہ وقت کی قضا کرنا عبادت نہیں۔ اور اونٹ گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں | اونٹ اور گائے میں ایک سے لیکر سات آدمیوں کی شرکت جائز ہے بشرطیکہ ان سب کا ارادہ تقرب کا ہو ایک ہی طرح کی عبادت ہو یا مختلف جیسے قربانی اور قرآن اور متعہ اور عقیقہ اور سات تک مقرر کر نیسے زیادتی کی ممانعت ہے نہ کہ کمی کی یہاں تک کہ چھ یا پانچ یا چار یا تین یا دو آدمیوں کی طرف سے بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔ جیسے کہ کوئی شخص مرگیا اور اُس نے ایک بیٹا اور ایک بیوی وارث اور ایک گائے ترکہ میں چھوڑی اور انہوں نے وہ گائے قربانی کی تو یہ جائز نہیں۔

اور ایسے ہی اگر تین آدمیوں نے ملکر قربانی خریدی کہ ان میں سے ایک نے چار دینار دئے اور دوسرے نے تین دینار اور تیسرے نے ایک دینار دیا اور ایک گائے مول لی اور آپس میں یہ شرط کی کہ ہر ایک کی شرکت بقدر مال ہے اور اُسکی قربانی کر دی تو یہ جائز نہیں۔

اور اگر سات آدمی ایک گائے میں شریک ہوتے اور ان میں سے کسی نے نفل کی نیت کی اور کسی نے اسی سال کی قربانی کی اور کسی نے پچھلے سال کی قربانی قضا کی تو یہ سب جائز ہے لیکن جس نے گذشتہ سال کی قضا کی نیت کی تھی اُس کی بھی نفل ہی ہوگی قضا کی طرف سے نہ ہوگی بلکہ اب اس کو لازم ہے کہ ایک متوسط بکری کی قیمت سال گذشتہ کے عوض خیرات کر دے۔

اور اگر ان سات میں سے ایک مرگیا اور اس کے وارثوں نے کہا کہ اس کی طرف سے اور اپنی طرف سے ذبح کر لو تو استحساناً جائز ہے۔ اور اگر سات آدمیوں نے ملکر گائے قربانی کی اور گوشت قربانی کا گوشت تقسیم کر نیکاً طریقہ | تول کر بانٹا تو جائز ہے اور اگر اٹکل سے بانٹا تو یہ حبانہ نہیں ہے۔

ہاں جبکہ گوشت کے ساتھ کچھ کلتے پائے یا چمڑا بلا لیں تو جائز ہے خواہ ہر طرف کچھ گوشت اور کچھ پائے ہوں یا ہر طرف کچھ گوشت اور کچھ چمڑا یا ایک طرف گوشت اور پائے ہوں اور دوسری طرف گوشت اور چمڑا تو اس صورت میں اٹکل سے اسلئے جائز ہے کہ ایک جنس کا خلاف جنس سے مقابلہ ہو جائے گا۔

اور اگر گوشت کیساتھ کچھ نہ بلا یا اور ہر ایک نے دوسرے سے کمی بیشی کو معاف کر لیا تو یہ بھی جائز نہیں کیونکہ زیادتی معاف کرنا ہی ہے اور مشترک چیز کا ہبہ جس صورت میں کہ تقسیم ممکن ہو جائز

نہیں۔

اور اگر گوشت تو لکر بانٹ لیا اور چمڑا سب نے لکر کسی فقیر کو خیرات کر دیا یا کسی غنی کو ہبہ کر دیا یہ جائز ہے۔

اور اگر گوشت اور چربی ملا کر سات حصے کئے اور آپس میں اٹکل سے تقسیم کر لیا تو جائز ہے۔ اور بڈھا وہ بینڈھا جسکی قربانی جائز یا ناجائز ہے اور بینڈھا جس کے سینگ پیدائشی نہ ہوں اور باؤ لا جائز ہے اور اندھا جانور جس کی دونوں آنکھیں نہیں ہیں جائز نہیں اور نہ کانا جس کی ایک آنکھ نہ ہو اور نہ ایسا ذبلا جس کی ہڈی کے اندر مغز نہ رہا ہو اور نہ لنگڑا جو تین پیر سے چلتا ہو اور چوتھا زمین سے اٹھائے رکھتا ہو جائز ہے اور اگر چوتھا پاؤں زمین پر آہستہ سے رکھ کر مدولیتا ہو لیکن چلتے وقت لنگڑانا ہو تو جائز ہے اور جس کا تہائی سے زیادہ کان یا چلتی یا آنکھ جاتی رہی ہو وہ جائز نہیں ہے۔

اور طریقہ تہائی بنیائی جانے کے دریافت کا یہ ہے کہ جب وہ بھوکے ہو اس کی ناقص شدہ آنکھ بند کریں اور اس کو گھاس دکھائیں اور خیال رکھیں کہ کتنی دور سے گھاس دیکھ لیتی ہے پھر اچھی آنکھ بند کریں اور گھاس دکھائیں اور یہ خیال کریں کہ کتنی دور سے گھاس دیکھ لیتی ہے پھر دیکھیں کہ دونوں جگہوں میں کتنا فاصلہ ہے۔ اگر آدھوں آدھ کا فرق ہے تو آدھی بنیائی نہیں ہے اور اگر تہائی ہے تو تہائی بنیائی جاتی رہی ہے اور اسی طرح اگر چوتھائی فاصلہ ہو تو چوتھائی سمجھیں الی غیر ذلک۔ اور کان کا پھٹا ہونا یا واغدار ہونا قربانی کے جواز کا مانع نہیں اور ایسے ہی سینگ کا ٹوٹا ہونا ہاں اگر مغز تک پہنچ جائے تو جائز نہیں۔

اور اگر ذبح کرنے کے لئے پچھاڑنے میں آنکھ جاتی رہے یا پیر ٹوٹ گیا تو اگر اس کو چھوڑا نہیں بلکہ اسی وقت ذبح کر لیا تو جائز ہے اور اگر چھوڑ دیا ہو اور اسی دن میں دوسرے وقت یا قربانی کے دنوں میں سے کسی اور دن میں ذبح کیا تو اس میں اختلاف ہے لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے اور اسی کو زعفرانی نے اختیار کیا ہے۔ اور اگر قربانی کے بچے ہو پڑے تو لازماً قربانی کے بچے کو ذبح کرنا لازم ہے ہے کہ بچے کو بھی ذبح کر دے اور اگر بچے کو نہ ذبح کیا یہاں تک کہ قربانی کے دن گذر گئے تو اسکو لازم ہے کہ وہ بچہ زندہ خیرات کر دے۔ اور افضل اپنے ہاتھ سے قربانی ذبح کرنا افضل اور دوسرے سے کرنا جائز ہے کہ اگر قدرت ہو تو اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرے کیونکہ عبادت ہے قربانی اور عبادت کا خود ادا کرنا اولیٰ ہے اور اگر خود قدرت نہیں ہے تو کسی اور سے کہدے لیکن کسی اہل کتاب کو نہ کہے کیونکہ یہ عبادت ہے اور وہ اس کا اہل نہیں۔ اور اگر اس کو حکم دیدیا اور اسے ذبح بھی کر دیا تو جائز ہو

گیا کیونکہ آخر وہ ذبح کا اہل تو ہے ہی اور یہ تقرب اسکی نیابت اور نیت سے ہو جائے گا لیکن مکروہ ہے۔ اور چھری کا تیز کرنا پچھاڑنے سے پہلے مستحب ہے اور اس کے بعد مکروہ ہے اس ذبح کے وقت مکروہ افعال [حدیث کی بنا پر جو مروی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کا ایک شخص پر گذر ہوا جو بکری پچھاڑ کر چھری تیز کر رہا تھا اور بکری اپنی آنکھوں سے ادھر دیکھ رہی تھی تو آپ نے فرمایا کہ تو چاہتا ہے کہ اس کو کئی موت سے مارے، اس کے پچھاڑنے سے پہلے چھری کیوں تیز نہ کی تھی۔

اور قربانی کو ٹانگ پکڑ کر مذبح تک کھینچتے ہوئے لانا اور قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا مکروہ ہے اور نخی بھی مکروہ ہے اور نخی ایسا سخت ذبح کرنا ہے کہ حرام معتز تک نوبت پہنچ جاوے اور تڑپنے سے سکون ہونے سے پہلے کھال کھینچنا مکروہ ہے۔ اور مستحب ہے کہ آدمی اپنی قربانی کے ذبح کے وقت مستحب کام | ہونے وقت پاس حاضر رہے اور اگر بکری کے مالک نے بھی اپنا ہاتھ بسم اللہ پڑھنا واجب ہے | قصاب کے ساتھ ذبح کے وقت چھری پر رکھنا کہ قصائی کے ہمراہ اسکے بغیر مذبح حرام ہے | ذابح ہو تو اس بارے میں شیخ امام محمد بن الفضل نے فرمایا ہے کہ ان دونوں پر بسم اللہ کہنا واجب ہے یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے ایک نے بھی تکبیر نہ کہی تو مذبح حلال نہیں کیونکہ حلال ہونے کی شرط اس آیت کی رو سے اور نہ کھاؤ اس میں سے جسپر اللہ کا نام نہ لیا جائے بسم اللہ پڑھنا ہے لہذا ذابح اگر بسم اللہ قصداً ترک کر دے تو ذبیحہ مزار ہے اور اس کا کھانا حلال نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور کچھ بھی کہا تو اگر عطف کے ذبح کے وقت اللہ کے ساتھ | ساتھ مثلاً یوں کہا ہو بسم اللہ و محمد رسول اللہ تو ذبیحہ حرام ہو جائے کسی دوسرے کا نام لینے کا حکم | گا اور اگر بغیر عطف کے ہو تو حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

اور یہ بھی مکروہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد ذبح سے قبل کچھ دعا کرے۔ مثلاً یوں کہے کہ بسم اللہ الہی مجھ سے یا فلانے سے قبول کرے۔ ہاں ذبح کے بعد اس کا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ پیغمبر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے ذبح کے بعد یہ فرمایا الہی یہ قربانی محمد کی تمام امت کی طرف سے جس نے تیری وحدانیت اور میری تبلیغ کی گواہی دی ہے قبول کرے۔ ذبح کرتے ہوئے عام طور پر مستحب تکبیر | رواج تو بسم اللہ واللہ اکبر کا ہے اور وہ جائز ہے لیکن قبیر میں مذکور ہے کہ مستحب یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر بدون واو کے کہے اور واو کے ساتھ مکروہ ہے۔ اور اگر کسی غیر کی طرف سے قربانی جائز ہے | شخص نے بغیر کی قربانی بے اس کی اجازت کے ذبح کر دی تو استحساناً جائز ہے۔ اور اگر دو آدمیوں میں دو بکریاں مشترک ہوں اور دونوں نے بلا تعین اپنی اپنی طرف سے ذبح کر دیں تو جائز ہے۔ اور قربانی کا گوشت خود بھی کھاتے اوروں کو بھی

قربانی کے گوشت اور چمڑے کا مصرف | کھلائے غنی ہو یا فقیر اور جس کو چاہے ہبہ کر دے اور
 قصاب کی مزدوری اس میں سے نہ دے اور تہائی کا خیرات کر دینا مستحب ہے اور صاحب عیال کو
 بال بچوں پر فراغت کے خیال سے خیرات نہ کرنا بھی مستحب ہے اور اس کے چمڑے سے فائدہ
 اٹھانا جائز ہے اس طرح کہ اس کا تھیلہ یا چھلنی یا بچھونا یا اور کچھ بنا لے اور اس کو یہ بھی جائز ہے
 کہ اُسکے بدلے میں ایسی چیز لے لے جس سے بعینہ باقی رکھ کر نفع اٹھائے جیسے موزہ وغیرہ ایسی
 چیز سے بدلنا جسے ہلاک کئے بغیر فائدہ نہ ہو سکے جیسے سرکہ وغیرہ جائز نہیں اور چمڑے کے فقیروں کو
 خیرات دینے کے لئے بیچنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ہاں جائز نہیں کہ اپنے اوپر یا اپنے عیال پر خرچ
 کرنے کے لئے درام کے عوض بیچے اور اگر ایسا کرے گا تو اس کی قیمت خیرات کر دے اور اگر
 قیمت خیرات کرنے کو گوشت بیچنا چاہے تو گوشت میں اُس کو کھالینے اور کھلا دینے کے سوا اور
 کچھ نہیں۔ اور ظاہر روایت کی رو سے کسی پر یہ لازم نہیں کہ نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرے
 نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کا مسئلہ | اگرچہ نابالغ اولاد کا مال بھی ہو۔ لیکن ہمارے بعض
 علماء کہتے ہیں کہ اُن کی طرف سے ان کا باپ یا وصی خود انہی کے مال میں سے صدقہ فطر پتھیاں
 کر کے امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق قربانی بھی کر دے اور امام شری نے فرمایا ہے کہ بعض
 مشائخ یہ سمجھتے ہیں کہ باپ یا وصی کے ذمہ ضروری ہے کہ صغیر کے مال میں سے امام ابوحنیفہ کے
 قول کے مطابق صدقہ فطر پتھیاں کر کے قربانی کر دے لیکن صحیح تر یہ ہے کہ اُس کو اسکا
 اختیار نہیں۔

اور اگر بعضے مشائخ کا قول اختیار کر کے قربانی کر لی ہے تو اس میں سے کچھ خیرات نہ کرے بلکہ اُس
 میں سے وہ ہی صغیر کھاتے اور جو بچے اُسکے بدلے میں کوئی ایسی چیز لے لے جس کو بعینہ باقی رکھ
 کر صغیر نفع اٹھائے جیسے کپڑا وغیرہ ایسی چیز سے نہ بدلے جس سے صغیر کو بغیر اُس چیز کے تلف
 کئے ہوئے فائدہ حاصل نہ ہو جیسے روٹی وغیرہ۔ کیونکہ اگر واجب ہے تو صرف ذبح کرنا ہے رہا
 خیرات کرنا سو وہ نفل ہے اور صغیر کا مال نفل کے قابل نہیں ہاں چمڑے کی طرح کسی چیز کا بدل
 لینا جائز ہے کیونکہ چمڑے سے فائدہ لینا بھی جائز ہے اور ایسی چیز سے بدل لینا بھی جائز ہے
 جس کو بعینہ باقی رکھ کر نفع اٹھائیں کیونکہ بدلے کی چیز اس صورت میں خود مبدل کے حکم میں ہے
 لہذا یہ بعینہ اصل ہی سے نفع اٹھانے کے حکم میں ہے اور جب چمڑے کا یہ حکم ہے تو اسی پر گوشت
 کو بھی صغیر کی ضرورت ہو تو قیاس کر لیا۔ اور تیسری چیز جو مکلف پر اس عید میں واجب ہے
 تکبیرات تشریح واجب ہیں | تکبیرات تشریح ہیں۔ کیونکہ تکبیریں امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک
 آزاد مقیم لوگوں پر ہر فرض نماز کے بعد جو جماعت سے ادا کی جاتے واجب ہیں۔ پس نہ

گاؤں والوں پر واجب ہیں اور نہ مسافر پر اور نہ غلام پر اور نہ لیکلے پڑھنے والے پر اور نہ عورت پر ہاں اگر یہ لوگ ان کے مقتدی نہیں جن پر واجب ہیں تو اب ان کے ساتھ تابع بن کر تکبیر کہیں مگر عورت اپنی آواز بلند نہ کرے کیونکہ اس کی آواز بھی ستر ہے۔ اسکے سوا اور سب بیکار کر کہیں کیونکہ اس میں سنت زور سے کہنا ہی ہے اور کوئی مانع موجود نہیں اور عید کی نماز کے بعد واجب نہیں ہے اور نہ وتر کے بعد اور نہ نفلوں کے بعد کیونکہ یہ نمازیں فرض نہیں ہیں اور جمعہ کی نماز کے بعد واجب ہے کیونکہ یہ فرض ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک ہر شخص پر جو نماز فرض ادا کرے واجب ہے اگرچہ گاؤں کا باشندہ ہو یا مسافر ہو یا غلام ہو یا تنہا نماز پڑھی ہو یا عورت ہو۔ اور ابتدائے ان کی امام ابو حنیفہ کے نزدیک تکبیرات تشریح کا ابتدائی اور آخری وقت نویں تاریخ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہے پس تمام تکبیریں آٹھ نمازوں کے بعد ہوتیں اور صاحبین کے نزدیک آٹھ تشریح کی عصر تک اور وہ ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ ہے اب تکبیریں تیس نمازوں کے بعد ہوتیں اور اس زمانہ میں عمل صاحبین ہی کے قول پر باب عبادت میں احتیاط کی وجہ سے ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے

تکبیر تشریح اور اس کی اصل کہ سلام کے بعد کلام کرنے سے پہلے ایک مرتبہ "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد" کہے اور تکبیر تشریح کی اصل یہ ہے کہ ابراہیم نبی علیہ السلام نے جب اسمعیل نبی علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فدیہ لیجا میں لیکن جب جبرائیل علیہ السلام قربانی لیکر آئے تو اس خوف سے کہ کہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جلدی نہ کر بیٹھیں اللہ اکبر اللہ اکبر کہنے لگے اور ابراہیم نبی علیہ السلام نے جبرائیل علیہ السلام کی آواز سن کر یہ خیال کیا کہ کوئی بشارت لاتے ہیں اس لئے انہوں نے تہلیل کی اور اللہ کو وحدانیت اور بڑائی سے یاد کیا اور فرمایا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور اسمعیل نبی علیہ السلام دونوں کی کلام سن کر سمجھ گئے کہ فدیہ آگیا اور اس بنا پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور شکر بجالائے اور اللہ اکبر واللہ الحمد کہا۔ اس لئے ہمارے لئے یہ کلمات ان ایام میں ان کی میراث ہو گئی۔ اور اگر تکبیر کے چند مسائل امام تکبیر بخبول جائے اور کھڑا ہو کر روانہ ہو جائے تو جب تک مسجد میں سے باہر نہ نکلے لوٹ کر تکبیر کہے اور اگر باہر ہو گیا ہو تو نہ لوٹے اور نہ تکبیر کہے بلکہ اور لوگ تنہا کہیں اور اگر کوئی شخص ان دنوں معاذ اللہ نماز ترک کر دے اور پھر ان ہی دنوں میں قضا بھی کر لے تو تکبیر کہے اور اگر اور کبھی کی نماز چھوٹی ہوتی ان دنوں میں قضا کرے یا ان دنوں کی نماز چھوٹی ہوتی اور دنوں میں قضا کرے تو تکبیر نہ کہے اور اسی طرح اگر ان دنوں کی نماز چھوڑ دی اور دوسرے سال انہی دنوں میں قضا کرے تو تکبیر نہ کہے اور جس نے قضا نماز میں حدیث کر دیا تو تکبیر اس سے

کس وقت اور کن لوگوں پر تکبیرات تشریح واجب ہیں

ساقط ہو گئی لیکن جس کا وضو بے اختیار ٹوٹ گیا وہ بے وضو تکبیر کہے۔ اور اگر سجدہ سہوا اور تکبیر تشریح اور تلبیہ جمع ہو جائیں تو سجدہ سہو سے ابتدا کرے کیونکہ سجدہ سہو نماز کے اندر ہوتا ہے پھر تکبیر کہے کیونکہ یہ نماز کے بعد ادا ہوتی ہے اسی سے متصل پھر لبیک کہے کیونکہ تلبیہ بہر صورت نماز سے باہر ادا ہوتا ہے اور اگر اُس نے تکبیر کو مقدم کر دیا تو سجدہ کر لے کیونکہ تکبیر نماز کے منافی نہیں ہے۔ اور اگر تلبیہ کو مقدم کیا تو تکبیر اور سجدہ دونوں ساقط ہو جائیں گے کیونکہ تلبیہ کلام ہے لہذا وصل کو قطع کر دیتا ہے۔

اور سبق اپنی فوت شدہ نماز پوری کر کے تکبیر کہے امام کے ساتھ نہ کہے۔ اور وہ اگرچہ سجدہ سہو میں امام کی موافقت کرے لیکن تکبیر میں امام کی موافقت نہ کرے اور نفلیں پڑھنے والا اگر تکبیر کے دنوں میں فرض پڑھنے والے کی اقتدار کرے تو امام کی موافقت کی وجہ سے تکبیر کہہ لے۔ چونکہ عید کی نماز واجب ہے | امر جو اس عید میں مکلف پر واجب ہے نماز عید ہے۔ اور نماز سے عید کے روز مسنون، حرام اور مستحب افعال | پہلے مرو کو مسواک کرنا اور نہانا اور خوشبو لگانا اور اچھے مباح کپڑے نئے ہوں یا ڈھلے ہوئے پہننا مستحب ہے ہاں ریشم نہ ہو کیونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے حتیٰ کہ لڑکوں کو بھی حرام ہے لیکن گناہ اُس کو ہو گا جو اُن کو پہنائے گا۔ اور صبح کی نماز محلہ کی مسجد میں ادا کرنا اور تکبیر یعنی صبح دم جلد تیار ہونا اور ابتکار یعنی جلد ہی سے عید گاہ کی طرف پیادہ پاجانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا اور عید گاہ کو جانا اگرچہ جامع مسجد میں سب کی گنجائش ہو۔ مسنون ہے لیکن امام کسی کو اپنا خلیفہ بناوے جو شہر کے اندر نا تو انوں اور ضعیفوں کو نماز پڑھانے اس بنا پر کہ عید کی نماز دو جگہ بالاتفاق جائز ہے بخلاف جمعہ کے کیونکہ وہ سب جماعتوں کا جامع ہے اور مشرف ہونا اسکی منافی ہے۔

اور اس عید میں کھانے کو عید کی نماز پڑھ چکنے تک مؤخر کرنا مستحب ہے لیکن بعضے کہتے ہیں کہ یہ تاخیر صرف قربانی والے کے حق میں ہے تاکہ پہلے اپنی قربانی میں سے کھائے کیونکہ قربانی کی کبھی کھانا مسنون ہے اور ان کے علاوہ اوروں کے حق میں یہ حکم نہیں ہے لیکن اول روایت صحیح ہے کیونکہ صحابہ سے یہی روایت ہے کہ صحابہ اپنے بچوں کو کھانے سے اور چھوٹے بچوں کو دودھ پینے سے نماز پڑھنے تک منع کیا کرتے تھے۔

اور اس عید میں تکبیر زور سے عید گاہ کے راستے میں بالاتفاق مستحب ہے ہاں سب کا بل کر اور آواز بلا کر اور راگنی کی رعایت کر کے کہنا جائز نہیں کیونکہ یہ سب حرام ہے بلکہ ہر ایک خود تکبیر پڑھے اور جب عید گاہ میں جائے تو تکبیر موقوف کر دے اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ہر دس قدم پر ایک بار تکبیر پڑھتے تھے یہاں تک کہ عید گاہ پہنچ جاتے اور اگر کوئی گرد و لوث

کارہنے والا رات کو ایک کوس بھر یا اس سے کم زیادہ فاصلہ سے روانہ ہو تو جب صبح ہو اُس وقت سے تکبیر کہنا شروع کرے۔ پھر جب نماز کا وقت آجائے اور آفتاب بلند ہو جانے سے وقت نماز عید کا وقت اور طریقہ | مکر وہ گذر جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز بدون اذان اور اقامت کے پڑھائے پہلے تکبیر تحریمیہ کہے اور پھر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر سبحانک اللہم پڑھے پھر تین باز تکبیر کہے اور ہر دو تکبیر کے دوران بقدر تین تین تسبیح کے فرق رکھے کیونکہ یہ نماز بڑے مجمع کے ساتھ پڑھی جاتی ہے پے در پے بے فاصلہ کہنے میں دُور کے آدمیوں کو شبہ پڑے گا اور اپنے دونوں ہاتھ ان تکبیروں میں ہر تکبیر کے وقت اٹھائے اور درمیان میں دونوں ہاتھ پڑ دیا کرے اور تیسری تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ کر اعوذ باللہ اور سبحانک اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی سی ایک سورہ پڑھے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے اور جب دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو قرأت سے ابتدا کرے اور اس کے بعد تین باز تکبیر کہے ان کے درمیان بھی اسی قدر فاصلہ رکھے جو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور ہر تکبیر پر دونوں ہاتھ اٹھائے اور چھوڑ دے اس وقت ہاتھ کا باندھنا ثابت نہیں ہے۔ پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اب دونوں رکعتوں کی کل نو تکبیریں ہوتیں تین تین نو ان میں سے اصلی ہیں تکبیر تحریمیہ اور دو تکبیریں رکوع کی اور چھ زائد ہیں تین پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت کے بعد۔ اور اگر پہلی رکعت میں تکبیر کہنا بھول گیا یہاں امام کے تکبیرات عید بھول جائیگا مسئلہ | تک کہ کچھ یا تمام سورہ فاتحہ پڑھ چکا اور اس وقت یاد آیا تو تکبیر کہہ کر سورہ فاتحہ کو پھر سے پڑھے اور اگر سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھ چکنے کے بعد یاد آیا تو صرف تکبیر کہے اور قرأت کو نہ دُھرائے کیونکہ قرأت پوری ہو چکی اور پوری ہونے کے بعد دُہرا کر نقص کی قابلیت نہیں بخلاف پہلی صورت اور دوسری صورت کے کیونکہ قرأت ان میں پوری نہیں ہوتی تھی لہذا ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا قرأت ابھی شروع ہی نہیں کی اس لئے ترتیب کی رعایت کے لئے قرأت کو پھر سے پڑھ لے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر دو خطبے پڑھے اور دونوں کو تکبیر عید کا خطبہ | سے شروع کرے اور دونوں میں ایک خفیف جلسہ سے فاصلہ کرے جسکی مقدار یہ ہے کہ اس کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ درست ہو جائے۔ اور خطبہ دونوں عیدوں میں سنت ہے۔ اور اس خطبہ میں وہی امور مسنون ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں مسنون ہیں اور وہی امور اسمیں مکر وہ ہیں جو جمعہ کے خطبہ میں مکر وہ ہیں۔

اور اس عید میں قربانی اور تکبیرات تشریح کے مسائل تسلیم کرے۔ اور جس نے عید کی نماز امام کے مسبوق کی نماز عید کا طریقہ | ساتھ نہ پائی وہ قضاء پڑھے اور جس نے امام کو رکوع میں پایا تو کھڑے کھڑے تکبیر تحریمیہ کہے کیونکہ تکبیر تحریمیہ صرف قیام ہی میں مشروع ہے۔ پھر عید کی تکبیریں کہے

اگر یہ خیال ہو کہ امام سے رکوع میں مل جاؤنگا کیونکہ اصلی جگہ عید کی تکبیروں کی خاص قیام ہی ہے اور اگر رکوع فوت ہو جانے کا خوف ہو تو تکبیر تحریر کے بعد تکبیر رکوع کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں عید کی تکبیریں کہہ لے کیونکہ یہ تکبیریں واجب ہیں اور ان کے ادا میں مشغولی اولیٰ ہے اور رکوع کی تسبیحات کو ترک کر دے کیونکہ وہ سنت ہیں اور رکوع میں رفع یدین نہ کرے کیونکہ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور ہتھیلی کا گھٹنوں پر رکھنا بھی سنت ہے اور ایسی سنت ادا کر نیکی کوئی وجہ نہیں جس میں دوسری سنت کا ترک ہوتا ہو اور جب امام رکوع سے سر اٹھالے تو پھر جو تکبیریں باقی رہ گئی ہوں ساقط ہو جاتی ہیں لہذا ان کو نہ تو رکوع میں پورا کرے اور نہ قومہ میں بلکہ امام کی موافقت میں جلدی کرے کیونکہ پیروی امام کی فرض ہے لہذا واجب کے لئے ترک نہ ہوگی۔

اور اگر امام کو قومہ میں پایا تو قومہ میں تکبیر عید نہ کہے کیونکہ یہ رکعت مع تکبیروں کے قضا کرے گا اور جس کی ایک رکعت جاتی رہی تو جب فائتہ کو قضا کرنے کھڑا ہو تو اول قرأت شروع کرے پھر اس کے بعد تکبیریں عید کی کہے اور رکوع کرے اور اگر امام کو التحیات میں پایا یا سلام کے بعد سہو کے سجدے میں تو وہ کھڑا ہو اور تکبیریں عید کی اپنے ٹھکانے سے کہہ کر نماز پڑھے۔ اور اس عید کی نماز میں عید قربانی کی نماز میں تعجیل مستحب ہے | تعجیل اور عید الفطر میں اس کی تاخیر مستحب ہے۔ اور

قنبرہ میں ہے کہ عید کی نماز جنازہ کی نماز سے مقدم کی جائے جبکہ دونوں جمع ہو جائیں اور نماز جنازہ کو خطبہ سے مقدم کریں۔ اور بزاز یہ میں ہے اگر نماز عید اور نماز کسوف جمع ہو جائیں تو عید کی نماز جیسے کہ نماز جنازہ پر مقدم کی جاتی ہے اس پر بھی مقدم کریں کیونکہ عید کی نماز واجب ہے اور اس کا وجوب عینی ہے اور جنازہ کی نماز کا وجوب کفایہ ہے۔ اور عید گاہ میں عید کی نماز عید گاہ میں نماز عید کے علاوہ نماز مکروہ ہے | سے پہلے بھی اور بعد از نماز عید بھی امام وغیر امام

سب کو نفلیں پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس عید میں کوئی ایسا عذر پیش آجائے جو نماز عید سے عذر کے سبب نماز عید میں تاخیر | مانع ہو تو دوسرے اور تیسرے دن پڑھ لیں اسکے بعد نہ پڑھیں

کیونکہ اس کا وقت قربانی کا وقت ہے۔ پس جب تک قربانی کا وقت باقی ہو نماز جائز ہے اور اسکے وقت چلے جانے کے بعد جائز نہیں۔ اس عید میں عذر کا ہونا نفی جواز کے لئے نہیں ہے بلکہ نفی کراہت کے لئے ہے یہاں تک کہ اگر دوسرے یا تیسرے دن تک اس کی تاخیر بے عذر ہو تو بھی نماز جائز ہے لیکن گناہ کا باعث ہے برخلاف عید الفطر کے کیونکہ عذر اس میں نفی جواز کے لئے ہے یہاں تک کہ اگر اس نماز میں تاخیر لگے دن تک بے عذر ہو تو درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان فرماوے۔

چھتیسویں مجلس ماہِ الہی محرم اور یومِ عاشورا کے روزے کی فضیلت کے بیان میں

ماہِ محرم کے روزوں کی فضیلت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل روزے ماہِ رمضان کے بعد ماہِ الہی محرم کے ہیں۔

یہ حدیث مصابیح کی اصحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابوہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور شہر کی اصناف اللہ تعالیٰ کی طرف مہینہ کا مرتبہ بڑھانے کے لئے ہے اور مضاف محذوف سے اصل میں یوں عبارت ہے افضل روزے رمضان کے روزوں کے بعد روزے ماہِ الہی محرم کے ہیں اس میں تصریح ہے کہ رمضان کے بعد نفل روزوں میں سب سے افضل ماہِ الہی محرم کے روزے ہیں لیکن اس کا بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ یہ محرم افضل مہینہ ہے جس کے پورے نفل روزے رمضان کے بعد ہی رکھے جائیں۔ رہا مہینہ کے کچھ دنوں میں نفل روزہ رکھنا تو اس میں کبھی اور روزہ بھی محرم سے افضل ہوتا ہے جیسے یومِ عرفہ کا روزہ یا عشرہ ذی الحجہ کے روزے یا چھ روزے شوال کے یا اسی طرح کے اور روزے۔

اور اس کی دلیل حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایسا مہینہ بتلائیے جس میں بعد رمضان کے روزے رکھا کروں۔ آپ نے فرمایا اگر تو کسی مہینے کے روزے بعد رمضان کے رکھنا چاہتا ہے تو محرم میں رکھ کیونکہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اور اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی خطا معاف کی ہے اور اوروں کی بھی خطا معاف فرمائیگا۔

لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود ماہِ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے اور یہ آپ سے مستقول نہیں کہ آپ محرم میں روزے رکھتے تھے محرم میں سے صرف یومِ عاشورا کو روزہ رکھتے تھے۔

اور آپ کا یہ ارشاد ابن عباسؓ کی اس حدیث میں کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نوپن تاریخ ضرور روزہ رکھوں گا اس بات کی دلیل ہے کہ نوپن تاریخ روزہ نہیں رکھتے تھے لیکن یہ روایت ضرور ہے کہ آپ نے ایک شخص کو فرمایا تھا کہ محرم مہینوں کے روزے رکھے اور محرم مہینوں میں سے افضل روزے ماہِ خداوندی محرم کے روزے ہیں اور ماہِ الہی محرم میں سے افضل پہلی دہائی کے ہیں اور چونکہ یہ مہینہ تمام اور مہینوں میں سے اللہ کی طرف منسوب ہے لہذا مناسب ہے کہ ایسے عمل کیساتھ مخصوص ہو جو اللہ کی طرف منسوب ہو۔ اور وہ روزہ ہے کیونکہ روزہ بندے اور اسکے رب کے درمیان ایک روزہ بندے اور اسکے رب | بھید ہوتا ہے کہ خاص خدا کی واسطے اور اسکی رضا جوئی کے لئے رکھنا کے درمیان بھید ہوتا ہے | ہے اور غیر کو اس کی اطلاع نہیں ہوتی کیونکہ روزہ تو نیت اور اساک

کا نام ہے یہاں تک کہ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ نگہبان فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوتی اور نہ وہ کہتے ہیں بخلاف اور عبادات کے کہ آپر غیر خدا کو بھی اطلاع ہوتی ہے اور چونکہ روزے کو وہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی ذات سے خاص کیا اور اس کے ثوابِ بذاتِ خود ذمہ دار ہوا اور کسی کے سپرد نہیں کیا۔

چنانچہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابن آدم کے ہر ایک عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گونہ تک بڑھا یا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مگر روزہ کہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اُس کی جزا دوں گا بندہ میرے ہی لئے اپنی خواہش اور کھانا اور پینا سب چھوڑ دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ طاعت اور نیک عمل جس میں ریانا ہو کم سے کم اُس کے اطاعت و عبادت کا ثواب | کہ نیوالے کو جو ثواب دیا جاتا ہے دس گونہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جو کوئی لایا نیکی اُسکو ہے اُسکے حصہ برابر۔ اور کبھی سات سو گونہ اور اس سے بھی زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مثال اُن کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ جس سے سات بالیاں اگتی ہیں ہر بالی میں سو سو دانے اور اللہ اور بڑھا دیتا ہے جس کی واسطے چاہے۔ اب رہا روزہ تو اس کا ثواب بحیاب ہے کیونکہ روزہ بدون صبر کے نہیں ہو سکتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وتے جائینگے صبر کر نیوالے اپنا ثواب بے حساب" اور صبر اگرچہ روزے کے سوا اور عبادات میں بھی پایا جاتا ہے لیکن صبر اور عبادت میں ایسا نہیں ہوتا جیسے کہ روزہ میں کیونکہ صبر تین قسم کا ہے، اول طاعت الہی پر صبر کرنا۔ دوم اللہ تعالیٰ صبر کی قسمیں اور روزہ دار کی فضیلت کا سبب | کے محرمات پر صبر کرنا۔ سوم رنج اور سختیوں پر صبر کرنا اور یہ تینوں قسم کے صبر روزے میں پائے جاتے ہیں کیونکہ اس میں اُن اطاعتوں پر بھی صبر ہے جو روزہ دار پر واجب ہیں۔ اور ان خواہشوں سے بھی صبر ہے جو اُس پر حرام ہیں اور اس تکلیف پر بھی صبر ہے جو بھوک اور پیاس کی گرمی اور بدن کی کمزوری سے اُس کو پہنچتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اُس کے بدن میں نقصان اور ضعف جو اسباب ہلاکت ہیں سے بے پیدا ہو جاتا ہے اور اسی طرف اشارہ ہے جہاں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنی خواہش نفسانی کھانا پینا میرے ہی لئے چھوڑ دیتا ہے بخلاف اور عبادتوں کے۔

یہ کہ روزہ دار اپنے نفس کو کھانے اور پینے اور جماع سے علیحدہ رکھنے کی وجہ سے صفات الہی سے منتصف ہو جاتا ہے کہ وہ ان تمام چیزوں سے پاک و صاف ہے۔ پس چونکہ روزے میں یہ روزہ کا اجر | اوصاف ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روزہ کو اپنی ذات کے لئے خاص کیا اور اس کے ثواب کا آپ ذمہ دار ہوا اور کسی دوسرے کے سپرد نہیں کیا اور کریم جب یہ خبر دے کہ میں

خود اُس کے عوض کا ذمہ دار ہوں تو اس کا وعدہ اس بات کو مقتضی ہے کہ وہ عوض بہت ہی بڑا اور نہایت عظیم الشان ہو کہ اُس کی نہ کچھ حد ہو نہ شمار۔

اور ابو امامہ باہلی نے روایت ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے ایک روز اللہ کے لئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ایسی چوڑی خندق بنا دیگا جیسا کہ زمین و آسمان کے درمیان کا فاصلہ ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے ایک روز اللہ کے واسطے روزہ رکھا اللہ اُس کا منہ دوزخ سے ستر سال کے فاصلہ پر دُور رکھیگا اور معنی حدیث کے یہ ہیں کہ جس نے ایک روز صرف اللہ اور اُسکی رضامندی کیلئے روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کو دوزخ سے نجات دیگا۔ نجات دینے کو بطور مثال بیان کیا تاکہ زیادہ مبالغہ ہو کیونکہ جو شخص کسی چیز سے استفادہ دُور ہو تو وہ شے اُس تک برگز نہ پہنچگی۔

اور خریف سے مراد سال ہے جزو کو ذکر کر کے کل مراد لیا ہے اور صرف خریف ہی سے سال کا مفہوم ادا کیا نہ اور فصلوں سے اسلئے کہ یہ میووں کے پکنے اور عیش کی فراخی کا وقت ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے روزہ دار کی دو خوشیاں | روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں ہوتی ہیں ایک خوشی افطار کرنے وقت اور ایک خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

اور ان حدیث کا مطلب یہ ہے کہ روزہ دار کو دو مرتبہ سرور ہوتا ہے اس واسطے کہ فرحت کا لفظ ایک مرتبہ فرح کے معنوں میں ہے اور فرح کے معنی سرور کے ہیں۔ اب سرور روزہ دار کا رب سے ملاقات کے وقت تو اُس ثواب کی وجہ سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ذخیرہ کیا ہوا پائے گا کیونکہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنا کھانا پینا اور شہوت چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بہتر عوض عطا فرمائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو آگے بھیجے گئے اپنے واسطے کوئی نیکی پاؤ گے اُس کو اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ اور نبی علیہ السلام نے بھی ایک شخص سے فرمایا ہے کہ تم کبھی کسی امر کو خدا کے خوف سے ترک نہ کرو گے مگر اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر عطایت کرے گا روزہ دار کے لئے عرش کے نیچے دسترخوان | یہ بھی روایت ہے کہ روزہ داروں کی واسطے قیامت

کے دن عرش کے نیچے دسترخوان چنا جائے گا کہ جب لوگ حساب میں مصروف ہوں گے وہ کھاتے ہوں گے اور لوگ کہیں گے ان کو کیا ہوا کہ بیٹھے کھا رہے ہیں اور ہم حساب میں مبتلا ہیں اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ لوگ روزے رکھتے تھے اور تم روزہ نہ رکھتے تھے۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں ہے پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جنت میں ایک روزہ دار کے لئے میرابی کا دروازہ | دروازہ ہے جسکو بیان کہتے ہیں اُس میں سے صرف

روزہ دار ہی داخل ہوں گے اور روزہ داروں سے وہ لوگ مراد ہیں جو روزہ بکثرت کھتے ہیں کیونکہ انہوں نے چونکہ پیاس کی تکلیف اٹھاتی ہے اسلئے ایسے روزے کے ساتھ مخصوص ہوتے جن میں جنت میں جاتے سے پہلے ہی سیرابی اور پیاس سے امن مل جاتا ہے اور روزہ روزہ دار کی خوشیوں کا سبب کھولتے وقت کی خوشی ان چیزوں میں ہے جو ان کو کھانے اور پینے کی چیزیں ملتی ہیں کیونکہ نفس اپنی مرغوب اشیا کھانے اور پینے اور بی بی کی طرف مائل ہونے پر ہی پیدا کیا گیا ہے لہذا جب نفس کو کسی وقت اس سے روک کر دوسرے وقت اجازت دیجائے تو بالطبع خوش ہوتا ہے اور خاص کر جبکہ بھوک اور پیاس کی تاخیر اور اپنی حاجات کے تقاضا ہونے کے سبب سے ان چیزوں کا نہایت حاجتمند ہو اور اسی طرف اشارہ کرتی ہے وہ حدیث جو ابن عمر سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ فرمایا کرتے تھے تجھ گئی پیاس اور تر ہو گئیں رگیں اور ثابت ہو گیا ثواب انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ افطار کی وقت افطار کے وقت دعا کی قبولیت | اُس کی دعا بھی مقبول ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت مقبول ہوتی ہے بلکہ اس کا سونا بھی عبادت ہے۔ ابو العالی نے کہا ہے کہ روزہ دار عبادت ہی میں ہے جن تک غیبت نہ کرے، اگرچہ اپنے بستر پر سونا ہو اس بنا پر شب و روز وہ عبادت ہی میں ہے۔ پھر محرم کے روزے میں ایک اور بات ہے اور وہ یہ ماہِ محرم کے روزوں کی فضیلت کا سبب | کہ ماہِ ہانے حرام چونکہ بعد رمضان کے تمام مہینوں سے افضل ہیں اور ان سب کے روزے نبی علیہ السلام کے ارشاد کے موافق مستحب ہیں اور چونکہ کوئی ان میں سے قمری سال کا آخری مہینہ ہے اور بعض قمری سال کا شروع تو لازم آیا کہ جس نے ذی الحجہ میں سوا ان دنوں کے جنہیں روزے حرام ہیں روزے رکھ کر پھر محرم کے بھی روزے رکھے تو اُسے گویا سال عبادت ہی میں تمام کیا اور عبادت ہی سے شروع کیا اور اس صورت میں امید ہے کہ اُس کا سال طاعت اور عبادت میں لکھا جائے۔

خدا تعالیٰ ہم پر اعمال اپنے لطف و کرم سے آسان کرے۔

بیناتیسویں مجلس یوم عاشورہ کی فضیلت اور جو امور اس روز کرنے چاہئیں
ان کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یوم عاشورہ کے روزے رکھنے سے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ سال گذشتہ کا کفارہ کر دے۔
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابوقتاوہ اس کے راوی ہیں اور معنی اس کے

یہ ہیں کہ جو شخص یوم عاشورا میں روزہ رکھے گا تو مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اُس کے گزشتہ سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کیونکہ کبیرہ کا توبہ کے سوا اور کچھ کفارہ نہیں۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے افضل روزے رمضان کے بعد ماہِ الہی محرم کے روزے ہیں۔

اور یہ حدیث اگرچہ بظاہر ماہِ رمضان کے روزوں کے بعد تمام ماہِ الہی محرم کے روزوں کی فضیلت میں ہے لیکن کہتے ہیں کہ اس سے یوم عاشورا کا روزہ مراد ہے۔ اور اُس دن کا روزہ اس لئے افضل یوم عاشورا کے روزہ کی فضیلت کی وجہ سے ہے کہ وہ شروع اسلام میں فرض تھا پھر رمضان کے روزوں کے فرض ہونے سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور جس عبادت کی فرضیت منسوخ ہو گئی ہو وہ اُس عبادت سے افضل ہے جو کبھی فرض نہ ہوئی ہو۔

اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اصول میں مذکور ہے کہ وجوب کے نسخ سے جواز بھی زائل ہو جاتا ہے پھر اُس میں روزہ رکھنا کیونکر افضل ہو سکتا ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ اس دن میں جب وجوب روزے کا منسوخ ہو گیا تو وہ دن روزے کے جواز کے بارے میں اور دنوں کے مثل ہو گیا پس افضل ہی ہو گا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ یوم عاشورا کے اس دن کے روزہ کو تلاش کرتے ہوں جس کو اور پر فضیلت دی ہو۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام صوم یوم عاشورا کی فضیلت میں اتنا مبالغہ فرماتے تھے جتنا اور روزے کی فضیلت میں نہیں فرماتے تھے۔ اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ دسویں محرم کے ساتھ نویں عاشورا کا روزہ رکھا اور صحابہؓ کو اس روزے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے محرم کا روزہ ملانے کا حکم عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ تو وہ دن ہے جسکی یہود اور نصاریٰ نے تعظیم کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو میں بالضرور نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ علماء کہتے ہیں کہ اُس کے ساتھ ایک اور دن ملانے کا اسلئے ارادہ کیا تاکہ آپؐ کا طریقہ اہل کتاب کے طریقہ کے خلاف رہے لیکن وہ سال نہ آنے پایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ یوم عاشورا مبارک دن ہے مومن کو چاہئے کہ اُس دن روزہ رکھے لیکن مستحب یہ ہے کہ اس کیساتھ نویں یا گیارہویں کا روزہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت کے لئے رکھے۔ اور جو ملیہ جو فقیروں کو خیرات دے اور اسدن مدعیوں عاشورہ کے دن بعض امور کے متعلق غلط فہمی کا ازالہ کے رضامند کرنے کو نماز پڑھنا جو بعضی کتابوں

میں مذکور ہے، سو بزاز یہ میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ مدعی اگر معاف کر چکا ہے تو جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کا قیامت کے دن کچھ مطالبہ نہ کرے گا۔ پھر اب کیا فائدہ ہوا اور اگر معاف نہیں کیا ہے تو قیامت کے دن اسکی نیکیوں میں سے لے لینگا بشرطیکہ اسکے پاس حسانت نہ ہوں تو مدعی کے گناہ اُس کے سر پر لادے جائیں گے اور آگ میں ڈال دیا جائے گا چنانچہ مفلس کون ہے | حدیث میں ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے پوچھا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ اسباب، آپ نے فرمایا کہ مفلس میری امت میں وہ ہے جو قیامت کے دن نماز اور زکوٰۃ اور روزے لیکر آئیگا اور اس صورت سے آئے گا کہ کسی کو گالی دی تھی اور کسی کو تہمت لگائی تھی اور کسی کو مارا تھا اور کسی کا مال کھالیا تھا لہذا اس کی کچھ نیکیاں کس کو دی جائیں گی اور کچھ کسکو پس اگر اسکی نیکیاں سب حقوق جو اسکے ذمہ ہیں ان کے ادا ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گئیں تو خفقاروں کے گناہ لیکر اُس کے سر پر لاد دئے جائیں گے اور آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے اس کو بھی ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جبکہ ذمے کوئی حق تلفی کسی بندہ کی ہو، آبرو کی ہو یا مال کی تو آج اُس سے معاف کر لے اس سے پہلے کہ ایسے دن اُس سے مواخذہ کیا جائے جس میں نہ دینار ہو گا نہ درہم، اگر اُس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو اُن سے بقدر حق تلفی کے لے لیا جائے گا اور اگر کچھ نیکیاں اسکی نہ ہوں گی تو اُس مدعی کے گناہ لیکر اُس کے ذمہ رکھے جائیں گے۔ علمائے کبار نے کہا ہے کہ ایک دانق کے بدلے جو درہم کا چھٹا حصہ ہوتا ہے سات سو مقبول نمازیں جو جماعت سے ادا کی گئی ہوں لیکر مدعی کو دیدی جائیں گی۔

اور اس دن سختی اٹھانا سوغنیہ میں مذکور ہے کہ اس باب میں کوئی قوی روایت وارد نہیں ہے لیکن اس کا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ شاید اسپر ثواب ہو اور ہر گناہ اس میں سنت تھا لیکن چونکہ اب یہ دشمنان اہلبیت کی علامت ہو گئی ہے لہذا اس کا ترک واجب ہے اور اس کا کرنا مکروہ ہے یہاں تک کہ بعض متقدمین سے یہ پوچھا گیا کہ کیا عاشورا کے دن اہلبیت سے بغض کے بغیر ہر گناہ سنت ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ زنانوں کا طریقہ ہے۔ رہا اس دن کو حضرت امام حسین بن علیؑ شہادت حسینؑ کا ماتم کرنا جائز نہیں | رضی اللہ عنہما کی شہادت کے سبب ماتم بنانا جیسے کہ رافضی کرتے ہیں سو یہ ان لوگوں کا عمل ہے جن کی محنت دنیا میں رائیگاں گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ ہم اپنا کام خوب بنا رہے ہیں کیونکہ اللہ نے انبیاء کے ہر صائب اور ان کی موت کے دنوں کو ماتم بنانے کا حکم نہیں دیا اور نہ اُس کے رسول نے تو ان سے اونی لوگوں کا کیا پوچھنا اور قصہ خوال

جو لوگوں سے شہادت کا واقعہ عاشورے کے دن بیان کرتے ہیں اور اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں اور ننگے سر ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو حکم کرتے ہیں کہ کھڑے ہو جائیں اور درود قاسم تبار کرنے کے لئے بیہودہ کلمات نہ کہیں سو دینی حاکموں پر واجب ہے کہ ان کو منع کریں اور سننے والے بھی اس کے سننے پر معذور نہ ہونگے۔ امام غزالیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ واعظوں وغیرہ پر امام حسین رضی اللہ عنہ سے بغض و عداوت اللہ عنہ کی شہادت کی روایات اور ان حالات کا بیان کرنا جو صحابہؓ اور رسول سے بغض و عداوت ہے رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑے اور خصومت واقع ہوئی ہیں حرام ہے کیونکہ ایسی کہانیوں سے صحابہؓ کے بغض اور ان پر طعنہ کرنے کا ہیجان ہوتا ہے حالانکہ وہ لوگ دین کے پیشوا ہیں بزرگان دین نے ان سے دین سیکھا اور ہم نے ان بزرگوں سے سیکھا پس جو آپ نے عیب لگانا ہے وہ اپنے آپ کو اور اپنے دین کو عیب لگانا ہے۔

اور امام شافعیؒ اور ان کے سوا اور متقدمین کہتے ہیں کہ وہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ پاک رکھے تو چاہتے کہ ہم اپنی زبانیں بھی ان سے پاک رکھیں۔

اور عبداللہ ابن مغفلؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میرے پاروں کے بارہ میں میرے بعد ان کو نشانہ نہ بنا لیا جس نے ان سے محبت کی مجھ سے محبت ہونے کی وجہ سے اُن سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا سو اُن سے مجھ سے بغض ہونے کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ستایا تو اُس نے مجھ کو ستایا اور جس نے مجھ کو ستایا تو بیشک اُس نے اللہ تعالیٰ کو ستایا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ستایا عنقریب اللہ تعالیٰ اُسکو پکڑے گا۔

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے جسکو ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے پاروں کو برا مت کہو کیونکہ اگر کوئی تمہیں سے اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا پیرات کر دے جب بھی صحابہؓ میں سے کسی کے مُد کے برابر بھی نہ پہنچے گا اور نہ اُس کے آدھے کے برابر۔

پس اس حدیث کی رُو سے مومن پر ان کی تعظیم اور بھلائی سے یاد کرنا اور ان پر طعن و طعنہ سے زبان بند رکھنا واجب ہے۔ کیونکہ شہادت حضرت عثمانؓ اور شہادت امام حسینؓ کے سبب سے

شہادت عثمانؓ اور حسینؓ کے بڑے سے بڑے فتنے برپا ہوئے اور بہت جھوٹی باتیں مشہور ہو بعد فتنے اور عاشورا کا ماتم گئیں اور بہت سے جھوٹے مذہب اور بدعتیں پیدا ہوئیں جن

میں بہتیرے متاخرین اور متقدمین پڑ گئے اور وہ جھوٹے قصے اور باطل مذہب اور بدعتیں ہمیشہ بڑھتی رہی چلی گئیں یہاں تک کہ ایسے امور پیدا ہو گئے جن کی شرح و تفصیل طویل ہے اسی میں سے ایک وہ ہے جس کو بہت سے لوگوں نے یوم عاشورا کے دن ایجاد کیا ہے کہ اس کو ماتم بنا رکھا ہے

عہد بالضم آدھے صاع کو کہتے ہیں جو فقیر یا پونے دو سیر کا ہوتا ہے ۱۲۔

اس روز نوحہ کرتے ہیں اور روتے پیٹتے ہیں اور جانوں پر تکلیف اٹھاتے ہیں اور چوہا دیار اللہ مرچکے ہیں ان کو بڑا کہتے ہیں اور اہلبیت کی نسبت غلط اتہامات باندھتے ہیں اور علاوہ اس کے اور شہادت حسینؑ اور نوحہ کے بہت سے وہ منکرات جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور بارے میں اللہ اور رسول کے احکام مسلمانوں کے اجماع سے ممنوع ہیں بیشک حضرت امام حسینؑ کو اللہ تعالیٰ نے اس دن شہادت سے نرفراز فرمایا اور وہ اور ان کے بھائی امام حسینؑ جو انان بہشت کے سردار ہیں اور ان کا قتل بڑی مصیبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا مقرر کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو شجر ہی دو ان صبر کر نیواں کو کہ جب ان کو مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان ہی لوگوں کو اللہ کی طرف سے شاباشیاں ہیں اور مہربانیاں اور یہی ہیں راہ پر۔ اور سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ استرجاع تمام امتوں میں سے اس امرت کے سوا کسی اور کو عطا نہیں ہوئی اور اگر عطا ہوتی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کو عطا ہوتی تم نہیں دیکھتے کہ حضرت یعقوبؑ نے استرجاع کی جگہ ہائے افسوس کہا اور بخاری و مسلم میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جس پر کوئی مصیبت آجاتے تو کہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الہی مجھ کو میری مصیبت کا اجر دے اور اس سے بہتر مجھ کو اس کا بدلہ دے مگر اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کا اجر اور اسکو اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ اور امام احمدؒ اور ابن ماجہ نے فاطمہ بنت حسینؑ سے اور انہوں نے اپنے باپ امام حسینؑ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں جسکو کچھ مصیبت پہنچی ہو اور وہ اسکو یاد کرنے اگرچہ مدت دراز ہو چکی ہو اور اس پر از سر نو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اس کے واسطے اتنا ہی اجر لکھتا ہے جتنا کہ مصیبت کے دن دیا تھا اور اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امام حسین رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور ان سے ان کی بیٹی فاطمہ نے جو کہ ان کے مقتل میں ہمراہ موجود تھیں روایت کی ہے اور علم الہی میں ثابت ہو چکا تھا کہ حضرت امام حسینؑ کی مصیبت باوجود مدت گذر جانے کے یا وہو اگر یگی تو یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ جب وہ مصیبت یاد آئے تو یہ طریقہ جاری رکھا جائے اس طرح کہ اسکے لئے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جائے اور اس سے انسان کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس شخص کو ملا تھا جس نے مسلمانوں پر اس مصیبت کے آنے کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون کہا تھا۔ اور جو لوگ باوجود اس مدت وراز کے وہ باتیں کرتے ہیں جن سے نبی علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کے حکم کی مخالفت کا انجام ابتدائے عہد میں منع کیا ہے تو ان کے لئے عاقبت بہت

یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سخت ہے جیسے منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنا اور جاہلیت کے زمانے کی طرح پکارنا خصوصاً جبکہ اُس کے ساتھ مومنین پر ظلم کرنا اور اُن پر لعنت کرنا اور تبرکات اور طہرین اور مخالفین کے دین میں فساد کے قصد سے اعانت کرنا اور اس کے علاوہ اور منکرات بڑھ جائیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

پس ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ایسے مقام میں جہاں ایسے گناہ اور حرام کاریاں کی جاتی ہوں جانے سے باز رہے اور بقدر طاقت کے ایسے عمل والوں کو منع کرے: اللہ تعالیٰ ہم پر ان معاصی سے بچنا آسان فرمائے

اثر تیسویں مجلس ابن بیان میں کہ ایک کی بیماری دوسرے میں سرایت نہیں کرتی اور یہ کہ بدشگونی جائز نہیں ہے

کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نہ تو عدویٰ ہے اور نہ صفر اور نہ عول۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے حضرت جابرؓ اس کے راوی ہیں اور عدویٰ سے ایک بیماری کی بیماری کا دوسرے پہلے چنگوں کو جو اس کے ہمنشین ہوں لگ جانا بے مراد ہے اور عمار کا اختلاف ہے کہ منفی آیا بجنہ سرائیت ہے یا سرائیت کو بیماری کی طرف شوب کرنا پس بیماری کے سرائیت کر جانکی نفی | بعضوں کا مذہب تو یہ ہے کہ منفی خود سرائیت ہے کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی نفی اور اسی کا باطل کرنا مراد لیا ہے کیونکہ وجود و عدم دونوں اعتبار سے مختلف ہیں وجود میں مختلف تو یوں ہے کہ اکثر اوقات کوئی شخص جذامی یا خارشتی کے پاس رہتا ہے لیکن وہ مرض اس میں نہیں آتا۔

چنانچہ اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے جو جابرؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر ایک پیالے میں رکھ دیا اور اس کا عدنا مختلف ہونا یوں ہے کہ اکثر اوقات یہ بیماریاں اس میں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جس میں سرائیت کا شبہ بھی نہیں ہوتا جیسا کہ اس حدیث میں اس کا اشارہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کیا حال ہے اونٹ کا کہ ریگستان میں بہن کی طرح ہوتا ہے پھر اُس سے خارشتی اونٹ بل جاتا ہے اور اُس کو بھی خارشتی کہ دیتا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کو کس نے خارشتی بنایا۔ پس نبی علیہ السلام نے اس ارشاد سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ پہلے اونٹ میں اگر خارشش دوسرے خارشتی

اونٹ سے آتی ہے تو تسلسل لازم آئے گا جبکی کہیں انتہا نہیں اور یہ محال ہے اور اگر اس سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کسی اور سبب سے ہوتی ہے تو پھر جس نے پہلے اونٹ میں پہنچایا ہے وہی اور بھلے چنگے اونٹوں میں بھی پہنچا سکتا ہے اور پہنچا نبوالا اللہ تعالیٰ ہر شے کا پیدا کرنے والا اور تمام چیزوں پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور بعضوں کا مذہب یہ ہے کہ خود سرائیت منافی نہیں ہے کیونکہ روایت بیماری کے سرائیت کی نفی نہیں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا بیمار اونٹوں والا اچھے اونٹوں میں نہ ملاتے اور مرض بیمار اونٹوں والے کو کہتے ہیں اور مصلح بھلے چنگے اونٹوں والے کو، اور مقصود ممانعت سے بیمار اونٹوں کو اچھے اونٹوں میں ملانے سے منع کرنا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے مجذوم سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ پس ان دونوں بیماری کے علاج میں اسباب اختیار کرنے کا حکم حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خود سرائیت منافی نہیں ہے بلکہ اس کا بیماری کی طرف منسوب کرنا منافی ہے اور یہ دوسرا مذہب اولیٰ ہے کیونکہ اس میں ان حدیثوں میں جو اس باب میں وارد ہیں تطبیق ہے اور اس کے ساتھ اس میں طبی قاعدوں کے بیکار ہو جانے سے بھی بچاؤ ہے برخلاف پہلے مذہب کے کہ وہ طبی قاعدوں کو بیکار کئے دیتا ہے حالانکہ شریعت نے ان کو بیکار نہیں ٹھہرایا ہے بلکہ ان کو ثابت کیا ہے اور جب تک اصول توحید کے خلاف نہ ہوں اعتبار کیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض اس عقیدہ کا باطل کرنا ہے جس کا اہل جاہلیت عقیدہ رکھتے تھے کہ بیماری خود بخود اثر کرتی ہے سو آپ نے فرمادیا کہ عدوی نہیں ہے اور اپنے اس ارشاد سے شرح کر دی کہ یوں نہیں ہے جیسے اہل جاہلیت خیال کرتے ہیں بلکہ بیماری حکم الہی کے اور اسکی تقدیر سے ہوتی ہے لیکن کبھی نزدیک ہونا بعضوں کے اعتبار سے بیماری پیدا ہونے کا سبب تقدیری ہو جاتا ہے اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے بیمار اونٹوں کو اچھے اونٹوں میں ملانے سے منع کر دیا اور مجذوم سے دور رہنے کا حکم فرمایا کیونکہ یہ بھی ان اسباب سے پرہیز کرنے کی طرح ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کر کے بلا کا سبب قرار دیا ہے اور بندے کو بلا کے اسباب سے جبکہ وہ اس سے بچا ہوا ہو بچے رہنے کا حکم ہے کیونکہ جس طرح اپنے آپ کو پانی یا آگ میں نہ ڈالنے اور گرتے ہوئے مکان کے نیچے نہ آنے اور اسی طرح ان چیزوں سے جو اسباب ہلاکت ہیں بچنے کا حکم ہے اسی طرح خارشتی اور مجذوم اور دوسری بیماریوں سے جو یا ذن الہی متعدی ہیں دور رہنے اور بچنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ امور بیماری اور موت کے اسباب ہیں اور اللہ تعالیٰ وجود سبب کے وقت سبب کو پیدا کر دیتا ہے نہ کہ اسکی تاثیر سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب اور مسببات سبب سبب کا خالق ہے اسکے سوا کوئی خالق نہیں۔ لیکن اسباب دو قسم پر ہیں۔ پہلی قسم تو بھلائی کے اسباب کی قسمیں اور ان کے متعلق حکم الہی پہلی قسم تو بھلائی کے اسباب ہیں پس تمہیں اسباب

کی طرف منسوب نہیں ہوتیں بلکہ مسبب الاسباب اور مقدر الاسباب کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ لہذا ان میں سے جو سبب پیش آئے تو اُس سے خوش ہو اور اُس سے فرحت حاصل کر لیں لیکن اس کی طرف متوجہ نہ رہے بلکہ اس کے خالق اور مسبب کی طرف متوجہ ہو چنانچہ فرشتوں سے امداد دینے کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "اور یہ تو اللہ نے محض تمہاری خوشی کے لئے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن رہیں اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔" اور اس زمانے میں اکثر لوگ اسباب کی طرف تو دل سے متوجہ ہوتے ہیں لیکن مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں۔ سو جو شخص نعمت کو اللہ کے سوا اور کی طرف منسوب کرے گا اور یہ اعتقاد بھی ہو کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو یہ حقیقی شرک ہے اور اگر اس کے ہمراہ اعتقاد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔

اور دوسری قسم شرک کے اسباب ہیں۔ پس تمام مصیبتیں صرف گناہوں ہی کی طرف منسوب ہوتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جو کوئی سختی تم کو پہنچتی ہے اس کا سبب وہی ہے جس کو تمہارے ہاتھوں نے کمایا ہے" اور جو سبب اسباب شر میں سے پیدا ہو اُس سے جب قدر شریعت میں آتا ہے جیسے عارضتی اور مجزوم کی ہمنشینی سے اور وبا کی جگہ آئیے بچنا چاہئے۔ اور ان میں سے جو پوشیدہ بدشگونیاں سے ممانعت | اسباب ہیں تو ان سے بچنا اور پرہیز کرنا مشروع نہیں ہے کیونکہ یہ بدشگونیاں میں داخل ہے جس کی ممانعت ہے اور شرک و کفر کا عمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں کئی جگہ کفار سے نقل فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ رسولوں اور ان کی پیروی کرنے والوں سے بدشگونیاں لیتے تھے اور منحوس سمجھا کرتے تھے اور ان کے منحوس سمجھنے کا یہ سبب تھا کہ انبیاء علیہم السلام نے جب ان لوگوں کو ایسے دین کی دعوت دی جس سے وہ مانوس نہ تھے تو وہ لوگ نئی بات سمجھ کر بڑا سمجھنے لگے اور ان کی طبیعتیں اس سے متنفر ہوئیں کیونکہ عوام کی عادت ہے کہ اسی کی آرزو کیا کرتے ہیں جو ان کی خواہش کے موافق تھا اگرچہ اس میں سراسر بدی اور وبال ہی کیوں نہ ہو اور جو انکی مرضی کے مخالف ہو اُس کو نحس جانتے ہیں اگرچہ اس میں سراسر خیر اور نعمت ہی ہو اور ثابت ہو چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدشگونیاں کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ بدشگونیاں شرک ہے | آپ نے فرمایا بدشگونیاں شرک کی بات ہے اور رمل اور عزم کے ذریعے یا کنکریاں اور جو کے دانے پھینک کر غیب کی باتیں بتانا یہ ممنوع اور بدنامی ہے اور اس میں گفتگو کرنے والے ان عبادات میں مشغول ہوتے ہیں جس سے بلا واقع ہو بلکہ گھر میں بیٹھے رہنے اور تقاضا حرکت نہ کرنے کو اختیار کرتے ہیں اور یہ قضا و قدر کے نزول کو مانع نہیں۔ اور بعض لوگ گناہوں مصیبت کے وقت گناہوں سے بچنے اور بچی کرنا طریقہ | ہیں مبتلا ہوتے ہیں حالانکہ گناہ بلا اور

اُس کی تاثیر کو اور قوت دیتے ہیں اور اس بارہ میں جو حکم شرع میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں نہ گفتگو کرے اور نہ اوہر توجہ کرے بلکہ وہ مشغول اختیار کرے جو بلا کا دافع ہو یعنی دُعا اور یا دِ اللہ اور خیرات کرنا اور خدا سے تعالیٰ پر توکل اور قضا و قدر پر ایمان لانا کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خوفناک عذاب آسمانی کے سامان ظاہر ہونے کے وقت (جیسے سورج گہن اور چاند گہن) اوروں کو کبھی حکم فرماتے تھے اور خود بھی نیک اعمال نماز و دعا میں مصروف ہو جاتے تھے یہاں تک کہ وہ سببِ اخلقت پر سے جانا رہتا تھا اور یہ سب اس کی دلیل ہے کہ جب عذاب کے سامان ظاہر ہوں تو شرع میں ایسے امور میں مشغول ہونا مقرر ہے جس سے کہ عذاب خوفناک موقوف ہو جانے کی امید ہو یعنی نیک اور پرہیزگاری کے اعمال کہ یہ تمام باتیں اُن امور میں سب سے بڑی ہیں جن سے بلا کا دفعہ مطلوب ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ عذاب اور رحمت دونوں کے سامان پیدا کرتا ہے۔ عذاب کے سامان اللہ تعالیٰ عذاب اور رحمت سے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ اُسکے سامنے توبہ کہیں دونوں کے اسباب پیدا کرتا ہے اور گریہ و زاری کریں جیسے سزا آندھیاں، اور بیشک ہوا اللہ تعالیٰ کا فیض بھی ہے کہ کبھی رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب لاتی ہے اور تندی ہوا کے وقت نبی علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہوا کی خیریت اور جس لئے وہ بھیجی گئی ہے اس کی خیریت کی دُعا کریں اور اُسکے شر سے اور اُس شر سے جس کیلئے وہ روانہ کی گئی ہے پناہ مانگیں۔ اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آندھی یا ابرو دیکھتے تھے تو آپ کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا اور کبھی آتے اور کبھی جاتے پھر اگر مینہ برس جاتا تو خوش ہو جاتے اور فرماتے کہ ایک قوم کو عذاب آندھی ہی سے ہوا تھا اور ایک قوم ابرو دیکھ کر کہنے لگی یہ ابر ہے ہم پر برسے گا، لیکن اُس میں سے عذاب نازل ہوا۔

اور رحمت کے سامان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امید دلاتا ہے جیسے نرم ٹھنڈی ہوا اور عادت کے موافق حاجت کے وقت پانی برسنا اور اسی لئے مینہ برستے وقت یہ دعا کرتے تھے: "خداوند رحمت کا پانی پلانا، نہ عذاب کا۔" اور جو شخص اسبابِ ضرر کے ظاہر ہونے کے وقت ممنوع طریقوں سے بچنا چاہے تو یہ اُس کو کچھ مفید نہیں بلکہ اکثر اوقات خوفناک بنا میں پڑ جاتے گا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ صفر نہیں ہے سو اس کی تفسیر میں اختلاف ہے ظاہر اُحق یہ ہے کہ اس سے مراد ماہِ صفر ہے کیونکہ اہل جاہلیت اس کو منحوس جانتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ منحوس مہینہ ہے۔ سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو باطل فرمادیا لیکن بہتیرے لوگ اب بھی اس کو منحوس جانتے ہیں اور اکثر نہ اس مہینہ میں سفر کرتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں اور کچھ اور اسکے سوا، اور اسکو نحوست ماننا بھی بدشگونی کی قسم ہے جس کی ممانعت ہے اسی طرح کسی

دن کو منحوس سمجھنا کیونکہ نحوست کی خصوصیت کسی وقت کے ساتھ کہ ایک میں ہو دوسرے میں نہیں جیسے ماہِ صفر وغیرہ جائز نہیں ہے کیونکہ زمانہ سے مراد ایک ممتد وقت ہے جس کا اندازہ افلاک کی زمانہ سے مراد حرکت اور ستاروں سے معلوم ہوتا ہے اور یہ اپنی ذات کے اعتبار سے ایک متصل چیز ہے جس کے سبب اجزاء یکساں ہیں بے خدائے تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے حاصل نہیں ہونا اور انہیں بندوں کے افعال واقع ہوتے ہیں۔ پس خود انہیں نہ کوئی برکت ہے نہ کچھ نحوست۔ ہاں آدمی کے لئے زمانہ میں نحوست مگر بندوں کے افعال کے اعتبار سے، پس جس زمانے کو انسان نے اُسکے اچھے بُرے اعمال سے ہے عبادت میں مشغول رکھا وہ زمانہ اُسپر مبارک ہے اور جس زمانے کو انسان نے گناہوں میں مشغول رکھا وہ زمانہ اُسپر منحوس ہے اور حقیقت میں مبارک اور منحوس عبادت اور مصیبت ہی ہے جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا ہے کہ آدمی کی برکت اور نحوست اُس کے دونوں جہڑوں کے درمیان یعنی اس کی زبان میں ہے اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں اگر بالفرض کسی شے میں نحوست ہے تو اس میں ہے جو دونوں جہڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان۔ اور یہ بھی کہا زبان سے زیادہ کوئی شے قید کی حاجت مند نہیں۔

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحوست بد خلقی ہے۔ پس اس بیان کے موافق بجز معاصی اور گناہوں کی نحوست کچھ اور نہیں ہے کیونکہ گناہ اللہ تعالیٰ کو مانع کرتے ہیں پس جب اللہ کسی بندے سے بیزار ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں بخت ہو جاتا ہے اور جب کسی بندے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے تو وہ بندہ دنیا اور آخرت میں نیک بخت ہوتا ہے۔

اور کسی بزرگ سے ایک ایسی مصیبت کا شکوہ کیا گیا جس میں سب لوگ مبتلا تھے تو انہوں نے کہا جس مصیبت میں تم لوگ مبتلا ہو مجھ کو بجز نحوست ذنوب کے اور کسی سبب سے معلوم نہیں ہوتی۔ پس گنہگار آدمی اپنے حق میں بھی اور غیر کے حق میں بھی منحوس ہوتا ہے اسلئے کہ اس بات سے امن نہیں کہ اُسپر عذاب نازل ہو کہ سب خلق پر پھیل جائے خصوصاً اُن لوگوں پر جو اُس کے عمل پر انکار نہ کرتے ہوں حالانکہ اس سے دور رہنا لازم ہے۔ اور اسی طرح اُن مقامات سے معاصی اور عذاب والے مقام سے بھاگنے کا حکم بھی جن میں معاصی کئے جاتے ہیں بھاگنا اور دور رہنا ضروری ہے اس خوف سے کہ مبادا اُن پر بھی عذاب نازل ہو جائے جو وہاں موجود ہوں۔ جیسا کہ روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر جس وقت مقام حجر میں دیا رہا تو وہاں پر ہوا تو اپنے اصحاب سے فرمایا ان عذاب کئے ہوئے لوگوں کے مکانوں میں نہ جانا مگر اس حالت سے کہ تم اس خوف سے روئے ہو کہ مبادا تم پر بھی وہی عذاب جو اُن پر آیا تھا نہ آجائے کیونکہ اہل عصیان اور

ان کے مکانات کا ترک کرنا بھی اس ہجرت میں داخل ہے جس کا حکم ہے بلکہ درحقیقت عدویٰ یعنی بیماری کا لگ جانا تو اس شخص کے میل میں ہے جو معاصی کرتا ہے اور ان کو اچھا جانتا ہے اور زینت زینت دیتا ہے اور لوگوں کو اس طرف بلاتا ہے یعنی انسانی شیطان کہ وہ حتیٰ شیطانوں سے زیادہ تر ضرر رساں ہے کیوں کہ جنی شیاطین تو اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے سے دُور بھی ہو جاتے ہیں لیکن انسانی شیاطین جب تک تم کو گناہ میں مبتلا نہ کر دیں ہٹتے ہی نہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے، آدمی کا حشر اپنے دوستوں کے دین پر ہوگا | پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدمی کا حشر اپنے دوستوں کے دین پر ہوگا لہذا دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو۔ اور ایک اور حدیث میں ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کے سوا کسی کا ہم نشین مت ہو اور سوا پرہیزگار کے کوئی اور تمہارا کھانا نہ کھائے۔ اور غول غین کے پیش کے ساتھ یہ جاہلیت کی باتیں ہیں اہل غول کی شرارت ذکر الہی سے دور ہو جاتی ہے | جاہلیت کہا کرتے تھے کہ غول ایک قسم کا جن ہے جو آدمیوں کو جنگل میں مختلف شکلوں میں دکھائی دیتا ہے اور راستے سے بھٹکا دیتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے اور نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ غول نہیں ہے مختل ہے کہ اس سے اس کے وجود کی نفی مراد ہو جیسا کہ لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ کسی شے کی نفی سے سرسری نظر میں خود اسی چیز کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس کے وجود کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ مراد اس سے وہ ہے جس کا اہل جاہلیت اعتقاد رکھتے تھے یعنی طرح طرح کی شکلیں بنا لینا اور راستے سے بہکا دینا اور ہلاک کر دینا۔ اب حدیث کے معنی یہ ہوتے کہ غول کسی کو راستے سے بہگانے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ان مذکورہ باتوں میں سے کچھ کر سکتے ہیں یہ معنی دونوں میں سے اولیٰ ہیں کیونکہ ایسی حدیثیں بھی آتی ہیں جو غول کے وجود پر دلالت کرتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو وقت غول شرارت کریں تو فوراً اذان کہہ دو پس پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ ان کی شرارت ذکر الہی سے دفع ہو جاتی ہے۔ پس مومن کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے اور اسی پر توکل کرے اور وہ مشہور باتیں جو دین اسلام کے خلاف ہیں اور جن سے نبی علیہ السلام نے منع فرمایا ہے سب کو چھوڑ دے۔

الہی ہم پر اپنی رضا کے موافق عمل اپنے لطف و کرم سے آسان کر دے |
 اتنا لیسویں مجلس شگون بد اور فال بد کی برائی اور مسنون فال کی مدح اور
 اسکے اقسام کے بیان میں
 نیک فال اور شگون بد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شگون بد تو کوئی چیز نہیں

اور اسپیں سے بہتر فال نیک ہے۔ سب نے پوچھا یا رسول اللہ فال کیا چیز ہے فرمایا ایک اچھی بات ہے جو تم سنو۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور اسکے معنی یہ ہیں کہ بدشگونی پر عمل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اسپیں بہتری نہیں ہوتی بہتری تو صرف فال ہی میں ہے۔ یعنی کلمہ خیر جو تمہارے کان پڑ جائے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ بدشگونی میں خیر ہے اور فال اس سے بہتر ہے۔ کیونکہ بدشگونی میں بالکل خیر نہیں ہے اور طیرہ مصدر ہے تظیر کے معنوں میں طیر سے مشتق ہے۔ اسلئے کہ عرب کے لوگ جاہلیت میں اسکے سنوح یعنی بائیں طرف سے داہنی طرف چلے جانے کو مبارک جانتے تھے اور اُس کے بروج یعنی داہنی طرف سے بائیں طرف چلے جانے کو منحوس جانتے تھے۔ کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب کسی کام کو نکلنے تھے تو اگر کسی پرندے اور وحشی کو دیکھتے تھے کہ داہنی طرف کو گیا ہے تو اُسے مبارک جان کر اپنے کام کو چلے جاتے تھے اور اگر دیکھتے تھے کہ پرندہ یا وحشی جانور بائیں طرف کو گیا ہے تو اُس کو منحوس جان کر اپنے گھر لوٹ آتے اور بعضی دفعہ پرندے اور وحشی جانور کو اڑاتے اور دیکھتے کہ اگر اُس نے داہنی طرف کو اختیار کیا تو مبارک جانتے اور اپنے سفر اور کاروبار کو چلے جاتے اور اگر اُس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس کو منحوس سمجھ کر اپنے سفر اور ضرورت سے پلٹ آتے۔ اور حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ سناخ کو نیک اور بابرکت جانتے تھے اور بوارح کو منحوس سمجھتے تھے اور سناخ وہ پرندہ جانور یا وحشی ہے جو سامنے سے بائیں طرف سے داہنی طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اس کو مبارک جانتے تھے کیونکہ اس کو تیر مارنا اور شکار کرنا بغیر موڑے ہوتے ممکن ہے اور بارج وہ پرندہ جانور یا وحشی ہے کہ داہنی طرف سے بائیں طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اس کو منحوس جانتے تھے کیونکہ اُس کا تیر مارنا اور شکار کرنا بغیر موڑے ہوتے ممکن نہیں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفریح کر دی اور باطل کر دیا اور خبر دیدی کہ اس میں نفع نقصان کی کچھ تاثیر نہیں پس یہی معنی ہیں لاطیرہ کے کیونکہ طیرہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مصدر ہے تظیر کے معنوں میں اور اصل میں تظیر طیر سے فال لینے کو کہتے ہیں پھر اس کا استعمال ہر اُس چیز میں ہو گیا جس سے فال لی جائے اور فال میں جو منحوس سمجھا جائے خواہ ظہر ہو یا اور کچھ۔ اور روایت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بدشگونی بدشگونی شرک ہے۔ شرک کی بات ہے یعنی یہ مشرکوں اور کفار کا کام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کو کئی جگہ اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے کیونکہ کفار رسولوں اور ان کے ساتھیوں سے بد فال لینتے تھے اور ان کے منحوس سمجھنے کا سبب یہ تھا کہ رسول چونکہ اُن کو ایسا دین سکھاتے تھے جس سے وہ مانوس نہ تھے لہذا اس کو عجیب و غریب جانتے تھے اور ان سے انہیں دلی نفرت ہو

جاتی تھی کیونکہ جہاں کی تو عادت ہے کہ جو بات اُن کی مرضی کے موافق ہو اُس کو مبارک جانتے ہیں اگرچہ وہ ساری خرابیوں کی باعث ہو اور جو بات اُن کی مرضی کے خلاف ہو اُس کو منحوس جانتے ہیں اگرچہ اس میں ہر طرح کی خیر اور نعمت حاصل ہو۔ اور بعضی تاریخوں اور بعض مہینوں سے بدفالی لینا بھی اُن صفر وغیرہ مہینوں اور تاریخوں کی عادت تھی جیسے صفر کا مہینہ اور آجکل بھی اکثر لوگ اسکو منحوس کو منحوس کہنے کی ممانعت جانتے ہیں اور بسا اوقات اس مہینے میں سفر اور نکاح اور اسی طرح اور کام کرنے سے باز رہتے ہیں۔ یہ بدشگونی بھی اسی طیرہ کی قبیل سے ہے جس سے ممانعت ہے کیونکہ نحوست کی خصوصیت کسی وقت کے ساتھ کہ اس میں نہ ہو درست نہیں کیونکہ زمانہ ایک ممتد وقت ہے جسکی بمقدار افلاک اور ستاروں کی حرکت سے معلوم ہوتی ہے۔

کسی زمانہ کی نحوست اور برکت بندوں کے اعمال کی وجہ سے ہو سکتی ہے اور درحقیقت تو وہ ایک چیز ہے اُس کے سبب اجزاء یکساں ہیں خدا کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بندوں کے افعال اس میں واقع ہوتے ہیں پس خود نہ اس میں کچھ برکت ہے نہ کوئی نحوست ہاں مگر بندوں کے اعمال کے اعتبار سے پس جس وقت کو بندہ عبادت میں مشغول رکھتا ہے وہ زمانہ اُس کے حق میں مبارک ہوتا ہے اور جس وقت کو بندہ معصیت میں صرف کرتا ہے وہ زمانہ اُس کے حق میں منحوس ہوتا ہے اور حقیقت میں مبارک عبادت ہی ہے اور نحوست گناہ ہی ہیں جیسا کہ عدی بن حاتم نے کہا ہے کہ انسان کی برکت اور نحوست دونوں جبروں کے بیچ یعنی اُسکی زبان میں ہے۔ اور ابن مسعود کہتے ہیں اگر بالفرض کسی چیز میں نحوست ہے تو اس میں ہے جو دونوں جبروں کے درمیان میں ہے یعنی زبان۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نحوست بدخلقی ہی ہے۔ سو اس بیان کی بنیاد پر منحوس صرف معاصی اور گناہ ہیں کیونکہ یہ خدائے تعالیٰ کو غصہ دلاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضبناک ہوا تو وہ شخص دنیا اور آخرت میں شقی اور بدبخت ہے اور جس بندہ سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا تو وہ شخص دنیا اور آخرت میں نیک بخت ہے بلا، گناہ و معصیت کی وجہ سے ہوتی ہے اور کسی نیک آدمی کے پاس لوگوں نے ایک بلا کی شکایت کی جس میں سب لوگ مبتلا ہو گئے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ جس بلا میں تم لوگ مبتلا ہو وہ مجھ کو تو صرف گناہ اور معاصی کی نحوست معلوم ہوتی ہے۔ پس گنہگار کی نحوست خود اپنے ہی گنہگار کی نحوست خود اُس پر ہوتی ہے اور غیروں پر بھی، اس واسطے کہ اس سے تو امن نہیں اور غیروں پر بھی ہوتی ہے کہ اس گنہگار پر عذاب نازل ہو کر سب خلق پر پھیل جائے خصوصاً ان لوگوں پر جو اُس کے عمل پر انکار نہیں کرتے تھے اسلئے کہ اس سے الگ رہنا لازم

ہے۔ اور ایسے ہی اُن مقامات سے جہاں معاصی کئے جاتے ہوں اس ڈر سے بھاگتے رہنا معاصی والے مقام کو چھوڑنا ہجرت ہے | کہ مبادا عذاب اُن سب پر نازل ہو جو وہاں موجود ہوں اس ڈر سے بھاگتے رہنا کہ مبادا عذاب اُن سب پر نازل ہو جو وہاں موجود ہوں ضروری ہے کیونکہ گنہگاروں اور اُن کے مکانوں کو چھوڑ دینا اسی ہجرت میں داخل ہے جس کے لئے حکم ہے۔ اور یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ رمل اور کنکریاں اور وانہ جو بدشگونی کی صورتیں | پھینک کر اور نجوم وغیرہ کے ذریعہ سے شر کے اسباب کی تفتیش کرتے ہیں یہ تمام بدشگونی اور استقسام بالازلام کی جنس سے ہے جس کی ممانعت ہے اور استقسام کے معنی یہ ہیں کہ تقسیم شدہ اور بے تقسیم شدہ چیز کا علم طلب کرنا اور ازلام وہ تیر ہیں جن پر اہل جاہلیت امر اور نہی لکھ دیتے تھے کہ بلفظے پر لکھتے تھے کہ کرو یا میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے اور یعنی پر مت کر یا اللہ نے مجھے منع کیا ہے لکھتے پھر اُن کو ایک برتن میں رکھتے اور جب کوئی کسی کام کا ارادہ کرتا تو اس برتن میں ہاتھ ڈالتا اور ایک تیر نکال لیتا۔ پس اگر وہ تیر نکلتا جس میں حکم تھا تو وہ اُس کام کو چلا جاتا جس کا ارادہ ہے اور اگر وہ تیر نکلتا جس میں ممانعت تھی تو اُس کام سے باز رہتا جس کا ارادہ کیا تھا۔

اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بتوں کے سامنے اہل جاہلیت کی کنکریاں تھیں کہ جب کوئی سفر وغیرہ کا ارادہ کرتا تو استقسام کرتا یعنی کرنا یا نہ کرنا جو اس کی قسمت میں ہو اس کا علم حاصل کرتا۔

اور ابو اسحاق زجاج وغیرہ کہتے ہیں کہ استقسام بالازلام حرام ہے اس لئے کہ یہ گویا علم الہی میں مداخلت کرنا ہے حالانکہ وہ ہم سے پوشیدہ ہے اور اسی میں وہ بھی داخل ہے جو اس زمانہ میں کیا جاتا ہے اور اس کا نام قرآن کی فال اور دایہاں کی فال اور اسی طرح اور کچھ رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ وہ فال نہیں ہے جو کہ شرع میں محمود ہے بلکہ یہ بھی استقسام بالازلام کی جنس سے ہے سو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں اور نہ اس کا حق سمجھنا کیونکہ اس میں غیب کی خبر اور قرآن کے شریعت میں محمود فال | ساتھ تطیر ہے۔ اور فال جو شرع میں محمود ہے وہ یہ ہے کہ کسی کلمے سے جو موافق ہو مقصود کے جیسے راشد یعنی راہ پانے والا اور نسیح یعنی کامیاب اس سے مبارکی اور برکت لی جائے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کو

جاتے تو اس سے بہت خوش ہوتے تھے کہ یا راشد یا بنج سن لیں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال لیا کرتے تھے اور تطییر نہیں کیا کرتے تھے ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال کو پسند فرماتے تھے اور تطییر کو بُرا جانتے تھے۔ علماء کہتے ہیں فال کے محبوب اور تطییر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فال کو محبوب اور تطییر کو مکروہ اس لئے جانتے کے مکروہ ہونے کا سبب تھے کہ تطییر میں عیب کا حکم اور اللہ تعالیٰ سے بدگمانی اور ہلاکی توقع ہوتی ہے رہی فال سوا اس میں عیب کا حکم نہیں بلکہ اس میں صرف خیر کی خواستگاری اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں نیک گمانی اور حصول مراد کی امید ہوتی ہے کیونکہ کسی سبب کے ہوتے ہوئے اگر اللہ سے خیر اور نعمت کی آرزو کرے سبب تو ہی ہو یا ضعیف تو یہ بندہ کے حق میں بہتر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی امید اور آرزو منقطع کر لے تو یہ اس کے حق میں بُرا ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق بیشک نا امید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر کافر لوگ اور نصاب الاحساب میں لکھا ہے کہ کوئی آدمی اگر سفر کو نکلے اور کوٹاہول اٹھے تو یہ شخص سفر موقوف رکھے تو بعضے مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے

اور محیط میں مذکور ہے کہ تو کی آواز پر اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بیمار مر جائے گا تو وہ شخص بعضے مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور فال کی مثال یہ ہے کہ کسی کو کوئی حاجت تھی اس نے سنا کہ کوئی کہتا ہے یا واجد یعنی اے پانے والے پس اس کے دل میں اس کے ملجانے کی توقع پیدا ہو گئی یا اسکو کوئی بیماری تھی اور سنا کہ کوئی کہتا ہے کہ یا سالم یعنی اے سلامت رہنے والے اب اس کے دل میں سلامتی کی امید پیدا ہو گئی۔

اور فال اور طیرہ میں باوجود یکہ ہر ایک میں کام کے انجام اور نتیجے پر علامت سے استدلال کرتے ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ نیک کلہر جو انسان کی زبان سے نکلتا ہے اپنے مطلب کے موافق معنوں پر ولایت کرتا ہے اس لئے اس سے اپنی مراد پر استدلال کرنا ممکن ہے بخلاف جالوز کی پرواز اور وحشیوں کی حرکات اور ان کی آوازوں کے کیونکہ وہ چونکہ کسی معنی پر ولایت نہیں کرتے تو اس سے کسی بات پر استدلال کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ اہل جاہلیت نے اس میں کبھی ان کے حرکات کا اہل جاہلیت کی بدشگونی کے طریقے اور کبھی آوازوں کا اور کبھی رنگوں کا اور کبھی ناموں کا اعتبار کر کے بعضوں کو نحوست خیال کیا اور بعضوں کو برکت سمجھا اس طرح کہ عقاب سے عقوبت یعنی عذاب کی نحوست لیتے تھے اور عذاب سے عزبت یعنی مسافری کی اور ہمد سے ہدایت کی برکت لیتے تھے اور ایسے ہی سانح سے برکت اور بارح سے نحوست لیتے تھے اور سانح وہ پرندہ یا وحشی ہے جو بائیں طرف سے داہنی طرف کو چلا جائے اور عرب کے لوگ اسکو مبارک سمجھتے تھے اس لئے کہ اسکو تیر مارنا اور اسکا شکار کرنا بدون

پھیرے ہوئے مکان ہے اور باوجود پرندہ یا وحشی ہوتا ہے جو دائیں طرف سے بائیں طرف چلا جائے اور عرب کے لوگ اسے نحس جانتے تھے کیونکہ اس کو تیر مارنا اور اس کا شکار کرنا بدون گھومے ہوئے مکان نہیں اور چونکہ ان لوگوں کو عادت تھی کہ جب وہ کسی کام کو نکلتے اور کسی پرندہ یا وحشی کو دیکھتے کہ دائیں طرف کو جاتا ہے تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر کسی پرندہ یا وحشی کو دیکھتے کہ بائیں طرف جاتا ہے تو اس کو منحوس جانتے اور اپنے گھر لوٹ آتے اور کبھی پرندہ اور وحشی کو ہشکا کر دیکھتے کہ اگر اس نے دائیں طرف کی راہ لی تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر اس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس سے بد فالی لیتے اور بے کام کئے لوٹ آتے اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول سے اس سے منع کر دیا کہ چڑیوں کو اپنے گھونسلے میں بیٹھے رہنے دو اور معاویہ بن حکم سے بد فالی لینے سے ممانعت | روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بد فالی لیا کرتے تھے آپ نے فرمایا یہ ایک ایسی بات ہے جو خود تمہارے دل میں آتی ہے اور کہیں یہ تمہارا کام نہ روک دے یعنی ایسی باتیں جو دلوں میں آتی ہیں بمقتضائے بشریت وہم سے پیدا ہوتی ہیں ان میں کوئی تاثیر نفع و ضرر کی نہیں سو یہ وہم تم کو اس مقصود سے زروک دے جس کی طرف تم جاتے تھے۔

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کو کار و بار سے بدشگونی نے روک دیا وہ بیشک مشرک ہے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کفارہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کہنا یا اللہ تیری بدشگونی کے سوا کوئی نہیں اور نہ تیری خیر کے سوا کوئی خیر ہے اور نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے پھر اپنے کام کو چلا جائے۔ یعنی انسان کو جو بھلائی اور برائی اور نفع اور نقصان اور برکت اور نحوست پیش آتی ہے بدون تیری قضا اور تیری تقدیر اور تیرے حکم اور تیری مشیت کے پیش نہیں آتی۔

اور ایک اور حدیث میں جس کو ابن مسعود نے روایت کیا ہے آیا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے فال بد مشرک ہے فال بد مشرک ہے اسی طرح تین بار فرمایا اور کوئی ایسا نہیں جو دل میں خیال نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو توکل سے دور کر دیتا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ قول ما من الا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے نہیں ہے بلکہ ابن مسعود کا کلام ہے اس میں سے اختصار کے لئے حدیث ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہیں مگر دل میں اس وقت کچھ نہ بچے اس قسم کا خیال ضرور بمقتضائے عادت آجاتا ہے لیکن وہ دل میں جہتا نہیں بلکہ اعتقاد اس طرح درست کر لینا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مؤثر نہیں پس اسی سے بھلائی طلب کرتا ہے اور بدی سے پناہ مانگتا ہے اور اسپر بھروسہ کر کے اپنے مقصود کے لئے چلا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے لطف اور فضل اور کرم سے ہم پر اپنی مرضی کے موافق عمل آسان فرمائے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

چالیسویں مجلس اس بیان میں کہ دنیا کے دیر اور آخرت کے

کاموں میں جلدی اچھی ہے

آخرت کے کاموں کے سوا | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تامل ہر کام میں ہونا
کاموں میں تامل بہتر ہے | چاہیے مگر آخرت کے عمل میں

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ مصعب بن سعد نے اپنے باپ سے اس کو روایت کیا
ہے اور اس کے مطلب یہ ہیں کہ عمل آخرت کے سوا تمام امور میں تامل بہتر ہے لیکن عمل آخرت میں
سوچ بچار اچھا نہیں ہے کیونکہ اس کے خیر ہونے میں شک نہیں لہذا اس کی تاخیر میں بھلائی نہیں
بلکہ اس میں جلدی بہتر ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جبکہ پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے
اور پرہیزگاروں کے لئے تیار ہوئی ہے" رہے دنیا کے کاروبار سوان میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بہتر کرنے کے
لائق ہے یا بڑا ہے کہ اس سے بچا جائے۔ لہذا اس میں دیر کہ نامشروع ہوتی پس جب کسی کام کا قصد کرے
مشورہ مستحب ہے | تو مستحب ہے کہ اس میں مشورہ کرے کیونکہ نبی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ
اپنے تمام اصحاب سے تمام امور میں مشورہ لیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ گھر کی ضرورتوں میں بھی۔ اور علیؑ سے روایت
ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مشورہ کرنے سے کوئی شخص خراب نہیں ہوا بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ
گر آدم علیہ السلام فرشتوں سے اس درخت ممنوع کے کھانے کے بارے میں مشورہ کر لیتے تو جس مصیبت
میں پڑ گئے نہ پڑتے اور کہتے ہیں کہ انسان تین قسم کے ہیں مرد اور ادھورا مرد اور ناکس، مرد وہ ہے جو
انسان کی قسمیں | خود صاحب رائے ہو کر بھی مشورہ کرے اور ادھورا مرد وہ ہے جو داننا تو ہو لیکن مشورہ نہ
کرے یا مشورہ کرے لیکن اس کی رائے صاحب نہ ہو اور ناکس وہ ہے نہ خود داننا ہو اور نہ مشورہ کرے
پس دونوں باتوں کے مع ہونے سے مرد پورا ہوتا ہے اور ایک بات سے آدھا ہوتا ہے اور دونوں
نہ ہونے سے ناکس اور وہ صحیح حدیثیں جو مشورہ کے بارے میں آئی ہیں بہت ہیں اور ان سب کے
مشورہ کی اہمیت | بدلے یہ آیت کافی ہے "اور مشورہ لے ان سے کام میں" کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو باوجودیکہ آپ سب خلقت سے زیادہ کامل تھے اور آپ سے زیادہ کوئی فہمیدہ نہ
تھا اس آیت سے مشورہ کرنے کا حکم کیا گیا ہے تو اوروں پر کیا خیال ہو سکتا ہے لیکن جو شخص
کسی کام میں مشورہ کا ارادہ کرے تو اس کو مستحب ہے کہ اہل بصیرت کی ایک ایسی جماعت سے
مشورہ کرے جو کم سے کم دس ہوں اور ان کی حالت سے خیر خواہی اور شفقت معلوم ہوتی ہو

اور ان کے دین اور راستی اور پرہیزگاری اور علم پر اعتماد ہو اور اس کام میں جو کچھ اپنا مقصود ہو اور جو کچھ اس میں مصلحت اور خرابی ہو اگر کچھ جانتا ہو سب ان سے بیان کر دے اور اگر ایک شخص کے سوا اور کوئی نہ ملے تو اس ایک ہی سے دس مرتبہ مشورہ کر لے اور اگر ایک بھی نہ ملے تو اپنی عورت سے یا کسی اور عورت سے جس سے بات چیت کرتا درست ہو مشورہ کر لے اور مشورہ کے بعد اس کی رائے کے خلاف کرے۔ اس کے خلاف میں خیر اور برکت ہوتی ہے اور مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرو اور ان کے خلاف کرو۔

اہل شام میں سے کسی کا قصہ ہے کہ انہوں نے فتنہ یزید کے ایام میں اپنے آپ کو چھت پر سے گرا دینے کے متعلق اپنی بی بی سے مشورہ کیا تو بی بی نے کہا مت کرو لیکن وہ اس کی مخالفت کر کے چھت پر سے گر پڑے جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی صبح ہوئی تو یزید کے نوکر چاکر آئے کہ ان کو حضرت امام حسینؑ سے لڑنے کو روانہ کریں لیکن جب ان کا یہ حال دیکھا تو چھوڑ دیا اور وہ شخص دین اور دنیا کی بدبختی سے اس حدیث پر عمل کی برکت سے بچ گیا کیونکہ جس کو کسی مسلمان کے قتل کے لئے قتل یا قطع اعضاء کی دھمکی دی جائے تو اس کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے بلکہ اس کو یہ لازم ہے کہ صبر کرے حتیٰ کہ مقتول ہو جائے لیکن اگر اس کو قتل کرے گا تو گنہگار ہوگا کیونکہ کسی ضرورت سے بھی مسلمان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ مشورہ دینے والے کو یہ واجب ہے کہ خیر خواہی مشورہ دینے والا این ہے میں پوری فکر اور قوت صرف کرے اور مشورے میں خیانت نہ کرے کیونکہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مشورہ دینے والا این ہوتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے کسی بھائی کو کوئی ایسی رائے دی جس کے متعلق اسے یہ علم تھا کہ بھلائی دوسرے کام میں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ جس نے کسی بھائی مسلمان سے کسی بات میں مشورہ لیا اور مشورہ دینے والے نے کہا کہ بہتری اس کے کرنے میں ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے یا اسے گمان غالب ہے کہ مصلحت اس کے نہ کرنے میں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی اور جب مشورہ کرے اور اس کا مصلحت ہونا معلوم ہو جائے تو لازم ہے کہ مشورہ دینے والے کو مشورہ مان لے لیکن اللہ تعالیٰ سے اس طرح استخارہ کرنے کے بعد جس کو امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں جائز سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تمام امور میں اس

طرح استخارہ سکھاتے تھے جیسے کہ قرآن کی سورت ہم کو سکھاتے تھے پس فرماتے تھے کہ جب تم
 استخارہ اور اس کی اہمیت میں سے کوئی کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت فرض کے

علاوہ پڑھ کر یہ دعا پڑھے

یا اللہ میں تیرے علم کے موافق بھلائی چاہتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت چاہتا ہوں اور تیرے
 بڑے فضل میں سے مانگتا ہوں کیونکہ تو قدرت والا ہے اور مجھ میں کچھ طاقت نہیں اور تو جانتا ہے
 اور میں بے خبر ہوں تو تمنا غیب کا جاننے والا ہے۔ خدایا اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے حق میں میرے
 دین اور دنیا اور آخرت اور اس وقت اور آئندہ کے لئے برا ہے تو اس کو مجھ سے اور مجھ کو

اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما جہاں کہیں ہو پھر اس پر مجھ کو راضی رکھ۔

استخارہ کا طریقہ علماء کہتے ہیں کہ استخارہ نماز اور دعائے مذکورہ کے ساتھ تمام امور میں مستحب ہے
 جیسا کہ حدیث مذکور میں تصریح ہے اور دو رکعت نفل ہو اور ظاہریوں ہے کہ مقررہ سنت کی دو
 رکعت اور سنیۃ المسبوقہ وغیرہ نوافل سے بھی استخارہ ہو سکتا ہے اور اگر کسی وجہ سے نماز دشوار ہو تو
 صرف دعائے مذکورہ ہی سے استخارہ کر لے۔

اور استخارہ کرے تو سات مرتبہ استخارہ کرے اور جس کام کی اس کا دل گواہی دے کرے کیونکہ انس
 سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا اے انس جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو
 پہلے اس کے بارے میں اپنے رب سے سات مرتبہ استخارہ کر لو پھر اس کو دیکھو جو تمہارے
 دل میں آٹھرا ہے کہ اسی میں بھلائی ہے اور اللہ کے مومن بندوں کو جب کوئی کام دین یا دنیا کا پیش
 آتا ہے تو یہی کرتا ہے اور استخارہ امور دینی مثلاً حج اور جہاد وغیرہ میں تو کام کا وقت مقرر کرنے
 دینی اور دنیاوی امور میں کے لئے ہوتا ہے محض اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا
 استخارہ کی نوعیت میں فرق اور امور دنیاوی میں نفس اس فعل کے لئے ہوتا ہے اور جہاں اور

ناسق جو راہ حق سے یکے ہوئے اور سیدھی راہ سے گمراہ ہیں جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو

رنال اور کنکریوں سے اور پوڑا لے اور باقلا والے کے پاس جاتے ہیں اور وہ لوگ ان کو آستنی بنا

لیتے ہیں اور ان سے پوچھ کر جو کچھ کہتے ہیں اس میں ان کی تصدیق کے سبب سے اور بھی ان کا

جہل اور نقصان زیادہ ہو جاتا ہے اور ان بے چاروں کو یہ خبر نہیں کہ اس میں ان کا دین اور دنیا سب

تباہ ہو گئے۔ کیونکہ شرح عقائد میں مذکور ہے کہ کاہن کو ان خبروں میں جو عینب کی بیان کرتا ہے

کاہن کی خبروں کو سچا جانتا کفر ہے سچا جانتا کفر ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے

کاہن کے پاس جا کر اس کے قول کی تصدیق کی اس نے بے شک اس حکم کا جو محمد پر

نازل ہوا ہے انکار کیا اور کاہن وہ ہے جو عینب کی خبر دے ریل سے ہو یا کنکریوں سے یا جو

سے یا اس کے سوا کسی اور چیز سے اور یہ سب حرام ہے کیونکہ یہ طیڑہ اور استقسام بلا زلام کی طرح ہے جس کی ممانعت ہے اور طیڑہ مصدر ہے تطیڑ کے معنی ہیں اصل میں تطیڑ کے معنی طیڑ سے فال بدفالی کی صورتیں لینا ہے۔ پھر اس کا استعمال ہر اس چیز میں ہو گیا جس سے فال لی جائے اور منحوس سمجھی جائے خواہ طیڑ ہو یا اور چیز

اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے طیڑہ شرک ہے۔ یعنی یہ طیڑہ شرک کے کاموں میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی کتاب میں کئی جگہ ان سے نقل کیا ہے کہ وہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین سے بدفالی لیتے تھے اور ان کے منحوس سمجھنے کا سبب یہ تھا کہ انہی نے جب ان کو ایسے دین کی طرف بلایا جس سے وہ مانوس نہ تھے اس لئے اس کو ایک نئی سی بات سمجھ کر اس کی برائی کی اور ان کی طبیعتوں نے اس سے نفرت کی کیونکہ جاہلوں اور فاسقوں کی ایسے عادت ہے کہ اپنی خواہشوں کے موافق چیزوں کو مبارک جانتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب برائیوں اور وبال کا سبب ہوں اور اپنی خواہش کے خلاف سمجھتے ہیں منحوس سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہر خیر و برکت کا سبب ہوں۔

اور استقسام کے معنی اس چیز کی شناخت حاصل کرنا جو قسمت میں ہو ان چیزوں میں سے جو قسمت میں نہیں ہیں۔

اور اذلام تیر ہیں جن پر جاہلیت کے لوگ امر اور نہی لکھ دیتے تھے یا یہ کہ کسی پر لکھتے کہ یا یہ کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے اور کسی پر لکھ دیتے کہ یا یہ کہ اللہ نے مجھے منع کیا ہے اور ان کو ایک برتن میں رکھ دیتے تھے۔ پھر جب کوئی کچھ کرنے کا قصد کرتا تو اس برتن میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتا۔ پس اگر ایسا تیر نکلتا جس پر اجازت ہے تو اپنے کام کو چلا جاتا جس کا قصد تھا اور اگر ایسا نکلتا جس میں ممانعت ہے تو جس کا قصد تھا اس سے رک جاتا

اور سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ بتوں کے سامنے اہل جاہلیت چند کنکریاں رکھتے تھے جب کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرتا سفر ہو یا اور کچھ تو استقسام کرتا یعنی بت سے اس امر کا جو مقدر ہے علم طلب کرتا یعنی کرنے اور نہ کرنے کا اور ابوسحاق زجاج اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اذلام سے خیر اور شرور یا بت بدفالی کا حکم اور آجکل کرنا حرام ہے کیونکہ یہ علم الہی میں مداخلت ہے۔ حالانکہ وہ ہم سے پوشیدہ فال لینے کا طریقہ ہے اور اسی استقسام میں وہ بھی داخل ہے جو اس زمانے میں کرتے ہیں اور اس کا نام فال و انبیال وغیرہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ فال نہیں جو شرع میں محمود ہے بلکہ یہ بھی تیروں سے قسمت دریافت کرنے ہی کی طرح ہے پس نہ اس کا استعمال جائز ہے اور نہ اس کو حق جانتا کیونکہ اس میں غیب کی خبر دینا اور قرآن عظیم سے تطیڑ کرنا ہے اور شرع میں فال محمود کسی کار سے

جو مراد کے موافق ہو چلیے راشد اور بخیج سے خیر و برکت لینے کا نام ہے۔ حضرت انسؓ کی اس روایت کے مطابق کہ نبی علیہ السلام کو یہ پسند تھا کہ آپ جب کسی کام کو تشریف لیجاتے تھے تو یا راشد یا بخیج کا لفظ سنیں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام فال نیک لیا کرتے تھے اور بد فال نہیں لیتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام فال کو پسند کرتے تھے اور بد فال کو بُرا جانتے تھے۔ علماء کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اس لئے فال کو پسند اور طیرہ کو بُرا جانتے تھے کہ طیرہ میں عیب پر حکم ہوتا ہے اور اللہ کے ساتھ بدگمانی و بھلائی توقع اور فال میں عیب پر حکم نہیں بلکہ کے بُرا ہونے کا سبب اس میں صرف خیر کی طلب اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان نیک اور مراد حاصل ہونے کی امید ہوتی ہے پس انسان کسی سبب کے ظاہر ہونے کے وقت اگر اللہ تعالیٰ سے خیر اور نعمت کی آرزو کرے اور امیدوار ہو تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ سے اپنی امید منقطع کر لے اور ناامید ہو جائے تو اس ارشاد و خداوندی کے مطابق کہ نہیں ناامید ہوتے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مگر کافر لوگ اس کے حق میں بُرا ہے اور نصاب الاحساب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سفر کے ارادہ سے نکل کر کوٹے کے بول اٹھنے سے سفر سے لوٹ آئے تو بعض مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور محیط میں مذکور ہے کہ اگر تو بولا اور کسی نے کہا کہ بیمار جائے گا تو یہ کہنے والا بعین مشائخ کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے اور فال کی مثال یہ ہے کہ اس کو کچھ کام تھا کہ اتنے فال کی مثال میں سنا کہ کوئی کہتا ہے یا واجب لہذا اس کے دل میں کام بن جانے کی امید پیدا ہو گئی ہو یا اس کو کوئی بیماری ہو اور یہ سنے کہ کوئی کہتا ہے یا سالم لہذا اس کے دل میں توقع سلامتی کی پیدا ہو جائے اور فال اور طیرہ میں فرق باوجودیکہ ہر ایک میں علامت سے اسخام اور مال کار پر فال اور طیرہ میں فرق استدلال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ نیک کلمہ جو انسان کی زبان پر جاری ہوتا ہے چونکہ وہ مراد کے موافق معنوں پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس سے مراد پر استدلال ممکن ہے بخلاف جانوروں کے اڑنے اور چار پائیوں کے حرکات اور آوازوں کے کہ یہ چونکہ کسی معنی پر دلالت نہیں کرتے لہذا اس سے کسی شے پر استدلال ممکن نہیں اور اگرچہ اہل جاہلیت اس میں کبھی ان کی حرکات کا اور کبھی آوازوں کا کبھی ان کے رنگوں کا کبھی ان کے کاموں کا اعتبار کر کے بعضوں کو منحوس جانتے تھے اور بعضوں کو مبارک جانتے تھے کیونکہ جاہلیت والے عزاب سے عزبت کی منحوست مانتے تھے اور عقاب سے عقوبت کی اور بد سے ہدایت کی برکت سمجھتے تھے اور ایسے ہی ساسخ کو مبارک اور بارج کو منحوس جانتے تھے اور ساسخ وہ پرندہ یا وحشی جانور ہے جو بائیں طرف سے دائیں طرف کو چلا جائے اور عرب اس کو مبارک جانتے تھے کیونکہ

اس پر تیر لگانا اور شکار کرنا بغیر مٹے ہوئے ممکن ہے اور بارح وہ پرندہ یا وحشی جانور ہے جو دائیں طرف سے بائیں طرف کو چلا جائے اور عرب اس کو منحوس مانتے تھے کیونکہ اس پر تیر لگانا اور شکار کرنا بغیر مٹے ہوئے ممکن نہیں اور یہ اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ کسی کام کو نکلتے اور کسی پرندے یا چوپائے کو داہنی طرف کو جاتا ہوئے دیکھتے تو اس کو مبارک جانتے اور اپنے کام کو چلے جاتے اور اگر کسی پرندے یا وحشی کو بائیں طرف جاتا ہو دیکھتے تو اس کو منحوس مانتے اور اپنے گھبراہٹ لوٹ آتے اور کسی وقت پرندوں اور چارپایوں کو خود ہشکار بھی دیکھتے کہ اس نے اگر داہنی طرف کی راہ لی تو اس کو مبارک سمجھ کر اپنے کاروبار کو چلے جاتے اور اگر اس نے بائیں طرف کی راہ لی تو اس کو منحوس خیال کر کے اپنے کام سے واپس چلے آتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بذریعہ اس ارشاد کے منع فرمادیا کہ جانوروں کو اپنے گھونسلوں میں رہنے دو اور معاویہ بن حکمؓ سے روایت ہے کہ بدفالی سے ممانعت اور اسکا کفارہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم بدفالی لیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ ایک بات ہے جو از خود تمہارے دل میں پیدا ہوتی ہے تو یہ تم کو کام سے کہیں نہ روکدے یعنی یہ بات دل میں ان ادلام کی طرح پیدا ہوتی ہے جو بمقتضائے بشریت تم کو پیش آتے ہیں بغیر اس کے کہ اس میں کچھ نفع و نقصان کی تاثیر ہو لہذا یہ خیال تم کو اپنے مقصود سے جس کو تم جاتے تھے باز رکھے۔

اور ایک اور حدیث میں آیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جسکو طیرہ نے کاروبار سے روکدیا بیشک اس نے شرک کیا کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کا کفارہ کیا ہے فرمایا یہ دعا پڑھنا کہ خدایا نہ بدفالی تیری کے سوا کوئی بدفالی ہے اور نہ تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی اور نہ تیرے سوا کوئی معبود ہے۔ پھر اپنے کام کو چلا جائے یعنی انسان کو جو خیر اور شر اور نفع اور نقصان اور برکت اور نحوست پیش آتی ہے وہ بدون تیرے حکم اور تیری تقدیر اور تیرے فرمان اور تیری مشیت کے پیش نہیں آسکتی۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جسکو ابن مسعودؓ نے روایت کیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے طیرہ شرک ہے طیرہ شرک ہے اس کو تین بار فرمایا اور ہم میں کوئی ایسا نہیں جو خیال نہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ توکل سے دفع کر دیتا ہے کہتے ہیں کہ یہ لفظ ما منا الا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے نہیں ہے بلکہ ابن مسعودؓ کا کلام ہے اور اس میں اختصار کے لئے حذف ہوا ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہیں ہے مگر اس وقت دل میں کچھ وہم و خطرہ اس قسم کا بمقتضائے عادت ضرور آتا ہے لیکن وہ دل میں ٹھہرتا نہیں بلکہ اس طرح اپنا اعتقاد درست کر لیتا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مؤثر نہیں لہذا وہ بندہ خدا ہی سے خیر مانگتا ہے

اور اسی سے بڑائی سے پناہ مانگتا ہے اور اس پر بھروسہ کر کے اپنے کا گچلا جاتا ہے۔
اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے موافق عمل اور اپنے لطف و کرم اور فضل سے ہم پر آسان کر دے۔

اکتالیسویں مجلس نزولِ بلا کے اسباب اور اسکے دفع کے

ذریعے یعنی توبہ اور استغفار اور دعا کے بیان میں

امت کی پندرہ عادتیں جن کے اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کرنے سے مصیبت نازل ہوگی جب پندرہ عادتیں اختیار کر لیگی تو ان پر بلا نازل ہوگی۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے اور وہ عادتیں شمار کر دیں اور فرمایا جب فی یعنی غنیمت کو دولت سمجھ لیں اور امانت کو لوٹ اور زکوٰۃ کو ٹانڈ اور جو رو کے مژدہ فرما خبردار ہو جائیں اور ماں کے نافرمانی کریں اور دوست سے احسان کر میں اور باپ سے بد سلوکی کریں اور مسجد میں باتوں کی آوازیں آنے لگیں اور قبیلہ کا فاسق ان کا سردار بنے اور قوم میں کا ذلیل تران کارئیں ہو اور شرکے اندیشے سے مرد کی عزت کیجائے اور گانے

والیاں اور تال طنبورہ وغیرہ ظاہر ہوں اور شراب پی جانے لگے اور حریر پہنا جائے اور کچھل امت پہلی امت پر لعنت کرنے لگے تو اب یہ لوگ بلا نازل ہونے کے مستحق ہیں۔ اس حدیث کے موافق

کسی قوم پر مصیبت صرف گناہوں جو بلا کسی قوم پر آتی ہے وہ بلا صرف ان کے گناہوں کے سبب کے سبب سے آتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور جو پہنچی تم کو کوئی

مصیبت سو وہ اسی سبب سے ہے کہ گمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے" اور دوسری آیت میں اللہ نے فرمایا ہے "اور ہم نہیں ہیں ہلاک کرنے والے بستی کے مگر اسی وقت کہ اس کے لوگ ہوں

نافرمان" لہذا ان کو لازم ہے کہ جو گناہ اختیار کر رکھے ہیں وہ سب ترک کر دیں اور توبہ اور استغفار مصیبت سے بچنے کا طریقہ ہے۔ میں مشغول ہوں تاکہ ان سے وہ بلا جو ان پر آنے والی ہے دور ہو

جائے۔ کیونکہ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم کر لے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے خلاصی اور ہر عزم سے کشائش پیدا کر دے گا اور اس

کو اس طرح رزق پہنچائے گا کہ اس کو گمان بھی نہ ہوگا بلکہ ان کو لازم ہے کہ صبح کے وقت جو کہ دعا کی قبولیت کا وقت ہے نماز کے لئے اٹھا کریں کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب کسی کام

دعا بلا گور وک دیتی ہے سے پریشانی ہوتی تو آپ فوراً نماز شروع کر دیتے اور پھر دعا میں مشغول ہو جاتے اور یہ اس لئے کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے

کہ دعا اس بلا کے لئے بھی مفید ہے جو نازل ہو چکی ہے اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی ہے۔ سوال نے اللہ کے بند و اپنے اوپر و عا لازم کر لو دیکھو نبی علیہ السلام نے اسی حدیث میں بیان کیا ہے کہ دعا اس بلا کو جو نازل ہو چکی دور کر دیتی ہے اور اس بلا کو جو نازل ہونے کو ہے روک دیتی ہے پس اسے اللہ کے بند و ہمیشہ دعا کرتے رہو اور اس کو نہ چھوڑو کیونکہ بلا جب دنیا میں نازل ہوتی ہے تو دعا آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے راستے میں بلا سے ملتی ہے اور پھر قیامت تک دونوں لڑتی رہیں گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دعا اور بلا زمین اور آسمان کے درمیان مل جاتی ہیں پھر قیامت تک دونوں لڑتی رہیں گی اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو سلمان فارسی نے روایت کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قضا کو سوا دعا کے کوئی رو نہیں کر سکتا سو قضا کا اگرچہ ٹلنا ممکن نہیں لیکن دعا سے بلا کا رد ہو جانا بھی منجملہ حکم الہی ہے پس جس بلا کا دعا سے دفع ہو جانا مقدر ہے وہ دعا اس دعا کے رو ہونے ہو جانے کا سبب ہو جاتی ہے جیسے ڈھال کہ تیر کے رک جانے کا ذریعہ ہے تو جس طرح ڈھال تیر کو دفع کرتی ہے اسی طرح دعا بلا کو دفع کر دیتی ہے۔ اور ایسے ہی خیرات کرنا بلا کو دفع کرتی ہے کیونکہ صدقہ خیرات بلا کو دفع کرتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تڑ کے صدقہ دیا کرو کہ بلا اس کے آگے قدم نہیں بڑھا سکتی اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہر دن میں نحوست ہے لہذا اس دن کی نحوست صدقہ سے دور کر دیا کرو کیونکہ بلا کے آنے کو اسباب کی تیاری کے بعد بھی روک دیتا ہے۔ اور ایسے ہی سبحان اللہ سبحان اللہ کہنا بلا کو دور کرتا ہے کہنا بلا واقع ہونے کو بند کر دیتا ہے اس لئے کہ کعبہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں سبحان اللہ عذاب کو روک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یونس علیہ السلام کے حق میں یہ فرماتا اس کی دلیل ہے: پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ تھے وہ تبسبح پڑھتے والوں میں سے تو اس کے پیٹ میں ٹھہرے رہتے حشر تک اور تبسبح حضرت یونس علیہ السلام کی یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے پھر پکار اس نے اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے تو بے عیب ہے بیشک میں تمہا گنہگاروں میں سے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ فرمایا ہے پس سن لی ہم نے اس کی پکار اور نجات دیدی ہم نے اس کو غم سے اور لیونہی ہم نجات دیتے ہیں ایمان والوں کو اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ایسا کوئی مصیبت نہ وہ نہیں کہ یہ آیت پڑھ کر دعا مانگے مگر اس کی دعا ضرور قبول ہوگی اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے تمکو ایک ایسی دعا نہ بتا دوں کہ اگر تم میں سے کسی پر کچھ سختی یا بلا نازل ہو اور وہ اس کے وسیلہ سے دعا مانگے تو اللہ اس سے وہ بلا دفع کر دے لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ فرمایا ذی النون کی دعا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو بے عیب ہے میں گنہگاروں میں سے ہوں۔ بعضے بزرگوں سے یہ بھی منقول

سے کہ تمام بلاؤں کی دور کرنے والی چیزوں میں سب سے بڑی چیز نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کی بلاؤں کو دور کرنے والی سب سے بڑی چیز کثرت ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کی کثرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود کی کثرت ہے کرنا خوفناک چیزوں سے بچنے اور بلند درجوں پر فتح مندی کا وسیلہ ہے اور اس مصنفوں میں ابی بن کعبؓ کی حدیث دلائل دلتی ہے کہ ایک شخص نے عہد کیا تھا کہ اپنا تمام تر وظیفہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کو مقرر کرے تو اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فرمایا اب تیرا کام بن جائے گا اور تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ حاصل یہ ہے کہ بلا صاحب سامنے تقویٰ دنیا اور آخرت کے آئے تو توبہ اور استغفار اور ان اعمال میں مشغول ہونا مشروع ہے جن سے عملوں سے نجات دے گا بلا کے دور ہو جانے کی امید ہے یعنی اعمال نیک اور پرہیزگاری اس کی دلیل یہ ارشاد الہی ہے "جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے لئے خلاصی کر دے گا اور ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ہر اس کام کے بارے میں جو کرنا چاہیے یا نہ کرنا چاہیے ڈرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور دنیا اور آخرت کے عملوں سے نجات دے گا اور مروی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بتحقیق مجھ کو ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ اگر لوگ اس کو اختیار کر لیں تو ان کو وہی کافی ہے اور وہ صیقۃ اللہ الخ ہے پھر ورنہ یہی اسی کو پڑھتے اور تکرار فرماتے رہے اور روایت ہے کہ لاسول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کثرت سے عوف بن مالک اشجعی کے بیٹے کو جن کو سالم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پڑھنے سے مصیبت دور ہو جاتی ہے مشرکوں نے گرفتار کر لیا وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرا بیٹا پکڑ لیا گیا اور آپ سے تاقہ کی بھی شکایت کی اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا خدا سے ڈرتا رہ اور لاسول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم کی کثرت کر پس انہوں نے یہی کیا۔ ایک دن وہ اپنے گھر میں تھے کہ اتنے میں ان کے بیٹے نے دروازہ نہ کھٹکھٹایا اور اس کے ساتھ سواونٹ تھے کہ دشمن اونٹوں سے غافل ہو گئے تھے لہذا ان کو یہ مالک لائے گناہ اور مصیبت ہی تکلیف اور مصیبت ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ تمام نیکیاں اور طاعت بلا کی کو لانے کا سبب بنتی ہے سب سے بڑی دافع ہیں اور گناہوں اور منہیات میں مصروف ہونا یہ بلا کے آنے کو نہیں روکتا بلکہ اسکے آنے کو اور قوت دیتا ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نہیں پہنچتی انسان کو کوئی تکلیف بڑی ہو یا چھوٹی مگر وہ گناہ ہی کے سبب سے آتی ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے اور وہ بہت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی "اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی کے سبب سے معاف کر دیتا ہے اللہ بہت" نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ انسان کو دنیا میں کوئی مشقت

نہیں پہنچتی مگر اس گناہ ہی کے سبب سے جو اس سے ہوا ہے اور وہ مصیبت جو دنیا میں اس کو آئی ہے اس کے گناہ کا کفارہ ہوتی ہے اور وہ گناہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا یا آخرت میں سزا دینے کے بغیر معاف کر دیتا ہے ان سے بہت زیادہ ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں مومن کے لئے مومن کے لئے پانچ قسم کی عقوبت اللہ کے یہاں پانچ قسم کی عقوبت ہے اول بیماری، دوم مصیبتیں لیکن اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں کہ مرض اور مصائب کفارہ بن سکیں تو پھر تیسری عقوبت قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اور اگر گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو چوتھی قسم یہ ہے کہ صراط پر روکا جائے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ ہوں تو پانچویں قسم یہ ہے کہ بقدر اپنے گناہوں کے دوزخ میں عذاب دیا جائے گا اور پھر توحید کی برکت سے اگر اس کی توحید صحیح ہوگی تو وہاں سے نکال لیا جائے گا اور اگر اس کی توحید ٹھیک نہیں ہے تو دوزخ سے نکلیگا بلکہ ہمیشہ اسی میں رہے گا کیونکہ آخرت میں آدمیوں کی کئی قسمیں ہونگی۔ پہلی قسم کامیاب لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے آخرت میں آدمیوں کی اقسام حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پس کوئی نہیں جانتا جو چھپا کر رکھے چھوڑا گیا ہے ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا جو کیا کرتے تھے اور نبی علیہ السلام نے اللہ کی طرف سے خبر دے کر فرمایا ہے کہ میں نے اپنے نیک عمل کرنے والے بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں گزری ہیں۔

اور دوسری قسم وہ لوگ ہیں جو تباہ ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا اور اس کو سچ نہ جانا کیونکہ سعادت آخری قرب الہی اور مشاہدہ ذات کریم کے سوا اور کسی چیز سے نہیں ہو سکتی اور یہ بات معرفت کے بغیر جسکو ایمان اور تصدیق کہتے ہیں حاصل نہیں ہوتی اور ان لوگوں نے چونکہ حق کو جھٹلایا اور اس پر ایمان نہیں لائے اس لئے اس سے دور ہو گئے اور وہ اپنے رب سے اس دن ہیں آڑ میں ہونگے اور جو شخص اپنے رب سے آڑ میں ہو گا وہ ہلاک ہو گا اور آتش فرقت اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ جلتا رہے گا

اور تیسری قسم معذب لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اصل ایمان سے تو آراستہ ہیں لیکن انہوں نے بمقتضائے ایمان عمل کرنے میں کوتاہی کی کیونکہ اصل ایمان توحید ہے اور توحید بندہ کا اس اعتماد سے شرک کو مٹانا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں یکتا ہے اور عالم میں اس کے علم اور ارادہ اور آفرینش کے بغیر کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی اور نہ اس کے سوا کوئی قابل عبادت ہے اور اس بنا پر جو شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں تو گویا یوں کہتا ہے کہ میں نے یقین کیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات اور افعال میں ایک ہے اور نہ عالم میں کوئی شے بدون اس کے علم اور ارادہ اور آفرینش کے پیدا ہوتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اور پرستش کے

قابل ہے اس لئے میں نے اس کی عبادت اپنے ذمے لازم کر لی ہے اور اس کے سوا کسی اور کی میں عبادت نہ کروں گا لیکن اس اقرار کے بعد جو شخص اپنی خواہش کا پیرو ہو تو اس نے گویا اپنی خواہش کو معبود بنا لیا اور ایسا شخص صرف زبانی موجد ہے اور توحید اپنے اس اقرار پر قائم رہے بغیر کامل نہیں اور جو شخص اس پر قائم نہ رہا گو ذرا سی بات میں انحراف ہو بلکہ اپنی خواہش کا تابع ہو جائے گو ذرا سے کام میں ہو تو وہ سیدھی راہ سے نکل گیا اور یہ انحراف کمال توحید میں عیب لگاتا ہے اور چونکہ کوئی لشکر اس سے خالی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور نہیں تم میں سے کوئی مگر ضرور آنے والا ہے اس پر" پس آگ پر ہر ایک کا گزر یقینی ہے شک صرف اس میں ہے کہ کون اس سے نجات پائے گا اور کس وقت اس میں سے نکلے گا۔

اور بعض حدیثوں میں ایسا مضمون آیا ہے جو دلالت کرتا ہے کہ سب سے آخر میں جو نکلے گا سات ہزار برس کے بعد نکلے گا اور بعضے اس پر سے کوئی بجلی کی طرح گزر جائیں گے انکو امیں ذرا دیر نہ ہوگی۔
ہم اللہ تعالیٰ سے توی امید کرتے ہیں وہ اپنے لطف اور فضل اور کرم سے ہمیں ان ہی میں سے کرے۔

بیابیسویں مجلس اس بیان میں کہ دعا بلا کو آنیکے وقت بھی دفع کر دیتی

ہے اور آنے کے بعد بھی

دعا بلا کو دور کرنے میں نافع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا آتی ہوئی بلا اور آنے والی بلا کے دور کرنے میں انتہائی نافع ہے۔ پس اسے بندگان خدا دعا کو اپنے اوپر لازم کر لو۔

یہ حدیث مصابیح کی حدیثوں میں سے ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ دعا آتی ہوئی بلا کو دفع کر دیتی ہے اور اس بلا کو بھی دور کر دیتی ہے جو آنے پر تیار ہو۔ پس اسے اللہ کے بند و ہمیشہ دعا کرتے رہ کر اور اس کو نہ چھوڑو کیونکہ بلا آتی ہوتی ہے کہ اسے میں اس سے دعا جا ملتی ہے جس سے دونوں قیامت تک لڑتی رہیں گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دعا اور بلا آسمان اور زمین کے درمیان ملتی ہیں اور قیامت تک لڑتی رہیں گی۔ اور سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قصا کوئی چیز دعا کے سوا رو نہیں کر سکتی کیونکہ قصا اگر ملنا ممکن نہیں لیکن دعا سے بلا کا رد ہو جاتا بھی منجملہ قصا ہے پس جس بلا کا دعا سے دفع ہو جانا مقدر ہے اس بلا کے دفعیہ کے لئے دعا ذریعہ ہو جائے گی۔ جیسے کہ ڈھال تیر کے رک جانے کا ذریعہ

ہے پس جس طرح کہ ڈھال تیز کر رکھ دیتی ہے اسی طرح دعا بلا کو دفع کر دیتی ہے اور ابن مسعودؓ
 اللہ سوال کرنے والے کو پسند کرتا ہے سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ
 اور نہ کرنے والے پر غصہ ہوتا ہے سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال کرنے کو
 پسند کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کریم ہے اور حاجات پوری کرنے پر قادر ہے اس کو یہ پسند ہے کہ حاجت روائی
 طلب کی جائے۔ پس اسے ایمان والو اس سے اپنی حاجت مانگا کرو۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے
 جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص اللہ سے سوال نہیں کرتا اللہ
 اس پر غصہ ہوتا ہے کیونکہ جو اللہ تعالیٰ سے حاجت نہیں مانگتا وہ ظالم ہے اللہ تعالیٰ سے بے پروا ہوتا ہے
 اور بندے کو یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی کوئی حاجت عرض نہ کرے بلکہ اس کو چاہیے کہ اپنی
 تمام حاجتیں اللہ تعالیٰ سے عرض کرے تاکہ یہ اپنی بندگی اور فقیری اور عاجزی اور تمام حاجتوں میں اللہ تعالیٰ
 کا محتاج ہونے کا اقرار ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب بندوں میں محبوب وہ ہے جو
 اس سے مانگتا رہے اور سب بندوں میں اللہ کا مبعوض وہ ہے جو اس سے بے پروا رہے اور عباد اللہ
 اور عباد الناس سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی وہ ہے جو ان سے بے پروا رہے اور کچھ نہ مانگے اور انکے
 نزدیک مبعوض وہ ہے جو ان سے سوال کرے۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام
 عبادات میں سب سے زیادہ باعزت نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ
 اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا ہے عزت کی کوئی چیز نہیں یعنی سب عبادات سے زیادہ
 باعزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا ہے بلکہ ایک اور حدیث میں آیا ہے پیغمبر علیہ السلام نے
 فرمایا ہے دعا ہی عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول
 کروں گا اور چونکہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں حکم دیا ہے کہ دعا ہی عبادت ہے۔ اس لئے
 اس پر آیت سے استدلال کیا کیونکہ آیت میں دعا کا حکم ہے اور تمہیل حکم عبادت ہے۔ دعا
 کرنے والے کو اگرچہ اس کی مراد نہ ملے اس کے عوض ثواب ضرور ملے گا لیکن نبی علیہ السلام کی ظاہر
 عبارت دلالت کرتی ہے کہ دعا کے سوا اور کوئی عبادت ہی نہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حدیث کے
 معنی یہ ہیں کہ دعا افضل عبادت ہے کیونکہ دعا میں عجز کا اظہار اور فقر کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی توجہ
 اور اس سے امید واری اور اس کے ماسوائے اعراض ہوتا ہے اور یہ سب باتیں عبادت ہیں
 اور اسی مضمون کے قریب قریب وہ ہے جو حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے
 فرمایا ہے دعا عبادت کا معنی ہے کیونکہ مغزٹے سے مراد خالص شے ہوتی ہے اور ابو ہریرہؓ
 سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی دعا سخی و مسیبت
 دعا کا وقت ہیں اللہ تعالیٰ قبول کرے تو فریخی اور آسائش میں دعا کیا کرے اور اس بنا پر بندے

کو چاہیے کہ لغت اور عیش کی حالت میں ہمیشہ اور بکثرت دعا کیا کرے تاکہ تنگی اور بلا کے وقت کامیابی حاصل ہو کیونکہ جو شخص عیش میں دعا کی مدد مست کرتا ہے وہ اللہ والوں میں داخل ہو جاتا ہے اور بڑے لوگوں کی عادت ہے کہ سختیوں میں اپنے متعلقین کی مدد کرتے ہیں۔ پھر جب دعا مانگے تو بندہ جب دعا مانگے تو قبولیت کا یقین ہو | تو چاہیے کہ قبولیت کا یقین ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یوں فرمایا ہے ”مجھے کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو“ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جب دعا کرو جس وقت کہ تم کو قبولیت کا یقین ہو کیونکہ اگر دعا مانگنے والے کو قبولیت کا یقین نہ ہو تو نہ اپنی امید کا مستحق ہوگا اور نہ اس کی امید سچی ہوگی اور نہ اس کی دعا خالص ہوگی کیونکہ امید ہی طلب کی باعث ہوتی ہے اور جب امید ہی ثابت نہیں ہو تو طلب بھی نہ ہوگی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ دعا مانگنے والے کو اپنی دعا کی قبولیت کا یقین ہو کیونکہ ممکن ہے باوجودیکہ قبولیت میں خلاف واقع ہوتا ہے اس لئے کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعضی دعا قبول ہوتی ہے اور بعضی دعا قبول نہیں ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ہرگز قبولیت سے محروم نہیں رہتا۔ مطلق اجابت اس کے لئے بیشک حاصل ہے جس طرح کہ سچا وعدہ آیا ہے لیکن اس کا حال مشیت الہی میں ہے کہ اس کو جیسا چاہے اور جس وقت چاہے کر دے۔ کیونکہ جو چیز مانگنے والے نے مانگی ہے اگر ابھی حاصل ہونا تقدیر میں ہے تو ابھی حاصل ہو جائے گی اور اگر اس کا اور وقت میں حاصل ہونا تقدیر میں ہے تو اور وقت ہوگا اور اگر اس کی تقدیر ہی میں نہیں تو کم از کم اس پر سے کوئی بلا ہی اس کے بدلے میں سوال کے برابر دفع ہو جاتی ہے یا اس کو آخرت میں اس سوال کے بدلے ثواب ملیگا کیونکہ دعا عبادت ہے اور عبادت کرنا ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

اور یزید رتاشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی دعائیں جو دنیا میں مانگی تھیں اور قبول نہیں ہوئی تھیں دکھائے گا اور فرمائے گا اے میرے بندے تو نے فلا نے فلا نے دن مجھ سے یہ دعا مانگی تھی تو میں نے تیری وہ دعا روک رکھی تھی اب تو اپنی دعا کے عوض یہ لے لے جو میں نے تیرے لئے ثواب جمع کر رکھا ہے پس اس کو ثواب برابر لے جائے گا یہاں تک کہ بندہ یہ آرزو کرنے لگے گا کاش اللہ تعالیٰ میری کبھی کوئی حاجت پوری نہ کرتا اور جب یہ حال ہے تو دعا مانگنے والے کو لازم ہے کہ اس دعا کی قبولیت قبولیت دعا کے تین درجے | یا اس کے بدلے کا دنیا یا آخرت میں یقین کرے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مسلمان نہیں جو ایسی دعائیں مانگے جس میں نہ کچھ گناہ ہو اور نہ قطع رحم مگر اللہ تعالیٰ اس کو تین باتوں میں سے ایک نہ ضرور دیتا

سے یا تو اس کی مراد فوراً پوری کرتا ہے یا آخرت میں ان کا بدلہ دے گا اور یا اس سے کوئی مصیبت دعا کے برابر دفع کر دے گا اور دوسری عبارت میں یوں ہے یا دعا کے برابر اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کوئی مسلمان ایسا نہیں جو کوئی دعا مانگے مگر اللہ تعالیٰ اس کو یا تو وہی عطا فرماتا ہے جو مانگا ہے یا کوئی مصیبت اس کے برابر اس سے دور کر دیتا ہے بشرطیکہ گناہ یا قطع رحم کی دعا نہ کرے۔ گناہ کی دعا تو اس طرح ہے کہ کہے الہی مجھ کو شراب کا پینا نصیب کر یا انسان کا قتل یا لڑکے سے بد فعلی یا اس کے سوا جس کا کرنا اس پر حرام ہے اور قطع رحم کی دو قسم کی دعا قبول نہیں ہوتی دعا اس طرح ہے کہ کہے الہی مجھ سے میرے باپ کو دور کر دے یا ماں کو یا بھائی کو جدا رکھ یا اور اس کے علاوہ تو بیشک ان دونوں قسم کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ پھر آدمی جب دعا کا دعا کرنے کا طریقہ ارادہ کرے تو چاہیے کہ پہلے اپنے گناہوں اور قصوروں سے توبہ کرے اور پھر حق تلفیاں اور لوگوں کے حقوق ادا کر دے اور پھر وضو کر کے قبلہ رو دوڑا لو بیٹھ کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور نہایت انکساری اور عاجزی سے دعا مانگے اور جو دعا کرے تین بار سوال کرے کیونکہ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ بنی علیہ السلام جب دعا کرتے تھے تین بار دعا کرتے تھے اور جب سوال کرتے تھے تین بار سوال کرتے تھے اور دعاؤں میں سے جامع دعا کو پسند کرتے تھے اور جامع دعا سے مراد وہ ہے جس کے لفظ تھوڑے ہوں اور معنی بہت ہوں جس میں دنیا و آخرت کی سب خوبیاں آجائیں جیسا قول الہی میں ہے "اے رب ہمارے دے تو ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے" اور دعا میں زیادتی سے بچے اور زیادتی یہ ہے کہ حد شرعی سے بڑھ جائے۔ لہذا اولیٰ یہ ہے کہ جو دعائیں حدیثوں میں ہیں ان سے تجاوز نہ کرے تاکہ دعا کے اندر زیادتی نہ ہونے پائے اور ایسا سوال نہ کرنے لگے جو مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شخص اچھی دعا نہیں کر سکتا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگلے علماء دعا میں سات کلموں سے زیادہ نہیں بڑھاتے تھے۔ اور اسکی شہادت آخر سورہ بقرہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی جگہ بندوں کی دعاؤں میں اس سے زیادہ نہیں بڑھایا جہاں یہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ کہا اے ہمارے پروردگار نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے ہمارے پروردگار اور نہ رکھ ہم پر بوجھ جیسا کہ تو نے ہم سے اگلے لوگوں پر رکھا تھا اے ہمارے پروردگار ہم پر اتنا بوجھ نہ رکھ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور ہم سے درگزر کر اور ہم کو بخشندے اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مالک ہے پس کفار پر ہماری مدد کر۔

اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی کے موافق غسل کرنا ہم پر اپنی مہربانی سے اور اپنے لطف اور فضل اور کرم سے آسان کرے۔

پینتالیسویں مجلس خوفناک علامت ظاہر ہونے کے وقت نماز

مسئلوں ہونے کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم کوئی علامت دیکھو تو سجدہ کرو۔ یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کے راوی ہیں اور علامت سے مراد وہ علامت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اور سجدہ سے مراد نماز ہے گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! جب تم کوئی ایسی علامت دیکھو جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تو نماز کو کھڑے ہو جاؤ پس اس بنا پر جب کوئی علامت خوفناک علامتوں میں سے ظاہر ہو جیسے سورج گہن اور چاند گہن اور بہونچال اور بجلی کی کڑک اور بارش کی جھڑی اور سخت آندھیاں اور دن میں خوفناک اور ہولناک اندھیرا ہو جانا اور رات کو ہولناک روشنی اور بیماریوں کا پھیل جانا اور دشمن کا قومی خوف اور اسی طرح اور ہول اور خوف تو لوگوں کو چاہیے کہ نماز کو کھڑے ہوں اور نماز پڑھیں چاہیں دو رکعت اور چاہیں چار رکعت کیونکہ یہ تمام خوفناک باتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور نہیں بھیجتے ہیں ہم نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے" اور روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جب تم ان ہولناک چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو نماز پڑھو۔ اور نبی علیہ السلام کو خود بھی جب بھی کسی بات سے پریشانی ہوتی تھی تو نماز شروع کر دیتے تھے اور عذاب کی نشانیوں میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے کے وقت نماز پڑھنے اور دعا مانگنے اور توبہ کرنے کا حکم بھی دیتے اور خود بھی اس میں مشغول رہتے یہاں تک کہ لوگوں پر سے وہ بات ٹل جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی علامات عذاب میں سے کوئی علامت بھیجتا ہے اور اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ اس کی طرت رجوع کریں اور اسکی درگاہ میں انکساری کریں۔

اس تمام بیان سے معلوم ہوا کہ علامات عذاب میں سے جب کوئی علامت ظاہر ہو تو توبہ واستغفار اور ان نیک اعمال اور تقویٰ میں مشغول ہونا مشروع ہے جن سے خوفناک عذاب کے دور ہو جانے کی امید ہو کیونکہ یہ سب و فیعیہ ہلا کے لئے زبردست ذریعہ ہے۔ معاصی اور لہو و لعب میں مشغول معاصی اور لہو و لعب ہونا ہلا کو نہیں ٹال سکتا بلکہ ہلا کی آمد کو اور قوت دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کا سبب بنتے ہیں | کا یہ قول دلالت کرتا ہے اور جو پہنچتی ہے تم کو کوئی مصیبت پس وہ اس سبب سے ہے جس کو تمہارے ہاتھوں نے حاصل کیا ہے۔

اور روایت ہے کہ کسی بزرگ سے اس عام ہلا کی کسی نے شکایت کی جس میں تمام خلقت

بتلا ہوتی تو اس بزرگ نے فرمایا اس ہلاکی وجہ میرے نزدیک تمہارے گناہوں کی نحوست کے سوا اور کچھ نہیں ہے پس گناہگار آدمی منحوس ہوتا ہے۔ اپنی جان پر بھی اور غیروں پر بھی کیونکہ اس سے اطمینان نہیں کہ اس پر عذاب نازل ہو کر سب خلقت میں پھیل جائے۔ خصوصاً ان لوگوں پر جو اس کے عمل پر انکار نہیں کرتے کیونکہ بڑی بات سے منع کرنا واجب ہے اور جب اس کو لوگ چھوڑ دیں گے تو سب عذاب کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی شخص ایسا نہیں کہ کسی قوم میں رہ کر معاصی کیا کرتا ہو اور وہ لوگ اس کے گناہ سے نہ روکنا بھی عذاب کا سبب بنتا ہے۔ منع کرنے پر قادر ہوتے ہوئے منع نہ کریں مگر ان سب پر مرنے سے پہلے ہی اللہ کی طرف سے عذاب آئے گا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ بعض لوگوں کے گناہوں سے ساری خلقت کو عذاب نہیں دیتا یہاں تک کہ وہ لوگ اس نفل کو اپنے سامنے دیکھیں اور باوجودیکہ اس کے روک دینے کی قدرت رکھتے ہوں اور نہ روکیں اور جب وہ ایسا کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ عوام اور خواص سب کو عذاب دیگا کیونکہ نفل بد جب لوگوں میں ظاہر ہو تو ہر اس شخص پر جو دیکھے منع کرنا واجب ہے اور اگر منع نہ کریں گے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ بعضے تو خود عمل بد کرنے کی وجہ سے اور بعضے اس کے پسند کرنے کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم اور حکمت سے پسند کرنے والے کو گنہگار کے برابر ٹھہرایا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہ پیچھے گاتمہین سے ظالموں پر"

ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم کیا ہے کہ برا کام اپنے درمیان نہ رہنے دیں جس سے سب کو عذاب عام ہو جائے۔

پس اے دانشمند دیکھ تو سہی کہ حضرت صالحؑ پر نبی علیہ السلام کی قوم کی اونٹنی کی کوچیں کاٹنے والا ایک ہی تو تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے جہاں فرمایا ہے "پھر بیکارا اپنے رفیق کو پس اس نے ہاتھ لپکایا اور کاٹا۔ پھر اس کے ساتھ آٹھ آدمی اور ہو گئے تو وہ کل نو ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا جہاں فرمایا ہے "اور اس شہر میں تو شخص تھے کہ فساد کرتے تھے زمین میں اور مہلانی نہ کرتے تھے" پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ پر نبی علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کیا اور سب کو ہلاک کر دیا اور بچوں اور جانوروں پر وہ عذاب آیا جو بڑوں پر اونٹنی کے قاتل کو قتل سے منع نہ کرنے کے وقت آیا تھا۔

اور ایسے ہی اور تمام امتیں جو ہلاک ہوئیں انکے بچوں اور بڑوں اور عورتوں اور جانوروں کو بھی عذاب نے گھیر لیا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو حکم دیتا تھا کہ مسلمانوں کو ساتھ

دنیا میں عذاب کا ضابطہ | لے کر عذاب آنے سے پیشتر ہی اپنی قوم میں سے نکل جائیں باوجودیکہ اس کو قدرت ہے کہ ان کو بچا لے اگرچہ وہ اپنے مکالوں ہی میں بیٹھے رہیں لیکن عادت الہی میں تبدیلی نہیں ہوتی اور قاعدہ عذاب یوں ہی جاری تھا کہ جب کسی قوم پر نازل ہوتا تو مستحق وغیرہ سب پر عام ہو جاتا۔ ہاں قیامت کے روز جیسی جس کی نیت تھی ویسا ہی حشر ہوگا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور قیامت میں ہر شخص کا حشر | مسلم میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے نبی علیہ السلام اس کی نیت کے مطابق ہوگا | نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو جتنے وہاں ہوں سب کو پہنچتا ہے لیکن قیامت کے دن اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ اور مالک بن دینارؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ "اور اس شہر میں نوح شخص تھے کہ جو ملک میں خرابی پھیلاتے تھے اور اصلاح نہ کرتے تھے" اور فرمایا آج ہر محلہ اور ہر جماعت میں کتنے ہیں جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پس ڈرتے رہیں وہ لوگ جو کہ مخالفت کرتے ہیں اس کے حکم کی اس بات سے کہ پہنچے انکو کوئی فتنہ یا ملے ان کو سخت عذاب۔

اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جب میری امت میں گناہ ظاہر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے سب پر عام عذاب کرے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان میں نیک لوگ نہ ہوں گے آپ نے فرمایا کیوں نہیں ہیں نے عرض کیا تو پھر ان کا کیا حال ہوگا فرمایا ان پر بھی وہی آئے گا جو سب پر آیا ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحمانندی پر صبر کریں گے۔

اب اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ حتی الامکان بیزار رہے لیکن برائی بند نہ کر سکے جب بھی دنیا میں عذاب اسکو بھی ہو جائے گا۔ ہاں آخرت میں نہ ہوگا۔

اور اس پر وہ مضمون بھی دلالت کرتا ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ تعالیٰ اپنا قہر جب زمین والوں پر اتارے گا تو ان میں نیک لوگ بھی ہوں گے تو کیا وہ بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دیئے جائیں گے تو فرمایا اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ جب اپنا قہر عذاب والوں پر نازل کرتا ہے اور ان میں نیک لوگ بھی ہوتے ہیں تو وہ بھی ان کے ساتھ مصیبت میں آجاتے ہیں لیکن قیامت کے روز ان کا حشر ان کی نیتوں کے مطابق ہوگا اور آدمی کو صالح نہیں کہا جاتا مگر جب ہی اپنے مقدر بھرا انکار کرتا رہے لیکن جو شخص سستی کرتا ہے اور قدرت کے ہوتے ہوئے انکار نہیں کرتا ہے وہ ناسقوں میں شمار ہوتا ہے نہ نیکوں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد و الہی میں سستی کرنے والے اور صالح اور حد و الہی میں سستی کرنے والے کی مثال | علیہ وسلم نے حد و الہی میں سستی کرنے والے اور

خود اس میں پڑنے والے کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور وہ یہ کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ حدود الہی میں سستی کرنے والے اور خود اس میں پڑنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسی قوم نے کسی کشتی پر قمرہ ڈالا جس سے کسی کو نیچے کا درجہ ملا اور کوئی اوپر کے درجے میں آیا اور نیچے کے درجے والا اگر پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس ہو کر گزرا کرتا تھا تو ان کو اس سے ایذا ہوتی۔ لہذا ایک کلباڑا کے کردہ کشتی میں چھید کرنے لگا۔ تب وہ اس کے پاس آئے اور کہا یہ تو کیا کرتا ہے تو اس نے کہا کہ تم کو مجھ سے ایذا ہوتی ہے اور پانی مجھے ضرور ہی چاہیے اب اگر انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس کو بھی بچا لیا اور اپنی جان بھی بچالی اور اگر اس کو چھوڑ دیا تو اس کو بھی ہلاک کیا اور اپنی جان بھی ہلاک کی۔

پس نبی علیہ السلام نے اس مثال میں کئی فائدے بیان کئے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ دین جہاز کی طرح ہے اور جس طرح کہ جہاز دنیا میں ڈوبنے سے نجات کا سبب ہے ایسے ہی دین آخرت میں نجات کا سبب ہے اور ایک یہ ہے کہ کشتی والوں کا کشتی میں چھید کرنے والے سے خاموش رہنا جس طرح دنیا میں ان کی ہلاکت کا سبب ہے ایسے ہی فاسق سے مسلمانوں کا خاموش رہنا اور اس کو منع نہ کرنا دنیا اور آخرت میں ان کی ہلاکت کا سبب ہے اور ایک یہ ہے کہ سوراخ کرنے والے کا یہ کہنا کہ میں خاص اپنے حصے میں چھید کرتا ہوں جیسے اروں کو جو کشتی میں ہیں ہلاکت سے نہیں بچاتا ایسے ہی اور مومنین کو گناہ گار کا یہ قول گناہ اور عقوبت سے بچاتا کہ میں تو صرف اپنے دین میں خرابی کرتا ہوں نہ کہ تمہارے دین میں تم اپنی خبر رکھو تم کو مجھ سے کیا مطلب میرا کیا میرے لئے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لئے، ہر ایک بڑی اپنے پیرے بندتی ہے اور اور ایسی ایسی اور باتیں جو عوام کی زبان پر آیا کرتی ہیں جن کو یہ خبر نہیں کہ ان کے فعل کی نحوست اور انجام بد کی خرابی سب کو شامل ہو جاتی ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ اہل سفینہ کا کھڑے ہو کر اس کا منع کرنا جو کشتی توڑتا ہے جس طرح کہ تمام اہل سفینہ کا ڈوبنے سے نجات کا سبب ہے ایسے ہی دنیا داروں کا مستعد ہو کر کھڑا ہونا اور برائی سے روکنا گناہ اور عقوبت سے تمام مسلمانوں کی نجات کا سبب ہوتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ کشتی کے توڑنے پر جس طرح پیشقدمی دہی کرے گا تو احمق ہو کہ درحقیقت خبر چیز بڑی ہے اس کو اچھا سمجھے اور اپنے ڈوبنے کی خبر نہ ہو ایسے ہی معصیت پر وہی پیشقدمی کرے گا جو اس کو اچھا سمجھے اور اس میں جو بڑا گناہ اور درناک نذاب ہے اس کو نہ جانے کیونکہ اگر لیتینا یہ جانتا کہ اپنی معصیت سے اپنے دین کو نقصان کرے گا جس قدر کہ کشتی توڑنے والا کرتا ہے تو معصیت پر کبھی قوم نہ اٹھاتا۔

اور ایک یہ ہے کہ اہل سفینہ میں سے اگر کوئی کشتی توڑنے والے کو منع کرتے اور اس منع کر نیوالے پر کوئی ان میں سے اعتراض کرے کہ تجھ سے کیا مطلب تو اس میں شک نہیں کہ جس طرح یہ اعتراض کرنے والا احمق اور بے وقوف اور اس حرکت کے انجام سے ناواقف سمجھا جائے گا کہ کشتی کے توڑنے سے منع کرنے والا اس معترض اور اس کے سوا سب کی ہلاکت سے نجات میں کوشاں ہے اسی طرح جو شخص اس پر اعتراض کرے جو بُرائی سے منع کرتا ہے تو اس پر اعتراض اپنی بڑی حماقت اور کم عقلی اور معصیت کے انجام اور نحوست کی نادانی ہی کی وجہ سے ہے کیونکہ جو شخص بڑے کاموں سے روکتا ہے تو وہ اس فرض کو ساقط کرتا ہے جو معترض وغیرہ سب پر ہے اور ان کو گناہ سے بچانے اور عقاب سے چھڑانے میں کوشش کرتا ہے۔

اور ایک یہ ہے کہ کشتی والے اگر اس سے خاموش رہیں جو اس کو توڑنا چاہتا ہے اور اس کو منع نہ کریں تو جس طرح کہ یہ سب اس کے ساتھ ہلاکت میں برابر ہوں گے اور توڑنے والے اور نہ توڑنے والے کچھ فرق نہ ہوگا اور نہ نیک اور بد میں، اسی طرح اہل اسلام جب گناہوں کے روکنے سے سکوت کریں گے۔ تو سب پر عذاب آئیگا اور اس گناہ کے کرنے اور نہ کرنے والے میں کوئی فرق نہ ہوگا اور نہ ان کے نیک اور بد میں، اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کلہم لاکلہ الا اللہ کلمہ توحید کی توہین کا انجام اس شخص کو فائدہ دے گا جو اس کو پڑھے گا اور اس پر سے عذاب اور نمر کو ہٹاتا رہے گا جب تک کہ اس کی توہین نہ کریگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کی توہین کیسے ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب اعمال بد ظاہر ہوں نے لگیں اور کوئی ان کو منع نہ کرے اور نہ کوئی ان کو بند کرے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بتلادیا کہ انکار اور تغیر کے ترک کرنے میں کلمہ توحید کی توہین ہوتی ہے اور ایسی حالت میں کلمہ پڑھنے والوں سے عذاب دفع نہیں ہوگا۔ لیکن یہ بھی صغیرہ اور کبیرہ ہر گناہ سے روکنا واجب ہے

اس کا بُرا ہونا بھی شرط ہے خواہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ اس کے واسطے کہ انکار کا واجب ہونا کبیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صغائر کو بھی شامل ہے اور بُرا ہونے میں یہ شرط نہیں کہ معصیت ہو کیونکہ جو شخص چھوٹے بڑے یا پاگل کو شراب پیتا دیکھے تو اس کو چاہیے کہ شراب گرا دے اور اس کو پینے سے منع کرے اور ایسے ہی اگر کسی کو ان دونوں میں سے کوئی اور بُرا کام کرتا دیکھے تو اسپر واجب ہے کہ ان کو منع کرے اور یہ ممانعت اس لئے نہیں کہ ان کا فعل معصیت ہے کیونکہ ان دونوں کے فعل کو تو معصیت ہی نہیں کہتے بلکہ اس لئے کہ یہ فعل ہی بُرا ہے خواہ کوئی کرے اور یہ بھی جاننے کی بات جبری بات سے روکنا صرف حاکم کا کام ہے کہ بڑی بات سے روکنا حاکم کے ساتھ مخصوص نہیں اور نہیں بلکہ ہر شخص کی ذمہ داری ہے نہ ان کی اجازت پر موقوف ہے بلکہ ہر ایک پر اسکی قدرت

کے موافق واجب ہے اور اگرچہ بادشاہ کی طرف سے اجازت نہ ہو مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام چنانچہ اسی پر اجماع ہے جیسا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو کوئی تم میں سے بڑا کام دیکھے تو چاہیے کہ ہاتھ سے روک دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر یہ طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اور یہ ادنیٰ ایمان ہے پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ روک دے بالاتفاق ایجاب کا حکم ہے اور آپ کا یہ قول کہ جو کوئی تم میں سے دیکھے عام ہے یہ تمام امت کو واجب شامل ہے۔ لیکن اللہ کا یہ قول کہ "اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت جو نیک کام کی طرف فرض کفایہ کا فرض عین سے زیادہ اہتمام" لوگوں کو بلاتی رہے اور عمدہ باتیں سکھاتی اور بڑی باتوں سے منع کرتی رہے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے اور فرض کفایہ فرض عین سے زیادہ قابل اہتمام ہے اور فرض عین میں مشغولی سے فرض کفایہ میں مشغولی افضل ہے کیونکہ جو شخص فرض عین چھوڑے گا تو خاص وہی گنہگار ہوگا اور جو شخص اس کو ادا کرے گا تو وہ اپنے ذمے ہی کا فرض ساقط کرنے کے ساتھ مخصوص ہوگا اور اگر فرض کفایہ کو ترک کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر ادا کریگا تو سب سے گناہ ساقط ہو جائے گا پس فرض کفایہ کا کرنے والا تمام امت کو گناہ سے بچانے میں سعی کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص ضروری دینی کام کے قائم کرنے میں تمام مسلمانوں کا قائم مقام اللہ اور رسول کا خلیفہ ہو وہ افضل ہے اسی واسطے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص نیک کام اور بد کام سے روکے وہ اللہ کی زمین میں اللہ تعالیٰ اور اس کی کتاب اور رسول کا خلیفہ ہے اور یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام نیک کام سکھانے اور بڑے کاموں سے روکنے کے لئے ہی بھیجے گئے ہیں اور یہی ان کا وہ مقررہ کام ہے جس کو وہ لے کر آئے ہیں لہذا جو شخص اس باب میں ان کی پیروی کریگا اور نیک کام بتلائے گا اور بڑے کام سے منع کرے گا تو وہ اس بڑے کام میں ان کا نائب ہوگا اور اس کا درجہ اس بڑے کام میں ان کے درجہ سے قریب جائے گا خواہ وہ خود حاکم ہو یا اس کی طرف سے مازون ہو یا غیر مازون ہو۔ ہاں جو شخص خود حاکم ہو گا یا حاکم کی طرف سے مازون ہوگا تو اس کے ذمے یہ بات متعین ہے اور اس کو حدود اور تعزیر کے قائم کرنے میں وہ اختیارات ہوں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری لگے جو اور کسی مسلمان کو نہیں اور اگر وہ سستی کرتے تو ہر ایک مسلمان کو لازم ہے کہ نیک کام کا حکم اور بڑے کام سے ممانعت اپنی قدرت کے موافق کرے پھر اگر حاکم اس پر خوش ہو تو خیر اور اگر راضی نہ ہو تو بلکہ ناخوش ہو تو اس کی ناخوشی بھی ایک بڑا نفع ہے اس پر بھی انکار چاہیے کیونکہ علمائے انعموات سے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں آئی ہیں امر اور سلاطین کا بھی ان نعموات میں داخل ہونا سمجھا ہے پھر جب ان پر انکار کے لئے ان کی اجازت کی کیا حاجت ہے۔

اور امرار اور سلاطین کا منع کرنا منقذین کی عادت میں داخل تھا جیسا کہ روایت ہے کہ مامون بن ہارون رشید کو خبر پہنچی کہ ایک شخص لوگوں میں گشت کیا کرتا ہے اور بھلی بات کا حکم اور برائی سے ممانعت کیا کرتا ہے حالانکہ مامون کی طرف سے مامور نہیں ہے پس مامون نے اس کے حاضر کرنے کا حکم پایا جب وہ سامنے آکر کھڑا ہوا تو مامون نے کہا مجھ کو خبر ملی ہے کہ تو اپنے آپ کو بالعرفت اور نہی عن المنکر کے لائق سمجھتا ہے۔

اور مامون کرسی پر بیٹھا ہوا ایک کتاب دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں دھوکے سے وہ کتاب اس کے گریز کی اور پیر کے نیچے آگئی کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی تو اس شخص نے اس سے کہا اللہ کے ناموں پر سے اپنا پیر اٹھا پھر جو چاہے وہ کہہ مامون اس کا مطلب نہ سمجھا اور پوچھا کیا کہتا ہے آخر اس شخص نے لیکن بارہنہی کہا اور وہ نہ سمجھا پھر اس شخص نے کہا کہ کیا تو خود اٹھاتا ہے یا مجھ کو اجازت دیتا ہے کہ میں اٹھا دوں مامون نے کہا کہ میں نے اجازت دی جب وہ شخص بھکا تو مامون کی نظر ٹپری تو اس کتاب کو پیر کے نیچے دیکھ کر اٹھا کر چوم لیا

اور پھر یہی کہنے لگا کہ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں کرتا ہے یہ کام تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے حوالے کیا ہے اور ہم ان لوگوں میں ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں قدرت دیں تو مناز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور حکم کریں پھلے کام اور منع کریں بڑے کام سے۔

تب اس شخص نے کہا اے امیر المؤمنین تو نے واقعی سچ کہا تم ویسے ہی ہو جیسا کہ تم نے اپنا وصف سلطنت اور قدرت کا بیان کیا لیکن ہم بھی تمہارے اس باب میں مددگار اور ساتھی ہیں اس کا انکار وہی کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی حدیث کو نہیں جانتا ہوگا قرآن میں تو یہ آیت ہے "اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں بتلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں بُری بات سے" اور حدیث میں پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے مسلمان بمنزلہ عمارت کے ہیں کہ ایک دوسرے کو قوت اور مدد دیتا ہے یہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کی حدیث ہے۔

پس اگر تو ان دونوں کا مطیع ہے تو اس شخص کا جو ان میں سے کسی بات میں تیری مدد کرے گا شکر گزار ہوگا اور تو اگر دونوں کا مطیع نہیں ہے تو ان دونوں کا وبال تیرے سر ہے اور اس ذات پاک نے تو جسکی طرف تیرا مال ہے اور تیری عزت جس کے ہاتھ میں ہے شرط کی ہے کہ نیکو کار کا اجر ضائع نہیں کرتا اب جو تیرا جی چاہے کہو۔

پس مامون کے کلام سے تعجب آیا اور اس سے خوش ہو کر کہا تجھ جیسا شخص امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر کے لائق ہے جا اسی کام میں لگا رہ جس پر تو قائم تھا سو وہ شخص اسی حال پر قائم رہا اور اسلاف کا طریقہ | اسے بہت لوگ سلف میں گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ گنہگاروں پر رحمت کا یہ مقررہ نہیں کہ ان کو منع نہ کرے اور ان کے حال سے معترض نہ ہو بلکہ ان کے حال پر بڑی رحمت یہی ہے کہ ان کو منع کرتا رہے اور ان کو روک کر شاہ راہ استوار اور طریق راست پر لائے کیونکہ مومن اگر دشمن ملک میں کسی مسلمان کے قید ہونے کو سنکر اس پر رحم کر کے اپنا مال و جان اس کے چھڑانے میں خرچ کرتا ہے تو پھر بھلا اس کو اپنے بھائی مسلمان کے چھڑانے اور بچانے میں کیونکر کوشش نہ کرنا چاہئے جبکہ اس کو اپنے نفس اور شیطان کا قیدی دیکھے حالانکہ یہ دونوں سب سے بڑے دشمن ہیں پس اگر اس سے اعراض کرے گا اور نفس اور شیطان کا قیدی رہنے دے گا تو یہ اس کی جہالت ہے کیونکہ تھوٹے سے دشمن سے قیدی کے چھڑانے میں جب مومن کو یہ ثواب ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں دیا ہے اور جس نے ایک جان زندہ کی اس نے گویا سب لوگوں کو زندہ کیا پھر بھلا اس کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو تو معاصی کے قیدی کو بڑے دشمن کے ہاتھ سے خلاصی دے۔ اور علماء نے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جہاد کے قائم مقام مقرر کیا ہے کیونکہ مسلمانوں کو معاصی سے روکنا جو دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہیں کفار کے قتال سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر | افضل ہے پس جیسے جہاد میں جائز نہیں کہ ایک شخص دو کے مقابلے جہاد کے قائم مقام سے | سے بھاگ جائے ایسے ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جو شخص دو شخصوں کو کسی بڑائی پر دیکھے تو اس کو جائز نہیں کہ ان کو بڑائی پر چھوڑ دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ حکم کرے اور منع کرے اور اگر زیادہ ہوں اور اس کو اپنی جان کا خوف ہو تو چھوڑ دینے کی اس کو گنجائش ہے لیکن منع کرنا اولیٰ اور افضل ہے۔

اس لئے کہ علماء کہتے ہیں جس کو معاصی پر انکار کرنے کی طاقت ہو تو باوجودیکہ جان کا خوف ہی کیوں نہ ہو ممانعت ہی مستحب اور نہایت مرغوب ہے کیونکہ اعزاز دین کے لئے جان کو خطرہ میں ڈالنے کا کفار اور باغیوں کے قتل کی طرح حکم ہے۔

اور روایت ہے کہ کسی شخص نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا جہاد افضل ہے تو آپ نے فرمایا حق بات ظالم حاکم کے سامنے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حق بات کو ظالم حاکم کے سامنے جہاد سے افضل ٹھہرایا ہے۔

اور یہ اس لئے کہ حق بیان کرنے والا بلندی کلمہ حق اور ادا دین کے لئے خود اپنی جان پر کھینتا ہے اور اپنا ہاتھ ظالم حاکم سے روکے رکھتا ہے۔ برخلاف اس شخص کے جو لڑائی میں دشمن کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ وہ دشمن بھی ہاتھ پلاتا ہے اور امید بھی کرتا ہے کہ دشمن پر غالب ہو جائے گا۔ اور اس کا مار ڈالے گا

پس کسی کا سلامتی کی امید کے وقت اپنی جان پر کھیل جانا اس کے برابر نہیں ہو سکتا ہے جو سلامتی سے مایوسی کے وقت جان پر کھیل جائے۔ لیکن اس بابت میں آہستگی اور سہولت مناسب ہے کہ پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پہل سہولت اور نرمی سے ممانعت کرے کہ پہلے وعظ اور نصیحت سے میں نرم روی اور سختی ابتدا کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرائے اور عاصی کو نظر رحمت سے دیکھے

اور معصیت میں اس کا مبتلا ہونا اپنی ہی مصیبت سمجھے کیونکہ سب مسلمان ایک ہی جان کی طرح ہیں پس جس کو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہے ہو وہ دوزخ کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے لہذا تم اس سے بچتے رہو کہ اس کو دھکا دے کر دوزخ کی تہ میں پھینک دو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ تم کو پکڑے اور تم بھی اس کے ساتھ گر پڑو اور یہ اس طرح کہ تم اگر پہلے ہی سے اس کو سختی اور شرارت سے کہو گے تو ممکن ہے کہ وہ تم پر ہاتھ اور زبان سے ایذا رسانی کی زیادتی کرے اور ایسی حالت میں اس کے زیادہ شرارت کرنے کا سبب تم ہی ہو اور تم اپنی جان ہلاک کرنے کے بعد اس کو ہلاک کر دو گے۔

ہاں اگر وعظ اور نصیحت سے بعض نہ آئے اور اس کی طرف سے معصیت پر اصرار ہی معلوم ہو تو ایسی حالت میں سختی سے ابور برا مہلکا کہنا ضروری ہے مگر ہاں فحش نہ ہو جیسے اے فاسق اے جاہل اے بیوقوف اے اپنی جان کے دشمن اے وہ شخص جو خدا سے نہیں ڈرتا اور ایسے ہی اور لفظ اور اس میں سچ کی رعایت کرتا ہے کیونکہ یہ الفاظ حقیقت میں سچے ہیں کیونکہ جو شخص گناہ کرتا ہے فاسق جاہل احمق ہوتا ہے کیونکہ احمق وہ ہے جو اپنے آپ کو اپنی خواہش کے تابع بھی کر دے اور خدا سے آرزوئیں بھی کرتا رہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور عقہہ کرنے اور ایسے کلام ناجائز سے جو صاف جھوٹ اور فحش قبیح ہو بچتا رہے۔

اور جو شخص بُرائی کے دور کرنے پر بغیر اس کے کہنے والے کو مارے قادر نہ ہو تو چاہیے کہ ممکنے لانت وغیرہ مارے اور جب وہ ناجائز فعل جاتا رہے تو پھر بازر ہنا واجب ہے اور اس سے بچتا رہے جو اکثر لوگ کیا کرتے ہیں ناجائز فعل دور ہو جانے کے بعد بھی مار پیٹ میں لگے رہتے ہیں کیونکہ یہ حق حاکم کے سوا کسی کو نہیں اور جو شخص امر منکر کو دور نہیں کر سکتا نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے تو فعل ناجائز کو روکنے کی قدرت رکھنے والے کے سوا مکروہ تحریمی ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کے عیوب کسی کے سامنے بیان کرتا پھرے اور یہ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری امر منکر کے دور کرنے میں نہ ہوئی تو مسلمان کی غیبت کر کے نافرمانی بھی نہ کرے۔

چو الیسویں مجلس سورج گھن و چاند گھن خوفناک امور کے ظہور کے وقت نماز کے بیان میں

سورج اور چاند گھن کا سبب و ایک غلط فہمی کا ازالہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورج اور چاند

اللہ تعالیٰ کی منجملہ اور نشانیوں کے دونشانیاں ہیں کسی کی موت اور حیات کے سبب سے نہیں لگتا جب تم یہ بات دیکھو تو اللہ تعالیٰ کی یاد کرو

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ عبد اللہ بن عباسؓ نے روایت کیا ہے اور اس ارشاد کا سبب اس بنا پر جو ایک دوسری حدیث میں ابو مسعود انصاریؓ کی روایت سے آیا ہے یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن سورج گھن ہوا تو لوگوں نے کہا ابراہیم کی موت سے سورج گھن ہوا ہے تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آفتاب اور ماہتاب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں کسی کی موت اور حیات سے ان میں گھن نہیں لگتا پس جب تم ایسے ہولناک امور دیکھو تو نماز پڑھنی شروع کر دو بنی علیہ السلام صلوٰۃ کسوف سنت ہے اس حدیث میں ان ہولناک امور ظاہر ہونے کے وقت جنہیں سورج

گھن بھی داخل ہے نماز کا حکم فرمایا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ یاد الہی سے مراد جو پہلی حدیث میں مذکور ہے نماز ہی کا حکم ہے اور چونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلوٰۃ کسوف جماعت سے پڑھی ہے اس لئے قیاس تو یہی تھا کہ صلوٰۃ کسوف واجب ہوتی جیسے کہ بعض علماء کا مذہب بھی ہے اور اسرار کے مصنف نے اسی کو اختیار بھی کیا ہے کیونکہ امر واجب کے لئے لیکن بہرہ علماء کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے کیونکہ یہ نماز اسلام کی علامات سے نہیں ہے صرف گھن کے عارض ہونے سے ہوتی ہے مگر چونکہ بنی علیہ السلام نے جماعت سے پڑھی ہے لہذا سنت ہے اور جماعت سے بلا کراہت مشروع ہے اور علماء نے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ پس اس بیان کے موافق صلوٰۃ کسوف کا طریقہ امام جمعہ کو پابھیے کہ جب سورج گھن ہو تو لوگوں کے ہمراہ جامع مسجد یا مسجد گاہ

میں دو رکعت پڑھے۔ ہر رکعت ایک رکوع سے مثل کی طرح بے آواز اور بے تکبیر اور بے خطبہ کے ہو اور ان دونوں رکعتوں میں جس قدر چاہے قرآن مجید پڑھے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرأت آہستہ سے پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک آواز سے اور ان دونوں رکعتوں میں گو قرأت کی دلیلی افضل ہے کیونکہ اس میں بنی علیہ السلام کی متابعت ہے اس لئے کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بنی علیہ السلام کا قیام پہلی رکعت میں سورہ بقرہ پڑھنے کے برابر تھا اور دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھنے کے برابر تھا لیکن تحقیق بھی جائز ہے کیونکہ نماز اور دعا دونوں میں سارے وقت قائم کرنا سنون ہے جیسا کہ مغیرہ بن شعبہؓ سے مروی ہے بنی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سورج اور ماہتاب اللہ تعالیٰ کی منجملہ نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں کسی کی موت سے ان میں گھن نہیں لگتا اور نہ کسی کی حیات سے جب تم اس کو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور نماز پڑھتے رہو یہاں تک کہ سورج صاف ہو جائے یہ حدیث دعا اور نماز دونوں میں سارا وقت قائم کرنے کو بتلاتی ہے پس اگر ایک میں کچھ تحقیق کرے

تو دوسری میں بڑھا دے اور نماز کے بعد کرے اور یہاں تک کرے کہ سورج صاف ہو جائے
 و نماز کے بعد ہی مسنون ہے | کیونکہ دعاؤں کو نماز سے مؤخر کرنا مسنون ہے۔ پھر امام کو تو دوسرا ہیں
 اختیار ہے چاہے قبلہ رخ بیٹھ کر دعا مانگے چاہے کھڑا ہو کر لوگوں کی طرف اپنا منہ کر کے یا زول قبلہ ہو کر
 دعا مانگے لیکن لوگ بہر حال قبلہ رخ بیٹھے رہیں اور اگر امام جمہور موجود نہ ہو تو لوگ علیحدہ علیحدہ نماز
 پڑھیں چاہیں و رکعت اور چاہیں چار رکعت کیونکہ یہ نماز نفل ہے اور نوافل میں علیحدہ علیحدہ پڑھنا ہی
 صلوة کسوف علیحدہ علیحدہ اصل ہے۔ اور ایسے ہی چاند گہن میں لوگ جدا جدا نماز پڑھیں اور اس
 پڑھنا بھی جائز ہے | میں تو جماعت بھی نہیں ہے کیونکہ رات کے وقت آدمیوں کا جمع ہونا
 و شوار ہے اور یعنی وقت تو فتنہ کا سبب ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہر ایک خود نماز پڑھے اور
 چاند گہن اور دوسرے ہولناک امور | ایسے ہی ستاروں کے ٹوٹنے اور رات کو خوفناک روشنی ہونے
 میں مناز کا حکم اور طہر لقیۃ | دن کو خوفناک اندھیرے میں اور تند آنکھوں اور برابر کی بارش
 ہونے بجلی کے گرنے اور زلزلہ اور بیماریوں کی کثرت اور دشمن کے سخت خوف ہیں اور اس کے
 سوا اور ہولناک امور اور خوفناک باتوں میں ہر ایک جدا جدا نماز پڑھے کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد
 کہ جب تم یہ خوفناک باتیں دیکھو تو ذکر نماز شروع کرو و سبکو عام ہے کیونکہ یہ سب خوف کی علامات
 ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جن سے ڈرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اور نہیں بھیجتے ہیں ہم
 علامات کو مگر ڈرانے کے لئے آخر آیت تک،

اور حدیث میں آیا ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ نشانیوں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے کسی کی
 موت سے نہیں ہوتیں اور نہ کسی کی حیات سے بلکہ اپنے بندوں کو اس سے ڈراتا ہے پس جب
 تم ان میں سے کوئی بات دیکھو تو ڈر کر خدا کی یاد اور اس سے دعا اور استغفار کرو۔
 اور ایک دوسری حدیث میں ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بیشک، سورج اور چاند اللہ
 تعالیٰ کی نشانیوں میں سے و نشانیوں میں کسی کو موت سے ان گونہ نہیں لگتا اور نہ کسی کی حیات
 سے پس جب تم اسکو دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور اللہ اکبر کہو۔ اور نماز پڑھو اور خیرات کرو کیونکہ
 ہر نیک کام کا ان ہولناک باتوں کے وقت حکم ہے اس لئے کہ نیک کام نیتوں کو دفع کرتے ہیں
 ہولناک امور میں آنحضرت | اور ابن عمر سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام جب گرج اور بھلیوں کی
 صلی اللہ علیہ وسلم کا سوہ خستہ آواز سنتے تو کہتے الہی ہم کو اپنے غضب سے مت قتل کرو اور اپنے عذاب
 سے مت ہلاک کرو اور ہم کو اس سے پہلے عافیت عطا فرما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے
 کہ نبی علیہ السلام جب ابرو دیکھتے تو اپنے کام چھوڑ دیتے اور اسی کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ
 فرماتے الہی میں تیری پناہ لیتا ہوں اس برائی سے جو اس میں ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ اس کو کھول دیتا

تو اللہ کی حمد کرتے اور اگر برستا تو یہ فرماتے۔ الہی بارش کسیرانی اور فائدہ دیکھو۔
اور حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب تند ہوا چلتی تو نبی علیہ السلام کہا کرتے تھے یا اللہ
میں تجھ سے اس کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس کی بھلائی جو اس کے اندر ہے اور اس کی بھلائی
جس کے لئے بھیجی گئی ہے: در تیری پناہ مانگتا ہوں اس کی برائی سے اور اس کی برائی سے جو
اس کے اندر ہے اور اس کی برائی سے جس کے لئے یہ بھیجی گئی ہے۔

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے روبرو ہوا پر لعنت کی تو نبی
علیہ السلام نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ یہ مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت
کرتا ہے جو لعنت کے قابل نہیں تو لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے۔

اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہوا اللہ کی مہربانی ہے کہ کبھی رحمت لاتی
ہے اور کبھی عذاب سوا اس کو بُرا نہ کہو اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اس کے شر سے
پناہ مانگو یعنی ہوا ان چیزوں میں سے ہے جو خدا کی طرف سے آتی ہیں جیسے بارش اور گرمی اور اس
کے علاوہ اور چیزیں کہ کبھی رحمت کے واسطے آتی ہے اور کبھی عذاب کے لئے اور جب اس کا آنا اللہ
کے حکم سے ہے تو کسی ضرر پہونے سے اس کو بُرا کہتا جائز نہیں بلکہ بندوں سے اس کے متعلق جس بات کا
خیال کیا جائے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا اور اس کی رسی کو منقبوط پکڑنا اور اس کے شر سے اور
اس شر سے جو اس کے اندر ہے خدا کی پناہ مانگتا ہے جیسا کہ ابی بن کعب رضی عنہ سے روایت ہے نبی
علیہ السلام نے فرمایا ہے ہوا کو برا مت کہو پس جب ایسی دیکھو جو تم پسند نہیں کرتے تو یہ کہو الہی ہم تجھ سے
اس ہوا کی خوبی مانگتے ہیں اور اس چیز کی خوبی جو اس کے اندر ہے اور اس چیز کی خوبی جس کا اس کو حکم
اور اس ہوا سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور اس بُرائی سے جو اس کے اندر ہے اور اس بُرائی سے جس
کا اس کو حکم ہے اور اسی طرح جو کہیں منزل کرے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی
سفر میں ضرر سے بچنے کی تدبیر علیہ التسلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو کوئی کسی منزل میں اترے
اور یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کلمات کے ذریعے سے ہر اس چیز سے جس کو خدا نے پیدا کیا ہے
تو اس کو کوئی ضرر نہ ہو گا یہاں تک کہ وہاں سے چل کر دوسرا مکان بدل لے اور ابن عباسؓ سے روایت
ہے کہ نبی علیہ التسلوٰۃ والسلام سختی کے وقت فرمایا کرتے تھے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس
سختی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بڑا اور بڑا ہے نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس
علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اللہ کے جو عرش بزرگ کا مالک ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود
سوائے اس اللہ کے جو اس اللہ کے جو ساتوں آسمانوں اور زمین اور عرش بزرگ کا پروردگار
اور مالک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بزرگ اوصاف کا ذکر کرنا

عقوبت کے دور ہو جانے کا سبب ہے۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کیا میں تم کو ایسی دعا بتاؤں کہ جب تم پر سختی یا کوئی بلا آئے تو تم وہ دعا پڑھو تو اللہ تعالیٰ اس سے کشائش دے۔ عرض کیا گیا کیوں نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا ذوالنون کی دعا کہ کوئی معبود تیرے سوا نہیں تو بے عیب ہے میں ہوں گنہگاروں سے۔ پھر سن لی ہم نے اس کی پکار اور بچا دیا اس کو غم سے اور یونہی ہم سبجات دیتے ہیں ایمان والوں کو اور روایت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ایسا کوئی مصیبت زدہ نہیں جو یہ دعا پڑھے مگر قبول ہی ہوگی الہی ہمارے لئے دعائے مستجاب اپنے لطف و کرم سے آسان کیجیو۔

پہنچتا لیسویں مجلس بارش رک جانے کے وقت نماز استسقاء

مسنون ہونے کے بیان میں

تخط کا سبب رسول اللہ صلی نے فرمایا ہے تخط اس سے نہیں پڑتا کہ بارش نہ برے بلکہ تخط اس سے پڑتا ہے کہ بارش تو ہو لیکن زمین سے کچھ نہ پیدا ہو۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تخط اس طرح نہیں ہوتا کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ تخط یوں پڑتا ہے کہ تم پر مینہ تو برے لیکن زمین سے کچھ نہ پیدا ہو یا پیدا ہو کر تباہ ہو جائے اور تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے کیونکہ فراخی کی امید اور اس کے اسباب حاصل ہونے کے بعد سختی کا آنا اس سے زیادہ ناگوار ہے کہ پہلے ہی سے مایوسی حاصل ہو اور آپ کا یہ ارشاد مینہ مانگئے اور استسقاء کی استسقاء کی دعا کرنا سنت ہے دعا کرنے سے ممانعت نہیں کرتا بلکہ مینہ سے رزق ملنے اور بارش نہ ہونے سے رزق نہ ملنے کے اعتقاد کی ممانعت ہے۔ لہذا بندے کو لازم ہے کہ اپنے آپ کو اپنے مولا کے حوالے کر دے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ میرے مولا کی طرف سے آتا ہے سب میرے لئے بہتر ہے۔ اگرچہ میرے مطلب اور خواہش کے مخالف ہی ہو۔ پس اس بنا پر آدمی کو چاہیے کہ بارش بھی مانگے اور استسقاء کی دعا بھی کرے اور یہ سمجھتا بھی رہے کہ رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے کہ مینہ مانگنا اور استسقاء کی دعا کرنا سنت ہے کیونکہ اس باب میں بہت حدیثیں اور آثار وارد ہیں۔ پس حاکم کو مستحب ہے کہ پہلے سب لوگوں کو تین دن کے روزوں کا حکم دے پھر چوتھے دن سب کے ہمراہ میدان کی طرف جائے۔ علماء کہتے ہیں دعا استسقاء کا طریقہ کہ تین روز لگاتار چاہیے۔ کیونکہ یہ ایسی مدت ہے۔ جو عذر والوں کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اس سے زیادہ منقول اور پیادہ یا معمولی کپڑے جو روزمرہ پہنتے ہوں پہن

کر جائیں عید کی طرح زینت کے کپڑے پہن کر نہ جائیں بلکہ ذلیل بن کر انکساری اور خدا کا خوف کرتے ہوئے سر جھکائے ہوئے جائیں اور ہر دن عید گاہ کو روانہ ہونے سے پہلے خیرات کیا کریں کیونکہ ایسے ایسے وقتوں میں ہر نیک کام کرنے کا حکم ہے اس لئے کہ نیک کام عفتوریت کو دفع کرتے ہیں اور لوگوں کے حقوق ادا کر دیں اور از سر نو توبہ کریں کیونکہ تجدید توبہ دعا کی قبولیت کا سبب قریب تجدید توبہ دعا کی قبولیت ہے اس لئے کہ کعب احبار سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت کا سبب قریب ہے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مرتبہ بہت سخت قحط پڑا پس موسیٰ علیہ السلام استسقا کے واسطے بنی اسرائیل کے ہمراہ تین دن گئے مگر بارش نہ ہوئی تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تمہاری دعا اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تم میں چٹانوں پر رہے گا موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا الہی وہ کون ہے تاکہ ہم اس کو اپنے میں سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھیجی اے موسیٰ میں تم کو چٹانوں سے منع کرتا ہوں اور پھر میں خود ہی چٹانوں پر رہوں۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم سب چٹانوں سے توبہ کرو پس انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر مینہ برسا یا اور سفیان رضی عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو خبر ملی ہے کہ بنی اسرائیل سات برس قحط میں مبتلا رہے یہاں ادائیگی حقوق کی اہمیت تک کہ مردار اور بچوں کو کھا گئے اور وہ لوگ پہاڑوں میں جا کر اللہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کیا کرتے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے نبیوں کو وحی بھیجی کہ میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور تمہارے کسی رونے والے پر رحم کروں گا جب تک کہ تم حقداروں کے حقوق نہ ادا کرو گے۔ آخر انہوں نے حق ادا کئے تو مینہ برسا اور روایت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ دعائے استسقا کے لئے نکلے جب بارش نہ ہوئی تو ان سے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تم میں گناہ دعا کی قبولیت پر اثر انداز ہوتے ہیں سے جس کسی نے کوئی گناہ کیا ہو وہ لوٹ جائے سب کے سب لوٹ گئے ان کے ساتھ ایک شخص کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا اس پر عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کیا تمہارا کوئی گناہ نہیں اس نے جواب دیا اللہ کی قسم مجھ کو اپنا کوئی گناہ معلوم نہیں سوائے اس کے کہ میں ایک دن نماز پڑھتا تھا کرتے ہیں میرے پاس سے ایک عورت گزری میں نے اس کی طرف اس آنکھ سے دیکھا پس جب وہ چلی گئی تو میں نے اپنی آنکھیں میٹھ کر آنکھ نکال لی اور اس عورت کے پیچھے پیچھنے لگا وہی اس پر اس سے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تو دعا مانگ کہ میں تیری دعا پر آمین کہوں پس اس شخص نے دعا کی جس سے آسمان پر بال آگیا اور بارش ہوئی۔

اور عطا سامی رضی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم پر ایک مرتبہ بارش بند ہو گئی اس لئے

ہم استقار کے واسطے نکلے نگاہ گورستان میں سعدون مجنوں مل گئے اور میری طرف دیکھ کر کہا اے عطا یہ لشکر کا دن ہے یا قبروں سے مردے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں نے کہا نہیں تو لیکن ہم پر بارش بند ہو گئی اس لئے کہ استقار کے واسطے نکلے ہیں پس کہا اے عطا آسمانی دل لے کر آئے ہو یا زمینی دل لے کر ہیں نے کہا نہیں بلکہ آسمانی دل لے کر آئے ہیں انہوں نے کہا انسوس ہے اے عطا کھولے شخصوں سے کہہ دے کہ کھوٹ نہ کریں کیونکہ پرکھنے والا بیٹا ہے۔ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا الہی وسیدی اپنے شہروں کو اپنے بندوں کے گناہوں سے ہلاک مت کر لیکن اپنے پوشیدہ ناموں کی برکت اور ان نعمتوں کی بدولت جو پس پر وہ ہیں ہم کو پانی بے انتہا پلا جس سے تمام شہر زندہ اور بندے سیراب ہو جائے اے وہ بر شے پر قدرت رکھتا ہے عطا کہتے ہیں کہ انہوں نے ابھی دعا پوری نہ کی تھی کہ آسمان گر جا اور چمکا اور مشکوں کے دہانے کی طرح بارش ہونے لگی۔

اور ابن سب طرح سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ میں بڑے سخت قحط کے سال آیا جس کے لئے لوگ استقار کے لئے نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ نکلا ناگاہ ایک حبشی لڑکا جس پر دو کملی کے ٹکڑے تھے ایک کا تہ بند بائیں سے تھا اور دوسرا اپنے موٹھے پر ڈال رکھا تھا اگر میرے برابر بیٹھ گیا تو میں نے اس کو کہتے سنا کہ گناہوں کی کثرت اور اعمال کی بُرائی سے چہرے بگڑ گئے اور ہم پر آسمان کی بارشس تو نے موقوف کر دی تاکہ اپنے بندوں کو اس سے تہنہ کرے پس میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ اے حلیم ابرو دار اے وہ ذات جسکے بندے تیری طرف سے رحمت کے سوا اور کچھ نہیں جانتے کہ تو ان کو ابھی سیراب کر دے اور وہ گھڑی گھڑی اسی طرح بھی کہتا رہا کہ آسمان پر گھٹا گھڑ گئی اور ہر طرف سے بارش ہونے لگی پس اس بیان کی رو سے حاکم کو دعا استقار صلحار اور ضعیفوں

چاہیے کہ صلحا اور ضعیفوں اور فقیروں کے ذریعہ سے پیاسے چوپایوں وغیرہ کے ذریعہ مانگی جائے اور چرندے مویشیوں اور بچوں اور جلد پانی مانگنے والوں کے واسطے

سے استقار کی دعا کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر دودھ پیتے بچے اور چرندہ جانور اور عابد بندے نہ ہوتے تو تم پر عذاب ٹوٹ پڑتا اور دعائیں ویسا ہی کہے جیسے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے الہی پانی دے اپنے بندوں کو اور اپنے بہانم کو اور اپنی رحمت پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو دعا رو بقبلہ ہو کر مانگی جائے زندہ کر اور دعا کے وقت رو بقبلہ گھڑا ہو جائے اور باقی لوگ رو بقبلہ

بیٹھے رہیں جیسا مردی سے کہ نبی علیہ السلام نے رو بقبلہ ہو کر دعا کی تھی اور جب دعا مانگے تو قبولیت

بندہ جب دعا کرے تو کالیقین کرے اور اپنی امید درست رکھے جیسا کہ مردی سے کہ نبی علیہ السلام نے

قبولیت کالیقین کرے فرمایا ہے کہ دعا اس وقت مانگو جب تم کو قبولیت کالیقین ہو اور اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے کہ مجھ کو پکارو کہ میں پہنچوں تمہاری پکار کو اور ایک اور روایت میں فرمایا ہے اور جب تم

تم سے پوچھیں میرے بندے مجھکو تو میں نزدیک ہوں پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار کو جو وقت مجھکو پکارتا ہے
 دعائے مانگنے کا انداز اور دعا آہستہ آہستہ خوب گوشش سے کرے اور کہے الہی تو نے ہم کو اپنے آپ سے
 دعا کرنے کا حکم کیا ہے اور قبولیت کا ہم سے وعدہ کیا سو ہم نے تو تیرے حکم کے موافق مانگی اب تو اپنے وعدے
 کے موافق قبول کر الہی ہمارے قصوروں کو معاف کر اور بارش و فرخ رزق کے بار دہیں ہماری دعا قبول فرما کر
 ہم پر احسان کر اور لوگوں کو مستحب ہے کہ جب کوئی شخص ان میں نیک بختی میں مشہور ہو تو اس کے توسل سے
 دعائیں توسل مستحب ہے | دعا کریں اور یوں کہیں الہی ہم تجھ سے مینہ مانگتے ہیں اور تیرے سامنے تیرے فلانے

بندے کی شفاعت لاتے ہیں اس لئے کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب لوگوں پر قحط پڑتا تو حضرت
 عمر بن خطابؓ حضرت عباسؓ کے وسیلے سے استغفار کرتے اور یوں کہتے الہی ہم تیرے سامنے اپنے
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ کیا کرتے تھے۔ سو تو مینہ برساتا تھا اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے چچا کو وسیلہ کیا کرتے ہیں سو ہم کو پانی دے پس مینہ برساتا تھا اور استغفار میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کوئی
 نماز مسنون جماعت سے ثابت نہیں ہے پس اگر لوگ جدا جدا نماز پڑھ لیں تو جائز ہے اور ان کے نزدیک استغفار
 استغفار میں صرف دعا اور استغفار کا نام ہے اس ارشاد الہی کی دلیل سے پس میں نے
 استغفار ہے نماز مسنون نہیں کہا گناہ بخشو ادا اپنے رب سے بیشک وہ ہے بخشنے والا پھوڑے گا آسمان

کی تم پر دھاریں تم پر پڑھائے گا۔ تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنادے گا تمہارے لئے باغ اور بنادے گا
 تمہارے لئے نہریں۔ پس یہ آیت اگرچہ اس قول کی حکایت ہے جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے
 کہا تھا لیکن اس آیت سے استدلال صحیح ہے اس لئے کہ ہم سے انکلوں کی شریعتیں بھی ہماری لئے شریعت
 ہیں جبکہ اس کو اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ بیان فرمائے اور اس کا انکار نہ کرے اور نہ اس کے بارے
 میں نسخ وارد ہوا ہو جیسے کہ اس آیت میں ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ استغفار
 مینہ برسنے کا سبب ہے کیونکہ مردی ہے کہ نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے باوجود زمانہ و راز تک تکرار
 دعوت کے تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے چالیس برس تک اور بعضے کہتے ہیں ستر برس تک ان
 پر بارش بند کر دی اور عورتوں کو بانجھ کر دیا۔ پھر نوح علیہ السلام نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ اپنے
 گناہوں سے توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو مزا یعنی دے گا اور جس بلا میں مبتلا ہیں اسکو دور کر دینگا اس سے
 معلوم ہوا کہ استغفار میں دعا و استغفار ہی کافی ہے۔

اور انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جمعہ کے دن اس وقت مسجد میں آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 خطبہ پڑھ رہے تھے اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولیٰ تو مر گئے اور ہم کو بھی
 اپنی جانوں کا اندیشہ ہے پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہم کو پانی عنایت کرے پس رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے دو نزل مانگا اٹھائے اور فرمایا الہی ہم پر مینہ برسا اپنا مینہ تازہ کرنے والا بہت ہی

فائدے مند ابھی بلا تاثیر کے راوی کہتا ہے کہ آسمان پر اسوقت کوئی ٹکڑا بھی ابر کا نہ تھا لیکن ادھر ادھر سے ابر بلند ہو کر گھٹا گھیر گئی اور سات دن بارش ہوئی۔ اس جمعہ سے اُس جمعہ تک۔ پھر وہی شخص اگلے جمعہ کو مستجد میں پھر ایسے وقت آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھتے تھے اور مینہ برس رہا تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ گھر کے گھر گر پڑے اور رستے بند ہو گئے پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ مینہ بند کر دے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی آدم کے اکتا جانے کی وجہ سے مسکرائے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی الہیٰ گرو نوح پر ہم پر نہیں ٹیلوں اور پہاڑوں پر اور نالوں کے اندر اور درختوں کی جگہ راوی کہتا ہے کہ آسمان کہیں کھلا نہ تھا لیکن مدینہ کے اوپر سے ابر کھل گیا یہاں تک کہ اسکے گروتاج کی مثال ہو گیا۔ پس راوی نے اس خبر میں دعا کے سوا اور کچھ نہیں بیان کیا اس سے معلوم ہوا کہ استسقاء کی دعا مسنون نہیں ہے اور بے شک ثابت ہوا ہے کہ عمرؓ نے استسقاء کی دعا کی اور نماز نہیں پڑھی اور اگر نماز سنت ہوتی تو عمرؓ کبھی نہ چھوڑتے کیونکہ حضرت عمرؓ سنت نبویؐ کے اتباع میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس میں دو رکعت نماز عید کی طرح پڑھی۔ سو اس نماز استسقاء جائز ہے مسنون نہیں | سے جواز معلوم ہوتا ہے اور اس میں گفتگو نہیں بلکہ گفتگو سنت ہونے میں ہے اور سنت ہونا اس طرح کی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔ سنت ہونا تو مداومت سے ثابت ہوتا ہے اور مداومت پانی نہ گئی تو اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے کبھی اسکو کیا اور کبھی اسکو چھوڑ دیا اور عمل کرنا چھوڑ دینے سے زیادہ نہیں تھا تاکہ مداومت پیدا نہ ہو سکے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ استسقاء کی نماز اور دعا کا طریقہ | امام لوگوں کے ہمراہ نماز عید کی طرح دو رکعت بلا آذان اور تکبیر کے مع تکبیریت زوائد اور زور سے قرأت کر کے پڑھے اور نماز کے بعد دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان میں خفیف جلسہ سے فرق کرے اور دونوں خطبوں میں اکثر حصہ استسقاء ہو اور حسب خطبہ پڑھ چکے تو رو بقبلہ ہو کر حالت بدل جانے کی فال نیک کے لئے چادر کو اس طرح اٹھے کہ دائیں طرف کا پلہ بائیں طرف کر لے اور بائیں طرف کا پلہ دائیں طرف کر لے پھر دعا مانگے اور دعا کے اندر یہ کہے کہ یا اللہ اپنے بندوں اور حیوانات کو پانی دے اور اپنی رحمت کو پھیلا اور اپنے مردہ شہر کو زندہ کر الہیٰ تو نے ہم کو اپنے آپ سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور قبول کرنے کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے سو ہم تیرے حکم کے موافق دعا مانگ چکے اب تو اپنے وعدے کے موافق قبول کر الہیٰ ہمارے قصوروں کو معاف کر اور پانی دے اپنے اور رزق کی فراخی کے بارہ میں اپنی قبولیت سے ہم پر آسان کر الہیٰ اپنے بندوں کے گناہ سے اپنے شہر کو کویر باد نہ کر بلکہ اپنی رحمت شاملہ اور نعمت کاملہ سے ہم کو بہت پانی دے جس سے شہر زندہ اور تیرے تمام بندے سیراب ہو جائیں تو بیشک ہر شے پر قادر ہے اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں خوبی اور آخرت میں خوبی دے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔

پچھیا لیسویں مجلس تعلیم قرآن و فرائض کے واجب ہونے اور لحن

پوشیدہ اور ظاہر کے بیان میں

فرائض اور قرآن کا علم سیکھنے کی ترغیب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فرائض اور قرآن کو سیکھو کیونکہ میں قبض کیا جانے والا ہوں۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس حدیث میں امت کو علم کی دو نوز قسموں کے سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ ان دونوں کا حصول نبی علیہ السلام کے سوا اور کسی سے نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد لوگوں کو ان دونوں میں سے اتنے کے سوا جس کو وہ حاصل کر چکے ہیں اور کچھ نہیں حاصل ہو سکتا اور وہ دونوں علم فرائض اور قرآن ہیں۔ فرائض میں بعضے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ اس سے میراث کا تقسیم کرنا مراد ہے علوم قرآن اور علم فرائض سے مراد | لیکن اس خصوصیت کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں جیسا کہ تورپشتی نے بیان کیا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس سے وہ ضروری امور مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں۔ رہا قرآن تو بنا بر بیان علم اصول اس سے مراد وہ ہے جو تواتر سے منقول ہے۔ جیسے ساتوں مشہور قراءتیں جس کو قرات کے ساتوں اماموں نے اختیار کیا ہے وہ مراد نہیں ہے جو بلا تواتر منقول ہے کیونکہ وہ قرآن نہیں ہے بلکہ شاذ قرات ہے۔ اب خواہ بطریق شہرت منقول ہو یا بطریق احاد اور منقول کے تواتر ہونے میں تواتر کشرط ہے جو ہر لفظ میں ہو یا اس کی ہیئت میں جو ہر لفظ سے مراد تو یہ ہے کہ قرات سب سے مصاحف کے خطوط قرات ہوں۔ جیسے مالک یوم الدین اور مالک یوم اللیلین اور ہیما سے مراد یہ ہے کہ مصاحف کے خطوط قرآن سب سے مختلف ہوں جیسے پڑھنا اور امانہ کرنا اور اسی طرح دیگر امور اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ منقول کے قرآن ہونے میں نقل بالتواتر شرط ہے تو اب یہ ظاہر ہے کہ قرات شاذ خواہ بطریق مشہور منقول ہو یا بطریق آحاد اسکو قرآن کے حکم میں داخل نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اسکو نماز میں پڑھنا بھی جائز نہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ قرات کے مشہور امام دہنی سات ہیں جو تیسیر اور شاطبی ہیں مذکور ہیں اور وہ یہ ہیں عاصم اور حمزہ اور کسائی یہ تینوں تو کوفہ کے ہیں اور ابن کثیر مکہ کے اور نافع مدینہ کے اور ابو عمرو بصرہ کے اور ابن عمر شام کے ہیں اور تین قرات کے دس امام | استاد اور بھی ثابت ہیں جو یہ ہیں۔ یعقوب بن اسحاق اور یزید قعقاع اور خلف بن ہشام اور صحیح یہ ہے کہ قرآن کے احکام یعنی نماز کا جائز ہونا وغیرہ ان تینوں میں بھی ان ساتوں کی طرح جاری ہیں۔ اور رہیں ان کے علاوہ اور شاذ قراءتیں مشہور ہوں یا غیر مشہور تو ان کا منباز ہیں

قرآن کی شاذ قرأت سے
نماز فاسد ہو جاتی ہے

پڑھنا ناجائز ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور اختلاف تو صرف اس بارہ میں ہے کہ آیا وہ نماز کو بھی فاسد کر دیتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ اصفہانی کہتے ہیں کہ قرأت شاذہ جب تک متواتر نہ ہو نماز میں اس کا حکم آدمی کے کلام ہی کی طرح ہے اور جبکہ قرأت شاذہ قرآن کے حکم میں داخل نہیں اور نہ اس کا نماز میں پڑھنا جائز ہے تو پھر بھلا اس قرأت کے متعلق تم کیا خیال کر سکتے ہو۔ جو نہ قرأت متواترہ میں داخل ہے اور نہ قرأت شاذہ میں بلکہ محض غلط ہے تو کیا اس کو قرآن کا حکم ہو سکتا ہے اور کیا اس کا پڑھنا اس نماز میں جائز ہو سکتا ہے۔ جو لوگوں کے ذمے ایمان کے بعد فرض ہے اور جس کے ارکان میں سے ایک رکن اس قرآن کی قرأت بھی جو سب سے زیادہ فصیح زبان میں نازل ہوا ہے۔ لہذا یہ امر ضروری ہے کہ فصیح زبان میں پڑھا جائے اور یہ بات تجوید کے بغیر ممکن نہیں تجوید فرض لازم ہے لہذا اس بنا پر تجوید فرض لازم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی قرآن کو تجوید کے ساتھ نازل کیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ ”اور پڑھ کر سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر“ اور ترتیل سے مراد تجوید ہی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کسی کے اس آیت ”ذُرِّ تِلْكَهُ تَرْتِيلًا“ کا مطلب پوچھنے کے وقت کہ ترتیل سے مراد حروف کی تجوید اور اوقات کا علم ہے اس کی دلیل ہے اور تجوید سے مراد زبان کو چننا اور مزہ کو دبا کر اور جڑے کو ٹیڑھا کر کے اور آواز کو گردش دے کر پڑھنا نہیں ہے کیونکہ ایسی قرأت تجوید سے مراد سے طبیعتوں کو نفرت ہوتی ہے اور دل اور کان اس کو پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ تجوید سہل پڑھنے کا نام ہے۔ اس میں زبان کا چبانا ہے اور بناوٹ ہے اور نہ کچھ تکلف ہے پس جب تجوید فرض ہوئی تو اس کے برخلاف حرام ہوگا۔ کیونکہ قرآن اپنی فصاحت کے ساتھ پڑھنا ہے اور لحن اس کی اقسام اور ان کا حکم اگر فصاحت کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو پھر لحن ہوگا اور پھر لحن خت عرب میں گوئی معنی نہیں لیکن لحن سے مراد یہاں خطا اور راستی سے الگ ہو جانا ہے۔ اور پھر اس کی دو اقسام ہیں۔ ایک لحن جلی اور لحن خفی۔ لحن جلی تو وہ غلطی ہے جو الفاظ میں ہوتی ہے اور بعضی جگہ معانی بھی بگاڑ دیتا ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لحن کی پہچان میں تو قرأت کے علماء و غیرہ سب شریک ہیں۔ اس واسطے کہ یہ لحن کبھی تو حرکات اور سکونات اعرابی اور بنا کے بدلنے سے ہوتا ہے اور کبھی کسی حرف کی کمی بیشی سے ہوتا ہے۔ اور کبھی ایک حرف دوسرا حرف بدلنے سے رہا لحن خفی سو خلل اگرچہ الفاظ میں ہوتا ہے لیکن اس سے مراد میں کوئی خلل نہیں آتا۔ اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتا ہے۔ بلکہ فصاحت میں خلل اور قبا حسم پیدا کرتا ہے اور اسی لئے قرآن مجید کے اندر حرام ہے جیسا کہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ قرآن مجید میں بلا خلاف حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن ہے عربی زبان کا جس میں کسی قسم کی کمی نہیں اور اس لحن کو صرف علمائے قرأت ہی پہچان سکتے ہیں

لئے کہ یہ لحن حرف راہ کے تکرار سے اور لٹن کی گنگناہٹ سے اور لام کو پر کرنے سے اور غنہ کو ناک میں لے جانے سے ہوتا ہے اور اسی طرح کے دیگر امور سے جیسے ادغام کی جگہ نكسب ادغام اور اخفاء کی جگہ ترک اخفاء اور اظہار کے مقام پر ترک اظہار اور بدلنے کی جگہ نہ بدلنا اور پُر کرنے کی جگہ پُر نہ کرنا اور بار یک کرنے کی جگہ بار یک نہ کرنا اور اس میں شک نہیں کہ یہ تمام باتیں اگرچہ معنی میں مثل نہیں ہیں بلکہ ان سے لفظ بگڑ جاتا ہے کہ لفظ کی رونق اور حسن جاتا رہتا ہے لیکن فصاحت میں ضرور خلل انداز ہوتا ہے اور کوئی مومن قرآن مجید کے غیر فصیح ہونے کا قائل نہیں ہے اور اسی لئے ایسے تمام تغیرات نماز اور غیر نماز میں حرام ہیں۔

اس کا بیان یہ ہے کہ قرآن مجید فصیح تر زبان میں نازل ہوا ہے جو خالص عربوں یعنی قریش اور ہزریل اور ہوازن اور طی اور ثقیف اور یمن اور بنو تمیم کی بول چال ہے۔ لہذا یہ بات انتہائی ضروری ہے کہ ان کی زبان کے قواعدوں کی رعایت کی جائے۔ یعنی حروف کو ان کے مخزجوں سے نکالنا اور ان کی صفات کا خاص خیال رکھنا کہ نرمی کی جگہ نرمی اور پُر کی جگہ پُر اور بد کی جگہ مد اور قصر کی جگہ قصر اور ادغام کی جگہ ادغام اور اظہار کی جگہ اظہار اور اخفاء کی جگہ اخفاء

اور اس کے علاوہ جو جوان کے کلام میں ضروری ہے اور جوان کے کلام کا طریقہ ہے کہ اس کے علاوہ ان کو پسند نہیں سب باتوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ پس اگر قرآن کا قاری ان امور کی رعایت نہ کرے تو اس لئے گویا اللہ کی کتاب قرآن مجید کو گویا زبان عرب کے علاوہ اور کسی زبان میں پڑھا اور اسب اگرچہ ظاہر میں وہ قرآن کا قاری ہے لیکن حقیقت میں قاری نہیں بلکہ وہ چہل باز ہے۔ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا ہی بہتر ہے کیونکہ ایسی قرأت کرنے سے ان لوگوں میں سے شمار ہو گا جن کی کوشش سعی ضائع ہو گئی دنیا کی زندگی میں اور وہ بھی سمجھتے ہیں کہ خوب بناتے ہیں کام،

اور اسی لئے امام ابن جوزی اپنی کتاب میں جس کا نام نشر ہے، کہتے ہیں کہ بیشک امت کا جس طرح اللہ کی کتاب قرآن مجید کے معانی کو سمجھنا اور اس کے حدود و قیود رکھنا ایک عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کا خوب صحیح اور درست پڑھنا اور حسروف کو اس طریقہ سے ٹھیک ادا کرنا، بھی بہترین عبادت ہے۔ جو قرآن مجید کی قرأت کے اماموں سے منقول اور

حضرت نبوی تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے جو فصیح تر عربیت ہے اور جسکی نہ مخالفت جائز ہے اور نہ اس کو چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنا جائز ہے۔ قرأت کے بارے میں بعضے تو محسن قابل ثواب ہیں اور بعضے خطا کار قابل گناہ ہیں اور بعضے معذور و ناچار ہیں پس جو شخص کلام اللہ کو صحیح پڑھنے پر قادر ہو گا جو کہ صحیح اور فصیح عربی ہے اور پھر اس کو چھوڑ کر لفظ فاسد یعنی فصیح اختیار کرے گا تو بیشک قصور وار اور بے شبہ گناہ گار ہو گا اور جس شخص کی زبان قابو میں نہیں ہے یا کوئی راستی پر لانے والا اس کو نہیں ملا تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس طاقت کے موافق لیکن ایسے شخص کو واجب ہے کہ پوری محنت کرے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد قدرت پیدا کر دے۔

اور قادی قاضی خان میں مذکور ہے کہ آدمی اگر بعضے حروف کو اچھی طرح نہ پڑھ سکے تو اس کو لازم ہے کہ خوب محنت کرے اور اس میں وہ معذور نہ سمجھا جائے گا اور اگر اس کی زبان ان حروف میں نہ چلتی ہو تو اگر ایسی آیت پائے جس میں وہ حرف نہیں ہیں اور وہی آیت اپنی نماز میں پڑھ لے تو سب کے نزدیک جائز ہے اور اگر ایسی آیت پڑھے جس میں وہ حرف ہیں تو خود اس کی نماز تو جائز ہے لیکن اور کسی کی امامت نہ کرے اور ایسے ہی جو شخص وقف کی جگہ وقف نہیں کرتا یا قرأت میں کھٹکھٹا کرتا ہے تو وہ بھی کسی اور کی امامت نہ کرے۔

سینٹا بیسویں مجلس قرآن میں تعنی جائز ہونے اور ان امور کے بیان

میں جو اس میں جائز نہیں اور اسکے علاوہ باتیں

قرآن میں تعنی کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص ہم میں سے حکم اور اس کا مفہوم نہیں ہے جو قرآن میں تعنی نہ کرے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے اسے روایت کیا ہے اور تعنی سے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ تعنی مشہور و معروف مراد نہیں اور اس کی کئی وجوہ ہیں اول تو یہ کہ حدیث کا پہلا حصہ یعنی نبی علیہ السلام کا ارشاد بیس مناسرا سے مانع ہے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ ہمارے دین اور ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو ہماری بات مانتے ہیں اور آپ کا ارشاد جنس و عید سے ہے۔ حالانکہ تمام امت میں سے کسی کو بھی اس سے اختلاف نہیں کہ بغیر تعنی کے قرآن پڑھنے والے کو بھی ثواب ملتا اور اجرا دیا جاتا ہے۔ پھر مجھلا ایسی حالت میں و عید کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فقہائے تصریح کی ہے کہ قرآن قرآن تعنی کے ساتھ پڑھنا گناہ ہے کا پڑھنا تعنی کے ساتھ گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں

گنہگار ہیں بلکہ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے اور یہ اس لئے کہ تعنی سب دینوں میں حرام ہے اور قرآن میں تعنی اور لحن کی ایسے ہی لحن بالاتفاق حرام ہے۔ بزازی کہتے ہیں کہ لحن بلا خلاف حرام ہے اور حرمت اور اسکا حکم شرعی ابوالبرکات نے نافع کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ تعنی تمام دینوں میں حرام ہے اور ظہیر الدین مرغینانی سے حکایت ہے کہ ہمارے وقت کے قادری کو جس شخص نے اس کے پڑھنے کے وقت کہا واہ خوب پڑھا کافر ہو جاتا ہے اور اچھا کہنے سے کفر کی یہ وجہ ہے کہ اس زمانے کے قاریوں کی قرأت مجلس اور محفلوں میں تعنی سے بہت کم خالی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کے لئے تعنی بالاتفاق حرام ہونے کی وجہ سے حرام قطعی ہوئی اور اسی لئے صاحب ذخیرہ نے اس کو کبیرہ کہا ہے اور ایسا ہی صاحب ہدایہ نے تعنی کے باب میں اس طرح کہا ہے کہ جو لوگوں کے لئے تعنی کرنے اس کی گواہی مقبول نہیں۔ کیونکہ وہ ان کو گناہ کبیرہ پر جمع کرتا ہے۔ پس ان کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ تعنی کا سننا گناہ کبیرہ ہوا تو خود تعنی بدرجہ اولیٰ کبیرہ ہوگی اور چونکہ معنی اس کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے اس کا اچھا کہنا حرام قطعی کو حلال کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اس زمانہ میں جمعہ یا جماعت میں آتے ہیں عبادت کی صورت میں از تکاب کبیرہ سے بہت کم خالی ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اکثر خطیب اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب قاریوں کے خطبے اور قرأت تعنی سے بہت کم خالی ہیں بلکہ وہ خطبے اور قرآن میں شعر اور غزل کا طرز اختیار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ کثرت لغات اور ادھ کٹے الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتا کیا کہتے ہیں اور کیا پڑھتے ہیں۔

اور ایسے ہی صلی اللہ علیہ وسلم اور رضی اللہ عنہ اور امین کہنے میں اور اشکالات کی تکبیروں میں مؤذنون کا حال ہے اور سننے والے جو موجود ہوتے ہیں اس کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور بعض تو کبھی ان کی تعریف بھی کرتے ہیں بلکہ غلبہ ہوا ہے نفسانی اور دین کی باتوں میں بے پروائی کے سبب اکثر اشخاص میں اکثر یہ ہی ہوتا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ حکایت ظہیر الدین مرغینانی کی رو سے سب کافر ہو جائیں اور ایسے ہی وہ لوگ جو ماہ رمضان کی راتوں میں جامع مسجدوں اور مساجد میں مؤذنون کی تسبیحات سننے کے واسطے تڑاؤ سچ ملے آتے ہیں کیونکہ خدا کے نام تو تسبیحات میں ہوتے ہیں جیسے یا حنان یا منان یا ذا الجود والاحسان اور جیسے سبحان ذی الملک والملکوت سبحان ذی العزۃ والجرودت اور اس کے علاوہ اور اسمائے حسنیٰ اور بزرگ صفات ان میں کثرت سے نغمے اور الحان کی وجہ سے اس قدر تغیر اور تحریف اور اخفا کر دیتے ہیں کہ ان میں تمیز اور تعیین کرنا غیر ممکن ہوتا ہے چنانچہ اس قول کی طرح سبحان المالیکی الحانان سبحان المالیکی الحانان ہیں کے ضمیر اور نون اور میم کے فتح اور لام اور کاف کے کسرہ کو ٹوب کھینچ کر اور اس کے علاوہ اور اسی طرح اور ایسا ہی صوفیوں کا الحان ہے جیسے کھانے کے بعد شکر کے خیال سے ان کا

الحمد ولیلہ والشکر ولیلہ وال اور لام وغیرہ کو خوب کھینچ کر کہہنا پس مسلم کو چاہیے کہ وہاں شجائے اور اس کے سننے سے استرازا کرے اور کوئی مسجد جو ان باتوں سے خالی ہو تلاش کر لے۔ کیونکہ یہ باتیں گو صورت میں عبادت ہیں لیکن حقیقت میں گناہ کبیرہ ہیں۔ ممکن ہے کہ اسکو اچھا سمجھے اور بے خبری میں اس کا دین برباد ہو جائے۔ حالانکہ نادانی میں کوئی عذر نہیں ہے اور کوئی یہ خیال نہ کرے کہ لوگوں کے لئے تعنی سے یہ مراد ہے کہ بیتیں اور شعر موزوں آواز بنا کر پڑھے نہ کہ قرآن اور ذکر کیونکہ یہ خیال فاسد ہے بلکہ قرآن وغیرہ سب کو یہ تعنی شامل ہے۔

اس لئے کہ فقہانے تصریح کی ہے کہ قرآن کو الحان سے پڑھنا گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں۔ بزازی کہتے ہیں کہ قرآن الحان سے پڑھنا گناہ ہے اور پڑھنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہیں اور تیسری وجہ ان وجوہات مذکورہ میں سے یہ ہے کہ یہ حدیث مذکور اس حدیث سے معارض ہو جائے گی جو ترمذی نے حدیث سے روایت کی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز میں ہے کہ قرآن کو عرب کے لہجے اور آواز سے پڑھا کر اور فاسقوں پڑھنے کا حکم اور مخالفت پر وعید کے لحن اور یہود اور نصاریٰ کے لحن سے بہت بچو کیونکہ عنقریب میرے بعد ایک ایسی قوم ہوگی جو قرآن میں غنا اور ذراہوں اور نوحہ گروں کی طرح تزییح کیا کرے گی اور قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۔ ان کے دل بھی نلتے ہیں اور ان کے دل بھی جو لوگ ان کا یہ انداز پسند کرتے ہیں

اس حدیث کو امام جہیری نے شاطبی کی شرح میں ذکر کیا ہے۔ اور قرآن میں تعنی جائز ہونے نہ ہونے میں یہ بڑی اصل ہے اور اسی سے اس باب کے سارے کے سارے مسائل نکلتے ہیں اور جو شخص اس اصل سے واقف نہیں ہے وہ بہت غلطی کرتا ہے۔ کیونکہ بعضوں نے تو تعنی کو سب دینوں میں حرام بتایا ہے۔ پس لازم آتا ہے کہ حال جاننے والا کافر ہو جائے اور بعضوں نے شریعت محمدی میں اس کی اجازت دی ہے اور ایسے ہی لحن ہے۔ پس ان اقوال کو دیکھنے والا حیران ہو جاتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ اول تعنی اور لحن کے معنی سمجھے جائیں اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ جو لوگ ان کے جواز کے قائل ہیں اور جو ناجائز ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک ان دونوں سے کیا مراد ہے تاکہ وہ حیرانی اور ہلاکت کے بھنور سے خلاصی پائے۔ بہر حال تعنی سو وہ باتو تعنی سے مشتق ہے تعنی سے مراد اور اس کا حکم شرعی جو غین کے زیر سے اور بغیر مد کے ہے اور یا غنا سے مشتق ہے جو مد کے ساتھ ہے۔ پس اگر اول سے مشتق ہو تو اس کے معنی بے نیازی کے ہیں اور اگر دوسرے دوسرے سے مشتق ہے تو اس کے معنی سرود اور آواز کا بلند اور پست کرنا اور رجھانا ہیں۔ اس لئے کہ غنا کے معنی موزوں نغم اور ورنہ آواز کے ہیں اور تعنی اور نغم اور تزییح اور تزییح اس آواز

موزوں کے برتنے اور اس کے حلق میں پھرانے کو کہ ایک بار حلق کے اندر اور پھر اس کو باہر اس طرح لائیں اور لیجائیں جس طرح موسیقی سے نکلا ہے۔ کہتے ہیں اور یہی یعنی مشہور و معروف ہے جو تمام دینوں میں حرام ہے خواہ قرآن میں جاری ہو یا آذان میں یا خطبہ میں یا ذکر میں یا شعروں میں یا انہیں سے کسی میں بھی نہ ہو اور اسی لئے جب صاحب مجمع الفتاویٰ نے یہ بیان کیا کہ ہاشیہ ملاہی کی آواز کا سننا جیسے ڈنڈے سے بجانا وغیرہ نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے کہ ملاہی کا سننا معصیت ہے اور وہاں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے مزہ اٹھانا کفر ہے۔ سب حرام اور کفر ہیں اور جو اچانک سن لے اس پر گناہ نہیں لیکن اس پر واجب ہے کہ حتی الامکان نہ سننے ہی کو کوشش کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے گانے کی آواز سن کر اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں مٹھیں کہا ہے کہ اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غنا اور اس کا سننا مطلقاً معصیت ہے۔ اگرچہ قرآن وغیرہ میں سے کسی میں نہ جاری ہو۔ اور وجہ دلالت یہ ہے کہ ملاہی سے صرف آواز موزوں ہی حاصل ہوتی ہے۔ نہ اور کچھ تو صرف آواز موزوں کا بلند کرنا اور پست کرنا اور حلق میں اس کا پھراتا بدون اس کے کہ قرآن وغیرہ میں جاری ہو جیسے کہ خوشخوان کرتے ہیں گناہ ہے اور ایسی ہی جب قرآن یا آذان یا خطبہ یا اور اذکار میں پڑھا جائے بلکہ یہ بدتر اور زیادہ برا ہے کیونکہ یہ معصیت کو عبادت میں ملاتا ہے اور دین کو کھیل بناتا ہے اور اگر اس عمل بد کو عبادت میں ملاتا ہے تو یہ دوسرا گناہ ہے جو پہلے سے بھی زیادہ برا ہے۔ رہا لحن سو وہ اس بنا پر جو صدر الشریعت کے کلام سے باب آذان میں مفہوم ہوتا ہے۔ یہ لحن کبھی تو کلمات کے تغیر سے ہوتا لحن کے معنی مراد ہے اور اس طرح کہ کوئی حرف اس کے حرفوں میں سے کم کر دے خواہ وہ حرف مد ہو یا اور کوئی یا اس طرح کہ اس میں کوئی حرف مد وغیرہ میں سے بڑھا دے اور کبھی حرفوں کے صفات کے بدلنے سے ہوتا ہے جیسے کہ کیفیات حروف میں سے کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے جیسے حرکات و سکنات اور مدات اور اس کے علاوہ ادغام کرنا اور اخفا کرنا اور حرکات کا بڑھانا اور غٹنا کا زیادہ کرنا اور اسی طرح کی باتیں جن کا شمار بہت طویل ہے اور کتب تجوید میں مذکور ہے۔ اور کبھی لحن تغنی کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی یہ سب الفاظ بول کر صرف خوش آوازی بلا تغیر لفظ مراد ہوتی ہے۔ پس اس بنا پر جب کہا جائے کہ قرآن کا لحن سے پڑھنا جائز ہے تو اس سے خوش آوازی اور عرب کا لہجہ مراد ہوگا۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھو اور عرب کے لہجہ سے ان کی طبعی آوازیں مراد ہیں یعنی محدود کا دراز کرنا اور مقصور کا قصر کرنا اور ہلکے کا ہلکا کرنا اور پُر کا پُر پڑھنا اور قابل ادغام میں ادغام کرنا اور قابل اظہار کا ظاہر کرنا اور قابل اخفا کا خفی کرنا اور اس کے علاوہ جو امور ان کے کلام کو لازم ہیں اور جو ان کا طریقہ ہے کہ اس کے غیر کو اچھا نہیں سمجھتے اور جنب یہ کہا جائے کہ قرآن کا لحن سے پڑھنا حرام ہے تو اس سے

فاسقوں کے الحان مراد ہیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ فاسقوں کے لحن سے بچتے رہو اور فاسقوں کے لحن سے وہ نعمات مراد ہیں جو قواعد موسیقی سے مستفاد ہیں۔ اس لئے کہ جو شخص یہ کرتا ہے وہ چونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے اس لئے فاسق ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ مشائخ الحان سے قرآن پڑھنے کو مباح کہتے ہیں۔ جیسا کہ بعضے فتاویٰ میں مذکور ہے اور جس صورت میں کہ اس سے وہ نعمات مراد ہوں جو علم موسیقی سے نکلتے ہیں تو بھلا کیونکر مباح کہہ سکتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں صاف ممانعت ہے۔ کہ فاسقوں کے لحن سے بچتے رہو۔

اور جس صورت میں اس سے خوش آہنی اور عرب کا لہجہ مراد ہو تو بھلا کیونکر اجازت نہ دیں کہ حضرت نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں حکم کیا ہے قرآن کو عرب کے لہجے میں پڑھو۔

اور بعضے لوگوں کو سمجھتے ہیں کہ یہ غلطی بھی ہو جاتی ہے اور اس وجہ سے وہ یہ گمان کر لیتے ہیں کہ خوش آوازی سے مراد جو قرآن پڑھنے اور نخطبہ اور آذان میں مطلوب ہے وہی تعنی ہے جو مشہور و معروف ہے لیکن ان کی اس سمجھ پر افسوس صد افسوس ہے ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ ان معنوں سے بہت دور ہیں پھر وہ لوگ اسی فعل پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ سلف صالحین کے مطعون کرنے میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی طرف ایسے فعل کو منسوب کرتے ہیں جو تمام مذہبوں میں حرام ہے۔ یعنی یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ یہ عنایت جو آجکل کیا جاتا ہے اسی کو سلف بھی کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی طرف ایسے گمان سے خدا کی پناہ مانگنی چاہیے اور جس کو ایسا پیش آیا ہو اس کو ضروری ہے کہ اس سے تو پر کرے اور خدا کی طرف رجوع کرے نہیں تو وہ تباہ ہو گا۔ کیا نہیں نہیں معلوم کہ حسن صوت اذان میں مستحب اور مقصود ہے اذان میں حسن صورت مستحب و مقصود باوجودیکہ تعنی حرام اور مکروہ ہے۔ اس کی کراہت تمام متون اور مگر تعنی حرام اور مکروہ ہے

تشریح اور فتاویٰ کی کتابوں میں مع تاکید اور تہدید کے مذکور ہے

ہے اور اس کے کرنے والے پر نبی علیہ السلام سے اور صحابہؓ اور تابعین وغیرہ اگلے اور پچھلے سب سے انکار ہی پایا گیا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا ایک مؤذن تعنی کرتا تھا تو اس کو آپ نے منع کیا اور روایت ہے کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کے واسطے دوست رکھتا ہوں۔ اس پر ابن عمرؓ نے اس کو جواب دیا کہ میں سچ سے خدا کے واسطے بغض رکھتا ہوں کہ اس لئے کہ تو اذان میں تعنی کرتا ہے۔ پس ان تمام وجوہات سے ظاہر ہوا کہ اس حدیث مذکورہ میں تعنی سے مراد وہ نہیں ہے جو مشہور تعنی کو تعنی سے معروف ہے۔ بلکہ اس سے قرآن کا ظاہر کر کے پڑھنا اور فصیح طور پر پڑھنے کے حکم سے مراد پڑھنا مراد ہے اور گویا کہ نبی علیہ السلام نے قرآن کے بلند آواز سے پڑھنے کو شعائر اسلام ہونے میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور انبیاء کی نبوت کے اقرار کا تابع ٹھہرایا ہے

جیسے کہ صحت، ایمان میں دونوں کلمہ شہادت کا ظاہر کرنا تابع ہے یا قرآن کی وجہ سے شعروں اور لوگوں کے قصہ کہانیوں سے بے نیاز ہونا اس سے مراد ہے کیونکہ تعنی اس معنی میں بھی آئی ہے اگرچہ وزن تفعیل استفعال کے معنوں میں کم آتا ہے لیکن قلت استعمال مراد ہونے کے احتمال کو مانع نہیں۔ اور اس سے مراد تجوید یا ترتیل ہے کہ یہ قرآن کی نزہت ہے اور خصوصاً جب کہ خوش آوازی سے ہو کیونکہ تعنی یعنی خوش آوازی مستحب ہے جیسا کہ

تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ تعنی قرآن میں اگر کلمات کو اپنی وضع سے نہ بدل دے بلکہ بوجہ خوش آوازی اور زینت قرأت کے اس کو آراستہ کر دے تو یہ تعنی ہمارے نزدیک نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی مستحب ہے اور اگر کلمات کو اپنی وضع سے بدل ڈالے تو نماز کو فاسد کر دیتی ہے اسلئے کہ بے منوع ہے اور تورشستی کہتے ہیں کہ اس طرح کی قرأت سننے والوں کے دلوں میں محبت کا جوش بڑھا دے اور رنج پیدا کر دے اور آنسو بہائے مستحب ہے لیکن اس وقت تک جب تک کہ تعنی قاری کو تجوید سے نہ نکال دے اور کلمات اور حروف میں نظم کی رعایت سے نہ پھیر دے اور جب یہاں تک ثوبت پہنچے تو یہ مستحب مکروہ بن جائے گا۔ پس جب یہ ثابت ہو چکا تو اب جاننا چاہیے کہ فقہاء قرآن اور اذان وغیرہ میں تعنی نے قرآن میں تعنی کی حرمت کی تصریح کر دی ہے اور اس باب میں کی حرمت وحدت کی حقیقت تشدد کیا ہے۔ باوجودیکہ بعض احادیث کے ظاہر معنوں سے جواز کا وہم ہوتا ہے۔ پس قرآن کے علاوہ اذان اور خطبہ اور اذکار وغیرہ میں باوجودیکہ اس بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں جس سے جواز کا وہم ہوتا ہو۔ نہ کوئی ظاہر حدیث نہ کسی عالم کا قول بطریق اولیٰ حرام ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اصلی ممانعت پر باقی ہیں جو ان کے اس قول سے مفہوم ہے کہ تعنی تمام دینوں میں حرام ہے۔

اگر مایسویں مجلس مؤذن کی فضیلت اور اذان مقرر ہونے کے سبب کے بیان میں

اذان میں آواز بلند کرنے کی ترغیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک جائے گی اس فاصلہ میں جو کوئی جن دانس میں سے اسل آواز کو سنیگا وہ قیامت کے دن گواہی دیگا یہ حدیث مسابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں حتی الامکان اذان میں آواز بلند کرنے کی ترغیب ہے تاکہ نزدیک دانس اور ان کے علاوہ دیگر حیوانات اور جمادات بھی قیامت کے روز گواہ ہو جائیں کیونکہ مؤذن جس قدر زیادہ آواز بلند کرے گا اسی قدر قیامت کے دن اس کے گواہ زیادہ ہوں گے اور لالیسع مدی صوتہ اس لئے مؤذن کی گواہی اندرمایا ہے کہ مدی صوتہ انتہائی آواز کو کہتے ہیں اور انتہائی آواز یقیناً بہت جھنی

ہوتی ہے تو جب اس کی گواہی وہ چیزیں دیں گی جو اس سے دور کی ہونگی اور اس کی آواز کی صرف گنگناہٹ وہاں پہنچی ہے تو جو چیزیں قریب ہیں اور جنہوں نے آواز اچھی طرح سنی ہے وہ بطریق ادلی گواہی دیں گی اور قیامت کے دن اس کے لئے گواہ ہوں گی۔ اور گواہی سے اس روز محشر کے گواہی سے مراد فضیلت و اسامیٰ اس کی فضیلت اور بلند مرتبہ کی گواہی دلا نا مراد ہے۔ کیونکہ بلند مرتبہ کی گواہی ہے اللہ تعالیٰ جس طرح بعض لوگوں کو قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے فضیلت کرنے اور ان کا منہ کالا کرنے کے لئے ان کے حق میں گواہوں کی پُری گواہی دلا کر ذلیل کرنے کا اسی طرح بعض لوگوں کو اس روز گواہوں کی اچھی گواہی سے ان کی خوشی پوری کرنے اور دل خوش کرنے کے لئے باعزت کرے گا جس سے ان لوگوں کی فرحت اور سرور ان گواہوں کی کثرت سے زیادہ ہو جائے گی۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ اذان ذکر ہے اور اذکار کا پوشیدہ کرنا ہی اصل ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور یاد کر اپنے رب کو دل میں گڑ گڑا کر اور ڈر کر جیسا کہ تم بات چیت میں تم بولتے ہو اس سے کہ "اور نیز یہ حدیث کہ نبی علیہ السلام نے جو اس شخص کو جو بلند آواز سے ذکر کرتا تھا فرمایا تو نہ کسی بہرے کو پکار رہا ہے نہ کسی غائب کو بچہ آذان میں جہر کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ اذان اگرچہ ذکر ہے اور ذکر دل میں اخفاصل ہے لیکن اذان میں ایک ایسی بات ہے جس کی وجہ سے پکار کر کہنا ہی اصل کے برخلاف واجب ہے اور وہ بات اذان سے نماز کے اوقات کی اطلاع کرنا ہے اور اسی زائد بات نے اس میں اصل حکم کے خلاف ایک عارضی حکم یعنی پکار کر کہنا واجب کر دیا ہے۔ کیونکہ اذان سے جہر کے بغیر اطلاع نہیں ہو سکتی اور اس اذان میں جہر کے اصل ہونے کی وجہ کو تم یوں سمجھو کہ اذان اگرچہ ذکر ہے جس میں اخفا واجب ہے لیکن اس میں اخفا ایک قوی مانع کی وجہ سے ممنوع ہو گیا اور وہ مانع اذان کا اعلام ہوتا ہے کیونکہ جہر کے بغیر اعلام ممکن نہیں اور کسی ایسی علت کا پایا جانا حکم کسی خاص طریقہ پر واجب کوئی ہو کسی ایسی دوسری علت کو پائے جانے کو مانع نہیں ہے جس سے کوئی ایسا حکم ثابت ہو جو علت اول کے ثابت کردہ حکم کے مخالفت ہو بلکہ اذان کو اذان کہنا ہی اذان میں جہر واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اذان کے معنی لغت میں مطلق اعلام کے ہیں اور شریعت میں ایک خاص اعلام کو ایک خاص طریق اور خاص الفاظ سے ادا کرنے کو کہتے ہیں اور یہ اور پر گزر چکا ہے کہ بدون جہر ہونا محال ہے بلکہ سبب اذان بھی اس میں جہر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے مسجد بنائی تو صحابہؓ سے اوقات نماز سبب اذان اور تیاری جماعت کی علامت کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا مقرر کیا جائے تو اس پر کسی نے کہا کہ ناقوس بجایا جائے اور اس کو آپ نے یہ فرما کر رد کر دیا کہ یہ نصاریٰ کا

طریقہ ہے۔ کسی نے رائے دی کہ سینکھ بجایا جائے اور اس کو آپ نے یہ فرما کر روک دیا کہ یہ یہود کا طریقہ ہے۔ کسی نے آگ جلانے کا ذکر کیا اور اس کو آپ نے یہ فرما کر کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے روک دیا۔ پھر یہی اختلاف رہا کہ کسی ایک بات پر اتفاق نہ ہوا اور اس مجمع میں عبداللہ بن زید انصاری بھی تھے سوان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر کی وجہ سے بڑی سخت فکر ہوئی کہ اس راستہ کو انہوں نے کھانا بھی نہ کھایا اور مغموم سو رہے جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہہ کر یا رسول اللہ میں کچھ سوتا اور جاگتا تھا کہ میں نے اتنے میں آسمان سے ایک اترنے والے کو دیکھا جو دو سبز چادریں اڑتے ہوئے تھا۔ پھر وہ گھر کی دیوار پر رو بقیہ ہو کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اللہ اکبر اللہ اکبر اذان کی آواز عبادت تک اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خواب سچ ہے اور جو تم نے دیکھا ہے بلال کو سکھا دو کہ بلال تم سے بلند آواز میں سو میں نے ان کو سکھا دیا اور انہوں نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر اذان دی۔ عمر بن الخطاب نے اس کو اپنے گھر میں سے سنا تو چادر کھینچتے ہوئے گھر سے نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نے بھی یہی دیکھا ہے جو بلال نے کہا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قلنا الحمد۔

اور روایت سے ثابت ہے کہ اس رات کو صحابہ میں سے گیارہ لوگوں نے یہی خواب دیکھا تھا جو عبداللہ بن زید نے روایت کیا ہے۔ پس چونکہ اذان کا مشروع ہونا اس خواب سے ثابت اذان شعار اسلام میں سے ہے اہو ہے جس کے حق ہونے کی نبی علیہ السلام نے گواہی دی ہے اس کے ترک پر جہاد لازم ہے لہذا یہ شعار اسلام میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی شہر یا گاؤں یا محلہ والے اذان چھوڑ دینے پر اصرار کریں تو اول امام وقت ان کو اذان دینے پر مجبور کرے اور اگر نہ مانیں تو جہاد کرے کیونکہ اذان جب اعلام دین سے ہے تو اس کے ترک پر اصرار کرنا دین کا استخفاف ہے جس کے لئے جہاد لازم ہے۔

اور انس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ جب صبح ہوتی تو اذان کی طرف کان لگاتے اگر اذان کی آواز سنتے تو رک جاتے ورنہ حملہ کرتے۔ یعنی نبی علیہ السلام جب کفار پر غارتگری کا ارادہ کرتے تو آپ کی یہ عادت تھی کہ راستہ کو روانہ ہوتے اور جب کسی ایسے شہر پر پہنچتے جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو صبح تک منتظر رہتے اور اذان کی طرف کان لگاتے تاکہ معلوم ہو کہ یہ مسلمانوں کا شہر ہے یا کفار کا پس اگر اذان سن لیتے تو غارتگری سے باز رہتے اور اس کو چھوڑ دیتے اور اگر اذان نہ سنتے تو غارت کرتے۔ پس یہ حدیث اذان کے اعلام دین ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی کے ساتھ اکثر مشائخ کے نزدیک اذان اور کبیر سنت ہوگدہ ہے اس سے اذان کا واجب ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

لیکن اکثر مشائخ کے نزدیک اور بھی صحیح بھی ہے تا یہ ہے کہ اذان سنت مؤکدہ ہے اور ایسی ہی تکبیر بھی پانچوں نمازوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ بشرطیکہ باجماعت ہوں اور ہوں یا قضا اور جمعہ کے لئے بھی کیونکہ جمعہ فرض ہے۔ واجب نماز کے لئے جیسے وتر اور عیدین کی نماز یا سنتوں کے واجب نماز کے لئے واسطے جیسے تراویح یا نفلوں کے واسطے جیسے سورج گہن اور استسقاء کی اذان و تکبیر سنت نہیں نماز کے لئے سنت نہیں ہے۔ اگرچہ یہ سب نمازیں باجماعت پڑھی جائیں اور فجر کی اذان میں مؤذن کو حی علی الفلاح کے بعد الصلوٰۃ خیر من النوم دو بار زیادہ کرنا فجر کی اذان میں زیادتی چاہیے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت بلالؓ بنی علیہ السلام کے پاس آئے الفناظ اور اس کی وجہ تو آپ کو سوتے پا کر انہوں نے الصلوٰۃ خیر من النوم کہا۔ اس پر بنی علیہ السلام نے فرمایا کیا خوب بات ہے اس کو اپنی اذان میں بھی داخل کر لو فجر کے ساتھ یہ جملہ اس لئے مخصوص ہے کہ فجر چونکہ نیند اور غفلت کا وقت ہے اسلئے اس میں زیادہ تنبیہ کی حاجت ہے اور تکبیر بھی اذان ہی کی طرح ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ تکبیر میں حی علی الفلاح کے بعد قن قامت الصلوٰۃ دو مرتبہ زیادہ کرے۔ نیز یہ کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر پڑھے اور تکبیر جلدی جلدی۔ کیونکہ تکبیر اور اذان میں فرق روایت ہے کہ بنی علیہ السلام نے بلالؓ سے فرمایا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کرو اور تکبیر جلدی اور ترسیل یہ ہے کہ اذان کے کلمات میں ایک سکتہ کا فرق کرنا جائے اور حد یہ ہے کہ تکبیر کے کلمات کو جلد از جلد ملاتا جائے اور اعراب یعنی حرکات کو دونوں میں ٹرک کر دے جیسا کہ ابراہیم نخعیؒ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں صرف جزم ہی سے ثابت ہیں اذان اور تکبیر کے کہ عرب لوگ ان کو اعراب نہیں دیتے تھے۔ یعنی اذان اور تکبیر زلیعیؒ نے آخری حرفوں پر جزم ہے کہا ہے کہ ابراہیم نخعیؒ کی جزم سے ثابت ہونے سے مراد ان کا موقوف ہونا ہے۔ ہاں اذان میں تو حقیقتہً وقف ہے اور تکبیر میں وقف کی نیت کر لے اور یہ ہر وہی کا منقولہ ہے اور عوام لوگ یوں کہتے ہیں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر پہلے رار کے ضمہ کے ساتھ اور ابو العباس مبردا اجتماع ساکنین کی وجہ سے دوسرے اللہ کا الف کا فتح رار کو دے کر زبر سے پڑھتا ہے جیسے اس آیت میں میم مفتوح ہوتا ہے۔ الحمد للہ لا الہ الا هو باوجودیکہ حروف مقطعات میں سکون ہی اصل ہے۔ اور کلمات اذان کو اسی ترتیب سے کہے جس طرح مشروع ہے یہاں تک کلمات اذان و تکبیر کی ترتیب کہ اگر کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کر دیا تو ترتیب کی رعایت کے لئے دہرانا بہتر ہے اور دونوں کے درمیان میں بولنا نہیں چاہیے اور دونوں میں قبلہ رخ ہو جائے اذان اور تکبیر میں قبلہ رو ہونا اور اذان میں دونوں پیر اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے حی علی الصلوٰۃ کہنے کے وقت داہنی طرف منہ پھیر لے اور حی الفلاح کہنے کے وقت بائیں طرف کیونکہ

اذان کا اول اور آخر مناجات ہے اور اس کے بیچ میں پکارنا ہے۔ لہذا حالت مناجات میں رو بقبلہ رہے کیونکہ یا واللہ کرنے والوں کی سب سے اچھی حالت رو بقبلہ ہوتا ہے اور پکارتے وقت ان کی طرف منہ پھیرے جن کو پکارتا ہے کیونکہ یہ چونکہ خطاب ہے اس لئے ان کی طرف توجہ بھی کرے اور اگر منارہ کے اندر ہو اور دونوں پیرجمائے رکھ کر منہ پھرانے سے پورا فائدہ حاصل نہ ہو تو اس کے اندر گھسوم جائے اور اپنی دونوں انگلیاں اذان کہتے ہوئے کانوں میں رکھ لے جیسا کہ روایت اذان میں کانوں پر انگلیاں رکھنے کی ضرورت ہے کہ نبی علیہ السلام نے بلالؓ کو فرمایا کہ اپنی دونوں انگلیاں دونوں کانوں میں رکھ لو کہ اس سے تمہاری آواز بلند ہو جائے گی اور اگر انگلیاں کانوں میں نہ رکھے بلکہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لے۔ تو بھی بہتر ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ ابو محذورہ نے اپنی چاروں انگلیاں کانوں پر رکھ لیں تھیں اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں اگر اپنا صرف ایک ہاتھ اپنے کان پر رکھ لے تو بھی اچھا ہے۔ اور کسی نماز کے لئے قبل از وقت اذان نہ کہے قبل از وقت اذان کا حکم نہیں اور اگر کہہ لی ہو تو وقت ہو جانے پر دوبارہ کہے کیونکہ اذان وقت آجانے کی اطلاع کے لئے ہے اور وقت سے پہلے اذان دینا تو غلطی میں ڈالنا ہے، نہ کہ اطلاع دینا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہی قول امام شافعیؒ کا بھی ہے فجر کے لئے رات کے نصف آخر میں اذان جائز ہے کیونکہ اہل حریم یعنی مکہ مدینہ والوں کا اسی پر عملدرآمد ہے اور ان حضرات کے مقابلہ میں بہاری دلیل حضور علیہ السلام کا حضرت بلالؓ کو یہ ارشاد ہے کہ اذان اس وقت تک مت دینا جب تک تم کو فجر اس طور پر نہ ظاہر ہو جائے۔ اور آپ نے پھر اپنا ہاتھ عرض میں کھینچا اور چونکہ امور دینی میں آجکل سستی ظاہر ہونے لگی ہے اس لئے متاخرین علماء نے مغرب کے سوائے تمام منادوں میں اذان اور تکبیر کے درمیان تشویب کو بھی مستحسن تشویب اور اس کا حکم کہا ہے اور تشویب ایک دفعہ آگاہ کرنے کے بعد ہر ایک قوم کے دستور اور اصطلاح کے موافق دوبارہ آگاہ کرنے کو کہتے ہیں اور چونکہ تشویب اعلام میں مبالغہ کا نام ہے۔ اس لئے اس صورت کے بغیر جس کا ان میں دستور ہو حاصل نہیں ہو سکتا اور امام ابو یوسفؒ تشویب کو اس شخص کے واسطے مخصوص کرتے ہیں جو مسلمانوں کے کام میں لگا رہتا ہو۔ جیسے حاکم اور قاضی اور مفتی کیونکہ ان کو حاضری کا وقت معلوم نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ اذان سنتے ہی چلے آئیں اور جماعت تیار نہ ہو تو انتظار کرنا ہوگا جس سے مسلمانوں کے کاروبار ملتوی رہیں گے اور مؤذن کو چاہیے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا کرے اذان اور اقامت کے درمیان فاصلہ دونوں کا متصل کہنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ اذان سے مقصود لوگوں کو وقت مناد آجانے کی اطلاع کرنا ہے تاکہ نماز کی طہارت کر کے تیاری

کریں اور مسجد میں نماز پڑھنے آئیں اور دونوں کے بلا دینے میں یہ عرض نہیں رہتی اور فصل اذان اور اقامت میں فصل کا طریقہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر نماز ایسی سے کہ کسکس سے پہلے نفلیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے بیچ میں نماز پڑھنے لگے خواہ سنت ہو خواہ اور کچھ۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہر دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے ہر دونوں اذانوں کے درمیان میں نماز ہے۔ پھر تیسری مرتبہ فرمایا جو شخص پڑھنا چاہے اور دونوں اذانوں سے مراد تغلیباً اذان اور تکبیر ہیں اور نماز سے مراد نفل ہے خواہ سنت ہو یا اور کوئی نفل فرض مراد نہیں ہے اور اس کی دلیل نبی علیہ السلام کا تیسری مرتبہ اپنے اس قول میں سنا سے اختیار دینا ہے اور اس میں اذان اور تکبیر کے درمیان نفل پڑھنے کی ترغیب ہے۔ کیونکہ اذان اور تکبیر کے درمیان وعادہ نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت انس سے روایت ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان وعادہ نہیں ہوتی اور جبکہ اذان اور تکبیر کے درمیان وعادہ نہیں ہوتی تو عبادت ان کے درمیان افضل ہوگی۔

اور اگر ان کے بیچ میں نماز سے فاصلہ نہ کرے تو دونوں کے درمیان ایک جلسہ سے فرق کر دے جس کی مقدار بیس آیتوں کی تلاوت کرنے یا چار رکعت پڑھنے کے برابر ہو کیونکہ مقصود جو کچھ ہے وہ اس سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اور اگر وہ نماز ایسی ہو جس کے پہلے نفلیں نہیں پڑھی جاتیں جیسے مغرب کی نماز سو امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک دونوں کے درمیان میں اتنی دیر خاموشی رہے جتنے میں تین چھوٹی یا ایک بڑی آیت پڑھی جاسکے اور ایک روایت امام سے یہ ہے کہ اتنی دیر بٹھیرے جس میں تین قدم چل سکیں۔ پھر تکبیر کہے کیونکہ تعجیل کا حکم ہے اور دیر لگانا مکروہ ہے۔ اس لئے کم از کم فاصلہ ہی پر اکتفا کریں گے تاکہ تعجیل کے قریب قریب رہے اور صاحبین کے نزدیک ان دونوں میں تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے کیونکہ دونوں کو ملا دینا مکروہ ہے۔

اور سکتے سے کچھ فصل نہیں ہوتا۔ سکتے تو اذان کے کلمات میں بھی موجود ہے۔ لہذا اتنی دیر بیٹھنا چاہیے جتنی دیر خطیب دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھتا ہے۔ اور قضا نماز بھی اذان اور اقامت قضا نمازوں کیلئے اذان و اقامت کا حکم سے پڑھی جائے۔ اس لئے کہ اذان و اقامت نماز کی سنتیں ہیں۔ وقت کی سنتیں نہیں ہیں۔ پس اگر ایک ہی نماز قضا ہوئی ہو تو اذان اور تکبیر دونوں کے ساتھ قضا پڑھیں تاکہ قضا ادا ہی کے طریقہ پر ہو جائے اور یہ تو روایت سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے یسیرہ التعمیر کی صبح کو فجر کی نماز جماعت اور اذان اور تکبیر دونوں کیساتھ قضا کی تھی اور اگر کسی نماز میں قضا ہو گئی ہوں اور سب کو لگاتار قضا کرنا چاہے تو پہلی کے لئے اذان اور تکبیر دونوں کہے اور باقی نمازوں کے لئے مختار ہے چاہے اذان اور تکبیر دونوں کہے تاکہ قضا ادا

کے موافق ہو جائے اور چاہے اقامت پر ہی اکتفا کرے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو مشرکوں نے جنگ خندق میں جب نماز فجر کے سوا چار نمازوں کی فرصت نہ دی تو آپ نے پہلی نماز تو باجماعت اذان اور تکبیر دونوں کے ساتھ قضا کی اور بقیہ صرف تکبیر سے ادا کیں اور مسافر جنگل میں مسافر کے لئے اذان و تکبیر اذان اور تکبیر دونوں سے نماز پڑھا کریں اور ان کو دونوں کا پھوڑ دینا مکروہ سے نماز پڑھنے کا حکم ہے کیونکہ یہ دونوں جماعت کی سنتیں ہیں اور سفر نہ جماعت کو ساقط کرتا ہے اور نہ اس چیز کو ساقط کرتا ہے جو جماعت کی سنت ہے اور اگر مسافر فقط تکبیر ہی پر اکتفا کریں اور اذان نہ کہیں تو مکروہ نہیں کیونکہ اذان وقت آجانے کی خبر دینے کے واسطے ہے تاکہ غائب لوگ حاضر ہو جائیں اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں جا بجا مشرق میں جمع ہو جائیں اور سفر کے رفتی چونکہ حاضر اور اپنی فرودگاہوں میں جمع ہوتے ہیں اس لئے ان کے جمع کرنے اور بلانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی تکبیر سودہ نماز شروع ہو جانے کی اطلاع کے لئے ہے اور اس کی حاجت ان کو ہے بلا اذان اور اقامت نماز پڑھنے اور فرض نماز جماعت سے مسجد میں بدون اذان اور تکبیر کے ادا کرنا مکروہ میں مکروہ ہونے کی صورتیں ہے اور گھروں کے اندر اور باغیچوں میں یا آبادی سے باہر کسی اور جگہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ شہر اور بستی کی اذان اور تکبیر ان کو کافی ہے۔ اور شہر کے اندر مقیم اگر تنہا اپنے گھر میں نماز پڑھے تو اس کو مناسب ہے کہ اذان اور تکبیر سے پڑھے۔ تاکہ ادا جماعت کی وضع پر ہو اور اگر اس نے دونوں کو ترک کر دیا تو مکروہ نہیں ہے بشرطیکہ محلہ کی مسجد میں ہوتی ہوں کیونکہ اس نے اگرچہ حقیقت میں بدون اذان اور تکبیر کے نماز پڑھی ہے لیکن حکماً اس نے اذان اور تکبیر ہی سے پڑھی ہے۔ کیونکہ موذن محلہ میں اذان اور تکبیر کے بارہ میں اہل محلہ کا مناسب ہوتا ہے اس لئے کہ انہوں نے اسی لئے اس کو مقرر کیا ہے تو اب اس کی اذان اور تکبیر ایسی ہے جیسے سب کی اذان اور تکبیر اور یہی وجہ ہے کہ جب ابن مسعود نے اپنے گھر میں غلطی سے اور اسودہ کے ہمراہ نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور کسی نے ان سے کہا کہ اذان اور تکبیر کیوں نہیں کہتے تو انہوں نے جواب دیا کہ محلہ کی اذان ہمارے لئے کافی ہے۔

اور مسافر اگر جنگل میں اکیلا بدون اذان اور تکبیر کے نماز پڑھے تو یہ اس کو مکروہ ہے۔ اس لئے کہ ایسی حالت میں وہ حقیقتاً بھی اور حکماً بھی اذان اور تکبیر کے بغیر نماز پڑھ رہا ہے کیونکہ جس جگہ وہ ہے وہاں ایسا کوئی نہیں جو اس نماز کیلئے اذان اور اقامت کہے۔

اور مسجد میں نماز پڑھنے والا اگر جماعت سے نماز پڑھے تو اذان اور تکبیر سے نماز پڑھے اور دونوں کا ترک کرنا اس کو مکروہ ہے اور اگر تنہا نماز پڑھے تو پھر اس کا وہی حکم ہے جو اپنے گھر میں نماز پڑھنے والے کا حکم ہے۔

رہے گاؤں اور دیہات سوان میں اگر مسجد ہو اور اس مسجد میں اذان اور تکبیر بھی ہوتی ہو تو مسجد میں نماز پڑھنے یا اپنے گھر میں پڑھنے والے کا وہی حکم ہے جو گزر چکا۔

اور اگر ایسی مسجد نہ ہو تو پھر وہاں نماز پڑھنے والے کا وہی حکم ہے جو مسافر کا حکم ہے۔ پھر یہ بات بھی جانتا ضروری ہے کہ اذان میں لحن اور تغنی کا نہ ہونا ہی سنت ہے کیونکہ اذان سے مقصود وقت آجانے اذان میں لحن اور تغنی کی کی خبر دے کر مخلوق کو نماز کے لئے بلانا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اذان ممانعت اور اس کی وجہ اس طرح ہو جس سے الفاظ کو سننے والا سمجھ لے۔ تاکہ صحیح علی الصلوٰۃ صحیح علی الفلاح

کئے کا کچھ فائدہ ظاہر ہو کیونکہ ان کلمات کے معنی یہ ہیں کہ جلد آؤ نماز کے لئے جلد آؤ نماز کے لئے جلد آؤ ایسے کام کے لئے جس میں آگ سے تمہاری نجات ہے اور جنت میں ہمیشہ کو رہنا ہے لیکن یہ سنت اس زمانے میں اکثر شہروں میں بدل ڈالی گئی ہے اور اس طرح نئے نئے لغات اور الحان سے اذان کہتے ہیں کہ نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ الفاظ اذان میں سے کیا کہتے ہیں اور نہ مزار کی آواز کی طرح کہ کبھی بلند ہو جاتی ہے اور کبھی لپٹ اور کچھ سمجھ میں آتا ہے اور یہ طرز جیسا کہ مدخل میں ذکر ہے، بدعت قبیحہ ہے۔ سب سے اول اس کی ابتدا تو کسی امیر نے اپنے بنا کر وہ مدرسہ میں کی تھی لیکن پھر وہاں سے کسی اور جگہ بھی پھیل گیا۔ پھر ان لوگوں نے تغنی کی حرص کے مارے اذان ہی کے الفاظ پر اکتفا نہ کر کے اذان پر نبی علیہ السلام پر درود اور تسلیم کے لہجے اور کلمات بھی بڑھا لئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ درود اور تسلیم اگرچہ کتاب اور حدیث سے صراحتاً ثابت ہے اذان کے ساتھ نبی علیہ السلام پر درود اور سب سے بڑی اور بہتر عبادت ہے لیکن اذان کے اندر کے الفاظ کی زیادتی کا شرعی حکم منارہ کے اوپر اس کی عادت کر لینا شرع سے ثابت نہیں اس لئے کہ اس کو نہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین میں سے کسی نے کیا ہے اور نہ پیشوایان دین میں سے کسی اور نے کیا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ عبادت کو ان مقامات کے سوا جہاں شرع نے ان کو مقرر کیا ہے اور جس کو سلف کرتے چلے آئے ہیں کسی اور وقت یا جگہ میں مقرر کرے۔ دیکھو قرآن کی تلاوت باوجودیکہ سب سے بہتر عبادت ہے لیکن مکلف کو یہ جائز نہیں کہ رکوع سجود یا تعدہ میں پڑھے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تلاوت کا محل نہیں ہے۔ پھر اس بدعت کو تو دیکھو جس کو ان لوگوں نے اذان میں ایجاد کیا ہے۔ یعنی لغات اور الحان کہ اس کی وجہ سے ایک اور حرام کی طرف تکبیرات انتقالات ہیں کیونکہ بڑھ گئی ہے۔ یعنی یہ لوگ لغات کو نماز کے اندر بھی تکبیرات انتقالات لحن و تغنی کا فساد کی تبلیغ کے وقت کیا کرتے ہیں اور نماز کے اندر ایسا کہ تا عمداً کلام کرنا ہے جس سے ان کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور جب خود ان کی نماز باطل ہو گئی تو اس کا یہ فساد ان لوگوں تک بھی پہنچے گا جو تکبیر تحریمہ اور تکبیرات انتقالات ان لوگوں سے سنکر امام کی اقتدا کرتے ہیں

کیونکہ مقتدی کی اقتدا چار چیزوں میں سے ایک چیز کے بغیر صحیح نہیں ہے اور اگر ان میں سے کوئی بھی نہ پائی جائے گی۔ اقتدانہ ہوگی۔ سب سے اول افضل یہ ہے کہ مقتدی امام کے افعال خود دیکھتا ہو اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دوسری صورت یہ کہ امام کی آواز سنتا ہو اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو تیسری صورت یہ کہ اور مقتدیوں کے افعال دیکھتا ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر چوتھی صورت یہ کہ مقتدیوں کی آواز سنتا ہو۔ لہذا یہ لوگ اس وجہ سے کہ نعمات کی وجہ سے ان کی نماز باطل ہوگئی ہے۔ مقتدی بزرے اور مقتدی کا ایک رکن سے دوسرے رکن میں ایسے لوگوں کی آواز سن کر اپنے امام کے افعال دیکھنے اور اس کی آواز سننے کے بغیر اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی اور یہاں ایک اور مفندہ بھی ہے اور وہ یہ مکتبہ کی ایک بے احتیاطی کا مفندہ ہے کہ امام جب تکبیر کہہ کر نماز میں داخل ہو جاتا ہے تو امام کے پیچھے کہ قبل اس کے کہ خود نماز میں داخل ہوں تکبیر کہہ دیتے ہیں تاکہ اور لوگ ان کی تکبیر سن کر نماز میں داخل ہو جائیں۔ پس جو کوئی ان کی تکبیر پر بدون امام کی تکبیر سننے کے تکبیر تحریر کہے گا۔ اس کی نماز میں اس وجہ سے بھی خلل رہے گا۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ اقتدا چار چیزوں میں سے ایک کے بغیر صحیح نہیں ہوتی اور یہ ان چاروں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

الہی سنت پر عمل کرنا اور بدعت سے اجتناب کرنا ہم پر آرا ان فرما۔

انچاسویں مجلس جمعہ کی فضیلت اور روز جمعہ کے تمام ایام پر افضل

ہونے کے بیان میں

جمعہ کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سب سے اچھا دن دن جس میں آفتاب نکلتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں آدم پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی میں جنت سے نکلے اور جمعہ کے سوا کسی اور دن قیامت ہوگی۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جمعہ کا دن سب دنوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اسی میں آدم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور اسی میں جنت میں داخل ہوئے اور اسی میں جنت سے نکلے۔ اب اگر اس پر کوئی یہ کہے کہ آدم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخل ہونا تو بہتر اور نیک ہے لیکن ان کا جنت سے نکلنا کیونکہ اچھا اور خوب ہو سکتا ہے تو جواب یہ ہے کہ ان کا جنت سے نکلنا بھی بہت سے فائدوں اور خوبیوں کو شامل ہے اور مصابیح بہتر اور خوب ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے جنت سے نکلنے ہی کی وجہ سے ان سے بہت سی اولاد پیدا ہوئی اور آگے کو نسل پائی اور اللہ تعالیٰ نے انہی کی نسل میں

سے ان کی اولاد پر نبی بھی بھیجے اور کتابیں بھی نازل کیں اور انہی میں سے صلحاء اور نیک لوگ بھی بنائے جن سے پسندیدہ عبادتیں اور رعایت کے قابل طاعتیں ظہور میں آئیں اور یہ سب باتیں شریکتر ہیں جو بہشت سے نکلنے ہی سے ہوئیں لہذا اس بنا پر جمعہ کا دن سب دنوں سے بہتر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس سے دین اسلام کو عظمت دی اور تمام خلق میں سے سے **کاحکم اور مسلمانوں کی تخصیص** مسلمانوں ہی کے لئے اس کو خاص کیا۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ وہ دن ہے جو اگلی امتوں پر فرض تھا لیکن وہ لوگ اس کے بارے میں مختلف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت کی اور اس بارے میں لوگ ہمارے تابع ہیں۔ یہ وہ ایک دن بعد اور نصاریٰ دو دن بعد یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا کہ جمعہ کے دن جمع ہو کر عبادت کر کے اس کی بزرگی کا اظہار کریں لیکن اس کو معین نہیں کیا بلکہ یہ حکم دیا کہ خود اپنے اجتہاد سے معین کر لیں لہذا ان میں اختلاف ہو گیا۔ یہود تو کہنے لگے کہ وہ یوم مامور بہ شنبہ کا روز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شنبہ کے روز تمام مخلوقات کی پیدائش سے فراغت پائی اور ہم بھی اس دن دنیا کے کاروبار سے فراغت پاتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور نصاریٰ کہنے لگے کہ وہ یوم مامور بہ یک شنبہ کا روز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی دن مخلوقات کی پیدائش کی ابتدا کی ہے اس لئے اسی دن کی تعظیم اولیٰ ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ہدایت کی اور ٹھیک سمجھنے کی توفیق دی یہاں تک کہ جمعہ کی تعیین کی۔

نمائے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنوں میں تو صرف وہ چیزیں پیدا کیں جن سے انسان فائدہ اٹھائے اور جمعہ کے دن خود انسان کی ذات کو پیدا کیا اور نعمت وجود کی شکرگزاری بہت ضروری اور سب سے مقدم ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس دن میں شکر کی کیفیت بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان ہو۔ اللہ کی یاد کو دوڑو اور بیح و فروخت چھوڑ دو۔ سو اللہ تعالیٰ نے اول تو اس آیت میں جمعہ کی طرف سعی کا امر فرمایا اور پھر اس کے بعد دنیاوی کاروبار میں جو جمعہ کی طرف سعی سے روکتے ہیں مشغول نہ ہونے کا حکم کیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ نبی علیہ السلام نے جمعہ کی نماز ترک کرنے کا انجام فرمایا ہے کہ وہ لوگ جو جمعہ کی نماز کو چھوڑ دیتے ہیں چھوڑنے سے باز آ جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا جس سے وہ بالکل غافل ہو جائیں گے۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں بیان فرمایا کہ دونوں بات میں سے ایک ضرور ہونے والی ہے۔ جمعہ ترک کرنے سے باز آنا یا اللہ کا ان کے دلوں پر مہر لگانا جس سے وہ اور غافل ہو جائیں گے۔ کیونکہ آدمی جب کوئی حکم احکام الہی میں سے ایک بار ترک کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے اور جب دوبارہ ترک کرتا ہے تو دوسرا سیاہ داغ پڑ جاتا

ہے اور اسی طرح داغ پڑتے پڑتے سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر غفلت چھا جاتی ہے اور موت اور گور میں جانے کو بھول کر فسق و فجور میں عزت تاب ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس نے توبہ کا اثر | توبہ کر لی اور ان چیزوں کے ترک کرنے سے باز آ گیا جن کا حکم تھا تو وہ داغ اس کے دل سے ایک ایک کر کے دور ہونے لگتے ہیں جس سے وہ گناہ کرنے سے متنفر ہو جاتا ہے اور اولیٰ مامورات میں مشغول ہو جاتا ہے جن میں سے ایک جموعہ کی نماز بھی ہے۔ کیونکہ جموعہ کی نماز فرض ہے اور اسکی جموعہ کی نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت | فرضیت قرآن اور حدیث اور اجتماع امت سے ثابت ہے قرآن، سنت اور اجتماع سے ثابت ہے | قرآن کی تو یہ آیت ہے "اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو"۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر الہی کے لئے سعی کا امر فرمایا ہے اور امر واجب کے لئے ہوتا ہے۔ اور ذکر الہی سے مراد خطبہ ہے اور خطبہ نماز جموعہ کی صحت کی شرط ہے۔ پھر جب خطبہ کے لئے سعی جو نماز جموعہ کی صحت کی شرط ہے واجب ہوئی تو مقصود اصل یعنی نماز جموعہ کیلئے بطریق اولیٰ واجب اور سزا دار ہوگی

پھر اللہ تعالیٰ نے اس جواز کی تاکید کے لئے بیع مباح کے چھوڑ دینے کا بھی امر کیا اور یہ فرمایا اور ترک کر دینے کو اور اس قدر تاکید امر واجب کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہو سکتی۔

رہی حدیث سودہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے کہ خوب جان لو اللہ تعالیٰ نے آج کے دن اور اس مہینہ اور اس جگہ تم پر جمعہ فرض کیا ہے۔ اس کے بعد جو کوئی شخص امام کی موجودگی میں خواہ وہ ظالم ہو یا عادل اس کے حق کو خلیف اور اسکو حقیر سمجھ کر ترک کرے گا خوب سمجھ لو اور خبردار ہو جاؤ کہ نہ اللہ اس کو پریشانی سے نجات دے گی اور نہ اس کی نماز قبول ہوگی نہ زکوٰۃ مقبول ہوگی نہ اسکا روزہ مقبول ہوگا ہاں جو شخص توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے گا۔

اور اجتماع امت یہ ہے کہ تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج کے دن تک اس کی فرضیت پر متفق ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف اس بات میں ہے کہ فرض اصلی آیا ظہر ہے یا جمعہ اور بہر حال کچھ بھی ہو فرض دو نول میں سے ہر ایک کے ادا کر لینے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور نماز جمعہ کے لئے کسی ایسی شرطیں ہیں جو اور نمازوں کی شرطوں سے زیادہ وجوب نماز جمعہ کے لئے شرطیں ہیں اور وہ سب بارہ شرطیں ہیں۔ ان میں سے چھ کا تعلق تو متصلی سے ہے اور یہی چھ نماز جمعہ کی وجوب کی شرطیں ہیں اور اس کے ادا اور صحت کی یہ شرط نہیں ہیں اول شرط مرد ہونا ہے۔ لہذا عورت پر واجب نہیں ہے اور دوسرے میتم ہونا ہے۔ اس لئے میما فر پر فرض نہیں ہے اور جو شخص جمعہ کے دن شہر سے باہر ہو وہ بھی مسافر کے حکم میں ہے۔ تیسرے آزاد ہونا ہے اور اس وجہ سے غلام پر بالاتفاق واجب نہیں ہے اور مکاتب اور ماذون اور اس

غلام کے حق میں جو جامع مسجد کے دروازے پر اپنے آقا کے گھوڑے کی حفاظت کرنے کیلئے حاضر ہو اختلاف ہے۔ چوتھے صحیح و سالم ہونا پس بیمار پر واجب نہیں جبکہ جمعہ میں جانے سے بیماری کے بڑھ جانے یا دیر میں صحت ہونے کا خوف ہو اور اسی طرح پیر فرقت کا حکم ہے جو چلنے میں ناتواں ہو پانچویں آنکھوں کی سلامتی ہے لہذا اندھے پر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک واجب نہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک اگر کوئی لے جانے والا مل جائے تو واجب ہے۔ چھٹے دونوں پیروں کی سلامتی۔ لہذا لنگے پر واجب نہیں۔ اگر ایسا شخص مل جائے جو اپنے اوپر لاڈ کر جمعہ میں لے جائے اور تیماردار بھی اگر وہ چلا جائے تو مریض کو نقصان و تکلیف ہو بیماری کے حکم میں ہے۔ حیران رہ جائے اور تیمارداری ابھی ایسا عذر ہے جس سے جمعہ میں نہ جانا مباح ہے۔ ایسے ہی کسی ظالم وغیرہ کا خوف اور بارش اور برت اور کیمچر وغیرہ امور جمعہ کو نہ جانے کو مباح کرتے ہیں لہذا وہ لوگ جن میں یہ سب شرطیں پائی نہ جائیں ان پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر جمعہ میں آگے اور پڑھ لیا تو وقتی فرض کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔ اور ان میں چھ شرطیں غیر مصلی سے تعلق رکھتی ہیں اور

ادائے جمعہ و صحت جمعہ کی شرطیں | یہی چھ شرطیں ادائے جمعہ اور صحت جمعہ کی شرط ہیں

پہلی شرط مشہر ہے۔ پس جنگل اور گاؤں میں اس کا ادا کرنا جائز نہیں لیکن اگر گاؤں کے اندر جمعہ پڑھا جائے اور تم وہاں موجود ہو تو تم کو جمعہ میں جانا اور علی رضا کے قول پر عمل کرنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں ایسی بات سے بچتے رہو جس سے لوگ جلد بظن ہو جاتے ہوں۔ اگرچہ تمہارے پاس عذر ہو تو وہ ہو کیونکہ ہر ایک سامع منکر ایسا نہیں ہوتا کہ تم اپنا عذر اس کو سنانے پر قادر ہو خود حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ تمہارے کے مواقع میں نہ بیٹھا کرے اور مصر۔ کی تعریف میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے جس میں گھڑ توچے اور بازار ہوں اور حاکم اور قاضی ہو جو احکام جاری کرتا ہو اور حد و قائم کرتا ہو۔

اور جامع مسجد کا ہونا ادا کرنے کے لئے ضروری شرط نہیں ہے اس واسطے کہ فنائے مصر میں بھی جمعہ جائز ہے اور فنادہ جگہ ہے جو شہر کے قریب مصاح شہر کے ٹیلے مقرر کیا گیا ہو جیسے گھوڑوں کا بازار اور لشکر کا جمع کرنا اور مردوں کا دفن کرنا اور جنازہ کی نماز پڑھنی اور اسی طرح دیگر ضروریات۔

اور خلیفہ اور امیر حاج کو منیٰ میں ایام حج میں جمعہ پڑھنا جائز ہے کیونکہ منیٰ ایام حج میں تمام شراکط مصر جمع ہو جانے سے مصر ہو جاتا ہے جیسے امیر اور قاضی اور مکانات اور بازار، البتہ ایام حج گزر جانے کے بعد وہ مصر باقی نہیں رہتا اور مصر کا باقی رہنا شرط نہیں۔

اور سفر فائے میں جمعہ قائم کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ مصر نہیں اور نہ فنادہ مصر ہے بلکہ وہ مسیذان اور جنگل ہے۔ اور ظاہر روایت میں امام ابو حنیفہؒ سے یہ منقول ہے کہ مصر میں ایک جگہ کے سوا جمعہ

قائم کرنا جائز نہیں اور اس بنا پر اگر دو یا اس سے زیادہ جگہ پڑھا جائے تو جمعہ ان کا ہوگا جنہوں نے پہلے نیت باندھی ہو اور بعضے کہتے ہیں جو پہلے فارغ ہوں اور بعضے کہتے ہیں جو دونوں میں اول ہوں اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کون اول ہے تو سب کی نماز باطل ہے اور ایک روایت امام ابو حنیفہ سے ہے کہ اگر یہی امام محمد کا بھی قول ہے کہ کسی جگہ جمعہ پڑھنا جائز ہے اور ابو یوسف کی روایت میں دو جگہ جمعہ پڑھنا جائز نہیں۔ ہاں دونوں جگہوں کے درمیان کوئی بڑی نہر حائل ہو جیسے بغداد میں و حبلہ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ یہاں تک کہ ان سے بھی روایت ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے وقت پل امٹا دینے کا حکم فرماتے تھے تاکہ وہ جگہ دو شہروں کی طرح ہو جائے اور جس جگہ صحت جمعہ میں تعدد کی دہم یا مصر میں شک واقع ہونے کے سبب سے اشتباہ ہو تو جب دہاں کے لوگ جمعہ پڑھ چکیں تو مناسب ہے کہ اس کے بعد چار رکعت الگ الگ پڑھ لیں۔ ہر ایک نیت یہ کرے کہ میں اس سب سے آخر ظہر کو پڑھ رہا ہوں جس کا وقت تو مجھ کو ملا ہے لیکن میں نے اب تک ادا نہیں کی ہے اور اس کی اصل بنا پر بیان قنویہ یہ ہے کہ مرد کے باشندے جب دہاں دو جگہ جمع ہونے میں باوجودیکہ علماء کا دو جمعہ کے جواز میں اختلاف تھا مبتلا ہو گئے تو ان کے ناموں نے ہر ایک کو اس نیت سے چار رکعت پڑھنے کا احتیاط کے لئے وجوہاً حکم دیا کہ وہ جمعہ جو اس نے ادا کیا ہے اگر جائز نہیں ہوا تو فرض وقتی کے وجوب سے پاک ہو جائے گا اور اگر جمعہ جائز ہو گیا تو پھر اس کے لئے اگر کوئی اور ظہر قضا ہوگی تو وہ ساقط ہو جائے گی اور اگر اس کے لئے کوئی ظہر قضا نہیں ہے تو یہ چاروں رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔ پس چونکہ اس کے منقل ہونے کا احتمال ہے اس لئے ضرور ہے کہ پچھلی دونوں رکعتوں میں سورت فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھے۔ اس واسطے کہ وہ اگر فرض ہوئیں تو سورت کا پڑھنا کچھ مضرت نہیں ہے اور اگر دو رکعتیں منقل ہوئیں تو سورت کا واجب ہے۔ اور دوسری شرط جس کا تعلق غیر مصلی سے ہے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ہے اور وہ مستغلب جس کے پاس سلطانی سند نہیں اس کو بھی جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کا معاملہ رعیت سے بطور امر ہو اور ان کے درمیان حاکموں کی طرح فیصلہ کرتا ہو اس لئے کہ ایسا کرنے سے سلطنت ثابت ہو جاتی ہے لہذا شرط بھی پائی گئی۔

اور جو شخص جمعہ کے لئے مامور ہے اس کو اپنا خلیفہ کر دینا بھی جائز ہے۔ اگرچہ اس کو اس کی اجازت نہ ہو اور اس میں عذر ہونے اور نہ ہونے کا پتہ فرق نہیں اور نہ مخطوب اور نماز میں کچھ فرق ہے اور خطبہ کی آذان بھی نماز ہی کی آذان کی طرح ہے اور بالعکس اور قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ لوگوں کو بادشاہ کے حکم کے بغیر جمعہ پڑھائے اور ایسا ہی محتسب کو بھی جائز نہیں کہ لوگوں کو جمعہ پڑھائے۔ پس اگر حاکم شہر مر جائے تو دوسرے حاکم کے مقرر ہونے سے پہلے اگر لوگوں کو نائب یا قاضی یا محتسب

جمہ پڑھائے تو جائز ہے کیونکہ عوام کا انتظام انہی کے سپرد ہے اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو اور لوگوں نے جمع ہو کر کسی کو امام کر لیا اور اس نے پڑھا دی تو بھی جائز ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کی موجودگی میں ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

اور جس کو نماز کی اجازت تھی اگر وہ نماز شروع کر چکا۔ پھر اس کی جگہ دوسرا مقرر ہو کر آیا تو اگر شروع کرنے سے پہلے آگیا ہے تو شروع کرنا صحیح نہیں۔ ان شرطوں میں سے

تیسری شرط وقت ہے۔ اور وقت مشروط ظہر کا وقت ہے۔ لہذا دوپہر ڈھلنے سے پہلے جائز نہیں اور نہ وقت عصر آجانے سے جائز ہے اور وقت ختم ہو گیا اور امام نماز ہی میں ہے تو از سر نو ظہر کو پڑھے۔ اسی کو بڑھا کر ظہر نہ کر لے۔ کیونکہ یہ دونوں مقدار اور شرطوں میں مختلف ہیں۔ ان شرطوں میں سے چوتھی شرط خطبہ ہے۔ اور خود خطبہ کی بھی ایک شرط اور ایک رکن اور ایک واجب اور ایک سنت ہے۔ خطبہ کی شرط تو یہ ہے کہ وقت کے اندر جماعت کے سامنے اگر کوئی مانع نہ ہو۔ ایسی آواز سے پڑھا جائے کہ اس کے پاس کے لوگ سن لیں سنی کہ اگر قبل از وقت پڑھ لیا یا لوگوں سے آنے سے پہلے پڑھ لیا تو یہ صحیح نہیں ہے اور خطبہ کا رکن یہ ہے کہ خطبہ کی نیت سے مطلق خداوند تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر خطبہ کی نیت سے الحمد للہ یا سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافی ہے اور اگر چھینک یا تعجب سے کہا تو کافی نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ذکر دراز ضروری ہے جس کو عرف میں خطبہ کہتے ہوں اور وہ تین آیتوں کی مقدار ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ تشہد یعنی التحيات لله سے لے کر عبدہ ورسولہ تک کی مقدار ہے کیونکہ خطبہ بالاجماع واجب ہے اور صرف ایک بار الحمد للہ اور ایک بار سبحان اللہ اور ایک بار لا الہ الا اللہ کہنا خطبہ نہیں کہلاتا اور خطبہ کا واجب طہارت اور کھڑا ہو کر پڑھنا اور ستر عورت ہے اور سنت یہ ہے کہ دو خطبے ہوں اور دونوں کے درمیان ایک جلسہ ہو اور ہر ایک خطبہ حمد اور تشہد اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ورد کو شامل ہو اور پہلا خطبہ تلاوت آیت اور نصیحت کو اور دوسرا وعظ کے بدلے مسلمان مرد اور عورتوں کے حق میں دعا کو شامل ہو اور ان شرطوں میں سے

پانچویں شرط جماعت ہے اور جماعت میں امام کے سوا کم از کم تین آدمی ہوں اور ان کا مرد اور عاقل بالغ ہونا ضروری ہے۔ لہذا صرف عورتوں اور بچوں اور دیوانوں سے جمع نہیں ہوتا بلکہ ان کا آزاد یا مقیم ہونا شرط نہیں اور اس بنا پر غلاموں اور مسافروں سے جمع ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پہلے سجدہ تک سب کا باقی رہنا شرط ہے۔ لہذا اگر سجدہ سے پہلے ہی بھاگ جائیں یا کسی اور سبب سے تین سے کم رہ جائیں تو پھر از سر نو ظہر پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک اگر بعد تکبیر تحریر بھی چلے جائیں جب بھی جمع پورا کر لے اور ان شرطوں میں سے

چھٹی شرط اذان عام ہے اور وہ یہ ہے کہ مسجد کا دروازہ کھول دیا جائے اور لوگوں کو آنے کی اجازت دی جائے یہاں تک کہ مسجد میں جمع ہو کر دروازہ بند کر کے جموعہ کی نماز پڑھیں تو جائز نہیں اور اسے ہی اگر سلطان نے اپنے محل کا دروازہ بند کر لیا اور اپنی فوج کے ہمراہ نماز پڑھی تو جائز نہیں ہے کیونکہ جموعہ شہداء اسلام اور دین کے خاص امروں میں سے ہے لہذا اسکو لامحالہ بطریق شہرت ادا کرنا چاہیے اور اگر اپنے محل کا دروازہ کھول دے اور لوگوں کو اجازت آنے کی اذیت دے تو جائز ہے خواہ کوئی اس میں آئے یا نہ آئے لیکن جامع مسجد کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے یہ مکروہ ہے۔ پس جب یہ سب اذان سے سعی اور بیح کا ترک | شرطیں پائی جائیں تو اصح قول کی بنا پر سعی اور بیح کا ترک کرنا پہلی اذان پر اور سنت و بدعت اذان واجب ہے یعنی وہ آذان جو منارہ پر وقت ہو جانے کے بعد ہو جاتی ہے کیونکہ آج یہی اذان معتبر ہے۔ اگرچہ نوا ایجاد ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھی جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے بعد دونوں امام حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ زوال کے بعد اذان سے پہلے منبر پر چڑھ جاتے اور مؤذن ان کے سامنے اذان کہتا لیکن جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت بھی ہو گئی تو ان کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ امام کے منبر پر جانے سے پہلے ہی مؤذن اذان کہا کرے تاکہ لوگوں تک آواز پہنچ جائے اور وہ آجائیں اور ایک دوسری اذان جو ایک گھر پر جو مدینہ کے بازار میں مسجد کے پاس تھا اور جس کو ذرا کہتے تھے بڑھادی اور یہ اذان بھی نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ لازم کر لو اپنے اوپر میرا طریقہ اور میرے بعد خلفائے راشدین کا طریقہ سنت ہے۔

رہی وہ اذان جو پاشت کے وقت اس اطلاع کے لئے ہوتی ہے کہ آج جموعہ کا دن ہے سو یہ بدعت ہے اس کو حجاج نے ایجاد کیا تھا جیسا کہ کتاب مجمع العوائد میں مذکور ہے۔

اور حاصل یہ ہے کہ جو اذان دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہو وہ غیر معتبر ہے بلکہ معتبر وہ پہلی اذان ہے جو دوپہر ڈھلنے کے بعد ہوتی ہے۔ اسی لئے کہ اسی سے اطلاع حاصل ہوتا ہے پس جس پر جموعہ واجب ہے اس پر اس اذان کے بعد جموعہ کے لئے کوشش کرنا لازم ہے اور جب جامع مسجد میں پہنچ جائے تو بیٹھنے اذان جموعہ سے نماز جموعہ | سے پہلے دو رکعت تجزیۃ المسجد اور چار رکعت جموعہ کی رکعتیں پڑھے اور جب امام منبر پر جانے کو متوجہ ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز اور بات چیت سب حرام ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ خطبہ تمام ہو جائے اور صحابینؓ کے نزدیک خطبہ شروع کرنے سے پہلے پہلے کلام کرتے ہیں کچھ مفاصلتہ نہیں۔

اور جب منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن اس کے سامنے دوسری اذان کہے اور جب اذان تمام ہو جائے تو امام کھڑا ہو کر دو خطبے پڑھے اور دونوں کے درمیان ہلکے سے ہلکے کا فاصلہ کرے جس کی مقدار یہ ہے

کہ بدن کا ہر ٹکڑا اپنی اپنی جگہ پر درست ہو جائے اور لوگوں کے لئے یہ مستحب ہے کہ خطبہ کے وقت امام کی طرف منہ کر کے بیٹھیں لیکن آجکل رسم یہی ہے کہ رو قبلہ بیٹھتے ہیں ورنہ صفیں سیدھی کرنے میں زیادتی جمع کے سبب وقت ہوتی ہے۔ ایسا ہی ہدایہ کی شرح میں جو سرورجی کی ہے مذکور ہے اور جب مناسک جمعہ خطبہ پڑھ چکے اور مؤذن تکبیر کہنے لگے تو امام منبر پر سے اترے اور لوگوں کو دو رکعت نماز جمعہ پڑھائے اور اگر جمعہ کی صحت میں کئی جگہ ہونے یا مصر میں شک ہونے کے سبب سے کچھ شبہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد ہر ایک آدمی الگ الگ چار رکعت پچھلی ظہر کی نیت سے پڑھے جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔

پھر سنت کی نیت سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک چار رکعتیں اور صاحبین کے نزدیک چھ رکعت مسبوق کی نماز جمعہ پڑھے اور جس نے امام کو نماز جمعہ میں پایا۔ اگرچہ تشہد یا سجدہ سہو میں ہو تو امام کے ساتھ پڑھے جس قدر پایا ہو پڑھ کر نماز جمعہ پوری کرے اور امام محمد کہتے ہیں کہ اگر دوسری رکعت کے رکوع میں پایا ہے جب تو نماز جمعہ پوری کرے اور اگر دوسری رکعت میں امام کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ملا ہے تو اب ظہر کی نماز پوری کرے اور جس کو کوئی عذر نہیں ہے۔ اگر وہ قبل اس کے کہ امام جمعہ بلا عذر نماز جمعہ پھوڑنے کا حکم کی نماز پڑھے ظہر کی نماز پڑھے تو اس کی ظہر صحیح ہے لیکن جمعہ پھوڑنے کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور معذور لوگوں کو اور قیدیوں کو مصر میں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی مکروہ معذور لوگوں کو جمعہ کے دن ظہر ہے۔ نماز جمعہ سے امام کی فراغت سے پہلے ہو یا اس کے بعد کیونکہ کی نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے جمہور تمام جماعتوں کا جمع کرنے والا ہے اور ظہر کو جماعت سے پڑھنے میں جمعہ کی جماعت کی تفریق ہے اور اس میں کمی ڈالنا ہے۔ بخلاف گاؤں والوں کے اس لئے کہ ان پر جمعہ فرض ہے اور نہ ظہر کو باجماعت پڑھنا جمعہ کی تفریق جماعت کا اور نہ اس کی کمی کا سبب ہے لہذا جمعہ کا دن ان کے حق میں اس معنی کہ ظہر کی ادا جماعت سے بلا کراہت جائز ہے اور دنوں ہی کی طرح ہے اور بیمار کو مستحب ہے کہ امام کے نماز جمعہ سے فارغ ہونے سے قبل ظہر پڑھے اس واسطے کہ ہر آن میں صحت کی امید ہے اور جو شخص جمعہ میں آیا اور مسجد بھری ہوئی پانی اور لوگوں کو پھلانگ کر مسجد میں جائے گا اور وہ کیا تو اگر پھلانگنے سے ان کو ایذا ہوتی ہو تو ایسا نہ کرے اور اگر کسی کو کچھ ایذا نہ جمعہ میں شرکت کے لئے نہ ہو یعنی نہ پاؤں تلے کسی کا کپڑا دبے اور نہ کسی کا کچھ بدن تو کچھ مضائقہ نہیں لوگوں کو پھلانگنے کی شرطیں کہ پھلانگ جائے اور امام سے قریب ہو جائے اور نعت ابو جعفر حنفی علیہ السلام نقل کرتے ہیں کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہ کیا ہو پھلانگنے میں کچھ مضائقہ نہیں اور اگر خطبہ شروع کر دیا تو مکروہ ہے۔ پس اس بنا پر پھلانگنے کے جواز کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی کو ایذا نہ ہو اور دوسرے یہ کہ امام خطبہ میں نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل کرنا اپنے لطف اور کرم سے آسان فرمائے۔

پچاسویں مجلس مصافحہ اور اس کی کیفیت اور طرز اور اس کے فائدے

اور بے محل اسکے بدعت ہونے کے بیان میں

مسلمانوں کے باہم مصافحہ کرنے کا اجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسے کوئی دو مسلمان نہیں کہ ملیں اور مصافحہ کریں مگر دونوں جدا ہونے سے پہلے بچھنے جاتے ہیں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب دو مسلمان ملیں اور مصافحہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں تو ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ برار بن عازب نے روایت کیا ہے اور فار اس میں ایسا لفظ ہے جو تعقیب کے لئے خاص ہے اور مصافحہ کے ملاقات سے بعد ہی ہونے کو مقتضی ہے اور تصافح بنا بر بیان صحاح جوہری مصافحہ کو کہتے ہیں۔ پس اپنے مسلمان بھائی کو ملنے کے وقت مصافحہ کا مشروع ہونا ثابت ہوا اور یہ ان دونوں کے درمیان سلام کا تتمہ ہے جیسا کہ ابو امامہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے آپس کے سلام مصافحہ سے پورے ہوتے ہیں۔ یہ حدیث بھی ملاقات کے وقت مصافحہ کے مشروع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مصافحہ کو سلام کا تتمہ ٹھہرایا ہے اور سختیاں سخی کی جمع ہے اور سخی سلام کو کہتے ہیں اور سلام ملاقات ہی کے وقت ہوتا ہے اور ایسے ہی جو چیز سلام کا تتمہ ہو اس لئے مناسب ہے کہ مصافحہ اسی جگہ ہوا کرے جہاں اس کو مشروع نے قائم کیا ہے اور اس کی سنتوں کی رعایت کی جائے اور مصافحہ کا مسنون طریقہ اور اس میں بدعات مصافحہ میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو اور وقت ملاقات کے علاوہ جیسے نماز جو اور عیدین کے جیسا کہ اس زمانے میں عادت ہے تو یہ چونکہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے بلا دلیل ہے اور یہ بات اپنی جگہ ثابت ہو چکی ہے کہ جس امر کی کچھ دلیل نہ ہو وہ مردود ہے۔ اس میں تعلیل جائز نہیں بلکہ وہ روایت جو حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ اس کو رد کرتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو دین میں سے نہیں ہے سو وہ سبب ہے یعنی مردود ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کے سوا کسی اور کی پیروی جائز نہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسول تم کو جو دین وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے کہ پس چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم سے کہ پڑے ان پر کچھ خرابی یا

پہنچے ان کو کوئی درد ناک عذاب۔ علاوہ ازیں حنفی، شافعی، مالکی فقہاء نے اس کے مکروہ اور بدعت ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔ ملتقط میں ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ بہر حال مکروہ ہے۔ اس لئے کہ صحابہؓ نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا اور اس لئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اور ابن حجر شافعی کہتے ہیں کہ یہ جو لوگ پنجگانہ نمازوں کے بعد مصافحہ کیا کرتے ہیں بدعت مکروہہ ہے۔ شریعت محمدیہ میں اس کی کچھ اصل نہیں اس کے کرنے والے کو اڈل بتلایا جائے کہ یہ بدعت مکروہہ ہے اور اگر پھر کرے تو تنبیہ کرنی چاہیے اور ابن الحاج مالکی مدخل میں کہتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ لوگوں نے جو مصافحہ نماز فجر اور نماز جمعہ اور نماز عصر کے بعد ایجا کیا ہے بلکہ بعضے تو بڑھا کر پنجگانہ نماز کے بعد بھی کرنے لگے ہیں اس سے منع کر دے کیونکہ یہ سب بدعت ہے اور شرع میں مصافحہ کا موقع صرف مسلمان کے اپنے بھائی سے ملاقات کا وقت ہے نہ کہ بزازوں کے بعد پس جس جگہ شرع نے مقرر کیا ہے اسی جگہ رکھنا چاہیے اور مصافحہ سے منع کرنا چاہیے اور اس کے کرنے والے کو جبکہ خلاف سنت کرنے لگے زہر کرنا چاہیے۔ فقہاء کی تصریح سے اجماع معلوم ہوتا ہے پس مخالفت جائز نہیں بلکہ اتباع لازم ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے طریقہ کے سوا کوئی اور طریقہ اختیار کرے گا تو ہم اس پر وہی بات ڈالیں گے جو اس نے اختیار کی ہے اور دوزخ میں ڈالیں گے اور دوزخ بہت بڑی ہے اور وہ جزوی نے اذکار میں ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اس سے بظاہر نماز صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کا مباح ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الواقع وہ مضمون ہی اس کا غیر مشروع ہونا ظاہر کرتا ہے کیونکہ لزومی نے ملاقات کے وقت مصافحہ کے سنت ایک غلط فہمی کا ازالہ اور مستحب ہونے کے بعد یہ کہا ہے اور وہ جو لوگوں نے نماز صبح اور عصر کے بعد مصافحہ کی عادت کر لی ہے سو شرع میں اس طور پر اس کی کچھ اصل نہیں لیکن اس کا کچھ مضائقہ نہیں۔ اب دیکھو خود اقرار کیا ہے کہ شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور اس اقرار کے بعد ان کا وہ قول کچھ مفید نہیں جو اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ اس کا کچھ مضائقہ نہیں آخر تک اور اگر فقہاء اس مصافحہ کو صاف مکروہ نہ کہتے بلکہ فی نفسہ مباح ہی ہوتا جب بھی ہم اس زمانے میں اس کے مکروہ ہونے کا حکم لگاتے کیونکہ لوگ اس کو ہمیشہ کرتے ہیں اور ضروری سنت جانتے ہیں کہ اس کا ترک کرنا جائز نہیں سمجھتے یہاں تک کہ ہم کو ایک ایسے شخص سے جو صاحب علم مشہور ہیں یہ خبر پہنچی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ شعائر اسلام میں سے ہیں جو ایمان والہ اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہے۔ پس اسے انصاف والو دیکھو جب خواص کا یہ اعتقاد ہو تو عوام کا اعتقاد کیا ہو گا اور ہر امر مباح جو اس حد کو پہنچ جائے وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعضے فقہاء نے جب ان کے زمانے میں ایام بیض کے روزوں کا رواج ہو گیا تو اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا کہ واجب

اعتقاد کر لینے کی نوبت نہ پہنچ جائے باوجود کچھ ایام بیض کے روزے مستحب ہیں اس کے بارے بہت سی حدیثیں آئی ہیں تو پھر مہلک مباح اور مکروہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال اور کیا گمان ہے اور یہ نہیں ہے مگر وہی فتنہ جس کے بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے تمہارا کیا حال ہوگا جب فتنہ بدعت اور مسلمان کا عمل | تم پر ایسا فتنہ آئے گا جس میں ادھیڑ بڑھا اور صغیر جوان ہو جائے گا لوگوں میں ایسی بدعت پھیل جائے گی کہ اس کو سنت سمجھ لیں گے۔ اگر اس کو بدلو تو کہیں گے سنت بدل ڈالی یا کیا یہ بڑی بات ہے۔ ابن قیم نے اپنی کتاب آغاۃ میں لکھا ہے کہ یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حیب خلاف سنت کسی عمل کا رواج ہو جائے تو نہ اس کا کچھ اعتبار ہے اور نہ وہ التفات کے قابل ہے اور خلاف سنت عمل تو مدت دوازہ سے جاری ہو رہے ہیں۔ لہذا اب تم کو ضروری ہے کہ نئی نئی باتوں سے بہت ہی ڈرتے رہو اگرچہ اس پر جمہور کا عمل و اتفاق ہی ہو۔ اور ان امور پر جو صحابہؓ کے بعد ایجاد ہوئے ہیں ان کا اتفاق فریب میں نہ دے دے بلکہ تم کو یہ مناسب ہے کہ ان کے اعمال اور احوال کی تفتیش پر حریص بنے رہو۔ کیونکہ

سب لوگوں سے علم میں زیادہ اور مقرب خدائے تعالیٰ کا وہی ہے جو صحابہؓ سے بہت مشابہ اور ان کے طریقے سے خوب واقف ہو کیونکہ دین انہی سے حاصل ہوا ہے اور شریعت کے صاحب شرع سے نقل کرنے میں وہ ہی اصل ہیں۔ لہذا تم کو مناسب ہے کہ اس کی کچھ پروا نہ کرو کہ نبی علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کی موافقت کرنے میں اپنے زمانے کے لوگوں سے مخالفت ہوگی اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑ جائے تو بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔

عبدالرحمن بن اسماعیل جو ابو شامہ کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں جبکہ لزوم جماعت کا حکم آیا ہے اس سے حق کا لازم کر لینا اور اس سے اتباع مراد ہے۔ اگرچہ وہ محوڑے لوگ ہوں اور مخالف حق بہت ہوں۔ کیونکہ حق وہ ہی ہے جس پر پہلی جماعت یعنی صحابہؓ تھے اور ان کے بعد اہل باطل کی کثرت کا کچھ اعتبار نہیں۔

اور فضل بن عیاضؒ کا مقولہ ہے کہ جب کا یہ مطلب ہے کہ ہدایت کی راہوں کو لازم کر لو۔ راہ چلنے والوں کی کمی تکویناً نہیں اور گمراہی کی راہ سے دور رہو اور ہالکین کی کثرت سے دھوکہ نہ کھانا۔

اور ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ آج تو کاموں میں جلدی کرنے والا ہی تم میں بہتر ہے۔ لیکن عنقریب تمہارے بعد ایسا زمانہ آتا ہے کہ ان میں بہتر وہی ہوگا جو بسبب کثرت شبہات توقف کرے۔

امام غزالی کہتے ہیں بے شک ابن مسعودؓ نے سچ فرمایا ہے کیونکہ جو شخص اس زمانے میں توقف نہ کرے گا اور جمہور کی موافقت کر کے جس بات میں وہ پڑے ہیں اور میں میں وہ گھسے ہیں یہ بھی گھس

جائے گا تو جیسے وہ ہلاک ہوئے ہیں یہ بھی ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اصل دین اور اس کی خوبی اور ثبات کثرت عبادت اور تلاوت اور بھوک کے مجاہدہ وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ دین کو ان تمام آفات اور صعوبات سے بچانے میں ہے جو دین پر آتی ہیں یعنی بدعتیں اور نئی نئی باتیں جس سے دین میں تبدل اور تغیر پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ کثرت اور رواج کی وجہ سے گویا دین کی نشانیوں بن گئی ہیں یا ہمارے اوپر ان کا عمل ضروری ہے۔ کاش ہم ان کو بدعت ہی جانتے کرتے ہوتے۔ اس واسطے کہ اگر ایسا ہوتا تو تو ہر استغفار کی تو امید ہوتی لیکن ہم نے تو ان کو طاعت اور عبادت بنا رکھا ہے اور دین ٹھہرا لیا ہے اور ان لوگوں کی پیروی کرنے لگے ہیں جن سے سہو یا غفلت یا غلطی ہو گئی ہے ان لوگوں کے بعد جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہم نے اس کو اپنے دین کا پیشوا ٹھہرا لیا ہے۔ اب اگر کوئی اگر ہم کو ان باتوں کو جن کو ہم نے اختیار کر رکھا ہے منع کرتا ہے تو اس کی اگر ہمارے دل میں عزت ہوتی ہے تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ صاحب یہ تو جائز ہے اس کے جواز کا فلاں شخص قائل ہے اور اس کے رو برو ہم بعض ان منتقدین کا نام جن سے سہو یا غفلت یا غلطی ہو گئی ہے لے لیتے ہیں اور اگر وہ مانع ایسا ہے کہ ہمارے دل میں اس کی کچھ عزت نہیں تو ہم اسے ایسے بڑے الفاظ کہتے ہیں جس کا نہ اس کو گمان ہوگا اور نہ اس کے دل میں گزرے ہوں گے اور یہ سب ہمارے جہل مرکب کے سبب سے ہے کیونکہ اگر ہم اپنے دل میں اپنی جہالت کو سمجھتے تو جو شخص ہمیں حق کا راستہ بتاتا ہے اس کا جواب بے شک مان لیتے اور اس سہو اور غفلت اور غلطی کرنے والے کو اپنے دین کی حجت نہ بناتے اس واسطے کہ انسان کو اپنے دین میں صاحب شریعت کے یا اس کے سوا جس کے حق میں اس صاحب شریعت نے بھلائی کی گواہی دی ہو کسی کی پیروی نہ کرنا چاہیے۔ اس کی پیروی جس کے حق میں صاحب شریعت نے کذب کی گواہی دی ہے اور اس پر بھروسہ کرنے سے منع کیا ہے کبھی نہ چاہیے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ سب زماؤں سے وہ بہتر زمانہ ہے جس میں مبعوث ہوا ہوں۔ پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں یعنی تبع تابعی پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔ لہذا تم ان کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ ان کے بعد جو آیا ہے بدعت کو بھی کہتا ہے کہ یہ مستحب ہے اور اس پر ایک دلیل بھی ان کے اصول کے مخالف قائم کر دیتا ہے اور یہ مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ عین کی تقلید تقلید صرف مجتہد کی جائز ہے اور پیروی صرف حسن ظن سے اس ہی کی جائز ہے جو مجتہد اور عادل ہونے اس کی جو خود مقلد ہو لیکن چونکہ مدت و راز سے اجتہاد منقطع ہو گیا ہے لہذا مجتہد کے مذہب جاننے کا طریقہ کسی معتبر کتاب سے جو علماء سے مروج ہو نقل کرنے میں یا ایسے عادل کی خبر دینے میں منحصر ہے جس کے علم اور عمل کا اعتبار ہو۔ لہذا ہر کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں کہ اس نے ماننے میں ایسی کتابیں ظاہر ہو گئی ہیں کہ جن کو غیر معتبر لوگوں نے جمع کیا ہے اور نہ ہر عالم کے قول پر کیونکہ بعد

قرونِ ثلثہ کے لوگوں میں فسق غالب ہو گیا ہے اور شخص مستور بھی قاسق کے حکم میں ہے۔ ایسی ایسی عدالت ضرور ہونی چاہیے جس سے صدق کی جانب کو ترجیح ہو جائے تاکہ اس کا قول و بیانات میں مقبول ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل اپنے لطف و کرم سے ہم پر آسان فرما۔

اکیا و نویں مجلس کتاب اور حدیث اور اجماع اُمت سے نماز کی فرضیت

اور تارک نماز کی وعید کے بیان میں

بندے اور کفر کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ درمیان بندے اور کفر کے صرف نماز کا فرق ہے | صرف نماز چھوڑنے کا فرق ہے۔

یہ حدیث صحیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اور اسے جابر بن عبد اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کے کفر تک پہنچ جانے میں صرف نماز چھوڑ دینے کا فرق ہے۔ یعنی جو اب تک نماز پڑھتا ہے تو بندہ مومن ہے اور جب نماز چھوڑ دے تو کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سے منہ از اسلام کا ضروری رکن ہے | معلوم ہوا کہ نماز اسلام کا بڑا ضروری رکن ہے اور بہشت

میں جانے کا بڑا ضروری و قوی ذریعہ ہے اور نماز ہر ایک مسلمان صاحب عقل بالغ پر فرض ہے خواہ نماز ہر عاقل بالغ | مرد ہو یا عورت ہاں کافر اور دیوانے اور بچے پر فرض نہیں ہے۔ لیکن بچہ جب مسلمان پر فرض ہے | سات برس کا ہو جائے تو اس کو نماز پڑھنے کا حکم دیں اور جب دس

برس کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مارنا چاہیے جیسا کہ ایک روایت میں نبی علیہ السلام کا بچے کو نماز پڑھانے کا حکم | ارشاد ہے کہ اپنے بچوں کو جب وہ سات برس کے ہوں نماز کا

حکم کرو اور جب وہ دس برس کے ہوں، اگرچہ بچوں پر نماز فرض نہیں ہے لیکن دس برس کی عمر ہو جانے پر نماز چھوڑنے سے سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ابھی سے ان کو نماز کی عادت

اور نماز سے محبت پیدا ہو جائے تاکہ بڑے ہو کر نماز ترک نہ کریں اور فرضیت نماز قرآن اور حدیث اور اجماع اُمت سے ثابت ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ بے شک نماز ایمان والوں پر

قرآن حدیث سے نماز کی فرضیت کا ثبوت | فرض وقت مقرر کی ہوئی ہے اور یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض ہے اور اوقات معینہ کی اس کے لئے حد مقرر کر دی گئی ہے بلا غلط

وقت سے ٹال دینا ہرگز جائز نہیں جیسا کہ روایت میں نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جس نے نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ اس کا وقت نکل گیا پھر قصص کی تو اس پر دوزخ میں کسی حق تعالیٰ کا عذاب

کیا جائے گا اور حق تعالیٰ اسی برس کو کہتے ہیں اور برس میں سو ساٹھ دن کا جس میں سے ہر ہر دن

ہزار ہزار برس کے برابر ہوگا اور وہ عذر شرعی جس سے نماز کا وقت سے ٹالنا مباح ہو جاتا ہے، چھ وقت مقررہ سے مؤخر کرنے والے شرعی عذر چیزیں ہیں ایک بھول جانا، دوسرے سو جانا، تیسرے بیہوشی ہو جتنے ویانگی پانچویں حیض پھٹے نفاس اور بجز ان عذرات مذکورہ کے نماز کو وقت سے مؤخر کر دینا جائز عذر شرعی کے بغیر نماز کا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وغیرہ میں مذکور ہے کہ اگر حاملہ عورت کے بچے کا ترک کرنا یا تاخیر جائز نہیں سرنگل چکا ہو اور نماز کا وقت جاتے رہنے کا اندیشہ ہو تو اگر وضو کر سکتی ہو تو وضو کر کے در نہ تیمم کر کے بچے کا سر ہنڈ یا پاگڑھے میں رکھ دے اور نماز بیٹھ کر رکوع اور سجود سے ادا کرے اور اگر رکوع و سجود کی قدرت نہ ہو تو اشارہ کر کے پڑھے یعنی عورت بیدار اپنی طاقت کے نماز ادا کرے اور نماز کو نہ چھوڑے کیونکہ نماز جب تک کہ وہ صاحب نفاس نہ ہو ساقط نہیں ہوتی اور نفاس بچے کے اکثر حصے اور خون نکلنے سے ثابت ہوتا ہے اور ایسے ہی جو دریا کے اندر تختہ پر گر پڑا اور نماز کا وقت چلے جانے کا اندیشہ ہو تو اعضائے وضو کو وضو کی نیت سے پانی میں داخل کرے۔ پھر اشارہ سے نماز پڑھے۔ اور نماز کو نہ چھوڑے اور ایسے ہی جس کے دونوں ہاتھ سن ہو گئے ہوں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نہ ہو جو وضو یا تیمم کرے تو وہ اپنا منہ اور ہاتھ تیمم کی نیت سے دیوار پر ملے اور نماز پڑھے اور اس کو نماز کا ترک کرنا جائز نہیں اور نہ وقت سے مؤخر کرنا تو کیا عقلمند آدمی کو ان مسائل میں جو فقہانے بیان کئے ہیں غور و فکر کرنے سے سوائے اس صورت کے جس میں بالکل قدرت نہ ہو بلا کوئی عذر چھوڑ دینا تو بڑی بات ہے۔ نماز کو وقت سے مؤخر کر دینا بھی ناجائز ہے۔ حاصل یہ کہ مکلف کو نہ نماز ترک کرنے کی گنجائش ہے اور نہ وقت سے تاخیر کرنے کی جبکہ وقت پر ادا کرنا ممکن ہے جس طرح سے ہو۔ یہ تو نماز کے فرض وقت ہونے کا بیان ہے۔ رہا پہنچگانہ ہونا سو اس آیت سے ثابت ہے کہ محافظت کرو نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور یہ آیت فرض نمازوں کے ہونے کی قطعی قرآن حدیث اور اجماع امت دلیل ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایسا مجموعہ فرض کیا ہے سے پانچ نمازوں کا ثبوت جس کے ساتھ درمیانی نماز بھی ہو اور کم سے کم جمع سالم جس کے ساتھ درمیان بھی ہو چار ہیں نہ کہ تین پس ان نمازوں کی محافظت کا حکم جن کے ساتھ درمیانی نماز بھی ہو بالضرور پانچ نمازوں کا حکم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا ہے اللہ کی پاکی بیان کرو۔ جب شام کرو اور جب صبح کرو اور ایسی کو محمد ہے آسمان اور زمین میں اور شام کے وقت اور جب دوپہر کرو اور ان اوقات میں تسبیح کے حکم کرنے سے ان میں نماز کا حکم کرنا مراد ہے جز کو ذکر کر کے کل مراد لیتے ہوئے یہ کہا گیا کہ خدا کی نماز ان اوقات میں ادا کرو۔

اور ابن عباس سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا "کیا تم پانچوں نمازوں کا حکم قرآن میں پاتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں اور یہ آیت پڑھ دی۔ لہذا اس قول الہی میں چنانہ ٹھونٹے سے

مغرب اور عشا کی نماز مراد ہے اور تُصَلُّونَ سے فجر کی نماز اور عَشِيَّتًا سے عصر کی اور قول باری عِنْدَ تَطْرِيعِ زَيْتٍ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔

رہی فرضیت نماز کی حدیث سے دلیل سو بنی علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر مرد مسلم اور عورت مسلمہ پر ہر رات اور دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں“ اور یہ حدیث احادیث مشہورہ میں سے ہے جس سے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

رہا اجماع تو وہ یہ ہے کہ تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج کے دن تک پانچ نمازوں کے فرض ہونے پر متفق ہے۔ لہذا جبکہ نماز کی فرضیت ان دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکی تو نماز چھوڑنے والے کے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔ نماز چھوڑنے والے کیلئے سخت وعیدیں اور شدید لئے سخت وعیدیں دھمکیاں آپکی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ روایت بھی ہے۔ بنی علیہ السلام نے فرمایا ہے ”جس شخص نے نماز قصد ترک کی وہ کھلم کھلا کافر ہو گیا“ اور ایک دوسری حدیث میں ہے بنی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”قصد نماز نہ چھوڑے کیونکہ جس نے نماز چھوڑی وہ دین سے باہر ہو گیا“ اور ایک اور حدیث میں ہے بنی علیہ السلام نے فرمایا ہے ”نماز دین کا ستون ہے“ پس جس نے نماز قائم رکھی اس نے گویا دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز چھوڑ دی اس نے گویا دین کو گرا دیا“

پس ایسی ایسی وعیدوں کے آنے کی وجہ سے اس کے قصد اچھوڑنے والے کے کفر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک جماعت اور ان کے بعد کے کچھ لوگ تو کفر کے قائل ہیں۔ وہ صحابہؓ تو یہ لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور معاذ بن جبلؓ اور جابر بن عبداللہ اور ابوالدرداء اور ابو ہریرہؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ اور صحابہؓ کے علاوہ دوسرے لوگ یہ ہیں۔ احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راہویہ اور عبداللہ بن المبارک اور نخعی اور حکم بن عقبہ اور ابوالربیع سخنیاتی اور ابو داؤد وطیاسی اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ، اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ اس طرف گئے ہیں کہ کافر نہیں ہوتا اور نماز چھوڑنے والا کافر نہیں ہو جاتا اور جو حدیثیں نماز چھوڑنے والے کے کفر پر دلالت کرتی ہیں انکو بطور انکار ترک کرنے یا تنبیہ اور وعید پر عمل کرتے ہیں یعنی مومن کی شان نہیں کہ نماز کو ترک کرے اور اس کے کافر نہ ہونے پر ان کی دلیلوں میں سے ایک دلیل بنی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور وقت پر ان کو ادا کیا اور ان کے رکوع اور سجود اور خشوع کو کامل طرح سے ادا کیا تو اس کو بخشدینا اللہ کے ذمے ہے اور جس نے ایسا نہ کیا اس کا اللہ پر کچھ حق نہیں۔ چاہے اسکو بخشدے چاہے اسکو عذاب دے۔ پس بنی علیہ السلام کا یہ قول کہ اگر چاہے اسکو بخشدے اُنکے کافر نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ کافر کی مغفرت نہ ہونے پر اجماع ہے خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”البتہ اللہ شرک کو معاف نہیں کرتا اور اس کے علاوہ جس

گناہ کو چاہے معاف کر دیتا ہے" نیز فقہانے بلا عذر قصداً نماز چھوڑنے والے کی سزا میں ابھی اختلاف کیا ہے۔ حماد بن زید اور محول اور شافعی اور احمد بن حنبل اور مالک تو کہتے ہیں کہ قصداً بلا عذر نماز چھوڑنے والا قتل کر دیا جائے۔ اتنا فرق ہے کہ احمد کے نزدیک کفر کی وجہ سے قتل ہوگا اور ان کے سوا اور لوگوں کے نزدیک سزا کے سبب سے قتل ہوگا نہ کفر کے سبب سے اور ان احادیث کو جو بلا عذر قصداً نماز چھوڑنے والے کی سزا بے نمازی کے کفر پر دلالت کرتی ہیں اس معنی پر محمول کیا ہے کہ وہ کفر کی سزا کا مستحق ہے اور کفر کا بدلہ دنیا میں قتل کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک نہ کافر ہے نہ قتل ہوگا بلکہ ہمیشہ قید رکھا جائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ تارک نماز کو یہاں تک ماریں کہ خون نکلنے لگے تاکہ خوب تنبیہ ہو جائے اور بعضے کہتے ہیں اتنا مارا جائے کہ یا نماز پڑھنے لگے یا مرجائے اور بعضے کہتے ہیں کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو مال داس باب کی ضابطی کی سزا دی جائے طبع کا خیال نہ ہو کیونکہ ضابطی جا سزا کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ اس کا مال لے کر رکھ لے یہاں تک کہ وہ توبہ کرے اور جب توبہ کرے تو وہ مال اسکو واپس کر دے جیسے باغیوں کے مال میں حکم ہے اور اگر توبہ سے مایوسی ہو جائے تو پھر جہاں مناسب سمجھے صرف کر دے۔ پس اس بیان کی رو سے مومن پر نمازوں کی محافظت لازم ہے۔ مومن پر واجب ہے کہ پانچوں نمازوں کی ادائیگی کی محافظت کرے اور جیسا حکم ہے ان کو اسی طرح ادا کرے۔ اچھی طرح دھنوکہ کے اور وقتوں کی رعایت سے رکوع اور سجود کامل طرح کر کے نہایت فروتنی سے اور اگر ان میں سے کسی امر میں غفلت ہو جائے تو سنن و نقل نمازوں کی اہمیت سنن اور نوافل میں خوب گوشش کرنی چاہیے اور اس میں ہرگز سستی نہ کرے تاکہ اسی سے اسکے فرض کامل ہو جائیں۔ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے حقوق اللہ میں سے جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے پس اگر وہ پوری نکلی تو پوری لکھی جائے گی اور اگر اس میں کچھ نقصان نکلا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو تو اس بندے کی کچھ نغلیں بھی ہیں پس اگر اس کی نغلیں ہونگی تو فرض جس کو خراب کر دیا تھا نغلوں سے پورا کر دیا جائے گا یعنی جس نے فرض نماز پڑھی تھی اور اس میں کچھ نقصان ہو گیا تھا تو وہ نقصان اگر نغلیں ہونگی تو نغلوں سے پورا کر دیا جائے گا۔ لیکن جو فرضوں کو ٹھیک نہ پڑھے گا بھلا وہ نغلوں کو کب ٹھیک پڑھے گا بلکہ وہ تو خراب تر ہونگی کیونکہ نغلیں لوگوں کی نظروں میں بہت خفیہ ہوتی ہیں اور ان کی کچھ پردہ نہیں کرتے جیسا کہ اکثر لوگ جن کو لوگ عالم خیال کرتے ہیں نماز میں تعدیل ارکان فرضیہ واجب ہیں دیکھے جاتے ہیں کہ وہ اپنی نغلوں بلکہ فرضوں میں بھی ارکان کی تعدیل بھوڑ دیتے ہیں اور مرغ کی سی ٹھونگیں مارتے ہیں تو بھلا عوام کا کیا کہنا جو جانوروں کی طرح زمین کو جانتے ہیں نہ اسلام کو۔ حالانکہ تعدیل ارکان امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہ کے

نزدیک فرض ہے۔ اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام محمد کے نزدیک واجب ہے اور امام کرخی کی روایت میں ہے کہ اس کے ترک سے نماز باطل نہیں بلکہ اگر مہول کر ترک کیا تو سجدہ سہو لازم آتا ہے۔ اور اگر قصد ترک کیا ہے تو گناہ ہے اور دوسرا کر پڑھنا واجب ہے جیسا کہ ہر اس نماز کا جو کراہت تحریمی سے ادا کی جائے حکم ہے اور تعدیل جو جانی کی روایت میں سنت ہے۔ پس اس روایت کے موافق نہ سہو اچھوڑنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے اور نہ عمد اچھوڑنے سے دوسرا واجب ہوتا ہے بلکہ دوسرا مستحب تو ہے لیکن اسی کے ساتھ عتاب اور محرومی شفاعت کا سزا دار ہے۔ پس جب یہ حال ہے تو جو شخص منہیں بغیر تعدیل ارکان کے پڑھتا ہے تو روایت وجوب کی بنا پر وہ گنہگار عذاب و دوزخ کا مستحق ہے اور اس پر دوسرا واجب ہے اور اگر دوسرا کر نہ پڑھے گا تو یہ بھی پہلے کی طرح ایک اور دوسرا نماز میں تعدیل ارکان کا خیال گناہ ہوگا اور اگر ہم سنت مان لیں تاہم عتاب اور محرومی شفاعت نہ رکھنے والے کا انجام کا مستحق ہے اور ایسی صورت میں یہ منہیں بھلا کیونکہ فرضوں کے نقصان کو پورا کر سکیں گی۔ یہ بات بعید ہے اور بہت ہی بعید بلکہ اگر ایسی منہیں نہ پڑھتا تو عذاب و عتاب اور شفاعت سے محرومی کا مستحق نہ ہوتا۔ خود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع پورا نہ کرتا تھا اور سجدہ میں ٹکری مار دیتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اسی حالت میں مر جاتا تو ملت نجدی کے خلاف مرتا۔

اور بعض لوگوں کو لفظ جواز سے شبہ پڑا ہے جو آئمہ کی کتابوں میں اس شخص کے حق میں واقع ہوا ہے جو قوم اور جلسہ اور ان کے درمیان اطمینان کو ترک کرے اور اصول فقہ میں جو کچھ مذکور ہوا ہے اسکی خبر نہیں کہ عبادات میں جواز کے معنی یہ ہیں کہ قضا کی فرضیت ذمہ سے ساقط ہو گئی یہ نہیں کہ ایسا کرنا مال ہے اور اس سے گناہ نہیں ہوگا۔ بھلا یہ کیوں ہو سکتا ہے۔ حالانکہ قوم اور جلسہ اور اس کے درمیان ترک اطمینان کے مکروہ ہونے کی علما نے تصریح کر دی ہے اور قرطبی نے تو اپنے تذکرہ میں اپنے استاد سے نقل کر کے کہا ہے کہ اس شخص کے قول کا کچھ اعتبار نہیں جو یہ کہتا ہے کہ ارکان کے لئے نماز میں کم سے کم دو مقدار واجب ہے جس کو رکن کہہ سکیں کیونکہ جو اتنے ہی پر اکتفا کرے گا تو اس پر نماز میں ٹکری لگانا صادق آئے گا اور وہ اس مذمت میں داخل ہو جائے گا جو اس حدیث میں ایسے فعل پر مرتب ہے کہ یہ متافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا آفتاب کا منتظر رہتا ہے اور جب وہ شہیمان کے سینگوں کے درمیان ہوتا ہے اٹھ کر ٹکری مار لیتا ہے۔ جب نماز اس طرح کی ہوگی جیسی حدیث میں مذکور ہے تو نمازی اس آیت میں داخل ہو جائے گا پھر ان کے بعد ناخلف آئے ہوں گے۔ گنوائی نماز اور پیچھے پڑے مزدوں کے سو عنقریب ملیں گے گمراہی سے اور اس آیت کے

ترجمہ میں علامہ نے ایک گروہ نے کہا ہے کہ نماز ضائع کرنے سے اس کا حضور دینا مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد نماز کو ضائع کرنے اور اس سے کہ نماز کے حدود کو قائم نہ رکھے یعنی نہ وقت کی رعایت رکھے کی حفاظت کرنے کا مطلب اور نہ طہارت کی اور نہ رکوع اور سجود وغیرہ کو کامل طرح کرے اور اسی طرح اور ادھورے کام اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے تو یوں روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ وہ نماز کافی نہیں کہ جس کے اندر آدمی رکوع اور سجود میں پیٹھ سیدھی نہ رکھے اور اسی مطلب کی اور بھی بہت سی حدیثیں آئی ہیں کہ وہ قول باری تعالیٰ وَأَصْلُوا الصَّلَاةَ کے معنی کو بیان کرتی ہیں کیونکہ جو شخص نماز کے اوقات اور اس کی طہارت اور رکوع اور سجود کی حفاظت نہیں کرتا تو وہ نماز کی حفاظت نہیں کرتا، اور جس نے اس کی حفاظت نہ کی تو بے شک اس نے نماز کو ضائع کیا اور ایسا شخص ماسوائے نماز کو زیادہ تر ضائع کرنے والا ہوگا اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جب آدمی نماز کو اچھی طرح اور بڑی نماز کو اچھی طرح ادا کرتا ہے اور اس کا رکوع اور سجود کامل طریقہ سے کرتا ہے تو طرح پڑھنے کا نتیجہ نماز کہتی ہے کہ خدا تیری حفاظت کرے جیسے تو نے میری حفاظت کی اور مقبول ہو جاتی ہے اور اگر نماز بڑی طرح پڑھی اور رکوع اور سجود پورا نہ کیا تو نماز کہتی ہے اللہ تجھ کو برباد کرے جیسا تو نے مجھ کو برباد کیا اور وہ نماز پر اپنے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر پھینک ماری جاتی ہے اور اب ہر یہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بعض لوگ ساٹھ برس تک نماز پڑھتے رہتے ہیں لیکن ان کی ایک نماز بھی مقبول نہیں ہوتی کہ کبھی رکوع پورا کرتا ہے تو سجدہ پورا نہیں کرتا یا سجدہ پورا کرتا ہے تو رکوع پورا نہیں کرتا۔ پس جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے نماز کے مقبول اور غیر مقبول کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کرے ہونے کو معلوم کرنے کا طریقہ کہ بے شک نماز بے سیائی اور بڑی باتوں سے روکتی ہے پس اگر وہ شخص پنجگانہ نماز پڑھتا ہو اور پھر بھی اس کا اپنا حال اپنے رب کے ساتھ درست نہ ہو بلکہ اس سے بعضے فواحش اور منکرات عمل میں آتے ہوں تو اس کو جان لینا چاہیے کہ اس کی نماز مقبول نہیں ہوئی بلکہ وہ نمازیں اس پر وبال اور خدا سے دور کرنے والی ہیں چنانچہ ابن مسعود و ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس کی نماز بھلے کام کا حکم نہ کرے اور بڑے کام سے منع نہ کرے وہ نماز اللہ سے دوری کے سوا اور کچھ نہ بڑھائے گی اور حسن رہا اور قتا وہ رہا کہتے ہیں کہ جس شخص کو نماز بخش اور منکر سے نہ روکے اس کی نماز اس کے لئے وبال ہے۔

پس جو شخص تمام نمازیں ان کی شرائط اور اذکار و اجباب اور سنن اور آداب کی رعایت کر کے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بخش اور منکرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ چنانچہ انسؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری جو ان پنجگانہ نمازیں تو رسول اللہ کے ساتھ پڑھا کرتا تھا لیکن کوئی بڑا کام ایسا

نہیں تھا جس کو وہ نہ کیا کرتا ہو۔ لوگوں نے یہ حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یقیناً اس کی نماز کسی نہ کسی دن اس کو ضرور روک دے گی آخر کچھ دنوں بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کا حال سنور گیا۔
الہی ہمارا حال نیک انجام کی طرف بدل دے۔

باوٹویں مجلس فرض نماز کی فرضیت اور اس کے ارکان

کے تفصیلی بیان میں

اچھی طرح ادا کی گئی نمازیں گذشتہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایسا بونی مسلمان نہیں جسکو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں نماز مفروضہ کا وقت ملے اور وہ اس کے وضو اور خشوع اور رکوع کو خوب پورا کرے مگر وہ اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں ہے اور حضرت عثمان بن عفانؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص فرض نمازیں اس کے وقت آنے پر اچھی طرح وضو کر کے اور اس میں خشوع اور رکوع اور تمام ارکان پورے پورے ادا کرتا ہے تو نمازیں اس کے گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہ نہ کرے اور یہ کفارہ تمام زمانے میں ہوا کرتا ہے اور صرف رکوع کے ذکر پر ہی اکتفا کیا اور ارکان کو اس لئے بیان نہیں کہ شارع نے جب نماز کے ایک رکن ہی کی درستی ارکان کے ساتھ ادائیگی | درستی کا حکم دیا تو اور ارکان کی درستی بھی اس سے سمجھی جاتی ہے کیونکہ نماز پر مداومت کا حکم | ارکان اگرچہ قرآن میں متفرق جگہ آئے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت سورۃ مدثر کے اس قول سے ثابت ہے اور اپنے رب کی بڑائی بول اور قیام کی فرضیت سورۃ بقرہ کے اس قول سے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے اور قرأت کی فرضیت سورۃ منزل کے اس قول سے سو پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے اور رکوع اور سجود کی فرضیت سورۃ حج کے اس قول باری سے اے ایمان والو رکوع کرو اور سجدہ کرو لیکن ترتیب نبی علیہ السلام کی تعلیم سے معلوم ہوئی ہے کہ کبھی آپ کے فعل سے اور کبھی آپ کے ارشاد سے جیسا کہ اس کو علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور اب اس بیان کی رو سے مومن کو چاہیے کہ نماز کو وقت پر تمام فرضیں پورے کر کے ادا کرنے کی مداومت کرے نماز کے فرضیں | اور فرضیں چھ ہیں

اول۔ تکبیر افتتاح ہے اور بدون اس کے نماز شروع نہیں ہوتی اور وہ یہ ہے کہ جو شخص نماز شروع

کرنے کا ارادہ کرے تو اللہ اکبر اس طرح کہے کہ اللہ کے ہمزہ اور اکبر کے ہمزہ اور "ب" پر مد نہ کرے کیونکہ اگر دونوں ہمزہ میں سے ایک پر مد ہو جائے گا تو نماز میں داخل نہ ہوگا بلکہ اگر مد نماز میں بیچ کی تکبیروں میں آجائے گا تو نماز ناسد ہو جائے گی اور اگر قصد امد کیہنچے گا تو کافر ہو جائے گا اس واسطے کہ استفہام ہو جائے گا اور اس کا مقتضی اللہ کی بڑائی میں شک ہے اور محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اگر مد اور غیر مد میں کچھ تمیز نہ ہو تو نماز میں داخل ہو جائے گا اور اگر اثنائے نماز میں ہو تو نماز بھی فاسد نہ ہوگی اور یہ بھی تو ممکن ہے کہ استفہام تقریر کے لئے ہو لیکن قول اول ہی صحیح ہے کیونکہ ایسی حالت قابل عذر نہیں رہی وہ تقریر جو استفہام سے مستفاد ہوتی ہے اس کے معنی تو مخاطب کو اس امر کے اقرار پر ابھارنا ہے جس کو خود جانتا ہے اور انسان میں اس کی صلاحیت نہیں کہ خود اپنے نفس کو اس اقرار پر کہ اللہ بڑا ہے ابھارے اور اگر مد اکبر کی باپ واقع ہو کہ اکبار باء اور را کے درمیان الف بڑھا کر کہے تو نماز میں داخل نہ ہوگا اور اگر درمیان کی تکبیروں میں آجائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے کہ علماء کا مقولہ ہے کہ یہ شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اکبار کبر کی جمع ہے جو دونوں حرفوں کے زبر سے ہے اور اس کے معنی طبل کے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نماز میں بھی داخل ہو جائے گا۔ اور اگر مد نماز کے درمیان میں آجائے تو نماز فاسد بھی نہ ہوگی کیونکہ یہ اشباع ہے اور اول قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اشباع صرف آخر میں ہوتا ہے درمیان میں نہیں ہوتا۔ اور

تکبیر کا موقع محض قیام ہے۔ یہاں تک کہ اگر امام کو رکوع میں پایا اور کھینکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز میں داخل نہ ہوگا کیونکہ نماز میں داخل ہونے کی شرط تکبیر کا خالص قیام میں واقع ہونا ہے اور اگر قیام میں اللہ کہا اور رکوع میں اکبر تو بھی نماز میں داخل نہ ہوگا اور

دوسرا امر نماز کے فرضوں میں سے قیام ہے اور قیام فرض اور واجب میں تو نہ کن ضرور ہے مگر نفل میں نہیں ہے اور اس کی مقدار دلیل قیام سے کچھ معین نہیں ہے۔ وہ دلیل یہ ہے اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے "یہاں تک کہ اگر تکبیر کھڑے کھڑے کہی اور توقف نہ کیا تو فرض تکبیر اور قیام دونوں ادا کر چکا اور اس کے بعد قیام میں توقف کرنا اس کو لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس قدر قیام پایا گیا وہی کافی ہے اور اس کا فائدہ ناخواندہ اور گونگے اور امام کو رکوع میں پانے والے کے حق میں ظاہر ہوتا ہے مگر ہاں قاری کے حق میں پہلی دو رکعت میں قیام کی مقدار قرأت کی رو سے مقرر ہے اور کچھ دو رکعت کے متعلق متقدمین کا یہ قول ہے کہ چاہے کچھ قرآن پڑھے چاہے سبحان اللہ کہے اور چاہے چکار ہے ان دونوں میں قیام کی مقدار مقرر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے لیکن فقہیہ میں مذکور ہے کہ قیام کم سے کم تین تسبیحات کے برابر ہے خواہ تسبیح کہے یا چپ رہے اور یہ سب کچھ قیام پر قادر ہونے کے وقت ہے۔ چنانچہ اگر بیمار باوجود قیام پر قدرت ہونے کے بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو جائز

نہیں ہے اور کچھ تھوڑے قیام کی طاقت ہو تو تکیہ کھڑے ہو کر تو اتنا ہی اس پر لازم ہے کہ یہاں تک کہ اگر کھڑے کھڑے تکیہ کہنے کی طاقت ہو تو تکیہ کھڑے ہو کر کہے اور بیٹھ جائے اور وہ بیمار جو حقیقت میں قیام سے عاجز ہو کر اگر کھڑا ہو تو گڑھے یا مرض کے بڑھنے یا دیر میں اچھے ہونے کا خوف ہو، یا صحت تکلیف ہوتی ہو تو اگر بیٹھنے کی طاقت ہو تو بیٹھ جائے جیسے تشہد میں بیٹھتے ہیں۔ یہ قول زفر کا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے کیونکہ یہ طریقہ نماز میں مقرر ہے اور امام محمد کی روایت میں جو امام ابو حنیفہ سے ہے یہ ہے کہ جیسے چاہے بیٹھے چار زاوہر وغیرہ اور بعضے کہتے ہیں تشہد کے سوا اور جس طرح چاہے بیٹھا رہے اور تشہد میں اسی طرح بیٹھے جیسا اور نمازوں میں بیٹھا ہے اور طاقت ہوتے ہوئے ظاہر اول روایت ہے اور جب طاقت نہ ہو تو پھر جیسی قدرت ہو اور نماز بیٹھے رکوع اور سجدہ کر کے پڑھے کیونکہ طاقت کے موافق ہے جو اس قول باری تعالیٰ کے "اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی گنجائش کے موافق" اور اگر رکوع اور سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بیٹھا ہوا سر سے اشارہ کرے اور سجدہ کو رکوع کی بہ نسبت ذرا نیچے کرے تاکہ دونوں میں ذرا فرق ہو جائے اور کوئی چیز سجدہ کے لئے اپنی نہ کرے کیونکہ اگر کوئی چیز اپنی کی اور اس پر سجدہ کیا تو اگر اس نے سر کو نیچا کیا جب تو درست ہے اور اس کی نماز اشارہ سے ہو گئی ورنہ نہیں ہوئی۔

اور اگر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو چیت لٹا دیا جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کر ویئے جائیں اور وہ رکوع اور سجود کے لئے سر سے اشارہ کرے لیکن مناسب ہے کہ اس کے سر کے تلے تکیہ رکھیں تاکہ سر سے اشارہ کر سکے کیونکہ چیت لیٹنا اچھے بھلے کو اشارہ سے مانع ہے پھر بھلا بیمار کا کیا کہنا۔

اور اگر سر سے اشارہ کرنے کی بھی قدرت نہ ہو تو آنکھ آبرو یا دل سے اشارہ نہ کرے بلکہ اگر اس حالت میں نماز کی سجدہ باقی ہے جب تو قدرت کے وقت تک ملتوی رکھی جائے گی اور ساقط نہ ہوگی اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے کیونکہ حکم کا مستعمل سمجھتا ہے اور اگر ایک رات دن سے زیادہ عنادت، وہی تو نماز ساقط ہو جائے گی بشرطیکہ اس مدت کے اندر افاقہ نہ ہوتا ہو اور اگر افاقہ ہوتا ہے تو کسی ایک وقت میں پر مشلاً صبح کے وقت کچھ افاقہ ہو کر بے ہوش ہو جاتا ہے تو یہ افاقہ پہلے بے ہوشی کے حکم کے باطل کرنے کے لئے معتبر ہے اور اگر افاقہ کا کوئی وقت میں نہیں بلکہ ناگاہ کبھی افاقہ ہو کر پھر بے ہوشی ہو جاتی ہے تو ایسے افاقہ کا اعتبار نہیں ہے۔

اور جو شخص چلتی کشتی میں ہو اور اگر وہ فرض نماز بیٹھ کر رکوع اور سجود کے باوجود قیام پر قدرت ہونے کے پڑھے تو صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ قیام رکن ہے اس لئے بدون عذر واقعی کے ساقط نہ ہوگا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ اس میں دوران سر کا غالب گمان ہے اور غالب گمان بھی واقعی بات ہی کھلی ہے۔ لیکن قیام افضل ہے اور یہی وہ کشتی جو کنارہ پر بندھی ہوئی

سے قریب ہوگا یعنی سونڈھوں کو نائل کر کے سر تو جھکایا لیکن کمر نہیں جھکی تو جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ قائم ہی سمجھا جائے گا رکوع کرنے والا نہیں ہو سکتا اور جو شخص اس قدر کھڑا ہو کہ اسکا کوڑھ رکوع کی حد تک پہنچ چکا ہو تو وہ رکوع میں سر کو جھکا دے تاکہ قیام سے رکوع کی طرف انتقال ثابت ہو سکے۔

پانچواں نماز کے فرائض میں سے سجدہ ہے اور سجدہ زمین یا زمین کے قائم مقام چیز پر سر کار کھنا ہے اور کامل سجدہ وہ ہے جس میں پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں سب عضو رکھے جائیں جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مجھ کو حکم ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر اور دونوں ہاتھوں پر اور دونوں گھٹنوں پر اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور ناک پیشانی میں آگئی اس لئے کہ دونوں کی ہڈی ایک ہی ہے اور اگر صرف پیشانی تو رکھے لیکن ناک نہ رکھے تو جائز تو ہے لیکن اگر بے عذر ہو تو مکروہ ہے اور اگر ایسے ہی صرف ناک رکھے اور پیشانی نہ رکھے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز تو ہے لیکن اگر بے عذر ہو تو مکروہ ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں مگر جبکہ اس کی پیشانی میں کوئی ایسا عذر ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنوں کا رکھنا فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور ہا دونوں قدموں کا رکھنا سو قدوری اور کرنی اور خصاف نے بیان کیا ہے کہ فرض ہے یہاں تک کہ اگر سجدہ کیا اور دونوں پاؤں یا ایک پاؤں زمین پر نہ رکھا بلکہ دونوں زمین سے اٹھائے تو اس کا سجدہ جائز نہیں ہوا اور اگر ایک پاؤں رکھے رہا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور متراشی نے بیان کیا ہے کہ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کا رکھنا فرض نہ ہونے میں یکساں ہے اور اکمل الدین نے شرح ہدایہ میں کہا ہے یہی حق ہے اور شرح منیہ میں مذکور ہے کہ یہ حق سے دور ہے اور مراد دونوں پاؤں کے رکھنے سے خلاصہ کے بیان کی بنا پر دونوں پاؤں کی انگلیوں کا رکھنا ہے اور انگلیوں کے رکھنے سے قبلہ کی طرف ان کا متوجہ کرنا مراد ہے تاکہ اسنی پر نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر دونوں پاؤں کی پشت رکھدی اور دونوں پاؤں کی یا ایک پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف نہ کیں تو سجدہ صحیح نہ ہوگا اور یہ ایسی باتیں ہیں جن کا یاد رکھنا واجب ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غافل ہیں اور اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھا ہاتھ اونچی ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے زیادہ ہے تو جائز نہیں اور اگر پڑھی کے پیچ پر سجدہ کیا تو اگر وہ پیچ پیشانی سے لگا ہوا ہے اور ایسا موٹا نہیں ہے کہ زمین کی سختی معلوم نہ ہوتی ہو تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے اور اگر پیشانی سے لگا ہوا نہیں بلکہ پیشانی سے اوپر ہے یا ایسا موٹا ہے کہ سختی زمین کی معلوم نہیں ہوتی تو جائز نہیں اور ایسے ہی کسی ایسی چیز پر سجدہ کرتا جس سے زمین کی سختی معلوم نہ ہو جیسے دھننی ہوئی روٹی اور برت اور چدینا وغیرہ۔ پیشانی زمین پر یا قائم مقام زمین پر نہ جمنے کی وجہ سے جائز نہیں ہے اور اگر لٹکتے کپڑے پر سجدہ کیا یا زمین پر کوئی کپڑا بچھا لیا اور اس پر سجدہ کیا تو اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں، گفتگو تو صرف کراہت میں ہے اور صحیح مکروہ نہ ہونا ہی ہے جیسی کہ امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے

کہ انہوں نے مسجد حرام میں نماز پڑھی اور سجدہ کیا رو مال پر اس پر کسی نے کہا کہ یہ تو جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ نے اس سے کہا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے۔ اس نے کہا خوارزم کا اس پر امام نے کہا کہ میرے پیچھے سے تکبیر ہوئی یعنی تم لوگ ہم ہی سے سیکھتے ہو پھر ہم ہی کو سکھاتے ہو۔ بھلا کیا تم اپنے ملک میں بردی گھاس پر نماز پڑھتے ہو۔ اس نے کہا ہاں تو امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ تم گھاس پر تو نماز جائز رکھتے ہو اور کپڑے پر نہیں جائز رکھتے اور

پچھٹا فرض نماز کے فرائض میں سے تعدہ اخیرہ ہے خواہ اس سے پیشتر کوئی تعدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو جیسے دو گانہ نماز میں اور فرض کی مقدار اس میں اتنی مقرر ہے جس میں عبدہ در سولہ تک تشہد پڑھ سکے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ابن مسعودؓ سے تشہد سکھاتے وقت یہ فرمانا کہ جب تو یہ پڑھ چکا یا کر چکا تو نماز تیری بے شک پوری ہوگی اس کی دلیل یہ ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پورا ہونے کو فعل پر معلق کیا کچھ پڑھے یا نہ پڑھے اس واسطے کہ معنی اذا قلت هذا کے یہ ہیں کہ پڑھا تو نے تشہد کو بیٹھ کر کیونکہ تشہد کا پڑھنا بجز تعدہ کے مشروع نہیں ہے اور معنی اذا فعلت هذا کے یہ ہیں کہ تو بیٹھ گیا اور کچھ پڑھا نہیں پس اختیار قول میں ہوا نہ فعل میں اس واسطے کہ فعل دونوں حالتوں میں ثابت ہے اور جو امر شرط پر موقوف ہو وہ شرط سے پہلے نہیں موجود ہوتا اور ایک وجہ یہ ہے کہ نماز متناہی ہے اور تنہای بدون تمام ہونے نہیں ہوتی اور تمام ہونا بدون تمام کئے نہیں ہوتا اور تمام کرنا بے شارع کے بتلائے معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ شارع نے تعدہ بتا دیا ہے لہذا وہ فرض ہو گیا اب اگر کوئی اس پر یہ کہے کہ خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی پھر یہاں خبر واحد سے اس کے ثبوت کی کیا وجہ ہے تو جواب یہ ہے کہ فرضیت کا خبر واحد سے ثابت نہ ہونا ہر صورت میں نہیں ہوتا۔ بلکہ جب خبر واحد سے کوئی بات از سر نو ثابت کریں اور اگر ابتداءً ثابت نہ کریں بلکہ خبر واحد اجمال کا بیان کر دے تو ایسی حالت میں وہ بات ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ خود نماز تو قرآن سے ثابت ہے اور نماز کا تمام ہونا بھی اسی میں داخل ہے پس اس کا تمام بھی قرآن سے ثابت ہونا لازم آیا۔ اب اس خبر نے تو صرف کیفیت تمام بیان کی ہے لہذا تعدہ فرض ہوا اور اس کے فرض ہونے کا ناائدہ کئی مسائل میں ظاہر ہو گا ان مسائل میں سے اول۔ یہ ہے کہ جس نے ظہر یا ایسی ہی کسی اور نماز میں پانچ رکعت پڑھیں اور اس طرح کہ پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا اور چوتھی رکعت پر تعدہ نہ کیا تو اس نماز کی فرضیت باطل ہو کر امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نفل ہو جائے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک تو فرضیت بھی باطل ہوگی اور نماز بھی نہیں رہی اور ایسے ہی اگر مغرب کی تیسری رکعت یا فجر کی دوسری رکعت پر تعدہ نہ کیا اور

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسافر اگر قضا نماز میں مقیم کا مقتدی بنے تو یہ اس کی اقتدا صحیح نہیں

کیونکہ درمیان کا تعدد مسافر کے حق میں تو فرض ہے اور مقیم کے حق میں فرض نہیں لہذا اس کا ایسے شخص کی اقتدا کرنا نفل پڑھنے والے کے ساتھ فرض پڑھنے والے کی اقتدا کی طرح ہوا اور یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں اور مسافر کو مقیم کی اقتدا صرف وقت ہی میں جائز ہے کیونکہ مسافر کی نماز اقتدا کے سبب سے وقت میں تو چار رکعت ہو جائے گی۔ وقت کے بعد نہیں ہو سکتی۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نمازی کو بقدر تشہد بیٹھنے کے بعد آخر نماز میں اگر سجدہ تلاوت یاد آیا اور اس نے سجدہ کیا تو وہ تعدد باطل ہو گیا اور اب اگر سجدہ تلاوت کے بعد بقدر تشہد تعدد نہ کرے گا تو اس کی نماز ایک رکن یعنی تعددِ اخیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ اگر نمازی پورے تعددِ اخیرہ میں سو گیا تو سو بکنے کے وقت اس پر فرض ہے کہ بقدر تشہد بیٹھے اور اگر نہ بیٹھا تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ جو نماز کے افعال سونے کی حالت میں ادا ہوں ان کا بلا اختیار ہونے کی وجہ سے کچھ اعتبار نہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہ مسئلہ اکثر واقع ہوتا رہتا ہے اور خاص کر تراویح میں اور بالخصوص گرمیوں کی راتوں میں لیکن لوگ اس سے غافل ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رضا مندی کے موافق عمل اپنے لطف اور کرم سے ہم پر آسان فرمائے۔

تیرہویں مجلس پنجگانہ نماز کی فضیلت اور گناہوں کے واسطے انکے

کفارہ ہونے کے بیان میں

پنجگانہ نماز کی برکت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دیکھو تو سہی اگر تم میں سے کسی گناہ بخش دیئے جاتے ہیں شخص کے دروازے پر نہر بہتی ہو اور وہ ہر روز اس میں پانچ مرتبہ نہا کرتا ہو تو کیا اس پر کچھ میل باقی رہے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا بس یہی پنجگانہ نمازوں کی بھی مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو پنجگانہ نمازیں پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ ان نمازوں کی برکت سے بخش دیتا ہے۔ لہذا ہوسن کو لازم ہے کہ نمازوں کو وقتوں پر رکوع اور سجود اور تمام ارکان کو جو نماز کے اندر ہیں کامل طور پر کر کے مداومت رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگر اپنی کتاب میں کسی جگہ حکم فرمایا ہے قرآن سے ارکان نماز کی فرضیت | لیکن اس کے ارکان کو اس میں متفرق ذکر کیا ہے۔ چنانچہ تکبیر تحریر کی فرضیت سورہ مدثر کے اس قول میں "اور اپنے رب کی بڑائی کر" اور قیام کی فرضیت سورہ بقرہ کے اس قول میں "اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے" اور قرأت کی فرضیت اس

ارشاد سے سورہ منزل کے اندر پس پڑھو جتنا آسان ہو قرآن سے اور رکوع اور سجود کی فرضیت سورہ جمع کے اس قول میں مذکور ہے "اے ایمان والو رکوع کو دو اور سجدہ کو دو نبی علیہ السلام کی تعلیم سے صرف ترتیب معلوم ہوئی ہے کبھی تو آپ کے کرنے سے اور کبھی آپ کے بتانے سے جیسا کہ علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور علماء کہتے ہیں جو شخص نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور نماز شروع کرتے وقت تکبیر اللہ اکبر کہے۔ اس طرح کہ اللہ کے ہمزہ اور اس کی با پر مد نہ کہنیچے اس اور ادائیگی کا طریقہ لے لے کہ اگر ان دو ہمزوں میں سے ایک پر بھی مد پیدا ہوگا تو نماز شروع نہ ہوگی بلکہ اگر نماز کے درمیان کی کسی تکبیر پر مد ہو جائے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر تصدأ کرے گا تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اب یہ کلام استغہام ہو جائے گا اور اس کا مضمون اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں شک ہونا ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ کہنے والے کو مد اور غیر مد میں کچھ تمیز نہ ہو تو نماز شروع ہو جائے گی اور اگر درمیان نماز میں مد آجائے تو فاسد بھی نہ ہوگی اور استغہام میں یہ بھی احتمال ہے کہ تقریر کے لئے ہو لیکن اول مذہب اصح ہے کیونکہ اس جیسی جہالت عذر بنتے کی صلاحیت منہیں رکھتی اور وہ تقریر جو استغہام سے حاصل ہوتی ہے اس کے معنی تو مخاطب کو اس چیز کے اقرار پر ابھارنا ہے جس کو خود جانتا ہے اور یہ بات کچھ ٹھیک نہیں کہ انسان خود اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے اثر پر ابھارے اور اکبر کی بار میں اگر مد واقع ہوا اور بار اور رار کے درمیان الف بڑھا کر اکبار کہا تو بھی نماز شروع نہ ہوگی اور اگر نماز کے درمیان میں ایسا ہوگا تو نماز فاسد ہو جائے گی اس لئے کہ اس کے متعلق علماء کہتے ہیں کہ یہ شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ کبر کی جمع ہے جو کاف اور بار کے زبر سے ہے اور جس کے معنی نفا سے کے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ نماز شروع ہو جاتی ہے اور اگر درمیان میں کہے تو فاسد بھی نہیں ہوتی کیونکہ یہ اشباع ہے لیکن صحیح مذہب اول ہی ہے کیونکہ اشباع آخر کلمہ میں ہوتا ہے نہ درمیان میں اور تکبیر تحریر کا تکبیر تحریر کا موقع | موقع خالص قیام ہے یہاں تک کہ اگر امام کو رکوع میں پایا اور جھکتے ہوئے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا گیا تو نماز شروع نہ ہوگی کیونکہ نماز شروع ہونے کے لئے تکبیر کا خالص قیام میں واقع ہونا شرط ہے اور اگر اللہ کھڑے کھڑے کہا اور رکوع میں اکبر کہا تو بھی نماز شروع نہ ہوگی اور تکبیر تحریر کے وقت دونوں ہوگی اور تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ یہاں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے کہ اگر بلا عذر ہمیشہ کو ان کا اٹھانا چھوڑ دے گا تو گنہگار ہوگا۔ ہاں کبھی کبھی چھوڑنے سے گنہگار نہ ہوگا۔ لہذا نماز شروع کرنے والے کو مناسب ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ یہاں تک اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی نوک کے مقابل ہو جائیں اور ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہ انگلیاں بند کرے اور نہ کشادہ کرے بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دے۔ قاضی خاں کہتے ہیں کہ انگوٹھوں

کے سرے کانوں کی نو سے لگاٹے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں قبلہ کی طرف کامل طور سے متوجہ ہونے کے لئے قبلہ کی طرف رکھے اور بعضے کہتے ہیں کہ ہر ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسری ہتھیلی کی طرف رکھ کر اللہ اکبر کہے اور یہ ہی صحیح ہے اس واسطے کہ ہتھیلی کو اس طرح کرنے میں منہی کے معنی ہیں اور اس کے قول اللہ اکبر میں اثبات کے معنی ہیں اور نمازی اپنے عمل یعنی ہاتھ اٹھانے سے غیر اللہ تعالیٰ سے بڑائی کی منہی کرتا ہے اور اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے واسطے بڑائی ثابت کرتا ہے اور منہی اثبات پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسا کہ کلمہ توحید میں ہے اور اگر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھاتے اور یوں ہی تکبیر کہہ لی تو پھر ہاتھ نہ اٹھاتے اس واسطے کہ اب اس کا محل جاتا ہاں اگر تکبیر کہتے ہوئے یاد آ گیا تو اٹھا دے اس واسطے کہ محل ابھی فوت نہیں ہوا ہے اور اگر مقام مسنون تک اٹھانے پر قدرت نہ ہو تو جس قدر ممکن ہو اٹھانے اور اگر ایک ہاتھ اٹھ سکتا ہے دوسرا نہیں تو ایک ہی کو اٹھا دے جیسی کہ نبی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب میں تم کو کسی بات کا حکم کیا کروں تو اس میں سے جتنا تم سے ہو سکا کرے بجالا لیا کرو اور اگر اس سے دونوں ہاتھ بغیر اس بات کے کہ مقدار مسنون پر کچھ زیادہ ہو جائے نہیں اٹھ سکتے جب بھی اٹھائے کیونکہ وہ سنت کو بجا لار ہا ہے اور زیادتی سے باز رہنے کی طاقت نہیں۔

اور عورت اپنے دونوں ہاتھ موٹھوں تک اٹھائے۔ یہ ہی صحیح ہے کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ پردہ پوش ہے اور جب نمازی تکبیر سے فراغت پائے تو داسنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھ کر چھنگلیا اور انگوٹھے سے گٹے پر ناف سے نیچے حلقہ باندھ لے اور یہی وضع ہر اس قیام میں مسنون ہے جس میں مسنون ذکر ہے اور جن میں مسنون ذکر نہ ہو اس میں چھوڑ دینا ہی مسنون ہے جیسے رکوع کے بعد قوم میں اور عیدین کی تکبیروں میں عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے پردہ پوش ہے۔ پھر سبحانک اللہم پڑھے جس کے معنی یہ ہیں کہ یا الہی میں تیری پاکی بھی بیان کرتا ہوں اور تعریف بھی کرتا ہوں۔ تیرا نام بڑا بابرکت ہے۔ تیری بڑائی برتر ہے اور شہادت تیرے سوا اور کوئی عبادت کے قابل نہیں اور جل و ثنا ذکر نہ کہے کیونکہ اس کا مادیت مشہورہ میں ذکر نہیں ہے اور کانی میں مذکور ہے کہ اگر اس کلمہ کو نہ کہے تو حکم نہ کریں گے اور اگر کہے تو منع بھی نہ کریں گے۔ پھر آعوذ باللہ پڑھے جس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان راند و درگاہ سے اللہ کی تعوذ اپنا ہا مانگتا ہوں اور امام ابو حنیفہ ر و امام محمد آ کے نزدیک آعوذ باللہ قرأت کے ساتھ سبحانک اللہم کے ساتھ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مسنون اس کو پڑھے موقوف پڑھے۔ اس کے بعد پھر

مذکورہ شخص جبکہ امام کے ساتھ کوئی رکعت چھوٹ جائے اور مومن وہ جو ابتدا سے امام کیساتھ ہو طلب یہ ہے کہ چونکہ مسنون اپنی بقیہ رکعت امام کے نماز سے فراغت کے

پڑھے گا تو وہ جب سبحانک اللہم پڑھے تو آعوذ باللہ پڑھے اور مومن وہ جو ابتدا سے امام کے ساتھ ہے وہ صرف سبحانک اللہم پڑھے کر خاموش ہو جائے۔

تسمیہ | بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں مسنون ہے جیسا کہ ابو یوسف نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے مگر صرف امام پڑھے، مقتدی نہ پڑھے۔ اسکے بعد سورت فاتحہ نماز میں قرأت کا مسئلہ | پڑھے اور اس کو پڑھ چکے تو آئین کہے۔ پھر اس کے ساتھ کوئی پوری سورۃ ملائے یا تین آیتیں جس سورت میں سے چاہے لیکن اگر سورت فاتحہ کے ساتھ ایک چھوٹی یا دو چھوٹی آیتیں پڑھیں تو ترک واجب کی وجہ سے کراہت تحریمی سے خالی نہیں ہے کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد کوئی پوری سورت یا تین چھوٹی آیتیں یا ایک بڑی آیت جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو مانا واجب ہے اور یہ مقدار گو کراہت تحریمی سے نکال دیتی ہے لیکن حامل مسنون میں نہیں پہنچتا بلکہ کراہت تنزیہی میں آجاتا ہے۔ اس لئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا سفر میں ہو گا یا حضر میں اگر سفر میں ہے تو ضرورت کے وقت خوف ہے یا جلدی سورت فاتحہ کے ساتھ جس سورت کو چاہے یا ایک سورت کے برابر جس جگہ سے آسان ہو پڑھے اور حالت اختیار اور ضرورت نہ ہونے کے وقت فجر کی نماز میں تو سورت بروج سورت فاتحہ کے ساتھ یا اس کے برابر اور کوئی سورت اور اسی طرح ظہر میں پڑھے اور عصر یا عشاء میں یا اس سے کچھ کم اور مغرب میں بہت چھوٹی سورتیں جیسے سورت عصر اور سورت کوثر پڑھے اور اگر مقیم ہے اور وقت کے گزر جانے کا خوف ہے تو اتنا پڑھے کہ نماز فوت نہ ہو جائے اور اگر وقت کے جانے کا خوف نہیں ہے تو فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں پالیس آیتیں پڑھے اور یہ سنت کا ادنیٰ درجہ ہے یا ساٹھ آیتیں اور یہ اوسط درجہ ہے یا سو آیتیں اور یہ اعلیٰ درجہ ہے جیسی کہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فجر کی نماز میں چالیس آیتیں یا ساٹھ آیتیں یا سو آیتیں پڑھا کرتے تھے اور بعض دفعہ سورت والصافات پڑھتے اور کبھی سورۃ قی پڑھتے اور حضرت ابن عمر کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرأت میں تخفیف کا حکم فرماتے تھے اور خود الصافات سے امامت کیا کرتے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ الصافات کا پڑھنا تخفیف ہی میں داخل ہے۔ پھر جب قرأت سے فارغ ہو تو بھکتے ہوئے رکوع کی تکبیر رکوع و سجود اور ان کا طریقہ | کہے اور اگر بھکتے وقت تکبیر نہ کہی تو رکوع میں جا کر تکبیر نہ کہے۔ اس واسطے کہ اس کا محل فوت ہو گیا اور غنیہ میں مذکور ہے کہ جو اذکار انتقالات کے اندر شرع میں مقرر ہیں ان کو انتقالات کے بعد ادا کرنے میں دو کراہتیں ہیں۔ ایک تو ان کو اپنی جگہ سے ٹلانا اور دوسرے بے محل ادا کرنا اور تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ گھٹنوں پر انگلیاں کشادہ کر کے رکھنا اور اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ انگلیوں کا کشادہ کرنا مستحب نہیں اور اپنی پیٹھ کو برابر کر دے۔ اس طرح کہ اگر اس کی پیٹھ پر پانی بھرا پیالہ رکھ دیا جائے تو ٹھہرا رہے اور سر کو پیٹھ کے برابر کر دے اور نہ سانس کی طرح اونچا کرے اور نہ سورت کی طرح نیچے جھکائے اور رکوع کے اندر سبحان رب العظیم

تین بار کہے اور یہ کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے اور اس سے گھٹانا مکروہ ہے اور اگر اس سے زیادہ کہے تو افضل ہے بشرطیکہ تنہا پڑھتا ہو اور عند طاق پر پورا کرے۔ پھر سمع اللہ منہ سبحانہ کہتا ہو اسے اٹھائے اور جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو قیام میں اگر تنہا ہو تو دینا اللہ الحمد کہے۔

پھر سجدہ کے لئے جھکتا ہوا تکبیر کہے اور اگر جھکتے ہوئے تکبیر نہ کہی ہو تو سجدہ میں جا کر محل فوت ہو جانے کی وجہ سے پھر نہ کہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملا کر زمین پر رکھے اور اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ انگلیوں کا ملانا مستحب نہیں۔ پھر اپنی پیشانی دونوں ہاتھوں کے درمیان میں اس طرح رکھے کہ اس کے دونوں اٹوٹے کانوں کے مقابل رہیں اور دونوں پہلوؤں کو ظاہر کر کے گرجھجھج میں نگرے اور اپنے پیٹ کو دونوں رانوں سے الگ رکھے اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کر دے اور سجدہ کے اندر سبحانہ اے الاعلیٰ تعین بار کہے اور یہ کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے یہاں تک کہ اس سے کم کرنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ کہے تو افضل ہے بشرطیکہ تنہا نماز پڑھ رہا ہو اور طاق عدد پر تسبیح کو تمام کرے۔

اور عورت سجدہ کرنے میں مرد کی طرح ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ عورت نہ اپنے پہلو کو ظاہر رکھے اور نہ اپنے پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے بلکہ اپنے پیٹ کو رانوں سے ملا دے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ پردہ پوش ہے۔

اور پورا سجدہ پیشانی اور ناک دونوں کے لگانے سے ہوتا ہے اور صرف ایک سے مکروہ ہے اور ایسا ہی پگڑھی کے بیچ پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ اگر پیشانی سے ملنا ہو اور موٹا نہ ہو کہ زمین کی سختی معلوم ہوتی ہو اور اگر پیشانی پر نہ ہو بلکہ پیشانی سے اوپر ہو یا اتنا موٹا ہو کہ زمین کی سختی اس میں معلوم نہ ہوتی ہو تو ایسی حالت میں سجدہ جائز ہی نہیں ہے اور ایسے ہی ہر ایسی کسی چیز پر سجدہ کرنا جائز نہیں ہے جس میں زمین کی سختی نہ معلوم ہو جیسے دستی ہونے والی اور برتن اور چھینا اور اسی طرح کی چیزیں کیونکہ پیشانی زمین یا زمین کے مثل پر نہیں پہنچی

اور دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا سجدہ میں فرض نہیں ہے بلکہ سنت ہے اور رانوں پاؤں کا رکھنا سو قدوری اور کرنی اور خطاٹ نے تو ذکر کیا ہے کہ فرض ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے سجدہ کیا اور دونوں پیر یا ایک چیز زمین پر نہ رکھا بلکہ دونوں کو زمین سے اٹھائے رکھا تو سجدہ جائز نہیں اور اگر ایک پیر رکھ دیا ہے تو جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے اور تراثی نے نہ ہونے میں ذکر کیا ہے کہ دونوں ہاتھ اور دونوں پیروں کا رکھنا فرض نہ ہونے میں یکساں ہے اور اکمل الدین نے شرح بدایہ میں کہا ہے کہ یہی حق ہے اور شرح منیہ میں مذکور ہے کہ یہ حق سے دور ہے اور دونوں پاؤں رکھنے سے جیسا کہ خلاصہ میں مذکور ہے دونوں پیروں کی انگلیاں رکھنا اور انگلیوں کے رکھنے سے انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ رکھنا مراد ہے تاکہ زور ان ہی پر رہے۔ یہاں تک کہ اگر دونوں پیروں

کی پشت زمین پر رکھدی اور دونوں پیروں یا ایک پیر کی انگلیاں قبلہ کی طرف نہ رکھیں تو اس کا سجدہ صحیح نہیں ہوگا اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کا یاد رکھنا واجب ہے۔ حالانکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں پھر تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے اور بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے پس جب اطمینان سے بیٹھ جائے اور اعضاء کی حرکت ختم جائے اس طرح کہ ایک مرتبہ تسبیح کہنے کے برابر مٹھرے تو تکبیر کہہ کر پہلے سجدہ کی طرح دوسرا سجدہ کرے اور پہلے سجدے سے دوسرے سجدے کے واسطے سر اٹھانے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور اصح روایت جیسی کہ ہدایہ میں مذکور ہے یہ ہے کہ اگر سجدے سے قریب ہے تو سجدہ ثانی جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی حالت میں بیٹھا ہوا نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہذا دوسرا سجدہ پایا نہ جائے گا بلکہ ایسا ہے کہ گویا ایک ہی سجدہ کیا اور اگر بیٹھنے سے قریب ہے تو جائز ہے اس لئے کہ ایسی حالت میں اس کو بیٹھا ہوا سمجھا جائے گا۔ لہذا دوسرا سجدہ ثابت ہو جائے گا اور بعضے کہتے ہیں کہ اگر اتنا سر اٹھائے کہ اس کی پیشانی اور زمین کے درمیان میں سے ہو اگر جائے تو جائز ہے لیکن اتنی مقدار پر کفایت کرنا سخت مکروہ ہے۔ اس واسطے کہ ایسا کرنا اس طریقے کے مخالف ہے جس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندگی بھر برابر کرتے رہے اور جب دوسرے سجدے سے دوسری رکعت میں قرأت فراعت پائے تو تکبیر کہے اور سیدھا کھڑا ہو جائے اور بلا عذر اپنے ہاتھوں کا سہارا زمین پر نہ دے بلکہ اپنے گھٹنوں پر سہارا کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں ویسا ہی کرے جیسا کہ اول رکعت میں کیا ہے ہاں فرق اتنا ہے کہ نہ سبحانک اللہم پڑھے اور نہ اعوذ باللہ اور نہ ہاتھ اٹھائے۔ پھر جب دوسری رکعت پوری کر چکے اور اس کے دوسرے سجدے سے سر قعدہ اور تشہد اٹھائے تو بائیں پاؤں بچھائے اور اس پر بیٹھ جائے اور داہنی پاؤں کھڑا رکھے اور اس کی انگلیاں قبلہ رخ کر دے اور اپنے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو پھیلا رکھے۔ اور قبلہ رخ کر دے کیونکہ حتی الامکان تمام اعضاء کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت ہے اور عورت اپنی سرین پر اس طرح بیٹھے کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور اپنی بائیں سرین پر بیٹھ جائے کیونکہ اس کے لئے اس میں پردہ زیادہ ہے۔ پھر تشہد پڑھے اور کہے التحیات للہ آپ جسکا ترجمہ یہ ہے "سلام ہے واسطے اللہ کے اور رحمتیں اور پانگیزگی تم پر سلام ہو اے نبی اللہ کی رحمت اور برکتیں ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ نماز جو پڑھی ہے دو رکعت نماز سے زیادہ فرض ہو اور دو رکعتوں سے زائد ہو تو اتنے تشہد سے زیادہ پہلے فرض نماز میں قرأت قعدہ میں کچھ نہ پڑھے بلکہ تکبیر کہے اور تیسری رکعت کے لئے اگر کوئی عذر نہ ہو تو زمین پر ہاتھوں کو ٹیکے بغیر کھڑا ہو جائے پھر دو پھل دو رکعتوں میں مختار ہے

چاہے فقط سورۃ فاتحہ پڑھے اور یہی افضل ہے اس لئے کہ سورۃ فاتحہ کا پچھلی دو رکعتوں میں پڑھنا ظاہر روایت میں سنت ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کو ترک کر دے یا اس کے ساتھ بھولے سے کوئی سورت ملائے تو سہو کا سجدہ لازم نہیں آتا اور اگر چاہے تو تین مرتبہ تسبیح کہے اور اگر چاہے اتنی دیر چپکا کھڑا رہے ہاں یہ بات ضرور ہے کہ اگر قصد اچھا کھڑا رہے گا تو ترک سنت کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اگر وہ نماز جو پڑھ رہا ہے فرض نہیں ہے بلکہ نفل ہے یا سنت مؤکدہ جیسے ظہر کی اور دو رکعت سے زیادہ سنت جمہور کی سنتیں تو اب ان تین باتوں میں مختار نہیں بلکہ اس پر سورۃ فاتحہ یا نفل نماز میں قرأت کا پڑھنا صحیح کسی سورت کے ملانے کے متعین ہے اس لئے کہ نفل اور سنتوں کی تمام رکعتوں میں قرأت فرض ہے پھر نظروں میں تو تشہد پر کچھ زیادتی کرے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہلے قعدہ بین دو دو بھی پڑھے اور جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو پہلے سبحانک اللہم اور أعوذ باللہ بھی پڑھے اس لئے کہ نفل کا ہر دو گانہ الگ الگ نماز ہے لیکن ظہر اور جمعہ کی سنتوں میں چونکہ ہر ایک ان میں سے علیحدہ مستقل نماز ہے جب تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو تو سبحانک اللہم اور نہ أعوذ باللہ پڑھے اور نہ پہلے قعدہ میں تشہد پر زیادتی کرے یہاں تک کہ منیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ظہر کی سنتوں کے پہلے قعدہ میں دو دو پڑھے لیا تو سجدہ سہو واجب ہونے میں دو قول ہیں۔ پھر قعدہ اخیرہ میں اسی طرح بیٹھے جس طرح کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد دو دو اور دعا پہلے قعدہ میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے اور تشہد کے بعد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دو دو پڑھے اور کہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ
جس کا ترجمہ یہ ہے۔ یا اللہ رحمت نازل فرما محمد اور آل محمد پر جیسے رحمت نازل کی تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر بیشک تو صاحب حمد اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ برکت بھیج محمد اور آل محمد پر جیسا کہ برکت دی تو نے ابراہیم پر اور آل ابراہیم پر بیشک تو صاحب حمد اور بزرگی والا ہے۔

پھر اپنے اور اپنے ماں باپ کے واسطے اگر وہ دونوں مومن ہوں اور سب مومن مرد و مومنہ عورتوں کے لئے استغفار کرے اور یوں کہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي وَالْجَمِيعِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ يَوْمَ لِقَاءِ الْحِسَابِ
جس کا ترجمہ یہ ہے کہ الہی بخشدے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور تمام مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کو جس دن حساب قائم ہو۔

اور وہ دعائیں پڑھے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں اور قرآن مجید کے

الفاظ سے مشابہ ہوں مثلاً یہ کہے
رَبَّنَا آتِنَا فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِيْنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا
لَعْنَةً إِذْ قَدْ بَيَّنَّا زُهْدًا لَكَ رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

ترجمہ اے رب ہمارے دے ہم کو خوبی دنیا میں اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب
سے۔ اے رب ہمارے نہ پھیر ہمارے دل بعد اس کے کہ ہم کو ہدایت دے چکا تو اور
دے ہم کو اپنے پاس سے مہربانی تو ہی دینے والا ہے اور اسی طرح کی اور دعائیں۔ کیونکہ جب نمازی
نماز کے اندر دعائیں ان آیات سے دعا کی نیت کرے گا نہ کہ تلاوت کی تو یہ الفاظ قرآن کے
ایک ضروری احتیاط

الفاظ کے مشابہ ہوں گے اور خود قرآن نہ ہوں گے یہاں تک کہ ان الفاظ
سے جنابت اور حیض میں بھی دعا مانگنی درست ہے اور ایسی دعا نہ مانگے جو آدمیوں کے کلام سے
مشابہ ہو اور یہ وہ دعا ہے جسکا آدمیوں سے مانگنا محال نہ ہو مثلاً یہ کہے الہی مجھ کو مال دے، الہی
مجھ کو لوٹنڈی دے، الہی کسی عورت سے میرا نکاح کر دے۔ پس اگر یہ دعا مانگے گا تو اس کی نماز
ناقص ہوگی۔ اس لئے کہ نماز سے لفظ سلام کے بغیر جو کہ واجب ہے باہر آیا۔ پھر جب تشہد
نماز سے فراغت کے لئے کے بعد دعاؤں سے فراغت پائے تو سلام پہلے اپنی داہنی طرف
سلام اور اس کا طریقہ اور دوبارہ اپنی بائیں جانب پھیرے اور ہر ایک میں یہ کہے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور دونوں میں سے کسی میں دو بار کا تہ نہ کہے کیونکہ یہ جاہلوں کی عادت
ہے اور اگر بائیں طرف پہلے سلام پھیر دیا تو داہنی طرف جب تک کلام نہ کیا ہو سلام پھیر دے
اور بائیں طرف کا سلام دہرائے نہیں اور اگر چہرے کے سامنے سلام پھیرا ہے تو دوبارہ بائیں
طرف پھیر دے۔ یہ حضرت علیؑ سے منقول ہے اور اسی طرح زبیریؑ نے شرح کنز میں ذکر
کیا ہے اور تنہا نماز پڑھنے والا علیکم کے خطاب سے ان سب فرشتوں کی نیت کرے جو اس
کے ہمراہ ہیں اور ان میں کسی عدد معین کی نیت نہ کرے اس لئے کہ ان کی تعداد میں احادیث
مختلف ہیں۔ چنانچہ بعضے تو کہتے ہیں کہ ہر مومن کے ساتھ پانچ فرشتے ہیں اور بعضے
ہر مومن کے ساتھ فرشتوں کی تعداد کہتے ہیں کہ ساٹھ ہیں اور کوئی کہتا ہے ایک سو ساٹھ
ہیں اور کوئی کہتا ہے دو ہیں اور کوئی کچھ اور کہتا ہے اور سب قولوں میں صحیح یہ ہے کہ وہ
پانچ ہیں ایک داہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے
ایک اس کے سامنے جو نیک بات کی تلقین کرتا ہے اور ایک اس کے پیچھے جو تکلیف کی
چیزوں کو دور کرتا ہے اور ایک اس کی پیشانی کے پاس جو اس درد کو لکھتا ہے جو حضرت
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھیجتا ہے۔ اور حضور تک اسے پہنچاتا ہے اور نمازی کو بطور

آداب کے یہ مناسب ہے کہ قیام کی حالت میں اپنی نگاہ سجدہ کی جگہ پر رکھے اور رکوع کی حالت میں منار کے آداب میں پاؤں کی پشت پر اور سجدہ کی حالت میں تاک کے نتھنوں پر اور بیٹھنے کی حالت میں اپنی گود پر جہاں دونوں زانوؤں کے اوپر کپڑا رہتا ہے اور پہلا سلام پھیرتے وقت دائیں ہونڈھے پر اور دوسرا سلام پھیرتے وقت بائیں ہونڈھے پر رکھے کیونکہ مقصود نواکس اور بناوٹ کا ترک کر دینا ہے اور یہ تمام باتیں انکساری کی ہیں کیونکہ نمازی جب بناوٹ چھوڑ دینگا تو اس کی نگاہ ان ہی مقاموں پر پڑے گی خواہ قصد کرے یا نہ کرے اور نمازی کو یہی مناسب ہے کہ دونوں پیروں کے درمیان میں قیام کے وقت چار ملی ہوئی انگلیوں کے برابر فرق رکھے اور نمازی کو کبھی دائیں پاؤں پر جھک جانا اور کبھی بائیں پر مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک انتہائی عبرت نسل ہے جو انکساری کے خلاف ہے۔

اللہ ہم پر خاشعین کے عمل آسان کر دے۔

پہلوئیں مجلس جماعت کی فضیلت اور اس کے ترک کے نیکی

وعید کے بیان میں

نماز باجماعت کی فضیلت و اہمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پڑھنے والے کی نماز سے ستائیس درجہ ثواب میں زیادہ ہے۔ لہذا اس بنا پر مومن کو چاہیے کہ ہمیشہ پانچوں نمازوں میں جماعت سے ادا کرے تاکہ جس ثواب کا وعدہ ہے پائے کیونکہ نماز کا جماعت سے پڑھنا اس قدر سخت سنت ہے کہ واجب کے قریب قریب ہے یہاں تک کہ اگر کسی شہر کے سب لوگ جماعت چھوڑ دیں تو ہتھیار سے ان کے ساتھ لڑنا واجب ہے کیونکہ یہ جماعت شعار اسلام کی خصوصیات سے ہے جو کسی دین میں نہ تھی اور اگر اپنے لوگ جماعت کو بلا عذر ترک کر دیں تو ان کو تنبیہ کرنا واجب ہے اور ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور ان کے ہمسائے اس سے خاموش رہنے یعنی منع نہ کرنے سے گنہگار ہوں گے اور عینہ اور کھیر کی کثرت عذر شرعی اور گھریا مسجد اور جاڑے کی شدت اور اندھیرے کی زیادتی عذر ہے اور مسائل فقہ میں جماعت کا مسئلہ کی بحث اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ عذر نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی عذر ہے۔ بشرطیکہ نہ سمجھیں اور جماعت کی بے پرواہی سے ہو اور نہ ترک جماعت کی

عادت کرے اور گھر کے اندر جماعت کرنے میں علماء کا اختلاف ہے اور اصح مذہب یہ ہے کہ گھر کے اندر جماعت بھی مسجد میں قائم کرنے ہی کی طرح ہے لیکن اتنی فضیلت نہیں اور جس کو اپنی مسجد میں جماعت نہ ملے تو اور مسجدوں میں تلاش کرنا اس پر واجب نہیں بلکہ اگر اور کسی مسجد میں آیا اور جماعت سے نماز پڑھی تو بھی بہتر ہے اور اگر اپنی ہی مسجد میں پڑھ لی تو بھی بہتر ہے اور اگر اپنے گھر گیا اور اپنے اہل کے ساتھ جماعت سے پڑھے یہ بھی بہتر ہے۔

امامت کے لئے سب سے اور امامت کے لئے وہ شخص ادلی ہے جو نماز کے احکام سب سے بہتر آدمی کی سلامت زیادہ جانتا ہو اور اگر علم میں سب برابر ہوں تو جو سب سے اچھا تباری ہو اور اگر علم اور قرأت میں دونوں برابر ہوں تو جو سب میں پرہیزگار ہے اور اگر ان تینوں صفتوں میں برابر ہوں تو جو عمر میں سب سے بڑا ہو اور اگر ان چاروں میں بھی برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ نیک سیرت ہو اور اگر ان پانچوں میں بھی برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ خوش رو ہو اور اگر ان چھوں میں بھی برابر ہوں تو جو سب میں زیادہ شریف ہو اور اگر ان ساتوں میں برابر ہیں تو جس کے کپڑے زیادہ سترے ہوں اور اگر ان تمام اوصاف میں برابر ہوں تو یا قرعہ ڈالا جائے یا جماعت والوں کو اختیار ہے جس کو چاہیں امام بنا لیں اور فاسق کو آگے کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ایک تو وہ اپنے دینی کام کا اہتمام نہیں کرتا نیز یہ کہ امامت کے لئے اس کے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہوتی فاسق اور بدعتی کی امامت سے حالانکہ شرع میں اس کی امامت واجب ہے اور ایسے ہی بدعتی مکروہ تحریمی ہے کا آگے کرنا بھی مکروہ ہے اور یہ جب ہے کہ بدعت اس کو حد کفر تک نہ پہنچاتی ہو اور اگر کفر تک پہنچا دے تو پھر اس کی امامت کے ناجائز ہونے میں کچھ کلام نہیں اور جو شخص مسجد میں آیا اور دیکھا کہ جماعت کھڑی ہو گئی تو یہ شخص صف کے اس طرف جماعت کی صف میں بعد میں کھڑا ہو جس طرف آدمی کم ہوں یہاں تک کہ امام صف میں شامل ہونے والے کیلئے ہدایت میں وسط میں ہو جائے اور اگر دونوں جانب برابر ہوں تو داہنی طرف کھڑا ہو اور پہلی صف میں کھڑا ہونا دوسری صف میں کھڑے ہونے سے افضل ہے اور دوسری میں تیسری سے افضل ہے۔ اسی طرح آخر صفوں تک کہ اگلی کھچلی سے افضل ہے جماعت کی صفوں میں فضیلت کے درجے اس لئے کہ حدیثوں میں روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب جماعت پر رحمت کرتا ہے تو پہلے امام پر اتارتا ہے پھر اس سے بڑھ کر اس پر آتی ہے جو مقابل پر پہلی صف میں کھڑا ہو۔ پھر اس کی داہنی طرف، پھر بائیں طرف پھر اس کے بعد دوسری صف پر،

اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اس کے لئے جو امام کے مقابل پیچھے

ہوتا ہے سو نمازیں لکھی جاتی ہیں اور اس کے لئے جو داہنی طرف ہو پچھتر نمازیں اور اس کے لئے جو بائیں طرف کھڑا ہو پچاس نمازیں اور اس کیلئے جو اور صفوں میں ہو پچیس نمازیں، اور جو مسجد میں آئے اور دیکھے کہ پہلی صف پوری ہو چکی تو یہ شخص ان میں نہ گھسے کیونکہ یہ ایذا دینا ہے۔ اور دوسری صف میں کھڑا ہونا ایذا دینے سے بہتر ہے اور اگر پہلی صف میں جگہ باقی پائے اور دوسری میں نہ ہو تو دوسری کو چیر کر چلا جائے۔ اس واسطے کہ اب ان کی اس وجہ سے کچھ عزت نہیں کہ انہوں نے قصور اور گناہ اختیار کیا کہ اول صف کو پورا نہ کیا کیونکہ سنت تو یہ ہے کہ اول صف کو پورا کر لیں، پھر اس کے پاس والی کو تاکہ جو کچھ نقصان رہے سب سے پچھلی صف میں رہے، جیسا کہ مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا پوری کرواگلی صف کو پھر اسکو جو اس سے متصل ہو اور جو کچھ نقصان رہے تو چاہیے کہ پچھلی صف میں رہے۔

اور حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”ہمیشہ لوگ پہلی صف سے پیچھے بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ ان کو آگ میں بھی پیچھے رکھے گا یعنی دوزخ سے سب کے بعد نکالے گا یعنی صف اول سے پیچھے رہنا خیر اور ثواب سے پیچھے رہنا ہے لہذا جو شخص خیر اور ثواب سے پیچھے رہے وہ رحمت الہی اور دخول جنت سے بھی پیچھے رہے گا جس سے اس کا دوزخ میں جانا لازم آیا یہ اور بات ہے کہ اللہ اس کو بخش دے۔ اور صفوں کا سیدھا کرنا اور خوب ل کر پاس پاس کھڑے صفوں کو سیدھا کرنے کی تاکید ہونا بھی سنت ہے جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا سیدھا کر لو اپنی صفوں کو کیونکہ صفوں کو

اور اس کی مخالفت پر عید

سیدھا کرنا بھی نماز ہی کا تہہ ہے“ اور ایک روایت میں ہے کہ نماز کی درستی میں سے ہے۔ اور نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو سیدھا کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ نے ایک شخص کو صف سے باہر سیدھا نکالے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے اللہ کے بندو اپنی صفیں سیدھی کرو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے بگاڑ دے گا۔ یعنی کہتے ہیں کہ چہروں سے مراد دل ہیں جس کی دلیل ایک اور حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ قول ہے کہ ”آگے پیچھے نہ ہونا کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے“ اور یہ اس لئے کہ دلوں کا اختلاف آخر کار چہروں کے اختلاف کا سبب ہو جاتا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے منہ پھیرتا ہے کیونکہ صف سے باہر ہونے والے کا آگے بڑھنا صف کے برابر والوں سے اپنی نوعیت جملانا ہے اور صف سے باہر ہونے والے کا پیچھے ہٹنا ان لوگوں کو ایذا دینا ہے جو اس کے پیچھے ہیں اور یہ دونوں باتیں بعض اور عداوت کا سبب ہیں پس گویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم ظاہر میں نماز کے باجماعت قائم کرنے کے وقت

اتفاق مکرر گئے اور اس میں اللہ اور رسول کے حکم کی اطاعت نہ کرو گے تو تمہارے درمیان بغض واقع ہو جائے گا۔ اور انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ”اپنی صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہو اور گردنیں برابر رکھا کرو۔ قسم ہے کہ اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے بیشک میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس جاتا ہے گویا سیاہ بکری کا بچہ ہے اور جذبات حائے مہملہ اور ذال معجزہ کے زبر سے حجاز کی چھوٹی چھوٹی سیاہ بکریاں ہیں۔ گویا شیطان یہ تاکتا رہتا ہے کہ صف کی خالی جگہ میں گھس جائے اور نمازیوں کے دل پریشان اور ان کی نماز خراب کر دے اور جو شخص جماعت میں آئے تو اس کو صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہونا مکروہ ہے جب تک کہ صف میں کوئی خالی جگہ نہ ہو اور اگر صف میں خالی جگہ نہ ملے تو رکوع تک منتظر کھڑا رہے۔ اگر کوئی اور آجادے تو ایک دوسرے کے اٹل بٹل امام کے مقابل کھڑے ہو جائیں اور اگر کوئی نہ آئے تو صف میں سے کسی ایک کو اپنی طرف کھینچ لے اور اس کے برابر کھڑا ہو جائے لیکن اس زمانے میں تنہا ہی امام کے مقابل کھڑا ہو جانا ادلی ہے۔ کیونکہ لوگوں پر جہالت کا غلبہ ہے پس اگر کسی کو پیچھے کھینچے گا تو نماز توڑ دے گا۔ اور جو شخص ایک شخص کے ہمراہ نماز پڑھے تو اس کو اپنی واپسی طرف کھڑا کرے دو آدمیوں کی جماعت کا طریقہ اور مقتدی کو جائز نہیں کہ امام سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو اور اس میں اعتبار قدم کی جگہ کا ہے یہاں تک کہ اگر مقتدی امام سے اتنا لمبا ہو کہ اس کا سجدہ امام سے آگے واقع ہوتا ہو لیکن اس کا قدم امام کے قدم سے آگے بڑھا ہوا نہ ہو جائز ہے اور قدم میں ایڑی کا اعتبار ہے یہاں تک کہ اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے تو آگے بڑھی ہوئی نہیں ہے لیکن اس کا قدم امام کے قدم سے اتنا بڑا ہے کہ اس کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہیں تو جائز ہے اور امام محمدؐ سے روایت ہے کہ ایک مقتدی اپنی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور جو شخص دو تین آدمیوں کی جماعت کا طریقہ مقتدیوں کے ہمراہ نماز پڑھے تو ان سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دونوں کے بیچ میں کھڑا ہو لہذا اگر ایک مقتدی کو پیچھے کھڑا کیا یا اپنی بائیں طرف تو مکروہ ہے اور امام دو کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ نہیں ہے اور اگر دو سے زیادہ کے بیچ میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔ اور جو شخص مسجد میں آیا اور امام کو پہری قرأت میں پایا تو اس کی اقتداء جماعت شروع ہونے کے بعد شمولیت کر لے اور سبحانک اللہم نہ پڑھے بلکہ سنے اور چپ رہے کرنے والے کی مناز کا طریقہ اور اگر امام کو رکوع میں پائے تو تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہے پھر رکوع میں چلا جائے لیکن اگر اس کا رکوع میں بھٹکنا امام کے سر اٹھانے کے ساتھ ہوگا تو اس کو وہ رکعت نہیں ملی بلکہ اس رکعت میں مسبوق ہوگا کیونکہ رکعت کا پایا جانا جب ہی ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ سارے رکوع میں یا ایک مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنے کے برابر شکر رکعت

ہو جائے اور وہ پائی نہیں اور اگر ایسی حالت میں تکبیر کہی کہ رکوع کے لئے تھکتے ہوئے رکوع کے قریب تھا تو اس نماز میں شامل نہ ہوگا اس واسطے کہ تکبیر تحریمہ کا فائس قیام میں ہونا شرط ہے اور وہ نہیں ہوا اور جو شخص مسجد میں آیا اور امام کو سجدے یا قعدہ میں پایا تو لازم ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے امام کے سامنے سجدہ یا قعدہ میں کھڑے کہے۔ پھر جلدی سے متابعت امام کے لئے سجدے میں یا بلنے والے کے لئے ہدایت قعدے میں چلا جائے اگرچہ وہ سجدہ اور وہ قعدہ اس کی نماز میں خبر نہ ہوگا لیکن اس کو لازم ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے کھڑے کہے اور جلدی سے امام کی موافقت کے لئے سجدہ اور قعدے میں چلا جائے حالانکہ اکثر لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ بعض لوگ تو مسجد میں آتے ہیں اور امام کو سجدے یا قعدے میں پاتے ہیں تو غصہ کھڑے رہتے ہیں یہاں تک کہ سجدے یا قعدے سے فارغ ہو کر پھر کھڑا ہوتا ہے اس وقت اس کی اقتدا کرتا ہے پس جو شخص ایسا کرتا ہے تو وہ اپنا بہت بڑا ثواب اور اجر عظیم کھڑتا ہے لہذا اس کو لازم ہے کہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کی متابعت کرتا ہو اور جس حال میں ہو جلدی کرے۔ اس واسطے کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدہ کرو اور اس کو خبر نہ سمجھو اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ ایسے مسبوق کے حق میں کہتے تھے شاید وہ سر بھی نہ اٹھانے پائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخشدے اور مقتدی کو امام سے پہلے رکوع و سجدہ کروہ ہے کہ امام سے پہلے ہی رکوع اور سجدے کے لئے جلدی کر لے اور کرنے کی ممانعت اور وعید امام سے پہلے رکوع اور سجدے سے سزا اٹھانے اس لئے کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا امام اسی واسطے مقرر ہوا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے لہذا اس کے خلاف نہ کرو پس جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سمع التملین حمدہ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف نہ ہو جبکہ امام سے پہلے رکوع اور سجدے سے اپنا سزا اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا بنا دے اور اس کی صورت گدھے کی سی کر دے اور ان دونوں حدیثوں میں بڑی سختی و وعید ہے جیسا کہ کرمانی نے ذکر کیا ہے کیونکہ صورت کے بدل دینے کا عذاب اور عقوبتوں کی طرح نہیں ہے اور اور اسی لئے اس کو ضرب المثل کیا گیا تاکہ لوگ اس کام سے بچیں اور باز رہیں اور جو شخص مسجد میں جماعت کی صف کے اندر گھس آیا اور اس نے دیکھا کہ لوگ نماز شروع کر چکے ہیں تو اس کو کرسیوں پر پڑھنے کی ممانعت کروہ ہے کہ صف کے اندر گھس کر صف میں مل کر کرسیوں پر پڑھنے لگے اور قیام اور قعود اور رکوع اور سجدہ میں ان کی مخالفت کرے بلکہ سنت یہ ہے کہ

سنئیں یا اپنے گھر میں پڑھے اور یہ سب سے بہتر ہے یا مسجد سے باہر پڑھے یا کسی ستون یا انہی کسی چیز کے پیچھے پڑھے جو آثر بن جانے میں ستون ہی کی طرح ہو کیونکہ صفت کے پیچھے ستون کا بلا کسی حائل چیز کے پڑھنا مکروہ ہے اور صفت کے اندر مل کر بہت ہی کراہت ہے اور امام کو مکروہ ہے کہ جماعت پر قرأت اور ازکار حد مسنون کی ادنیٰ مقدار سے بڑھا کر بوجھ ڈالے جس سے کہ لوگ اکتا جائیں امام کے لئے قرأت و ازکار حد مسنون کیونکہ امام کا یہ فعل جماعت سے نفرت ہو جانے کا سبب ہے سے گھٹانا یا بڑھانا مکروہ ہے اور جماعت سے نفرت ہو جانا اس ثواب سے محرومی کا باعث ہے جو اکیلے کی نماز پر ستائیس درجہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور یہ مکروہ ہوگا لیکن قرأت اور تسبیحات کو حد مسنون کی ادنیٰ مقدار سے گھٹانا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ اتنی مقدار میں وہ معذور نہیں ہیں اور فجر کی نماز میں دونوں فجر کی نماز میں مسنون قرأت کی مقدار رکعتوں کے اندر سورہ فاتحہ کے بعد قرأت مسنون کا ادنیٰ درجہ چالیس آئیں ہیں اور اوسط درجہ ساٹھ اور اعلیٰ درجہ سو آئیں ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام فجر کی نماز میں سورت فاتحہ کے بعد چالیس یا ساٹھ آیتوں یا ایک سو آیتوں کے برابر پڑھا کرتے تھے اور کبھی سورت ق پڑھتے تھے اور کبھی سورت روم پڑھا کرتے تھے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جیسا کہ سفر السعادتہ میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو تحفیف کا حکم دیا کرتے تھے اور آپ امامت میں سورہ والصفحت پڑھتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ والصفحت پڑھنا بھی تحفیف میں داخل ہے جس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور رکوع اور سجود رکوع و سجود کی تسبیحات کی تسبیحات ہیں ادنیٰ درجہ جس سے سنت ادا ہوتی ہے تین بار ہے اس کی مسنون مقدار واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب سجدہ کرے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے اور یہ ادنیٰ مقدار ہے اور ادنیٰ درجہ سے مراد وہ ہے جس سے سنت ادا ہوتی ہے اور اسی لئے تین بار سے کم کرنا مکروہ ہے اور اگر تین بار سے زیادہ کہے تو افضل ہے کیونکہ تین مرتبہ جبکہ ادنیٰ درجہ ہے تو بیشک ادنیٰ مرتبہ سے زیادہ کہنا افضل ہوگا لیکن امام جماعت کی خوشی کے بغیر تین بار سے زیادہ نہ کرے پھر اگر ان کی مرضی سے زیادہ پڑھے تو سنت یہ ہے کہ عدد طاق پر ختم کرے اور وہ یا تو پانچ ہے یا سات اس لئے کہ تین مرتبہ جب ادنیٰ درجہ ہے اور طاق عدد مستحب ہے تو مناسب ہوا کہ درمیانی درجہ پانچ ہوں اور کامل درجہ سات ہوں اور امام کے لئے کہ رکوع اور سجود اور قعدہ کے ازکار یہ مکروہ ہے کہ جلدی کر کے جماعت کو سنت کی ادنیٰ مقدار میں امام کی متابعت کا حکم تسبیح رکوع و سجود میں اور تشہد پورا کرنے سے لیکن اگر امام مقتدی کے تین بار تسبیح کہنے سے پہلے اپنا سر رکوع و سجود سے اٹھالے تو مقتدی متابعت ہی

ہی کرے ہاں اگر امام اس سے پہلے کہ مقتدی تشہد پورا کر لے قعدہ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے تو مقتدی تشہد پورا کرے۔ پھر کھڑا ہوا اور اگر پورا کرنے سے پہلے کھڑا ہو جائے تو بھی جائز ہے اور اسی طرح اگر قعدہ اخیرہ میں امام مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دے تو مقتدی تشہد پورا کرے پھر سلام پھیرے اور اگر تشہد پورا کرنے سے پہلے سلام پھیر دے تو بھی جائز ہے اور اگر امام نے اس سے پہلے کہ مقتدی درود اور دعا پڑھے سلام پھیر دیا تو اب امام کی متابعت ہی کرے کیونکہ درود و دعا سنت ہیں بخلاف تشہد کے کہ وہ واجب ہے۔

پچھنیوں مجلس نماز جنازہ اور اس کی کیفیت کے بیان میں

نماز جنازہ کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جب تم مردے پر نماز پڑھو تو اس کے لئے خالص دعا کرو۔"

یہ حدیث مصابیح کی حدیثوں میں سے ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور اس میں مردے پر نماز اور نماز میں مردوں کے واسطے خالص دعا کرنے کا ذکر ہے لہذا اس کا جانتا ضروری ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور نماز پڑھ ان پر بیشک تیری نماز ان کے لئے تسکین ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا اس آیت میں امر فرمایا ہے نماز جنازہ کے فرض لہذا فرض ہو گئی لیکن ان کی فرضیت علی الکفایہ ہے کیونکہ تمام خلق پر واجب کفایہ ہونے کی دلیل کرنا تو محال اور تکلیف میں ڈالنا ہے۔ لہذا بعض پر اکٹھا کیا گیا اور اگرچہ وہ ایک ہی شخص ہو لیکن افضل یہ ہے کہ جماعت سے ہو اور لوگوں کی کثرت مطلوب ہو جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی نہیں کہ وہ مر جاتے تو اس کے جنازہ پر چالیس مرد سون جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں کھڑے ہوں مگر اللہ ان کی شفاعت اس کے حق میں مان ہی لیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ام المؤمنین عائشہ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسا کوئی مردہ نہیں کہ اس پر ایک جماعت مسلمانوں کی جو سو تک پہنچ جائے نماز پڑھے کہ وہ سب اس کی شفاعت کریں مگر ان کی اللہ اس کے حق میں شفاعت قبول کر ہی لیتا ہے اور اس نماز کے میت کے لئے واجب ہونے کا سبب اس کا میت کی طرف منسوب ہونا ہے کیونکہ اس نماز کو نماز جنازہ کہتے ہیں لہذا اس کو واجب بھی میت کے لئے ہونا چاہیے اور اس کے صحیح ہونے کے لئے وہی شرطیں ہیں جو بیخ وقت نماز کے لئے ہیں اور نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرائط ان شرائط کے علاوہ مردے کا مسلمان ہونا اور پاک ہونا اور نمازیوں کے سامنے ہونا اور اس نماز کا رکن جبکہ کوئی عذر نہ ہو تیمم ہے

اور چار تکبیریں اور دعا مگر ہاں اتسافرق ہے کہ دعائیں مسبوق کی طرف سے امام کافی ہو جاتا ہے نماز جنازہ کے رکن چنانچہ جس وقت یہ غرت ہو کہ جنازہ اٹھ جائے گا تو مسبوق دعا ترک کر دے اور تکبیرات ہی پر اکتفا کرے اور اگر تکبیرات میں سے ایک کو بھی ترک کر دے گا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ اس واسطے کہ ہر ایک تکبیر ایک ایک رکعت کی قائم مقام ہے اور اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ چاروں تکبیریں ظہر کی چار رکعتوں کی طرح ہیں اور دعا کا مناسب محل یہ ہے کہ وہ تین نماز جنازہ کا طریقہ اور تکبیروں کے بعد ہو اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کی ثنا سے ابتدا کرنا پھر نبی دعا کا مناسب محل صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا دعا کا مسنون طریقہ ہے اور قبولیت کی زیادہ امید دلانے والا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی ثنا ہو جیسے کہ اور نمازوں میں ہوتی ہے اور دوسری تکبیر کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہو جیسے کہ تشہد کے بعد اور تیسری تکبیر کے بعد اپنے اور مردے کے لئے اور تمام مومنین کے واسطے دعا ہو اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام کے بعد کوئی دعا نہیں سلام کے سوا کوئی دعا نہیں ہے کیونکہ یہ وقت نماز سے فارغ ہونے کا ہے اور فریضت سلام ہی سے ہوتی ہے نہ کہ دوسری چیز سے اور سلام میں مردے کی مع تمام جماعت کے نماز جنازہ کی دعا نیت کرے اور دعا کی کیفیت یہ ہے کہ دعا یہ پڑھے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيرِنَا وَكَبِيرِنَا وَذَكَرْنَا وَنَاوَأْشَانَا
اللَّهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَيْنَا وَسَلِّمْ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَيْنَا
إِلَيْمَانٍ وَنَحْصٍ هَذَا الْمَيْتُ بِالرِّذْحِ وَالرَّاحَةِ وَالرِّضْوَانِ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ
مَحْسِنًا فِزِدْهُ إِحْسَانَهُ وَإِنْ كَانَ مُسِيئًا فَجَاوِزْ عَنْهُ وَإِقْنَهُ الْإِيمَانَ وَالْبَشْرَى
وَالْكَرَامَةَ وَالزَّلْغَى بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یا اللہ بخشنے ہمارے زندہ کو اور مردے اور ہمارے حاضر کو اور غائب کو اور چھوٹے کو اور بڑے کو اور مرد کو اور عورت کو الہی ہم میں سے جس کو تو زندہ رکھے تو اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو تو موت دے تو اس کو امان پر موت دے اور اس مردے کو آرام اور راحت اور رضامندی کے ساتھ مخصوص کر الہی اگر یہ نیکو کار ہے تو اسکی بھلائی زیادہ کر دے اور اگر گنہگار ہے تو اس سے درگزر فرما اور اس کو امن اور بشارت اور بزرگی اور قرب اپنی رحمت سے عنایت کر اے سب سے زیادہ مہربان

اور اس کے سوا اور دعائیں بھی جائز ہیں اس لئے کہ نماز جنازہ کے واسطے کوئی دعائیں نہیں مردہ بچہ یا دیوانہ کے لئے دعا ہے اور اگر مردہ بچہ یا دیوانہ ہو تو ان کے لئے مغفرت کے لئے دعا نہیں ہے اس لئے کہ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ مَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَيْنَا

کے بعد یہ دعا پڑھے

اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا فَرَطًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا أَجْرًا وَذُخْرًا اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَشَافِعًا ه
بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

ترجمہ یہ ہے الٰہی اس کو ہمارے لئے میرے منزل بنا دے الٰہی ہمارے لئے محنت کا پھل اور سامان بنا دے الٰہی اس کو ہمارے لئے سفارشی اور سفارش قبول لیا ہوا بنا دے اپنی رحمت سے اسے سب سے زیادہ مہربان اور جو شخص امام کے تکبیر تحریر کہہ چکنے کے بعد آئے تو وہ فوراً تکبیر نہ کہے بلکہ ٹھہرا رہے۔ یہاں تک کہ امام دوسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہے اور یہ تکبیر اس کے حق میں مسبوق کے تکبیر میں کہنے کا طریقہ ہے۔ تکبیر تحریر یہ ہو جائے گی۔ لہذا یہ شخص اس تکبیر میں مسبوق ہوگا پس جب امام سلام پھیرے تو اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے اس تکبیر کو قضا کر لے اور اگر امام کے دو تکبیر میں کہہ چکنے کے بعد آیا جب بھی تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام تیسری تکبیر کہے تو اس کے ساتھ تکبیر کہے اور اب یہ دونوں تکبیروں کا مسبوق ہوگا پس جب امام سلام پھیرے تو اس سے پہلے کہ جنازہ اٹھایا جائے دونوں کو قضا کر لے اور اگر امام کے تین تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا جب بھی تکبیر نہ کہے یہاں تک کہ امام چوتھی تکبیر کہے تاکہ امام کے ساتھ تکبیر کہے اور اب یہ تین تکبیروں کا مسبوق ہوگا۔ پھر جب امام سلام پھیرے تو پہلے درپے بغیر دعا کے تکبیریں قضا کر لے قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جائے اس واسطے کہ اگر تکبیریں پوزی ہونے سے پہلے جنازہ اٹھایا جائے گا اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اگر امام کے چوتھی تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا تو پھر اس کی نماز جنازہ فوت ہوگئی برخلاف مسبوق اور صفت میں شامل غافل اس شخص کے جو حاضر ہو صفت میں کھڑا ہو لیکن امام کے ساتھ کے تکبیریں کہنے میں نسرقت غفلت یا نیت میں مشغولی کی وجہ سے تکبیر نہ کہنے پائے تو یہ شخص تکبیر کہے اور امام کے تکبیر کہنے کا منتظر نہ رہے کیونکہ یہ شخص اس تکبیر میں مدرک ہی کی طرح ہے اس واسطے کہ اس کو امام کے ساتھ تکبیر کہنا مشکل سے ممکن ہے اور اگر پہلی تکبیر نہ کہی یہاں تک کہ امام نے دوسری تکبیر کہہ دی تو اب امام کے ساتھ تکبیر کہے اور تکبیر اولیٰ نہ کہے یہاں تک کہ امام سلام پھیر دے اس لئے کہ اگر اب پہلی تکبیر کہے گا تو قضا ہوگی اور مسبوق کو گذشتہ فوت شدہ کی قضا میں امام کے فارغ ہونے سے پیشتر مشغول نہ ہونا چاہیے اور اگر تکبیر اولیٰ نہ کہی یہاں تک کہ امام نے چاروں تکبیریں کہہ لیں تو اب یہ شخص امام کے سلام سے پہلے تکبیر افتتاح کہے اور جب امام سلام پھیر دے تو لگاتار تینوں تکبیریں بدون دعا کے کہے۔ قبل اس کے کہ جنازہ اٹھایا جائے اور اگر امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ تو کہی اور دوسری اور تیسری تکبیر نہ کہی تو پہلے دونوں تکبیریں کہے پھر امام کے ساتھ چوتھی تکبیر کہے۔

اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کی تکبیر اولیٰ کہنے کے بعد آیا تو آتے ہی تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور دوسری تکبیر کا منتظر نہ رہے۔ ابراہیم حلیٰ مینہ کی شرح میں کہتے ہیں کہ ہم انہی کا قول لیتے ہیں اور اگر امام کے پوچھتی تکبیر کہہ چکنے کے بعد آیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تکبیر فتاح کہے اور جب امام سلام پھیرے تو تینوں تکبیریں قضا کرے۔ ابراہیم حلیٰ کہتے ہیں اور اسی پر فتویٰ ہے اور جو مردہ اس سے پہلے کہ اس پر نماز پڑھی جائے دفن قبر پر نماز جنازہ کر دیا گیا بدن نہ پھٹنے سے پہلے واجب کو بقدر امکان ادا کرنے کے لئے اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے اور بدن کے نہ سڑنے کے بارے میں صحیح مذہب کی بنا پر گمان غالب معتبر ہے۔ کیونکہ سڑ جانا موسم کی گرمی اور سردی اور مردے کے موٹا اور دبلا ہونے کے اختلاف سے مختلف ہوتا رہتا ہے اور نماز جنازہ کی امامت کے لئے سب سے مقدم اگر بروقت موجود ہوتا ہے۔ ہو بادشاہ ہے پھر قاضی پھر محلے کا امام پھر ولی اسی ترتیب اور اسکے استعمال کا طریقہ سے جس طرح میراث میں عصبہ بننے کا سب سے پہلا سبب بیٹا ہونا اس کے بعد باپ ہونا اس کے بعد بھائی ہونا اس کے بعد چچا ہونا ہے اور جب امامت کسی کا حق ثابت ہو جائے تو اس کو اختیار ہے کہ اور کسی کو نماز پڑھانے کی اجازت دیدے اور کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ مستحق امامت کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائے اور اگر غیر شخص نے بلا اجازت نماز پڑھا دی تو مستحق کو اختیار ہے اگر چاہے تو پھر سے پڑھے اور پھر جب ولی یا ولی سے جو مقدم ہے یعنی سلطان وغیرہ نماز پڑھ چکے تو اب کوئی نماز نہ پڑھے اس واسطے کہ اس شخص کے نماز پڑھنے سے جو مقدم ہے میت کا حق ادا ہو چکا لہذا نماز جنازہ کا فرض ساقط ہو چکا اب اگر کوئی اور اس کی نماز پڑھے گا تو نفل ہوگی اور جنازہ کی نفل مشروع نہیں اور اسی لئے جو شخص ایک بار ولی کی بلا اجازت نماز جنازہ پڑھ چکا ہو تو وہ پھر دوسری مرتبہ ولی کے ساتھ نہ پڑھے۔ اور اگر میت نے وصیت کی ہو کہ میری نماز فلاں شخص امامت کے لئے میت پڑھائے تو یہ وصیت بالکل صحیح ہے اس قلاں کو ولی کی رضامندی کی وصیت کا حکم کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اگر میت کا کوئی ولی نہیں ہے تو ہمسایہ کے لوگ اولیٰ ہیں اور امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ مردہ امام میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو۔ ہو یا عورت کیونکہ سینہ اس وجہ سے سب اعضا سے اشرف ہے کہ سینہ میں دل ہے جس میں ایمان کا نور ہوتا ہے لہذا اس کے برابر کھڑے ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ اس مردے کی شفاعت اس کے ایمان کی وجہ سے ہے تاکہ اس کی خطاؤں کو اس کا پروردگار معاف کر دے اور اگر میت کا سر امام کے دائیں ہاتھ کی طرف

دیکھیں تو بھی جائز ہے لیکن اگر قصداً ایسا کیا ہے تو سب خطا وار ہیں اور مستحب ہے کہ تین صفیں کریں یہاں تک کہ اگر سات ہوں تو ایک شخص امامت کے لئے آگے بڑھے اور تین اس کے پیچھے نماز جنازہ کی صفیں اور انہیں فضیلت کھڑے ہوں اور دو ان کے پیچھے اور ایک ان دو کے پیچھے اور نماز جنازہ کی تمام صفوں میں کھلی صنف افضل ہے اور تمام نمازوں میں اول صنف افضل ہے نماز جنازہ میں وقت کے اور اگر جمعہ کے دن صبح کو جنازہ تیار ہو گیا تو جمعہ کے وقت تک اس عزمی اعتبار سے کراہت و جواز سے ملتوی رکھنا کہ اس پر جمعہ کے بعد کثیر جماعت نماز پڑھے مگر وہ ہے اور نماز جنازہ طلوع آفتاب کے وقت اور ٹھیک دوپہر کے وقت اور غروب کے وقت جائز نہیں ہے بشرطیکہ جنازہ ان اوقات سے پہلے آچکا ہو اور اگر ان ہی اوقات میں آیا ہو تو بلا کراہت جائز ہے اس لئے کہ نماز جنازہ جیسی واجب ہوتی ہے ویسی ہی ادا کی جاتی ہے کیونکہ وجوب جنازہ آنے سے ہوا ہے اور ان اوقات میں پڑھ لینا ہی جائز ہے اور تاخیر مکر وہ ہے اس لئے نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ چند چیزیں ہرگز نہ مؤخر نہ کی جائیں جن میں سے ایک جنازہ کا ذکر کیا ہے اور اگر جنازہ غروب آفتاب کے بعد آیا ہے تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ کی پھر مغرب کی سنتیں پڑھیں اور بعضے کہتے ہیں کہ مغرب کی سنتیں بھی پہلے پڑھیں اور جنازہ کی سنتیں اگر مسجد میں نماز جنازہ کا شرعی حکم مسجد کے اندر ہو مکر وہ ہے اور اگر جنازہ اور امام اور کچھ لوگ مسجد سے باہر ہوں اور باقی لوگ مسجد میں ہوں تو مکر وہ نہیں ہے اور اگر امام بے وضو ہے اور تمام بلا وضو نماز جنازہ کا حکم شرعی لوگ با وضو ہوں تو اس وجہ سے نماز صحیح نہیں ہوتی دوبارہ پڑھیں اور امام با وضو ہو اور لوگ بے وضو ہوں تو نہ دوہرائیں اس لئے کہ امام کی نماز صحیح ہو گئی اور اسی سے میت کا حق بھی ادا ہو گیا اور نماز جنازہ کی فرضیت بھی ساقط ہو گئی اس لئے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں ہے۔ اور اگر مردوں میں سے کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا اور صرف عورتوں نے جماعت صرف عورتوں کے نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم کر کے نماز پڑھی تو یہ جائز ہے اور اگر عورت اس نماز میں مردوں کی امام بنی تو نماز نہ دوہرائیں اس واسطے کہ مردوں کی نماز اگر چہ فاسد ہوئی لیکن اس عورت کی نماز تو صحیح ہو گئی اور اس سے میت کا حق بھی پورا ہو گیا اور نماز جنازہ کا فرض بھی ادا ہو گیا لہذا دوہرا کر نہ پڑھی جائے کیونکہ اس کا مکر پڑھنا شرع میں ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے اور جو بچہ پیدا ہوا اور مردہ بچے کے جنازہ کی نماز کے ثبوت کی صورتیں اس سے پیدا ہوتے وقت الہی باتیں ظاہر ہوں جن سے اس کی زندگی معلوم ہوتی ہو جیسے رونے کی آواز یا کسی عضو کا بلانا تو اس کا نام بھی رکھا جائے اور نہلائے بھی اور نماز جنازہ بھی پڑھیں اور اگر پیدا ہوتے وقت کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی جس سے اس کی زندگی معلوم ہوتی ہو تو اس پر نماز نہ پڑھیں لیکن اس کے نام رکھنے اور نہلانے میں

اختلاف ہے اور مختار یہ ہے کہ نام رکھیں اور نہ لائیں اور تعظیم النسان کی وجہ سے کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیں۔

اور اگر کوئی بچہ دار الحرب سے پکڑا گیا اور مر گیا تو لاکس کے ساتھ اس کے ماں باپ میں سے کوئی قید ہو کر نہیں آیا ہے تو اس پر نماز پڑھیں کیونکہ اب وہ یا گرفتار کرنے والے کا یا دارالاسلام کا تابع ہے اور اگر وہ کسی ماں یا باپ کے ساتھ گرفتار ہوا ہے تو نماز پڑھیں کیونکہ وہ ماں باپ میں سے جس سے ساتھ گرفتار ہوا ہے اس کی تبعیت میں کافر ہے ماں اگر وہ بچہ اسلام کا اقرار کرے اور وہ اسلام کو اس طرح جانتا ہو جس طرح نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں ان کے سوال کے وقت فرمایا تھا کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور نیک و بد کے تقدیر پر یا اس کے ماں باپ میں سے جس کے ساتھ وہ گرفتار ہوا ہے کوئی مسلمان ہو جائے تو اب اس پر نماز پڑھیں اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بچہ ماں باپ میں سے دین کے اعتبار سے جو اچھا ہو اس کا تابع ہوتا ہے۔ اگر وہ بچہ دارالاسلام میں اپنے باپ کے دارالاسلام میں مرنے کے بعد مر جائے تو اب اس پر نماز پڑھیں کیونکہ باپ کے ابھی مرنے کی وجہ سے تبعیت باقی ہے اور جو سمندر میں مرنے والے کی شخص کشتی میں مر جائے اور کہیں قرب و جوار میں زمین نہیں ہے تجھیز و تکفین اور تدفین تو غسل دے کر اور کفنا کر اور نماز پڑھ کر دریا میں ڈالیں اور جو شخص حد یا قصاص میں مارا جائے تو اس کو نہ لائیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ جیسی کہ حد یا قصاص میں مقتول کی نماز جنازہ کا حکم روایت ہے کہ ماعز بن جبہ رحمہ کئے گئے تو ان کے چچا نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ماعز بن جبہ تو کتے کی موت مارے گئے اب جو حکم ہو کروں پس نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ موت کہہ کیونکہ اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام روئے زمین کے لوگوں پر تقسیم کی جائے تو سب کو کافی ہو جائے جاؤ اور اس کو نہ لائیں اور کفناؤ اور نماز پڑھو اور جو کوئی باغی اور باغی اور ڈاکو پر نماز پڑھی جائے ڈاکو مارا جائے تو نہ نہ لایا جائے اور نہ اس پر نماز پڑھی جائے جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے باغیوں کو نہ غسل دیا اور نہ ان پر نماز پڑھی تو کسی نے ان سے پوچھا کیا یہ لوگ کافر ہیں تو جواب دیا نہیں بلکہ انہوں نے ہم سے بغاوت کی ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انکا غسل اور نماز بغاوت کی وجہ سے ترک ہوئی ہے تاکہ انکے لئے سزا اور اوروں کو تہیہ ہو اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ اس کے حق میں ہے جو عین جنگ میں لڑائی موقوف ہونے سے پہلے مقتول ہو اس کے لئے نہیں ہے جو امام کے قبضہ کے بعد مارا جائے پس اسے تو غسل بھی دیں اور اس پر نماز بھی پڑھیں۔ ذیل میں کہتے ہیں کہ یہ

اچھی تفصیل ہے۔ بڑے بڑے مشائخ نے اس کو اختیار کیا ہے اور ہمارے مشائخ نے مصیبت کے مقتولوں کو بھی باغیوں ہی کے حکم میں ٹھہرایا ہے اور ایسے ہی ان لوگوں کا حکم ہے جو کھڑے رہ کر باغیوں کا تماشہ دیکھیں۔ اگر ان کے پتھر یا تریگ جائے اور اسی حالت میں مر جائیں تو ان پر بھی نماز نہ پڑھی جائے۔ اور اگر باغیوں کے بھاگ جانے کے بعد مرے تو ان پر نماز پڑھی جائے اور جو شخص اپنے آپ کو قصد اقل کرے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک خودکشی کرنے والے کی اس پر نماز پڑھی جائے۔ اور یہی اصح ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ اپنی جان پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن ملک میں فساد نہیں پھیلاتا۔ بلکہ وہ فاسق ہے اور اور فاسق مسلمان ہیں اور جس کو درندہ پھاڑ ڈالے یا آگ میں جل کر مر جائے یا پہاڑ سے گر پڑے چند خاص صورتیں جن میں غسل اور مر جائے یا مکان کے نیچے دب کر مر جائے تو اس کو نہلاتیں دے کر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور اس پر نماز پڑھیں۔ اور جس کو حربی لوگ یا باغی یا ڈاکو مار ڈالیں شہید کی نماز جنازہ اور اور وہ جنہی ہو یعنی اسے غسل کی حاجت ہو تو اس کو غسل نہ دیں اس لئے کہ تدفین بلا غسل ہی ہوگی وہ شہید ہے بلکہ اس پر نماز پڑھیں اور خون کے ساتھ ان ہی کپڑوں میں جن میں قتل ہوا سے دفن کر دیں۔ ہاں جو کپڑے کفن کی طرح نہ ہوں جیسے پوستین اور روئی وار کپڑا اور سوزے اور ٹوٹی اتار لیں اور اگر اس کے کپڑے مسنون کفن سے کم ہوں تو زیادہ کر دیں اور اگر زیادہ ہوں تو رعایت سنت کی غرض سے کم کر دیں اور مقتول کے کسی عضو پر نماز نہ پڑھیں البتہ اگر وہ عضو کل کے حکم میں ہو تو جائز ہے۔ ہاں اگر وہ عضو کل کے حکم میں ہو کہ مردے کا اگر حصہ ہو یا سرح آدھے جسم کے ہو۔ برخلاف اس صورت کے کہ فقط سر ہی طے یا آدھا طول کی جانب سے چراہ ہو تو ایسی حالت میں نہ اس کو غسل دیں اور نہ اس پر نماز پڑھیں۔ اور جس کو سولی دی جائے۔ اس کو تین دن تک اس کی سزا اور لوں کو تینہ سولی پانے والے کی سزا کے لئے سولی پر لٹکا رہنے دیں۔ پھر جب تین دن پورے ہو چکیں تو وارثوں کو دے دیا جائے تاکہ اس کو دفن کر دیں اور اگر کوئی کافر مر جائے اور اس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور اس کا کوئی مسلمان عزیز ہو تو وہی مسلمان عزیز اس کو غسل دے کر دفن کر دے کافر کی تکفین و تدفین کیونکہ روایت ہے کہ جب حضرت علیؑ کے باپ مر گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کا گمراہ چچا مر گیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اس کو نہلاتو اور دفن کر دو لیکن اس کو مسلمان کے غسل کی طرح نہ نہلاتیں بلکہ اس پر پانی بہا دیں اور جیسے

۱۔ جیسے قزاق و غیرہ اور قزاقوں کا حکم اگرچہ اور گذر لیکن چونکہ حضرت علیؑ سے حکم باغیوں کا ذکر کیا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ مقتول باہر مصیبت یعنی قزاق بھی باغیوں کے حکم میں کہ جن کو حضرت علیؑ نے بیان کیا داخل ہیں۔

بخس کپڑا دھوتے ہیں بلا وضو اور وہ اپنی طرف سے ابتدا کر کے غسل دے دیں اور کفن میں بغیر اسکے کہ سنت کی رعایت کریں بلا وضو کپڑے میں لپیٹیں اور بدون لحد کے ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیں اور مردہ کی طرح نہ اتاریں اور یہی جائز ہے کہ اس کا لاشہ اس کے ہم مذہبوں کے حوالے کر دیں اور اگر کفار میں سے اس کا کوئی وارث ہو تو مسلمان کو نہیں چاہیے کہ اس کے کاروبار کا ذمہ دار ہو بلکہ اپنی کو دیدیں تاکہ جیسا وہ اپنے مردوں کے ساتھ کرتے ہیں اس کے ساتھ کریں یہ جب ہے کہ اس کا کفر مرتد ہونے کی وجہ سے نہ ہو اور اگر وہ مرتد ہو کر کافر ہوا ہے تو اس مرتد کی تکفین و تدفین کے ہم مذہبوں کو جن کے دین میں مل گیا ہے نہ دیں بلکہ کتے کی طرح بے غسل و بے کفن کسی گڑھے میں ڈال دیں۔

ذوال ایمان سے بچنا۔ خداوند تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ہم پر آسان فرمائے۔

چھٹیوں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ جسکا

آخر کلام لا الہ الا اللہ ہے وہ جنتی ہے

زندگی کا آخری کلام کلمہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کا آخر
توحید جنت میں لیا جائیگا | کلام لا الہ الا اللہ ہے وہ جنتی ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے۔ معاذ بن جبل نے روایت کیا ہے اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جس کا مرتے دم سب سے آخری کلام کلمہ توحید ہو وہ جنت میں داخل ہو گا یا تو عذاب سے پہلے کہ اس کی خطائیں معاف ہو جائیں یا گناہوں کے برابر عذاب بھگت چکنے کے بعد۔ لہذا اس بیان کی رو سے جس کو اپنی زندگی سے مایوسی ہو جائے تو اس کو استغفار کی کثرت چاہیے کہ استغفار کی کثرت کرے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور گناہوں سے توبہ اور اپنے دل میں یہ خیال رکھے کہ دنیا میں میرا یہی آخری وقت ہے اور یہ گمشدہ کرے کہ اس وقت کو نسکی پر تمام کرے۔ اور اپنے قرض کی ادائیگی میں ادائیگی قرض کی تاکید جلدی کرے تاکہ اپنی قبر میں قرض کی وجہ سے پھنسا نہ رہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ مومن کی جان قرض کی وجہ سے اٹکی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قرض خواہ راضی ہو جائے اور تمام حقداروں کے حق ادا کرنے حقداروں کے حق ادا کرنے کی تاکید میں جلدی کرے جس سے ناحق لیا ہو پھیر دے اور

سے مرتد وہ شخص ہے جو پہلے مسلمان تھا بعد میں وہ اسلام سے پھر کفار کے کسی گروہ میں داخل ہو گیا۔

امانتیں اور مانگی ہوئی چیزیں واپس کر دے اور اپنے لوگوں سے یعنی اپنی بیوی اور مال باپ اور اولاد اور غلاموں اور ہمسایوں اور دوستوں سے اور جس جس کے ساتھ کچھ معاملہ پڑا ہو یا ساتھ رہا ہو معاف کرالے۔ اور جو حق کہ بالفعل ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کی وصیت کر دے یہاں تک کہ اگر اس کے اوائیگی حقوق کی وصیت ذمے حقوق اللہ ہوں جیسے نماز اور زکوٰۃ اور روزے اور حج وغیرہ تو اس پر واجب ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو تنہائی مال میں سے ان حقوق کے ادا کرنے کی وصیت کر دے اور اگر اس کے ذمے ان حقوق میں سے کوئی حق نہ ہو تو اس پر اس کے علاوہ اور کوئی وصیت واجب نہیں ہے بلکہ اب اس کو یہ چاہیے کہ وارثوں کے حال کا لحاظ کرنے چنانچہ اگر وارث نیچے ہوں تو وصیت نہ کرنا ہی افضل ہے۔ اور ایسے ہی اگر بالغ ہوں اور محتاج ہوں کہ ترکہ میں سے اپنا اپنا حصہ لے کر بھی غنی نہ ہوں گے تو یہی وصیت نہ کرنی اس کے حق میں افضل ہے اور اگر غنی ہوں یا ترکہ میں سے اپنے اپنے حصے سے غنی ہو جائیں گے تو افضل یہ ہے کہ تنہائی مال سے کم کی ایسے کام کی جو طاعت ہو۔ وصیت نہ ہو وصیت کر دے۔

پس اول اپنے عزیزوں میں سے اگر وہ محتاج ہوں ان لوگوں کے لئے وصیت کر دے جو وارث نہ ہوں اور اگر وہ محتاج نہ ہوں بلکہ غنی ہوں تو ہمسایوں کے لئے وصیت کر دے اور وہ مقدار جس کے حصہ رسد مل جانے سے وارث غنی ہو جائیں جیسا کہ خلاصہ اور بزازیہ کے وصایا میں مذکور ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ وصیت ادا کرنے کے بعد چار چار ہزار ہر ایک وارث کے لئے بیچ رہیں اور فصلی سے دس ہزار کی روایت ہے۔ اور وصیت کرنے کے بعد چاہنیے کہ اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور امید کی تاکید کے ساتھ حسن ظن رکھے کہ مجھ پر اللہ رحمت کرے گا اور میرے گناہ معاف کر دے گا اور اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ میں اس کی مخلوقات میں سب سے ادنیٰ ہوں اور اللہ تعالیٰ کو میرے عذاب اور طاعت کی کچھ حاجت نہیں ہے اور مناسب ہے کہ قرآن مجید کی ان آیتوں کے پڑھنے میں مشغول رہے جن کا مفہوم امید و لری ہے یا اس کے پاس اور لوگ پڑھیں اور وہ سنتا رہے اور ایسے ہی امید و لری کے معنوں کی حدیثیں اور نیک لوگوں کی حکایتیں اور ان کے مرتے دم کے حالات پڑھے یا اور لوگ اسکے پاس پڑھیں اور یہ سنتا رہے نماز اور طہارت کی پابندی کا حکم اور مناسب ہے کہ بیچکار نماز اور وہ وظیفے جو شرعاً ثابت ہیں اپنی طاقت کے موافق ہمیشہ پڑھتا رہے۔ پس جب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے عاجز ہو جائے تو بیٹھ کر رکوع اور سجود کے ساتھ پڑھے اور اگر رکوع اور سجود کی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اشارے سے پڑھے اور سجدہ کو رکوع سے ذرا پست کرے تاکہ دونوں میں فرق ہو جائے اور اگر بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو اشارے سے کروٹ سے باچت لیٹ کر پڑھے کیونکہ طاعت باری تعالیٰ کے اس قول کے

کے مطابق طاقت کے موافق ہوتی ہے کہ تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس کی گنجائش کے اور ناپاکیوں سے حتی الامکان بچے یہاں تک کہ جب پانی کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم سے نماز پڑھے اور اگر اس کے بدن یا کپڑے یا نماز کی جگہ پر نجاست ہو اور اس کو دور نہ کر سکے تو اسی طرح نماز پڑھے اور نماز کو قضا کرے اور نہ جب تک اس کی عقل قائم ہو اس خوف سے وقت سے موخر کرے کہ ناگاہ موت ایسے وقت آجائے جبکہ بقدر طاقت واجبات کے ادا کرنے میں تقصیر ہوئی ہو۔ اور اس میں سستی کرنے سے ڈرتا رہے۔ اس لئے کہ یہ بڑی بات ہے کہ دنیا کا سب سے آخری وقت جو آخرت کا کیفیت ہے کسی واجب یا مستحب امر کی کوتاہی کرنے میں گزرا ہو اور اپنی عمر کو اچھی سے اچھی حالت پر ختم کرنے کی کوشش کرے اور اپنے اہل اور اصحاب کو اپنے اہل و اصحاب کو صبر و تحمل کی وصیت ان حرکات پر جو اس سے بیماری میں واقع ہوں صبر اور تحمل کی وصیت کرے اور صبر کرنے اور نہ رونے کی وصیت کرے اور ان سے کہدے کہ صحیح روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ پس اسے یاد دیر سے عذاب میں کوشش کرنے سے بچو۔ اور جنازہ کے بارہ میں جو جو جنازہ میں مروجہ بدعات بدعات رواج پاگئی ہیں ان سے بچنے کی بھی وصیت کر دے اور ان کو سے بچنے کی وصیت خوب تاکید کرو اور چاہئے کہ دم بدم یہ کہتا رہے کہ جب تم کسی بات میں میرے اندر کوتاہی دیکھو تو مجھ کو نرمی سے بتا دیا کرو کیونکہ اب میں عقلمند اور کاہلی اور سستی میں پھنسا ہوں اور جب میں کوتاہی کروں تو مجھ کو بچاؤ اور اس میرے سفر کے سامان پر میری مدد کرو و پھر دم نکلنے کے وقت جب دم نکلنے لگے تو داہنی کر وٹ پر اس کو قبلہ رخ کر دو۔ زیلعی کہتے ہیں میت کے ساتھ برتاؤ کہ ہمارے زمانہ میں مختار یہ ہے کہ چپٹ لٹا کر اس کے پاؤں قبلہ کی طرف کر دیتے ہیں اور کچھ محققات اس کا سر اوچھا کر دیتے ہیں تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے آسمان کی طرف نہ رہے اور اس آخری صورت کو اگرچہ پہلی صورت مسنون ہے اس لئے اختیار کیا گیا کہ اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اور کلمہ شہادت کی تلقین کریں کیونکہ اس وقت شیطان اسکے مرنے والے کو کلمہ شہادت کی اعتقاد خراب کرنے کو آموجود ہوتا ہے۔ لہذا توحید یاد دلانے تلقین اور اس کا صحیح طریقہ والے اور بتلانے والے کی حاجت ہے اور تلقین کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے پاس کلمہ توحید پڑھا جائے اور اس کو حکم نہ کریں۔ اس خوف سے کہ کہیں دل تنگ ہو کر زور دے۔ کیونکہ اس پر یہ وقت بہت سخت ہے اور جب وہ ایک بار بھی کہہ لے تو پھر اس پر نہ دہرائیں۔ ہاں اگر اس کے بعد اور بات چیت کی ہو تو اب دوبارہ تلقین کریں تاکہ اس کا آخر کلام کلمہ توحید ہو اور رہا بعد موت کے تلقین کرنا اس میں اختلاف ہے۔ بعض

کہتے ہیں کہ اس روایت کے ظاہری معنوں کے اعتبار سے جو ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے تلقین کریں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ تلقین کیا کرو اور کوئی کتاب سے کہ تلقین نہ کریں اس لئے کہ موت کے بعد تلقین سے کچھ فائدہ نہیں۔ کیونکہ اگر وہ مومن مرا ہے تو تلقین کی حاجت نہیں اور اگر کافر مرا ہے تو اس کو تلقین سے کچھ فائدہ نہیں اور جو حدیث مذکور ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مردے سے وہ آدمی مراد ہے جس کا دم ٹوٹ رہا ہو اور بغضتے کہتے ہیں کہ نہ تو اس کا حکم کریں اور نہ منع کریں۔ اور جب مر جائے تو اس کی دونوں آنکھیں بند کر دم نکلنے کے بعد میت سے برتاؤ اسی جائیں اور اس کے دونوں جبرٹے کسی چوڑی پٹی سے سر کے اوپر سے باندھ دیں۔ کیونکہ اس میں خوبصورتی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے تو بد ہیأت اور منہ کھلا رہ جائے گا اور اس سے بھی اطمینان نہیں کہ اس کے پیٹ میں کیڑے وغیرہ گھس جائیں اور نہلاتے ہوئے پانی چلا جائے اور اس کے ہاتھ پاؤں کھینچ کر سیدھے کر دیں اور اس کے پیٹ پر لوہا رکھیں تاکہ پھول نہ جائے۔

میت کی آنکھیں بند کرتے وقت کی دعا اور آنکھیں بند کرنے والا یہ کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَحَسْبُ مِلَّةٍ رَّسُوْلٍ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لِيْزِعْ عَلَيْنِهٖ حَالَهُ وَسَهِّلْ عَلَيْنِهٖ مَا بَعْدَهُ وَاَسْعِدْهُ بِبِقَابِكَ
وَاَجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَيْهِ خَيْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْهُ

ترجمہ۔ سائتہ نام اللہ کے اور رسول اللہ کے دین پر الہی اس پر اس کا حال آسان فرما اور اس پر اس کا مال بعد سہل کر دے اور اس کو اپنے دیدار سے سعادت مند کر دے اور اس کے لئے وہ جگہ جہاں گیا ہے اس منزل سے کہ جہاں سے نکلا ہے بہتر کر دے۔ اور جب تک نہلاتے چکیں اس کے میت کو غسل دینا واجب ہے اس پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ پھر نہلانا پرانا طریقہ سے جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب وناٹ پائی تو حیرت میں علیہ السلام فرشتوں کو لیکر آئے اور ان کو نہلایا اور ان کے بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے مردوں کی سنت ہے اور سنت سے مراد اس جگہ طریقہ ہے کیونکہ میت کا غسل کلہ اعلیٰ کی وجہ سے جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے واجب ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھو ہتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو مرنے کے بعد نہلائے لیکن جب کچھ لوگ اس کو ادا کر لیں تو اوروں سے ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا۔ پس اس کے نہلانے کا جب ارادہ کریں تو تختہ پر لٹائیں تاکہ اس پر میت کو غسل دینے کا طریقہ سے پانی بہ جائے اور اس تختہ کو میت کی تعظیم اور بدبو دور کرنے کی غرض سے طاق مرہبہ خوشبو کی دھون دیں اور دھونی کا طریقہ یہ ہے کہ بوبان دان کو مع خوشبو کے تختے کے گرد ایک بار یا تین بار یا پانچ بار پھرائیں۔ زمینیں کہتے ہیں کہ اس سے

زیادہ نہ بڑھائیں اور اس کے کپڑے اتاریں اور شرمگاہ ڈھاکیں کیونکہ ستر عورت واجب سے اور اس کا دیکھنا حرام سے جیسا کہ حضور صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ کسی زندہ اور مردہ کی ران نہ دیکھنا اور بدون کلی اور ناک میں پانی ڈالے وضو کرانیں۔ اس واسطے کہ وضو غسل میں سنت ہے لیکن مردے میں کلی کرانا اور ناک میں پانی ڈالنا چھوڑ دیں کیونکہ اس پانی کا نکالنا مشکل ہے پس پہلے منہ و مٹلائیں ہاتھ نہیں اور پاؤں کا دھونا آخر پر نہ رکھیں۔

اور اس کے استنجا کرانے اور سر کے مسح میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ استنجا اور سر کا مسح بھی کریں لیکن نہلانے والا اس کی عورت کو نہ پھوٹے کیونکہ عورت کا چھونا حرام ہے بلکہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے اور مخزج کو میاں تک دھوئے کہ پاک ہو جائے۔

پھر بیری کے پتوں یا اشنان کا جوش دیا ہو اپنی اس پر بہائیں اور اگر ایسا پانی نہ ملے تو صاف پانی سے نہلائیں کیونکہ مقصود یعنی طہارت اس سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اور جب وہ مل جائے تو پھر جیسا کہ شیخ الاسلام نے مبسوط میں بیان کیا ہے اور جو ابن مسعودؓ سے بھی مروی ہے۔ ترتیب یہ ہے کہ اول خالص پانی سے ابتدا کریں یہاں تک کہ جو کچھ بدن پر میل کچیل اور نجاست ہو بھیگ جائے پھر بیری یا اشنان کے جوش دینے ہوئے پانی سے تاکہ جو بدن پر ہو سب پھوٹ جائے کیونکہ اس سے صفائی ستھرائی خوب ہوتی ہے پھر اس پانی سے جس میں کافور پڑا ہو اگر طحائے میت کا بدن کے خوشبو دار ہو جانے کی غرض سے غسل دیں۔ پھر اس کا سر اور داڑھی گل خیر سے دھوئیں کیونکہ یہ میل کے چھڑانے میں خوب چیز ہے۔ اس لئے کہ صاف کرنے میں یہ صابن کے برابر ہے اور اگر یہ نہ ملے تو صابن سے دھوئیں۔

پھر بائیں کروٹ پر لٹائیں اور نہلائیں۔ یہاں تک کہ پانی نیچے کی طرف ٹٹنے تک بہ جائے اور پیٹھ و دھونے کے لئے منہ کے بل اوندھانہ کریں۔ پھر اس کو نہلانے والا بٹھا دے اور اپنی ٹیک اس کو لگا کر کے نرمی سے پیٹ کو ملے اور اگر کچھ نکلے تو دھو ڈالے اور نہ غسل دہرائے اور نہ دھونو کیونکہ غسل میت نص سے معلوم ہوا ہے اور نص یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ہے "مسلمان کے مسلمان پر چھہ حق ہیں اور ان میں سے اس کے مر جانے کے بعد نہلانے کو ذکر فرمایا سو ایک بار حاصل ہو گیا نہدا و ہر ایا نہ جائے۔ پھر کپڑے سے اس کا بدن پونچھ ڈالے تاکہ کفن تیز ہو جائے میت کے خوشبو لگانے کا مسئلہ اور اس کے سر اور داڑھی پر ارگچ لگا دیں اور وہ ایک عطر ہے جو چند خوشبو دار چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور سب قسم کی خوشبوؤں کا بھی کچھ مضائقہ نہیں ہوا ہے زعفران اور کسم کے کیونکہ یہ دونوں سردوں کے حق میں مکروہ ہیں۔ عورتوں کے حق میں مکروہ نہیں ہیں اور اعضائے سجدہ پر کافور مل دیں اور وہ اعضا اسکی پیشانی اور ناک اور دونوں ہاتھ اور دونوں

گھٹنے اور دونوں قدم ہیں اس لئے کہ ان اعضاء سے سجدہ کرتے وقت لہذا ان کی زیادہ تعظیم اولیٰ ہے بالوں میں کنگھی کرنے اور اور بالوں اور داڑھی میں کنگھی نہ کریں اور نہ اس کے ناخن تراشیں اور بال کتریں بال تراشنے کی ممانعت کیونکہ یہ ہاتھ زینت کے لئے کی جاتی ہیں اور میت کو اس کی ضرورت نہیں اور وہ جو روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو ویسا ہی کیو جیسا اپنی ولہنوں کے ساتھ کرتے ہو تو یہ خوشبو لگانے اور طہارت پر محمول ہے۔ کچھ کم کرنے اور کسی چیز کے در کرنے پر نہیں۔ کیونکہ یہ میت کے حق میں مسنون نہیں اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ ناخن اگر ٹوٹا ہوا ہو تو اس کے کتر دینے کا کچھ مضائقہ نہیں اور اگر کوئی شخص مر جائے اور غسل دینے غسل کی بجائے تیمم کا مسئلہ کے لئے پانی نہ ملے تو اس کو تیمم کرا دیں اور اس پر نماز پڑھیں۔ پھر اگر پانی مل جائے تو نہلائیں اور نماز دوسرا کر پڑھیں اور لہنے کہتے ہیں کہ نماز دوسرا کر نہ پڑھیں اور میت پر خود بخود پانی بہہ اگر میت پر خود بخود پانی بہہ گیا یا بارش میں بھیگ گیا تو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ غسل کے تمام مقام نہ ہو گا کیونکہ ہم کو غسل دینے کا حکم کیا گیا ہے اور پانی کا بہ جانا اور بارش میں بھیگ جانا غسل نہیں ہے اور ڈوبے ہوئے کو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ غسل کا غسل یوسف کے قول کے موافق تین بار غسل دیں اور امام محمد کے نزدیک ایک روایت میں اگر پانی سے نکالتے ہوئے غسل کی نیت کر لی ہو تو پھر دوبارہ نہلائیں اور اگر نیت نہیں کی تو تین بار نہلائیں اور ایک روایت میں ان سے مستقول ہے کہ ایک ہی دفعہ نہلائیں اور میت کو غسل دینے والے کیلئے ہدایات میت کے نہلانے والے کو چاہیے کہ ہاؤنٹ ہو اور میت کا سب سے زیادہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اگر ایسا شخص نہ ملے تو کوئی پرہیزگار اور نیک آدمی نہلائے۔ اور جب نہلا چکیں تو کفن پہنلائیں اور ہر ایک کے لئے عورت ہو یا مرد ایک کفن کفن سنت ہے اور ایک کفن کفایت اور ناجاری کا کفن دونوں کے لئے وہ ہے جو میسر ہو جائے۔ اور مرد کے لئے مسنون کفن تین کپڑے قمیض یعنی کفنی اور تہ بند اور پوٹ کی مرد کے لئے مسنون کفن چار ہیں پس قمیض تو دونوں ٹونڈوں سے لے کر پاؤں تک ہونا چاہیے اور اس کو مہینانے کا طریقہ جس میں نہ کلی ہو اور نہ گریبان اور نہ آستیں اور نہ تہ بند اور پوٹ میں سے ہر ایک سر سے پاؤں تک ہو۔ پس جب کفنانے کا ارادہ کریں تو پہلے پوٹ کی چادر پہنائیں پھر اس کے اوپر تہ بند پھر قمیض پھر اس کے اوپر میت کو رکھ کر کفنی پہنائیں پھر تہ بند بائیں طرف سے پسٹیں پھر دایں طرف سے پھر پوٹ کی چادر اسی طرح سے پسٹیں اور اگر کفن کے اڑنے کا خوف ہو تو کھلنے سے حفاظت کے لئے گرہ لگا دیں۔

اور کفن کفایت مرد کے واسطے تہ بند اور پوٹ کی چادر ہے اور اس سے کم مکروہ ہے مگر

لاچاری کے وقت اور کفن سنت عورت کے لئے قمیض اور اوڑھنی اور تہ بند اور پوٹ کی چادر ہیں عورت کیلئے مسنون کفن اور سینیہ بند جس سے اس کے پستان باندھے جائیں۔ پس عورت کو اور اس کو پہنانے کا طریقہ پہلے قمیض پہنائیں پھر اس کے بالوں کی دو لٹیں کر کے اس کے سینے پر قمیض کے اوپر سے ڈال دیں۔ پھر اوڑھنی اس کے سر پر متقن کی طرح قمیض کے اوپر پھیلا کر رکھیں پھر تہ بند اور پوٹ کی چادر کو اسی طرح لپیٹیں جس طرح کہ مردوں کے حق میں بیان کیا گیا۔ پھر سینیہ بند سب کفنوں کے اوپر لپیٹیں اور اس کی چوڑائی پستان سے ناف تک ہو۔ اور کفن کفایت عورت کا تہ بند اور پوٹ کی چادر اور اوڑھنی ہے اور اس سے کم مکروہ ہے مگر لاچاری کے وقت۔

اور کفنوں کو میت کے اس میں رکھنے سے پہلے طاق مرتبہ خوشبو کی دھونی دیں اور پانچ بار سے نہ بڑھائیں جیسا کہ زبلیجی نے بیان کیا ہے اور مرعینانی نے جیسا کہ تشریح مینہ میں مذکور کیا ہے کہ اگر ترک بہت زیادہ ہو اور وارث کم ہوں تو کفن سنت اولیٰ ہے۔ اگرچہ کفن کفایت ادلیٰ ہے۔ اگرچہ کفن سنت بھی جائز ہے اور مراہتی کے کفن کے بارے میں دو اعتبار ہیں خواہ بالغ کی طرح (اسے پورا کفن دیں) خواہ اس لڑکے کی طرح جو ابھی حد شہوت کو نہیں پہنچا ہے ایک کپڑے میں لپیٹ دیں، مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو وہ کفن دیں جو بالغ کو دیا جاتا ہے اور اگر اس کو ایک ہی کفن میں کفنا دیں تو بھی جائز ہے اور کفنا نے کے بعد اس پر نماز پڑھیں اور اس نماز جنازہ فرض کفایہ ہے پر نماز پڑھنا فرض کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگ ادا کر لیں۔ اگرچہ وہ ایک ہی مرد یا ایک ہی عورت ہو تو اوروں کے ذمے سے ساقط ہو جائے گی اور نہیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔ اور جب جنازہ کو لے کر چلیں تو سنت یہ ہے کہ چار آدمی چاروں طرف جنازہ اٹھانے کا سنت طریقہ ہے اٹھائیں کیونکہ اس میں اٹھانے والوں کو بھی آسانی ہے اور میت کے گرنے اور الٹ پڑنے سے بھی حفاظت ہے اور کثرت جماعت بھی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ساتھ نہ چلے تو یہی لوگ جماعت بن جائیں گے اور چلنے میں جلدی کریں مگر دوڑیں نہیں۔ اور لوگوں کی کثرت اور جنازہ کو باری باری لینے کے وقت مستحب یہ ہے کہ ہر جنازہ کو لیکر چلنے کا مستحب طریقہ شخص چاروں طرف سے دس دس قدم لے چلے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کا قول ہے کہ جو کوئی چالیس قدم جنازہ لے کر چلے گا اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے لے کر چلنے کی یہ صورت ہے کہ آگے کے داہنی طرف سے شروع کرے اور اپنے داہنے مونڈھے پر رکھے۔ پھر پچھلے داہنی طرف سے اور اسکو اپنے داہنے مونڈھے پر رکھے۔ پھر اگلے بائیں جانب سے اور اس کو اپنے بائیں مونڈھے پر رکھے پھر پچھلے بائیں

جانب سے اور اس کو اپنے بائیں موڑھے پر رکھے اور باقی لوگوں کو جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ کیوں کہ اس طرح چلنا عبرت حاصل کرنے کے لئے بہت خوب ہے اور جب اس کی جنازہ کے لئے اٹھنے بیٹھنے کا مسئلہ قبر کے پاس پہنچیں تو جنازہ زمین پر اتارنے سے پہلے لوگوں کو بیٹھ جانا مکروہ ہے اور زمین پر اتارنے کے بعد مکروہ نہیں۔ یہ تو ان کے حق میں ہے جو جنازہ کے ساتھ ساتھ جائیں اور اگر کچھ لوگ نماز کی جگہ پہلے سے چلے گئے اور بیٹھ کر انتظار کرنے لگے پھر جنازہ وہاں پہنچا تو صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ جنازہ زمین پر رکھنے سے پہلے نہ کھڑے ہوں اور ایسے ہی جو شخص رستہ پر بیٹھا ہو اور وہاں جنازہ آگیا تو وہ بھی نہ اٹھے۔ ہاں اگر اس کے ساتھ جانے کا ارادہ ہو تو اور بات ہے اور حدیثوں میں جنازہ کے لئے کھڑا ہونے کا جو ذکر ہے وہ منسوخ ہے اور جو کوئی ساتھ جائے اس کو نماز جنازہ پڑھے جانے سے جنازہ سے واپس لوٹنے سے پہلے لوٹنا چاہیے اور نماز ہو چکنے کے بعد علماء کا قول ہے کہ والوں کے لئے ہدایت والی جنازہ کی اجازت کے بغیر نہ لوٹیں اور محیط میں مذکور ہے کہ غلام کو اختیار ہے کہ ولی میت کے بغیر اجازت لوٹ آئے اور یہی درست اور اولیٰ ہے جیسا کہ شرح منیہ میں مذکور ہے۔ اور قبر کھودی جائے اور اس کی گہرائی میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ قبر بنانے کا طریقہ ہے کہ آدھے قد کے برابر ہو اور کوئی کہتا ہے کہ سینہ تک ہو اور اگر قد آدم کے برابر گہری کر دیں تو افضل اور احسن ہے۔ پھر اس میں لمحد یعنی بغلی بنانا افضل ہے اور وہ اس طرح کہ قبر کے اندر قبلہ کی طرف گڑھا کھود کر اس کے اندر مردہ کو رکھیں اور اگر زمین نرم ہو تو صندوقی قبر کا کچھ مضائقہ نہیں اور وہ یہ کہ قبر کے عین وسط میں نہر کی وضع پر گڑھا کھویں اور اس کے دونوں طرف کچی اینٹ سے چن دیں اور اس کے اندر مردہ کو رکھیں اور کچی اینٹ سے چھت پانچ دیں اور چھت میت سے قریب نہ رہے۔ اور سنت یہ ہے کہ میت میت کو قبر میں اتارنے کے وقت ہدایات کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتاریں اور اتارنے والوں کا کوئی عدد مقرر نہیں ہے۔ بلکہ یہی معتبر ہے کہ جس قدر کی ضرورت ہو طاق ہوں یا کہ جنت اور اتارنے وقت سب کے سب **بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ** پڑھیں اور میت کا منہ قبلہ کی طرف کر دیں پھیٹھ کے بل نہ لٹائیں اور گروہ کھول دیں کیونکہ گروہ کھن کے کھل جانے کے خوف سے بھتی اور اب اس سے امن حاصل ہو چکا اور لمحد پر کچی اینٹ اور بانس رکھیں کچی اینٹ اور کھڑی رکھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چھائی کو مضبوط کرنے کی غرض سے ہیں اور قبر کھنگ اور فنا کی جگہ ہے اور عورت کو اتارنے کے لئے محرم عزیز اولیٰ ہے پس اگر وہ نہ ہو تو اجنبی لوگوں میں سے کوئی پرہیزگار شخص اتارے اور عورت کو قبر کو میں اتارنے وقت کپڑے

سے پردہ کئے رہیں یہاں تک کہ ایٹھیں وغیرہ قبر پر رکھ چکیں کیونکہ عورتوں کے حال کے مناسب پردہ ہے اور مرد کی قبر کا پردہ نہ کریں اس لئے کہ مردوں کے حال کے مناسب ظہور ہے۔ پھر اس پر مٹی ڈالیں اور قبر کو اونٹ کے گولان کی طرح ایک بالشت اونچی بنا لیں اور برابر نہ قبر کی ہیئت اور اس میں مکروہ امور آکر اور جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ نہ کریں اور اس پر پانی چھڑکنے میں کچھ مضائقہ نہیں تاکہ مٹی ہو اسے بھیل نہ جائے اور قبر پر کوئی مکان یا برج وغیرہ بنانا مکروہ ہے۔ اور اسی طرح کا پائمال کرنا اور اس پر بیٹھنا اور اس کے پاس سونا اور اس کی طرف نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے جیسا کہ مرشد غنوی سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قبروں پر مت بیٹھو اور اس کی طرف نماز اور قبر کے پاس فوج نہ لگنا بھی مکروہ ہے جیسا کہ انس رضی سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اسلام میں معتز نہیں ہے اور معتز یہ ہے کہ گانے یا بجر کی قبر کے پاس فوج کیا کرتے تھے۔ اور میت والوں کے یہاں کھانا مکروہ ہے لیکن میت کے ہمسایوں اور دور کے رشتہ داروں کو ان کے واسطے کھانا تیار کرنا اور میت والوں کے ہاں کھانا مکروہ ان کو کھلانے میں اصرار کرنا مستحب ہے۔ اس واسطے کہ ابن اور ان کو کھلانا مستحب ہے مسعود سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو جب جعفر بن ابی طالب کی موت کی خبر پہنچی تو فرمایا عیال جعفر کے لئے کھانا پکاؤ کیونکہ ان کو ایسی خبر آئی ہے کہ جس نے ان کا خیال بڑا دیا اور تعزیت مستحب ہے اس لئے کہ ابن مسعود سے روایت تعزیت مستحب ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے مصیبت زدہ کی تعزیت کی اس کو اسی کے برابر ثواب ہے اور تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ جس کا کوئی عزیز رشتہ دار مر گیا ہو اس سے کہے کہ خدا تجھ کو اجر عظیم بخونایت کرے اور تیرا صبر اچھا کرے اور تیری میت کو بخندے۔ اگر میت مکلف ہو اور نہیں تو تیری میت کو بخندے نہ کہے اور منکر نکیر کا سوال جو شخص مر گیا ہو اور چند روز تک اس وجہ سے دفن نہ کیا گیا کہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جانے کی غرض سے تابوت میں رکھ دیا گیا تو جب تک دفن نہ ہوگا سوال منکر نکیر کا بھی نہ ہوگا اس واسطے کہ سوال نہیں ہوتا ہے۔ مگر جہاں میت کو قرار ہو یہاں تک کہ اگر اس کو زندہ کھا جائے تو اس کے پیٹ میں سوال ہوگا اور یہ سوال نبی آدم کے سر جاندار سے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دو دھپتیا بچے سے بھی سوال ہوتا ہے۔ پس اس کو اللہ تعالیٰ جواب سکھا دیتا ہے۔ اور آیا انبیاء سے بھی قبر میں سوال ہوتا ہے سو ظہیر میں مذکور ہے منکر نکیر کا سوال انبیاء سے نہیں ہوتا کہ زاہد صفا کہتے ہیں کہ اس باب میں نہ کوئی نص ہے اور کوئی خبر اور ان سے سوال نہ ہونے کی دلیل بہت واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا مرتے

وقت خاتمہ یا خیر ہونے کو آسان فرمائے

سناویوں مجلس زیارت قبور کے جائز اور ناجائز ہونے کے بیان میں

زیارت قبور کی ممانعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے تم اجازت اور اس کی وجوہ کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سوا ب قبروں کی تم زیارت کیا کرو۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ بریدہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور اس میں تصریح ہے کہ ابتدائے اسلام میں زیارت قبور سے ممانعت ہوئی تھی اس لئے بت پرستی کی ابتدا اسی سے ہوئی ہے اور اس مہلک مرض کی ابتدا نوح علیہ السلام کی امت میں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔

قَالَ لَوْ أَنَّهُمْ رَأَوْا عَصَا نُوْحٍ وَتَبِعُوْهُمُ لَخَفِيَ زَيْدٌ مَّا لَمْ يَدْرُوْا اِلَّا اَخْسَارًا وَ مَكْرُوْمًا كَبَارًا وَ قَالَا لَا تَذُرْنَا اِلٰهَتِكُمْ وَلَا تَذُرْنَا سُوَاعًا وَلَا يَعْثُوْنَ دَارَ يَعْثُوْا وَ نَسْرًا

ترجمہ اور کہا نوح نے اے میرے رب انہوں نے میرا کہا نہ مانا اور پیرو ہوئے ایسے کے یعنی مال اور اولاد کے جس نے نہیں بڑھایا مگر نقصان اور داؤ کیا ہے۔ بڑا داؤں اور کہا انہوں نے سرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور کبھی چھوڑنا وک کو اور سواغ کو اور نہ یعتوث اور یعوق اور نسر کو۔

حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سلف کہتے ہیں کہ یہ لوگ جن کے آیت میں نام آئے ہیں یہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت میں نیک لوگ تھے۔ پس جب یہ مر گئے تو لوگوں نے ان کی قبروں پر بیٹھ رہنا اختیار کیا۔ پھر ان کی صورتوں کی صورتیں بنالیں۔ پھر اسی طرح ان پر مدت گزار گئی پھر ہوتے ہوئے ان کی پرستش کرنے لگے۔ پس چونکہ بت پرستی کی ابتدا قبروں سے ہے۔ لہذا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو ابتدائے اسلام میں زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ تاکہ شرک کے ذریعے بند ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو کفر چھوڑے ہوئے تھے۔ ہی زمانہ گزرا تھا۔ پھر جب توحید ان کے دلوں میں جم گئی تو ان کو زیارت قبور کی اجازت ہو گئی۔

اور آپ نے اس کا طریقہ کبھی فعل سے اور کبھی قول سے سکھا دیا اور یہ مضمون بہت حدیثوں میں ہے یعنی اجازت کے بارے میں ہیں اور بعضی تعلیم کے بارے میں اور ان کے ضمن میں ایک فائدہ کا بیان ہے

جو حدیثیں اجازت کے بارے میں ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو ابوسعیدؓ سے

روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ایک وہ ہے جو علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تم کو آخرت یاد دلاتی ہے اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا سو تم زیارت کیا کرو کیونکہ قبروں کی زیارت دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ زیارت قبور موت کو یاد دلاتی ہے اور ان میں ایک وہ ہے جو پریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا پس اب جو کوئی زیارت کا ارادہ کرے تو زیارت کیا کرے اور یہ وہ نہ کہا کرو۔

اور وہ حدیثیں جو تعلیم کے بارے میں ہیں سوال میں سے ایک وہ ہے جو پریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب لوگ مقابر کو جاتے یہ کہنا سکھایا کرتے تھے۔

السلام علیکم یا اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون انتم لنا سلف ونحن حکم تبع لسأل اللہ لنا ذکم الحافیة

ترجمہ۔ السلام علیکم اے اہل قبور مؤمنین و مسلمین اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آکر ملتے ہیں تم ہم سے آگے ہو اور ہم تم سے پیچھے اور ہم اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت مانگتے ہیں۔

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یا رسول اللہ میں زیارت قبور میں کیا کہا کروں۔ آپ نے فرمایا کہ

السلام علی اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین وامنکم و المستأخرین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔

ترجمہ۔ سلام گھر والوں اور مؤمنین اور مسلمین پر اور اللہ رحمت کرے۔ ہم میں سے اور تم میں سے آگے جانے والوں پر اور پیچھے رہنے والوں پر اور ہم انشاء اللہ تم ہی سے آکر ملتے ہیں

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان میں تشریف لے گئے۔ سو آپ نے فرمایا

السلام علیکم داد قوم مؤمنین وانا انشاء اللہ عن قریب لاحقون

ترجمہ۔ سلام تم پر اے گھر والی مؤمن جماعت اور ہم انشاء اللہ عن قریب تم سے آکر ملتے ہیں

اور ان میں سے ایک وہ ہے جو ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

مدینہ کی قبروں کی طرف گزر ہوا تو ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا

السلام علیکم یا اهل القبور لیخبر اللہ لنا ولکم انتم سلفنا و نحن بلائنا

ترجمہ۔ سلام تم پر اے قبر والو۔ خدا ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہمارے اگلے ہو اور تم پیچھے ہیں۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان حدیثوں میں زیارت قبور کا فائدہ بیان فرمایا ہے اور وہ فائدہ زیارت کرنے والے کا اپنے اور اہل قبور کے حق میں سلوک کرنا ہے۔ اپنے حق میں سلوک تو موت کا اور آخرت کا یاد کرنا ہے اور دنیا سے بے رغبتی اور نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ہے اور اہل قبور کے حق میں سلوک ان پر سلام بھیجنا ہے اور ان کے لئے رحمت اور مغفرت کی دعا کرنا اور عاقبت کا سوال کرنا ہے۔ عام علماء کہتے ہیں کہ یہ مردوں کے حق میں ہے اور رہیں عورتیں سوان کو قبروں کی زیارت کرنے | جائز نہیں کہ مقابر میں جائیں اس لئے کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے والی عورتوں پر لعنت | کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے عورتوں کے قبرستان کو جانے کے جواز کو پوچھا تو جواب دیا کہ ایسے مقام میں جواز کو کیا پوچھتے ہو۔ یہ پوچھو کہ اس پر کتنی لعنت برسی ہے کیونکہ عورت جب جانے کی نیت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی لعنت میں آجاتی ہے اور جب چل دیتی ہے تو شیاطین اس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو میت کی روح لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو خدا اور اس کے فرشتوں کی لعنت میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں آجائے اور حدیث میں روایت ہے کہ جو عورت قبرستان کو جاتی ہے تو اس پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور جو عورت میت کے لئے دعائے خیر کرتی ہے اور اپنے گھر سے نہیں نکلتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

اور سلمانؓ اور ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مسجد سے نکل کر اپنے گھر کے دروازے پر پھٹ گئے۔ اتنے میں حضرت کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آگئیں تو آپ نے فرمایا کہاں سے آئی ہو۔ انہوں نے عرض کیا فلاں عورت کے گھر گئی تھی جو مر گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا اس کی قبر پر گئی تھیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں خدا کی پناہ مانگتی ہوں کہ جو کچھ میں آپ سے سن سکی ہوں اس کو سن کر کوئی ایسا کام کروں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو جنت کی خوشبو نہ پانی۔ پس اس بنا پر مردوں میں سے بھی جو کوئی قبروں کی زیارت کا ارادہ کرے تو قبروں کی زیارت کرنا مردوں کو انتہاء | اسے چاہیے کہ اپنا حصہ ان کی زیارت سے بہائم کی طرح قبر کا طواف نہ بنائے بلکہ جب قبر کے پاس آئے تو اس کو چاہیے کہ قبر والوں پر سلام بھیجے۔ اور سامنے

موجود لوگوں کی طرح عذاب کرے اور ان کے لئے رحمت اور مغفرت اور عافیت مانگے جیسا کہ اوپر احادیث میں آچکا ہے۔ پھر ان کی حالت سے عبرت حاصل کرے جو مٹی کے پیچھے پڑے اور عزیزوں قبر والوں سے عبرت و موعظت اور دوستوں سے جدا ہو گئے ہیں نیز اس سے کہ یہ لوگ جب قبر میں داخل ہوئے اور ان سے سوال کیا گیا تو آیا انہوں نے ٹھیک جواب دیا کہ ان کی قبر بہشت کے باغ کا ایک چین ہو گئی ہے یا جواب میں غلطی کی ہے کہ ان کی قبر و زخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہو گئی ہے۔ پھر اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسے مر گیا ہے اور قبر میں داخل ہوا ہے اور اس کا مال اور اہل اور اولاد اور دوست سب چلے گئے ہیں اور اکیلا تن تنہا رہ گیا ہے اور اب اس سے سوال ہو رہا ہے تو اب دیکھو کیا جواب دیتا ہے اور کیا حال ہو گا اور اسی طرح عبرت حاصل کرنے میں جب تک وہاں رہے مشغول رہے اور ان بہت بڑے اور خوفناک امور سے نجات پانے کے لئے اپنے مولا سے لو لگائے اور اسی کی طرف التجا کرتا رہے۔ رہا قبر پر قرآن پڑھنا سو بعض علماء نے اجازت دی ہے اور بعض منع زیارت قبور اور قبر پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیارت کرنے والے کو بھی ضروری ہے کہ عبرت قرآن پڑھنے کا مسئلہ حاصل کرنے میں لگا رہے اور قرآن پڑھنے والا مجبور ہے کہ اس میں غور اور خیال کو یکسو کرے اور عبرت اور فکر و دونوں ایک دل میں ایک ہی وقت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ پس اگر کوئی معترض یہ کہے کہ میں ایک وقت عبرت حاصل کر دوں گا اور دوسرے وقت قرآن پڑھوں گا اور جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو رحمت اترتی ہے۔ لہذا امید ہے کہ اس رحمت میں سے کچھ اہل قبور کو پہنچ کر ان کو نفع پہنچے تو اس کا جواب کئی طرح سے ہے۔

اول یہ کہ قرآن کا پڑھنا اگرچہ عبادت ہے لیکن زیارت کرنے والے کا اس وقت گذشتہ باتوں کے متعلق فکر کرنے اور موت اور منکر نکیر کے سوال وغیرہ سے عبرت حاصل کرنے میں مشغول رہنا بھی عبادت ہے اور اس وقت اس عبادت کے سوا کسی اور عبادت کا موقع نہیں۔ لہذا ایک عبادت کو چھوڑ کر دوسری عبادت کی طرف اور خصوصاً دوسرے کے لئے نہ جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ زیارت کرنے والا اگر اپنے گھر میں قرآن پڑھتا اور اس کا ثواب ان کو بخش دیتا کہ قرآن پڑھنے سے فارغ ہو کر اپنی زبان سے کہہ دیتا "اللہم جو میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب اہل قبور کو پہنچا دے" تو بھی یہ ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ کیونکہ یہ اہل قبور کو ثواب ملنے کی دعا ہے اور دعا بلا خلاف پہنچتی ہے۔ لہذا اس کی حاجت نہیں کہ قرآن ان کی قبروں پر پڑھے۔

اور تیسرا یہ جواب ہے کہ قبروں پر قرآن پڑھنا کبھی کسی مردے کے لئے عذاب کا سبب ہو جاتا ہے اس واسطے جب کوئی ایسی آیت آتی ہے جس پر مردے نے عمل نہیں کیا تھا تو اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا اس کو تو نے نہیں پڑھا تھا۔ اس کو نہیں سنا تھا پھر تو نے کیسے اس کے خلاف کیا اور اس

پر عمل نہ کیا پس اس کی مخالفت کرنے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔ اور چونکہ جو اب یہ ہے کہ قبر پر قرآن شریف پڑھنے کا ذکر حدیث میں نہیں آیا ہے اور حدیث میں اس کا ذکر نہ مخالفت کے لئے کافی ہے۔

پس جب یہ بات ہے تو زیارت کرنے والے کو مناسب ہے کہ سنت کا تابع رہے اور شرع میں جو کچھ مقرر ہوا ہے اسی پر ٹھہرے اور اس سے آگے نہ بڑھے تاکہ اپنا اور اہل قبور کا محسن بنا رہے۔ کیونکہ زیارت قبور دو طرح کی ہے۔ ایک زیارت شرعی۔ دوسری زیارت بدی۔

زیارت شرعی تو وہ ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ پس اس زیارت سے دو باتیں متفصروں ہیں۔ ایک کا تعلق تو زیارت کرنے والے سے ہے یعنی نصیحت اور عبرت حاصل کرنا۔ اور دوسری اہل قبور سے تعلق رکھتی ہے اور وہ یہ کہ زیارت کرنے والا ان کو سلام پہنچائے اور ان کے لئے دعائے خیر کرے۔

اور زیارت بدی یہ ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنے اور طواف کرنے اور بوسہ دینے اور چومنے اور قبروں پر منہ ملنے اور وہاں کی مٹی لینے اور اہل قبور کو پکارنے اور ان کے وسیلے سے مدد مانگنے اور ان سے مدد مانگنے اور رزق اور عافیت اور اولاد اور ادائے قرض کا سوال کرنے اور سختیوں کے دور ہونے اور لاچاروں کی امداد اور اس کے سوا اور دوسری ان حاجتوں کے لئے جن کو بت پرست اپنے بتوں سے مانگتے تھے۔ قبروں کی زیارت کرنا اور اس میں شک نہیں کہ اس زیارت بدی شریکی کی اصل ان ہی سے لی ہوئی ہے اور کوئی امر اس میں سے بالفاق تمام علمائے مسلمین حبانہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس کو نہ تو رسول رب العالمین نے کیا ہے اور نہ صحابہؓ اور تابعین اور تمام ائمہ دین ہیں کسی نے کیا ہے بلکہ یہ تو بہت بڑی بات ہے صحابہؓ نے تو اکثر اس سے گسٹی ہوئی بات کا بھی انکار کیا ہے جیسا کہ معذور بن سوید سے روایت ہے کہ عمرؓ نے حج کی نماز کے راستے میں پڑھی پھر لوگوں کو دیکھا کہ ایک طرف کو جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے پوچھا کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں تو کسی نے کہا کہ اس مسجد میں جا رہے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے۔ لہذا یہ لوگ بھی وہاں نماز پڑھیں گے۔ پس آپ نے فرمایا پہلی امتیں ایسی ہی باتوں سے تو ہلاک ہوئی ہیں کہ اپنے اپنے ابدیاء کے آثار کے پیروں سے تھے اور اس کو کنیہ اور بیعہ یعنی عبادت گاہیں بنا لیا کرتے تھے۔ لہذا جس کو نماز کا وقت ان مساجد میں ہو جائے پس وہ تو وہیں نماز پڑھے اور جس کو وقت وہاں نہ ہو تو چلا جائے اور قعدا وہاں نہ جاتے اور ایسے ہی جب حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے رہتے ہیں جس کے نیچے نبی علیہ السلام سے بیعت کی گئی تھی تو آدمی بھیج کر اس کو کٹوا دلا۔

پس جب حضرت عمرؓ نے اس درخت کے ساتھ ایسا کیا جسکے نیچے صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کا قرآن میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے اللہ خوش ہو ایمان والوں سے جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے تو اب غور کرو اور کسی بات کا کیا حکم ہو گا۔

اور توحید کو تو بے شک سلف صالحین نے خوب صاف کیا تھا اور اس کی چہار دیواری کی حفاظت کی تھی۔ یہاں تک کہ صحابہؓ اور تابعینؓ جب تک حجر نبویؐ و لید بن عبد الملک کے زمانہ تک مسجد سے الگ رہا اس وقت تک کوئی اس میں نہیں جاتا تھا نماز کے لئے نہ دعا کے لئے اور نہ کسی اور کام کے لئے جو عبادت کی جنس سے ہو بلکہ یہ تمام عبادتیں مسجد میں کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص انہیں سے نبی علیہ السلام پر سلام کر کے دعا مانگنے کا ارادہ کرتا تو قبلہ رخ ہو جاتا اور اپنی پشت قبر شریف کی دیوار کی طرف کر لیتا تب دعا مانگتا اور یہ تو وہ بات ہے جس میں علماء کو کچھ اختلاف نہیں ہے روضہ اقدس کے پاس حضور پر سلام اور اختلاف تو صرف حضور پر سلام کرنے کے وقت ہے کہ امام ابو اللہ سے دعا کرنے کا طریقہ حنیفہ کہتے ہیں کہ سلام کے وقت بھی قبلہ کی طرف منہ کرے اور قبر کی طرف منہ نہ کرے اور ان کے علاوہ اور لوگ کہتے ہیں کہ صرف دعا کے وقت قبر کی طرف منہ نہ کرے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف متوجہ ہو اور قبر کی طرف منہ نہ کرے تاکہ دعا قبر کی طرف نہ ہو کیونکہ دعا عبادت ہے جیسا کہ حدیث مرفوعہ سے ثابت ہے کہ دعا ہی عبادت ہے اور سلف صالحین یعنی صحابہؓ اور تابعینؓ نے عبادت کو اللہ ہی کے ساتھ مخصوص کر رکھا تھا اور قبروں پر جا کر کسی قسم کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ مگر وہ ہے جس کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبر والوں پر سلام کرنا اور ان اجازت دی ہے۔ یعنی قبر والوں پر سلام کرنا اور اللہ سے ان کے لئے دعا اور اسکا سبب رحمت اور مغفرت اور عافیت مانگنا۔

اور اس کا سبب یہ ہے کہ میت کا عمل تو بند ہو چکا ہے اور وہ اس کا محتاج ہے کہ کوئی اسکے لئے دعا مانگے اور اس کی سفارش کرے اور اسی لئے نماز جنازہ میں اس کے واسطے دعا بطور وجوب یا استحباب کے (علی اختلاف القولین) مقرر ہے کہ اس جیسی زندہ کے واسطے جائز نہیں پس جب ہم لوگ جنازہ پر کھڑے ہونے کے وقت اس کے واسطے دعا کرتے ہیں اور اس کی سفارش کرتے ہیں تو دفن کے بعد زیادہ بہتر ہے کہ اس کے لئے دعا مانگیں اور سفارش کریں کیونکہ مردہ قبر کے اندر دفن سکے بعد اپنے لئے دعا کا اس سے زیادہ محتاج ہے جو کہ اس کی لغزش پر دعا کی گئی تھی کیونکہ اب اس کو سوال وغیرہ کا سامنا ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب میت کے دفن سے

فارغ ہوتے تو وہیں ٹھہرے رہتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت مانگو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔

اور سقیان ثوری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب میت سے پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو اس کو شیطان ایک صورت میں دکھائی دیتا ہے اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ بڑا فتنہ ہے اور اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت قدمی کی دعا مانگا کرتے تھے۔ الہی سوال کے وقت اس کی بات کو ثابت رکھو اور اس کی روح کے واسطے آسمان کے دروازے کھول دے۔

اور سلف صالحین میت کو لحد میں رکھتے وقت اس کو بہتر جانتے تھے کہ یہ دعا مانگیں۔ الہی اس کو شیطان رائدہ درگاہ سے پناہ دے۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ اہل قبور کے حق میں کچھ اور بیس سال پہلے رہا اور یہی خلفائے راشدین اور تمام صحابہؓ اور تابعینؒ کا طریقہ ہے۔ پھر گمراہ بدعتیوں نے وہ بات جو ان فتنہ بدعت کی تباہ کاری سے کہی گئی تھی بدل ڈالی۔ کیونکہ یہ لوگ زیارت سے جس کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے میت اور زیارت کرنے والے کے حق میں نیکی اور سلوک ہونے کی وجہ سے جائز رکھا تھا میت سے سوال کرنے اور اس سے مدد مانگنے کا تصور رکھتے ہیں اور

نہیں ہے یہ مگر وہی فتنہ جس کے بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہے کیا حال ہو گا کہ جب تم کو فتنہ چھپا بے گا جس میں بڑا بڑھا ہوا ہو جائے گا اور بچ جوان ہو جائے گا جو لوگوں میں رواج

پا جائے گا اس کو سنت ٹھہرائیں گے اگر اس کو بدل دو تو کہیں گے۔ سنت بدل ڈالی ابن قیم نے اپنے اغاثہ میں لکھا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب عمل سنت کی مخالفت

ہونے لگے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اور نہ وہ کچھ توجہ کے قابل ہے۔ اور مدت دراز سے صحابہؓ کے احوال و اعمال عمل سنت کے خلاف ہوئے۔ لہذا اب ضروری ہے کہ تم تو ایجاد

اختیار کرنے کی ضرورت امور سے بہت ڈرتے رہو۔ اگرچہ اس پر عام لوگ متفق ہوں تاکہ صحابہؓ کے بعد ایجاد ہوتی باتوں پر عام لوگوں کا اتفاق تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ بلکہ تم کو

چاہیے کہ ان کے احوال اور اعمال کی تلاش کے طریقے سے سب سے بڑا عالم اور اللہ تعالیٰ کا بڑا مقرب وہی ہے جو ان کے سامنے سب سے زیادہ مشابہ اور سب سے

زیادہ ان کے طریقے سے واقف ہو اس واسطے کہ دین ان ہی سے لیا گیا ہے اور وہی صاحب شریعت سے شریعت نقل کرنے میں اصل ہیں۔ لہذا تم کو ضروری ہے کہ اپنے اہل عصر کی مخالفت

ناہی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ والوں کی موافقت ہوتے ہوئے کچھ پروا نہ کرو کیوں کہ

لزوم جماعت کا حکم اور اس کا مطلب حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑے تو بڑی جماعت کو پکڑو
عبدالرحمن بن اسمعیل جو ابوتامہ مشہور ہیں کہتے ہیں جس جگہ لزوم جماعت کا حکم ہے اس سے لزوم حق اور اس کا اتباع
مراو ہے اور اگرچہ اس کے اختیار کرنے والے تھوڑے اور اس کے مخالف بہت ہوں یا درکھو کہ حق وہی ہے جس پر جماعت
اٹلی رہی ہے اور وہ صحابہ ہیں اور ان کے بعد باطل زیادہ ہو جانے کا کچھ اعتبار نہیں اور فضیل بن عیاض نے کہا ہے
جس کا مطلب یہ ہے کہ راہ ہدایت کو لازم کر لو اور اس کے چلنے والوں کی کمی سے تم کو کچھ ضرر نہیں اور گمراہی کے
راستوں سے بچتے رہو اور ہالکین کی کثرت سے دھوکے میں مت آؤ۔

اور ابن مسعود کہتے ہیں آج تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں تم میں اچھا شخص عمل میں جلدی کرنے والا ہے اور عقرب
تمہارے بعد وہ زمانہ آئے گا کہ کثرتِ شبہات کی وجہ سے تم میں سے بہتر اس میں ثابت رہنے والا اور توقف
کرنے والا ہوگا۔

امام نزاریؒ کہتے ہیں کہ بیشک ابن مسعود نے سچ کہا کیونکہ جو شخص اس زمانہ میں توقف نہ کرے بلکہ جس کو وہ کر
رہے ہیں جمہور کا ساتھ دے اور جس میں وہ گھسے ہیں یہ بھی گھس پڑے تو جیسے وہ ہلاک ہوئے ہیں یہ بھی ہلاک ہو جائے
گا کیونکہ۔

دین کی اصل اور عمدگی و استواری | دین کی اصل اور اس کی عمدگی اور استواری عبادت اور تلاوت کی کثرت
اور بھوک وغیرہ کی مشقت اٹھانے سے نہیں ہے دین کی استواری تو صرف ان آفات اور صدقات سے بچنے سے ہے
جو اس کے سامنے بدعتیں اور نئی نئی باتیں پیش آتی ہیں جو دین کو بدل دیتی اور بگاڑ دیتی ہیں جیسے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام
کے دین اسی سبب سے بدل گئے اور تحریف ہو گئے

حق و ناحق کی تمیز میں بیک غلط فہمی کا ازالہ | پس اس بنا پر جو من کو چاہیے کہ دھوکے میں نہ پڑھائے اور کسی بات پر
سخت چنگی اور اپنی کثرتِ عبادت سے یہ استدلال نہ کرے کہ وہ حق پر ہے کیونکہ اسی بات پر جارہنا اور اس سے
نہ پھرنے اگرچہ آروں سے چہر دیا جائے اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس بارہ میں وہ برحق ہے کیونکہ اس کا یقین
اور اس بات پر چنگی اس کے حق میں ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس قوم میں اپنی تربیت کی وجہ سے ہے جن کا یہی
دین ہے اور تربیت اور رلنے ملنے کو ہر بات میں بڑا اثر ہے حق ہو یا باطل کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایسی چنگی تو تمام جہل
مرکب والوں میں بھی ہے جیسے یہود اور انصار نے اور جو لوگ ان کی طرح ہیں اور جب یہ بات ہے تو ہر مسلمان
پر اس زمانہ میں واجب ہے کہ دھوکے میں آنے اور بدعات اور نو ایجاد باتوں کی طرف رغبت کرنے سے
بچتا رہے اور اپنے دین کو ان روزمرہ کی باتوں سے بچائے جن سے مانوس ہو رہا ہے اور اس میں پرورش
پائی ہے کیونکہ یہ نہ ہر قابل ہے ایسے بہت کم لوگ ہیں جو اس سے بچے رہے اور ان باتوں کی موجودگی میں
حق ان پر ظاہر ہوا ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ قریش نے ان ہی روزمرہ کی باتوں کی وجہ سے جن کی الفت ان کے
دلوں میں تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ہدایت اور بیان کا انکار کیا اور یہی ان کے کفر اور سرکشی کا سبب

ہوا اور اسی لیے حضرت ابن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ بدعات سے بچو کیونکہ دین ایک بارگی دلوں سے نہیں جائے گا بلکہ شیطان تمہارے لیے بدعتیں نکالے گا آخر ہوتے ہوتے تمہارے دلوں سے ایمان جاتا رہے گا۔

ہم خدا سے سوال کرتے ہیں کہ ہم پرستی کو حقیقی ظاہر کر دے اور اس کا اتباع نصیب کرے اور ہم پر باطل کو باطل ظاہر کر دے اور اس سے اجتناب نصیب کرے۔

اٹھاونویں مجلس موت کو یاد کرنے اور اس کی تیاری ضروری ہونے کے بیان میں

موت کو بکثرت یاد کرنے کا حکم اور اس کا قائدہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کی توڑنے والی موت کو بکثرت یاد کیا کرو۔

یہ حدیث مضامین کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ موت چونکہ ہر لذت کو توڑ دیتی ہے لہذا اس کو کثرت سے یاد رکھو تاکہ اس کے لیے تیاری کر سکو۔

پیشک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول "لذات کی توڑنے والی کا ذکر زیادہ کیا کرو" نہایت مختصر کلام ہے لیکن اس میں تمام نصیحتیں بھردی ہیں کیونکہ جو شخص موت کو یاد رکھے گا تو اس پر موجودہ لذت کم ہو جائے گی اور اس کو آہستہ کی امیدوں سے منع کرے گی اور جو امیدیں پکاتا ہے سب سے بے رغبت کر دے گی لیکن بستہ طبیعتیں اور غافل دل زیادہ کلام اور لبتے چوڑے وعظ کے محتاج ہیں در نہ نبی علیہ السلام کا ارشاد "زیادہ کر لذت توڑنے والی موت کو یاد" اللہ تعالیٰ کے قول کے ساتھ "ہر جان چکھنے والی سے موت کو" اس قدر مضمون ہے کہ سمجھنے والے اور غور کرنے والے کو کافی ہے۔ کیونکہ موت کی یاد اس دار فانی سے بے تعلق اور ہر لحظہ دار بانی کی طرف متوجہ رہنے کا شعور پیدا کرتی ہے۔

اس لیے کہ علماء کہتے ہیں کہ موت محض عدم اور صرف فنا ہی نہیں ہے بلکہ موت صرف روح کا بدن سے تعلق چھوٹ جانا ہے اور اس کا بدن سے جدا ہونا اور ایک حال سے دوسرے کی طرف بدل جانا اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلا جانا ہے۔

اور موت سب سے بڑی مصیبت ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا نام مصیبت رکھا ہے چنانچہ فرمایا اور پھر پینچی تم پر مصیبت موت کی، لہذا موت بڑی مصیبت ہے اور اس سے بڑھ کر اس سے غافل رہنا اور اس کو یاد نہ کرنا اور اس میں نہ لگنا ہے باوجودیکہ خود اسی میں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے بڑی عبرت ہے موت کا وقت متعین نہ ہونے کا سبب | اور قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ موت کا نہ کوئی سوال معین ہے اور نہ کوئی زمانہ معلوم ہے اور نہ کوئی مرض مقرر ہے اور نہ اس لیے ہے تاکہ آدمی اس سے ہر دم ڈرتا رہے اور اس کے لیے تیار رہے۔

موت کی یاد سے غفلت کا سبب | لیکن جس پر دنیا کی محبت اور اس کی لذتوں میں گھسا رہنا غالب ہے وہ چارناچا

اس کی یاد سے غفلت کرتا ہے اور یاد نہیں کرتا ہے بلکہ جب اس کے پاس ذکر آتا ہے تو برا مانتا ہے اور اس کی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے کیونکہ اس کے دل میں محبت دینا کا غلبہ اور دنیاوی تعلقات کا بہتر ہونے سے دل میں بیٹھ جانا موت کی فکر سے جو کہ دنیا کی مفارقت کا سبب ہے مانع ہوتا ہے اور اس کے ذکر کو پسند نہیں کرتا اور اگر اس کو یاد بھی کرتا ہے تو اس لیے افسوس کی وجہ سے دنیا چھوٹ جائے گی اس کو یاد کرتا ہے اور اس کی مذمت میں مشغول ہو جاتا ہے اور اس کا پھر یاد کرنا اللہ تعالیٰ سے اور بھی دور کر دیتا ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو برا جانتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ملنے کو برا جانتا ہے موت نصیحت کرنے والی ہے | اس کے ساتھ پھر بھی موت کا یاد کرنا اس کے لیے بہتر ہی ہے کیونکہ موت کی یاد دنیا کے آرام کو گھٹا دیتی ہے اور صاف لذت کو کم کر دیتی ہے اور جو چیز انسان کو مکرر اور خواہش کو ناقص کر دے وہ اس کے اسباب معادت میں سے ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "وہبت یاد کر لذت کو توڑنے والی کو" کیونکہ انسان دو حالتوں سے خالی نہیں یا تنگی اور محنت میں ہو گا یا فراخی اور نعمت میں۔ پس اگر تنگی اور محنت میں ہے تو موت کی یاد اس پر تنگی اور محنت کو آسان کر دے گی کہ یہ سب فنا ہونے والا ہے اور ہمیشہ بتر ہے گا اور موت تو اس سے بھی سخت ہے۔ اور اگر فراخی اور نعمت میں ہے تو موت کی یاد اس کو دنیا پر فریفتگی سے اور اسی کا ہور بننے سے باز رکھے گی جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ موت کا فیض نصیحت کرنے والی ہے۔

موت کو یاد کرنے والے کا اجر | اور لفاظ کہتے ہیں جو شخص موت کو بہت یاد رکھے گا وہ دو تین چیزوں سے معزز کیا جائے گا۔ ایک توبہ میں جلدی۔ دوسرے دل میں قناعت۔ تیسرے عبادت میں سرور۔ موت کو بھلانے والے کی سزا | اور جو شخص موت کو بھولا رہے گا اس کو تین چیزوں سے سزا دی جائے گی اول توبہ کا ٹانگہ۔ دوم دنیا کا لالچ۔ سوم عبادت میں سستی۔

شہداء کے ساتھ اٹھنے والے لوگ | اور ام المؤمنین حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی شہداء کے ساتھ بھی اٹھے گا آپ نے فرمایا ہاں جو ہر روز رات دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کیا کرے اور اس نصیحت کے پانے کا سبب یہ ہے کہ موت کی یاد دنیا سے بے تعلق ہو جانے اور آخرت کے لیے تیاری کرنے کا سبب ہے اور اس سے غفلت دنیا کی خواہشوں اور لذتوں میں ڈوب جانے اور آخرت کو بھول جانے کی ممانعت ہے۔ حالانکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابن عمر سے فرما چکے ہیں "دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم مسافر یا راہ گیر ہو پس گویا نبی علیہ السلام نے ان سے یہ کہا تم مسافر ہو عنقریب آخرت کا سفر کرو گے لہذا دنیا کو وطن مت بناؤ اور اس کے لذات اور مال و اسباب پر نہ مائل ہو اور اپنی صحت کو غنیمت سمجھو اور اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرو۔ اور اس کی کوشش کرو کہ اپنی زندگی

میں ایسے اعمال آگے بھیج دو جس سے قیامت کے دن تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور یہ بات موت ہی کی یاد سے حاصل ہوتی ہے۔

پس اسی وجہ سے موت کی یاد و فضل اور نافع سے اور لوگوں کا اس سے غافل رہنا اس میں کم فکر کرنے اور یاد نہ کرنے کی وجہ سے ہے اور جو کوئی یاد کرتا ہے تو وہ صاف دل سے یاد نہیں کرتا بلکہ ایسے دل سے یاد کرتا ہے جو دنیا کے مشغلوں میں پھنسا ہے لہذا اس کے دل میں یہ یاد کرنا فائدہ نہیں کرتا یاد جو دیکھ بندے پر واجب ہے کہ اپنے دل کو سوائے موت کے جو سامنے کھڑی ہے سب چیزوں سے خالی کر دے کیونکہ جب فارغ دل ہو کر موت کو یاد کرے گا تو بہت جلد اس میں تاثیر ہوگی اور اب دنیا کی فرحت اور خوشی کم ہوگی اور دل ٹوٹ جائے گا۔

دل کا علاج کر کے اصلاح نفس میں کوشش کرنے کا حکم اور اس کا طریقہ۔ پس جو شخص نفس کا قیدی ہو گا بول پڑا ہوا ہو اس پر واجب ہے خاص کر جب سخت ہو گئے ہوں پس ان کا علاج چار چیزوں سے ہونا ہے اس لیے کہ علماء نے کہا ہے کہ جب دل سخت ہو جائے تو ایسے دل والوں کو چاہیے کہ چار چیزوں کو لازم کر لیں۔

اول ایسے عمل کی مجلسوں میں حاضر ہوں جن میں مخلوق کی دنیا سے آخرت کی طرف اور گناہ سے طاعت کی طرف رہنمائی ہوتی ہو کیونکہ ایسی مجلسوں میں شرکت دلوں کو نرم کرتی ہے اور ان میں درد پیدا کرتی ہے۔

دو دوسرے موت کا یاد رکھنا جو کہ لذتوں کو توڑنے والی اور جماعتوں کو پراگندہ کرنے والی ہے اور بیٹے بیٹیوں کو چھوڑانے والی ہے۔

اور تیسرے ان لوگوں کا دیکھنا جن کا دم ٹوٹ رہا ہے کیونکہ دم ٹوٹتے ہوئے کا دیکھنا اور اس کی سکرات اور نزع کا دیکھنا اور مرنے کے بعد اس کی حالت پر غور کرنا طبیعتوں کو لذتوں سے اور دلوں کو خوشیوں سے الگ کر دیتا ہے اور پلکوں کو بند سے اور بدنوں کو آرام سے باز رکھتا ہے اور طاعت پر ابھارتا ہے۔

پس یہ تین طریقے ہیں جو شخص سخت دل نفس کا قیدی اور گناہوں پڑا ہوا ہو اس کو چاہیے کہ ان چیزوں سے اپنے دل کے علاج میں مدد دے پس اگر نفع ہو گیا تو بخیر۔

اور اگر دل کے عیب جم گئے اور گناہوں کے اسباب مضبوط ہو گئے ہیں تو پھر اس میں قبروں کی زیارت اس قدر اثر کرتی ہے جتنا اول اور ثانی طریقہ بھی اثر نہیں کرتا اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت اور آخرت کو یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔"

کیونکہ اول طریقہ کانوں سے سننے کا ہے اور دوسرا طریقہ دل سے اس انجام کی خبر دینے کا ہے جس کی طرف جانا ہے اور دم ٹوٹتے ہوئے شخص کو دیکھنا اور دفن کیے ہوئے کی زیارت میں انجام کار کا معائنہ ہے اور اسی لیے یہ دونوں اول اور ثانی سے بہت نافع ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منه ولسنا ہوا ویکے کے برابر نہیں ہوتا۔

زیارت قبور کا حکم اور اس میں بدعات اور شرک سے بچنے کی ہدایت۔ | لیکن دم ٹوٹتے ہوئے کے حال سے ہر وقت عبرت اور نصیحت حاصل کرنا غیر ممکن ہے اور جو شخص اپنے دل کا علاج کرنا چاہے اس کو ہر گھڑی اس کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن زیارت قبور تو جلدی ہو سکتی ہے اور اس کا نفع بھی بہت ہے لیکن جو شخص قبروں کی زیارت کا قصد کرے اس کو چاہیے کہ زیارت بدعتی سے جس کا آج کل اکثر لوگ قصد کیا کرتے ہیں بچتا رہے اور وہ زیارت بدعتی یعنی متبرک لوگوں کی قبروں کی زیارت کرتا ہے نماز پڑھنے اور ان کا طواف کرنے اور چہمنے اور بوسہ دینے اور اس پر گال نطنے اور وہاں کی مٹی لینے اور ان مردوں سے دعا مانگنے اور ان سے مدد چاہنے اور ان سے امداد اور رزق اور اولاد اور عافیت اور قرضوں کی ادائیگی اور سختیوں کی کشائش اور فریادیوں کی مدد مانگنے کے لیے اور اس کے سوا اور حاجتوں کے لیے جو ثبت پرست اپنے بتوں سے مانگا کرتے ہیں اس واسطے کہ اس میں سے کوئی چیز بھی نام علمائے اہل اسلام کے نزدیک بالاتفاق جائز نہیں ہے کیونکہ اس کو نہ رسول رب العالمین نے کیا ہے اور نہ صحابہؓ اور تابعینؒ میں سے کسی نے کیا ہے اور نہ کسی نے ائمہ دین میں سے کیا ہے بلکہ زیارت کے طریقے بجالائے اور بھنور دل ادا کرے اور زیارت سے صرف خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنے حال کی اصلاح اور اپنے دل کے علاج کا قصد کرے۔

زیارت قبور کا طریقہ اور اس کے آداب۔ | اور قبروں کے اوپر چلنے اور ان پر بیٹھنے سے بچے اور اگر قبروں میں جائے نہ جو تار و تار ڈالے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور مردوں پر سلام بھیجے اور حاضرین کی طرح ان سے خطاب کرے اور کہے۔ السلام علیکم وادقوہ مؤمنین۔ ترجمہ سلام تم پر اے بے گھر والے مومن لوگ! کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کہا کرتے تھے اور جب کسی مرد سے کے پاس پہنچے تو چاہیے کہ اس کے منہ کے سامنے سے جائے اور اس پر ہی سلام کرے لیکن جب دعا کرنے کا قصد کرے تو رو بقیہ ہو کر دعا کرے اور یہی مسئلہ نبی علیہ السلام کی زیارت میں ہے۔

اہل قبور سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ۔ | پھر ان سے عبرت حاصل کرے وہ مٹی کے نیچے ہیں اور اہل و عیال اور یاروں سے جدا ہو گئے ہیں اس کے بعد کہ یاروں اور کینوں میں ملا جلا تھا اور مال اور ذخیرے جمع کئے تھے اور اس کو ایسے وقت موت آگئی جس کا گمان بھی نہ تھا اور ایسے ہی حال میں جس کا وہ منتظر نہ تھا۔ پھر یہ جب قبر میں داخل ہوا اور سوال میں مبتلا ہوا تو ٹھیک جواب دیا اور اس کی

قبرِ رحمت کے بانٹوں میں سے ایک چمن ہوگئی یا جواب میں چوک گیا اور اس کی قبر و دوزخ کے گڑبوں میں سے ایک گڑبھا ہوگئی ہے۔

پھر اپنے آپ کو تصور کرے کہ گویا مر گیا ہے اور قبر میں داخل ہوا ہے اور اہل اور اولاد اور مشناسا و آشنا سب چلے گئے ہیں اور اکیلا تن تنہا رہ گیا ہے اور اب سوال ہو رہا ہے تو کیا جواب دے گا اور اس کا کیا حال ہوگا پھر ان لوگوں کے حال کو غور کرے جو اس کے بھائیوں اور بہن چھولیوں میں سے گذر گئے جنہوں نے بڑی بڑی امیدیں کیں تھیں اور خوب مال جمع کیا تھا۔ کیونکہ ان کی امیدیں ٹوٹ گئیں اور ان کے مال و متاع نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا اور مٹی نے ان کے چہرے کی خوبورتی بگاڑ دی اور قبر میں ان کے اجزا جدا جدا ہو گئے اور ان کی بیبیاں ان کے بعد راند ہو گئیں اور ان کی اولادیں یتیم ہو گئیں اور اوروں نے ان کا مال بانٹ لیا اور یہ یقین کر لے کہ دنیا کی طرف میری توجہ بھی انہیں کی ہی طرح ہے اور میری غفلت بھی ان کی سی غفلت ہے اور وہ بھی بیشک ان ہی کی جگہ جانے گا اور خوب سمجھ لے کہ میرا حال انہیں کے حال کی طرح ہونے والا ہے اور ناگوار موت اور جلدی پہنچنے والی بلا کی ہمانے موجود ہے۔

مرنے والوں کی یاد اور اس عبرت کا طریقہ اور اس کی تاثیر | اس یاد اور عبرت سے اس کا دل نرم ہو جائے گا اور ہاتھ پیر کانپ جائیں گے اور دنیا کی تمام ٹکریں جاتی رہیں گی اور آخر وہ اعمال پر متوجہ ہو جائے گا اور اپنی ہواؤ بوس کو چھوڑ دے گا اور اپنے مولیٰ کی طاعت کی طرف توجہ کرے گا پھر اس کو چاہیے کہ دم بدم اپنے ہم چھولیوں اور اپنے جیسے لوگوں کا جو کہ اس سے پہلے گزر چکے ہیں ذکر کیا کرے پس ان کی سرور اور ان کے نشاط اور ان کے عیش اور عشرت اور بڑی بڑی امیدوں اور قوت اور جوانی پر ان کے بھروسے اور ہنسی اور کھیل کی طرف ان کی رغبت کو یاد کیا کرے پھر یہ سوچے کہ ان کا کیا حال تھا اور اب ان کی مجلسیں اور گھر بار کیسے ان سے خالی رہ گئے اور ان کے نشان مٹ گئے اور ان کے مال تباہ ہو گئے ہیں پھر اپنے آپ کو دیکھے کہ میرا بھی ان ہی کی طرح انجام ہونے والا ہے۔

پس اپنی نفس کی درستی میں ان کے ذمے جو فرائض اور واجبات ہوں ان کو ساقط کر کے اور حرام اور مکروہات سے بچ کے اور گناہوں اور برے کاموں سے توبہ کر کے کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ساری رات اور صبح و شام میں توبہ اور استغفار کی توفیق دے۔

انسٹھویں مجلس طاعون کی حقیقت اور وہاں جانے اور وہاں سے بھاگنے کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "طاعون عذاب ہے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر بھی گیا تھی

پس جب تم کسی سرزمین میں اس کی خبر سنو تو وہاں نہ جاؤ اور جب آجائے اور تم وہاں ہو تو طاغون سے بھاگنے کی نوحی سے وہاں سے مت نکلو۔“

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اسامہ بن زید نے روایت کیا ہے۔ طاغون ظاہر ہونے کا سبب امر الہی کی مخالفت کرنا ہے۔ اور گروہ مذکور سے بنی اسرائیل کے وہ لوگ مراد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے گھسیں اور حطہ کہیں سورہ دروازے میں حطہ کہتے ہوئے داخل ہوئے پس حکم الہی کی انہوں نے مخالفت کی لہذا اللہ تعالیٰ نے ان پر طاغون بھیجا پس گھری بھر میں ان میں سے چوبیس ہزار ان کے شیوخ اور بڑے بڑے آدمی مر گئے پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طاغون ظاہر ہونے کا سبب امر الہی کی مخالفت ہی ہے اور اس حدیث میں وہاں جانے اور وہاں سے بھاگنے کی ممانعت ہے۔

طاغون کے علاقے جانے اور وہاں سے بھاگنے کی ممانعت۔ پہلی ممانعت تو اس لیے ہے کہ ہلاکت میں پڑنے سے احتراز لازم ہے اس لیے کہ بندہ کو جائز نہیں ہے کہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ**۔ ترجمہ اور نہ ڈالو اپنی جان کو ہلاکت میں اور دوسری ممانعت اس لیے ہے کہ توکل اور حکم خداوندی اور تقدیر الہی پر رضا لازم ہے اور نیز یہ بیان کرنے کے واسطے کہ جو عذاب گناہوں کے سبب سے نازل ہوتا ہے بھاگ جانا اس کو دفع نہیں کرتا اس کو تو صرف توبہ اور استغفار ہی دفع کرتی ہے۔

طاغون سے بھاگنے کی ممانعت کا صحیح مفہوم اور اس کے دلائل۔ اور اس میں اختلاف سے قاضی تاج الدین بسکی کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب تو وہ نہیں ہے جس پر اکثر علماء متفق ہیں کہ بھاگنے کی ممانعت حرمت کے لیے ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ تنزیہی ممانعت ہے اور بھاگنے کے سوا کسی اور کام کی نوحی سے جانے کے جواز پر متفق ہیں اس لیے کہ آخر حدیث میں نبی علیہ السلام کا خود یہ قول ہے۔ **ذَلَّتْ جِوَامِنَهَا فَوَارَا مَنَدَ تَرْجَمَہ** اور وہاں سے مت نکلو طاغون سے بھاگ کر اور حرمت پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی عنہا سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا **الْفَارِغِينَ الطَّاعُونَ كَالْفَارِغِ مِنَ الدَّجَفِ تَرْجَمَہ** طاغون سے بھاگنے والے کے برابر ہے اور اس میں نیز یہ ہے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اس سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تم اس پر عذاب کرے گا اگر نہ معاف کر دیا۔

طاغون سے بھاگنے کی ممانعت کی حکمت۔ اور اس کی حکمت میں علماء نے اختلاف کیا کوئی کہتا ہے کہ یہ امر تعبدی ہے اس کے معنی عقل میں نہیں آسکتے اس لیے کہ ہلاکت کے مقام سے بھاگنے کا حکم ہے حالانکہ ان میں ممانعت آئی ہے تو اس میں کوئی بھیید ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کوئی کہتا ہے کہ اس کی علت یہ ہے کہ طاغون جب کبھی ملک میں ہوتا ہے تو چونکہ سب میں گھسا ہوتا ہے اس لیے جو وہاں ہوتا ہے سب پر عام ہوتا ہے لہذا اس سے بھاگنا کچھ

کچھ مفید نہیں ہوتا بلکہ اگر اس کی موت آگئی ہے تو طاغون اس کی موت کا سبب ہے خواہ وہ رہے یا چلا جائے پس جب خرابی متعین ہے اور اس سے بچنا ممکن نہیں لہذا وہاں رہنا ہی مقرر ہو اس لیے کہ چلا جانا بے فائدہ حرکت ہے جو عطا ہونا نہیں باوجودیکہ اس میں اس حکم سے بھاگنا بھی ہے جو تقدیر الہی میں مقرر ہے اور اس پر صبر کرنے کا حکم بھی ہے اور جو اس میں مر جائے اس کے لیے شہید کا ثواب مقرر ہے بلکہ جو اس میں صبر سے قائم رہے اس کے لیے بھی شہید کا ثواب ہے اگرچہ وہ طاغون سے نہ مرے اور ایسے ثواب سے بھاگنا بہت بڑا نقصان ہے باوجودیکہ یہ خبر بھی نہیں کہ جس موت سے بھاگتا ہوں اس سے سلامت بچوں گا یا نہیں۔

طاغون اور جہاد سے بھاگنے والے بہت کم زندہ بچتے ہیں۔ اور ابو الحسنؑ اپنی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ایسے بہت کم لوگ ہیں جو طاغون سے بھاگے ہوں پھر وہ بچ گئے ہوں۔ تاج الدین سبکیؒ نے کہا ہے یہ جو بیان کیا از مودہ ہے اور ایسا کرنا کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھاگنے کو اس کی عمر کوتاہ ہو جانے کا سبب کر دے۔

چنانچہ قرآن مجید میں ایسی آیت سے جس سے یہ مکتنا ہے کہ جہاد سے بھاگنا عمر کی کوتاہی کا سبب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے قُلْ تَنْفَعُكُمْ الْفِيءُ أَفَرَدْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ لِقَتْلِ وَإِذَا لَأْتُمُّوْنَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ ترجمہ۔ تو کہہ بہرگز فائدہ نہ دے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگے موت سے یا مارے جانے سے اور اب نہ پھیل پاؤ گے مگر مٹھوٹے دنوں۔ اور نقل ہے کہ ان کے والد نے یہ مضمون اسی آیت سے نکالا ہے اور منسربین نے اس قول خداوندی کے بارے میں کہا ہے اَلَمْ تَكْرَاهِي الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اَلُوٌّ اٰذًا وَحَذَا الْمَوْتِ ۗ ترجمہ کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں نھے موت کے ڈر سے کہ ایک گاؤں میں طاغون واقع ہوا سو وہ لوگ وہاں سے بھاگ کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو موت دی پھر زندہ کیا تاکہ عبرت حاصل کریں اور جان لیں کہ حکم خداوندی اور تقدیر الہی سے نہیں بھاگا جاسکتا اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ ہمارے جنات دشمنوں کی نیزہ زنی ہے جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میری امت کی موت طعن اور طاغون سے ہے کسی نے سون کیا یا رسول اللہ اس طعن کو تو ہم جانتے ہیں لیکن طاغون کیا ہے تو آپ نے فرمایا تمہارے جنات دشمنوں کی نیزہ بازی ہے اور ان دونوں میں شہادت ہے۔

ابن القیمؒ کہتے ہیں کہ طاغون کے ہمارے جنات دشمنوں کی نیزہ زنی ہو یہ ایک بڑی حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے شیاطین ہمارے دشمن جو ان میں سے اہل طاعت ہیں وہ ہمارے دینی بھائی ہیں اور ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم کیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے انسان ہوں یا جن دشمنی رکھیں

اور اللہ کی رضا ہوتی کے لیے ان سے لڑتے ہیں۔ حالانکہ اکثر لوگ اس حکم سے انکار کر کے ان سے صلح اور محبت کرنے لگے لہذا ان کی عقوبت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو مقرر کر دیا کیونکہ لوگوں نے جب جنات کی گرفت میں آکر ان کا کسا مانا اور انہوں نے ان کو فسق و فجور کا حکم دیا اور شر میں ان کے بیعت ہو گئے تو حکمت الہی نے یہ چاہا کہ ان کو ان پر نیزہ زنی کے لیے مقرر کر دے جیسے کہ ان پر ان کے انسانی دشمن جب وہ ملک میں فساد برپا کرتے ہیں اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دینے ہیں مقرر کر دیتا ہے پس یہ معروف لڑائی ہے اور طاغون جنات کی لڑائی ہے اور ہر ایک ان میں سے اللہ تعالیٰ کی حکمت والے کی تقدیر سے جو مستحق عذاب ہیں ان کے عذاب کے لیے اور جو شہادت کے مستحق ہیں ان کی شہادت کے لیے مقرر ہوتا ہے اور ان عقوبتوں میں جو عام نازل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی یہی عادت ہے پس متقیوں کے واسطے طہارت اور بدکاروں کے لیے عذاب ہوتی ہیں۔

طاغون کا عذاب نازل ہونے کا سبب اور حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ طاغون ہونے کا سبب محشر باتوں کا ظاہر ہونا اور برائیوں کا بر ملا عمل میں آنا ہے جیسا کہ ابن عمر نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہرگز کسی قوم میں محشر ظاہر نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ کھڑکھڑا کرنے لگیں مگر ضرور ان میں طاغون پھیلتا ہے اور مالک نے ابن عباس سے سنا اور طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نہیں ظاہر ہوا کبھی کسی قوم کا مگر ان میں موت کی کثرت ہوتی ہے ابن حجر کہتے ہیں کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ زنا کی حد عین کے حق میں ایک خاص طریقے سے جان کا نکال کر دینا ہے اور وہ خاص طریقہ سنگسار کرنا ہے پس جب ان میں یہ حد قائم نہیں ہوتی تو جن ان پر معین ہوتے ہیں تاکہ ان کو قتل کریں بیوقوفی نے کہا کہ اس کا بقیہ یہ ہے کہ زنا کیونکہ اکثر اوقات پوشیدہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر ایسا دشمن مقرر کرتا ہے جو پوشیدہ طور پر قتل کرے کہ اس کو نہ دیکھ پائیں۔

کسی قوم پر نازل ہونے والے عذاب کا قاعدہ الہیہ۔ اور عذاب کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو مستحق غیر مستحق سب کو عام ہوتا ہے پھر وہ اپنی اپنی نیتوں کے موافق مبعوث ہوں گے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب اتارنا ہے تو جو وہاں ہوتا ہے سب کو پہنچتا ہے پھر وہ اپنی اپنی نیتوں پر حشر کے دن اٹھائے جائیں گے۔

تیک لوگوں کے عذاب اور نعم میں مبتلا ہونے کا سبب۔ اعلیٰ ہانے کہا ہے کہ سب لوگوں کو عذاب برائیوں کے ظاہر ہونے اور بر ملا عمل میں آنے کا وجہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس کا منع کرنا اور اصلاح کرنا ان پر واجب ہے پس جس نے دیکھا اور منع نہ کیا اور استحقاق عقوبت میں گناہ کرنا دالے

جنگ کے شہید پر قیاس کر کے ایسے شخص کے لیے شہادت کا حکم کر سکتے ہیں اور اگرچہ اس کے ذمے ایسے گناہ بہت ہوں جن سے توبہ نہ کی ہو۔

شہادت کی وجہ سے حقوق العباد ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے۔ | اگر آدمیوں کے حقوق العباد اس حدیث کی وجہ سے جو اس مضمون کی آئی ہے کہ "شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرعہ اور تمام حقوق عباد قرعہ ہی کی طرح ہیں اور اس شخص کے شہادت کا درجہ پانے سے جو گناہ کرتا رہا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مومن کامل سے درجے ہیں برابر ہو جائے اس واسطے کہ شہیدوں کے مرتبہ میں فرق ہوتا ہے ہاں اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادت حقوق کا کفارہ نہیں ہوتی۔

لیکن حقوق بھی شہادت سے مائع نہیں اس واسطے کہ شہادت کے معنی صرف یہی ہیں کہ یہ اگر کسی کو حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک خاص ثواب دے گا اور حقوق العباد کے علاوہ اس کے تمام گناہ معاف کر دے گا پھر اگر اس کے اور نیک اعمال بھی ہیں تو وہ ان حقوق کے مقابلے میں فائدہ دیں گے جو اس پر ہیں اور درجہ شہادت کا اس کے لیے بچا رہے گا اور اگر کچھ نیک اعمال کیے ہیں تو شہادت حقوق العباد کے سوا اس کے اور گناہوں کو تو مٹا دے گی اور حقوق کے بارہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں رہے گا۔

قیامت کے دن حقوق العباد کی معافی کا طریقہ الہی | پس اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ اس پر عذاب نہ کرے تو مدعیوں کو راضی کر دے گا جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک مرتبہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں مہنس پڑے یہاں تک کہ اگلے ذند ان مبارک کھل گئے پس کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیوں ہنستے آپ نے فرمایا میری امت کے دو شخص رب العزۃ کے سامنے لائے گئے تو ایک کہتا ہے اے رب میری میرا حق اس بھائی سے ولادے پس اللہ تعالیٰ ذاتا ہے اپنے بھائی کا حق ادا کر دے تو وہ جواب دیتا ہے الہی میرے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ باقی نہ ہے پس اللہ تعالیٰ مدعی سے کہے گا اب تو اپنے بھائی سے کیا معاہدہ کرے گا اس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ رہا نہیں ہے تو کہتا ہے یا رب پھر وہ میرا بوجھ یعنی گناہ اٹھالے پس دونوں آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹپک پڑیں اور آپ نے فرمایا بیشک وہ دن بڑا سخت دن ہے لوگوں کو اس روز اس کی حاجت ہوگی کہ ان کے گناہ اوروں پر لاوے جائیں پھر آپ نے فرمایا پھر اللہ تعالیٰ اپنا حق مانگنے والے سے فرمائے گا نگاہ اٹھا کر حنبت کی طرف تو دیکھ لیں وہ آنکھ اٹھا کر گا تو شہر کے شہر چاندی کے اور محل کے محل سونے کے موتی جڑے ہوئے دکھائی دیں گے تو وہ عرض کرے گا اے میرے

اور ایسے ہی وہ روایت جو نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک منادی قیامت کے دن عرش کے نیچے سے آواز دے گا۔ اسے محمد کی امت جو کچھ میرا حق تمہارے ذمے تھا وہ تو میں نے تم کو عیش دیا اب حقوق عباد باقی رہ گئے سو ہر ایک دوسرے کو معاف کر کے میری رحمت سے جنت میں چلا جائے۔

مومن گنہگار دوزخ میں جائے گا یا نہیں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ | سو یہ بھی بعض لوگوں کے واسطے ہے کیونکہ اگر سب کے لیے یہ ہی ہو تو کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے حالانکہ صحیح حدیثیں اس بارہ میں آئی ہیں جن کو معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے اور ان پر ایمان لانا ضرور ہے کہ جو ایمان والا ہو گا وہ گناہوں کے سبب سے دوزخ میں پڑا نہ رہے گا بلکہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اگرچہ کچھ مدت اور کچھ زمانے کے بعد ہی سہی اور دوزخ سے باہر آنا اس میں داخل ہونے بغیر نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو دوزخ میں جانے سے بچائے۔

ساٹھویں مجلس طاہونی مقام میں صبر کی فضیلت اور اس کے دفع کے لیے دُعا

ناجائز ہونے کے بیکان میں

طاہون کے مقام پر صبر کرنے والا خواہ کسی طرح فوت ہو شہید ہو گا۔ | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں کہہیں طاہون واقع ہو پھر وہ اسی شہر میں صبر کر کے ثواب کے لیے یہ خیال کر کے بیٹھا رہے کہ مجھ کو وہ ہی پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے مگر اس کے واسطے شہید کے برابر ثواب ہو گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ام المومنین عائشہ نے روایت کیا ہے ابن حجر نے کہا ہے اس حدیث کا مفقوت تو یہ ہے کہ تو شہید کا ثواب اس کو ملے گا جو اس شہر سے نہ نکلے جہاں طاہون واقع ہوا ہے اور وہاں بیٹھے رہنے سے اللہ تعالیٰ سے ثواب کا ارادہ رکھتا ہو اور یہ سمجھ کر اس کے وعدہ کا امیدوار رہے کہ بچو جو کچھ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہو گا اور جو مل جائے گا وہ بھی تقدیر کسی سے ہو گا اس کے واقع ہونے سے دل تنگ نہ ہو اپنے رب پر ہر حال میں بھروسہ کیے رہے پس جو شخص ان صفات سے موصوف ہو پھر وہ بلا طاہون مر جائے تو بھی ظاہر حدیث کے موافق اس کو شہید کا ثواب ملے گا اور اس قول کی تائید یہ روایت کرتی ہے کہ جو شخص طاہون میں مر

جائے پس وہ شدید ہے آخر حدیث تک کہ اس میں یہ نہیں فرمایا کہ طاغون سے مر جائے پھر ابن حجر کہتے ہیں کہ جس شخص میں یہ صفتیں پائی جائیں پھر وہ زمانہ طاغون کے بعد مرے تو ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شدید ہوگا کیونکہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے اور اس کی چونکہ نیت اچھی تھی اس لیے اس کو ثواب ملے گا۔

تقدیر پر پھر دوسرے کے طاغون میں صبر کرنے والا قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اور اس حدیث سے نکلتا ہے کہ طاغون میں صبر کرنے والا جوان صفات مذکورہ سے موصوف ہو قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا کیونکہ طاغون میں صبر کرنا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سہ جہادوں پر پڑے رہنے ہی کی طرح ہے اور یہ ثواب مرابطہ کے حق میں ثابت ہو چکا ہے جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث میں موجود ہے۔

طاغون میں صبر نہ کرنے والوں کا طرز عمل | پھر فرمایا اور جو شخص ان صفات مذکورہ سے موصوف نہ ہو تو دیکھو کہ اس کے دل میں کتنی تنگی بڑھ جاتی ہے اور طاغون کے دفع کرنے کے لیے قسم قسم کے حیلوں طرح طرح کی باتوں میں مشغول ہوتا ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ طاغون کو دفع کر دیتی ہیں جیسے منتر اور انگوٹھیاں اور تعویذ جو گلے میں ڈالے جاتے ہیں اور دروازے پر لکھے جاتے ہیں اور طرح طرح کی باتوں سے تنگن بدلتا ہے جس سے شایع نے منع کیا ہے اور اپنے حال کو آب و ہوا کے حوالے کرتا ہے اور حقیقی سبب یعنی فحاشی کے ظہور اور برائیوں کے کھلم کھلا ہونے کو نہیں دیکھتا اور بیماروں کی عیادت اور جنازہ پر جاتے سے پرہیز کرتا ہے جن سے دل نرم ہوتا ہے اور آئینوں سے بچتا ہے اور خوف اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

اور اکثر لوگ طاغون کے زمانے میں طاغون اور طاغون کے سوا اور طرح مر جاتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ وہ طاغون واقع ہونے کے وقت صبر کر کے حکم کی تعمیل نہیں کرتے ورنہ شہادت ان سے جاتا رہتا ہے اور کبھی ان میں سے کوئی طاغون میں مر جاتا ہے تو گمان کرتے ہیں کہ موت کے بعد یہ اٹھے گا اور رات میں اپنی قبر میں سے اٹھ کر لوگوں کے گھروں میں پھرے گا اور بعض بعض گھر والوں کو پکارے گا اور جس کو وہ پکارے گا مر جائے گا اور اس گمان پر اس کی قبر ادھیڑ دیتے ہیں اور اس کو ذبح کر ڈالتے ہیں بلکہ بعض دفعہ اس کو نکال کر پھونک دیتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے ہندو کرتے ہیں ہاوجودیکہ یہ سب ایسے کام ہیں جن کی شرع محمدی میں ممانعت آئی ہے اور

عہ مرابطہ وہ مقام جہاں دشمنوں کے روکنے کے لیے فوج ڈال دی گئی ہوتی ہے غفلت میں موقع پکاروہ اندرون ملک میں گھس رہے ہیں اور

یہ حرکات صرف طاغون سے نفرت اور اس کو برا سمجھنے کی وجہ سے کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ کی امت کے لیے قتل اور طاغون کے ذریعہ موت کی دعا۔ حالانکہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے اس کی دعا کی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ میری امت کی موت طعن اور طاغون سے کرے اور بعضوں کو اگرچہ یہ حدیث مشکل معلوم ہوئی ہے کیونکہ اکثر امت کی موت تو بخر طعن اور طاغون کے ہوتی ہے لیکن جواب یہ دیا گیا ہے کہ موت اکثر ان ہی دونوں سے ہوتی ہے اور یہ بات بیشک صحیح ہے کیونکہ اگر تحقیق کیا جائے تو یقیناً جو طاغون سے مرے ہیں ان کا شمار ان لوگوں کے شمار سے زائد ہو گا جو طاغونوں کے درمیان زمانہ میں مرے ہوں پھر اگر اس کے ساتھ قتل کو بھی جو جہاد یافتہ میں ہوا ہوشال کر لیں تو پھر کیسا جو پھر تو یقیناً وہ ہی لوگ زیادہ ہو جائیں گے جو اسی طرح مرے ہیں۔

ایک شہدہ کا ازالہ پس اگر کوئی یہ کہے کہ آپ نے اپنی امت کے لیے ہلاک کی کیسی دعا کی تو جواب یہ ہے کہ اس دعا سے مقصود ہلاکت کی بددعا نہیں ہے اگرچہ ہلاکت اس کو لازم ہے بلکہ ان دونوں سببوں کے وسیلہ سے ان کے لیے شہادت مطلوب ہے کیونکہ موت تو ایسی لازم چیز ہے کہ اس سے تو کسی طرح چھٹکارا نہیں پس دعا کا مطلب یہ ہے کہ طعن اور طاغون ہی اس موت کا سبب ہوا کرے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کی ہے اور اس سے کوئی جگہ بچاؤ کی نہیں ہے تاکہ ان دونوں کی وجہ سے شہادت ہی ہوا کرے۔

جہاد میں قتل کی طرح طاغون کی موت بھی شہادت۔ پھر شہادت کا طعن سے ملنا جو جہاد یافتہ میں ہونا ہے یہ تو ظاہر ہی ہے رہا طاغون سے شہادت کا ملنا سو اس لیے کہ حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ یہ ہمارے جنات دشمنوں کا کوئی نچہ ہے پس بے شک یہ بھی شہاد ہی ہو گا۔

طاغون دور ہونے کی دعا جائز نہیں۔ اور اسی لیے اس کے دور ہو جانے کی دعا جائز نہیں ہے یہی کہتے ہیں کہ مروہ ہے کیونکہ معاذتے دعا نہ کی اور یہ دلیل بیان کی کہ طاغون شہادت اور رحمت سے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن رافعؓ سے روایت ہے کہ ابو عبیدہ بن جراح کو جب عمو اس میں طاغون ہوا تو معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا اور طاغون کی بہت شدت ہوئی تو لوگوں نے معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ سے اس عذاب کے اٹھانے کی دعا کرو تو فرمایا یہ نہیں عذاب ہے بلکہ یہ تمہارے بنی کی دعا ہے اور اگلے نیکوں کی موت اور شہادت ہے تم میں سے جس کو اللہ جانتا ہے عطا فرماتا ہے الہی معاذ کے اہل کو اس رحمت میں سے بڑا حصہ عطا کر۔ پس معاذ کا

یہ فرمانا صریح ہے کہ اس کے دور ہو جانے کی دعا جائز نہیں ہے اور تحقیق ہو چکا ہے کہ معاذ تمام امت میں حرام اور حلال کو زیادہ جانتے تھے اور قیامت کے روز تمام فقہاء کے پیشوا ہوں گے۔

پس اگر یہ دعا جائز ہوتی تو لوگوں کو اس کہنے کی حاجت نہ ہوتی بلکہ وہ خود اپنے آپ دعا کرتے بلکہ اگر یہ دعا مباح بھی ہوتی تو لوگوں کے اس سوال کے وقت میں کو وہ لوگ اپنے لیے مصلحت سمجھتے تھے اس کے کرنے میں جلدی فرماتے۔

طاغون کے خاتمے کی دعا جمع کر کے کرنا بدعت ہے۔ اور جنابیوں نے اس مسئلہ کی

تصریح کر دی ہے اور جنابیوں میں سے صاحب فروع نے کہا ہے کہ اس کے لیے قنوت نہ پڑھے اس لیے کہ طاغون عموماً و بنجرہ میں قنوت ثابت نہیں اور ابن حجر اگرچہ تنہا تنہا اس کے لیے دعا کرنے کے جواز کی طرف مائل ہوئے ہیں لیکن اجتماع کو وہ بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دفع طاغون کی دعا کے لیے نماز استسقاء کی طرح جمع ہونا بدعت ہے دمشق میں بڑے طاغون کے زمانے میں سنہ سات سو انیسواں میں ایجاد ہوئی ہے اور اس سے کچھ فائدہ بھی نہ ہوا بلکہ اور بھی حالت خراب ہو گئی پھر کہا اور اگر یہ بات جائز ہوتی تو سلف پر پوشیدہ نہ رہتی اور نہ ملک کے فقہاء پر اور نہ زمانہ گذشتہ میں ان کی پیروی کرنے والوں پر چنانچہ اس بارہ میں نہ ہم کو محدثین سے کوئی روایت ملی ہے اور نہ کوئی اثر اور نہ کوئی جزئی کسی فقہ اور دین کے امام سے لکھی گئی۔

طاغون اور دوسری بیماریوں کے خاتمے کے لیے دعا کرنے میں فرق۔ اور ایک گروہ نے

اس کے جواز پر بعض فقہاء کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ دعائے قنوت تمام نمازوں میں حوادث کے وقت مشروع ہے اور امر من عام ہو جانے کے وقت جمع ہونا اور دعا کرنا جائز ہے اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ عام مرض کی تصریح کرنا و باہ کی تصریح کرنا ہے جس میں طاغون بھی داخل ہے اور یہ بھی بڑا حادثہ ہے اور جواب یہ ہے کہ وبا اور حوادث اگرچہ ہر ایک عام ہے کہ طاغون وغیرہ کو بھی شامل ہے لیکن طاغون میں شہادت اور رحمت اور ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہونے کی خصوصیت ہے برخلاف وبا اور حوادث کے اور اسی لیے ان کے رفع کی دعا جائز ہے اور طاغون کے رفع کی جائز نہیں اور وبا اور حوادث کے علاوہ صرف طاغون سے بھاگنے کی ممانعت ہونا اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ طاغون قرن اول میں کئی بار واقع ہے اور صحابہ اس وقت بہت اور بڑے بڑے موجود تھے اور کسی سے یہ منقول

نہیں کہ کسی نے اس میں سے کچھ بھی کیا ہو یا کسی کو حکم دیا ہو اور معاوضہ کے اس قول سے مراد کہ تمہارے نبیؐ کی دعا ہے یہ حدیث ہے "اللہی کر دے میری امت کی موت طعن اور طاہرانی سے"

نیک لوگوں سے مراد اور اگلے نیکوں سے کون مراد ہیں اس کے بارے میں کلابادی نے گفتگو کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ ان سے بنی اسرائیل مراد ہوں کیونکہ طاہرانی اگرچہ ان پر بری باتوں کے کلمہ کھلا ہونے کے وقت سکوت کی وجہ سے بطور عذاب آیا تھا لیکن ان کے حق میں اس سکوت کی وجہ سے جو ان سے ظاہر ہوا تھا ایسا ہی کفارہ اور طہارت تھا جیسا کہ ایک کا دوسرے کو قتل کرنا ان میں سے گوسالہ پرستوں کے لیے کفارہ تھا پس اس وجہ سے بیشک یہ سب نایب اور صلحا اور مطیع تھے۔

مسلمان کا فرض اور اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ ان امور کو جو اس کے ذمے فرض اور واجب ہیں ادا کر کے اور حرام اور مکروہ باتوں سے بچ کر اور گناہوں اور برائیوں سے توبہ کر کے منظام اور حقوق العباد سے خلاصی پاتے ہیں جلدی کر کے اپنے نفس کی اصلاح میں کوشش کرے اور یہ بات تو ہر وقت درکار ہے اور وہ پھیلنے کے وقت سب کے لیے عموماً اور جو شخص اس میں مبتلا ہو اس کے لیے خصوصاً ضروری ہے۔

وصیت کی اہمیت اور ضرورت۔ اور خاص کر وصیت بلا اس کے کہ اس میں کسی طرح کی بے انصافی ہو اسی لیے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ نہیں حق ہے مسلمان شخص کا جس کی کوئی چیز قابل وصیت ہو کہ دو شب ویر کرے مگر اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کا حق اس کے سوا ۲ اور کچھ نہیں کہ اس کی وصیت اس کے لکھی ہوئی ہو کیونکہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کی موت کب اس کو آپکڑے گی اور اس کے ارادوں میں حائل ہو جائے گی اور دو شب کی قید کچھ مقصود نہیں ہے بلکہ یہ اسباب پر تنبیہ ہے کہ اس پر کچھ زمانہ گزرنا نہ چاہیے اگرچہ کم ہو مگر اس حال میں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود ہو اور خصوصاً جب کہ اس پر فرض ہو یا اس کے پاس امانت رکھی ہو یا کوئی اور حق ہو تو اب اس پر وصیت لازمی ہے اور اس میں جلدی کرنا مستحب ہے کیونکہ اس سے نواطمینان نہیں کہ مرض بڑھ جائے اور زبان بند ہو جائے اور بے وصیت مر جائے اور واجب ترک کرنے کا وجہ سے اگر اس پر وصیت واجب تھی تو گناہگار ہو کہ اس کے ذمے کوئی حق اللہ تعالیٰ

کا یا کوئی حق العباد ہو اور اگر اس کے ذمے ان دونوں بھٹوں میں سے کچھ نہیں ہے تو اس پر وصیت واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور اس شخص کے لیے جس کے پاس مال تو ہے لیکن کوئی وارث نہیں تمام مال وصیت کا محل ہے اور اگر وارث ہے تو تنہائی مال محل ہے اور واجب وصیت میں اگر ضرورت ہو تو پوری تنہائی کی وصیت کر دے اور وصیت مستحب میں تنہائی سے کم رکھے۔

وصیت کا طریقہ۔ اور وصیت کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان سے دو عادل شخصوں کے سامنے ذکر کرے اور اس کی مقدار اور جنس اور کیفیت بیان کر دے اور اگر وصیت کہہ کر دونوں کو بڑھ کر سنائے اور ان کو اس پر گواہ کرے تو بہت بہتر ہے۔

وراثت کے اصول شرعی کی مخالفت کا نتیجہ۔ لیکن اس سے بہت بچے کہ اپنے وارثوں میں سے کسی ایک وارث کو خاص کر کے بطور تملیک یا اقرار کوئی چیز دیدے جس سے اس کا خاتمہ برا ہو خاتمہ بخیر نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بذات خود قسمت موارثت کا ذمہ دار ہوا ہے اور ایک کو خود اس نے حصہ دیا ہے اور ہر ایک مقدار کے لیے اپنی کتاب میں جو اپنے رسول پر نازل کی ہے حصہ معین کر چکا ہے اور نافرمان کے لیے جو اس کے حکم کو تبدیل کرے دوزخ میں جانے کا اور اس میں ہمیشہ رہنے کی وعید فرمائی ہے چنانچہ موارثت کے آخر آیت میں فرمایا ہے وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَّقِ اللَّهَ حُدُودَهُ يَدْخُلْهَا فَإِنَّ مَخْلَصًا لَهَا عَذَابٌ مُّهِينٌ ترجمہ وہ اور جو کوئی نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور بڑھے گا اس کی حدوں سے اس کو داخل کرے گا آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کو ذلت کا عذاب ہے۔

اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا بیشک بعضے مرد اور عورت ساتھ برس تک اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں پھر جب ان کی موت آتی ہے تو وصیت میں اور رزق کو نقصان پہنچاتے ہیں پس ان کے لیے دوزخ واجب ہو جاتی ہے پھر ابو ہریرہ نے یہ آیت پڑھی مَنِ بَعْدَ وَصِيَّتِهِ يُؤْتَى بِهَا أَدِينٍ غَيْرِ مَصْنُوعٍ الخ۔ ترجمہ بعد وصیت کے کہ وصیت کیا جاتا ہے ساتھ اس کے یا فرض کے بلا اور رزق کو نقصان کے اخیر تک خداوند تعالیٰ اپنی رضا کے موافق اعمال ہم پر آسان کرے۔

اکسٹھویں مجلس بلیات اور مصائب پر صبر اور اس وقت انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے

کی فضیلت کے بیان میں

مومن پر آنے والی مصیبت اس کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مومن مرد اور عورت کے ساتھ بلا لگی رہتی ہے اس کی جان میں اور اس کے مال میں اور اس کا اولاد میں یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا ہمیشہ مومن کی جان اور مال اور اولاد پر آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اس حالت میں مر جاتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا بلکہ اس کے سب گناہ ان بلاؤں اور مشقتوں کے سبب سے جو اس کو پہنچی ہے دور ہو جاتے ہیں۔

اور ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب کسی بندہ کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کے پاس کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو ان کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اس کو مبتلا غم میں کر دیتا ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندے پر کوئی گزند محفوظ رہے یا بہت نہیں پہنچتا مگر گناہ ہی کے سبب سے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ بہت ہیں اور آپ نے یہ آیت پڑھی **وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ آيَاتِكُمْ وَتَعْتُونَ كَثِيرًا** ترجمہ اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو بدلہ اس کا ہے جو کیا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت۔

یعنی تم پر جو مصیبت آتی ہے کسی ہی ہو سو وہ تمہاری نافرمانی کے سبب سے ہے جو تم کر چکے ہو اور اللہ تعالیٰ بہتر سے گناہ معاف کر دیتا ہے پس دنیا میں اس پر سزا نہیں دیتا ہے۔

گناہگار مومن کے لیے پانچ طرح کی سزائیں ہیں۔ | اور حضرت علیؓ کہتے ہیں مومن کے لیے اللہ کے یہاں پانچ عقوبتیں ہیں۔ سب سے پہلی بیماری ہے۔ پھر دوسری عقوبت مصیبتیں ہیں۔ پھر تیسری عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ زیادہ ہوں تو قبر میں عذاب ہوگا۔ پھر چوتھی عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو پلصراط پر روک

رکھا جائے گا اور پانچویں عقوبت یہ ہے کہ اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوں تو اپنے گناہوں کے موافق دوزخ میں عذاب دیا جائے گا پھر اس میں سے نکال لیا جائے گا۔ اور یہ سب گنہگاروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

بے گناہ مومن پر مصیبت اس کے درجات کی بلندی کے لیے ہے | اب رہے بے گناہ مومن سو ان پر دنیا میں مصائب اس لیے آتے ہیں کہ ان کے درجات عقبتی میں بلند کر دیے جائیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص کا کوئی مرتبہ تو اللہ کے نزدیک مقرر ہوتا ہے وہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا پس اللہ تعالیٰ اس کو ان باتوں میں پختسا دیتا ہے جن کو وہ برا جانتا ہے یہاں تک کہ وہ اس مرتبہ کو پا لیتا ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

مصیبت پر ثواب کا دار و مدار صبر کرنے پر ہے | لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ اہل بلا کے لیے ثواب جو ان حدیثوں میں اور دوسری جگہوں میں مذکور ہے وہ صبر پر موقوف ہے خود مصیبت پر اس کا دار و مدار نہیں ہے جیسا کہ سفیان ثوری رحمہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ثواب بقدر صبر ہوتا ہے اور صبر ایک کبی صفت ہے جس سے انسان موصوف ہو جاتا ہے اور انسان ہی کے ساتھ خاص ہے اور فرشتے اور جانوروں میں نہیں ہو سکتا اور تقدیری اور شرعی احکام پر ثابت قدم رہنا اور نفس کو بے صبری سے اور نہ بان کو شکوہ و شکایت سے اور اعناء کو بیہودہ محل سے روکنا صبر ہے۔

شیخ امام عزالدین بن عبدالسلام رحمہ کہتے ہیں بعینہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت پر اجر ملتا ہے اور یہ غلط ہے کیوں کہ مصیبت خود انسان کا کسی طرح کسب نہیں ہے نہ عمل کے اعتبار سے اور نہ سبب کے اعتبار سے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے اِنَّمَا تُجَنَّبُوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ترجمہ۔ وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کرتے تھے پس جس کا بیٹا مر گیا اور مال نٹ گیا اور بدن پر کوئی آنت آگئی تو یہ سب مصیبتیں نہ اس کے کسب سے ہیں اور نہ اس کے ان کا سبب پیدا کرنے سے تاکہ ان کی وجہ سے اس کو ثواب ملے بلکہ اگر اس پر صبر کرے گا تو اس کو صابروں کا ثواب ملے گا اور اگر اس پر رضا مند ہو گا تو رخصا مندوں کا اجر ملے گا۔

صبر پر بھی صدمہ کی ابتداء میں اجر ملے گا | لیکن حدیث میں آیا ہے کہ صبر پر بھی صدمہ کی ابتداء میں اجر ملے گا چنانچہ انس رحمہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا ایک عورت پر گزر ہوا جو ایک ایک قبر پر رو رہی تھی آپ نے اس سے فرمایا خدا سے ڈرا اور صبر کر تو اس نے جواب دیا اللہ جو تم پر میری سی مصیبت پڑی ہے اور آپ کو اس نے پہچانا نہیں ہیں کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ تو نبی علیہ السلام ہیں پس وہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلعم میں نے

آپ کو پہچانا نہیں تھا۔ پس نبی علیہ السلام نے فرمایا صبر تو صدمہ کی ابتدا ہی میں ہوتا ہے اور یہ اس لیے فرمایا کہ کچھ دیر گزر جانے کے بعد تو ہر مصیبت زدہ کو صبر آجاتا ہے وہ چاہے نہ چاہے۔
 مصیبت پر بے صبری کا نتیجہ اور ابن مبارک کہتے ہیں کہ اول مصیبت ایک ہوتی ہے پھر اگر وہ بے صبری کرتا ہے تو دو مصیبتیں ہو جاتی ہیں ایک تو خود وہی مصیبت دوسرے ثواب کا جاتا رہنا اور یہ خود اس مصیبت سے بڑھ کر ہے کیوں کہ بے صبری نہ گذشتہ بات کو پھیر لاتی اور نہ غم کو دور کرتی ہے بلکہ مصیبت کا ثواب باطل کر دیتی ہے کیوں کہ جو شخص مصیبت پر بے صبری کرتا ہے وہ پروردگار کی شکایت کرتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ حکم الہی پھر جائے حالانکہ ایسا ہو نہیں سکتا۔

میت پر رونے اور نوحہ کرنے کا حکم شرعی اور حدیث میں آیا ہے کہ میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے عذاب ہوتا ہے لیکن یہ عذاب اس وقت ہے جب کہ بطور نوحہ ہو اور مرنے والا مرنے سے پہلے اس پر رضامند ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو اس پر بطور شفقت و رحمت رونے میں کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ وہ سوال و جواب واجب اور عقوبت مہوم میں تو مبتلا ہوتا ہی ہے کیوں کہ نبی علیہ السلام خود جب آپ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما گئے تو روتے تھے اور اس پر عبدالرحمن بن عوف نے جب عرض کیا یا رسول اللہ آپ روتے ہیں؟ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ابن عوف یہ وہ رحمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے اور اللہ اپنے رحیم بندوں ہی پر رحمت کرتا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دل ٹنگین ہوتا ہے اور آنکھیں روتی ہیں اور ہم وہ کلمہ نہیں کہتے جو پروردگار کو ناخوش کرے اور ایک روایت میں ہے ہم کچھ نہیں کہتے ہیں مگر وہی جس میں ہمارا پروردگار راضی ہو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو سے عذاب نہیں دیتا اور نہ دل کے غم سے لیکن عذاب تو اس سے دیتا ہے اور زبان کی طرف اشارہ کیا اور ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو منہ کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی سی باتیں کہے اور جاہلیت کی باتوں سے یہ اقوال مراد ہیں ہائے ہائے مرنے والے ہائے پویشاک والے ہائے بدوکار وغیرہ اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا زانو کا پیٹنا مصیبت کے وقت ثواب کو کھو دیتا ہے۔

اہل میت سے تعزیت کا حکم اور اسی لیے تعزیت مستحب ہے اور تعزیت یہ ہے کہ درثناء میت کو اجر کا وعدہ یا رد لا کر عزا یعنی صبر پر ابھارنا ہے اور میت کے لیے دعائے خیر اور

مصیبت رسیدہ کے لیے دعائے مغفرت کرنا ذلیعی رکھتے ہیں کہ اہل میت کی تعزیت کرنے اور ان کو صبر کی رغبت دلانے میں کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا قول "جس نے مصیبت رسیدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے بھی اس کے برابر ثواب ہے"

تعزیت کا طریقہ اور تعزیت کا یہ طریقہ ہے کہ جس کو مصیبت پہنچی ہے اس سے کہے خدام کو بڑا اجر عنایت کرے اور تمہیں اچھی طرح صبر دے اور تمہارے مردہ کو بخش دے۔

صبر کی اہمیت اور اس پر اجر عظیم اور فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ انسان نیکوں کا درجہ نہیں پاتا مگر سختی اور تکلیف پر صبر کرنے کی بدولت اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو صبر کا حکم فرما چکا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الرُّسُلِ** ترجمہ سو تو صبر کر جیسے صبر کیا ہے بہت والے رسولوں نے، اور نبی کو حکم کرنا آپ کی امت کو حکم کرنا ہے لہذا جو شخص امت میں داخل ہے اس پر واجب ہے کہ اپنے نبی کی پیروی کرے اور جو رنج اس کو پہنچے اس پر صبر کرے اور اس کا یقین رکھے کہ جو بلائیں اللہ تعالیٰ نے اس پر سے دفع کر دی ہیں وہ ان سے زیادہ ہیں جو اس کو پہنچتی ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب کسی کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی جان نکال لی وہ عرض کرتے ہیں ہاں پھر فرماتا ہے کیا تم نے اس کے دل کے پھل پر قبضہ کر لیا وہ عرض کرتے ہیں ہاں پھر پوچھتا ہے میرے بندے نے کیا کہا پس وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور ان اللہ وانا الیہ راجعون کہا اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا میرے بندے کے لیے ایک گھر جنت میں بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو اور مذکور ہے کہ نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج والے لوگ قیامت کے دن حاضر کئے جائیں گے تو ان کا ثواب میزان سے تول کر پورا دیا جائے گا پھر مصیبت والے لوگ بلائے جائیں گے پس ان کے لیے نہ ترازو دکھڑی کی جائے گی اور نہ نامہ اعمال کھولے جائیں گے بلکہ ان کو اجرا اثر الیاد یا جائے گا۔ جیسا ہا دیا پس یہ دیکھ کر عافیت والے آرزو کریں گے کہ کاش ہماری کھال دنیا میں قینچیوں سے کتری جاتی کہ مصیبت زدوں کو بے حساب ثواب عطا ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد **اِنَّهَا يُوَفِّي الصَّابِرِينَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ترجمہ صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے ان کا ثواب بغیر حساب، کا یہی مطلب ہے اور اسی لیے متقدمین صلحاء دنیا میں مصیبت پر خوش ہوتے تھے کیونکہ ان کو ثابت ہو چکا تھا کہ مصیبت پر صبر کرنے میں بہت بڑا ثواب ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ مصیبت میں صبر کرنے پر اجر اور ایک اعتراض کا جواب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بلا پر صبر کرنے سے اگر اس پر راضی ہونا اور ناخوش نہ ہونا مراد ہے تو یہ آدمی کے اختیار میں نہیں ہے

اور اگر اس پر خوش ہونا مراد ہے تو یہ اول سے بھی زیادہ بعید ہے تو جواب یہ ہے کہ شارع نے ایسی چیز سے منع نہیں کیا جو اس کے اختیار میں نہ ہو ممانعت تو کسی باتوں سے ہے جیسے گریبان بھاڑنا اور گلے پھینا اور زبان سے سچنا اور نوحہ کرنا اور صلحا کی بلا پر جو فرحت مذکور ہے سو وہ فرح شرعی ہے ایمان اور یقین کے قوی ہونے سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی شخص سے بادشاہ کہے کہ میں جب تجھ کو ایک کوڑا ماروں تو سو اشرافی دوں گا سو یہ شخص بادشاہ کی چوٹ معلوم ہونے کے اس بڑی بخشش کی امید پر بادشاہ کی زیادہ مار پر خوش ہو گا اسی طرح نیک بندوں نے جب یہ ارشاد خداوندی سنا اِنَّمَا يُوفِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ترجمہ کہ صبر کرنے والوں ہی کو دیا جاتا ہے ان کا اجر بے حساب اور یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کا وَجْزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا وَجْزٌ يُؤْتَاهُ تَرْجُمَةً اور بدلہ دیا ان کو صبر کرنے کا باغ اور پوشاک ریشمی، اور بڑے ثواب کا ان کو یقین ہو گیا تو ان پر دنیا میں جو مصیبتیں گزرتی ہیں سب آسان ہو گئیں چنانچہ کسی نیک بی بی کا قصہ ہے کہ ایک روز انہیں ٹھوکر لگی جس سے ان کا ناخن ٹوٹ گیا اس پر وہ مہنس پڑیں۔

مصیبت کے ہلکا ہونے کی صورت | تو کسی نے کہا کیا تم کو درد سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی تو انہوں نے جواب دیا اس ثواب کی لذت نے جو اللہ تعالیٰ سے صبر اور رضا پر ملے گا دکھ کی تلخی کو میرے دل سے دور کر دیا ہے۔ علماء کہتے ہیں رضا کی حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتلایا ہے کہ مصیبت کے وقت ہم سب اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ ترجمہ کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، کہا کریں اور یہ زبانی استرجاع ہے پس عاقل کو اس کہنے کے وقت لازم ہے کہ اس مصیبت کے ثواب کا خیال کرے تاکہ اس پر مصیبت آسان ہو جائے۔

مصیبت پر ثواب | کیونکہ مصیبت کا ثواب جب قیامت کے روز اس کے سامنے آئے گا تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش میری ساری اولاد اور تمام اقربا دنیا میں میرے سبب سے مر جاتے کہ ان کی مصیبت کا ثواب ملتا اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مصیبت میں بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ فرمایا ہے لِيَبْلُوَكُمْ شَيْءًا مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَ كَبُرَ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ مِّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ ط اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ط اُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ط

ترجمہ اور البتہ ہم آزمائش کے تم کو محتوڑے سے ڈر سے اور غمبوک سے اور مالوں اور جانوں اور میووں کے نقصان سے اور خوشخبری دے دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچتی ہے ان کو کچھ مصیبت تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف جانا ہے ایسے لوگوں ہی پر ہیں

شبابائیں ان کے رب کی طرف سے اور مہربانی اور وہی ہیں راہ پر۔
یعنی ہر وہ شخص جس کو کوئی مصیبت پہنچے اُس کے مال میں یا اُس کی اولاد میں یا اُس کی جان پر
یا ابرو پر جیسے کوئی بُرا کلمہ اپنے حق میں سنایا کسی آئندہ بات نے اُسے پریشان کر دیا یا کسی گذشتہ
بات سے مغموم ہو گیا معاش کی تنگی ہو یا روزی کی کمی ہو یا کمائی کا نہ چلنا یا کھیتی کا نہ اُگنا یا اس کے
سوا کچھ اور ہو پس اگر وہ اس پر صبر کرے گا اور اُس مصیبت کے ثواب کا جو اُس پر گزری ہے
امید رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ مغفرت اور رحمت اور ہدایت جس کا باری تعالیٰ نے اس
کے لیے اپنی کتاب میں وعدہ فرمایا ہے عطا کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔
ہر مصیبت پر انا للہ الخ پڑھنے کا حکم اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا
پتراغ کچھ گیا تو آپ نے "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ
مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں جو چیز مومن کو ایذا دے وہی اس کی مصیبت ہے اور ایک
اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو انا للہ
پڑھے کیونکہ یہ بھی مصیبت ہے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا
ایسا کوئی مسلمان نہیں جس کو کوئی مصیبت پہنچے پھر وہ کہے انا للہ وانا الیہ راجعون ہ اللہم اجرنی
فی مصیبتی واخلف لی خیراً مما ترجمہ تم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف لوٹنا ہے النبی
محمد کو میری مصیبت کا اجر دے اور مجھ کو اس سے بہتر عوض دے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کو اس کی
مصیبت کا اجر اور اس سے بہتر عوض دیتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی
علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے مصیبت کے وقت انا للہ پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو
رفع کر دیتا ہے اور اُس کا انجام بہتر کرتا ہے اور اس کا ایسا اچھا بدلہ دیتا ہے کہ وہ خوش ہو جاتا ہے
مصیبت پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا امت محمدیہ کی خصوصیت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے
روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایسا کوئی مسلمان نہیں جس پر کوئی مصیبت گزری ہو پھر
وہ از سر نو انا للہ پڑھے مگر اللہ تعالیٰ اُس کے لیے اتنا ہی ثواب لکھ دیتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو
اتنا ہی اجر دیتا ہے جتنا کہ مصیبت کے روز عطا کیا تھا اور حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
کہ استرجاع یعنی انا للہ الخ پڑھنا اس امت کے سوا اور کسی امت کو عطا نہیں ہوا اگر کسی کو ملتا تو البتہ
حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ السلام کو ملتا کیا تم نہیں دیکھتے جب ان کو مصیبت پہنچی تو انہوں نے
انا للہ نہیں پڑھا بلکہ کہا اے افسوس یوسف عم پر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ
ان کو سفر میں بیٹی کی موت کی خبر آئی تو پہلے انا للہ پڑھا پھر اتر کر دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا اللہ تعالیٰ
جو حکم کیا ہے وہ ہم کو چکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مدد و صبر سے اور نماز سے لہذا مومن کو

لازم ہے کہ یہی کیا کرے کیونکہ نبی علیہ السلام کو جب کسی بات سے پریشانی ہوتی تو گھبرا کر نماز شروع کر دیتے اس لیے کہ نماز سب عبادتوں کی اصل اور مومنین کے لیے معراج اور پروردگار سے سرگوشی ہے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بڑا ثواب بڑی بلا ہی پر ہوتا ہے۔
رضا بالقضائے کی اہمیت و حقیقت اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی جماعت کو دوست رکھتا ہے تو ان کی آزمائش کرتا ہے پس جو کوئی اس پر راضی ہوتا ہے اس کے لیے رضا مندی ہے اور جو بیزار ہوتا ہے اس کے لیے بیزاری ہے یعنی ثواب کی کثرت بلا کی کثرت سے حاصل ہوتی ہے پس جو کوئی راضی رہا اور اس نے اس پر صبر کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے اور جس نے بلا کو بڑا جانا اور واویلا کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی نہ ہوا تو اس کو اللہ کی بیزاری اور عقوبت حاصل ہوتا ہے۔

لیکن یہ جاننا چاہیے کہ رضا مندی اور بیزاری دونوں کی جگہ دل ہے اور یہ دونوں دل سے علاقہ رکھتے ہیں زبان سے نہیں رکھتے اسی لیے اکثر لوگوں کو دیکھتے ہو کہ درد کے مارے یا بیماری کی شدت سے آہ اف کرتے ہیں حالانکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی رضا و تسلیم ہوتی ہے پس اس بیان کے موافق جس سے آہ اف سنا جائے اس کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ صابر اور اللہ کے حکم سے راضی نہیں ہے اس لیے کہ کوئی کسی کے دل کا حال نہیں جانتا۔

مومن اور منافق کی بیماری اور صحت میں فرق اور عامر بن راحی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کو جب کوئی بیماری آتی ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ صحت دیتا ہے تو وہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ اور آئندہ کے واسطے نصیحت ہو جاتی ہے اور منافق جب بیمار پڑتا ہے پھر صحت پاتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالکوں نے باندھ دیا پھر اس کو چھوڑ دیا پس وہ نہیں جانتا کہ کیوں اس کو باندھا تھا اور کیوں چھوڑ دیا تو اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو اس کے گناہ کے مٹانے اور درجات کی تسبیح ہی کے لیے مبتلا کرتا ہے جن پر وہ ان طرح طرح کے مصائب کے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا پس اللہ تعالیٰ دنیا کے فتنہ سے بچانے اور دنیا سے بے رغبت بنانے کے لیے اس پر دنیا ہی میں سختیاں اور محنتیں ڈال دیتا ہے تاکہ اس پر اطمینان نہ کرے اور اس کی الفت میں نہ پھنس جائے کہ اس کے جھگڑوں میں پھنس جانا اس کو آخری مرتبوں سے الگ کر دے۔

انسان پر مصیبت کا اثر کیونکہ جب انسان بلا میں پڑتا ہے تو اس کے نفس کی تیزی سست ہو جاتی ہے اور بشری صفات جاتے رہتے ہیں اور ہوا و ہوس اور دنیا کی لذت کا مادہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے جس سے وہ راحت اور رنج ہر حال میں اپنے مولیٰ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اوپر

متوہر رہنے سے مانوس ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے صبر اور رزنا کا عادی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ صبر و تحمل اس کو اللہ کے دوستوں اور اولیاء اللہ کے درجوں تک بلند کر دیتے ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس کے بھی معنی یہ ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے لیے بھلائی یا اس کو محبوب رکھنا چاہتا ہے تو اس پر بہت سی بلائیں ڈال دیتا ہے۔

مصیبت پہنچنے کی صورتیں | اور ان بلاؤں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ اس پر ڈالتا ہے ایک یہ ہے کہ اپنی کسی ایسی مخلوق کو اس پر مقرر اور معین کر دیتا ہے جو اس کی ایذا میں کوشاں رہے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ یا چوہے کے بل میں بھی جا کر چھپ رہے جب بھی اللہ تعالیٰ اس جگہ کسی ایسے کو مقرر کر دے گا جو اس کو ایذا پہنچائے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے اگر مومن گوہ کے بھٹ میں ہو تو اسی میں اللہ تعالیٰ ایسے کو مقرر کر دے گا جو تکلیف دے اور ایسا ہی ان الفاظ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر مومن چوہے کے بل میں ہو تو اسی میں اللہ تعالیٰ ایسے کو مقرر کر دیتا ہے جو ایذا دے۔

اللہ کے بندوں پر مصیبت پڑنے کی حکمت | اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مصیبت بندے کے انسانی صفات کو گلا دیتی ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے نفس کو محنت اور مصیبت کی آگ میں گلا کر صفات بشری کی کدرتوں سے صاف کرتا ہے تاکہ وہ ولی اللہ اور خدا کی محبت کے قابل ہو جائے۔

پانچ چیزیں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کی تحقیق کے بیان میں کہ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو اور ان باتوں کے بیان میں جو اس سے متعلق ہیں

پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جانو | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جس کو آپ نصیحت فرما رہے تھے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ سے پہلے غنیمت جان جو جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اور صحت کو بیماری سے پہلے۔ اور امیری کو محتاجی سے پہلے۔ اور فرصت کو مشغولی سے پہلے۔ اور زندگی کو موت سے پہلے۔

یہ حدیث مصابیح کی جن حدیثوں میں سے ہے میمون بن مهران رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ آدمی چونکہ اپنی جوانی میں وہ اعمال کر سکتا ہے۔

جو بڑھاپے میں نہیں کر سکتا لہذا اس کو لازم ہے کہ فرصت کو غنیمت سمجھے اور جوانی ہی میں بڑھاپے سے پہلے عبادت میں مشغول رہے کیونکہ جوانی میں اگر نیک کام تک کر دے اور ہوا و ہوس کا پیرو رہا اور معصیت کی عادت کر لی تو پھر بڑھاپے میں گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں ہو سکتا اس کو مناسبت ہے کہ معاصی کو جوانی ہی میں ترک کر دے اور نیک کاموں کی عادت ڈالے تاکہ بڑھاپے میں جا کر سہولت رہے اور یہ بھی فرمادیا ہے کہ انسان اپنی صحت میں اپنے مال اور بدن سے ثواب حاصل کرنے پر قادر ہے اس لیے اس کو مناسب ہے کہ اپنی صحت کو غنیمت جانے اور اپنے مال اور بدن سے نیکیاں حاصل کرنے میں کوشش کرے کیونکہ جب بیمار ہو جائے گا تو بدن کمزور ہو جائے گا پس بدن سے عبادتیں کرنے کی قدرت نہ رہے گی اور اس کا ہاتھ تھائی مال سے زیادہ میں تنگ ہو جائے گا بس اپنے مال میں بھی تھائی سے زیادہ میں تصرف کی قدرت نہ رہے گی اور یہ بھی بیان فرمادیا کہ آدمی مالدار می اور فرصت میں بغیر کسی مانع کے عبادتیں کر سکتا ہے اور جب مالدار کی تنہائی سے اور فرصت مشغولیت سے بدل گئی تو موانع پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر عبادتوں کی طاقت نہیں رہتی بلکہ اپنی معاش کی فکر میں لگا رہتا ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ مالدار می اور فرصت کو نیک کاموں کے لیے غنیمت سمجھے کیونکہ مالدار می کے پیچھے محتاجی آیا کرتی ہے اور فرصت کے پیچھے مشغولیت لگی ہوتی ہے اور یہ بھی بیان فرمادیا کہ اپنی اپنی زندگی میں عمل کر سکتا ہے اور جب مراعات سے الگ ہوگا۔

زندگی ایک غنیمت ہے اس کو ضائع کرنا رسوائی اور ہدامت کا باعث ہوگا | پس اُس کو یہ مناسب ہے کہ اپنی زندگی کو غنیمت جانے اور بہودہ باتوں میں اپنی عمر نہ کھوئے کیونکہ عمر کے سالوں کا ایک ایک دم ایسا نفیس جوہر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں اس لیے کہ اس کے بدلے میں جنت کے خزانوں میں سے کوئی ایسا خزانہ خریداجا سکتا ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی پھر ایسے سالوں کو ضائع کرنا اور ہوا و ہوس کی پیروی کر کے اس سے ایسی چیز کا خریدنا جو اس کی ہلاکت کا سبب بنے حد درجہ کی رسوائی اور حد درجہ کا نقصان ہے کیونکہ جو شخص ہوا و ہوس کی پیروی کرتا ہے وہ وہی کام کرتا ہے جو اب یا آئندہ مضر اور ہلک ہو اور وہ یا تو سمجھتا نہیں یا سمجھتا تو ہے لیکن بے وقوفی سے موجود ناپائدار لذت کو اخروی سعوات پر جن کی کوئی انتہا نہیں ہے بیچ دیتا ہے اور اپنے اندھے پن اور حد درجہ کی بے وقوفی سے یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے کچھ لذت حاصل کر لی حالانکہ وہ احمق یہ نہیں جانتا کہ وہ دنیا سے نکل کر دیکھ لے گا کہ اُس نے کچھ بھی لذت حاصل نہیں کی نہ تو دنیا کی عیش و لذت کیونکہ وہ سب جاتی رہیں گی اور نہ آخرت کی لذت کیونکہ وہاں تک اُس کی رسائی نہیں پس حسرت اور ہدامت ہی میں رہ جائے گا جبکہ ہدامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کوئی نہیں جو مرتا ہے مگر وہ ضرور نام ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ندامت کس بات کی آپ نے فرمایا اگر نیکو کار ہوتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے کہ زیادہ کیوں نہ کیا اور اگر بدکار ہوتا ہے تو یہ پشیمانی ہوتی ہے کہ باز کیوں نہ آیا۔

پس اسے سمجھو اور اپنی عمر غفلت میں ضائع نہ کرو اور آخری سماں حاصل کرنے میں اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جیکہ تو ان کو حاصل نہ کر سکے گا کوشش کر کیونکہ بیشک تو عنقریب اس دن کو دیکھ لے گا پھر تو اس گزری ہوئی عمر پر نام ہوگا جو بدن عبادت پروردگار کے گزری ہے اور ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو کر نیک کاموں کو فرصت کے اوقات پر ٹالتا بے وقوفی ہے | کیونکہ آدمی جب دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو اور وہ مشغول اس کو نیک کام سے باز رکھے اور اس نیک کام کو فرصت کے وقت پر حوالہ کرے اور کہے جب فرصت ہوگی اس وقت کروں گا یہ اس کی دو سبب سے بے وقوفی ہے۔

ایک تو دنیا کو آخرت پر مقدم کرنا اور یہ عاقل کی شان نہیں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے **بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَالْبَاقِيَاتُ طَوَّاهٍ** بلکہ تم مقدم رکھتے ہو دنیا کی زندگی حالانکہ دارِ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

اور دوسرے عمل کو فرصت کے وقت پر ٹال رکھنا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ مہلت نہ ملے بلکہ فرصت سے پہلے ہی دفعتاً موت آسپنے یا وہ مشغول اور بڑھ جائے کیونکہ دنیا کے کاموں کا تو ایک سے ایک کا سلسلہ لگا ہوا ہے پس آخرت کے توشہ سے خالی رہ جائے گا پس بندے پر واجب ہے کہ نیک کاموں میں موت آنے سے پہلے اور موقعہ فوت ہونے سے پیشتر کسی حالت میں ہو جلدی کرے اس لیے کہ ہاری تعالیٰ کا قول ہے **وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ** ترجمہ اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین میں تیار ہوئی ہے پر سیزگاروں کے واسطے۔

دنیا سے محبت کا اثر | کیونکہ جس کا دل دنیا سے لگ گیا اور دنیا سے اس نے کچھ مقدار کھانا اور پینا اور پوشاک اپنی حاجت سے تائب لیا تو اس کے حق میں نقصان رساں ہو گا ہاں اگر اس سے طاعت الہی میں مدد لے دے تو پھر مسخر نہ ہوگا اس لیے کہ آدمی جس چیز سے محبت کرتا ہے اور اس کو حاصل بھی کر لیتا ہے لا محالہ اس سے جدا ہو گا پھر اگر اس سے اللہ کے سوا کسی اور وجہ سے محبت رکھی تھی تو اس کی جدائی سے اس کو اس طرح عذاب ہوگا کہ جس قدر اسے دلی لگاؤ تھا اسی قدر اس کو رنج و قلق ہوگا۔ اور اسی لیے بعض متقدمین نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا کی محبت کرے تو اسے چاہیے کہ اپنی جان کو

مصیبتیں پھیلنے پر مستعد کر رکھے کیونکہ دنیا سے محبت کرنے والا ان تین مصیبتوں سے چھوٹ نہیں سکتا۔
اول نکر دائمی اور دوم ہمیشہ کارسج اور سوم بے انتہا حسرت پس اگر دنیا دار کو اس کے سوائی الحال
کوئی اور عذاب نہ ہو جب بھی اس کی مصیبت کے لیے یہی کافی ہے۔

موت کے بعد دنیا سے محبت کرنے والوں کا حال | پس کیا حال ہو گا جب کہ موت اُس کے
اور اُس کی تمام محبوب چیزوں اور لذتوں کے درمیان حائل ہو جائے گی اور خود اُنہی چیزوں سے
جن سے مزے اُراتا تھا جس قدر کہ ان لذتوں نے اُسے قیامت کے لیے سامان جمیا کرنے سے
روکا تھا عذاب دیا جائے گا اس لیے اگر کسی کے ہزار محبوب ہوں تو موت کے وقت اس پر ایک
وقت میں ہزار مصیبتیں پڑ جائیں گی کیونکہ وہ سب سے محبت رکھتا تھا اور وہ سب کے سب دم بھر
میں اُس سے پھن جائیں گے اور مرنے کے بعد حسرت و ندامت میں رہ جائے گا اور یہ تو وہ پہلا
الم ہے جو مرتے ہی پیش آئے گا اور وہ عذاب اخروی جو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے تیار کر
رکھا ہے جنہوں نے حیات دنیا کو پسند کیا اور اُس پر راضی رہے ان کے علاوہ ہے۔

اور اصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا اور سے محبت کرے گا اور وہ محبت نہ خدا کے واسطے
ہوگی اور نہ اس وجہ سے کہ وہ چیز طاعت الہی پر مددگار ہے تو اُس کو اُس سے نذر ہو گا چاہے وہ
شے اس کو ملی ہو یا نہ ملی ہو کیونکہ اگر وہ چیز حاصل نہ ہوئی تو اُس کے غم میں زندگی بسر کرے گا اور رنج سے
آرام نہ پائے گا اور اگر حاصل ہو گئی تو وہ الم جو اس کے مل جانے سے پہلے ہوا تھا اور وہ حسرت جو فوت
ہونے کے بعد اس کو ہوگی چند در چند اُس لذت سے زیادہ ہے جو اُسے حاصل ہوئی ہے۔

دنیا سے محبت کرنے والوں کو آخرت میں پہلا عذاب | اور اگر بندہ دنیا کے تمام عیش اور آرام
اور اُس کی تمام لذتیں پا جائے اور اس کی ساری عمر یوں ہی گذر جائے اور آخرت کی سعادت میں
کچھ بھی کوشش نہ کرے تو وہ مرتے وقت ایسا ہی ہو جائے گا جیسے دنیا کے کچھ بھی مزے اور
لذتیں نہ پائیں اور دو سبب سے خود وہ مزے اور لذتیں الٹی اُس کے حق میں عذاب ہو جائیں گی
اور جن چیزوں سے عیش میں تھا تو اُن ہی سے اب عذاب میں ہو گا ایک تو ان کے باوجود قلبی
شدید تعلق کے فوت ہو جانے سے اور دوسرے اُس چیز کے حاصل نہ ہونے سے جو اُس کے لیے
منیہ اور ہمیشہ رہنے والی ہے پس جو محبوب حاصل تھا وہ تو جاتا رہے گا اور سب سے بڑا محبوب
اُس کو حاصل نہ ہو گا اور یہ وہ پہلا عذاب ہے جو دوزخ کے عذاب سے پہلے اُس کو پیش آئے گا۔

موت کی مصیبت اور موت سے بھی بڑی مصیبت | اس واسطے کہ علماء کہتے ہیں کہ موت عدم محض
اور فنا ہی فنا نہیں ہے بلکہ موت ہی روح کا بدن سے الگ ہو جانا اور اس سے جدا ہو جانا اور ایک
حال سے دوسرے حال کا بدل جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا ہے اور موت بہت

بڑی مصیبت سے اور اللہ تعالیٰ نے بھی موت کا نام مصیبت رکھا ہے چنانچہ فرمایا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الْمَوْتُ
ترجمہ ”پھر پہنچی تم پر مصیبت موت کی“ پس بڑی مصیبت موت ہی ہے اور اس سے بڑھ کر مصیبت اس سے
غفلت اور اس کو یاد نہ رکھنا اور اس کی کچھ فکر نہ کرنا اور اس کے لیے کچھ عمل نہ کرنا اور ہوا ہوس کا پیر
رہنا ہے کیونکہ ہوا ہوس کی پیروی دین کے حق میں ایسا زہر ہے کہ قیامت کے روز ہلاک کر ڈالے گا۔
ایمان یعنی اللہ سے عہد کرنے کے تقاضے | باوجودیکہ مومن نے بواسطہ نفس ایمان اللہ تعالیٰ سے
یہ عہد کیا ہے کہ نافرمانی نہ کروں گا اور یہ اس لیے کہ ایمان قبول کرنے اور مان لینے کا نام ہے پس جو
شخص لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے تو گویا وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے جان لیا اور یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات
اور صفات اور افعال میں یگانہ ہے اور عالم میں کوئی شے بغیر اس کے علم اور ارادہ اور پیدا کرنے کے
ظاہر نہیں ہوتی اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں نے اس کی عبادت اپنے اور پر لازم
کر لی اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کروں گا لہذا اب اس معاہدے کے بعد اس کو حرام کہ امر و نہی میں سے
کسی بات میں اس کی نافرمانی کرے اور جب اس کا نفس اپنے مولیٰ کے عہد توڑنے کی طرف بلائے تو
اس کو لازم ہے کہ اپنے جی سے ویسا ہی کہے جیسے یوسف نبی علیہ السلام نے عزیز کی بیوی سے
کہا تھا جب اس نے آپ کو اپنے پاس بلایا تھا خدا کی پناہ وہ عزیز میرا مالک ہے مجھے اچھی طرح
رکھا ہے بے شک بھلائی نہیں پانے بے انصاف لوگ“ کیونکہ جس کا میلان طبع اپنی مرغوب چیز
پر بہت سخت ہو اور وہ باوجود اس پر قادر ہونے کے ایسی جگہ پر کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے
اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اس کو چھوڑ دے تو یہ اپنے رب کے ساتھ سچے معاہدہ ایمانی کی دلیل
ہے کیونکہ مومن جب یہ سمجھتا ہے کہ مولیٰ کی خوشی ہو اور ہوس کے ترک میں ہے تو اپنے مولیٰ کی
خوشی اپنی خواہش پر مقدم رکھتا ہے اور اس کی لذت اور خوشی اپنے مولیٰ کی رضا مندی میں ہوتی
ہے اگرچہ اس کی اپنی خواہش کے مخالف ہو اور اس کا الم اور ناخوشی اپنے مولیٰ کی ناخوشی میں ہوتی
ہے اگرچہ خود اس کی اپنی خواہش کے موافق ہو بلکہ خدائے تعالیٰ کے لیے ترک شہوات میں اس کی لذت
ان کے حصول کی لذت سے زیادہ ہوتی ہے بلکہ اس کے نزدیک خلوت میں ان کی حصول کی ناگواری
مارپیٹ اور رنج قید کی ناگواری سے بھی زیادہ ہوتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ یوسف نبی علیہ السلام
نے جب ان کے حق میں عزیز کی بیوی نے یہ کہا ”اور اگر نہ کرے گا اس کو جو میں کہتی ہوں تو البتہ قید
کیا جائے گا اور ہو گا بے عزت“ تو یوسف علیہ السلام نے جواب میں فرمایا ارے میرے رب مجھ کو
قید اس بات سے زیادہ پسند ہے جس طرف وہ مجھ کو بلاتی ہیں“ کیونکہ عزیز کی بیوی کا دل
چونکہ ایمان سے خالی تھا لہذا باوجودیکہ شوہر والی تھی بڑائی اور بخش کی طرف جھکی اور یوسف علیہ السلام
کا چونکہ دل ایمان میں کامل تھا تو انہوں نے اس کا کہا نہ مانا حالانکہ جوان اور مجرد تھے کیونکہ جو شخص

ایمان کے مطابق عمل کرتا ہے اُس کو اُس چیز سے صبر کر لینے میں مزا آتا ہے جس کی طرف اُس کا نفس راغب ہو جب کہ اس میں خدا کی ناراضی ہو اور خود اپنے حساب میں لگا رہتا ہے تاکہ کل اس کو حساب دینا آسان ہو۔ اپنے نفس سے حساب لینے کا طریقہ اور نفس سے حساب لینے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنی حالت کو دیکھے کہ آیا اس پر کوئی حق تعالیٰ کا یا حقوق عباد میں سے کچھ باقی ہے یا نہیں پس فرانس الہی سے جو کچھ فوت ہوا ہو اُس کی قضا کرے اور رتی رتی لوگوں کے حقوق ادا کر دے اور جس کو ہاتھ اور زبان سے ستایا ہو اس سے معاف کر لے اور اُن کے ساتھ احسان کر کے اُن کا دل خوش کر دے یہاں تک کہ جب مرے تو اُس پر کوئی فریضہ اور دعویٰ باقی نہ ہو اور بے حساب و کتاب بہشت میں چلا جائے۔

حقوق ادا کئے بغیر مرنے والے کا انجام | کیونکہ اگر حقوق ادا کئے بغیر مر گیا تو حقوق والے اُس کو گھیر لیں گے اور اُس کو نوچیں گے کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مارا تھا کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گالی دی تھی کوئی کہے گا تو نے مجھ کو بیگار پکڑا تھا کوئی کہے گا تو نے میرا مال پھینکا تھا کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مظلوم پایا تھا اور تورخ ظلم پر قادر تھا پھر بھی تو نے مجھ سے ظلم کو دور نہ کیا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گناہ میں دیکھا اور مجھ کو اس سے منع نہ کیا اب وہ اسی سال میں مدعیوں کی کثرت سے بے حواس اور حیران ان کی جواب دہی اور مقابلے سے تنگ کر مولائے عفتار کی طرف امیدوار ہو گا کہ شاید وہی ان کے ہاتھ سے اس کو بچالے کہ تاگاہ اُس کے کان میں خدا نے جبار کی آواز آنے کی آج بدلہ پائیگا ہر نفس جیسا اُس نے کمایا ہے کسی کا ظلم نہیں ہے آج اب اس وقت اس کا دل چھوٹ جائے گا اور اپنی ہلاکت کا یقین کر لے گا۔

شیطان کی پیروی سے ممانعت کا حکم | پس اے نافل اس کو سوچ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے اور ہرگز خیال نہ کر اللہ کو بے خبر ان کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف لوگ اور شیطان کے وسوسے کی پیروی مت کر کیونکہ وہ بنی آدم کا دشمن ہے اُن کو بہکانا چاہتا ہے تاکہ اپنے ساتھ دوزخ میں کھینچ لے جائے۔ لہذا مومن پر واجب ہے کہ اس کے وسوسے کو دور کرے اور اس کو دشمن سمجھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم سمجھ رکھو اس کو دشمن۔ اور فقیر ابو اللیث نے تنبیہ میں بیان کیا ہے کہ تمہارے جبار دشمن ہیں ان سے ہر ایک کے ساتھ لڑنا تم کو ضروری ہے۔

ایک دشمن تو دنیا ہے اور وہ عہد شکن اور مکار ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

دیس نہ بہکانے تم کو دنیا کا جینا

اور دوسرا دشمن تمہارا نفس ہے اور یہ سب دشمنوں سے بدتر ہے اس لیے کہ حضرت عباسؓ

سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا سب سے بڑا تمہارا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں

پہلو میں سے اور اللہ تعالیٰ نے بھی خبر دی ہے کہ نفس بنفسہ برائی کا حکم دیتا ہے چنانچہ فرمایا ہے "بیشک نفس بہت حکم کرتا ہے برائی کا" اور برائی کا حکم دینا اس کا طریقہ اور عادت ہے کیونکہ وہ ظالم اور جاہل پیدا کیا گیا ہے اور علم اور عدل تو اس پر عارضی ہوتا ہے اور اگر اس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل نہ ہو تو جاہل کا جاہل اور ظالم کا ظالم ہی رہے اور شیطان کی جماعت میں بھرتی ہو اور اپنے فرمانبردار کو گناہوں میں اور دشمن کی مخالفت کی طرف کھینچ لے جائے کیونکہ وہ تو باطبع مخالفت ہی کے میدان میں چلتا ہے اور آدمی اپنی کوشش سے اس کو بڑی خواہش سے روکتا ہے پس جس نے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی وہ فساد میں اس کا شریک ہے۔

اور تیسرا دشمن جن شیطان ہے پس اس سے خدا کی پناہ مانگتے رہو۔

اور چوتھا دشمن انسانی شیطان ہے پس اس سے بچتے رہو کیونکہ یہ تمہارے حق میں جنی شیطان سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ جنی شیطان کا تو بہکانا صرف وسوسے سے ہوتا ہے اور انسی شیطان تمہارا بڑا رفیق ہوتا ہے اس کا پہکانا آنکھوں کے سامنے اور زور در زور ہوتا ہے ہر دم ایسی بات کی تلاش رکھتا ہے کہ جس حال پر تم ہو اس سے تم کو ٹلا دے جیسا کہ بعض متقدمین نے کہا ہے کہ تم شیطان رحیم سے اللہ کی پناہ لیتے ہو پس وہ ٹل جاتا ہے لیکن انسانی شیطان سو وہ نہیں ٹلتا ہے یہاں تک کہ تم کو گناہ میں ڈال دیتا ہے۔

بڑے انسان کی دوستی سے بچنے کا حکم اور اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مومن کے سوا نہ کسی کے پاس بیٹھو اور نہ تمہارا کھانا سوانے پر سبز گار کے کوئی کھانے پانے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں جو پر سبز گار نہ ہو اس کی منمشینی اور ملنے جلنے سے ڈرایا ہے اس لیے کہ تم نشینی اور میل جول بول بول میں الفت و محبت پیدا کرتا ہے پس ضرور ہے کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر اٹھے گا پس دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ پس بیشک ہر غیر پر سبز گار و دوست قیامت کے دن یہ کہے گا اے خرابی میری کاش میں نے فلا نے کو دوست نہ بنایا ہوتا کاش میرے اور تیرے درمیان بعد مشرتین کے برابر دوری ہوتی۔

دوست اور دشمن کا معیار | پس انسان کا دوست اور محب وہی ہے جو اس کی آخرت کی بھلائی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا نقصان ہوتا ہو اور اس کا دشمن وہی ہے جو اس کی آخرت کی بربادی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا فائدہ ہو پس اس بیان کے مطابق مومن کو لازم ہے کہ کسی کو دوست نہ بنائے مگر ایسے شخص کو جس کے دین اور امانت پر اعتماد ہو اور اس کی صلاحیت اور تقویٰ معلوم ہو۔

اعمال کے بغیر صرف نیک لوگوں سے محبت کافی اور مفید نہیں | اس لیے کہ آدمی قیامت کے روز اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا تھا جیسی کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا آدمی اُس کے ساتھ ہے جس سے محبت کرے، حسن بصری کہتے ہیں اس حدیث کے ظاہری معنوں سے دیکھو کہ نہ کھانا کہ آدمی محبوب کے ساتھ ہوگا کیونکہ تم اعمال کے بغیر نیک لوگوں سے مل نہیں سکتے ہو کیونکہ یہود اور نصاریٰ بھی اپنے انبیاء سے محبت رکھتے تھے حالانکہ قیامت کے دن وہ اُن کے ساتھ نہ ہوں گے اور حضرت حسن بصری رو کا یہ قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اعمال میں موافقت کے بغیر صرف محبت مفید نہیں ہے۔

کیونکہ انبیاء اور علماء اور صلحاء کی تعظیم اور اُن کی محبت تو ان کے اُس علم نافع اور عمل صالح کی اطاعت ہی میں ہے جس کی طرف وہ بلا تے ہیں اور ان کے قدم بقدم چلنے اور اُن کا طریق اختیار کرنے میں ہے کیونکہ جو شخص اُن کی پیروی کرے گا اور اُن کے قدم بقدم چلے گا تو یہ اُن کی زیادتی ثواب کا سبب ہوگا نبی علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے "جس نے بلایا ہدایت کی طرف تو اُس کو جی ان لوگوں کے ثواب کے برابر جنہوں نے اُس کی پیروی اختیار کی ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے ان کی پیروی نہ کی اور ان کے قدم بقدم نہ چلا بلکہ عمل میں اُن سے مخالف رہا اور ان کے ہاتھ پاؤں چومنے اور جوتیاں سیدھی کرنی اور اُن کے سامنے خوشامد کرنی اور اُن کو دیکھنے کے تعظیم کے لیے کھڑے ہو جانے میں لگا تو یہ کچھ تعظیم اور محبت نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنے ساتھ ان کو کبھی ثواب سے محروم رکھا تو اس میں کونسی تعظیم اور محبت ہوتی۔"

ترسیٹھویں مجلس قیامت کے دن بندہ سے حساب اور حساب میں شرح بیان میں

قیامت کے دن چار چیزوں کے بارے میں یقیناً سوال ہوگا۔ | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نہیں مل سکیں گے دونوں پاؤں کسی بندہ کے قیامت کے روز جب تک چار چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا نہ جائے گا۔ ایک عمر کے متعلق سوال ہوگا کہ کس کام میں کھوئی۔ دوم اپنے بدن سے کہ کس کام میں پرانا کیا۔ سوئم اپنے مال سے کہ کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا۔ چہارم اپنے علم سے کہ اس پر کیا عمل کیا۔" یہ حدیث معنی صحیح کی حسن حدیثوں میں ہے ابن مسعود نے روایت کیا ہے ہر مومن کو حساب کے لیے تیار رہنا چاہیے اور بندہ کا ذکر اگرچہ اس میں عام ہے کیونکہ اگر ہر نفعی کے صحیح میں ہے لیکن نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے خاص ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار بے حساب جنت میں جائیں گے۔" پس اس حدیث کے موافق یہ سوال مذکور ان ستر ہزار کے سوا

اور دل سے ہوگا پس ہر شخص کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو ضروری ہے کہ وہ جان رکھے کہ قیامت کے دن سوال ہوگا اور حساب میں جرح کی جائے گی اور ذرہ ذرہ نفسانی خیالات اور دوسوسوں پر پورا خدہ ہوگا۔ نجات اخروی کا ذریعہ اور سمجھ لے کہ ان خطرات سے کوئی چیز نجات نہ دے سکے گی مگر صرف اپنے نفس سے تجارت اخروی کے بارہ میں حساب فہمی کو لازم کر لینا اور اس کی سانسوں اور وقتوں اور حرکات اور سکنت کے متعلق اس سے سوال کرنا نجات دلا سکے گا کیونکہ جس نے حساب لیے جانے سے پہلے ہی اپنا حساب درست کر لیا اس پر قیامت کے دن حساب دینا سہل ہوگا اور سوال کے وقت حاضر جواب رہے گا اور اس کا خاتمہ اور انجام نیک ہوگا اور جس نے نفس سے حساب فہمی نہ کی اس کی حسرت ہمیشہ رہے گی اور مدت و راز تک قیامت کے میدان میں کھڑا رہے گا اور اس کے تمام گناہوں کا انجام رسوائی اور عقوبت ہوگی پس اب مومن کو ضروری ہے کہ اپنی آخرت کی تجارت میں اپنے نفس کی حرکات اور سکنت اور دوسوسوں اور خطرات کی نگہبانی میں غفلت نہ کرے کیونکہ اس تجارت کا فائدہ فردوس بریں اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتا ہے۔

اخروی تجارت اور دنیاوی میں فرق اور نتائج | پس اس تجارت کے حساب کی صفائی دنیاوی تجارت کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے کیونکہ دنیاوی تجارت کے فائدے اخروی دائمی نعمتوں کے مقابلہ میں کم اور جلدی فنا ہو جانے والے ہیں اور اس بھلائی میں کچھ خوبی نہیں جو ہمیشہ نہ رہے بلکہ ناپائیدار برائی ناپائیدار بھلائی سے بہتر ہے کیونکہ ناپائیدار برائی جب ٹل جائے گی تو پھر دائمی فرحت رہے گی اور عیش ناپائیدار جب جاتا رہے گا تو ہمیشہ کو افسوس باقی رہے گا۔

اپنے نفس کے محاسبے کا طریقہ | پس اس بیان کے مطابق مومن کو لازم ہے کہ جب صبح ہو اور فجر کی نماز سے فارغ ہو تو تھوڑی دیر کے لیے اپنے دل کو خالی کر کے اپنے نفس سے کہے کہ اے نفس میرے پاس عمر کے سوا اور کوئی سرمایہ نہیں ہے پس جب یہ جاتی رہے گی تو ساری پونجی جاتی رہے گی اور تجارت اور حصول منفعت سے مایوس ہو جائے گی اور آج کا دن نیا دن ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس میں مہلت عطا کی ہے اور میری موت میں تاخیر کر دی ہے اگر موت دے دیتا تو میں ہی اکرزو کرتا ہوتا کہ ایک ہی دن کے لیے مجھ کو دنیا میں پھر بھیج دے تاکہ اس میں کچھ نیک عمل کروں پس اسے نفس تو یہی سمجھ کہ تو مر کر پھر سے دنیا میں لوٹا یا گیا ہے پس خبردار خبردار اس دن کو ضائع مت کر کیونکہ عمر کی ایک ایک گھڑی بلکہ عمر کا ایک ایک سانس ایسا نفیس جو ہر بے جس کا کوئی عوض نہیں کہ اس کے بدلے جنت کے خزانوں میں سے کوئی ایسا خزانہ مول لے سکتے ہیں جس کی نعمتیں کبھی تمام نہ ہوں گی پس ایسی سانسوں کا بے کار گزار دینا یا گناہوں میں لگا دینا جہد و جہد کی برسوائی اور حدود و جہد کا نقصان ہے۔

انسانی زندگی کی قدر | کیونکہ انسان کی زندگی ایسے نیک اعمال کرنے کا وقت ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ

سے قریب کر دینے والی اور قیامت کے دن اس کے لیے ثواب کثیر واجب کرنے والی ہیں اور یہی وہ سعادت ہے جس کے حاصل کرنے میں انسان کو سعی کرنی چاہیے اس واسطے کہ انسان کو وہی ملے گا جسکی سعی کی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کو مگر وہی جو کمایا پس عمر کا جتنا وقت عمل صالح سے خالی گذرتا ہے اتنی ہی سعادت اخروی گھٹ جاتی ہے۔

متقدمین کا نفس کی خیر گیری کا اندازہ اور اسی لیے متقدمین اپنے انفس اور لحظہ لحظہ کی خیر گیری بہت کرتے تھے اور ہر دم اپنی گھڑی اور ہر وقت کو غنیمت جانتے تھے اور اپنی عمر کو فصول اور بے کار نہ کھوتے تھے۔ حسن بصری روکتے ہیں کہ میں نے ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو اپنی گھڑی گھڑی پر ہتھارے اپنے روپیہ پیسہ پر ڈرنے سے زیادہ ڈرتے تھے کیونکہ جس طرح تم میں سے کوئی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا ایک روپیہ بھی خرچ ہو مگر ایسے کام میں جس کا نفع اپنی طرف عاید ہو اسی طرح وہ لوگ بھی پسند نہ کرتے تھے کہ ان کی عمر میں سے ایک ساعت بھی گذرے مگر ایسی حالت میں جس کا نفع ان کی طرف عائد ہو۔

دنیا میں گذاری ہوئی ساعتوں کے اخروی خزانے کیونکہ دن رات چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے اور حدیث میں ہے جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے سامنے سب دن رات کی چوبیس چوبیس قطاریں خزانہ کی پیش کی جائیں گی۔ پھر اس کے لیے ان میں سے کوئی خزانہ کھولا جائے گا تو دیکھے گا کہ ان شکیوں کے نور سے پڑے جو اس ساعت میں کی تھیں پس اس کو اتنی خوشی اور سرور حاصل ہو گا کہ اگر وہ خوشی دوزخیوں پر تقسیم کر دی جائے تو وہ اس قدر بد ہوش ہو جائیں کہ دوزخ کی تکلیف کا ادراک نہ کر سکیں اور اس کے لیے دوسرا خزانہ کھولا جائے گا تو اس کو سیاہ اور تاریک دیکھے گا کہ بد بو پھیل رہی ہے اور اندھیرا اس پر چھا رہا ہے اور یہ وہ ساعت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی پس اس کو اس قدر رنج و ملال ہو گا کہ اگر جنتیوں پر تقسیم کر دیں تو ان پر تمام جنت کی نعمتیں بے مزہ اور تلخ ہو جائیں اور ایک اور خزانہ اس کے لیے کھولا جائے گا تو اس کو خالی دیکھے گا نہ اس میں وہ چیز ہے جو خوش کرے اور نہ وہ جو رنجیدہ کرے اور یہ وہ ساعت ہوگی جس میں سو رہا تھا یا دنیا کی کسی مباح چیز میں مشغول ہو رہا تھا پس اس کے خالی ہونے پر حسرت کرے گا اور اس کو اس قدر رنج ہو گا جتنا اس شخص کو جو بہت فائدے اور بڑے ملک کے حاصل کرنے پر قادر ہو اور اس کو پھوڑ دے اور سعی کرے یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے اسی طرح تمام عمر کی گھڑیوں کے خزانے میں پیش کیے جائیں گے لہذا اس کو مناسب ہے کہ عمر کی گھڑیاں آباد کرنے کی کوشش کرے اور ان خزانوں سے خالی نہ پھوڑے جو اس کی سعادت اور سلطنت کے باعث ہیں۔

اعضائے کی حفاظت کا حکم اور شہادتوں اعضا، آنکھ اور کان اور زبان اور نسیب اور شرم گاہ اور ہاتھ اور پاؤں کی حفاظت میں کوشش کرے کیونکہ ان میں سے اگر کسی سے بھی گناہ کرے گا تو اللہ کی نعمتوں کا اُن تمام اسباب میں منکسر ٹھہرے گا جن اسباب کی عمل میں ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ دنیا اور دنیا کے سامان کی پیدائش سے مقصود یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں اُن سے مددے اور طاعت الہی کر سکا بغیر بدن باقی رہنے کے ممکن نہیں ہے اور بدن غذا کے بغیر باقی نہیں رہتا اور غذا پانی اور ہوا کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور یہ سب باتیں آسمان و زمین کی پیدائش کے بغیر پوری نہیں ہوتیں جس نے اپنا کوئی عضو عبادت کے سوا کسی اور کام میں استعمال کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی ان تمام نعمتوں کا ناشکر ہوا لہذا سارے اعضا کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ ان کی حفاظت ہی تو اصل پونجی ہے فائدہ تو اس کے بعد ہوگا پس جس کے پاس اصل مال ہی نہیں ہے اُس کو فائدہ کیوں کر ہوگا اور یہی ساتوں اعضا ہلاکت اور نجات کے سبب ہیں پس جو ہلاک ہوتا ہے تو اُن کے پھوڑ دینے اور حفاظت نہ کرنے سے ہلاک ہوتا ہے اور جو نجات پاتا ہے وہ ان کی حفاظت اور نہ پھوڑنے سے نجات پاتا ہے پس انکی حفاظت تمام خوبیوں کی جڑ ہے اور ان کا پھوڑ دینا تمام برائیوں کی جڑ ہے اور دوزخ کے سات دروازے ہیں اور یہ دروازے انہیں لوگوں کے لیے مقرر ہوتے ہیں جو ان اعضا سے اللہ کی معصیت کرتے ہیں لہذا ان اعضا کو ان کے گناہوں سے بچانا لازمی ہے۔

آخرت میں آنکھ کے بارے میں سوال آنکھ کو تو اُس شے کے دیکھنے سے بچائے جس کا دیکھنا حرام ہے بلکہ ہر فضول بات سے جس میں کچھ فائدہ نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے سے فضول نگاہ کے متعلق بھی سوال کرے گا جیسے کہ فضول کلام کے متعلق سوال کرے گا پس جبکہ اس سے محفوظ رکھے تو اسی پر قناعت کر کے بیٹھ نہ رہے بلکہ اُس کام میں لگائے جس کے لیے نگاہ پیدا کی گئی ہے یعنی اللہ کی عجیب عجیب صنعتوں کو دیکھ کر اس کے وجود اور دوام اور وحدت اور قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات پر استدلال کرے اور کتاب اور حدیث رسول اللہ اور تمام دینی کتابوں کو دیکھے تاکہ اپنے امور دینی سیکھے اور نصیحت حاصل کرے۔

دل کے بارے میں آخرت میں سوال اسی طرح ہر عضو کے بارے میں کرے خصوصاً اُس عضو کے بارے میں جو تمام اعضا کا سردار ہے یعنی دل جس کا بڑی عادتوں سے پاک رکھنا اور نیک خصلتوں سے آراستہ کرنا اور علم یا عمل سے کامل بنا نا لازم ہے کیونکہ جو کوئی مسائل دینی میں سے ایک مسئلہ بھی سیکھے تو چاہیے کہ اس پر عمل کرے ورنہ قیامت کے دن اُس کا سوال ہوگا نبی علیہ السلام کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے اور اس کے علم سے کہ اس میں کیا عمل کیا ہے پس بے شک یہ خوفناک امر

مے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ اس میں کیا کہا پس اب انسان اپنی معلوم شدہ چیز کو دیکھے آیا اس پر عمل کیا اور صادقین میں داخل ہوا جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے تعریف کی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو سچے رہے، "یا اپنے علم کے برخلاف عمل کیا۔ اور نبی علیہ السلام کے اس قول میں داخل ہوا، عذاب میں سخت تر قیامت کے دن علم ہے جس کو علم سے اللہ تعالیٰ نے نفع نہ دیا۔ قیامت میں اللہ بندے سے پوچھے گا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے تھے نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر ضرورتاً ہی میں بلائے گا اس کا اللہ تعالیٰ جیسے خلوت کرتا ہے ہر ایک تم میں کا چاند سے چودھویں رات کو پھر فرمائے گا اے ابن آدم کس چیز نے دھوکا دیا اے ابن آدم تو نے علم کے موافق کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے مسلیں کا کیا کہنا مانا اے ابن آدم کیا میں تیری دونوں آنکھوں کا نگہبان نہ تھا اور تو اس سے وہ دیکھتا تھا جو تجھ کو حلال نہیں کیا میں تیرے کان کا نگہبان نہ تھا اسی طرح تمام اعضاء کے متعلق سوال کرے گا پس اے مسلیں اپنی اتنی بڑی خطاؤں کو ذرا سوچ جب اللہ تعالیٰ تیرے گناہوں کو منہ در منہ یا دلائے گا، چنانچہ فرمائے گا اے بندے کیا تجھ کو مجھ سے شرم نہ آئی اور جلدی سے خطا کر بیٹھا اور میری خلعت سے شرم آئی کہ ان کے سامنے اپنی نیکو کاری ظاہر کی کیا میں تیرے نزدیک اپنے تمام بندوں سے ہلکا ٹھہرا کیا تو نے اپنی طرف میرے دیکھنے کو ہلکا سمجھا اور اس کی کچھ پروا نہ کی اور اوروں کے دیکھنے کو بہت بڑا سمجھا اس وقت تیرا کیا حال ہو گا اور کیسی شرمندگی ہوگی جب تجھ پر اتنی نعمتیں اور تیرے گناہ اور اپنے انعامات اور تیری خطائیں شمار فرمائے گا پھر اگر تو کسی بات کا انکار کرے گا تو تیرے اعضاء تجھ پر گواہی دیں گے پھر تو تمام مخلوق کے سامنے اعضاء کی گواہی سے رسوا ہو گا۔

مومن سے اللہ کا وعدہ کہ اس کی خطاؤں کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے مومن سے وعدہ کیا ہے کہ اس کی خطا چھپائے گا اور غیر کو اس پر مطلع نہ کرے گا جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندے کو اپنے قریب بلائے گا اور اس پر اپنا پردہ ڈال کر تمام خلایق سے چھپائے گا اور اس پردے کے اندر اسکو نامہ اعمال دے کر فرمائے گا اپنا نامہ اعمال پڑھنے پس حسنات پر نظر کا گذر ہو گا تو اس کا منہ روشن ہو جائے گا اور گناہوں پر گذر ہو گا تو چہرہ سیاہ ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کچھ جانتا بھی ہے عرس کرے گا ہاں اے پروردگار میں جانتا ہوں پس اللہ فرمائے گا میں تجھ سے زیادہ تجھ کو جانتا ہوں بے شک وہ گناہ میں نے تجھ کو معاف کر دئے پھر اسی طرح وہ نامہ اعمال کی ہر اس نیکی پر گذرے گا جو مقبول ہوگی پس وہ سجدہ کرے گا اور اس بدی پر گزرے گا جو بخش دی جائیگی پس یہ سجدہ بجالائے گا پس خلقت کو اس کا صرف یہی حال نظر آئے گا یہاں تک کہ مخلوق آپس میں ایک

دوسرے سے پکار کر کہے گی اس شخص کی خوش نصیبی ہے کہ اس نے گناہ کبھی نہیں کیا حالانکہ وہ یہ نہ جانتے ہوں گے کہ اُس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین وہاں کھڑے کھڑے کیا معاملہ گذر گیا اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں اور یہ اُس کا محض فضل ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس بندہ کو زحمت سے مخاطب کر کے فرمانے گا اے میرے بندے کیا تو جانتا ہے وہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں پھر اللہ تعالیٰ اُس پر احسان کرتے ہوئے اور اُس پر اپنے فضل کا اظہار کرتے ہوئے فرمانے گا میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور تجھ کو اُن سے رسوا نہ کیا تھا اور آج تجھ کو معاف کئے دیتا ہوں۔

توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر نامہ اعمال سے مٹائے نہیں جاتے | بعضے کہتے ہیں یہ وہ

گناہ ہیں جن سے توبہ کر لی تھی جیسا کہ ابو نعیم رحمہ نے اوزاعی سے اور وہ ہلال بن سعد رضی سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتا ہے لیکن نامہ اعمال سے نہیں مٹاتا تاکہ قیامت کے دن اُس کو اُس سے آگاہ کر دے اگرچہ توبہ کر چکا ہو۔ قرطبی رحمہ اپنے تذکرے میں اپنے اسناد سے روایت کر کے کہتے ہیں اور یہ روایت اُس مضمون کے خلاف نہیں ہے جو قرآن اور حدیث میں ہے کہ خطائیں بوجہ توبہ کے حسنات سے بدل دی جاتی ہیں کیونکہ شاید یہ بات آگاہ کرنے کے بعد ہوتی ہو۔ اور اس قول پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی سے روایت سے وہ کہتے ہیں کہ انسان قیامت کے دن اپنے نامہ اعمال دیکھے گا تو اُسے اول میں معاصی نظر آئیں گے اور آخر میں حسنات پھر جب ابتدائے نامہ کی طرف دوبارہ دیکھے گا تو برائے حسنات ہی دیکھے گا اور ابن عباس رضی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس پر رحمت کرتا ہے اور نگہبان فرشتوں کو جو اُس کے برے عمل وہ جانتے تھے بھلا دیتا ہے اور اُس کے اعضاء کو جو جو خطائیں کی تھیں بھلا دیتا ہے اور زمین میں گناہ کی جگہ اور آسمان کے نیچے سب جگہ کو بھلا دیتا ہے تاکہ قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے کہ مخلوقات میں سے کوئی اُس کی بڑی گواہی دینے والا نہ ہو۔

حقوق العباد و حسنات سے بدلہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے | علماء کہتے ہیں یہ وہ گناہ ہیں جو صرف

اللہ تعالیٰ کے گناہ ہیں اور وہ گناہ جو بندوں کے ہیں سو اُن میں حسنات سے بدلہ ہونا ضروری ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کے ذمے کوئی حق اپنے بھائی کا ہو آبرو کا ہو یا مال کا تو آج اُس سے معاف کر لے اس سے پہلے کہ اُس سے اُس روز مؤخر کیا جائے جس دن اس کے پاس نہ روپیہ ہو گا نہ پیسہ ہاں اگر اُس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو بقدر حقوق اُس سے لے لیے جائیں گے اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق خواہ کے

گناہ لے کر اس پر ڈال دئے جائیں گے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو اور نہ کچھ اور سامان ہو آپ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز روزہ نماز اور زکوٰۃ ٹولائے گا لیکن اس طرح کہ کسی کو گالی دی تھی اور کسی پر شتم لگائی تھی اور کسی کو مارا تھا اور کسی کا مال کھا گیا تھا پس نیکیاں کچھ اس کو دی جائیں گی اور کچھ اس کو پس اگر اس کی نیکیاں اس سے پہلے ہی کہ جو حقوق اُس کے ذمے ہیں ادا ہو چکیں ختم ہو جائیں گی تو اُن لوگوں کے گناہ لے کر اُس کے ذمے ڈالے جائیں گے پھر وہ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

جب یہ ثابت ہوا تو ہر ایک مسلمان پر اپنی حالت کا بندوبست کرنے میں عجلت کرنا واجب ہے پس غور کرے کہ میرے ذمے حقوق اللہ تعالیٰ اور حقوق العباد میں سے کچھ ہے یا نہیں پس نفس الہی میں جو کچھ فوت ہوا ہو اُس کا تدارک کرے کہ قصداً کرے اور تمام حقوق رتی رتی واپس کر دے اور جس کو ہاتھ سے یا زبان سے یا اور اعضا سے ستایا ہو اُس سے معاف کر لے اور اُن کا دل خوش کرے آخر اس طرح مرے کہ اُس پر نہ کوئی فریضہ باقی ہو اور نہ کوئی حق اور بہشت میں بے حساب چلا جائے اس لیے کہ اگر وہ حقوق ادا کرنے سے پہلے مر گیا تو حق خواہ گھیر لیں گے اور اُس کو نوچیں گے پس کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مارا تھا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ سے بیگاری تھی اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو گالی دی تھی اور کوئی کہے گا تو نے میرا مذاق اڑایا تھا اور کوئی کہے گا تو نے میری غیبت کی تھی اور کوئی کہے گا تو نے میرا مال پھینکا تھا اور کوئی کہے گا تو نے میرے ہاتھ مال بچا تھا اور اُس کا عیب ظاہر نہ کیا تھا اور کوئی کہے گا اپنے مال کے نرخ میں تو مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور کوئی کہے گا تو نے مجھ کو مظلوم پایا تھا اور ظلم کو دفع بھی کر سکتا تھا لیکن تو نے مجھ سے ظلم کو نہ ہٹایا اور کوئی کہے گا مجھ کو تو نے گناہ میں مبتلا دیکھا لیکن مجھ کو منع نہ کیا تھا پس وہ اس حالت میں حق خواہوں کی کثرت سے حیران پریشان ہو گا اس واسطے کہ ایسا کوئی باقی نہ ہو گا جس سے تمام ٹمر میں کبھی کچھ روپیہ پیسے کا معاملہ کیا تھا یا اس کے ساتھ کسی جگہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا تھا مگر وہ اس پر کسی دعوے کا مستحق ہو گا غیبت کا دعویٰ ہو یا مذاق کرنے کا یا خیانت کرنے کا یا نظر تجارت سے دیکھنے کا اور یہ ان کے مقابلے سے عاجز رہے گا اور مولائے غفار کی طرف امید دار ہو گا کہ شاید وہ ان کے ہاتھ سے اُس کو بچائے کہ اتنے میں اُس کے کان میں خدا نے جبار کی یہ آواز آنے کی آج بدلہ پائے گا ہر نفس جیسا اس نے کمایا تھا آج ظلم نہیں ہے اب اس وقت اس کا دل تھپوٹ جائے گا اور اپنی ہلاکت کا یقین کرے گا۔

حقوق کی ادائیگی میں غفلت کا انجام | پس اسے غافل اُس کو یاد کر جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ڈرایا ہے چنانچہ فرمایا ہے: "اور ہرگز مت خیال کر اللہ تعالیٰ کو بے خبر اُن کاموں سے جو کرتے ہیں بے انصاف لوگ پس آج کے دن تو تو لوگوں کی آبرو بگاڑ کر اور ان کا مال چھین کر کیسا خوش ہوتا ہے اور اس روز تجھ کو کس قدر زیادہ حسرت ہوگی جب تو عدالت کے سامنے کھڑا ہوگا اور سیاست کا خطاب رو در رو کیا جائے گا اور تو مفلس فقیر ہوگا یہ طاقت نہ ہوگی کہ کوئی حق ادا کر سکے یا کوئی غدر پیش کر سکے پس اس وقت تیری نیکیاں جن میں تو نے اپنی عمر صرف کی ہے لے کر حقوق کے بدلے تیرے مدعیوں کو دی جائیں گی جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے پس اپنی ایسے دن کی مصیبت کو غور کر کیونکہ اول تو ایسے بہت کم نیک عمل ہوں گے جو ریاکی آفت اور شیطان کے مکر سے سلامت بچے ہوں اور اگر بدیت دراز میں کوئی نیکی بچ بھی گئی تو تیرے مدعی بھپٹیں گے اور چھین لیں گے۔

اور علماء کہتے ہیں اگر کسی شخص کے پاس ستر بیبوں کا ثواب ہو اور صرف ایک مدعی نیم دانگ کا ہو تو بغیر حق خواہ کے راضی کئے جنت میں نہ جائے گا اور کہتے ہیں کہ ایک دانگ کے بدلے سات سو مقبول نمازوں کا ثواب لے کر مدعی کو دیا جائے گا۔ امام قشیری نے اس کو تجربہ میں ذکر کیا ہے۔ اور امام غزالی نے احیاء میں کہا ہے اور کاش کے اگر تم باوجود رات بھر عبادت کرنے اور دن بھر روزہ رکھنے کے اپنے نفس سے حساب لیتے رہو اور رات کے قیام اور دن کے صیام پر مداومت کرتے رہو تو تم کو معلوم ہو کہ تم پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جس میں تمہاری زبان پر مسلمان کی غیبت اس نہ آتی ہو جو تمہارے تمام حسنات کو پورا کر لیتی ہے پھر باقی گناہوں یعنی مالِ حرام اور مشتبہ کھانے اور عبادت میں کوتاہی کرنے سے کیونکر بنے گی اور اس روز حقوق سے کیوں کر دستگیری ہوگی جس روز منڈے جانور کا سینگ والے جانور سے بدلہ لیا جائے گا اور کہے گا کافر اے کاش میں مٹی ہوتا۔

حقوق میں کوتاہی کی بخشش کرنے کا طریقہ | سوائے مسکین حقوق العباد میں خدا کا خوف کر کیونکہ جو حقوق خاص تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اُن کی مغفرت تو جلد ہو سکتی ہے لیکن جو حقوق العباد تجھ پر ہیں تو اُن میں مالکوں سے معاف کرنا ضروری ہے اور جس کو معاف کرنا دشوار ہو وہ جس قدر ہو سکے اعمال صالح کی زیادہ کثرت کرے اور اپنے مظلوم مومنین اور مومنات کے لیے تمام اوقات مغفرت مانگا کرے کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید ہے کہ قیامت کے دن اُس کے مدعی کو راضی کر دے۔

قیامت میں اللہ تعالیٰ مومنوں میں صلح کر دے گا اس لیے دنیا میں بھی مومن صلح رکھیں | جیسا کہ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام بیٹھے تھے کہ ناگاہ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے اگلے دندان مبارک ظاہر ہو گئے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس لیے ہنسنے میں فرمایا میری امت کے

و شخص رب العزت کے سامنے حاضر کئے گئے پھر ایک کتنے لگا اے میرے رب میرا حق اس بھائی سے
 ولادے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کا حق ادا کر دے اُس نے عرض کیا اے رب میری
 نیکیوں میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اپنے بھائی سے کیا معاملہ کرے گا
 اس کے پاس تو کوئی نیکی باقی نہیں رہی اُس نے عرض کیا تو پھر یہ میرے گناہ ہی اپنے اوپر لے لے
 پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو بہ پڑے پھر فرمایا بے شک وہ ایسا ہی دن ہو گا کہ لوگوں کو
 یہ حاجت ہوگی کہ ان کے گناہ اور دل پر پڑ جائیں پھر آپ نے فرمایا پس اللہ تعالیٰ نے حق خواہ سے فرمایا
 جنت کی طرف تو نظر اٹھا وہ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس قدر بھلائیاں اور نعمتیں دیکھتا ہے کہ پھر ک
 اٹھتا ہے پس پوچھتا ہے الہی یہ کس کا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اس کا ہے جو اس کی قیمت ادا
 کرے وہ عرض کرتا ہے الہی اس کی قیمت کا کون مالک ہے اللہ فرماتا ہے تو مالک ہے اس پر وہ
 عرض کرتا ہے الہی یہ کس طرح اللہ فرماتا ہے اپنے بھائی کو معاف کرنے سے وہ عرض کرتا ہے الہی
 میں نے اس کو معاف کیا پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں جا پھر رسول اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا پس تم اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں
 میں صلح کرانے کا۔

قیامت میں مومنوں کی بخشش کا طریقہ خداوندی | قرطبی نے اپنے تذکرہ میں اپنے شیخ سے نقل کر کے
 کہا ہے یہ ان بعض لوگوں کے لیے ہے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ عذاب نہ کرے بلکہ یہ چاہے گا
 کہ ان کو معاف کر دے اور بخش دے اور مدعی کو راضی کر دے اور ایسے ہی یہ جو نبی علیہ السلام سے مروی
 ہے کہ منادی کرنے والا قیامت کے دن عرش کے نیچے سے آواز دے گا اے امت محمد جو میرا حق
 تمہارے ذمے تھا وہ میں نے بخش دیا اب حقوق عباد باقی رہے وہ تم آپس میں معاف کر دو اور میری
 رحمت سے جنت میں چلے جاؤ۔

اور یہ بھی بعض شخصوں کے لیے ہے ہر ایک کے لیے نہیں ہے کیونکہ اگر ہر ایک کے لیے ہوتا تو
 کوئی بھی دوزخ میں نہ جاتا حالانکہ اس بارے میں صحیح حدیثیں جن کو معتبر لوگوں نے نقل کیا ہے آئی
 ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے کہ جو ایماندار ہو گا وہ گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا
 بلکہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور دوزخ سے نکلنا بدوں داخل ہونے نہیں ہو سکتا۔

روزہ مومن کے لیے ڈھال ہو سکا مطلب | قرطبی نے اپنے تذکرہ میں کہا ہے کہ بعض علماء یہ خیال
 کرتے ہیں کہ روزہ صرف روزہ دار کے کام آئے گا اسی کے ثواب کو بڑھانے کا اس میں کسی کے
 حق کے بدلے میں کچھ نہ لیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ روزہ میرے
 لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا لیکن بدلہ لینے کی حدیثیں اس خیال کو رد کرتی ہیں کیونکہ حقوق تمام

اعمال سے ادا کئے جائیں گے روزہ ہو یا کچھ اور ہو اور بعینہ کتے ہیں روزہ بندہ اور پروردگار کے درمیان راز ہے اس پر اس کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا کیونکہ روزہ نیت اور روزہ توڑنے والی چیزوں سے بچنے کا نام ہے اور فرشتے کرائے کا تبین بھی اس چیز پر مطلع نہیں ہوتے جس کا ان کو علم نہیں پس جب روزہ کسی کو معلوم نہیں ہے اور نہ نامہ اعمال میں لکھا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو چھپا رکھے گا تاکہ اس کے لیے دوزخ کی ڈھال بن جائے کیونکہ وہ لوگ اس پر اپنے گناہ ڈال دیں گے۔ لہذا وہ ان سے اتر جائیں گے پس ان کو کچھ ضرر نہ دیں گے کیونکہ ان کے ذمے سے جاتے رہے ہیں اور اس کو بھی کچھ ضرر نہ دیں گے اس لیے کہ روزہ اس کے لیے ڈھال موجود ہے قاضی ابوبکر بن عمری اپنی کتاب سراج المتدین میں کہتے ہیں یہ تاویل خوب ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور کچھ تعارض نہیں ہے اور اللہ کا شکر ہے۔

پوسٹھویں مجلس اس بیان میں کہ بندے کو اپنے نفس سے اس سے پہلے کہ اس سے حساب لیا جائے اور اس میں جرح کی جائے اور وہ ہلاک ہو حساب لینا ضروری ہے

قیامت میں حساب لینے اور پیش کرنے کا بیان | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایسا کوئی نہیں جس سے قیامت کے دن حساب طلب ہو مگر ہلاک ہو جائے گا" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا ہے پس اس سے حساب لیا جائے گا آسمان حساب، اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ تو صرف پیش کرنا ہے لیکن حساب میں جس سے جرح کی گئی وہ ہلاک ہو اور حساب میں جرح یہ ہے کہ اس کی خوب جانچ کی جائے کہ نہ تھوڑی نہ بہت اور نہ چھوٹی نہ بڑی ایسی کوئی چیز نہ چھوٹے جس سے سوال نہ ہو اور پیش نہ کرنا یہ ہے کہ بندے کے سامنے صرف اس کے اعمال پیش کر دیئے جائیں اور جانچ نہ ہو اور یہ حدیث دو معنی کی متحمل ہے ایک تو یہ کہ خود مناقشہ ہی اس میں زجر و توبیح کی وجہ سے ہلاکت ہے اور دوسرے یہ کہ آخر کار ہلاکت پر پہنچا دے۔

انسان کو اپنا محاسب کرنا ضروری ہے | پس جب یہ ثابت ہوا کہ آدمی سے قیامت کے دن ہر شے کا سوال ہو گا یہاں تک کہ کان اور آنکھ اور دل کے متعلق بھی سوال ہو گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا** ترجمہ "بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا"۔

پس آدمی پر واجب ہے کہ اس سے پہلے کہ حساب میں جرح کی جائے خود اپنا حساب کر لے کیونکہ وہ تو آخرت کا سوداگر ہے اور اس کا مال خود اس کی عمر ہے اور عمر کو طاعات اور عبادات میں

صرف کرنا اس تجارت کا فائدہ ہے اور اُس کا معاصی اور گناہوں میں صرف کرنا نقصان ہے اور اس تجارت میں نفس امارت کا شریک دار ہے اور اگرچہ وہ نیکی بدی دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن معاصی کو زیادہ قبول کرتا ہے اور شہوات کی طرف زیادہ جھکتا ہے لہذا اُس کو نگاہ میں رکھنا اور اس سے حساب لینے رہنا ضروری ہے کیونکہ اگر دم بھر بھی اُس کو چھوڑ دے گا تو وہ فوراً خیانت کرے گا اور اگر مدت دراز تک چھوڑے رکھا تو خیانت کرنے میں بڑھتا رہے گا یہاں تک کہ سدا اصل مال جاتا رہے گا اور جس نے اُس کو بالکل نہ چھوڑا بلکہ دیکھتا رہا اور حساب لیتا رہا تو اُس کو نفع و نقصان اور زیادتی و کمی معلوم ہوتی رہے گی اور نفس سے حساب لینا واجب ہونے کی دلیل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَسْئِرْ نَفْسٍ مَّا قَدْ مَتَّ بَغْيُهُ أَتْرَجِبُهُ** اے ایمان والو! اللہ سے اور چاہیے کہ دیکھ لے ہر جی کہ کل کے واسطے کیا اٹھا رکھا ہے۔

محاسبہ نفس کا فائدہ اور نہ کرنے کا نقصان | پس اس آیت میں کئے ہوئے اعمال پر محاسبہ نفس لازم ہونے کا اشارہ ہے پس گو یا اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہر ایک تم میں سے خلیل کرے کہ قیامت کے دن کے لیے اس نے کیا عمل کر رکھے ہیں آیا وہ نیک عمل ہیں جن سے نجات ہو یا وہ اعمال بد ہیں جو ہلاک کر ڈالیں گے کیونکہ قیامت کے دن حساب دینا اسی شخص پر آسان ہو گا جو اپنے نفس سے دنیا ہی میں حساب لیتا رہتا ہے اور اُس پر دشوار ہو گا جس نے اس کو چھوڑ رکھا ہے اور حساب نہیں لیتا رہا ہے کیونکہ جو شخص آرام کے وقت میں سختی کے وقت سے پہلے ہی اپنے نفس سے حساب لیتا ہے اُس کا انجام رضا مندی اور قابل رشک ہے اور جو نفس کو چھوڑے رکھتا ہے اور اس سے حساب نہیں لیتا ہے تو اس کا انجام ندامت اور حسرت ہے۔

مرنے کے بعد انسان کی کیفیت اور اس کو سب سے پہلا عذاب | کیونکہ انسان جب مرنے کا تو موت سے وہ سب باتیں ظاہر ہو جائیں گی جو زندگی میں معلوم نہ تھیں جیسے عیند سے جاگتے ہی وہ باتیں ظاہر ہو جاتی ہیں جو سوتے میں معلوم نہ تھیں اور آدمی اب سو رہے ہیں جب مرنے کے تو جاگیں گے پس ان کو سب سے پہلے فائدہ پہنچانے والی نیکیاں اور نقصان دینے والے گناہ معلوم ہوں گے پس کسی بدی پر نظر نہ پڑے گی مگر اتنی حسرت سے دیکھے گا کہ یہ پسند کرے گا کہ اُس سے بچنے کے لیے آگ کے دریا میں ڈوب جاؤں کیونکہ وہ جب تک دنیا میں رہا دنیا کے مشغلے اُن کے معلوم ہونے سے روکتے رہے پس موت سے وہ سب مشغلے چھوٹ جائیں گے اور جان الگ ہوتے ہی دفن ہونے سے پہلے ہی اس کے سب اعمال اُس پر کھل جائیں گے اور دنیا نے فانی کی لذتوں میں سے جس طرف دل لگائے ہوئے تھا اُس کی جہانی کی آگ بھڑک اٹھے گی اور یہ بھی ایک طرح کا عذاب ہے جو دفن سے پہلے دفعۃً آہنیچے گا اور دفن کے بعد ایک اور طرح کے عذاب کے لیے اس کے بدن میں پھر جان

ڈالی جائے گی اور اس کا حال اُس شخص کی طرح ہوگا جو کچھ دیر تک بادشاہ کے گھر میں اُس کی غیر موجودگی میں اس بھروسے پر عیش اڑانے لگا کہ بادشاہ اس بارہ میں درگزر کرے گا یا اُس کو اس کے بڑے افعال کی جو کر رہا ہے خبر نہ ہوگی پھر اس بادشاہ نے ایک روزا چانک گہ فتار کر لیا اور اس کے عمل کی فریبش کی جس میں اُس کی تمام بُرائیاں اور ذرہ ذرہ اور قدم قدم کی خیانتیں لکھی ہوئی ہیں اور بادشاہ بڑا زبردست اور اُس کے جرم پر صاحبِ عنیت ہے اپنی سلطنت میں خطاؤں کا سزا دینے والا ہے گنہگار کے بارہ میں کسی کی سفارش پر توجہ نہیں کرتا تو اب تم ایسے شخص کی حالت کا خیال کرو کہ بادشاہ کے عذاب کرنے سے پہلے ہی خوف اور خجالت اور رنج اور ندامت سے اُس کا کیا حال ہوگا اور یہی حال میت کا موت کے وقت عذابِ قر سے پہلے ہوگا جو دنیا کی لذتوں پر اطمینان سے بھولا بیٹھا ہوا تھا۔

دنیا کی شہوات سے الگ اور طاعات میں مصروف رہنے والے انسان کی کیفیت اور جو شخص دنیا کی شہوات سے الگ رہا اور طاعات میں مصروف رہا اور اس کو یاد الہی کے سوا اور کسی سے انس نہ تھا پس اس کا حال اُس شخص کی طرح ہوگا جو ایک تنگ تاریک مکان میں قید ہو پھر اس کے لیے ایک دروازہ کھل جائے پس وہ اس میں سے ہو کر ایک ایسے وسیع باغ میں چلا جائے جس کی کہیں انتہا نظر نہیں آتی اور اس میں قسم قسم کے درخت اور پھول اور پرنسپل اور میوے اور حوض اور نرس ہوں۔ موت کا کوئی وقت متعین معلوم نہیں تو اس صورت میں عاقل کو لازم ہے کہ اپنے نفس پر متوجہ ہو اور اس سے کہے اے نفس کیا تجھ کو خبر نہیں ہے کہ تیرے آگے بہشت بھی ہے اور دوزخ بھی ہے اور تو عنقریب ان میں سے کسی ایک میں جانے والا ہے پھر تجھ کو کیا ہوا کہ موت کا سامان نہیں کرتا حالانکہ موت ہر نزدیک شے سے زیادہ تیرے نزدیک ہے پس تو اگرچہ اس کو دور جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ تجھ سے بہت قریب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَهْتَدُونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ تَرَجِمَهُ بے شک موت جس سے تم بھاگتے ہو سو وہ تم سے ملی ہوئی ہے۔ اور شاید تم کو آج یا کل دفعۃً موت آجائے کیونکہ وہ جب آئے گی تو دفعتاً آجائے گی اس سے پہلے کوئی ایلیٰ نہ آئے گا اس لیے کہ اس کی آمد کا نہ کوئی سال مقرر ہے نہ کوئی وقت معلوم ہے اور نہ گہ فی اُس کا وقت اور نہ جاڑے اور نہ رات اُس کا وقت ہے اور نہ دن اور نہ لڑکپن اور نہ جوانی بلکہ تمہارا ہر سانس ممکن ہے کہ ناگاہ اس میں موت آجائے اور اگر اس میں موت ناگاہ نہ آئے تو مرض ناگاہ پیدا ہو جائے اور اس کا انجام موت ہو پس ایسی حالت میں تمہاری غفلت کیا ہی عجیب ہے کہ تم اس آیت میں غور نہیں کرتے أَفَتُزَكِّي لِلنَّاسِ جَسَادَهُمْ وَهُمْ فِي عَقْلَةٍ مَعْرِضُونَ تَرَجِمَهُ نَزْدِيكٌ آگیا ہے لوگوں کو ان کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

دعوائے ایمان کے ساتھ حالت نفاق کا ظہور | اور تمہارا کیا ہی عجیب حال ہے کہ زبان سے تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہو اور تمہاری حالت سے نفاق ظاہر ہے کیونکہ تمہارا آقا سید اور تمہارا مولیٰ تو تمہارے دنیا کے امور کا ذمہ دار ہو چکا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا تَرْجِمَهَا اور نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اُس کی روزی اور تم اس کے اس قول کو اپنی حرکات سے بھٹلاتے ہو اور تم اس پر دیوانے بنے جاتے ہو جیسے کوئی مدہوش اور بذاقیا ہو۔ اور اُس نے آخرت کے معاملے کو تمہاری سعی پر حوالہ کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے ذَانُ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ تَرْجِمَهَا اور یہ کہ نہیں ہے آدمی کے لیے مگر وہی جو اُس نے کمایا ہے اور تم اس سے ایسا عراض کرتے ہو جیسا کوئی تکبر حقیر سمجھنے والا منہ پھیرتا ہے اور یہ تو ایمان کی علامت نہیں کیونکہ اگر ایمان کا زبانی دعویٰ کافی ہوتا تو منافق لوگ دوزخ کے نیچے کے درجے میں کیوں جاتے خدا تعالیٰ کی معصیت پر یہ کیسی تمہاری جرات ہے کہ۔

معصیت پر جرات کی دو صورتیں | اگر جرات اس اعتقاد کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو نہیں دیکھتا سے تو یہ کتنا بڑا کفر ہے اور اگر یہ جرات یہ ہانتے ہوئے ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھتا ہے تو یہ تمہاری کتنی بڑی قباحت اور کیسی سخت حماقت ہے پس تم کس دلیری پر خدا کے بغض اور غضب اور عقاب شدید اور دردناک عذاب کے سامنے آتے ہو کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ تم اُس کے عذاب اور عقاب کو سہار لو گے افسوس افسوس تم تو گویا قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں لائے کیونکہ ایک یہودی اگر تم سے لذیذ سے لذیذ طعام کو کہہ دے کہ یہ تمہارے مرض میں تم کو نقصان کرے گا جب تو تم اس سے مبرا کر لو گے اور اُس کو چھوڑ دو گے تو کیا اللہ تعالیٰ کا قول اپنی آناری ہوئی کتابوں میں اور ان انبیاء کا ارشاد جن کے معجز سے تائید ہو چکی ہے تمہارے نزدیک یہودی کے قول سے تاثیر میں کم ہے جو محض گمان اور شکل سے کہتا ہے ہاں جو دیکھتا ہے اُس کی عقل درست ہے اور نہ دین بلکہ اگر تم سے کوئی بچہ یہ کہہ دے کہ تمہارے کپڑے میں بچھو ہے تو تم فوراً بے سوچے ہوئے اور اُس سے سوال کئے بغیر اپنے کپڑے کو پھینک دو گے تو کیا انبیاء اور علماء کا قول تمہارے نزدیک بچہ کے قول سے بھی کم ہے یا دوزخ کی آگ اور زنجیریں اور اُس کے سانپ اور بچھو تمہارے نزدیک اس بچھو سے بھی کم درجے کے ہیں جن کی تکلیف صرف ایک دن یا اس سے بھی کم ہوتی ہے۔

شہوات میں مشغول رہنے اور عمل میں تاثیر کا اثر کیا سبب ہے؟ | اگر ان کو سہا جائے ہو اور اس کا یقین رکھتے ہو پھر تم کو کیا ہوا کہ شہوات میں مشغول رہتے ہو اور نیک عمل میں تاخیر کرتے ہو حالانکہ موت تمہاری تاک میں ہے شاید کہ وہ تم کو ایسی بلا کسی مہلت کے کانپ نے پھر تم اس کی جلدی سے کس لیے بے خوف ہو گئے اکثر صبح پانے والے ایسے ہیں جن کو پورا دن نہیں ملتا اور بہتیرے اگلے دن کے ایسے امیدوار

ہیں کہ کل تک نہیں پہنچ سکتے اور مانا کہ تم سے سو برس کی عمر کا وعدہ کیا گیا ہے اور تم آخر تک عمل میں تاخیر کرتے رہے تو تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے کہ جو شخص اپنے ٹٹو کو دامن کوہ کے سوا کبھی دانہ پانی نہ دے تو کیا وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اُس ٹٹو سے پہاڑ پر چڑھ جائے اور کیا عمل میں جلدی کرنے سے روکنے اور تاخیر کرنے کا سبب اس کے سوا کچھ اور ہے کہ تم تھوڑی سی دشواری اور مشقت کی وجہ سے اپنی خواہش کی مخالفت کرنے سے عاجز ہو اور کیا تجھ کو کوئی ایسا دن ملے گا جس میں خواہش کی مخالفت تم کو دشوار نہ ہو ایسا دن تو اللہ تعالیٰ نے جنت کے سوا اور کوئی نہ پیدا کیا ہے اور نہ پیدا کرے گا۔

اور جنت نالیند باتوں سے ڈھک دی گئی ہے اور ناگوار باتیں نفس پر کبھی ہلکی نہیں ہوتیں اس کا وجود محال ہے پس اگر تم ان کھلی باتوں کو نہیں سمجھتے اور عمل میں تاخیر ہی کی طرف مائل ہوتے ہو تو اس سے زیادہ کونسی حماقت اور نادانی ہوگی اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل پر بھروسہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ دنیا کے کاروبار میں اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل پر بھروسہ نہیں کرتے بھلا کیا تم جاڑے کے لیے جس قدر موسم ہوا اُس کے لائق تیار ہی نہیں کر لیتے پس کھانا اور ایندھن اور پوشاک وغیرہ ضروریات سب جمع کر لیتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی جاڑے کی سردی بغیر جبّہ و عینہ کے دفع کر دے گا کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جہنم کے طبقہ زہریہ کی ٹھنڈک چلنے کے جاڑوں کی سردی سے ہلکی اور مدت میں کم ہوگی یا تم کو یہ خیال ہے کہ اس سے بے عنایت کے پنج جاڑے کبھی نہیں یہ بات بہت دور ہے کیونکہ جاڑے کی ٹھنڈک جیسے بدون جبّہ اور ایندھن اور اوز لوازم کے دفع نہیں ہوتی ایسے ہی دوزخ کی گرمی اور اُس کے طبقہ زہریہ کی ٹھنڈک طاعات اور عبادات سے پناہ لینے اور بُرائیوں کو چھوڑ دینے کے بغیر نہ گزرتی ہے۔

تکلیف اور عذاب سے پناہ کا طریقہ بتا دینا اللہ کا فضل و کرم ہے | اور اللہ تعالیٰ کا کرم اور فضل یہی ہے کہ تم کو پناہ لینے کا طریقہ بتایا یہ نہیں کہ پناہ لینے کے بغیر تم سے عذاب کو دور کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور فضل جاڑا دفع کرنے کے بارہ میں یہ ہے کہ تمہارے لیے آگ پیدا کر دے اور حقیق اور یوہ سے اُس کے نکالنے کا طریقہ تم کو سکھا دے تاکہ تم اپنے نفس سے جاڑے کی سردی دفع کر سکو پس جیسے کہ جبّہ اور ایندھن اور تمام لوازم کے خریدنے سے تمہارا خالق اور مولیٰ مستغنی ہے اور تم اپنے لیے صرف اس لیے خریدتے ہو کہ اللہ نے اُن کو تمہاری راحت کا سبب بنایا ہے ایسے ہی تمہاری طاعت اور مجاہدہ سے تمہارا خالق اور مولیٰ مستغنی ہے یہ تو تمہارے عذاب الیم سے نجات کا اور عیش دائمی تک تمہارے پہنچنے کا صرف طریقہ ہے سو جس نے بھلائی کی سوا اپنی جان کے لیے اور جس نے بُرا کیا سو اپنی جان کے لیے اور جس نے بُرا کیا سو اپنے نقصان کو اور اللہ بے پرواہ ہے عالم والوں سے۔

دنیا اور آخرت کے عیش و راحت میں فرق | اور شاید تم یہ کہو کہ مجھ کو ثابت قدمی سے خواہشات

نفسانی کے مزوں کی حرص اور تکلیفوں اور مشقتوں پر کم صبر ہونے کے سوا اور کوئی چیز نہیں روکتی پس اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو یہ تمہاری کس قدر نادانی اور کتنا بڑا تمہارا یہ عذر ہے کیونکہ دنیا کی شہوات تو فانی جلدی چلی جانے والی اور کبھی کسی وقت کدورتوں سے خالی نہیں ہیں پس تمہیں کیا ہوا کہ جنت میں جانا طلب نہیں کرتے کہ اُس میں ہمیشہ باقی رہنے والی خواہشوں سے عیش کیا کرو جو ہمیشہ بہر حال کدورتوں سے صاف ہیں کیونکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے پس آخرت کے لیے جس قدر تمہیں وہاں رہنا ہے اُس کے لائق سامان کرو کیونکہ تمہارا سرمایہ تمہاری زندگی کے دن میں سو تم اُس میں سے اکثر حصہ تو کھو چکے اس میں سے اب صرف چند روز باقی رہ گئے ہیں پس اُس بقیہ میں اگر تم تجارت کرو گے تو فائدہ ہو گا اور اگر اتنی تو کبھی کھو دو گے اور اپنی قدیم عادت پر چلتے رہو گے تو یہ تو خوب کھلا ہوا نقصان ہو گا۔

موت ایک اہل حقیقت ہے | پس اے مسکین خواب غفلت سے بیدار ہو کیونکہ موت تیرا وعدہ ہے اور گور تیرا گھر ہے اور مٹی تیرا بچھونا ہے اور فرغ اکبر یعنی قیامت تیرے سامنے ہے اور مردوں کا لشکر شہر سے باہر تیرا منتظر ہے اور اُن سب نے بڑی سخت قسمیں کھائی ہیں کہ تجھ کو جب تک اپنے ساتھ نہ لے لیں گے اور اپنے ساتھ نہ لالیں گے اپنی جگہ سے نہ اٹھیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ وہ صرف ایک دن کے واسطے دنیا میں آنے کی آرزو کرتے ہیں تاکہ جو کچھ اُن سے کوتاہی ہوئی ہے اُس دن میں اُس کا عومن کر لیں اور تو اپنے دن ضائع کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ وہ تو آخرت میں بلا لیے گئے ہیں لیکن تو ہمیشہ یہیں رہے گا کبھی نہیں کبھی نہیں کیونکہ جب سے تو اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے اپنی عمر کی بربادی میں لگا ہے زمین پر اپنا محل بنوا رہا ہے اور عنقریب زمین کا ٹھکانا تیری قبر ہونے کو ہے ہر روز مال بڑھنے سے خوش ہوتا ہے اور عمر گھٹنے سے رنجیدہ نہیں ہوتا آخرت سے منہ پھیرتا ہے اور وہ تیرے سامنے چل آ رہی ہے اور تو دنیا پر متوجہ ہو رہا ہے اور وہ تجھ سے منہ پھیرتی جاتی ہے۔

السان کی کوتاہی پر تنبیہ | تیرا کیا ہی عجیب حال ہے کہ باوجودیکہ تو قسم قسم کے گناہ کرتا ہے آخرت کی درستی میں کوشش نہیں کرتا بلکہ دنیا کی درستی میں ایسا لگا ہوا ہے کہ گویا کبھی وہاں سے تجھ کو جاننا نہ ہو گا پس اے مسکین اُس دن سے اپنی جان کا خوف کر جس دن کہ تو خدا کے سامنے ہائے گا اور وہ اُس دن کسی بند کو نہ چھوڑے گا، جس کو دنیا میں کسی بات کا حکم کیا تھا یا دنیا میں جس بات کی ممانعت کی تھی یہاں تک کہ اُس سے اُس کے اعمال کے بارے میں متوڑے ہوں یا بہت معمولی ہوں یا اعلیٰ پوشیدہ ہوں یا ظاہر سوال کرے گا۔ پس اے غافل تو دیکھ کہ کس دل سے تو اُس کے سامنے کھڑا ہو گا اور کس زبان سے اس کے سوال کا جواب دے گا اور سوال کا جواب اور جواب کی درستی ٹھیک کر رکھا اور اپنی باقی عمر دارِ فنا یعنی دنیا کے چھوٹے چھوٹے دنوں میں دارِ بقا یعنی آخرت کے بڑے بڑے دنوں کے واسطے نیک کاموں میں صرف کر۔

نفس کو مجاہد سے اور طاعات کی راہ لگانے کا طریقہ | اگر تو یہ کہے کہ میرا نفس مجاہد سے اور ہمیشہ طاعات
 کرنے پر مہم کو نہیں مانتا تو اس کے علاج کا کیا طریقہ ہے تو سمجھ لے کہ اس کے علاج کا سب سے مفید
 طریقہ جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان کیا ہے یہ ہے کہ تو ایسے شخص کی صحبت اختیار کر جو اللہ
 تعالیٰ کی عبادت میں مجاہد کرتا ہو اور تو اس کے حالات کو دیکھ اور اس کی پیروی کر لیں یہ علاج اس
 زمانے میں دشوار ہے کیونکہ ایسا شخص جو تمہارے مقصد میں کی طرح عبادت میں مجاہد کرتا ہو مفقود ہے پس اب تیرے
 لیے اس زمانے میں اس سے زیادہ مفید اور کوئی علاج نہیں کہ تو ان کے حالات سنے اور اخبار دریافت
 کرے کہ وہ کیا کیا دشوار مجاہد کرتے تھے اور ان کی محنت تو ہو چکی اور ثواب اور عیش باقی رہ گیا جو کبھی
 تمام نہ ہو گا اور کس قدر سخت انبوس اس شخص پر ہے جو ان کی پیروی نہیں کرتا پس اپنے نفس کو چند روزہ
 مکر شہوات سے شتفع کرتا ہے پھر اس کو اسی حال میں موت آجاتی ہے اور اس کے اور اس کی شہوات کے
 درمیان میں حائل ہو جاتی ہے لہذا تو لازم کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے مجاہدین
 کے احوال کا مطالعہ کرے اور ان کے احوال دیکھ کر تجھ پر کھل جائے گا کہ تو اور تیرے زمانے کے لوگ
 اصل دینداروں سے کتنے دور ہیں

نفس کا ایک دھوکا اور اس کا علاج | پھر اگر تیرا نفس تجھ کو یہ دوسوہ دلائے اور کہے کہ عبادت اسباب کی
 کثرت کی وجہ سے اسی زمانے میں ہو سکتی تھی لیکن اس زمانے میں اب اگر تو اپنے اہل عصر کے خلاف
 کرے گا تو وہ تیرا مذاق اڑائیں گے اور دیوانہ کہیں گے لہذا انہیں کے موافق ہو وہ کرتے ہیں کئے جا
 جو ان کا حال سو تیرا حال مرگ انبوہ جشنے دارد تو خبردار اس کے باطل حیلے اور فریب اور بکر اور دھوکے
 میں نہ آجانا اور تو اس کو یہ جواب دینا کہ اگر پانی کی ایسی رُو چڑھ آئے کہ جو اس کے سامنے سے آئے
 سب کو ڈبو دے اور تیرے گاؤں والے اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں اور اپنا بچاؤ نہ کریں اور تجھ کو اتنی
 قدرت ہو کہ ان سے الگ ہو کر کشتی پر سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ جائے تو کیا اب بھی تیرے دل میں
 یہ خیال آئے گا کہ مرگ انبوہ جشنے دار دیا ان کا ساتھ چھوڑ دے گا اور اس حرکت سے ان کو نادران
 بنائے گا اور اس بلائے ناگہانی سے اپنا بچاؤ کر لے گا جو تجھ پر اپڑی ہے پھر جب تو ڈوبنے کے
 خوف سے ان کا ساتھ چھوڑتا ہے مالا نکہ ڈوبنے کی تکلیف رات دن کی ایک ساعت سے
 زیادہ نہیں ہو سکتی تو پھر دائمی عذاب سے کیوں نہیں بھاگتا اور ہر وقت اس کے سامنے چلا آتا ہے۔
 زمین کے اکثر باشندوں کی راہ گمراہی کی راہ ہے | اور مرگ انبوہ کیسے جشن ہو سکتا ہے کفار تو اہل
 زمانہ کی موافقت ہی سے ہلاک ہوئے ہیں تو کیا ان کی یہ ہلاکی مرگ انبوہ جشنے دارد ہو سکتی ہے کبھی نہیں
 کیونکہ وہ یہی کہتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم ان ہی کے قدموں پر چلتے
 ہیں لہذا خبردار خبردار اپنے اہل زمانہ اور ان سے پہلے گذرے ہوؤں کا خیال نہ کر کیونکہ تو اگر زمین کے

اکثر باشندوں کی اطاعت کرے گا تو وہ تجھ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں گے خدا سے دعا ہے کہ ہم کو گمراہی سے بچائے۔

پینسٹروں مجلس امت کو توبہ کی رغبت دلانے اور اُس کے فوراً واجب

ہونے اور تین باتوں سے اُس کے حاصل ہونے کے بیان میں

امت کو توبہ کی ترغیب | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے لوگو! اللہ کے سامنے توبہ کیا کرو کیونکہ میں اللہ کے سامنے دن میں سو بار توبہ کیا کرتا ہوں" یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اعز مزی نے روایت کیا ہے اور اس میں امت کو توبہ کی ترغیب سے کیونکہ جب نبی علیہ السلام باوجود معصوم اور عظیم الشان ہونے کے دن میں سو بار توبہ کیا کرتے تھے تو وہ شخص کیونکر رات دن توبہ میں مشغول نہ رہے جو اپنا نامہ اعمال پے در پے گناہوں سے سیاہ کرتا رہتا ہے۔

ثبوت توبہ کی تین شرائط | لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ توبہ ان تین امور مرتبہ کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے۔

اول علم۔ دوم حال بستوم عمل۔ اول مرتبہ علم کا ہے۔ اور دوسرا مرتبہ حال کا ہے۔ اور تیسرا مرتبہ عمل کا ہے۔

اور یہ اس لیے کہ آدمی جب گناہ کا بڑا نقصان ہونا اور آخرت میں اُس کے اور اُس کے محبوب

کے درمیان حجاب ہو جانا جانتا ہے تو اس معرفت سے اُس کے دل میں ایک الم پیدا ہوتا ہے اور

اس الم کو معرفت کہتے ہیں بس یہ معرفت تو علم سے اور یہ ندامت حال ہے جو اس معرفت سے پیدا

ہوا ہے پھر جب یہ ندامت دل پر غالب ہو جاتی ہے تو دل میں ایسے کام کا ارادہ پیدا ہوتا ہے

جس کو زمانہ موجودہ اور آئندہ اور گذشتہ سے لگاؤ ہے زمانہ موجودہ سے تو گناہ ترک کرنے کا تعلق

ہوتا ہے اور زمانہ آئندہ سے عمر بھر نہیں کبھی گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے کا تعلق ہے اور

زمانہ ماضی سے فوت شدہ کے عوض اور قصا کا اگر وہ قابل عوض اور قصا کے متعلق ہے اور

اس کا یہ فعل عمل ہے جو ندامت سے حاصل ہوا ہے جو علم سے پیدا ہوتی تھی۔

اور علم سے یہاں مراد اس بات کا ایمان اور یقین ہے کہ گناہ آخرت میں زہر قاتل ہے۔

اور اس ایمان کا توڑ جب دل پر چمکتا ہے تو ندامت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے کیونکہ اپنے اور نور

ایمان کے چمکنے سے وہ دیکھ لیتا ہے کہ میں اپنے محبوب سے الگ ہو گیا ہوں پس اب محبت کی

آگ شعلہ زن ہوتی ہے پھر اُس آگ سے اس فعل کا ارادہ پیدا ہوتا ہے جو اوقات مذکورہ حال

و استقبال و ماضی سے علاقہ رکھتا ہے۔ پس علم اور ندامت اور فعل مذکور کا ارادہ یہ تین چیزیں ہیں

کہ اسی مجموعہ پر توبہ کا لفظ بولا جاتا ہے پس جب یہ تینوں باتیں موجود ہوں گی تب توبہ ثابت ہوگی۔

توبہ کی حقیقت: ندامت | اور بسا اوقات توبہ کا لفظ صرف ندامت پر بولا جاتا ہے اور علم کو مقدمہ اور فعل مذکور کو ثمرہ عظیمہ ایجا جاتا ہے اور اسی اعتبار سے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "ندامت ہی توبہ ہے" اس لیے کہ ندامت بدون علم کے جو اس کا باعث اور موجب ہے اور بغیر قصد لغتی کے جو اس کے پیچھے اور بعد میں ہوتا ہے نہیں ہوتی پس ندامت دونوں طرف سے گہری ہوتی ہے ایک طرف ثمرہ ہے اور دوسری طرف باعث ہوتا ہے۔

توبہ مسلمانوں پر واجب ہے | پھر توبہ تمام مسلمانوں پر فوراً واجب ہے سب پر اس کا واجب ہونا تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ہے **وَلْتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ تُوَجَّه** اور توبہ کہ اللہ کی طرف سب اے ایمان والو! اور نیز اس قول باری تعالیٰ کی وجہ سے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا تُوَجَّه** اے ایمان والو توبہ کہ اللہ کے آگے صاف دل کی توبہ یہ اور ان دونوں آیتوں کے ظاہری معنی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ توبہ ہر مومن پر واجب ہے اس لیے کہ ان دونوں آیتوں میں حکم عام ہے نیز نور عمل بھی یہی بتلاتا ہے۔

توبہ کا معنی مطلب | اس واسطے کہ توبہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نارضا مندی کی باتوں سے رضامندی کی باتوں کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ امر عاقل ہی سے ہو سکتا ہے اور عقل کامل نہیں ہوتی مگر قوائے شہوانی اور غضبی اور تمام بڑے اوصاف کے کامل ہونے کے بعد جو انسان کے بہکانے کے لیے شیطان کے ذریعے ہیں کیونکہ شہوت شیطانی لشکر ہے اور عقل فرشتوں کا لشکر ہے اور ایسا کوئی انسان نہیں پایا جاتا جس کی شہوت جو شیطانی سامان ہے عقل پر جو فرشتوں کا سامان ہے مقدم نہ ہو پس شہوات کی موافقت سے جو پہلے ہو چکی ہے اب اس سے رجوع کرنا ہر آدمی کو بلوغ کے بعد ضروری ہے۔

بالغ ہونے کے بعد انسان کے بعض احوال جو توبہ سے زیادہ دشوار ہیں۔ | اس لیے کہ جو شخص حالت کفر میں دین اسلام سے ناواقف بالغ ہوا تو اس پر ان باتوں کو سیکھ کر جن سے اسلام حاصل ہو اپنے کفر اور جہالت سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اور جو شخص ماں باپ کے ساتھ حالت اسلام میں حقیقت اسلام سے بے خبر بالغ ہوا تو اس پر اسلام کے معنی اب خود سمجھ کر اس غفلت سے توبہ کرنا واجب ہے اس لیے کہ بالغ ہو کر جب تک خود مسلمان نہ ہو ماں باپ کا اسلام اس کو کچھ مفید نہیں پھر جب بالغ ہو کر اسلام کے معنی سمجھ چکا تو اب اس پر اپنے عادات اور شہوات عادیہ میں بے ہمار ہونے سے باز آنا واجب ہے اور یہ سب احوال توبہ سے زیادہ دشوار ہیں اور اسی میں اکثر خلقت اس سے عاجز رہنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے اس لیے کہ شہوت لڑکپن ہی میں بلوغ اور کمال عقل سے پہلے ہی مستحکم ہو جاتی ہے پس شیطانی لشکر پہلے ہی دل کی ولایت پر

غلبہ کر لیتا ہے اور دل کو شہوات اور عادات کی خواہشوں سے محبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ بات دل میں غالت آجاتی ہے اور اس سے اس کو نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔
عقل اللہ کا گروہ ہے اس کا شہوات پر غلبہ ہی توبہ ہے۔ پھر عقل ظاہر ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا گروہ اور لشکر ہے پھر اگر وہ کامل اور قوی ہوئی تو خدا کے بندوں کو اس کے دشمنوں کے ہاتھ سے چھوڑانے کے لیے آہستہ آہستہ تدریج تیار ہوتی ہے پس شہوتوں کو توڑ کر شیطانی لشکر کا اکھاڑنا اور عادات کا چھوڑنا اور طبیعت کو جبر یہ طور پر عبادت پر لگانا اس کا اول شغل ہوتا ہے اور توبہ کے اس کے سوا اور کچھ معنی نہیں ہیں۔

اولاد آدم کی گمراہی کے لیے شیطان کا اعلان | اور اگر عقل کامل اور کامل اور قوی نہ ہو تو دل کی سلطنت شیطان کے حوالے ہو جاتی ہے اور وہ ملعون اپنا وعدہ پورا کرتا ہے جیسا کہ اُس نے کہا ہے لَعْنُ
اٰخِرَتِنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا تَخْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ اِلاَّ قَلِيْلًا ۗ تَرْجَمُہ کہ اگر تو مجھ کو ڈھیل دے
قیامت کے دن تک تو ضرور میں اس کی اولاد یعنی اولاد آدم کو لگام دوں گا مگر تھوڑوں کو اور مراد یہ ہے
کہ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک زندہ رکھے گا تو بے شک میں اُن کو جہنم چاہوں گا کیسے لے جاؤں گا
اور بے شک ان پر اچھی طرح غالب رہوں گا ہاں گمراہ میں سے بعض کو وہ اللہ تعالیٰ کے مخلص اور نیک
بندے ہیں اور یہ اس ملعون کے اس قول کی طرح ہے کہ لَا ذَرِيَّةٌ لَّهٗ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمٰوٰتِ اَجْمَعِيْنَ
تَرْجَمُہ البتہ میں اُن کو زینت دکھاؤں گا دنیا میں زمین میں اور ضرور بہکاؤں گا اُن سب کو۔

توبہ فرض عین ہونے کا سبب | اور اس لعین نے باوجودیکہ وہ غیب دان نہیں ہے اس مطلب کا اپنے لیے
حاصل ہو جانا اُن چیزوں سے استدلال کر کے جو اُس نے ان میں دیکھیں معلوم کر لیا کہ بدی کے اسباب بہت
میں اور بھلائی کا سبب صرف ایک ہے کیونکہ انسان میں چوپایوں کی شہوانی قوت اور درندوں کی غنشی قوت
اور شیطان کی قوت دہمیہ موجود ہیں اور یہ تینوں قوتیں ابتداء سے پیدا ہوتی ہیں اور شرکی
طرف متوجہ رکھتی ہیں اور ان تینوں قوتوں کے بعد اس میں قوت عقلی ملتی پیدا ہوتی ہے اور یہ اگرچہ بھلائی کی
طرف بلاتی ہے لیکن ان پہلی تین قوتوں کے دل پر غالب ہو جانے کے بعد کامل ہوتی ہے پس جب شیطان
ملعون نے انسان میں یہ دیکھا تو جان گیا کہ میری جو مراد ہے اس کا حاصل ہونا ممکن ہے پس اس بیان کے
موانع ہر شخص پر توبہ فرض عین ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ افراد انسان میں سے کوئی فرد بھی اس سے بے نیاز ہو۔
توبہ کے فوراً واجب ہونے کا فائدہ اور اس میں تاخیر کے نقصانات | اور رہا توبہ کا فوراً واجب ہونا سو

اس لیے کہ تاخیر کرنے میں اصرار حرام لازم آتا ہے جس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں کیونکہ توبہ سے
ایک دم بھر بھی تاخیر کرنے سے ایک اور گناہ واجب التوبہ لازم آتا ہے یہاں تک کہ علماء کہتے ہیں
کہ گناہ کبیرہ کی توبہ میں ایک گھڑی تاخیر کرنے سے دو کبیرہ ہو جاتے ہیں ایک وہی پہلا اور دوسرا اس سے

توبہ نہ کرنا اور دوسری گھڑی میں چار کبیرہ گناہ ہو جاتے ہیں دونوں پہلے اور دونوں سے توبہ نہ کرنا اور تین ساعت میں آٹھ کبیرہ ہو جاتے ہیں اور چار ساعت میں سونہ کبیرہ ہو جاتے ہیں اور پانچ ساعت میں بیس کبیرہ ہو جاتے ہیں اور اسی طرح گناہ بڑھتے جاتے گئے جس قدر تاخیر ہوتی جائے گی۔ ایمان کامل اور ایمان ناقص | اور اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ گناہ کو زہر قاتل جاننا خود ایمان ہی میں سے ہے پس جب یہ ثابت ہوا کہ علم خود ایمان میں سے ہے تو لازم ہے کہ ایمان گناہوں کے ترک کا باعث ہوا کرے پس جس نے گناہ کو نہ چھوڑا تو اس میں ایمان کا یہ جز نہیں ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نہیں زنا کرتا ہے زانی جبکہ زنا کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو پس اس سے نبی علیہ السلام نے اس ایمان کی نفی نہیں کی ہے جو خدا اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کا جاننا ہے کیونکہ اس ایمان کے زنا اور گناہ منافی نہیں ہیں بلکہ اس سے اس ایمان کی نفی مراد لی ہے جو اس علم کا نام ہے کہ نہ خدا سے ڈر کر دیتا ہے اور اس کی ناشوشی کا باعث ہے پس اس بیان کے موافق گناہوں پر چبھارہنے والا اپنے ایمان میں کامل نہیں ہے بلکہ ایمان میں ناقص ہے۔

گناہوں پر چبھارہنے والے کے خاتمہ کی دو صورتیں | اور یہ اس لیے کہ گناہوں کا چھوڑنا بدون صبر کے نہیں ہو سکتا اور صبر بدون خوف کے میسر نہیں ہوتا اور خوف بدون اس بات کے پیدا نہیں ہوتا کہ گناہوں میں بہت بڑا نقصان ہے اور گناہوں کے ضرر عظیم کا یقین بدون تصدیق خدا اور رسول کے حاصل نہیں ہوتا پس جس نے گناہوں کو نہ چھوڑا اور اس پر جما رہا تو گویا اس نے خدا و رسول کی تصدیق نہیں کی لہذا اس پر مرتے دم بڑا خوف ہے اس لیے کہ شاید اس امر پر اس کی موت اس کے ایمان کے جاتے رہنے کا سبب ہو جائے لہذا اس کا خاتمہ بُرائی پر ہو اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پڑا رہے اور اگر خاتمہ بُرائی پر نہ ہو بلکہ ایمان پر مراد تو اب مشیت الہی میں رہے گا چاہے اس کو دوزخ میں ڈال دے اور بقدر معاصی عذاب دے کہ پھر دوزخ سے نکالے اور جنت میں داخل کرے اگرچہ کچھ ہی مدت کے بعد ہو اور چاہے اس کو معاف کر دے اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے۔

بخشش خداوندی | اس لیے کہ یہ محال نہیں کہ بخشش عام کسی پوشیدہ سبب سے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہو اس کے شامل حال ہو جائے جیسے کہ یہ محال نہیں کہ کوئی کسی ویرانہ میں خزانہ ڈھونڈنے کے لیے جائے اور اتفاق سے خزانہ پا جائے لیکن جس نے اپنا گھر خراب کر دیا اور مال تلف کر دیا اور اپنی جان اور اولاد کو بھوکا مارا اس خیال سے کہ وہ اللہ کے فضل کا منتظر ہو کہ گھر کے اندر زمین میں سے خزانہ عنایت کرے تو یہ شخص بے وقوف احمقوں میں سے سمجھا جائے گا اگرچہ اس کی خواہش بلحاظ قدرت اور فضل الہی کے کچھ محال نہیں ہے اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ سے بخشش کا امیدوار ہے باوجودیکہ وہ گناہوں پر جما ہوا ہے اور بخشش کی راہ نہیں چلتا بے وقوف

سمجھا جائے گا۔

دین و دنیا کے لیے اللہ کے قاعدہ میں تغیر نہیں | پھر بعضے ان مغرور احمقوں میں سے اپنی حماقت کو اچھی اچھی باتوں سے رواج دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے شک کریم ہے اُس کی جنت مجھ جیسے شخص سے تنگ نہ ہو جائے گی اور میری معصیت سے کچھ اُس کا ضرر نہیں پھر تم اُس احمق کو دیکھتے ہو کہ دریا کا سفر کرتا ہے اور روپیہ اشرافی کی تلاش میں سفر کی مشقت کو اختیار کرتا ہے اور جب اُس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ بے شک کریم ہے اور اس کے روپیہ اشرافی کے خزانے تجھ جیسے سے کم نہ ہوں گے اور تجارت میں تیری سستی سے اُس کا کچھ نقصان نہیں پس تو اپنے گھر بیٹھا رہ شاید بھی تجھ کو ایسی روزی دے جہاں سے تیرا گمان بھی نہ ہو پس جو ایسا کہے اُس کو وہ احمق بنائے گا اور اُس کا مذاق اڑائے گا اور کہے گا یہ کیسی ہوس ہے کیونکہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برستا یہ تو محنت ہی سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عادت اور اس کا قاعدہ جاری ہے اللہ کے قاعدوں میں تغیر نہیں ہوتا اور یہ احمق نہیں سمجھتا کہ دین و دنیا کا پروردگار ایک ہی ہے اور اُس کے قاعدے کو ان دونوں میں تغیر نہیں اور اُس نے یہ خبر بھی دے دی ہے اور نہیں سے واسطے انسان کے مگر وہی جو کما یا، پس کیونکر اُس کو آخرت کے لیے تو تو کریم جانتا ہے اور دنیا کے بارہ میں تو کریم نہیں سمجھتا پس جو شخص اس دار فانی میں ہلاکت سے ڈرتا ہو جب اس پر زہر اور تمام ہلاک کرنے والی مضر چیزوں سے ہر وقت احتراز کرنا واجب ہے پس ہلاک ابدی سے ڈرنے والے کو بدرجہ اولیٰ ان گناہوں سے احتراز واجب ہے جو دین کے لیے زہر ہیں کیونکہ اس زہر سے اُس آخرت باقیہ کی فوت کا خوف ہے جس کے ثواب سے ایک حصے کے برابر بھی دنیا کی چند گنی زندگی نہیں ہو سکتی کیونکہ آخرت کی مدت کی نہ کوئی غایت ہے اور نہ کچھ انتہا اور اسی میں عیش دائمی اور بڑی سلطنت ہے اور اسی کے فوت ہو جانے میں دوزخ کی آگ اور عذاب دردناک ہے۔

چھپا سٹھویں مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک سانس گلے میں نہ آئے

قبولیت توبہ کی ميعاد | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک کہ سانس کا گلے میں غزیرہ نہ ہونے لگے یہ حدیث مسابیح کی حسن مدنیوں میں سے ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے اور عمر بنی نماورہ میں غزیرہ کسی چیز کے حلق میں آنے جانے کو کہتے ہیں اور حلق میں بروح کی آمد و رفت کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں اور یہاں یہی

مراد ہے اور معنی یہ ہیں کہ گنہگار کی توبہ اُس وقت تک مقبول ہوتی ہے جب تک روح گلے تک پہنچ جائے۔ موت کے آثار نظر آنے کے بعد توبہ اور ایمان کے مفید نہ ہونے کی وجہ اس لیے کہ غزغزہ اور روح کے حلق میں پہنچ جانے کے وقت وہ اپنے انجام کو دیکھ لیتا ہے کہ رحمت ہوگی یا خواری لہذا اس کو توبہ مفید سے اور نہ ایمان پناہ بخیر اللہ تعالیٰ اپنے آثار سے ہوئے قرآن مجید میں فرماتا ہے فَلَمَّا نَكَتْ يَنْفَعُهُمْ رَبُّهُمْ كَمَا نَزَّلُوا بِسَاءِ تَرْجُمَةٍ پھر ترہوا کہ کام آئے اُن کو یقین لانا ان کا جب دیکھ چکے ہمارا عذاب اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ اللَّهُنَّ تَرْجُمَةٍ اور نہیں سے توبہ اُن کی جو کرتے جاتے ہیں بڑے کام یہاں تک کہ جب سامنے آئے اُن میں سے کسی کو موت تو کہنے لگا اب میں نے توبہ کی۔

اس واسطے کہ شرائط توبہ میں سے یہ بھی ہے کہ جس گناہ سے تم نے توبہ کی ہے اس کے چھوڑ دینے کا اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم مصمم کرو اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ توبہ کرنے والے کو اس پر قدرت ہو اور اختیار کا وقت باقی ہو سو جب تک روح حلق میں نہیں پہنچتی امید منقطع نہیں ہوتی پس اُس وقت اس گناہ سے ندامت اور ترک گناہ کا پختہ ارادہ کرنا صحیح ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بندہ کے لیے توبہ کا وقت فراخ ہے یہاں تک کہ قابض الارواح کو دیکھے اور یہ وقت غزغزہ اور روح کے حلق تک پہنچنے کا وقت ہے۔

بندہ پر گناہوں سے توبہ واجب ہے پس اس بیان کی بنا پر بندہ پر واجب ہے کہ اپنے تمام اُن معاصی سے جن پر قائم ہے معائنہ اور غزغزہ سے پہلے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے نا امید نہیں ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ اور ایک اور آیت میں فرمایا اور وہ ایسا ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور معاف کرتا ہے پس سمجھ دار آدمی کو مناسب ہے کہ ہر وقت توبہ کیا کرے اور گناہ پر اڑانہ رہے کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ پر مہر نہیں سمجھا جاسکتا اگرچہ دن بھر میں وہ ستر مرتبہ گناہ کرے۔

استغفار اور توبہ کی کثرت کا حکم اور حدیث شریف میں آچکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ہر منگی سے رستگاری دے گا اور ہر غم سے کشادگی دے گا اور اس طرح رزق دے گا جس کا اُس کو گمان بھی نہ ہوگا اور ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تمام بنی آدم خطا وار ہیں اور اچھے خطا دار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے تم سے اللہ کی تم میں ہر روز ستر دفعہ سے زیادہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا

اے لوگو! اللہ کے آگے توبہ کر دکھ میں اُس کے آگے ہر روز استغفار و توبہ کرتا ہوں پس اے انصاف والو دیکھو جبکہ نبی علیہ السلام باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ سب معاف کر دیئے ہیں اور توبہ کرتے ہوں تو سب کا حال کچھ معلوم نہیں کہ اُس کو معاف کر دیا گیا ہے یا نہیں وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر وقت توبہ نہ کرے اور کیونکر اپنی زبان کو ہمیشہ استغفار میں مشغول نہ رکھے۔

ہلاک ہونے والے لوگ اور ابن عباس رضی سے مراد ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہلاک ہو گئے دیر کرنے والے اور دیر کرنے والے وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آئندہ توبہ کر لیں گے اور وہ ہلاک اس لیے ہوئے کہ بقا پر بھروسہ رکھتے ہیں جو کہ ان کو حوالہ نہیں ہے پس ممکن ہے کہ باقی رہے اور اگر باقی رہے بھی تو جیسے آج گناہ چھوڑنے پر قادر نہیں کل بھی نہ چھوڑ سکے کیونکہ بالفعل ترک گناہ سے عاجز رہتا غلبہ شہوت کے سوا کسی اور وجہ سے نہیں اور شہوت کل اس سے جدا نہ ہوگی بلکہ عادی ہو جانے کی وجہ سے زیادہ اور مضبوط ہو جائے گی پس جس شہوت کو آدمی نے عادی ہو کر قوت بخشی ہے وہ اُس جیسی نہیں ہے جس کی عادت نہیں کی ہے اور اسی وجہ سے دیر کرنے والے ہلاک ہوئے ہیں کیونکہ وہ دو یکساں چیزوں میں فرق سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ ترک شہوت کے دشوار ہونے میں سب دن ایک ہی سے ہیں اور دیر لگانے والا اُس شخص کی طرح ہے جس کو ایک درخت اکھاڑنے کی ضرورت ہو پس اُس کو مضبوط دیکھ کر کہ ہلا زیادہ مشقت کے نہیں کٹ سکتا وہ یہ کہے کہ ایک برس رہنے والے گا پھر آ کر اس کو اکھاڑوں گا اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ درخت جتنا ہی زمین میں کھڑا رہے گا اُس کی مضبوطی بڑھتی جائے گی پس دنیا میں اس حماقت سے بڑھ کر اور کوئی حماقت نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی مضبوطی زیادہ ہو جانے کے قبل تو اُس کے اکھاڑنے سے عاجز رہا پھر اُس کی زیادہ بڑھ کر لینے کے بعد اُس کے اکھاڑنے پر قادر ہونے کا منتظر رہے۔

توبہ کرنے والوں کی آخری جزا جب یہ ثابت ہو چکا تو مومن کو ضروری ہے کہ توبہ سے کبھی کسی وقت نارغ نہ رہے یہاں تک کہ موت ایسے وقت آئے کہ یہ تائب ہو کیونکہ توبہ تمام مومنوں پر بالاتفاق اہل اسلام فرض ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے **وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ** ترجمہ اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب کے سب اے ایمان والو! اور باری تعالیٰ کا یہ ارشاد **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا** اے ایمان والو توبہ کرو اللہ کے آگے نیک توبہ، پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بندوں کے حال پر مہربانی کو دیکھو کس طرح ان کو توبہ کی طرف بلا یا اور ان کو اُس کا حکم دیا ہے اور ان کا نام گناہ کرنے کے بعد بھی مومن ہی رکھا ہے پھر توبہ سے جو ان کو عزت ہوگی

بیان کی اور فرمایا شاید تمہارا رب دُور کر دے تمہاری بُرائیاں اور داخل کرے تم کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں اور خبر دے دی کہ میں اُن کے گناہوں کا بخشنے والا ہوں اور فرمایا

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ تَابَ إِلَيْهِ وَالَّذِينَ لَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ تَابَ إِلَيْهِ وَالَّذِينَ لَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُوا لَهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۚ

ترجمہ اور وہ لوگ کہ جب کرتے ہیں کوئی بُرا کام یا بُرائی کرتے ہیں اپنے حق میں توبہ یاد کرتے ہیں اللہ کو پس بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے سوائے اللہ کے اور نہیں اڑے رہتے ہیں اُس پر جو کیا ہے جان بوجھ کر ان لوگوں کی جزا ہے بخشش اُن کے رب کی طرف سے اور باغ جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہیں گے اُس میں اور کیا اچھی مزدوری ہے کام کرنے والوں کی اور کھول کر فرمایا کہ توبہ کے بعد وہ اُن کو محبوب رکھتا ہے پس فرمایا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۚ ترجمہ بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور سحر سے لوگوں سے

توبہ کی شرائط اور یہ اشارہ کر دیا کہ توبہ اُن کے لیے گناہوں کی نجاست سے طہارت ہے پس مومن کے لیے توبہ کرنی ضروری ہے لیکن توبہ کے واسطے چار شرطیں ہیں اگر اُن میں سے ایک بھی کم ہوگی تو توبہ ٹھیک نہ ہوگی۔ اول زمانہ گذشتہ کے گناہوں پر دل سے نادم ہونا اور نہ اندامت یہاں سے کہ اپنے کئے ہوئے پر غمگین اور درد مند ہونا اور آرزو کرنا کہ کاش یہ نہ کرتا۔ اور دوسری شرط معصیت کافی الفور ترک کر دینا ہے۔ اور تیسری شرط اُس کا پختہ قصد کرنا کہ پھر آئندہ کبھی ایسا نہ کر دوں گا۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہو کسی اور وجہ سے نہ ہو کیونکہ جو شخص شراب پینے پر نادم ہو کر اس لیے چھوڑ دے کہ اُس میں درد نہ ہوتا ہے اور عقل جاتی رہتی ہے اور سال اور آبر و خراب ہوتی ہے تو ایسا شخص شرعاً تائب ہے اور ایسے ہی وہ شخص کہ زبان سے تو استغفر اللہ کہا کرے اور اُس کا دل معصیت پر جما ہوا ہے تو ایسی توبہ سے بھی ایسی توبہ کرنا چاہیے جو نہ امت کے ساتھ ہو جیسا کہ

توبہ کی حقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنی نماز سے فارغ ہوا اور جلدی سے کہنے لگا اللہی میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور تیرے آگے توبہ کرتا ہوں تو حضرت علی نے کہا اے شخص جلدی سے زبان کا استغفار کرنا جھوٹوں کی توبہ ہوتی ہے لہذا تیری یہ توبہ خود قابل توبہ ہے۔ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری توبہ بھی توبہ کے قابل ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حسن بصری "نابہ قول اُن کے زمانے میں ہے تو ہمارے اس زمانے کا کیا حال ہے جس میں تمام

قبولیت تو بہ علامت اور اثرات | کسی عالم سے پوچھا گیا آیا تائب کے واسطے کوئی ایسی علامت ہے جس سے اس کی توبہ کا قبول ہونا معلوم ہو کہا کہ ہاں اس کی چار علامتیں ہیں اول یہ کہ برے دوستوں سے الگ ہو جائے اور دوسرے یہ کہ ہر گناہ سے نفرت کرے طاعات کی طرف متوجہ ہو اور تیسرے یہ کہ اُس کے دل سے دنیا کی فرحت جاتی رہے اور آخرت کا غم دل میں ہمیشہ لگا رہے اور چوتھے یہ کہ اپنے نفس کو ایسی چیزوں کی فکر سے جس کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہو چکا ہے فارغ پائے جیسے رزق اور جس کا حکم ہوا ہے اُس میں مشغول رہے۔

پس جب اُس میں یہ علامتیں موجود ہوں تو اُس کو اللہ تعالیٰ چار کرموں سے اعزاز بخشتا ہے ایک یہ کہ گناہوں سے ایسا صاف کر دیتا ہے کہ گویا کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور دوسرے یہ کہ اس کو دوست رکھتا ہے اور تیسرے یہ کہ اُس کو شیطان سے محفوظ رکھتا ہے اور اُس کو اُس پر غلبہ نہیں دیتا اور چوتھے یہ کہ دینا سے نکلنے سے پہلے اس کو خوف سے بے ڈر کر دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
تَنْزِيلٌ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَاٰلِ اِسْحٰقَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَعَدَّوْنَ هٗ
تو جبہ ان پر اترتے ہیں فرشتے کہ تم نہ ڈرو اور غم نہ کھاؤ اور جو شخبری سُنو اُس بہشت کی جس کا تم وعدہ کئے جاتے تھے۔

اور اور لوگوں پر اس کے چار حق واجب ہو جاتے ہیں، اول یہ کہ اس سے محبت کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے محبت کی ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کے حق میں توبہ پر قائم رہنے کی دعا کیا کریں اس لیے کہ توبہ پر قائم رہنا توبہ سے زیادہ دشوار تر ہے، اور تیسرے یہ کہ اُس کے پاس بیٹھا کریں اور یا دانسی کیا کریں۔ اور ادا کیا کریں، اور چوتھے یہ کہ باعتبار پہلے گناہوں کے طعنہ زنی نہ کیا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے حکایت کر کے فرمایا کہ
تَاْتِيْبٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ تَوْحِيْدٌ كَجِهٍ اَلَّذِيْ اٰمَنُوْا بِهٖ

توبہ کے بعد مومن کے گزشتہ گناہوں پر طعنہ زنی کی ممانعت | فقیہ ابواللیث کہتے ہیں یہ اس لیے ہے کہ مومن کی نشان نہیں کہ گناہ میں پڑے اور عدا کیا کرے چنانچہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے "اور ناپسند کر دیا تمہاری طرف کفر اور گناہ اور نافرمانی" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ہم نے مومنوں پر معصیت کو ناپسند کر دیا ہے پس مومن گناہیں نہیں پڑتا جبکہ اُس کا ایمان حقیقی ہو صرف زبانی نہ ہو مگر حالت عقلمندی میں پس جب اُس نے اُس سے توبہ کر لی تو طعنہ زنی کرنا جائز نہیں۔

سٹر سٹھویں مجلس ہوشیار اور احمق کے حال کے بیان میں

سقل مند اور بے وقوف لوگ | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوشیار وہ ہے جو اپنی جان کو

ایک باری تعالیٰ کا یہ قول ہے مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ تَوْجِبُہُ جَوْمُہَا رَسْمٌ پَسْ ہُ
ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور یہ قول اللہ تعالیٰ کا وَالْآخِرَةُ
خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ تَوْجِبُہُ اور آخرت بہتر ہے اور زیادہ رہنے والی اور یہ آیت وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ
الْفَرْدُ تَوْجِبُہُ اور نہیں ہے دنیا کا جینا مگر پونجی دغا کی۔ پس نبی علیہ السلام نے اس کی خبر
کفار کی جماعتوں کو سنائی پس انہوں نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور کوئی دلیل
آپ سے طلب نہ کی اور یہ ایسا ایمان ہے کہ عوام لوگوں کو دھوکے سے نکال دیتا ہے۔

یہی تصدیق برہانی سو وہ یہ ہے کہ اُس قیاس کے فساد کی وجہ معلوم کرے جو ابلیس نے اپنے
دل میں مرتب کیا تھا کیونکہ یہی ہر دھوکے میں آنے والے کے دھوکے کا سبب ہوتا ہے اور وہی
سبب اس کی دلیل ہوتی ہے اور ہر دلیل ایک طرح کا قیاس ہوتا ہے جو دل میں آتا ہے اور اس پر
اطمینان کا باعث ہوتا ہے اگرچہ قیاس والے کو اس کی خبر نہ ہو اور علماء کی عبارت میں اُس کو مرتب
کرنے پر قادر نہ ہو۔

شیطان کے دھوکے کا ایک انداز اور اس میں غلطی پس وہ قیاس جو شیطان نے اس مغرور کے دل میں
مرتب کیا ہے دو اصل سے مرکب ہے ایک یہ کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار ہے اور یہ صحیح ہے
اور دوسری یہ کہ نقد ادھار سے بہتر ہے اور یہ دھوکے کی جگہ سے کیونکہ مطلقاً یوں نہیں ہے بلکہ نقد اگر
مقدار اور مقصود میں برابر ہو جب تو نقد اُس سے بہتر ہے اگر نہ نقد ادھار سے کم ہو تو پھر نقد
سے ادھار بہتر ہے کیونکہ یہ معزور اپنی تجارت میں ایک روپیہ نقد خرچ کرتا ہے تاکہ روپیہ آئندہ کو
حاصل کرے اور یہ نہیں کہتا کہ نقد ادھار سے بہتر ہے اور ایسے ہی اگر طبیعت میوے اور لذیذ
کھانوں سے منع کر دے تو آئندہ کی تکلیف مرض کے خوف سے فی الحال چھوڑ دیتا اور سب
تاجر دریا کا سفر کرتے ہیں آئندہ کی منفعت اور آرام اور لذت کے لیے بالفعل سفر کی مشقتیں
گوارا کرتے ہیں پس جبکہ آئندہ کے دس موجودہ ایک سے بہتر ہوئے اور ایسے ہی آئندہ کی
منفعت اور راحت اور لذت موجودہ الم اور مشقت سے بہتر ہوئی تو دنیا کی لذت اور راحت کا
دنیا کی مدت آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قیاس کرو اس لیے کہ انسان کی غایت سے غایت
عمر سو برس کی ہوتی ہے اس سے بہت کم بڑھنے پاتا ہے اور یہ مدت آخرت کی ہزار دہائی حصے کا
سواں حصہ بھی نہیں ہے گو یا اس نے ایک کو دس لاکھ لینے کے لیے ترک کیا بلکہ بے انتہا لینے کے
واسطے یہ تو باعتبار وقت کے ہے اور رہا باعتبار نوعیت کے سو دنیا کی لذتیں طرح طرح کی
تکلیفوں اور سختیوں سے نکل رہی ہیں اور آخرت کی لذتیں صاف اور بے کدورت ہیں لہذا اس کی غلطی
اس قول میں صاف ظاہر ہوتی ہے کہ نقد ادھار سے بہتر ہے۔

شیطان کے دھوکا دینے کا دوسرا انداز اور اس کی غلطی | اور اس وقت شیطان ایک اور قیاس کی طرف رجوع ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یقین شک سے بہتر ہے اور دنیا یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے لہذا یقین کو ترک نہ کرنا چاہیے اور یہ قیاس پہلے سے بھی زیادہ فاسد ہے کیونکہ اس کی دونوں اصلیں باطل ہیں اس لیے کہ یقین جب ہی بہتر ہوتا ہے جبکہ شک کی طرح ہو مطلقاً نہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ سوداگر مشقت میں تو یقیناً ہے اور فائدہ ہونے میں شک ہے اور ایسے ہی بیمار کڑوی بد مزہ دوا پیتا ہے اور وہ تلخی دوا کے اعتبار سے تو یقین پر ہے اور صحتیاب ہونے میں شک پر ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ کڑوی دوا کا رنج بہ نسبت زیادتی مرض کی تکلیف کے کم ہے جو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے پھر جس کو آخرت کی بات میں شک ہو تو اس کو وہاں تک کہ یوں کہے کہ چند روز یعنی آخر حیات تک صبر کرنا بہ نسبت اُس کے مقابل یعنی آخرت کے کمتر ہے پس اگر وہ باتیں جو آخرت کے بارے میں لوگ کہتے ہیں جھوٹ نکلیں تو میرا سوائے عیش زندگانی کے اور کچھ نہیں گیا اور میں ازل سے اب تک نابود ہی تھا سو میں سمجھوں گا کہ میں معدوم ہی رہا اور عیش نہیں کیا اور اگر وہ باتیں جو اس بارے میں کہتے ہیں سچ ہوئیں تو میں زمانہ دراز تک آگ میں رہوں گا اور اس مصیبت کی طاقت ہرگز نہیں ہے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک لمحہ منکر آخرت سے کہا تھا کہ جو تو کہتا ہے اگر سچ ہو تو تم بھی بچھاؤ رہم بھی بچے اور اگر ہمارا قول حق ہو تو ہم بچے اور تم ہلاک ہوئے اور یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کا آخرت میں شک کی راہ سے نہ تھا بلکہ لمحہ سے اُس کی عقل کے موافق کلام کیا اور اُس کو ظاہر کر دیا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے جب بھی وہ دھوکے میں ہے۔

آخرت مومن کے نزدیک یقینی ہے | اور اس قیاس کی دوسری اصل یعنی آخرت مشکوک ہے یہ بھی باطل ہے اس لیے کہ مومن کے نزدیک تو یقینی ہے اور اس کا ایمان شیطان کے فریب کو دفع کرتا ہے مگر اتنا ہے کہ اُس نے جب احکام الہی کو چھوڑ دیا اور اعمالِ صالحہ کو ضائع کیا اور معاصی اور منکرات میں مبتلا ہوا تو اس دھوکے میں وہ کفار کا شریک ہو گیا کیونکہ اگرچہ وہ آخرت کو دنیا سے بہتر ہونیکا اقرار کرتا ہے لیکن وہ دنیا کی طرف راغب ہو گیا ہے اور دنیا کو آخرت پر پسند کر لیا ہے اور اس بات کا مستحق ہوا ہے کہ کفار کی طرح دوزخی ہو لیکن اس کا حال خفیف ہوگا۔

کامل نجاتِ آخروی کے لیے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی اہمیت | کیونکہ اصل ایمان عذابِ ابدی سے اس کو بچائے گا اور دوزخ سے اُس کو نکال دے گا اگرچہ کچھ بدت کے بعد بھی اتنا فائدہ تو مطلق ایمان کا ہے۔

اور رہا مفسود میں کامیاب ہونا سو اُس میں صرف ایمان کافی نہیں ہے بلکہ اُس کے ساتھ عمل کا ملنا بھی ضروری ہے چنانچہ قرآن کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک یہ ارشاد:

الہی ہے قرآنی لَقَفَّارًا لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ترجمہ اور میں بہشت بخشے والا ہوں اُسے جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کئے بھلے کام پھر راہ پر رہا اور نیز یہ آیت اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ ترجمہ بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیکی والوں سے اور نیز آیت وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِۦٓ اَلْاَكْفَرُ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۝ ترجمہ تم ہے عصر کے وقت کی بے شک انسان ٹوٹے ہیں سے گروہ جو یقین لئے اور بھلے کام کو سے۔

پس کتاب اللہ میں بخشش کا وعدہ ایمان اور عمل صالح دونوں پر موقوف ہے مطلق ایمان پر نہیں۔ دنیا سے دھوکا کھانے والے لوگ | پس جس نے زبان سے یہ اقرار کیا کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے پھر عمل خیر ترک کئے اور معاصی میں مشغول ہوا تو وہ دنیا سے دھوکا کھانے والوں اور اس سے محبت کرنے والوں اور موت کو اس وجہ سے بڑا جاننے والوں میں سے ہے کہ لذات دنیا چھٹ جھائیں گی لہذا آخرت کے پھٹنے اور عذاب آخرت کے خوف سے موت کو بڑا سمجھنے والا نہیں ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات دنیا نے دھوکا دیا ہے اور آخرت سے وہ لوگ بخبر ہیں۔

اور رہے وہ لوگ جن کو شیطان نے اللہ تعالیٰ کے متعلق دھوکے میں ڈالا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان میں سستی کرتے ہیں اور منکرات میں مشغول رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کریم اور رحیم ہے تم کو اس کی رحمت اور مغفرت کی امید ہے اور یہ کلام اگرچہ حقیقت میں صحیح ہے دل آس کو مانتے ہیں لیکن انسان کو شیطان ایسی ہی بات سے بہکاتا ہے جو ظاہر میں مقبول ہو اور باطن میں مردود اور اگر وہ ظاہرات میں پسندیدہ نہ ہو تو اس سے دل فریب نہ فہتے نیکن نبی علیہ السلام نے اس فریب کو اپنے اس ارشاد سے کھول دیا کہ ہوشیار وہ ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو ہوا ڈھوس کے پیچھے لگا دے اور اللہ سے آرزو میں کرے اور یہ آرزو میں پکانا ہی دھوکا ہے جس کا شیطان نے بدل کر امید نام رکھا ہے یہاں تک کہ بہتیرے لوگوں کو اس سے فریب دیا ہے۔

رجا یعنی امید کا حقیقی مفہوم | اور رجا کی شرح تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے خود کر دی ہے۔
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَاٰتٰى سَبِيْلَ اللّٰهِ اَوْلِيَّآئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ ۝ ترجمہ وہ لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور مجاہدہ کیا اللہ کی راہ میں وہ ہی امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے کسی نے حضرت حسن رضی سے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے عمل خیر ضائع کرتے رہتے ہیں تو انہوں نے کہا افسوس افسوس یہ ان کی محض آرزو میں ہے کہ ان کی فکر میں پڑے ہیں جو شخص کسی شے کی امید رکھتا ہے تو اس کو طلب کرتا ہے اور جو کسی بات سے ڈرتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے اور جیسے دنیا میں کھیتی بدون بونے نہیں اگتی ایسے ہی آخرت میں

اجرا اور ثواب بدون ایمان اور عمل کے نہیں ملتا اور جیسے وہ شخص نادان ہے جو اولاد کی امید رکھے اور نکاح نہ کرے یا نکاح تو کرے اور صحبت نہ کرے یا جماع کرے لیکن منزل نہ ہو ایسے ہی وہ شخص نادان ہے جو اللہ کی رحمت کی امید رکھے اور ایمان نہ لائے اور عمل صالح نہ کرے یا اعمال صالح کرے اور بُرائیاں نہ چھوڑے اور جیسے جو شخص نکاح کرے اور جماع کرے اور منزل ہو تو اُس کو لائق ہے کہ اولاد ہونے کی امید رکھے اور نہ ہونے کا خوف بھی کرے اسی طرح جو ایمان لایا اور اعمال نیک کئے اور بُرائیاں چھوڑ دیں تو اُس کو لائق ہے کہ اجرا اور ثواب ملنے کا امیدوار رہے اور نہ ملنے کا خوف رکھے۔

مومن پر گناہوں سے توبہ کبھی ساتھ یہ بھی واجب ہے کہ خوف ورجا کے درمیان رہے نا امید نہ ہو پس مومن پر یہ واجب ہے کہ بُرائیوں سے توبہ کرے اور طاعت پر بدادمت کرے پھر خوف اور رجاء دونوں کے درمیان میں رہے اور نہ اللہ کی رحمت سے نا امید ہو اور نہ عذاب الہی سے بے خوف ہو کیونکہ ایسے شخص کے دل میں جو گناہوں میں ڈوبا ہو کبھی توبہ کا خیال آتا ہے تو اُس سے شیطان کتنا ہے تیری توبہ ایسے ایسے گناہوں کے ساتھ کیوں کر قبول ہوگی پس ایسی حالت میں ناامیدی کو امید سے دفع کرنا واجب ہے اور یہ کہے کہ بے شک اللہ کریم اور رحیم ہے اور توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَرَجَمَ** اور میں اللہ بخش دیتا ہوں جو توبہ کرے اور توبہ قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے اور فرمایا ہے **وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ** اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے ہے۔

توبہ امید ورجا اور دھوکے کی حقیقت | کیونکہ توبہ ایسی عبادت ہے جو سب چھوٹے بڑے گناہوں کو دور کر دیتی ہے یہاں تک کہ کفر کو بھی بخلافت اور عبادت کے کہ وہ صرف گناہ صغیرہ کو دور کرتی ہیں پس جو شخص توبہ کرے بخشش کی امید رکھے تو وہ امیدوار ہے اور جو گناہ پر اڑا رہے بخشش کی توقع کرے وہ مغرور ہے اور جو توقع توبہ اور عبادت میں مستعدی کا سبب ہو وہ رجبا ہے اور جو توقع عبادت میں سستی اور بیہودگی کی طرف رغبت کا سبب ہو وہ دھوکا ہے کیونکہ جس کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور عبادت میں مشغول ہو تو شیطان اُس سے کہتا ہے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنی جان کو تکلیف اور عذاب دیتا ہے تیرا پروردگار تو کریم اور غفور اور رحیم ہے سو اس فریب میں اگر وہ توبہ اور عبادت سے باز رہتا ہے پس یہی تو دھوکا ہے اور ایسی حالت میں بندہ پر واجب ہے کہ خوف سے کام لے اور اپنے نفس کو غضب الہی اور اُس کے بڑے عذاب سے ڈرانے اور اس سے یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے گناہوں کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اسی طرح وہ سخت عذاب والا بھی ہے اور وہ کریم اور رحیم ہونے کے ساتھ ہی کفار کو دوزخ میں ہمیشہ کے لیے ڈالیگا

باوجودیکہ ان کا کفر اُس کو کچھ مفسر نہیں بلکہ دنیا میں اپنے بندوں پر عذاب اور محنت اور دکھ اور بیماری اور فقیری اور بھوک مقرر کر رکھی ہے باوجودیکہ وہ کریم اور رحیم اور ان کے دور کرنے پر قادر ہے پس جس کا بندوں کے حق میں یہ طرز ہو تو اس سے بندہ کیسے دھوکا کھا جاتا ہے اور اس سے نہیں ڈرتا ہے اور حالانکہ وہ اپنے عقاب سے ڈرا ہی چکا ہے۔

اور اس زمانہ میں اکثر لوگوں کی امید عمل میں سستی اور دنیا پر متوجہ ہونے اور طاعت الہی سے منہ پھیرنے اور آخرت کے لیے سعی چھوڑ دینے کا سبب ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ دھوکا ہے امید نہیں ہے اور نبی علیہ السلام خبر بھی دے چکے ہیں کہ دھوکا عنقریب اس امت کے آخری لوگوں پر غالب آئے گا۔

امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ ہو گئی کیونکہ اول زمانہ میں لوگ ہمیشہ طاعت اور عبادت میں لگے رہتے تھے اور شہوات اور شہوات سے خوب بچتے تھے اور اس پر بھی انہیں متعلق ڈرا کرتے تھے اور تنہائی میں رو یا کرتے تھے اور اب آج کل تمام مخلوق کو مطمئن خوش و خرم بے خوف و ہراس دیکھو گے باوجودیکہ گناہوں پر اڑے ہوئے اور دنیا میں کیسے ہوئے اور طاعت الہی سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی نعمت فراخ ہے اور اُس کی رحمت عام ہے۔ اور بندوں کے معاصی کی اُس کے دریاے مغفرت کے سامنے کیا اصل ہے اور اپنی اس تمتا اور دھوکے کا نام رجا رکھ چھوڑا ہے اور کہتے ہیں کہ رجا دین میں پسندیدہ مقام ہے پس گویا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل کے متعلق وہ کچھ جانتے ہیں جو انبیاء اور صحابہ رزق اور سلف صالحین بھی نہیں جانتے تھے۔

اگر سچوں مجلس تقوے اور حسن خلق کی فضیلت اور دولت کی حقیقت بیان میں

سعادت ابدی کا سبب | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تم جانتے ہو کیا چیز جنت میں لوگوں کو زیادہ لے جائے گی! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اچھے اخلاق۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہ رزق نے روایت کیا ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ اکثر سعادت ابدی کا سبب ان دولتوں و خصلتوں کے جمع کرنے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ تقوے سے خالق کے ساتھ خوبی معاملہ کی طرف اشارہ ہے اور حسن خلق سے مخلوق کے ساتھ خوش معاملہ کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس بنا پر اُس شخص کو جو یہ جانتا ہے کہ سعادت دنیوی فانی اور سعادت اخروی باقی ہے مناسب ہے کہ سعادت اخروی کو سعادت دنیوی کے مقابلے میں پسند کرے۔

سعادت اخروی کے لیے تقویٰ کی شرط اور سعادت اخروی تقویٰ الہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جن خلق کا تقویٰ الہی کے ساتھ علیحدہ ذکر کیا ہے لیکن درحقیقت وہ بھی تقویٰ ہی میں داخل ہے اس لیے کہ تقویٰ سے مراد برائیوں اور منع کی ہوئی باتوں سے بچنا اور اچھے کام اور خدا کے حکم کو بجالانا ہے اور اسی سے دنیا اور آخرت کی سب خوبیاں حاصل ہوتی ہیں۔

دنیا کی خوبیاں | پھر دنیا کی نیکیاں تو ان میں سے ایک حفاظت اور نگہبانی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَإِنْ تَصِيبُوا وَادْتَقُوا إِلَّا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا تَوْحِيًا** اور اگر تم صبر کرو اور ڈرتے رہو تو کچھ نہ بگاڑے گا تمہارا ان کا فریب۔ اور ان میں سے ایک سختیوں سے نجات اور رزق جلال پانا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** توجہ جو کوئی ڈرتا ہے اللہ سے وہ اس کی سبیل کر دے گا اور روزی دیگا اس کو جہاں سے اس کو خیال نہ ہو۔

آخرت کی نیکیاں اور بھلائیاں | رہیں آخرت کی نیکیاں تو ان میں سے ایک عمل کی درستی سے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَتَوَلَّوْا أَهْوَالَ سِدِّ يَدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ** توجہ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور کھٹیک بات سنو اور دے گا تمہارے لیے تمہارے کام۔ اور ایک ان میں سے عمل کا قبول ہونا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **أَنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ** توجہ اللہ قبول کرتا ہے صرف تقویٰ والوں سے۔ اور ایک ان میں سے اکرام اور عزت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَى اللَّهَ** توجہ بیشک زیادہ باعزت اللہ کے نزدیک زیادہ تقویٰ والا ہے اور ایک ان میں سے خوشخبری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَبِئْسَ الْآخِرَةُ** توجہ وہ لوگ جو یقین لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے خوشخبری ہے حیات دنیا میں اور آخرت میں اور ایک ان میں سے دوزخ سے نجات پانا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ثُمَّ نَزَّلْنَا الْبُحْرَىٰ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ** توجہ پھر بچائیں گے ہم ان کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے گنہگاروں کو اس میں گنہگاروں کے بل اور ایک ان میں سے ہمیشہ جنت میں رہنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **لَكِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ** توجہ خلیدین فیہا ج توجہ اللہ محبت کرتا ہے تقویٰ والوں سے۔

تقویٰ کی فضیلت | اور اگر تقویٰ میں درجہ محبت پانے کے سوا کوئی اور بات نہ ہوتی جب ہی کافی پھر ایسی حالت میں کہ درجہ محبت پانے کے سوا اس میں اور بھی بہت سے اوصاف ہیں اور قرآن ان کے ذکر سے بھرا ہے بندہ کیونکہ تقویٰ الہی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ

نے ایک آیت میں فرمایا ہے **اللَّهُ وَبِئِی الْمُتَّقِیْنَ الشُّرْفِیْقِ** ہے ڈرنے والوں کا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا **وَأَذَلِّقْنَا الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِیْنَ** اور نزدیک لائی گئی بہشت ڈرانے والوں کے، اور اس کے علاوہ اور آیتیں جو تقویٰ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں پس بے شک اللہ تعالیٰ نے انگوٹوں اور پھلوں کو اسی کی وصیت کی ہے چنانچہ فرمایا ہے **وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ** ترجمہ اور بیشک ہم نے وصیت کی ہے ان کو جو دئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو کہ ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور حاصل یہ ہے کہ تقویٰ تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔

تقویٰ کے معنی اور مفہوم اور تقویٰ لغت میں بہت بچنے کا نام ہے اور عرفِ شرع میں اُس چیز سے بچنا مراد ہے جو آخرت میں مضر ہو فعل ہو یا ترک پس اس کے حاصل کرنے کے واسطے کبار سے بچنا بالاتفاق لازم ہے اور بعضوں کے نزدیک تقویٰ حاصل کرنے کے لیے صغیرہ گناہوں سے بھی بچنا ضروری ہے اور یہی حق ہے، اور بعضے کہتے ہیں کہ صغائر سے اجتناب ضروری نہیں کیونکہ صغائر کبار سے بچنے والے سے خود دور کر دئے جاتے ہیں لہذا بندہ اس سے مستحق عقوبت نہیں ہوتا۔ خداوند تعالیٰ کا خودیہ ارشاد ہے **إِنْ تَجِدُوا الْكِبْرَ مَا تَهْتَكُونَ عَنْهُ نَكْفُرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ تَوَجَّه** اگر تم بچتے رہو گے بڑی اُن چیزوں سے جس سے تم منع کئے جاتے ہو تو ہم دور کر دیں گے تمہارے گناہ۔

تقویٰ کی حقیقت لیکن یہ غلطی ہے اہل سنت والجماعت کے قواعد کے خلاف ہے کیونکہ اُن کے نزدیک اگرچہ آدمی کبار سے بچتا ہو صغیرہ گناہوں پر عذاب ہونا جائز ہے اس لیے کہ بعض مفسرین نے اس آیت میں کبار کو اقسامِ شرک پر محمول کیا ہے جیسے یہود اور نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کا شرک کیونکہ مطلق سے قرینہ نہ ہونے کے وقت فردِ کامل مراد لیا جاتا ہے اور وہ شرک ہے اور اس سے بچنے سے اور گناہوں کا کفارہ ہو جانا متعین نہیں بلکہ اس آیت کے مطابق مشیتِ الہی میں باقی رہتا ہے **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** ترجمہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا ہے اُس کو کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جس کو چاہتا ہے۔ باوجودیکہ صغائر پر جے رہنا بھی کبیرہ ہے اور اب تو کفارہ نہ ہوگا بلکہ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

اور عظیمیہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بندہ اس وقت تک متعین کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اُن چیزوں کے خوف سے جن کے کرنے میں حرج ہے اُن کو نہیں بھوڑے جن میں کچھ حرج نہیں اور یہ حدیث تقویٰ حاصل کرنے کے لیے صغیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہونے میں صریح ہے کیونکہ کبار سے بچنے والے کے حق میں ان کا کفارہ ہو جانے کی صورت میں

صغائر ان چیزوں ہی میں سے ہوں گے جن کے کرنے میں مضائقہ نہیں لہذا ان سے بچنا ضروری ہوا
 باوجودیکہ لغوی معنی کی رعایت یعنی خوب احتیاط کرنا شرعی معنوں میں حتی الامکان ضروری ہے
 اور خوب احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ کباڑ اور شہات سے بھی بچے لیکن اس زمانے میں تمامی شہات
 سے احتراز نہیں ہو سکتا چنانچہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ ہمارا زمانہ شہات سے
 بچنے کا زمانہ نہیں ہے مسلم کے ذمے یہی ہے کہ حرام ظاہر سے پرہیز رکھے اور ایسے ہی صاحبِ ہدایہ
 نے تجنیس میں لکھا ہے اور ان دونوں کا زمانہ سید محمد چوسو سے پہلے ہے اور اب تو تاریخ جہاں تک
 پہنچی پہنچی اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ عہد نبوت سے فاصلہ بڑھنے میں نشاد اور تغیر بڑھتے ہی
 جاتے ہیں۔

اس زمانہ میں شہات سے احتراز نہ ہو سکنے کے اسباب اور اس زمانہ میں شہات سے احتراز نہ
 ہو سکنے کا بہب کئی باتیں ہیں

اول یہ کہ بدن کی تندرستی اور گزران کا انتظام بدون نقد و اور غلہ وغیرہ کے جو زمین سے پیدا
 ہوتا ہے نہیں ہوتا اور اکثر معاملات کے کرنے اور توڑنے میں ملین و راسم ہی کا ہے اور ان کو
 اس قدر کم کر ڈالا ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان میں سے کتنے کے درہم ایک درہم شرعی کے وزن کے
 برابر ہوتے ہیں بلکہ لالچی فردا یہ فاسق اور کفار ہمیشہ درہم کو کترتے ہی باتے ہیں یہاں تک کہ جس قدر
 کترا جا چکا ہے وہ اس سے زیادہ بے جو بچ رہا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ درہم کو تولنا
 چھوڑ دیا ہے اور ان کو خرید و فروخت اور قرض وغیرہ میں معدودات میں سے ٹھہرا رکھا ہے
 حالانکہ چاندی ہمیشہ کے لیے تصریح شارح کی وجہ سے ایسی شے ہے جس کے وزن کا اعتبار ہے
 لہذا عرف سے نہیں بدل سکتا اس لیے کہ عرف کے معتبر ہونے کی شرط تصریح کا نہ ہونا ہے اور یہی
 مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا اور یہی روایت ظاہر ہے امام ابو یوسفؒ سے اور
 ایک ضعیف روایت امام ابو یوسفؒ سے یہ ہے کہ عرف مطلقاً معتبر ہوتا ہے پس جب ہمیشہ
 کے لیے چاندی کے وزن کا اعتبار ہے تو اس کا وزن بیان کر دینا خرید و فروخت اور قرض میں
 ضروری ہو اس لیے کہ ثمن کی مقدار بیان کر دینا خرید و فروخت وغیرہ کی محنت کے لیے شرط ہے
 اور وزن کی مقدار گننے سے معلوم نہیں ہو سکتی جیسے تولنے سے گنتی کی مقدار معلوم نہیں ہوتی پس
 جب اس کا وزن معلوم نہ ہو تو بیع اور بارہ اور قرض وغیرہ سب فاسد ہو گئے پس جو کمانا اور لونڈی
 بیع فاسد سے خریدی ہے وہ سب قبضہ کے بعد خریدار کی ملک تو ہو جائیں گے لیکن اس کو نہ کھانسی
 چیزوں کا کھالینا حال ہے اور نہ لونڈی سے صحبت کرنا حلال ہے اور اس سے نہ کوئی پیشکار ہے
 اور نہ کوئی سیلہ ہے بجز اس کے کہ اسی ضعیف روایت پر جو امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے اعتماد

کیا جائے کیونکہ گنتی اور تول کا جمع کرنا بہت دشوار ہے خاص کر فقراء کے حق میں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ضرورت ممنوع کو مباح کر دیتی ہے۔

اور دوسرا سبب لوگوں پر طمع کا غالب ہو جانا ہے چنانچہ تم اکثر لوگوں کو دیکھتے ہو کہ اپنے اپنے حقوق پر راستی نہیں ہوتے اور اپنے اپنے حصوں پر قناعت نہیں کرتے بلکہ حرام تک بڑھ جاتے ہیں۔

اور تیسرا سبب خلقت میں ظلم کا پھیل جانا ہے یعنی زبردستی مال چھین لینا چرائینا خیانت اور دغا بازی کرنا اور اسی طرح اور ظلم۔

اور چوتھا سبب سوداگروں اور کاریگروں اور مزدوروں اور شریکداروں پر اصل معاملہ یا علت معاملہ کے بارے میں جہالت کا چھا جانا ہے جس کے سبب سے یہ لوگ شرعی شرطوں کی رعایت اپنے معاملہ میں نہیں کرتے۔

لوگوں کے معاملات کی حالت | پس ایسی حالت میں ان کے معاملات اس سے خالی نہیں کہ یا باطل ہوں گے تو ان کی کمائی حرام ہوگی یا فاسد اور مکروہ ہوں گے تو ان کی کمائی خبیث ہوگی اور حرام قبضہ سے ملک نہیں ہو جاتا بلکہ اگر اس کے مالک کو واپس کر دینا ممکن ہو تو واپس کر دینا واجب ہے اور بدو ان اس کے گنہگار ہوتا ہے اور کسی کو خرید کر یا اجارہ یا سپہ یا صدقہ یا کسی اور طرح سے اس کا لینا جائز نہیں ہے کیونکہ حرام ان باتوں سے حلال نہیں ہوتا اور اگر مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو اس کی صورت بجز صدقہ دے دینے کے اور کوئی نہیں اور خبیث اگرچہ قبضہ کرنے سے ملک ہو جاتا ہے لیکن مالک کو خیرات کر دینا واجب ہے اور اس کے علاوہ اور طرح گنہگار ہوتا ہے اور کسی کو اس کا لینا جائز نہیں ہاں جس کو صدقہ دیا جائے اور وہ فقیر ہو تو مضائقہ نہیں۔

پس جب مخلوق کا یہ حال ہے تو اس زمانے میں شہاب سے بچ کر لوگوں سے معاملہ کرنا کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ اکثر مال جو لوگوں کے قبضہ میں ہیں بعض کے بعض پر ظلموں یعنی غضب یا چوری یا خیانت یا دغا بازی وغیرہ کی وجہ سے یا اپنے معاملات میں شرعی شرائط کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے یا حرام میں یا خبیث۔

آج کے دور میں معاملات کی صورت | پس احتیاطی قول کو لینا اور شہادت سے بچنا اس زمانہ میں یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کیجئے اور ان سے سراسر الگ ہو جانے اور پہاڑوں میں بھاگ جانے اور غاروں اور نالوں کے اندر رہنے اور گھاس پھوس کھانے کو مقتفی ہے اور اس میں بہت بڑا حرج اور طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔ اور شرع کے اندر حسب تصریح قرآن یہ دونوں باتیں نہیں ہیں کیونکہ انسان میں خلقی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملکر رہنے کا مادہ ہے تنہا گزر کرنا

اُس کو ممکن نہیں بلکہ ضروری ہے کہ بسا اوقات لوگوں کے ساتھ ہو۔

پس اسی زمانہ میں لاجمالہ اُسی روایت کو اختیار کرنا چاہیے جو امام محمدؒ اور ان کے پیروں نے مشائخ نے فرمایا ہے کہ غیر کمال اس کی اجازت اور خوشی سے کسی چیز کے بدلہ میں ہو یا بغیر بدلے کے حتیٰ کہ اُس کا خود حرام ہونا معلوم نہ ہو لینا جائز ہے اور ان قواعد مقررہ شروع سے تمسک کیا ہے کہ قبضہ دلیل ملک ہے۔ اور چیزوں میں اصل اباحت ہے اور یقین شک سے دفع نہیں ہوتا یقین اُسی یقین سے جاتا ہے جو اسی کی طرح ہو اور عقود اور فسخ میں مٹن جبکہ نقد روپیہ ہو تو یقین کرنے سے متعین نہیں بلکہ ذمہ پر لازم ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر مٹن نقد کو اشارہ سے متعین کر دے اور اُس کے سوا اور روپیہ دیدے تو جائز ہے برخلاف بیع کے کہ وہ عقد کرنے سے متعین ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اُس کو اور چیز سے بدل لینا اور اُس کی جگہ دوسری دنیا جائز نہیں ہے مگر یہاں پہلا عقد توڑ کر اور دوبارہ عقد کر کے دوسری چیز دے سکتے ہیں۔

اور وہ روایت اختیار کرنا چاہیے جو امام کنھیؒ نے فرمایا ہے۔ اور فقہاء نے تفسیر کی ہے کہ اس زمانہ میں اسی پر فتوے ہے کہ حرام بعینہ سے خریدی ہوئی چیز حلال پاکیزہ مگر اُس صورت میں کہ عقد کرتے وقت اُس کی طرف اشارہ کر دے پھر وہی دے بھی دے بس اب وہ شے ملک خبیث ہوگی اُس کا صدقہ کر دینا واجب ہے اور نیز اُس کو اختیار کرنا چاہیے جو امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ دو چیزوں کا اس طرح بلا دینا کہ ان میں امتیاز باقی نہ رہے ہلاک کر دینا ہے جو ملک اور ضمان کا باعث ہے اور وہ اختیار کرنا چاہیے جو ان سے مروی ہے کہ علت کا سبب ضمان کا لازم آتا ہے نہ اس کا ادا کرنا یاں جو چیز ساری نہ ہو سکے اسے بالکل چھوڑنا بھی نہ چاہیے۔

اس زمانہ میں تقویٰ کا مفہوم اِس تمام شہادت سے بچنا جبکہ اس زمانے میں ممکن نہیں ہے تو ان شہادت سے بچنا جن سے بچنا ممکن ہے ثبوت تقویٰ کے لیے لازم ہے اس واسطے کہ اطاعت طاعت کے موافق ہوتی ہے پھر جو شخص ان شہادت سے بچتا ہے جو اس کی وسعت میں ہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ ان باتوں کو جو اُس کی طاقت میں نہیں معاف کر دے اور اس کو مستیوں کا ثواب عنایت کرے۔

وظیفہ داروں کا اذعان یا بیت المال میں سے لینا سب وہ اور تمام کامیوں کی طرح ہے کیونکہ بیع اور اجارہ وغیرہ کامیوں میں جب شرعی شرطوں کی رعایت کی جائے تو جیسے یہ حلال طیب ہوتا ہے ایسے ہی وقت اگر بیع ہو اور اُس میں وقف کی شرطوں کی رعایت کی جائے تو حلال طیب ہوتا ہے اور ایسے ہی بیت المال اسی کے لیے حلال ہوتا ہے جو اُس کا اہل ہو اور بقدر کنایت لیا کرے اور کنایت کی تفصیل وہی ہے جو کچھ ارباب العلوم

وغیرہ کتب تصوف میں مذکور ہے اور وقت اور بیت المال اور اس کے علاوہ اور کمائیوں میں اس بارہ میں کچھ فرق نہیں ہے کہ سب حلال طیب ہیں اگر ان میں شرائط شرعی کی رعایت کی جائے اور اگر ان میں شرائط شرعی کی رعایت نہ ہو تو حلال نہیں ہیں۔

اور واقعات میں مذکور ہے کہ جو لوگ قاضی ہیں اور مفتی ہیں اور درس و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور بیت المال میں سے کھاتے ہیں سو یہ لوگ ہجرت پر کام کرنے والے نہیں ہیں بلکہ وہ لشکر و بار کرتے ہیں اور ان کا اجر خدا پر ہے اور ایسے ہی جو کچھ امراء بادشاہ اپنے مال میں سے کسی کو دیں وہ حلال ہے جب تک اس کا حرام بعینہ ہو نامعلوم ہو۔

جس رزق کو شریعت برائے کہے وہ حلال ہے | ہاں حلال کے مرتبے بہت ہیں ایک سے بڑھ کر دوسرے سے لیکن ہمارے زمانے میں تقویٰ کے بارے میں احتیاطی قول کو اختیار کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ حلال کے بارہ میں اعلیٰ رتبہ کی پرہیزگاری کے موافق نہایت درجہ کا مبالغہ کرنے سے ہمارے زمانے میں بڑا حرج ہوتا ہے اور دین کے اندر حرج نہیں ہے بلکہ شرع سیدھی ترازو ہے سو جس کو شرع بڑا نہ کہے وہ حلال ہے اللہ کی طرف سے بندوں کے حال پر رحمت ہے اور جب کوئی شریعت سے مندلانے تو پھر یہ کسی کو حق نہیں کہ اس سے انکار کرے کیونکہ اس کا انکار کرنا شریعت کی تحقیر ہے اور جو شخص شرع کی تحقیر کرے تو اس کے ایمان جاتے رہنے کا خوف ہے۔

جب تک حرمت یقینی معلوم نہ ہو تو کھالینا حلال ہے کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے | جب یہ ثابت ہو گیا تو دروغ اور تقوے اس زمانے میں یہ ہے کہ جو چیز جس شخص کے قبضہ میں ہے اسی کی ملک مانی جائے جب تک یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز چھینی ہوئی یا چرائی ہوئی ہے تو اگرچہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کے مال میں حرام بھی ملا جلا ہے اس لیے کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ ایک شخص حاکم کے پاس گیا پس اس کو کوئی کھانے کی چیز دی گئی اگر یہ اس کو نہ معلوم ہو کہ یہی غضب کی ہوئی ہے تو اس کو کھالینا حلال ہے اس لیے کہ اس کی حرمت معلوم نہیں ہے اور اصل اشیاء میں اباحت ہے اور اگر معلوم ہو کہ یہ خاص چیز حرام ہے تو کھالینا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کو حرمت معلوم ہو گئی ہے۔

کسی نے ابو بکر بلخی سے فقیر کا حال پوچھا کہ اس نے اگر عطیہ سلطان کا یہ جان بوجھ کر لیا کہ سلطان نے اس کو چھین کر لیا ہے تو کیا اس کو یہ حلال ہے انہوں نے جواب دیا کہ اگر سلطان نے یہ دراہم دوسرے دراہم میں ملا دئے ہیں تو لینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اگر اس کو خاص وہی چھینے ہوئے درہم بدون ملائے کے دیدئے تو لینا جائز نہیں ہے۔

فقیر ابو لیسٹا کہتے ہیں یہ جواب ابو حنیفہ رحمہ کے قول کی بنا پر درست ہے اس لیے کہ ان کے

مزدیک اگر کسی نے کسی قوم سے دراعم چھین کر ایک دوسرے میں ملا دئے تو غاصب مالک ہو جاتا ہے اور اُن کا قرضدار رہے گا اور لبستان العارفین میں مذکور ہے کہ عطیہ سلطان کے قبول کرنے میں لوگوں کا اختلاف ہے کوئی کہتا ہے جائز ہے جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ یہ حرام کا مال دیتا ہے اور کوئی کہتا ہے جائز نہیں ہے۔

جس نے جائز کیا ہے اُس نے تو وہ اختیار کیا ہے جو حضرت علی ابن ابی طالب رضی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سلطان کے پاس حلال اور حرام سب ہی کچھ آتا ہے پس جو کچھ وہ تجھ کو دیتا ہے سو لے لے کیونکہ تجھ کو حلال ہی دیتا ہے اور حضرت عمر رضی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کو کوئی شخص بے مانگے کچھ دے تو لے لینا چاہیے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے رزق دیا ہے۔

اور حبیب رضی ابن ابی ثابت سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی و ابن عباس رضی کو دیکھا ہے کہ اُن کے پاس مختار کے ہڈے آیا کرتے تھے اور وہ دونوں لے لیتے تھے باوجودیکہ مختار ظلم میں مشہور تھا۔

اور محمد بن الحسن ابو حنیفہ رضی سے اور وہ حماد رضی سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رضی بن عبد اللہ ازدی کے پاس جبکہ وہ حلوان کا حاکم تھا اپنا اور ابو ذر ہمدانی کا وظیفہ لینے گئے امام محمد رضی کہتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی شے عطیہ میں یعنی حرام ہے اور یہی قول ابو حنیفہ رضی کا ہے۔

انہتریں مجلس حلال کمائی کی تلاش لازم ہونے کے بیان میں اور یہ کہ

کوئی کمائی پاک ہے اور کون سی بُری ہے

کسب حلال کی ترغیب فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک سب سے پاکیزہ تمہارا کھانا وہ ہے جو تمہاری کمائی کا ہے اور تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی سے ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ام المومنین حضرت عائشہ رضی سے روایت کیا ہے اور اس میں کسب حلال کی ترغیب ہے اس لیے کہ پاکیزہ سے مراد یہاں حلال ہے اور کسب کے معنی رزق کی تلاش اور کوشش کے ہیں اور اولاد کو کمائی اس واسطے ٹھہرایا کہ باپ کو اس کی طلب ہوتی ہے اور اُس کے حاصل کرنے میں سعی کرتا ہے پس وہ بھی سجدہ اُس کی کمائی کے ہے لہذا اُس کو اولاد کی کمائی میں سے جب کہ محتاج ہو کھا لینا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہاں اگر وہ دل سے خوش ہو تو اور بات ہے۔

کسب معاش کو مکروہ کہنے والوں کا استدلال فقہ ابوالایث نے لبستان العارفین میں کہا ہے یعنی لوگ کہیں

مشغول ہونے کو مکروہ کہتے ہیں اور وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر شخص پر عبادت الہی کا مشغول اور اس پر بھروسہ کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل یہ آیت ہے وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَانَ إِلَّا لِيَعْبُدُنِي ذَرِكَمَا اور نہیں پیدا کیا میں نے جن اور انس کو مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔ اور فرمایا نبی علیہ السلام نے مجھ پر یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کیا کروں اور تا بڑھ جاؤں البتہ یہ وحی آئی ہے اَنْ يَسْتَجِرَ بِحَمْدِكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَقًّا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هذِهِمْ تَرَجَمَہُ کہ تو یاد کرو یہاں اپنے رب کی اور ہو جا سجدہ کرنے والوں میں سے اور بندگی کر اپنے رب کی یہاں تک کہ تجھ کو موت آجائے۔

محنت مزدوری کی شرعی حیثیت اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ اتنی مزدوری کہ اُس کو اور اُس کے عیال کو کافی ہو واجب ہے اگر اس سے زیادہ ہو تو مباح اور زیادہ کی تلاش حرام نہیں ہے بشرطیکہ اُس سے خیر اور یا مقصود نہ ہو اور ان لوگوں کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شک فرائض و فرائض پر مقرر کئے ہیں اور اُن کا ادا کرنا بدون ستر عورت اور قوت بدن کے ممکن نہیں اور ستر عورت بدون پوشاک کے اور بدن کی قوت بغیر کھانے پینے نہیں ہو سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا جَعَلَهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ تَرَجَمَہُ اور ہم نے ایسے بدن نہیں بنائے کہ کھانا نہ کھائیں۔ اور عیسٰی آنا قوت اور لباس کا اکثر اوقات بدون کسب کے نہیں ہوتا۔

اور جو دلیل اس کے انکار میں مذکور ہوئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یوں کہیں کہ تجارت یا تو طلب کفایت کے لیے ہے یا قدر کفایت سے زیادہ کے لیے پس اگر طلب کفایت کے لیے ہے تو یہ واجب ہے اس کے کرنے والے کو ثواب دیا جاتا ہے لہذا اس میں مشغول ہونا عبادت میں مشغول ہونا ہے اور اگر طلب زیادت کے لیے ہے تو اگر وہ زیادتی کی طلب کثرت مال اور اس کے جمع کرنے کے لیے ہو نہ خیرات اور حسنات میں خرچ کرنے کے لیے تو یہ دنیا کی طرف توجہ ہے جس کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے پس اس میں مشغولی عبادت کی مشغولی نہیں ہے بلکہ اگر اس میں کچھ فریب اور خیانت ہو تو فسق اور ظلم ہے اور اگر یہ طلب اس لیے ہے کہ اس مال سے فقرا اور ضعفاء کے ساتھ ہمدردی کریں تو یہ مشغول عبادت بدنیہ نفلوں وغیرہ کے پڑھنے سے افضل ہے۔

انبیاء علیہم السلام بھی کھاتے تھے پھر کھیلایہ مشغول کیونکہ عبادت کا مشغول نہ ہو گا حالانکہ اختیار میں مذکور ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کھانا کرتے تھے اور اپنی کمائی سے کھاتے تھے۔ پس آدم علیہ السلام نے تو گیہوں بوسے اور اسی کو سینچا اور کھانا اور پیسا اور گوندھا اور پکایا اور کھایا۔ اور نوح علیہ السلام بڑھتی کا پیشہ کیا کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام بزازی کرتے تھے اور داؤد نبی علیہ السلام زرہ بنانا کرتے تھے اور سلیمان نبی علیہ السلام برگ خرا کی زنبیل بنایا کرتے تھے اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں اور احمیاء العلوم میں مذکور ہے کہ اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم بڑی اور بھری

تقوے کی باتیں دین کے لیے عزت نشینوں سے کبھی دور نہیں ہوتیں ان کا حال خواہ کیسا ہی بدلتا رہے کیونکہ وہ لوگ اسی میں اپنی نجات اور فائدہ دیکھتے ہیں اور اسی سے ان کی زندگی اور آرام ہے ایک مسلمان تاجر کا طرز عمل اور تجارت میں اپنی جان پر شفقت کئی امور کی رعایت کرنے سے پوری ہوتی ہے۔

اول یہ کہ اس نیت سے کمائے کہ سوال کرنے سے بچتا رہے اور لوگوں کی طرف طمع نہ ہو اور دین کی مدد کرتا رہے اور اپنے عیال کی خیر گیری کرے تاکہ مجاہدوں میں داخل ہوئے جیسا کہ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے عیال کی خیر گیری حلال مال سے کرے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے پس جب اپنے دل میں یہ نیتیں کرے گا تو آخرت کی راہ کا عامل ہوگا پھر اگر اس کو مال ہاتھ لگ گیا تو دنیا اور آخرت دونوں میں نفع ملا اور اگر مال حاصل نہ ہوا تو آخرت ہی کا فائدہ ہو۔

اور دوسرے یہ کہ اپنے پیشے اور تجارت سے فرض کفایہ میں سے ایک فرض کے ادا کرنے کی نیت کرے اس لیے کہ اگر تمام پیشے اور تجارتیں چھوڑ دی جائیں تو طریق بسر اوقات باطل ہو جائے اور خلقت ہلاک ہو جائے کیونکہ سب کی معیشت کا انتظام ایک دوسرے کی امداد اور ہر فرقہ کی ایک ایک عمل کی ذمہ داری سے ہے اس لیے کہ اگر سب ایک ہی پیشے پر جھک پڑیں تو باقی پیشے بے کار رہیں اور لوگ ہلاک ہو جائیں لیکن بعضے پیشے تو ضروری ہوتے ہیں اور بعضوں کی اس لیے چند ضرورتیں نہیں ہوتی کہ وہ دنیا کا عیش اور سنگار ہے تو لائق یہ ہے کہ ضروری پیشے کو اختیار کرے تاکہ اس پیشے کے اختیار کرنے میں ضروریات دین میں سب مسلمانوں کا حاجت روا ہو اور نقاشی اور زرگری اور تمام وہ پیشے جن میں محض دنیا کی زیب و زینت ہے اختیار نہ کرے۔ اور اختیار میں مذکور ہے کہ سب سے عمدہ کمائی کی صورت تجارت ہے پھر کھیتی پھر ہاتھ کی کار گیری، چنانچہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "پیشہ فقیری کا بچاؤ ہے" اور بعضوں نے تجارت سے کھیتی کو بہتر کہا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے نہیں دیا مسلمان نے کوئی کھیت اور ہمیں لگایا کوئی درخت پس اس میں سے کسی انسان یا چوپایہ یا پرندہ نے کھایا مگر اس کے لیے صدقہ ہوگا۔

اور تیسرے یہ کہ اس کو دنیا کا بازار اور شہر کی بازار یعنی مسجد سے نہ روک رکھے پس اس کو یوں چاہیے کہ دن کا پہلا حصہ بازار جانے تک آخرت کے لیے مقرر کرے پس اس وقت میں مسجد کے اندر بیٹھا ہوا ذکر اور وظیفہ میں مشغول رہے تاکہ ان لوگوں میں داخل ہو جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
 فِي بُيُوتٍ اٰذِنَ اللّٰهُ اَنْ تَرْفَعَ وَيَدُّكُورُ فِيهَا سَمْعُهُ يَسْمَعُ كَهٗ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاَصَالِ

رِجَالٌ لَّا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللَّهِ ۗ تَرْجِمُهُمُ أَنْ گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کے بند کئے جانے کا اور وہاں اُس کا نام پڑھے جانے کا یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام وہ مرد کہ نہیں غافل کرتی ہے اُن کو سوداگری اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے پھر جس وقت ظہر اور عصر کی اذان سنا کرے تو چاہیے کہ اپنے دھندے سے فارغ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو اور جس میں لگا تھا سب چھوڑ دے اس لیے کہ اول وقت امام کے ساتھ تکبیر ادا کرنے کا جو ثواب فوت ہو گا اس کے برابر دنیا اور کائنات دنیا نہیں ہو سکتی اور اس قول اللہ کی تفسیر میں رِجَالٌ لَّا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللَّهِ تَرْجِمُهُمُ وہ لوگ کہ نہیں غافل کرتی ہے ان کو سوداگری اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

دنیا کی تجارت آخرت کی تجارت کے خسارے کا سبب نہ بنے | یہ آیا ہے کہ وہ لوگ لوہار اور موچی تھے اور ہر ایک کا یہ حال تھا کہ ہتھوڑا اٹھایا یا سوتالی چھوٹی اور اذان سن پائی تو نہ سوتالی نکالتا تھا اور نہ ہتھوڑا مارتا تھا بلکہ پھینک پھینک کر نماز کو اٹھ کھڑا ہوتا تھا اور اُس شخص کی تجارت جو محض طلب کفایت کے لیے کرے دنیا میں عیش کی غرض سے نہ ہو ایسی ہی ہوتی ہے کیونکہ ایسا شخص دنیا کی تجارت کرتا ہے اور اپنی تجارت میں اپنا دین ضائع نہیں کرتا اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ آخرت کا فائدہ بہ نسبت دنیا کے فائدہ کے بدرجہ ادا لے طلب کے لائق ہے کیونکہ جو شخص دنیا کو آخرت کی امداد کے واسطے حاصل کرے وہ آخرت کا فائدہ کیونکر چھوڑ دے بلکہ اُس کو یوں لازم ہے کہ بازار اور تجارت کا بہت لالچ نہ کرے کہ بازار میں سب سے پہلے جایا کرے اور سب سے پیچھے آیا کرے کیونکہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابلیس اپنے لڑکے زانیور سے یہ کہتا ہے کہ تو اپنی کتاب لے کر بازار میں جا اور وعدہ خلائی اور جھوٹا اور فریب دہکراؤ ان کے سامنے اچھا کر کے پیش کر اور اُس شخص کے ساتھ رہ جو بازار میں سب سے پہلے آئے اور سب سے پیچھے وہاں سے جائے

سب سے بری جگہ بازار اور اس سے بچنے کا طریقہ | اور حدیث میں ہے کہ سب سے بری جگہ بازار ہیں اور سب سے برا وہ بازاری شخص ہے جو سب سے پہلے آئے اور سب سے پیچھے جائے اور اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھتا رہے کہ کس قدر وقت اس کو کسب کفایت کے لیے کافی ہو گا پس جب اتنے وقت میں کام کر چکے تو چلا آئے اور آخرت کی تجارت میں لگ جائے پہلے زمانے کے صلحاء ایسا ہی کیا کرتے تھے پس ان میں سے بعض تو ظہر کے بعد ہی چلے آتے تھے اور کوئی عصر کے بعد چلا آتا تھا اور کوئی ہفتہ بھر میں بجز ایک یا دو روز کے کام نہ کرتا تھا اور اسی پر اکتفا کرتے تھے۔

تجارت میں ظلم کا مطلب اور اس سے بچنے کا حکم | پھر پیشہ ور کو چاہئے کہ اپنے معاملہ میں عدل کا لحاظ رکھے اور ظلم سے بچتا رہے اس لیے کہ بعض وقت معاملہ ایسے طور پر ہوتا ہے کہ گو مفتی اسکی صحت اور انعقاد کا حکم لگاتا ہے لیکن اس میں ظلم ہوتا ہے جس سے کرنے والے پر غضب الہی پیش آتا ہے اس لیے کہ ہر نہی و نہی کا عقیدہ مقتضی نہیں ہوتی اور ظلم سے وہ بات مراد ہے جس میں غیر کا نقصان مطلوب ہو لہذا ہر بات جس میں غیر کا نقصان ہو وہ ظلم ہے اور عدل وہی ہے جس سے کسی کو کچھ نقصان نہ ہو اور قاعدہ کلیہ اس میں یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے پس جس بات کا معاملہ اس کے ساتھ کیا گیا اگر وہ اس پر شاق ہو اور اس کے دل پر گراں گذرے تو اس کو چاہیے کہ ویسا معاملہ غیر سے نہ کرے بلکہ یوں لازم سے کہ اس کے نزدیک اپنا روپیہ اور غیر کا روپیہ یکساں ہو یہ تو مجمل بیان ہے اور رہی تفصیل سو کئی باتوں میں ہے۔

تاجر کا اپنے مال کی بجا تعریف کرنا ظلم ہے | اول یہ کہ مال کی تعریف نہ کیا کرے کیونکہ اگر ایسی تعریف کی جو اس میں موجود نہیں ہے پس اگر خریدار نے اس کو نہ مانا تو وہ سراسر جھوٹ سے اور اگر خریدار نے مان لیا تو اب وہ باوجودیکہ جھوٹ سے دھوکے بازی اور ظلم بھی ہے اور اگر اس کی ایسی تعریف کی جو اس میں موجود ہے تو اگر خریدار کو معلوم ہو تو یہ فضول بکو اس اور بے فائدہ بات کرنا ہے اور اس کا حساب لیا جائے گا اس لیے کہ جو بات انسان کرتا ہے اس سے اس کا حساب لیا جائے گا۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ کا یہ قول ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ترجمہ نہیں بولتا کوئی بات مگر ہے اس کے پاس نگہبان حاضر اور اگر خریدار کو بیان کئے وہ بات معلوم نہ ہو تو متنبی بات اس میں موجود ہو بلا مبالغہ اور بڑھائے اتنا کہنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اس بیان سے غرض صرف یہ ہو کہ اپنے مسلمان بھائی کو تباہی سے تباہ کرے تاکہ اس شے کی اسے رغبت ہو تو اس نے زمین غموس کھائی اور یہ ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ آبادی کو ویران کر کے چٹیل میدان بنا دیتی ہے اور اگر سچا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانا بنایا اور بڑا کیا اس لیے کہ دنیا اس بات سے حقیر ہے کہ بے ضرورت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کو رونق دی جائے۔

مال کا عیب چھپانا بھی ظلم ہے | دوسرے یہ کہ اس کے عیوب اور اس کی پوشیدہ باتوں میں سے کچھ بھی نہ چھپائے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کے تمام عیوب چھپے ہوں خواہ ظاہر سب بیان کر دے کیونکہ اگر کوئی عیب اس میں سے چھپائے گا تو ظالم دھوکہ باز اور خیر خواہی کا تارک ٹھہرے گا اور دھوکہ باز تمام ہے اور خیر خواہی واجب ہے اور اگر تمھان کا اچھا پلا دکھلایا اور دوسرا پلا چھپا لیا تو دھوکہ باز ہو اور ایسے ہی اگر موزہ کے جوڑے میں سے ایک اچھا والا موزہ پیش کر دے یا ایک اچھی والی جوڑی دکھلائے

یا اور اسی طرح تو ان صورتوں میں دھوکہ باز ہو گا اور ایسے ہی اگر اسباب کو باندھیں گے میں پیش کیا اور حاصل یہ ہے کہ وہ تمام بیوع اور صنعتوں میں حرام ہے پس کار بیکہ کو نہیں چاہیے کہ اپنے کام میں ایسی سستی کرے کہ اگر کوئی اور اس کے ساتھ ویسا معاملہ کرے تو کبھی پسند نہ کرے بلکہ اس کو یہ مناسب ہے کہ اپنا کام بہت درست اور مضبوط بنائے اور اگر اس میں کوئی عیب ہو جائے تو اس کا عیب بیان کر دے اسی سے حرام دغا اور خلق پر ظالم ہونے سے بچ جائے گا اور اسی قسم سے وہ ہے جو امام احمد سے مروی ہے کہ ان سے کسی نے ایسے رفقو کا مسئلہ پوچھا کہ کسی طرح معلوم نہ ہو اس پر انہوں نے جواب دیا کہ بیچنے والے کو جائز نہیں کہ اس کو چھپانے اور رفقو کرنا جب ہی حلال ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ یہ بیان کر دے گا اور چھپانے کا نہیں یا بیچنے ہی کا ارادہ نہ ہو اور دغا کی حرمت پر یہ روایت دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام ایک شخص پر گزرے جو غلہ بیچتا تھا پس آپ کو پسند آیا پھر آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا تو انگلیوں میں تری معلوم ہوئی فرمایا یہ کیا ہے غلہ والے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ بوند میں پڑ گئی ہیں پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس تری کو اوپر کے رخ کیوں نہ کر دیا تاکہ اس کو سب لوگ دیکھتے جو کوئی ہم کو دغا دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

عیوب ظاہر کر کے مسلمانوں سے خیر خواہی کا حکم اور عیوب کو ظاہر کر کے خیر خواہی کے وجوب پر یہ دلیل ہے کہ نبی علیہ السلام نے جب حضرت جریر بن عبد اللہ سے اسلام پر بیعت لی اور انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کو کھینچا اور مسلمانوں سے خیر خواہی کرنے کی شرط کی اور جریر کا یہ حال تھا جب اسباب بیچنے کھڑے ہوتے تو اس کے عیب دیکھ لیتے اور خریدار کو بتلا دیتے اور اس سے کہہ دیتے کہ چاہے لو اور چاہے رہنے دو اور واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے تھے کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی تین سو درہم کو بھی اور واثلہ کو خبر نہ ہوئی اور خریدار اونٹنی لے کر چلے گیا پس واثلہ نے لے پیچھے سے دوڑ کر پکار کر کہا اے شخص یہ اونٹنی تو نے سواری کے لیے لی ہے یا گوشت کے لیے اس نے جواب دیا سواری کے واسطے پس واثلہ نے کہا اس کے پاؤں میں ایک زخم ہے میں نے دیکھا ہے یہ خوب نہیں چل سکتی پس وہ لوٹ کر پھیرنے لگا پس بائع نے سو درہم قیمت میں سے کم کر دیئے اور واثلہ نے کہا اللہ تم پر رحم کرے تم نے میرا سودا بگاڑ دیا واثلہ نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت کی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں ہے کہ کوئی شے بیچے مگر جبکہ جو کچھ اس میں ہے بیان کر دے اور نہ عیب کے جائزہ والے کو حلال ہے مگر یہ کہ بیان کر دے اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ لوگ یہ خوب سمجھتے تھے کہ خیر خواہی ہی ان شرطوں میں سے ہے جو ان کی اس بیعت میں داخل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر ہوتی تھیں۔

خیر خواہی کا سبب اور خیر خواہی یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے واسطے پسند نہ کرے مگر وہی بات

جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور یہ بات اکثر لوگوں کو دشوار گذرتی ہے اور بدوں دو باتوں کے اعتقاد کئے ہوئے ہرگز کسی پر آسان نہیں ہو سکتی۔ ایک تو یہ یقین کرے کہ عیوب کو چھپانا اور مال کو رونق دینا رزق نہیں بٹھنا۔ بلکہ اُس کو مٹاتا ہے اور برکت کھوتا ہے اور جو کچھ کئی مرتبہ میں دعا باز یوں سے جمع کرتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ ایک ہی دفعہ ہلاک کر دیتا ہے یا تو جلا کر پھینک دیتا ہے یا چوروں اور ظالموں یا کفار کے پھین لینے سے۔ اور دوسرے یہ یقین کرے کہ آخرت کا فائدہ دنیا کے فائدہ سے بہتر ہے اور دنیا کا مال کے فائدے سے ختم ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں اور اُن کا وبال اور گناہ سر پر رہ جاتا ہے پھر عاقل کھلا کیونکر پسند کرے گا کہ ادنیٰ چیز کو اعلیٰ سے بدل لے۔

اگر کوئی یہ کہے جبکہ بچنے والے پر یہ واجب ہو کہ اپنے مال کے عیب کہہ دیا کرے تو اس کا معاملہ کبھی پورا نہ ہو گا تو اُس کی کیا سبیل ہے تو جواب یہ ہے کہ تاجر جب یہ عہد کرے کہ عمدہ شے کے سوا اور کچھ مول نہ لیا کرے کہ اگر اپنے لیے روک رکھے تو خوش رہے تو جب اس کو بیچے گا اور تھوڑے سے نفع پر قناعت کرے گا اُس میں برکت ہوگی و غافل کی کچھ حاجت نہ پڑے گی پس جس کی یہ عادت ہو جائے گی وہ عیب دار چیز مول ہی نہ لے گا اور اگر اتفاقاً اس کے ہاتھ آجائے تو اُس کا عیب بیان کر دے اور اُس کی قیمت ہی پر قناعت کرے اور یہ بات جو پار یوں کو اس لیے مشکل ہوتی ہے کہ وہ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بہت فائدہ چاہتے ہیں اور یہ بات بلا فریب کے حاصل نہیں ہوتی لیکن جو شخص تھوڑے نفع پر قناعت کرتا ہے اُس کو یہ آسان ہے۔

متقدمین صلحاء کا طرز عمل | اور متقدمین صلحاء کی ایسی باتیں بہت منقول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ابن سیرین نے ایک بکری بھیجی اور خریدار سے کہا میں اس کا عیب تجھ سے بیان کرتا ہوں یہ بکری گھاس کو پاؤں سے روند کر خراب کر دیتی ہے اور حسن بن صالح نے ایک لونڈی بھیجی اور خریدار سے کہا کہ اس نے ہمارے پاس ایک دفعہ خون ڈالا تھا اور دینداروں کو الیسا ہی ہونا چاہیے اور جو کوئی اس پر قادر نہ ہو اُس کو چاہیے کہ معاملہ چھوڑ دے یا دوزخ کے لیے اپنے آپ کو مقرر کرے۔

مقدار میں کمی بیشی کی صورتیں اور ان کی ممانعت | اور تفسیر ہے یہ کہ مقدار میں کمی بیشی نہ کرے اور یہ امر ہیبتناہ اور ترازو کی درستی اور دونوں میں احتیاط کرنے سے ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
وَبَلِّغِ لِلْمُطْفِقِينَ ۗ الَّذِينَ إِذَا كَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۗ وَإِذَا كَالُوا لَهُمْ أَوْ ذُوهُمْ يُخْرَدُونَ ۗ
ترجمہ خرابی سے گھٹانے والوں کی کہ وہ جب ناپ لیں گے لوگوں سے تو پورا بھر لیں اور جب ناپ دیں ان کو یا تول دیں ان کو تو گھٹا کر دیں۔

اور اس سے اس کے سوا اور کوئی بچاؤ نہیں کہ دیتے ہوئے کچھ بڑھا دے اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ بالکل درست بہت کم ہو سکتا ہے پس جو شخص اپنا حق پورا لینے میں مبالغہ کرے گا تو عجب نہیں کہ حق سے بڑھ جائے اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی شے خریدتے تو من تو لے دے سے فرماتے من تول دے اور جھکتا تول اور بعضے متقدمین کہا کرتے تھے کہ تم ایک دانہ کے عوض میں خرابی نہیں خریدتے لہذا جب آپ لیتے تو بمقدار ایک دانے کے کم لیتے اور اگر اور کسی کو دیتے تو بمقدار دانہ کے زیادہ دیتے اور کہتے اس شخص پر افسوس ہے جو جنت کو ایک دانہ کے عوض میں دیدے جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین سے پس جس نے گہوڑوں میں مٹی یا تنکے ملا دیئے پھر ناپ کر دیا تو وہ پیمانہ کا گھٹانے والا ہے اور جو قصائی گوشت کے ساتھ بڑی یا اور کچھ چھینچھڑے وغیرہ تول دے جس کی رسم نہ ہو تو وہ وزن گھٹانے والا ہے اور اسی پر تمام اندازہ کی چیزوں کو قیاس کر لو یہاں تک کہ بگڑ جس سے بڑا وزن دین کیا کرتے ہیں اگر ناپتے ہوئے جب آپ خریدے کپڑا ڈھیلا کر دے اور کھینچے نہیں اور جب دوسرے کے ہاتھ نیچے تو ڈھیلا نہ کرے اور کھینچے تو یہ سب وزن گھٹانے میں شامل ہے جس کے کرنے والے کو خرابی پیش آئے گی۔

خرید و فروخت میں موجودہ نرخ سچ سچ بتانا ضروری ہے اور چوتھے یہ کہ موجودہ نرخ سچ سچ کہا کرے اس لیے کہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بائع سے یا خریدار سے موجودہ نرخ چھپا لے اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر بائع سے نرخ کی گزائی یا خریدار سے ارزانی چھپا ڈالے کیونکہ جو ایسا کریگا وہ ان ظالموں میں سے ہے جو واجب خیر خواہی کے تارک ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عدل اور احسان کا حکم کیا ہے چنانچہ فرمایا ان اللہ یا موبالعدلی والاحسان "بیشک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل یعنی انصاف اور احسان یعنی بھلائی کا"

عدل فقط نجات کا اور احسان کامیابی اور حصول سعادت کا سبب ہے اور عدل فقط نجات کا سبب ہے اور اصل مال کی سلامت رہنے کے قائم مقام ہے اور احسان کامیابی اور حصول سعادت کا سبب ہے اور نفع کے قائم مقام ہے پس جس طرح کہ وہ شخص عاقل شمار نہیں کیا جاتا ہے جو معاملات دنیا میں اپنے اصل مال پر قناعت کرے ایسے ہی معاملات آخروی میں ہے۔ لہذا مومن کو مناسب نہیں ہے کہ صرف عدل پر اکتفا کرے اور احسان کا طریقہ چھوڑ دے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَأَخِينُ كَمَا أَخَانَ اللَّهُ إِلَيْكَ "اور بھلائی کر جیسے بھلائی کی ہے اللہ نے تیرے ساتھ" اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے إِنَّ رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ "یہ شکر اللہ کی رحمت نزدیک ہے احسان کرنے والوں سے"

احسان اور اس کی مختلف صورتیں | اور اس جگہ ہمارے کلام میں احسان سے وہ مراد ہے جس سے معاملہ میں منفعت ہو اور احسان واجب نہیں ہے بلکہ وہ خوبی کی بات ہے اور واجب صرف عدل اور ظلم نہ کرنا ہی ہے اور معاملہ کرنے والا احسان کا مرتبہ ان چند امور میں سے کسی ایک سے پاتا ہے۔ اول دوسرے کو نقصان پہنچانے میں پس یوں مناسب ہے کہ اپنے معاملہ کرنے والے کو اتنا نقصان نہ دے جس قدر باعتبار عادت نہ کیا کرتے ہوں یہاں تک کہ اگر خریدار اپنی ضرورت کی وجہ سے معمولی نفع سے زیادہ دے تو بائع کو چاہیے کہ اس کے قبول کرنے سے باز رہے اس لیے کہ زیادہ نفع لینا جبکہ دغا بازی نہ ہو اگرچہ ظلم نہیں ہے لیکن احسان کا ترک ہے ساتھ ہی اس کے یہ بھی ہے کہ جو کوئی تھوڑے نفع پر قناعت کرتا ہے تو اس کی بکری بہت ہونے لگتی ہے اور بکری کی کثرت سے بہت فائدہ ہوتا رہتا ہے اور اس میں برکت ہوتی ہے۔

اور دوسرے نقصان اٹھانے میں پس جو شخص غلہ یا اور مال فقیر سے خریدے اور نقصان اٹھائے اور اس میں تساہل کرے تو وہ اس کا محسن ہو گا اور اس قول نبی علیہ السلام میں داخل ہو گا کہ رحم کرے اللہ اس پر جو نرمی سے کرے خرید و فروخت کو لیکن جو شخص کسی مالدار سوداگر سے کوئی چیز خریدے جو معمولی فائدہ سے زیادہ مانگتا ہو تو اس سے نقصان اٹھانا قابل تعریف نہیں بلکہ بغیر دنیوی اور آخردی فائدے کے مال کا ضائع کرنا ہے اور حدیث میں آچکا ہے کہ نقصان زدہ کی نہ تعریف ہے اور نہ ثواب ہے اور کمال توبہ ہے کہ نہ کسی کو نقصان دے اور نہ آپ نقصان اٹھائے اور سلف صالحین اول تو خریدتے ہوئے خوب جھگڑا کیا کرتے تھے پھر اکثر مال بخش دیتے تھے پس ان میں سے کسی سے لو پھا گیا خریدتے وقت تو ذرا سی چیز پر جھگڑتے ہو پھر بہت کچھ بخش دیتے ہو تو اس کی پروا نہیں کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ بخشنے والا تو اپنی مہربانی سے عطا کرتا ہے اور نقصان اٹھانے والا اپنی عقل ضائع کرتا ہے۔

اور تیسرے ٹمن اور تمام تر صنوں میں اور اس میں احسان کبھی تو درگزر کرنے میں ہوتا ہے اور کبھی مہلت دینے اور دیر کرنے میں اور کبھی کھار و پیہ لینے کے بارہ میں تساہل کرنے میں اور یہ سب باتیں محبوب اور مرغوب ہیں کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے رحم کرے اللہ نرمی سے بیع کر نوالے نرمی سے وصول کرنے والے پر لہذا اس کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو عنایت جانے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا درگزر کر درگزر کیا جائے گا تجھ سے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے مہلت دی تنگ دست کو یا اس کو معاف کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ آسانی سے حساب لے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو اللہ اپنے عرش کے نیچے سایہ دے گا اس روز کہ سوا اس سایہ کے اور کوئی سایہ نہ ہو گا پس یہ طریقہ تھا سلف کی

تجارت کا جواب مٹ گیا پس جو شخص اس زمانے میں اس کو پھر قائم کرے تو وہ اُن میں سے ہوگا جس نے یہ سنت زندہ کی اُس کے لیے فضل الہی سے بہت رحمت کی امید ہے۔

سننوں مجلس احتکار کی حرمت اور اسکے متعلق شرعی احکام کے بیان میں

ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے احتکار کیا وہ خطاوار ہے یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے عمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے اور معنی اُس کے یہ ہیں جو شخص وہ غلہ جمع کرے جو شہر کو لایا جاتا ہے اور اس کو اس نیت سے روک رکھے کہ گرانی کے وقت بیچے گا تو وہ گنہگار ہے کیونکہ اس میں سب کا حق ہے اور وہ اُس کو روک کر اور اُس کو نہ بیچ کر اُن کا حق باطل اور اُن کا حال تنگ کیا جاتا ہے اور یہ ظلم عام ہے اور ایسا شخص ملعون ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ غلہ لانے والا رزق دیا جاتا ہے اور غلہ روکنے والا ملعون ہے۔

پس بے شک نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرما دیا ہے کہ جو شخص اسباب اور رزق لالاکر تحصیل فائدہ کے لیے بیچتا ہے اُس کو نفع ہوگا اور کچھ اُس پر گناہ نہیں ہے اس لیے کہ سب خلقت اس سے فائدہ پاتی ہے پس اس کو اُن کی دعا کی برکت پہنچے گی اور جو شخص تمام غلہ جو شہر کو آتا ہے خرید لیتا ہے اور اس نیت سے روک رکھتا ہے کہ گرانی کے وقت بیچے تو وہ ملعون ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہے اور جب تک ایسا کرتا رہے گا اُس کو کبھی برکت نہ ہوگی۔

قیمت متعین کرنا اور کنٹرول کرنا ناجائز ہے | پھر اگر اس کا یہ مقدمہ تاقضی تک جائے تو قاضی اُس کو اتنے غلہ کو مناسب قیمت سے بیچ دینے کا حکم دے گا جو اُس کے اور اُس کے عیال کو فراغت کے ساتھ کھانے سے زیادہ ہو کہ اُس سے یہ کہے کہ اس کو بیچ ڈال جیسے کہ لوگ بیچتے ہیں اور بھاؤ نہ ٹھہرائے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا قول ہے تم بھاؤ معین نہ کرو کیوں کہ اللہ ہی بھاؤ مقرر کرنے والا تنگی اور فراخی کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔

اور اس حدیث میں نذر خ معین کرنے کی بڑی ممانعت ہے اس لیے کہ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نذر خ کی تعین کا مہتمم خود اللہ تعالیٰ ہے اس کو بندوں میں سے اُس نے کسی اور کے حوالے نہیں کیا ہے لہذا اُن کو یہ حق نہیں ہے کہ اس میں تکلیف کریں اور اگر کریں گے تو قضاے الہی کا مقابلہ کرنیکی وجہ سے بجز تنگی اور سختی عذاب کے اُن کو اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

پس اس بیان کے موافق قاضی کو چاہیے کہ نذر خ مقرر نہ کرے اس لیے کہ ثمن بائع کا حق ہے لہذا اُس کی مقدار کی تعین اُس کے حوالہ ہے پس قاضی کو نہیں چاہیے کہ اس کے حق میں دخل دے۔

نرخ مقرر کرنے کی ایک صورت کی اجازت | ہاں مگر جبکہ عام لوگوں کا ضرر ہوتا ہو کہ مال و اسے اس کی قیمت میں حد سے بہت بڑھے جاتے ہوں کہ دو چہند قیمت کو بچنے لگیں تو اب قاضی اہل رائے اور اہل بصیرت کی صلاح سے لوگوں کا حق بچانے کے لیے نرخ متعین کر دے پھر اگر کسی نے ان میں سے قاضی کے بھاؤ پر بیچا تو اگرچہ بیع زبردستی نہیں ہوئی ہے لیکن اگر اس بھاؤ سے کم کرنے پر یہ خوف ہو کہ قاضی اس کو مارے گا تو مشتری کو بائع کا بیچا ہوا مال حلال نہیں ہے کیونکہ یہ بھی زبردستی ہی کے حکم میں ہے لہذا مشتری کو لازم ہے کہ خریدتے وقت اس سے یہ کہہ دے میرے ہاتھ اپنی مرضی کے موافق بیچ دے اس وقت جتنے کو بیچے گا حلال ہوگا۔

احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کے لیے حکم | پس اس بنا پر قاضی کو لازم ہے کہ جب اس کے پاس غلہ روکنے والے کا مقدمہ آنے تو نہ سزا دینے میں جلدی کرے اور نہ بھاؤ مقرر کرنے میں بلکہ احتکار سے منع کرے اور اس سے ڈانٹ دے اور بیچ ڈالنے کا حکم دے اور اگر حکم نہ مانے تو اس کو نصیحت کرے اور دھمکائے اور اگر پھر بھی نہ مانے اور نہ بیچے تو اس کو قید کرے اور تنبیہ کرے یہاں تک کہ اپنے فعل قبیح سے باز آجائے کیونکہ اس بات کے کرنے سے جو اس کو حلال نہیں سزا کا مستحق ہو گیا ہے اور اس میں کوئی حد تو مقرر ہی نہیں تاکہ ناچار سب لوگوں سے ضرر دفع کرنے کے لیے تعزیر دیا جائے بلکہ صحیح یہ ہے اگر وہ آپ نہ کہے تو سب فقہاء کے نزدیک قاضی بیچ ڈالے اور یہ اس چیز کا حکم ہے جس کا روک رکھنا حاجت کے وقت مفروضہ جیسے آدمیوں اور سہانوروں کا رزق جیسے گھوڑوں اور بچوں اور چھوہارے اور انجیر اور کشمش وغیرہ اور امام ابو یوسف کہتے ہیں جس چیز کا روک رکھنا لوگوں کو نقصان پہنچائے خواہ خوردنی ہو یا غیر خوردنی یہ سب احتکار ہے اس کا روکنا جائز نہیں ہے اگرچہ کپڑا ہو یا سونا چاندی۔

ذخیرہ اندوزی کا تقبیح اور مذمت | اور روک رکھنے کی مدت کوئی کہتا ہے چالیس دن ہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے احتکار کیا چالیس دن میٹک وہ اللہ سے بیزار ہوا اور اللہ اس سے بیزار ہوا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے چالیس روز تک احتکار کیا پھر اس نے وہ چیز صدقہ کر دی تو یہ صدقہ اس کے احتکار کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی کہتا ہے ایک مہینہ ہے اور یہ مدت سزائے دنیاوی کے حق میں ہے اور رہا گناہ وہ بہر صورت ہوتا ہے اگرچہ مدت کم ہو اور جو اپنی زمین کا غلہ جمع کر رکھے تو وہ محتکر نہیں ہوتا اسوے کہ یہ صرف اسی کا حق ہے اس سے عوام کا حق متعلق نہیں ہے لیکن اگر لوگوں کو اس کی حاجت ہو تو انصاف ہی ہے کہ بیچ ڈالے اور اگر بیع سے باز رہا تو بڑی نیت اور مسلمانوں پر کم شفقت ہونے کی وجہ سے بڑا کیا اور جب کچھ کہ اور شہر سے لائے تو اس میں اختلاف ہے اور احتیاط اسی روز کے بھاؤ سے

بیچ ڈالنے میں ہے تاکہ وہ ثواب پائے جس کا نبی علیہ السلام کے اس قول میں وعدہ ہے ”جو کوئی باہر سے غلہ لایا اور اسی روز کے بھاؤ سے بیچ ڈالا تو گو یا اس نے وہ تمام صدقہ کر دیا“ اور ایک اور روایت میں ہے ”گو یا اس نے غلام آزاد کر دیا“

ایک حکایت | اور کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ وہ شہر واسط میں تھے پس انہوں نے ایک کشتی کیوں کی بصرہ کو روانہ کی اور اپنے گماشتہ کو لکھ بھیجا کہ اس غلہ کو جس دن بصرہ میں جائے اسی دن بیچ دینا گلے دن تک نہ رکھنا اتفاق سے اُس دن بھاؤ اڑاں تھا پس تاجروں نے اس سے کہا اگر ایک ہفتہ رہنے دو تو کئی گونہ فائدہ ہو جائے اُس نے ایک ہفتہ روک لیا جس سے کئی گونہ فائدہ ہوا پس مالک کو اس کی خبر لکھ بھیجی مالک نے گماشتہ کو لکھا ہے شخص ہم نے تو تھوڑے سے نفع پر دین کی سلامتی کے لیے قناعت کی تھی اور تو نے اُس کے خلاف کیا پس جب غلطی کو پہنچے وہ سب مال لے اور بصرہ کے فقیروں پر خیرات کر دے شاید برابر ملزوم ہو کر میں احتکار کے گناہ سے چھوٹ جاؤں۔

اور اس سے معلوم ہو گیا کہ احتکار بہر حال کرہت سے خالی نہیں اور اگرچہ غلہ بہت موجود ہو اور کھانا کثرت سے ملتا ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو اور نہ اس کی ان کو کچھ رغبت ہو اور یہ اس لیے کہ محتکار اسباب ضروریہ یعنی بھاؤ کے چرچہ جانے کا منتظر رہتا ہے اور اسباب ضروریہ کا انتظار کرنا لیکن ہاں وہ اس سے کمتر ہے۔

غلہ کی تجارت کی ایک غلط صورت | اور حاصل یہ ہے کہ غلہ اور رزق کی تجارت نفع کے واسطے اچھی نہیں ہے بلکہ اور چیزوں کی تجارت سے نفع طلب کرنا چاہیے اور اس تفصیل کے موافق غلب کا لینا احتکار ہی کے حکم میں ہے اور غلبِ جمیم اور لام کے زبر سے وہ چیز ہے جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لائی جائے پس وہ مال جب شہر کے پاس آ پہنچے تو پھر آگے بڑھ کر وہاں جا کر خریدنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے سب کا حق متعلق ہے اور آگے بڑھ کر خرید لینے والا ان کا حق باطل اور ان کو تنگ کرنا چاہتا ہے حالانکہ نبی علیہ السلام تعلقِ جلب سے منع کر چکے ہیں اور فرمایا ہے کہ رسد کو آگے بڑھ کر مت خریدو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اسباب کو خریدنے نہ جاؤ جب تک بازار میں نہ اترے۔

اور یہ جب ہے کہ آنے والوں سے نفع نہ چھپائے اور اگر ان کو بھاؤ غلط بتایا اور ان کا مال کم قیمت پر ان سے خرید لیا تو اب کئی کہہ سکتے ہیں جمع ہوں گی اور حرمت سخت ہو جائے گی اس لیے کہ یہ عمل حرمتِ حیات میں داخل ہے اور غلو میں واجب کے برخلاف ہے جس کی یہ تفسیر ہے کہ آنے بھائی کے واسطے پسند نہیں کرتا بلکہ یہ ظلم ہے اس واسطے کہ جس میں کسی مسلمان کا نقصان ہوتا ہو وہ ظلم ہے اور عدل یہ ہے

کہ کوئی اپنے بھائی مسلمان کو نقصان نہ دے اور اس کے واسطے پسند نہ کرے مگر وہی جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو تا یہاں تک کہ پسند کرے اپنے بھائی کے واسطے وہی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے بعض علماء کہتے ہیں جس شخص نے کوئی شے ایک روپیہ کو بھی پس اگر وہ شے ایسی ہے کہ خود آپ اکٹھا نہ سنے زیادہ کو ہرگز نہ لیتا پس وہ ان لوگوں میں سے ہو گا جنہوں نے اُس خیر خواہی کو جس کا حکم ہے چھوڑ دیا اور اس نے اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حکایت ہے کہ یونس ابن عبد اللہ کے پاس مختلف قیمت کی چادریں تھیں جنہیں چار سو کی اور بعضی دوسو کی پس یونس رحمانہ کو چلے گئے اور اپنے بھتیجے کو دکان میں بٹھا دیا اتنے میں ایک اعرابی نے آکر چار سو درہم کی چادر مانگی اس لڑکے نے دوسو والی اُس کے سامنے کر دی اس نے پسند کی اور چار سو کو خرید کر لی اور چل دیا آگے اس کو یونس نے مل گئے اور اپنی چادر اس کے ہاتھ میں دیکھ کر پچان لی پس اس سے پوچھا تم نے کتنے کو خریدی ہے اُس نے جواب دیا چار سو کو یونس نے کہا یہ چادر دوسو سے زیادہ کی نہیں ہے پس لوٹ چل تاکہ اسے پسیر دے اُس نے جواب دیا یہ چادر ہمارے شہر میں پانچ سو روپیہ کی ہے اور میں اس کو پسند کرتا ہوں اور میں نہیں پھیرتا اس پر یونس نے کہا تو نے اگر چہ پسند کر کے لی ہے لیکن دین کی خیر خواہی دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے پس اُس کو دکان پر پھیر لائے اور سو روپے پھیر دئے پھر بھتیجے کی طرف متوجہ ہو کر کہا تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا کہ تمہارے برابر تو نے نفع لیا اور مسلمانوں کی خیر خواہی ترک کر دی اس پر اُن کے بھتیجے نے جواب دیا خدا کی قسم اُس نے تو بلا پسند کئے نہیں لی تھی یونس نے کہا تو پھر تو نے اُس کے لیے وہ بات کیوں نہ پسند کی جو اپنے لیے پسند کرتا ہے دوسری حکایت اور اس سے بڑھ کر وہ ہے جو ایک شخص تابعی کی حکایت منقول ہے کہ وہ بصرہ میں تھے اور ان کا ایک غلام سوس میں تھا جو ان کے پاس شکر بھیجا کرتا تھا پس اُن کے غلام نے اُن کو لکھا کہ اس سال گنے کی فصل ماری گئی ہے شکر خرید لینا اس میں بہت نفع ہو گا لہذا انہوں نے ایک شخص سے بہت سی شکر خرید لی پھر جب وقت آیا تو بیچی میں ہزار درہم کا نفع ہوا پس وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور تمام رات دل میں سوچتے رہے اور کہا کہ میں نے تیس ہزار درہم نفع لیے اور ایک مرد مسلمان کی خیر خواہی چھوڑ دی پس جب فجر ہوئی تو ترس کے ہی اُس کے پاس جا کر تیس ہزار درہم اُس کو دے دئے اور کہا تجھ کو خدا اس میں برکت دے اُس نے کہا یہ درہم میرے کیونکر ہو گئے جواب دیا میں نے تجھے اصل حال چھپا لیا تھا شکر اُس وقت مہنگی ہو گئی تھی اُس نے کہا خدا تم پر رحم کرے اب تم نے مجھ کو بتایا میں نے تمہیں کو حلال کئے پس وہ اپنے گھر چلے آئے پھر سوچے اور کہا یہ تو میں نے اُس کے ساتھ کوئی خیر خواہی نہ کی شاید اسے شرم آئی ہو اور اس لیے اُس نے مجھ کو دے دیے ہوں پھر ترس کے اُس کے پاس جا کر

کہا خدا تجھ کو معاف کرے اپنا مال لے میرے دل کو ہی پسند آتا ہے پس اس نے ان سے تیس ہزار درہم لے لیے۔

بائع سے بھاؤ کی گرانی اور خریدار سے ارزانی چھپانا ظلم ہے | اور اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو یہ درست نہیں کہ فرصت کو غنیمت سمجھ کر بائع سے بھاؤ کی گرانی اور خریدار سے ارزانی چھپائے کیونکہ جو کوئی ایسا کرے گا وہ ظالم اور خائن اور واجب غیر خواہی کا چھوڑ دینے والا ہے کیونکہ معاملہ یعنی وقت ایسے طور پر ہوتا ہے کہ مفتی تو اس کے درست اور منعقد ہو جانے ہی کا فتوے دیتا ہے لیکن اس میں ظلم ہوتا ہے جس سے اس کے کرنے والے کو غضب الہی کا سامنا ہوتا ہے اس لیے کہ ہر ممانعت تو عقد کے فاسد ہونے کو منتفی نہیں ہوتی جیسے۔

جمعہ کی اذان کے بعد خرید و فروخت کا حکم شرعی | جمعہ کے روز پہلی اذان کے وقت بیچنا کہ بیع اگرچہ جائز ہے لیکن مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں سعی واجب میں دیر ہوتی ہے یہ جب سے کہ دونوں بیٹھ جائیں یا کھڑے رہ کر بیع کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ وَتَرَجَّاهُ جَمَاعًا جَمْعًا جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑو بیچنا ہاں اگر دونوں چلتے چلتے بیع کر لیں تو اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

بخش کی صورت اور حکم | اور ایسے بھی بخش مکروہ ہے اور بخش یہ ہے کہ سودے کے اپنی قیمت تک پہنچ جانے کے بعد ایسا شخص قیمت بڑھادے جس کو خریداری منظور نہ ہوتا کہ دوسرے کو اس میں رغبت پیدا ہو اور یہ اس لیے مکروہ ہے کہ اس میں ایک مسلمان کو دھوکا دینا اور اس پر ظلم کرنا ہے باوجودیکہ نبی علیہ السلام نے بخش سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لا تناجشوا بخش نہ کرو یہ جب ہے کہ مال اپنی قیمت پر آپکا ہو اور اگر ابھی اپنی قیمت پر نہیں آیا اور اس شخص نے قیمت بڑھادی جس کو خریدنا مقصود نہیں یہاں تک کہ مال اپنی پوری قیمت کو پہنچ گیا تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

نرخ طے ہو جانے کے بعد مزید بڑھانے کا حکم | اور ایسا ہی فریقین کے کسی نرخ پر راضی ہو جانے کے بعد کچھ بڑھانا مکروہ ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اپنے بھائی کی خرید پر کوئی بھاؤ نہ کرے اور یہ نہیں چونکہ بصورت نفی سے اس لیے اس میں زیادہ مبالغہ ہے ہاں اگر ابھی ایک دوسرے کی طرف مائل نہیں ہے تو کسی اور کو کچھ مبالغہ نہیں کہ بھاؤ کر کے خرید لے کیونکہ یہ نیلام کی صورت ہے اور اس میں کچھ کراہت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارہ میں حدیث آئی ہے اور وہ حضرت انسؓ کی بیروایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک پیالہ اور ٹاٹ بطور نیلام بیچا۔

اڑھٹ کا حکم | اور ایسے ہی شہر والے کا گاؤں والے کی طرف سے بیچنا نبی علیہ السلام کے اس قول کی وجہ سے مکروہ ہے کہ شہر والا گاؤں والے کی طرف سے نہ بیچا کرے اور یہ جب ہے کہ شہر کے لوگ

قحط میں ہوں اور وہ گراں قیمت کے لالچ سے دیہاتی کی طرف سے مجھے کیونکہ اس میں شہر والوں کو ضرر دینا ہے اور اگر ایسا حال نہ ہو تو ضرر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

اور بعضے کہتے ہیں اس کی صورت یوں ہے کہ کوئی دیہاتی شہر میں سودا لے کر آئے تو اس سے شہری یہ کہے اپنا مال میرے پاس بھوڑ جا میں گراں قیمت سے بیچ رکھوں گا پھر اپنے پاس اس کو اتنے دنوں تک رد کر رکھے کہ ہنگامہ ہو جائے اور ایسا کرنا تنگی کے دنوں میں مکروہ ہے۔

بیع جس طرح قول سے منعقد ہوتی ہے فعل سے بھی ہو جاتی ہے | پھر جاننا چاہیے کہ حنفیوں کے نزدیک

بیع جس طرح قول سے پوری ہو جاتی ہے اور اس کا رکن ایجاب اور قبول ہیں ایسے ہی فعل سے بھی

پوری ہو جاتی ہے اور اس کا رکن لین دین ہے پس اس بیع میں بعضوں کے نزدیک دونوں کی طرف سے

لین دین ہونا ضروری ہے اور بعضوں کے نزدیک صرف ایک کا دے دینا جبکہ ثمن بیان کر دے یا معلوم

ہو کافی ہے مثلاً کوئی شخص گہیوں بیچنے والے سے پوچھے تو گہیوں کس طرح بیچتا ہے وہ کہے بارہ

صاع ایک درہم میں پھر وہ کہے پانچ فقیز میرے لیے ناپ دے اور اس نے ناپ دئے اور وہ

لے گیا سو یہ بیع پوری ہے اور اس کے ذمے پانچ درہم ہو گئے اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے

کہے میں نے یہ سودا تیرے ہاتھ ایک درہم کو بیچا پھر مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا اور کچھ نہ کہا

تو یہ بیع بھی پوری ہے اور اس کے ذمے ایک درہم ہے اور ایسے ہی اگر ایک بوجھ لکڑی کا آٹھ

پیسے کو مول لیا پھر کہا ایک بوجھ اور لا کر یہاں ڈال دئے اور اس نے ایسا ہی کیا تو یہ بیع بھی پوری

ہے اور وہ آٹھ پیسے مانگ لے اور ایسے ہی اگر ایک شخص کے دوسرے کے ذمے ہزار روپیہ

قرض آتے ہوں اور قرضدار نے قرضخواہ سے کہا میں تیرے قرضہ کی بابت اثرفیاں لائے دیتا ہوں

اور ان دونوں میں بیع واقع نہ ہوئی بلکہ وہ چلا گیا پھر اثرفیاں لا کر اس کے حوالے کر دیں تو اب اس وقت

اس لین دین سے بیع ہو جائے گی۔

خرید و فروخت کے ناجائز طریقے | البتہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے سے تکیے اور فروش خریدے

اور وہ ابھی تک بنے نہیں اور کوئی مدت بھی نہیں ٹھہرائی تاکہ بیع سلم ہو جائے تو یہ جائز نہیں اور اگر

تکیے اور فروش تیار کر کے اس کے حوالے کر دئے تو بھی بیع جائز نہیں ہے اس لیے کہ لین دین سے

بیع اسی وقت ہوتی ہے جبکہ بیع فاسد یا باطل طریقے سے بیچنے پر مبنی نہ ہو اور اگر اس پر مبنی ہو تو

جائز نہیں ہوتی۔

پس اس بیان کے موافق اس زمانے میں جو اکثر لوگوں کا عمل ہے کہ جو چاہتے ہیں دکاندار سے

کھاتے پینے کی چیز اور اس کے علاوہ اور چیزیں بلا عقد صحیح کے اور بلا طرفین سے لین دین ہونے کے

حساب کے وقت تک کے لیے بلا قیمت بیان کئے لیتے ہیں سو یہ سب حرام ہے اور جو شخص

ان میں سے کھاتا ہے یا جان بوجھ کر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے وہ قصداً حرام خوردی کرتا ہے اور حرام سے نفع اٹھاتا ہے اور گناہ اختیار کرتا ہے اس لیے کہ بیکیز روٹی اور گوشت کے سب سودوں میں قیمت کا بیان کرنا ضروری ہے تاکہ تعاطی سے بیع ہو جائے۔

نا جائز بیع کی قسمیں | پھر یاد رکھنا چاہیے کہ جو بیع جائز نہیں ہے تین قسم پر مشتمل ہے: فاسد اور باطل اور موقوف۔ بیع فاسد کی صورتیں اور احکام | لیکن بیع فاسد تو وہ منعقد تو ہو جاتی ہے لیکن عرف عقد سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ بائع کی صراحت یا دلالت اجازت سے مشتری کے قبضہ کر لینے کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے پس جب خریدار مجلس عقد میں بائع کے سامنے بیع پر قبضہ کر لے اور بائع اسے منع نہ کرے تو خریدار خبیث ملکیت سے اس کا مالک ہو جائے گا۔

اور اسی لیے کہتے ہیں کہ خریدار کو اس میں کسی کو دینے یا برتنے کا تصرف کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کھانا ہو تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے اور اگر لونڈی ہے تو اس سے صحبت حلال نہیں ہے بلکہ ہر ایک بائع اور مشتری پر دفع فساد کی غرض سے عقد کا فسخ کرنا واجب ہے اور اگر دونوں نے عقد فسخ نہ کیا بلکہ مشتری نے فاسد خرید سے جس پر قبضہ کیا تھا اس کو بطور عقد صحیح کے بیچ ڈالا تو اس کی بیع پوری ہو جائے گی کیونکہ وہ جب اس کا مالک ہو گیا تو بذریعہ بیع وغیرہ کے غیر کو اس کے مالک بنانے کا بھی مالک ہے اب اس کے بعد فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب اس سے حق عبد متعلق ہو گیا اور پہلے فسخ کا واجب ہونا حق شرع کے لیے تھا اور جب حق شرع اور حق عبد جمع ہو جائیں تو حاجتمندی کی وجہ سے حق عبد مقدم کیا جاتا ہے۔

ہاں مشتری ثانی کے حق میں بہتر یہ تھا کہ اس کی خریداری سے کنارہ کرتا اس لیے کہ مقولہ ہے کہ جس کو یہ گمان غالب ہو کہ بازار والوں کے اکثر معاملات فاسد ہیں تو اس کو چاہیے کہ ان سے کوئی شے مول نہ لے اور پھر بھی اگر ان سے کوئی چیز مول لے لے گا تو اس کو اگر کھپلا عقد صحیح ہوا ہو اس چیز کا برتنا حلال ہے اور یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ اگر کسی نے ہزار روپیہ کا مال بیع فاسد کے ذریعہ سے مول لیا اور قبضہ کر لیا پھر اس کو بیچا اور اس میں نفع ہوا تو اس کے لیے یہ نفع حلال نہیں ہے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کو خیرات کر دے اور اگر کسی نے ہزار روپیہ کا مال بیع فاسد سے بیچا اور قیمت لے لی پھر اس روپیہ سے اور مول لیا اور اس کو بیچا اور اس میں نفع ہوا تو اس شخص کو یہ نفع حلال ہے اس پر اس کا خیرات کرنا واجب نہیں ہے اور ان دونوں صورتوں میں جیسا کہ ہدایہ میں مذکور ہے یہ فرق ہے کہ اسباب چونکہ متعین کرنے سے متعین ہوتا ہے۔

بیع باطل کی صورت اور حکم | لہذا دوسرا عقد اسی اسباب سے متعلق ہو گا اور اس وجہ سے فاسد میں خہانت سے اڑ کرے گی اور درہم و دینار چونکہ عقد اور نسخ میں متعین نہیں ہوتے ہیں بلکہ مشتری کے

ذمہ قیمت ثابت ہو جاتی ہے لہذا دوسرا عقد ان ہی درہم اور دنانیر سے متعلق نہیں ہو اس لیے فائدہ میں خباثت اثر نہ کرے گی ہاں اگر ان کی طرف اشارہ کرے پھر انہیں میں سے ادا کر دے تو اب خریداری اس لیے کہ وہی قیمت بٹھرے ہیں انہیں سے متعلق ہوگی لہذا یہ ملک خبیث ہوگی خیرات کرنا واجب ہوگا اور بیع باطل سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتی ہے لہذا ملک باطل ثابت ہی نہیں ہوتی۔

اور اسی لیے کہتے ہیں کہ جس کو یہ گمان غالب ہو کہ بازار والوں کے اکثر معاملات باطل ہیں تو اسکو کوئی چیز ان سے مول لینا جائز نہیں اور ان سے جو کچھ مول لیا ہو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے۔
بیع موقوف کی صورت اور حکم | اور بیع موقوف غیر کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر بیع ڈالنا ہے پس یہ بیع اگرچہ منعقد ہو جاتی ہے اور اجازت مالک پر موقوف رہ کر ملکیت کا فائدہ دیتی ہے لیکن غیر کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے پوری ملک نہیں ہوتی اور تمام وہ معاملات جو آجکل چھینی ہوئی اور لوٹی ہوئی اشیاء میں جاری ہیں سب اسی طرح ہیں اور اسی لیے صاحب بزاز یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کے حملہ کے زمانہ میں لشکریوں سے کوئی شے مول نہ لی جائے اس لیے کہ یہ حرام ہے غیر کی ملک ہے۔

تاجر کی ذمہ داری | پھر تاجر کو یہ لائق ہے کہ اپنے معاملہ میں عدل کا لحاظ رکھے اور ظلم سے بچے اور ظلم سے وہ مراد ہے جس سے کسی اور کو نقصان پہنچے پس جس جس بات سے دوسرے کو غمزدہ ہو وہ سب ظلم سے اور عدلی جی سب سے جس میں کسی کا کچھ نقصان نہ ہو اور یہ بات کئی باتوں سے احتراز کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ایک یہ کہ مقدار میں تجاوز عن الحد نہ کرے اور یہ بات پیمانہ اور ترازو پوری پوری رکھنے اور احتیاط کرنے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "خرابی ہے ان گھٹانے والوں کی جو جبکہ ناپ کر لیں لوگوں سے تو پورا بھریں اور جب ناپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں تو وہ گھٹا کر دیتے ہیں" اور اس سے نہیں بچ سکتا مگر وہی شخص جو دیتے وقت کچھ زیادہ دے اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ عدل حقیقی تو بہت ہی کم ہو سکتا ہے کیونکہ جو شخص اپنا پورا پورا لینے کی کوشش کرے گا تو ممکن ہے کہ وہ حد سے بڑھ جائے اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ مول لیتے تو قیمت ادا کرنے والے سے فرماتے تول دے اور جھکتا تول اور بعض گدڑ شہ بزرگ کہتے تھے کہ ہم ایک دانہ کے لیے خرابی نہیں لیتے اور اگر کچھ مول لیتے تھے تو کچھ کم لیتے تھے اور اگر دیتے تو کچھ زیادہ دیتے تھے اور کہتے تھے انوس ہے اس پر جو ایک دانہ کے بدلے ایسی جنت دے ڈالے جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے۔

مال کی بیجا تعریف کی ممانعت | اور دوسرا جس سے احتراز واجب ہے یہ ہے کہ مال کی تعریف نہ کیا کرے کیونکہ اگر ایسی تعریف کی جو اس میں موجود نہیں ہے تو اگر خریدار نے اس کا تول نہ مانا تو سراسر جھوٹ ہوا اور اگر مان لیا تو باوجودیکہ جھوٹ ہوا دغا بازی اور ظلم بھی ہے اور اگر ایسی تعریف کی

جو اُس میں موجود ہے تو اگر خریدار بھی جانتا ہے تو یہودہ بکواس اور بے لائدہ بات بولنا ہے پس اس کا حساب دینا ہوگا کیونکہ انسان سے جو کلمہ نکلتا ہے اُس سے اُس کا حساب ہوگا کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ توجہ نہیں بولتا کوئی بات مگر ہے اُس کے پاس نگہبان حاضر اور اگر خریدار وہ وصف جب تک بیان نہ کیا جائے نہ جانے تو پھر جتنا ہے اتنا ہی بلا مبالغہ اور بے چوڑے کلام کے بیان کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

بیع میں قسم کھانے کی ممانعت اور قسم ہرگز نہ کھائے اس لیے کہ اگر جھوٹی ہے تو میں غموس ہوگی اور قسم غموس ایسا کبیرہ گناہ ہے کہ بستیوں کو اجازت دیتی ہے اور اگر سچی ہے تو اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا اور بڑا کیا اس لیے کہ دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے کہ اُس کو بلا ضرورت اللہ کے نام سے رونق دی جائے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ تاجر کو مکروہ ہے کہ اپنا مال کھولتے ہوئے ترویج کی نیت سے اللہ کا نام لے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرے کہ یوں کہے اللہم صلی علی محمد کیا خوب مال ہے۔

مال کا عیب چھپانا ناجائز ہے اور تیسرا امر جس سے احتراز واجب ہے یہ ہے کہ مال کا کوئی عیب چھپا رکھے بلکہ اس پر واجب ہے کہ اُس کے تمام ظاہری و باطنی عیب ظاہر کر دے کیوں کہ اگر کوئی عیب بھی چھپا رکھے گا تو دغا باز اور واجب خیر خواہی کا تارک ٹھہرے گا پس جس نے تھان کا اچھا پلہ دکھا دیا یا اندھیری جگہ میں پیش کیا یا موزہ جوتی وغیرہ میں سے اچھا والا دکھایا تو یہ شخص دغا باز ہے اور دغا بازی تمام بیوع اور عنفتوں میں حرام ہے لہذا کارگر کو لائق نہیں کہ اپنے کام میں ایسی سستی کرے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ کرے تو پسند نہ کرے بلکہ اُس کو چاہیے کہ اچھا اور مضبوط کام بنایا کرے پھر اگر اتفاقاً اس میں کوئی عیب ہو جائے تو بیان کر دیا کرے۔

بلا عیب تجارت کا طریقہ اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب تاجر پر مال کا عیب بیان کرنا واجب ہوا تو اُس کا معاملہ کبھی پورا نہ ہوگا تو چھپاؤں کی کیا سبیل ہے تو سمجھ لو کہ تاجر جب اپنے لیے یہ شرط کرے کہ بیچنے کے لیے عمدہ مال کے سوا اور کچھ کبھی نہ لوں گا اور تھوڑے سے نفع پر قناعت کرے تو اسی میں اُس کو برکت ہوگی اور دغا بازی کی حاجت نہ پڑے گی پس جو شخص اس کی عادت کرے گا تو وہ عیب دار مال نہ لے گا اور اگر اتفاقاً اُس سے ہاتھ آجی جائے تو اُس کا عیب بیان کر دے اور اس کی اصل قیمت ہی پر قناعت کرے اور یہ بات تاجروں پر اس لیے دشوار ہوتی ہے کہ وہ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے بلکہ بہت نفع چاہتے ہیں اور بہت فائدہ دغا بازی کے سوا حاصل نہیں ہوتا اور دغا بازی حرام ہے پس نہ بائع کو جائز ہے اور نہ خریدار کو کہ ایک دوسرے کو دھوکا دے اس لیے کہ ہو ایسا کرے گا وہ ظالم اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا چھوڑنے والا ہے۔

برکت والی بیع | اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں اگر سچ بولیں اور خیر خواہی کریں تو ان کے لیے ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپالیں تو بیع کی برکت نہ ال لی جائے گی اور جو شخص بڑھنے گھٹنے کو پیمانہ اور ترازو کے سوا اور کسی طرح سے نہیں جانتا وہ اس حدیث کی تصدیق نہیں کرے گا اور یہ کہ ایک درہم میں بھی کبھی برکت ہوتی ہے اور اس کے دین اور دنیا کی سعادت کا سبب ہو جاتا ہے کہ اس کو کسی ایسی بات میں صرف کرے جو اس کے لیے دین یا دنیا میں ضروری ہو اور ہزاروں جمع شدہ میں سے کبھی برکت نکل جاتی ہے اور اس کی دنیا و آخرت میں ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دنیا میں تو عیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ ظالم لوگ ایسے شخص پر غالب ہو جاتے ہیں اور اس کا مال طرح طرح کے عذاب دے دیکر چھین لیتے ہیں اور رہا آخرت میں سو اس طرح کہ مال کو حرام اور ممنوعات میں خرچ کرے اور خاص کر رشوت میں جس کے سبب رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا اور بیچ کا دلال ہر ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعنت فرمانے کے مطابق ملعون ہے۔

دین و دنیا کی بھلائی کا اصول | پس جو شخص چاہے کہ اس پر اہل السلام کی خیر خواہی آسان ہو جائے تو اس کو دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ سمجھے اور یقین کرے کہ اس کی دغا بازی روزی نہیں بڑھاتی بلکہ مٹاتی ہے اور برکت دور کرتی ہے۔ کیونکہ سچ کچھ طرح طرح کے فریب اور حیلہ سے جمع کرتا ہے اس کو بعضی دفعہ تو اللہ تعالیٰ ڈبو کر بھلا کر یا چوروں یا ظالموں یا کافروں کے چھین لینے سے یکبارگی تلف کر دیتا ہے۔

اور دوسرے یہ سمجھے اور یقین کرے کہ آخرت کا فائدہ دنیا کے فائدہ سے بہتر ہے۔ اور یہ کہ دنیاوی مال کے فائدے زندگی کے تمام ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وبال اور گناہ سر پر رہ جاتا ہے پس عاقل کب پسند کرے گا کہ ادھے چیز کو اس چیز کے بدلے لے لے جو بہتر ہے اور سرسر بہتری دین کی سلامتی میں ہے خداوند تعالیٰ ہمارے لیے دین کی سلامتی آسان فرمائے۔

اکہترویں مجلس اس بیان میں کہ کونسا سوگرا فاجر قیامت کے دن

فاجر ہو کر اٹھے گا اور کون سا صادق ہو کر

قیامت کے روز دو قسم کے فاجر | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فاجر لوگ قیامت کے دن فاجر ہو کر اٹھائے جائیں گے مگر جس نے تقوے سے کام لیا اور بھلائی کی اور سچ بولا۔ یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے عبید بن رفاعہ نے اپنے باپ سے روایت

کیا ہے اور اصلی معنی فحور کے میانہ روی سے ٹل جانا ہے اور اسی سبب سے جھوٹے کو تاجر کہتے ہیں اور اسی اعتبار سے سوداگروں کا اس حدیث شریفین میں فحار نام رکھا ہے کیونکہ تجارت میں اسباب کے رواج دینے کے لیے ہر ممکن طریقے یعنی جھوٹی قسموں وغیرہ سے دھوکہ دہی اور فریب دہی ان کی عادت ہوتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ان کے حق میں حکم کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر ان جھوٹوں کی جماعت میں ہوگا جن کا جھوٹ کثرت سے ہوتا ہے مگر وہ تاجر جو جھوٹ سے بچے اور سچی قسم کھائے اور اپنی بات میں سچا رہے پس اُس کا حشر ان کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ نیکوں کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے بچے اور امانت دار تاجر کا نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ حشر ہوگا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ تاجر کو لازم ہے کہ اپنے معاملہ میں سچائی اور امانت برتے اور جھوٹ اور خیانت سے بچے تاکہ نیکوں کے ساتھ حشر ہو اور تاجروں کے ساتھ اُس کا حشر نہ ہو بلکہ اس پر واجب ہے کہ اپنی تجارت میں عدل اور انصاف کا لحاظ رکھے اور ظلم اور نا انصافی سے الگ رہے اس لیے کہ معاملہ بعضی دفعہ ایسے طور پر ہوتا ہے کہ گو ماضی اُس کی درستی اور منعقد ہونے کا حکم دے دیتا ہے لیکن اس میں ظلم شامل ہوتا ہے جس سے اس کے کرنے والے کو غضب الہی کا سامنا ہوتا ہے اس لیے کہ ہر ممانعت تو عقد کے فاسد ہونیکو نہیں پابندی۔

عدل اور ظلم سے مراد | اور ظلم سے مراد وہ بات ہے جس سے غیر کو نقصان ہو پس جس بات سے غیر کو نقصان ہو وہ ظلم ہے اور عدل تو یہ ہے کہ اس سے کسی کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ اور عدل چند باتوں سے استراز کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

کھوٹے روپے پیسے کو رواج دینا ظلم عام ہے | اول کھوٹے روپے پیسے کو رواج دینا کہ یہ ظلم عام ہے اس سے لوگوں کا ندمان ہوتا ہے اس لیے کہ جو کوئی ان میں سے کسی چیز کو دوسرے کو دے گا تو اگر دوسرے نے نہ جانا کہ وہ کھوٹا ہے تو اس کو اس سے نقصان ہوگا اور اگر جان لیا کہ یہ کھوٹا ہے تو وہ اور کو دے گا اور وہ اور کو دے اور اسی طرح لوگوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہے گا اور اُس کا نقصان عام ہو جائے گا اور نادم پیدا جائے گا اور سب کا وبال جب سے اُس نے دیا تھا اُس کے کٹنے تک اسی پہلے شخص کے سر پر پڑے گا جیسا کہ نبی علیہ السلام کے اس قول کا مقتضی ہے جس نے بُرا طریقہ نکالا پھر اُس پر بعد کے لوگوں نے عمل کیا تو خود اُس کا اور جو جو اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ اُس پر ہوگا اور دوسرے لوگوں کے گناہوں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اسی لیے بعض مقتدین کہتے تھے کہ کھوٹے ایک درہم کا چلانا عمدہ سودرہم کی چوری سے بدتر ہے اس لیے کہ سودرہم کی چوری ایک ہی مرتبہ ختم ہو جانے والا گناہ ہے اور کھوٹا روپیہ چلانا جاری گناہ ہے جب تک وہ

کھوٹا روپیہ لوگوں کے ہاتھ میں پھرتا رہتا ہے بلکہ میں آئے جاتا ہے پس اُس کی زندگی بھر اور موت کے بعد بھی اس بات کا گناہ جو کہ لوگوں کا مال اُس کے سبب سے خراب اور تلف ہو گا باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ کھوٹا روپیہ کٹ کر فنا نہ ہو جائے پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو مر جائے اور اس کے ساتھ اس کے تمام گناہ بھی ختم ہو جائیں اور افسوس ہے اس کے لیے جو مر جائے اور اس کے گناہ موت کے بعد بھی باقی رہیں اور کوئی کتا ہے کہ جاننے والے کا کھوٹا روپیہ چلانا زیادہ گناہ ہے انجان کے چلانے سے اس لیے کہ اول تو نقداً کرتا ہے اور خطا وار ہے لیکن خطا یعنی لاعلمی حقوق العباد میں معاف نہیں ہے۔

کھوٹے روپے پیسے لینے دینے کے بارے میں اچھے اور برے تاجر کا طریقہ | پس اس کے موافق تاجر پر واجب ہے کہ روپیہ کا پر کھنا بھی سیکھے تاکہ کھوٹے کھرے کی تمیز کر سکے نہ اس لیے کہ اپنا حق پورا لے سکے بلکہ اس نیت سے کہ لاعلمی سے غیر کو نہ دے بیٹھے کہ پھر جس بات کا اپنے معاملات میں سیکھنا ضروری ہے اُس میں قصور کرنے کی وجہ سے گنہگار ہو کیونکہ ہر کاروبار کے متعلق ایک علم ہوتا ہے جس کا سیکھنا اُس کے کرنے والے کو واجب ہے تاکہ گناہ میں نہ پڑے اور اسی واسطے متقدمین فقوہ کا پر کھنا سیکھنا کرتے تھے اپنے دین کے لحاظ سے نہ دنیا کے واسطے پس اس لیے جس کے ہاتھ کھوٹا روپیہ پیسہ آجائے تو اُس کو لائق ہے کہ اس کے کھونے اور فنا کرنے اور اس کا نشان مٹانے میں کوشش کرے اور اس کے چلانے میں سعی نہ کرے کیونکہ اگر اس نے کسی ایسے کو دے دیا جو نہیں جانتا ہے تو اُس کو نقصان دینے کی وجہ سے گنہگار ہو گا اور اگر ایسے کو دیا جو جانتا ہے تو بھی گنہگار ہو گا اس لیے کہ جو لیتا ہے وہ اسی لیے لیتا ہے کہ اگر کوئی دے کیونکہ اگر اس کی یہ نیت نہ ہوتی تو اس کے لینے کی طرف توجہ ہی نہ کرتا تو گو یا ایسے شخص کو دینا اُس کو فساد پر مقرر کرنا اور بدی پر اس کی امداد کرنا اور گناہ میں شریک ہونا ہے اور رہا وہ شخص جو اس واسطے لیتا ہے کہ اُن لوگوں میں شامل ہو جائے جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں دعائے خیر فرمائی ہے **رحم کرہم** اللہ آسانی سے بچنے والے آسانی سے خریدنے والے آسانی سے ادا کرنے والے نہی سے وصول کرنے والے شخص پر تو اُس کو ضروری ہے کہ اُس کو کھودنے اور فنا کر دینے اور نشان مٹا دینے کی نیت سے لے نہ اپنے معاملات میں اُس کے چلانے کے قصد سے کیونکہ اگر اس کی یہ نیت ہے تو وہ اُس بدائی میں داخل ہے جس کو شیطان نے خوبصورت بنا رکھا ہے۔

کھوٹے درہم دینار اور روپے سے مراد | اور کھوٹے درہم اور دینار سے وہ مراد ہے جس میں نہ کچھ چاندی ہو اور نہ سونا بلکہ صرف طمع ہو اور وہ جس میں چاندی اور سونا ہو تو اس میں اکثر کا اعتبار ہے اگر درہم میں چاندی زیادہ ہو تو وہ چاندی ہے اور دینار میں اگر زیادہ سونا ہو تو وہ سونا ہے کیونکہ نقدی تھوڑی ملاوٹ

تو سالم نہیں ہوتی یا تو اصلی پیدائش کے اعتبار سے جیسے خراب چاندی سونا یا عادت کے اعتبار سے سب سے کہ وہ ریزہ ریزہ ہوتی ہے اور بدون میل کے ڈھلتی نہیں اور ڈھلتی تو جب ہے جبکہ اس میں کچھ میل ملا لیا جائے پس اس بنا پر اکثر کا اعتبار ہوگا کیونکہ غالب کے سامنے مطلوب معدوم ہی کی طرح ہے۔ پس اگر روپوں میں چاندی غالب ہو اور اشرفیوں میں سونا تو پھر وہ چاندی اور سونے ہی کے حکم میں ہیں اور اگر میل زیادہ ہو تو پھر اگر اس شہر میں ان کا رواج ہو تو جیتک ان کا رواج باقی رہے جب تک وہ ٹن ہیں عقدہ خود ان سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اس سکہ کی جنس سے متعلق ہوگا اور اگر ان کا رواج جاتا رہا تو پھر اسباب میں داخل ہیں عقدہ خود ان ہی سے متعلق ہوگا بشرطیکہ بائع اور مشتری دونوں کو ان کا حال بھی معلوم ہو اور ہر ایک یہ بھی جانتا ہو کہ دوسرے کو ان کا حال معلوم ہے اور اگر بائع اور مشتری دونوں نہ جانتے ہوں یا ایک نہ جانتا ہو یا دونوں کو معلوم تو ہے لیکن ہر ایک کو یہ خبر نہیں کہ دوسرا بھی جانتا ہے تو اب عقدہ ان سے متعلق نہ ہوگا بلکہ ان دراہم سے متعلق ہوگا جن کا اس شہر میں رواج ہے اور اگر ان کا رواج بالکل اٹھ گیا بلکہ ایسے ہیں کہ انہیں کوئی تولے لیتا ہے اور کوئی نہیں لیتا ہے تو اب یہ کھوٹوں ہی کی طرح ہیں عقدہ خود ان سے متعلق نہ ہوگا بلکہ اسی جنس کے کھوٹے دراہم اور ونا نیر سے متعلق ہوگا اگر بائع کو ان کا حال معلوم ہے کیونکہ بائع اس سکہ کے کھوٹوں پر راضی ہو چکا ہے اور اگر بائع کو ان کے حال کی اطلاع نہیں تھی تو پھر عقدہ اسی سکہ کے کھرے دراہم سے متعلق ہوگا کیونکہ بائع کی رہنمائی اس قسم کے کھوٹے دراہم پر ثابت نہیں ہوتی۔

مال و اسباب کی غلط تعریف کی ممانعت اور دوسرا امر جس سے احتراز کرنا واجب ہے اسباب کی تعریف کرنی ہے کیونکہ جو شخص اسباب کی ایسی تعریف کرے جو اس میں موجود نہیں ہے اور اس کا قول مانا نہیں گیا تو وہ بھوٹ ہے اور اگر اس کا کہا مان لیا گیا تو یہ بھوٹ کے ساتھ دغا بازی اور ظلم بھی ہے اور اگر ایسی تعریف کی جو اس میں موجود ہے تو اگر مشتری اس کو جانتا ہے تو یہ بیہودہ ہے جو اس اور بے فائدہ کلام ہے اور اس پر اس سے محاسبہ ہوگا کیونکہ کوئی بات انسان سے نہیں نکلتی مگر اس کا حساب ہوگا کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے نہیں بولتا ہے کوئی بات مگر ہے اس کے پاس نگہبان حاضر اور اگر مشتری اس کا وصف نہیں جانتا تو جتنی بات اس میں موجود ہے بلا مبالغہ کہے اور بڑھائے ہونے اس قدر کہہ دینے میں کچھ مفالفتہ نہیں اور اس سے نیت اس کی یہ ہو کہ اس کا مسلمان بھائی جان لے اور عنت کرے اور اس کا مقصود حاصل ہو جائے۔

مال کی تعریف میں قسم کھانے کی ممانعت اور قسم بہرگز نہ کھانے کیونکہ اگر بھوٹی سے تو یہ میں عزیز ہے اور یہ ایسی کبیرہ گناہ ہے کہ آبادیوں کو اجاڑ دیتی ہے اور اگر سچی ہے تو پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا اور بڑا کیا کیونکہ دنیا اس سے زیادہ حقیر ہے کہ بلا ضرورت خدا کا نام بیکر

اُس کو رونق دی جائے یہاں تک کہ فقہاء کہتے ہیں کہ تاجر کو مکروہ ہے کہ اسباب کھولنے ہوئے ترویج کی نیت سے اللہ تعالیٰ کا نام لے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھے یوں کہے اللہم صلی علی محمد یہ کیا خوب مال ہے۔

مال کا عیب پھیلانا ناجائز ہے | اور تیسرا امر جس سے احتراز واجب ہے مال کا عیب پھیلانا ہے کیونکہ جو شخص کوئی عیب چھپائے گا وہ ظالم اور واجب خیر خواہی کا تارک اور دغا بازی حرام کا اختیار کرنے والا ہے پس اُس پر واجب ہے کہ اس کے عام ظاہری و باطنی عیوب بیان کر دیا کرے اور یہ بات اکثر لوگوں کو دشوار گذرتی ہے پس جو کوئی اس پر قادر ہو وہ تجارت چھوڑ دے یا اپنے آپ کو دوزخ کے لیے آمادہ کر لے۔

خیانت کی صورتیں اور خیانت سے خرید و زودخت میں احتراز کا حکم | اور چوتھا امر جس سے احتراز کرنا واجب ہے خیانت ہے کیونکہ جو خیانت کرتا ہے تو اس سے خالی نہیں کرنا تو اس کی خیانت مقدار میں ہوگی یا نرخ میں یا مباححت اور تولیہ میں پس جس کی خیانت مقدار میں ہے وہ تو اس قول النبی میں داخل ہے "خرابی ہے گھٹانے والوں کی کہ وہ جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ناپ کر دیتے ہیں انکو یا تول کر دیتے ہیں تو گھٹا کر دیتے ہیں" اور اس سے وہ ہی بچتا ہے جو دیتے ہوئے کچھ زیادہ اور لیتے ہوئے کچھ کم لے اس لیے کہ حقیقی عدل تو بہت کم پایا جاسکتا ہے پس کیونکہ جو کوئی اپنا حق پورا پورا لینے میں مبالغہ کرے گا تو کیا بعید ہے کہ مزے بڑھ جائے۔

اور اسی واسطے نبی علیہ السلام جب کوئی شے مول لیتے تھے تو قیمت دینے والے سے فرما دیتے کہ قیمت تول دے اور جھکتا تول اور بعضے مقتدرین کا قول ہے کہ ہم ایک دانہ کے عوض خرابی نہیں خریدتے اور وہ جب لیتے تو کچھ کم لیتے اور جب دیتے تو کچھ بڑھا کر دیتے اور یہ کہتے کہ انوس سے اُس پر جو ایک دانے کے بدلے ایسی جنت بیچ ڈالے جس کا پھیلاؤ زمین و آسمان ہے اور وہ شخص جس کی خیانت نرخ میں ہوتی ہے سو وہ اُن ظالموں میں سے ہے جو خیر خواہی واجب کے تارک ہیں اس لیے کہ کسی کو یہ جائز نہیں ہے کہ بائع یا مشتری سے موجودہ نرخ غلط بتا دے اور موقع کو غنیمت سمجھے اور بائع سے نرخ کی گرانی اور مشتری سے ارزانی چھپائے پس جو ایسا کرتا ہے وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ پسند نہیں کرتا جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔

حالانکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مومن نہیں ہوتا کوئی تم میں سے جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور وہ شخص جس کی خیانت مرا بحت اور تولیت میں ہوتی ہے تو ایسے شخص کو پہلے اُن دونوں کا معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ان سے بچنا اس کو ممکن ہو سکے چنانچہ مرا بحت تو مال کو جتنے میں اُس کو پڑا ہو اُس پر کچھ نفع لے کر بچتا ہے اور تولیت مال کو

جتنے میں اُس کا پڑا ہوا اتنی ہی قیمت پر بلا نفع لیے بیچنا ہے اور یہ دونوں اُس وقت صحیح ہوتے ہیں جبکہ اصل مال ایسا ہو کہ اُس جیسی چیز مل سکتی ہو کیونکہ ان دونوں کی بنیاد امانت اور خود خیانت اور خیانت کے شبہ سے احتراز کرنے پر ہے کیونکہ سیدھا سادھا آدمی جو کہ تجارت کا ڈھنگ نہیں جانتا ہے ایسے شخص کے ذکر کرنے پر بھروسہ کر لیتا ہے جو تجارت کا مشاق ہو اور خرید سے کچھ فائدہ زیادہ دے کہ مراجمہ میں اور بدون فائدہ سے کے تولیہ میں اپنے جی کو خوش کر لیتا ہے۔

اور اگر اس المال ایسی چیز نہ ہو جن کی مثل مل سکتی ہو بلکہ اُس کا اندازہ قیمت سے کیا جاتا ہو تو اُس کی مقدار مجہول رہے گی صرف گمان اور شکل سے معلوم ہوگا لہذا اس میں خیانت کا شبہ قائم رہتا ہے پس ایسی صورت میں مراجمہ اور تولیہ ثابت نہیں ہو سکتے ہاں اس صورت میں ممکن ہے جبکہ بطور مراجمہ اور تولیہ خریدنے والا ایسا شخص ہو جو بائع کو عومن میں دینے والی چیز پر کسی طرح سے مالک ہو گیا ہو پس اس وقت بائع کو ممکن ہے کہ اپنی خریدی ہوئی چیز اُس کے ہاتھ اسی بدل کے عومن کچھ نفع لے کر مراجمت میں یا بدون نفع کے بیع تولیہ میں بیچ ڈالے

نفع لینے کی صحیح صورت اور جس شخص نے بچہ مال روپوں سے خریدتا اُس کو جائز ہے کہ اُس کی قیمت میں دھوبی اور رنگریز اور پتہ دار وغیرہ کی مزدوری جس سے کہ خود بیع یا قیمت بیع بڑھ جائے بڑھائے جیسے بکریاں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانا کہ جس طرح کہ مال لدوانی وغیرہ مال کی قیمت کو بڑھاتی ہے اسی طرح اس سے بھی قیمت بڑھ جاتی ہے کیونکہ مکان بدلنے سے قیمت بھی بدل جاتی ہے اور یوں کہے کہ مجھ کو اتنے میں پڑی ہے اور یہ نہ کہے کہ میں نے اتنے کو خریدی ہے تاکہ جھوٹ سے بچے اور اگر کوئی کام ان دیکورہ سابقہ میں سے خود کر لیا ہو تو اُس کی مزدوری نہ بڑھائے اور ایسے ہی اپنا خرچ بھی نہ ملائے اور نہ بھانگے ہوئے غلام کا انعام اور نہ حفاظت کے مکان کا کرایہ اور نہ طبیب اور استاد اور چرواہے اور دلال کی اجرت ملا دے کیونکہ ان اخراجات سے بیع میں کچھ نہیں بڑھتا۔

نفع لینے کی ایک غلط صورت اور اگر گھانے ایک تھان کپڑے کا بیس روپے کو لے کر قبضہ کر لیا پھر اُس کو بطور مراجمت بیس روپے کو بیچا اور طرفین کا بیع اور قیمت پر قبضہ ہو گیا پھر اُس شخص نے اپنے خریدار سے اسی تھان کو بیس روپے کو خرید لیا اور اس کو بطور مراجمت بیچنا چاہتا ہے تو پہلے اُس کو جتنا نفع ہوا اتنا وہ کم کر دے اور دس روپے کو بیچے اور یوں کہے کہ یہ مجھے دس روپے کو بیچا ہے اور اگر اول مرتبہ میں بیس روپے کو لے کر پالیس روپے میں بیچا ہو پھر اُس کو دوبارہ میں میں لیا ہو تو اس وقت میں بہرگز مراجمت نہ بیچے اس لیے کہ اُس کے دوبارہ خریدنے سے پہلے یہ احتمال تھا کہ وہ تھان غیب کی وجہ سے پھیر دیا جائے اور جس قدر اُس نے نفع لیا ہے جاتا رہے پس جب اس نے دوبارہ خرید لیا تو وہ نفع جس کے سقوط کا احتمال تھا قائم اور ثابت ہو گیا پس یہ دوبارہ خریدنا ایسا ہے جیسے کہ خود اسی کے ذریعہ سے وہ نفع جس کے سقوط کا

احتمال تھا حاصل اور ثابت ہوا ہے اور نفع کے ثابت اور قائم ہو جانے کا وہی حکم ہے جو خود نفع کے مل جانے کا حکم ہے یعنی اب مراجعت نہیں بیچ سکتا، پس اب پہلی صورت میں مسئلہ کی صورت یوں ہوئی کہ گویا اُس نے ایک تھان اور دس روپیہ میں روپیہ کو لیے پھر دس روپیہ تو دس روپیہ کے مقابلہ میں ہو گئے اور تھان دس روپیہ میں پڑا لہذا اس کو بطور مراجعت اور تولیہ نہ بیچے مگر دس ہی روپیہ پر اور دوسری صورت میں ایسا ہوا کہ گویا ایک تھان اور بیس روپیہ میں روپیہ کو لیے پس بیس روپے تو بیس روپے کے مقابلہ میں ہو گئے اور وہ تھان مفت پڑا لہذا شہہ خیانت سے بچنے کے لیے نہ مراجعت بیچے اور نہ تولیہ کیونکہ خیانت کا شبہ بھی ان دونوں میں احتیاطاً خود خیانت ہی کی طرح ہوتا ہے اور اسی لیے اگر کسی کے دوسرے پر دس روپے قرض آتے ہوں پس قرضدار اُس سے ایک تھان پر صلح کر لے تو اس تھان کو بطور مراجعت اور تولیہ کے دس روپے نہ بیچے کیونکہ صلح کا دار و مدار کسی اور معانی پر ہوتا ہے برخلاف اُس صورت کے کہ تمییز شخص بیچ میں آجائے اس لیے کہ اب تقرر غیر سے حاصل ہوا ہے۔

فروخت میں احتیاط اور جس نے کئی چیزیں ایک عقد میں ایک قیمت ٹھہرا کر مولیں تو اُس کو جائز نہیں ہے کہ اُن میں سے کسی کو بطور مراجعت کچھ اُس کی قیمت ٹھہرا کر بیچے کیونکہ یہ بدون قیمت کے اعتبار کے نہیں ہو سکتا اور قیمت کی تقسیم کرنے میں غلطی کا شبہ ہے۔

فروخت کی چیز میں عیب بیان کرنا ضروری ہے اور جس نے ایک بھلی چنگی لونڈی خریدی پھر آفت سماوی سے کافی ہوگئی یا اُس سے صحبت کی اور وہ شوہر رسیدہ تھی اور صحبت سے اُس میں کچھ نقصان نہ آیا تو اُس کو جائز ہے کہ لونڈی کو بطور مراجعت یا تولیہ کے بیچے لیکن اس پر عیب بیان کر دینا واجب ہے ہاں یہ بیان کرنا واجب نہیں کہ یہ عیب میرے پاس پیدا ہوا ہے جب تک خریدار اُس سے نہ پوچھے اور نہ صحبت کا بیان کرنا واجب ہے اس لیے کہ اُس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں رہی جو قیمت کے مقابلہ میں ہو۔ کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں قیمت کا کچھ حصہ نہیں ہوتا اور ایسے ہی بیع کے منافع کہ اگر اس میں وٹھی سے کچھ نقصان نہ آیا ہو تو میں سے اُس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہوتا ہاں اگر خود مشتری ہی نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی یا کسی غیر شخص نے اُس کی آنکھ پھوڑ دی اور مشتری نے اس کی دیت لے لی یا مشتری نے اُس سے صحبت کر لی اور وہ کنواری تھی تو ایسی حالت میں اُس کو بدون بیان کیے نہ بیچے کیونکہ اُس نے کچھ بیع روک رکھی ہے اس لیے کہ جو چیز اُس میں سے جاتی رہی ہے تو اگر کسی دوسرے کے فعل سے نقصان ہوا ہے تو اس لیے کہ اگر وہ اُس کا مالک نہ ہوتا تو اُس نقصان کا ذمہ دار ہوتا اور اب ملکیت کی وجہ سے چونکہ وہ ذمہ دار نہیں ہوا تو یہ اسی حکم میں ہے جیسے کہ اس نے اُس نقصان کا بدلہ لے لیا اور ان دونوں صورتوں میں گویا کہ یہ چیز اس کے پاس سالم موجود ہے تو اب ایسی حالت میں واقعہ کو بیان کرنے کے بغیر پوری قیمت پر مراجعت یا تولیہ بیچنا جائز نہیں کیونکہ جس وقت اوصاف ہی کا

تلف کرنا مقصود ہو تو اُس وقت ان کے مقابلہ میں کچھ قیمت ہو جاتی ہے اور ایسی ہی کنواری ہونے کے مقابلے میں قیمت کا کچھ حصہ ہوتا ہے کیونکہ بکارت اصل کا ایک جز ہے اور اس کو اس نے روک رکھا ہے لہذا بیان کرنا ضروری ہے۔ اور جس نے تقان خرید اچھا اُس کو چوہے نے کتر دیا یا کچھ جل گیا تو اُس کا مرا بچہ یا تولیہ بلا اس بیان کے بچنا کہ یہ عیب میرے یہاں پیدا ہوا ہے جائز ہے اس واسطے کہ یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ متا تابع ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں کچھ قیمت نہیں ہوتی اور اگر اس نے پھیلانے اور تہ کرنے میں خراب کیا تو جائز نہیں کہ بطور مرا بچہ یا تولیہ بلا بیان کئے بیچ ڈالے اس لیے کہ وہ وصف تلف کرنے سے مقصود ہو گیا۔

منافع پر چیز بچنے کا حکم اور جس نے کوئی گھریا یا مال خرید اور اس کے کرایہ سے کچھ نفع پیدا کیا تو اس کو جائز ہے کہ دونوں کو بطور مرا بچہ یا تولیہ کے بلا بیان کئے بیچ ڈالے اس لیے کہ کرایہ اصل سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ کرایہ منفعت کا وصول کرنا ہے اور منفعت کا وصول کرنا بیع مرا بچہ اور تولیہ سے منع نہیں کرتا بلکہ خلاف اُس صورت کے کہ ایک بکری مول لے اور اُس کے دو دھ اور اُون سے فائدہ اُٹھائے تو یہ شخص جب اُس کو بطور مرا بچہ یا تولیہ بیچے تو جتنا فائدہ اٹھایا ہے اصل قیمت میں سے کم کر دے اور اگر بونڈی مول لی یا بکری خریدی یا کوئی درخت مول لیا پھر بونڈی جنی یا بکری بیانی یا درخت پھل لایا تو اب اصل کو اس زیادتی یعنی بچہ اور پھل کے ساتھ بطور مرا بچہ یا تولیہ بیچے اور اگر وہ زیادتی تلف ہو جائے تو صرف اصل کو بطور مرا بچہ یا تولیہ جب تک کہ جو کچھ اس میں تلف ہو گیا ہے بیان نہ کر دے نہ بیچے

اور اگر کوئی شے کسی قیمت پر مول لی پھر قیمت پر مشتری نے کچھ بڑھا دیا یا بیع نے قیمت میں کچھ گھٹا دیا یا بیع میں کچھ بڑھا دیا تو یہ تمام کٹنی بڑھی اصل عندئیں مل جائے گی اور اس ملنے کا اثر مرا بچہ اور تولیہ میں ظاہر ہو گا یہاں تک کہ اگر اُس کو بطور مرا بچہ یا تولیہ بچنا چاہے تو نہ بیچے مگر اسی قیمت پر جو کم کرنے کی صورت میں کم کرنے کے بعد باقی رہی ہے اور زیادتی کی صورت میں اصل قیمت یا اصل بیع پر بڑھانے کے بعد ہو گئی ہے۔ چیز ادھار خرید کر منافع پر بچنے کا حکم اور جس شخص نے کچھ مال بزار روپے کو ادھار مول لیا اور اس کو تڑوا روپے کے نفع پر بیچا اور مشتری سے یہ بیان نہ کیا پھر مشتری کو معلوم ہوا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے وہ مال پھیر دے اور چاہے گیارہ سو روپے کو روک لے اس لیے کہ مدت بھی اس معنی کر بیع کی مشابہ ہے کہ مدت کے سبب سے قیمت بڑھ جاتی ہے اور مرا بچہ اور تولیہ میں مشابہت اصل ہی کے حکم میں ہے تو ایسا ہوا کہ گویا اُس نے دو چیزیں مول لیں اور ایک چیز دونوں کی قیمت پر مرا بچہ بیچ ڈالی اور مرا بچہ میں ایسی ایسی خیانتوں سے احتراز واجب ہے۔

خداوند تعالیٰ تمام شبہات اور خیانات سے احتراز کرنا آسان فرمائے۔

بہتر مجلس تاجر کے تمام اقوال اور افعال میں صدق وامانت لازم رکھنے کی ترغیب میں

تجارت میں صدق و امانت کی ضرورت اور سچے اور امانت دار تاجر کا مرتبہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء۔

”ترجمہ سچا اور امانت دار تاجر نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ہمراہ ہوگا“

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ابو سعیدؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں تاجر کو تمام اقوال اور افعال میں سچائی اور امانت کے لازم رکھنے کی ترغیب ہے خاص کر خرید و فروخت میں جیسے کہ صدوق اور امین مبالغہ کے صیغہ کا مقتضی ہے کیونکہ پروردگار عالم اور مسبب الاسباب نے آخرت کو ثواب اور عذاب کا گھر بنایا ہے اور دنیا کو مستعدی اور کمانے کا گھر مقرر کیا ہے لیکن دنیا میں مستعد رہنا صرف آخرت ہی کے لیے منحصر نہیں کہ معیشت کے لیے مستعدی نہ ہو بلکہ معیشت دنیوی آخرت کا وسیلہ ہے اور معیشت دنیا آخرت کا وسیلہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا طالب شرعی طریقے اختیار نہ کرے کیونکہ شرع نے طلب دنیا کے لیے چند ارکان اور شرطیں مقرر کی ہیں جن کا لحاظ رکھنا دنیا طلب کرتے ہوئے ضروری ہے تاکہ اس کی کمائی درست بطلان اور فساد سے خالی اور حرمت اور کراہت کے میل سے صاف ہو کیونکہ اگر ان کی رعایت چھوڑ دینا گناہ تو اس کی کمائی درست نہ ہوگی بلکہ بعضی دفعہ باطل اور کھبی فاسد ہوگی لہذا حرمت اور کراہت سے خالی نہ ہوگی پس اس بیان کے موافق طالب دنیا کو خرید و فروخت اور ان کے انعقاد کی کیفیت کا جاننا ضروری ہے تاکہ باطل کو فاسد اور ناسد کو صحیح سے تمیز کر سکے اور حرمت اور کراہت سے بچے اور بیع اور شراہ میں اس کو صدق و امانت بیسر ہو سکے۔

بیع کے انعقاد کی صحیح صورت | پس بیع تو مال کا مال سے بدلنا ہے اور ایجاب اور قبول سے پوری ہو جاتی ہے اور ایجاب سے وہ کلام مراد ہے جو عاقدین میں سے کسی ایک سے اول صادر ہو جائے ہو یا مشتری اور قبول سے مراد وہ کلام ہے جو دوسرے سے اس کے بعد صادر ہو جائے ہو یا مشتری اور بیع ایجاب و قبول سے جب ہوتی ہے کہ دونوں ماضی کے لفظ ہوں مثلاً بائع مشتری سے یوں کہے یہ مال میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچا پھر مشتری کہے میں نے لیا یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو مول لی پھر بائع کہے میں نے بیچا اس لیے کہ بیع ایک تصرف شرعی کا پیدا کرنا ہے اور اس سے اس چیز کا ثابت کرنا مقصود ہے جو ثابت نہ تھی اور یہ بدون شرع کے معلوم نہیں ہو سکتا اس واسطے

کہ لغت بنانے والے نے تو اس کے لیے کوئی خاص لفظ بنایا نہیں ہے۔

انفعا و بیع کے لیے الفاظ اور ان کا حکم اور شرع نے اس میں وہ لفظ استعمال کیا ہے جو خبر دینے کے لیے بنایا گیا ہے اور ماضی کے لیے مستعمل ہے اور جس کی دلالت اس بات پر ہوتی ہے کہ وجود شے زمانہ گذشتہ میں ہو چکا تاکہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہ تصرف اس قبیل سے ہے جس کا وجود مقصود ہے لہذا اس سے بیع منعقد ہو جاتی ہے اور ایسے دو لفظوں سے بیع منعقد نہیں ہوتی جن میں سے ایک امر کا صیغہ ہو بلکہ اس وقت میں لفظوں کی ضرورت ہے جیسے اگر مشتری بائع سے کہے یہ مال میرے ہاتھ اتنے کو بیچ دے اور بائع کہے میں نے بیچا پھر جب تک مشتری دو بارہ یوں نہ کہے گا کہ میں نے خریدنا بیع منعقد نہ ہوگی اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے کہے مجھ سے یہ اتنے کو خرید لے اور مشتری کہے میں نے خریدنا تو پھر جب تک بائع دو بارہ یوں نہ کہے گا کہ میں نے بیچا بیع منعقد نہ ہوگی اور اگر دونوں میں سے ایک لفظ یا دونوں مضارع کے صیغے ہوں تو اگر بیع کی نیت کی ہو تو یہی بیع منعقد ہو جاتی ہے اور اس وقت لفظ مضارع سے حال کے معنی لیے جائیں گے اور ایسے ہی ہر اس لفظ سے جو بعث اور اشتريت پر دلالت کرتا ہو بیع منعقد ہو جاتی ہے جیسے بائع مشتری سے کہے میں نے یہ شے تیرے ہاتھ اتنے کو بیچی اور مشتری کہے میں نے قبول کی۔ یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو مول لی اور بائع کہے لے لے تو بیع دونوں صورتوں میں منعقد ہو جائے گی پہلی صورت میں تو ظاہر ہے اور دوسری صورت میں اس لیے کہ جب بائع نے اس کو حکم دیا کہ بھروسہ بدل لے اور یہ چونکہ بدون بیع کے نہیں ہوتا تو ایسا ہوا کہ گویا اس نے یہ کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ اتنے کو بھی سوتو لے لے پس اسی بات کا لحاظ کرتے ہوئے بیع اقتضاء لفظ کی وجہ سے مقید ہوگی اور عقد ثابت ہو جائے گا اور ایسے دو لفظوں سے منعقد نہ ہوگی جن میں سے ایک امر ہے کہ بیان سابق کے منافی ہو اس لیے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہوتے ہیں۔

بیع تعاظلی کا حکم اور اسی سبب سے تعاظلی سے بھی بیع پوری ہو جاتی ہے حقیر چیز ہو خواہ اعلیٰ چیز ہی مذہب صحیح ہے کیونکہ رونا مندی ثابت ہے لیکن اس میں بعضوں کے نزدیک دونوں طرف سے تعاظلی ہونا ضروری ہے اور بعضوں کے نزدیک صرف ایک کا دے دینا کافی ہے کیونکہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اشارہ کیا ہے کہ بیع کا حوالہ کر دینا ثبوت بیع کے لیے کافی ہے یہ جب ہے کہ قیمت بیان کر دے یا معلوم ہو جیسے کوئی گہیوں بیچنے والے سے پوچھے گہیوں کیا بھاؤ بیچتا ہے وہ کہے فی روپیہ ایک قفیز پھر اس نے کہا مجھ کو پانچ قفیز ناپ دے پس اس نے ناپ دے پس وہ لے کر چلا گیا تو یہ بیع ہے اور اس کے دوسرے پانچ روپے ہو گئے اور ایسے ہی اگر ایک بوجھ کمری کا آٹھ پیسے کو خریدنا پھر کہا ایک بوجھ اور یہاں

عہ تعاظلی یہ ہے کہ بائع اور مشتری بغیر اس کے کہ ایک دوسرے سے کچھ کہے اور نزع ملے کرے مشتری قیمت دیدے اور بائع مال حوالہ کرے

لا کر ڈال دے پس اُس نے ایسا ہی کیا تو بیع مع ہے اور بائع کو آٹھ پیسے کے مطالبہ کا حق ہے اور اگر لکڑ پارے سے کہا لکڑی کا یہ بوجھ کتنے کو بچتا ہے اُس نے کہا آٹھ پیسے کو پس اُس نے کہا گدھا ہانک لے پس وہ ہانک لے گیا تو اُس میں علماء کا اختلاف ہے بعضے کہتے ہیں جب تک لکڑیاں حوالہ نہ کر دے اور پیسے نہ لے لے بیع نہ ہوگی اور بعضے کہتے ہیں بیع ہوگی کیونکہ دونوں لینے دینے پر راضی ہو گئے اور دونوں کی رضامندی ہی اس بارہ میں معتبر ہے مگر رضامندی چونکہ محضی بات ہے اس لیے ایجاب و قبول اس وجہ سے کہ یہ رضامندی پر دلالت کرتے ہیں اُس کے قائم مقام ہیں۔

بیع میں اختیار قبول کا حکم شرعی پھر جب دونوں معاملہ کرنے والوں میں سے ایک نے ایجاب کیا بائع ہو یا مشتری جیسے کہ بائع مشتری سے کہے میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز اتنے کو بیچی یا مشتری بائع سے کہے میں نے تجھ سے یہ چیز اتنے کو اختیار قبول کہتے ہیں اور یہ اختیار آخر مجلس میں عقد کو قبول کرے اور چاہے رد کر دے اور اس اختیار کو اختیار قبول کہتے ہیں اور یہ اختیار آخر مجلس تک باقی رہتا ہے اور تاخیر سے باطل نہیں ہوتا اگرچہ عرصہ گزر جائے جب تک کہ کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہو جو اس اختیار کو باطل کر دے اس لیے کہ انسان کو اس میں سوچنے کی ضرورت ہے اور اُس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ بیع کے ایک حصہ میں عقد کو قبول کرے دوسرے میں نہیں اس میں عقد منفرق ہو جاتا ہے جس سے دوسرے کا نقصان ہوگا کیونکہ بیع اگر ایک ہی چیز ہے تو یہ نقصان ہوگا کہ اس میں دوسرا شریک ہو گیا اور اگر کئی چیزیں ہیں تو عادت یوں ہے کہ عمدہ کو ناقص کے ساتھ ملا دیتے ہیں اور عمدہ کی قیمت ناقص کی نکاسی کے لیے کچھ کم کر دیا کرتے ہیں تو اگر بعض کے قبول کرنے کا اُس کو اختیار ہو تو وہ عمدہ کو تولے لے گا اور ناقص کو چھوڑ دے گا پس بائع کے ہاتھ سے عمدہ بیع قیمت سے کم پر نکل جائے گی اور اس میں اس کا ضرر ہے ہاں اگر بائع دو عقد کرے اور ہر ایک کی قیمت جدا جدا بیان کر دے اور یوں کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے کو اور یہ چیز اتنے کو بھی تو اب اُس کو ضرر نہ ہوگا پھر جب تک قبول نہ ہو ایجاب دونوں میں سے کسی ایک کے کھڑے ہو جانے سے باطل ہو جائے گا کوئی کھڑا ہو جائے اور اس کے بعد دونوں میں سے کسی کو قبول کا اختیار باقی نہ رہے گا کیونکہ کھڑا ہو جانا رجوع کی دلیل ہے۔

اور ایسے ہی اگر بائع مشتری سے کہے میں نے تیرے ہاتھ یہ چیز اتنے کو بیچی اور ابھی مشتری نے کچھ نہیں کہا کہ بائع اور شخص سے کچھ بات چیت کرنے لگا تو ایجاب باطل نہیں ہوگا۔

خیار عیب اور جب ایجاب و قبول ہو چکیں تو عقد پورا ہو جاتا ہے اور دونوں میں سے کسی کو کچھ اختیار نہیں رہتا نہ مجلس میں نہ مجلس کے بعد ہاں عیب یا نہ دیکھنے کی وجہ سے اختیار باقی رہتا ہے۔ نقد و ادھار بیع صحیح ہے اور جو صن میں جو چیز دی جائے اُس کی طرف اشارہ کر دینا بیع ہو یا قیمت صحت بیع کے لیے بلا مقدار اور وصف کے جانے ہوئے اشارہ ہی کافی ہے اور جس کی طرف

اشارہ نہ کیا گیا ہو اس کی مقدار اور وصف کا جاننا ضروری ہے اس لیے کہ عقد کے بعد قبضہ کر لیا جائے اور اس جہالت سے جس کا انجام ہبگڑا ہو اس کا حاصل ہونا محال ہے اور بیع نقد قیمت یا ادھار دونوں سے صحیح ہے کیونکہ قول النبی وَاَحَلَّ اللهُ الْبَيْعَ "اور حلال کیا اللہ نے بیع کو" مطلق ہے اور اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے کچھ مدت پر ادھار غلاموں لیا اور اپنی زرہ گروی رکھ دی۔

ادھار بیع کی صورت میں قیمت کی ادائیگی کی مدت متعین کرنا ضروری ہے | لیکن مدت کا معلوم ہونا ضروری سے اس واسطے کہ اگر مدت معلوم نہ ہوگی بلکہ مجہول ہوگی جیسے حاجیوں کی واپسی کے وعدہ پر بیچنا یا کھیتی کٹنے پر یا کھلیان کے وائیں چلانے پر یا انکو رٹوٹنے پر یا اڈون کترنے پر تو اس کی جہالت اس قبضہ کر دینے سے جو عقد کے بعد واجب سے مانع ہوگی اس لیے کہ یہ اوقات کبھی پہلے ہوتے ہیں اور کبھی پچھے سو کبھی بائع اول وقت میں تقاضا کرے گا اور خریدار پچھلے وقت پر ٹالے گا اور دونوں میں ہبگڑا پڑے گا جو عقد کے فاسد ہو جانے کو چاہتا ہے۔

اور اگر دونوں نے ان ہی مدتوں پر بیع کی پھر دونوں نے رضامندی سے حاجیوں کے آنے اور لوگوں کے کھیتی کاٹنے اور کھلیان ڈالنے وغیرہ پہلی مدت کو ساقط کر دیا تو وہ بیع صحیح ہو جائیگی کیونکہ باعث فساد تقرر عقد سے پہلے جاتا رہا اور اگر دونوں میں بیع بلا شرط واقع ہوئی پھر اس کے بعد ادائے قیمت کے ہی اوقات مقرر کر دئے تو جائز ہے اس لیے کہ یہ دین کے لیے مدت بیان کرنا ہے اور دین میں تنوڑی سی جہالت گوارا کی جاسکتی ہے کیونکہ جس دین کی قرض خواہ کوئی مدت معین کر دے تو وہ مدت معلوم ہو یا تنوڑی سی جہالت کی وجہ سے مجہول ہو جیسے یہ مذکورہ اوقات تو وہ دین مؤجل ہو جاتا ہے اور اس کی مدت لازم ہو جاتی ہے مگر وہ قرض غلہ جو نقد دیا جائے کہ اس کی مدت لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کا باطل کر دینا جائز ہے کیونکہ قرض ایک احسان ہے اور اس میں کوئی زبردستی نہیں جیسے عاریت میں

اور اگر یہ قصد ہو کہ نقد قرض کی مدت لازم ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرضدار قرض خواہ کو کسی ایسے شخص پر حوالہ کر دے جس پر اس کا دین آتا ہو پھر قرض خواہ اس شخص کو ایک مدت معلومہ تک مہلت دے تو اب یہ مدت لازم ہو جائے گی یہاں تک کہ اگر قرض خواہ اس مدت سے پہلے طلب کرنا چاہے تو اس کو نیز اختیار نہیں ہے۔

غلہ اردو میں تو دین کا ترجمہ بھی قرض ہے اور قرض کو سب جانتے ہیں لیکن عربی میں دین اس کو کہتے ہیں کہ کوئی چیز خریدی اور اس کی قیمت اس وقت ادانہ کی بلکہ بعد میں دینے کا وعدہ ہو اور قرض وہ ہے جس میں خرید و فروخت ہو بلکہ ویسے ہی کوئی شخص کسی سے کچھ ادھار لے۔

خریدی ہوئی چیز کو اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے آگے فروخت کرنا جائز نہیں | اور اگر کسی نے کوئی چیز منقولات میں سے مول لی تو اس کو جائز نہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے بیچ ڈالے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جن کا قبضہ نہ کیا ہو اس لیے کہ شے منقول کی بیع میں اس کے تلف ہو جانے کی صورت میں عقد ٹوٹ جانے کا احتمال ہے کہ اگر بیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہوگئی تو عقد ٹوٹ جائے گا اور بیع اول بائع کی ملک میں لوٹ جائے گی تو اب مشتری غیر کے مال کا بائع ہو جائے گا اور اگر قبضہ کر لیا ہے تو اب بیع اول پوری ہو چکی پس اب وہ دوبارہ اپنے مال کا بائع ہوگا اور چونکہ قبضہ سے پہلے یہ نہیں معلوم تھا کہ آیا بیع پوری ہوگی کہ دوبارہ بیع کی صورت میں اپنے مال کا بائع ہوگا یا ٹوٹ جائے گی پس غیر کے مال کا بائع ہو جائے گا اس لیے جائز نہ ہونے کا حکم ہوا بر خلاف غیر منقول کی بیع کے کہ قبضہ سے پہلے بھی یہ بیع جائز ہے کیونکہ اس میں وہ نافع یعنی ہلاک ہو جانے کی تقدیر پر عقد ٹوٹ جانے کا شبہ نہیں ہے اس لیے کہ زمین کا ہلاک ہونا ناشاذ نادر ہے۔

قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف کے جائز ہونے کی صورت | اور قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے خواہ قیمت ایسی شے ہو جس کی تعیین نہ ہو سکتی ہو جیسے نقد یا متعین ہو سکتی ہو جیسے مکمل اور موزوں یہاں تک کہ اگر کچھ مال کچھ درہم یا ایک پیمانہ گیہوں کے عوض بیچا تو بائع کو جائز ہے کہ اس کے بدلے کوئی اور چیز لے لے کیونکہ جائز کر لینے والا یعنی ملک موجود ہے اور کوئی نافع یعنی ہلاک ہو جانے سے ٹوٹنے کا شبہ نہیں موجود کیونکہ قیمت مشتری کے ذمہ ثابت ہو جاتی ہے اور معین کرنے سے معین نہیں ہوتی ہے اور کیل اور موزوں چیزیں اگرچہ ایک طرح خود بیع ہیں لیکن ایک طرح سے قیمت بھی ہیں لہذا ان کے ہلاک ہونے سے بیع نہ ٹوٹے گی اور قیمت میں قبضہ سے تصرف جائز ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس کے ذمے ثابت ہے خود اسی کو مالک بنا دے تو جائز ہے اگرچہ بعض امور جس کے ذمہ ہے اس کے علاوہ کسی اور کے مالک بنانے کا جواز مراد نہیں اس لیے کہ جس کے ذمے دین ہے اس کے سوا کسی اور کو مالک بنا نا شرع سے ثابت نہیں۔

گیہوں وغیرہ کی خرید و فروخت کا صحیح طریقہ | اور گیہوں وغیرہ غلوں کا ناپ تول کر بھی بچپنا جائز ہے اور اکل سے بھی اور ایک ایسے پیمانہ سے ناپ کر بچپنا بھی جائز ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اور دبانے سے دبنا جاتا ہو تو جائز ہے اور اگر دباؤ سے دب جاتا ہو جیسے زنبیل وغیرہ تو جائز نہیں اور جس نے ناپ کر بکنے والی چیز کی ڈھیری شکل سے مول لی تو اس کو جائز ہے کہ بغیر ناپے ہوئے بیچ ڈالے یا کھائے اس واسطے کہ بیع اس چیز پر واقع ہوگی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے نہ مقدار معین پر۔ لہذا وہ سب کا سب اسی کا ہے اور اگر ڈھیری اس شرط پر مول لی کہ اسے ناپ دو تو بچپنا

نہیچے اور نہ کھائے اس واسطے کہ شاید مقدار مشروط سے کچھ بڑھ جائے اور وہ بائع کا مال ہے اور غیر کے مال میں تصرف حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے۔

اشیاء کے ناپ تول کا صحیح طریقہ | اور بیچنے کے بعد مشتری کے سامنے بائع کا ناپ دینا بنا بر مذہب صحیح کافی ہے کیونکہ مقدار بیع اس سے معلوم ہو جاتی ہے اور قبضہ دے دینا ثابت ہو جاتا ہے اور بیچنے سے پہلے بائع کے کیل کا کچھ اختیار نہیں ہے اگرچہ مشتری کے سامنے ہو کیونکہ شرط بائع یا مشتری کا کیل کرنا ہے اور اس وقت نہ وہ بائع سے نہ مشتری اور بیع کے بعد خریدار کی غیر حاضری میں ناپنے کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ ناپنا بھی ایک گونہ قبضہ دینا ہے کیونکہ ناپنے سے بیع معلوم ہو جاتی ہے اور تسلیم بغیر مشتری کی موجودگی کے ہوتی نہیں اور ایسے ہی وہ چیز جو وزن سے یا گنتی سے بکتی ہے بشرط وزن یا شمار کے مولیٰ تو نہ ہیچے اور نہ کھائے جب تک کہ تول یا گنتی نہ لے ہاں اگر بائع بیع کے بعد مشتری کے سامنے تول دے یا گنتی دے تو یہ کافی ہے اور اگر گز سے ناپنے کی چیز ناپ دینے کی شرما سے مولیٰ تو جائز ہے کہ ناپنے سے پہلے بیچ ڈالے اس لیے کہ گز و صف ہے اس کے مقابلے میں کچھ قیمت نہیں ہوتی پس وہ سب اسی کا ہے زمینی رہہ کہتے ہیں یہ جب سے جبکہ بائع فی گز کے حساب سے قیمت نہ ٹھہرائے اور اگر اس نے معین کر دیا اور کہہ دیا کہ فی گز اتنے کو تو پھر مشتری کو حلال نہیں ہے کہ ناپے بغیر اس میں تصرف کرے۔

فی پیمانہ کے حساب سے منعقد ہونے والی بیع | اور جو کوئی اناج کا ڈھیر فی پیمانہ اتنا کہہ کر بیچے اور یہ بیان نہ کرے کہ کتنے پیمانے ہے تو امام ابی حنیفہ رحمہ کے نزدیک یہ بیع ایک پیمانے کے سوا جائز نہیں کیونکہ بیع اور قیمت دونوں کے مجہول ہونے کے سبب سے جھگڑا اگھڑا ہو جائے گا عقد کل ڈھیر سے متعلق ہونا متعذر ہے اس واسطے کہ بائع بمقتضائے عقد پہلے قیمت طلب کرے گا اور مشتری قیمت کی مقدار معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ادا نہ کرے گا اس لیے کہ خود بیع معلوم نہیں اور جب کہ عقد کو تمام بیع پر واقع نہیں کر سکتے تو ایک پیمانہ پر واقع کریں گے اور ایک معلوم ہی ہے اور اگر جہالت مجلس کے اندر ہی ناپ دینے یا تمام پیمانے بیان کر دینے سے دفع ہو جائے تو بیع تمام ڈھیر کی جائز ہو جائے گی لیکن مشتری مختار ہوگا اور یہی ان تمام موزونات اور معدودات کا حکم ہے جو ایک سال ہوں۔

جانوروں کے ریوڑ کی بیع کا صحیح طریقہ | اور اگر بکریوں کا ریوڑ اس طرح بیچا کہ ہر ایک راس اتنے کو اور ان کا شمار بیان نہ کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک بیع بالکل جائز نہیں کیونکہ ذکر ہو چکا ہے کہ قبضہ ایک عدد پر واقع ہوتا ہے اور وہ یہاں متفاوت ہیں اس لیے کہ بکریوں کی راسیں ایک سی نہیں ہوتیں اور افراد کا متفاوت ہونا جہالت کو مقتضی ہے جس سے جھگڑا ہوگا اور ایسا ہی ہر معدود و متفاوت کا

حکم ہے اگر گھٹری نقان کی فی نقان اتنے کو کہہ کر بیچے اور گنتی بیان نہ کرے تو بیع جہالت کی وجہ سے جو بھگڑا کھڑا کر دیتی ہے بائبل جائز نہ ہوگی اور صاحبین روم کے نزدیک بیع مذم کی جائز نہ ہے اور فتاویٰ قاضی خاں میں مذکور ہے کہ لوگوں پر آسانی کے لیے صاحبین ہی کے قول پر فتوے لے رہے اور اگر ان کا عدویان کر دیا اور مشتری سے کہا میں نے تیرے ہاتھ پر ریوڑ کہ سو بکریاں ہیں یا یہ گھٹری کہ سو نقان ہیں اتنے کو بیچا تو بیع صحیح ہے کیونکہ بیع اور ثمن بلا دینے کی وجہ سے دونوں معلوم ہیں لیکن اگر مشتری نے کم یا زیادہ پائے تو بیع فاسد ہو جائے گی اس کو زیادہ پانے کی صورت میں تو بیع کا فساد اس وجہ سے ہے کہ یہ زائد عقد میں داخل نہیں ہے پس اس کا پھیر دینا واجب ہے اور وہ مجہول ہے اس لیے کہ بکریاں اور کپڑے کے نقان آپس میں متفاوت ہوتے ہیں لیکن اگر کم پائے تو بیع کا فساد اس وجہ سے ہے کہ جس قدر کم ہے اس کے حصہ رسد قیمت اس کے ذمہ سے ساقط کرنا واجب ہے اور وہ مجہول ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ جو چیز کم ہو گئی ہے وہ عمدہ تھی یا اوسط درجہ کی یا گھٹیا تھی اور اگر بائع نے ہر ایک کی قیمت بیان کر دی کہ فی را اس یا فی نقان اتنے کو تو بیع کمی کی صورت میں صحیح ہے لیکن مشتری مختار ہے چاہے موجود کو حصہ رسد قیمت سے مول لے لے کیوں کہ ثمن معلوم ہے اور چاہے نہ لے اور نہ یادتی کی صورت میں فاسد ہے کیونکہ بیع مجہول ہے۔

بیع ناجائز ہونے کی صورت | اور جس نے دوسرے سے کہا میں نے تیرے ہاتھ ایک پیمانہ گیہوں کا جو اس ڈمیر میں ہیں یا اس خرمن میں ہیں بیچا پھر اس کو اور جگہ سے گیہوں دئے تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ نقدی کے سوا سب خرمن متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہیں پس اس کا بدلنا اور دوسرے کا اس کی جگہ رکھ دینا بلا عقد اول کو نسخ کئے اور دوبارہ عقد سے کئے جائز نہیں ہے اور جس نے کوئی شے بیچی اور مشتری سے کہا میں نے یہ چیز تیرے ہاتھ بغیر قیمت کے بیچی تو یہ بیع باطل ہے اس لیے کہ جب قیمت کی نفی کر دی تو بیع کارکن جاتا رہا پس بیع بھی نہ ہوگی اور اگر اس نے بیچا اور قیمت کے متعلق چپ ہو رہا تو بیع باطل نہ ہوگی بلکہ فاسد ہوگی اس لیے کہ متعلق بیع معاوضہ کو چاہتی ہے اور جب اس نے قیمت بیان نہ کی تو اس کی غرض اس شے کی اصلی قیمت کا لینا ہے اور ایسا ہوگا کہ گویا اس نے اس چیز کو اپنی واجب قیمت پر بیچا اور کسی چیز کو واجب قیمت سے بیچنا فاسد ہوتا ہے نہ باطل۔

بیع باطل اور فاسد کا فرق | اور حاصل یہ ہے کہ بیع اگر صحیح نہ ہو تو کبھی باطل ہوتی ہے اور کبھی فاسد لہذا ہر ایک کا بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ ان سے بچنا ممکن ہو۔

پس بیع باطل تو وہ ہے کہ اپنی اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو اور ایسی بیع ملک کا فائدہ بائبل نہیں دیتی اور ایسی بیع کہتے ہیں جس کا گمان غالب ہو کہ اکثر معاملات ان بازار والوں کے باطل ہیں تو اس کو ان سے کوئی چیز خریدنا جائز نہیں اور نہ اس کو وہ چیز حلال ہے جو ان سے خریدی ہو۔

اور بیع فاسد وہ ہے جو باعتبار اصل تو صحیح ہو باعتبار وصف نہیں اور مشتری کے اس پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ ملک کا نائدہ دیتی ہے لیکن پاکیزہ طریقہ سے نہیں بلکہ خبیث طریقہ سے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ کسی کو مالک بنا کر یا خود نفع اٹھا کر اُس میں تصرف کرنا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کھانے کی چیز ہو تو کھانا حلال نہیں ہے اور اگر لوٹڈی ہے تو صحبت حلال نہیں بلکہ ہر ایک بائع اور مشتری پر فساد اٹھانے کی غرض سے عقد کا توڑ دینا واجب ہے۔

اور اگر دونوں نے عقد توڑا بلکہ مشتری نے وہی چیز جو بیع فاسد سے قبضہ کی ہے کسی اور کے ہاتھ عقد صحیح سے بیچ ڈالی تو اُس کی بیع ہو جائے گی کیونکہ جب وہ اُس کا مالک ہے تو بطور بیع وغیرہ کے دوسرے کو مالک بنانے کا بھی مالک ہے اور اب اس کے بعد عقد اول فسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ اب بندہ کا حق متعلق ہو گیا کیونکہ پہلے تو فسخ کا واجب ہونا حق شرع کے لیے تھا اور جب حق عبد اور حق شرع جمع ہو جائیں تو حق عبد اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے مقدم رکھا جاتا ہے ہاں مشتری ثانی کو اُس کے خریدنے سے الگ رہنا ہی اولیٰ تھا کیونکہ کہتے ہیں جس کو معلوم ہو کہ اکثر معاملات بازار والوں کے فاسد ہیں تو اُس کو مناسب ہے کہ اُن سے کسی چیز کے مول لینے سے الگ رہے اور باوجود اس کے اگر اُن سے کوئی چیز مول لے لے گا تو اس کو اس نفع اٹھانا حلال ہو گا بشرطیکہ یہ اخیر کا عقد صحیح ہو اور یہ اس لیے کہ بیع کا رکن ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے پس جس بیع کے رکن میں خلل پایا جائے وہ تو باطل ہے اور جس بیع کے رکن میں خلل نہ پایا جائے بلکہ وصف میں پایا جائے جیسے قبضہ دینا اور قبضہ لینا جو عقد کے بعد ہو جائے واجب ہیں اور انتفاع جو بیع سے مقصود ہوتا ہے اور اس کے علاوہ اور اوصاف تو وہ بیع فاسد ہے۔

بیع باطل اور فاسد کی مثالیں | پس اس بنا پر خون اور مردار کے عومن میں جو خود بخود مر گیا ہو اور اسی قسم کی اور چیزوں کے عومن میں بیع باطل ہے اس لیے کہ یہ بیع اپنی اصل اور وصف دونوں میں صحیح نہیں ہے کیونکہ رکن بیع یعنی مال کا مال سے بدلنا موجود نہیں ہے اُس واسطے کہ کسی چیز میں مالیت کی صفت تمام لوگوں یا بعضوں کے اس کو مال سمجھنے کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے اور یہ چیزیں کسی ایسے شخص کے نزدیک مال نہیں ہیں جس کا دین سماوی ہو اور شراب اور سور وغیرہ سے بیع فاسد ہے اس لیے کہ یہ باعتبار اصل کے صحیح ہے کہ اُس کا رکن یعنی مال کا مال سے بدلنا موجود ہے اس لیے کہ یہ چیزیں بعض کافروں کے نزدیک مال سمجھی جاتی ہیں اور باعتبار اپنے وصف کے صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں باقیمت نہیں ہیں کیونکہ کسی چیز کا باقیمت ہونا اُس سے شرعاً انتفاع مباح ہونے سے ثابت ہوتا ہے اور شرع نے ان دونوں سے انتفاع مسلمانوں کے حق میں باطل کیا ہے۔

اور جس نے ایک پیمانہ گیہوں کا بیچا اور اُس کی ہلک میں گیہوں نہیں ہیں تو بیع باطل ہوگی کیوں کہ

اس کارکن یعنی مال کا مال سے مددنا موجود نہیں ہے اس لیے کہ مال تو وہ ہے جو موجود ہو جس کی طرف طبیعت راغب ہو اور اُس کو خرچ کرنا نہ کرنا دونوں ہو سکتے ہوں اور معدوم چیز تو مال ہی نہیں ہے اور اگر اُس کی ملک میں گیہوں تو ہیں لیکن اُس سے کم ہیں جتنی مقدار اُس نے بتائی ہے تو معدوم میں بیع باطل ہے اور موجود میں فاسد۔

روغن سمیت برتن بیچنے کی غلط اور صحیح صورت | اور روغن زیتون کا باس شرط بیچنا درست نہیں کہ برتن سمیت تول وے اور بعد میں برتن اتنے رطل گھٹا دے جائیں اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ عقد اس کو مقتضی نہیں ہے عقد کا مقتضی تو یہ ہے کہ برتن کا جتنا وزن ہوا اتنا گھٹائیں اور جب یہ شرط پھری کہ اتنے رطل گھٹائیں تو یہ شرط مقتضائے عقد کے مخالف ہوئی ممکن ہے کہ برتن کا وزن اُس سے کم ہو یا زیادہ ہو لہذا بیع کا مجہول ہونا یا کچھ تیل کا بلا قیمت پڑنا یا کچھ قیمت کا اُس تیل کے عوض پڑنا جو موجود نہیں ہے لازم آتا ہے اور اگر یہ شرط کی کہ جتنا وزن برتن کا ہوا اتنا کم کر دیں تو جائز ہے اس لیے کہ یہ صورت مقتضائے عقد کے موافق ہے اور جو شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو عقد کو فاسد نہیں کرتی بلکہ عقد کو محکم کرتی ہے۔

پانی میں مچھلی کی بیع کی غلط اور صحیح صورت | اور ایسے ہی پانی کے اندر کی مچھلی کا بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ شکار سے پہلے وہ مملوک نہیں ہے پس اس موقع پر جائز نہ ہونے کے معنی باطل ہونا ہیں اور شکار کر کے اُس کو حوض میں چھوڑ دینے کے بعد اگر وہ حوض اتنا بڑا ہو کہ بدون تکلیف اور سہلے یعنی جال کے اُس کا پکڑنا ممکن نہ ہو تو اُس پر قبضہ دینا قدرت میں نہیں ہے لہذا اس موقع پر ناجائز ہونا فساد کے معنوں میں ہے اور اگر حوض چھوٹا ہے کہ بلا تکلیف اور بے حیلہ اس کا پکڑنا ممکن ہے تو بیع جائز ہے کیونکہ قبضہ دے دینے کی قدرت ہے لیکن جب مشتری کو دے چکا تو اُس کو اختیار رویت ہے اگر چہ اس سے پہلے وہ پانی کے اندر دیکھ چکا ہو اس لیے کہ پانی سے باہر گرفت قرار ہو جاتی ہے۔

اڑتے ہوئے جانور کی بیع | اور ایسے ہی اڑتی ہوئی چڑیا کی بیع جائز نہیں ہے اس لیے کہ پکڑنے سے قبل مملوک نہیں پس یہاں بھی یہ عدم جواز باطل ہی کے معنوں میں ہے اور اُس کو پکڑ لینے اور ہاتھ سے پھر چھوڑ دینے کے بعد اگر اُس کے پاس لوٹ کر نہ آتا ہو تو قبضہ دینے پر قدرت نہ ہوگی، پس عدم جواز یعنی فساد ہے اور اگر اُس کے پاس پہلا آتا ہے جیسے کبوتر تو اُس کی بیع جائز ہے اس لیے کہ قبضہ دینے پر قدرت ہے۔

دودھ کی بیع | اور ایسے ہی دودھ کا دھننے سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے اس واسطے کہ اس کا وجود مشکوک ہے کہ دھن پھولے ہونے ہوں تو وہ کچھ مال نہ ہوگا پس اس صورت میں بیع باطل ہوگی یا ایسے

کہ دودھ تھوڑا تھوڑا بڑھتا رہتا ہے اور بیع میں بڑھتی مال داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ عقد کے وقت موجود نہ تھا لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ ایسی طرح مل جائے گی کہ تمیز نہیں ہو سکتی پس اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی۔

بکری کی اُون کی اس کے جسم پر بیع | اور ایسے ہی بکری کی اُون کی بیع بغیر کترے دو وجہ سے جائز نہیں ہے ایک تو یہ کہ اُون حیوان سے ملا ہوا ہے پس وہ اُس کا صرف وصف ہی وصف ہے برخلاف اُس کے جو درخت میں لگا رہتا ہے کیونکہ یہ ایک وجہ سے خود مال مقصود ہے لہذا اُس کی بیع جائز ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اُون نیچے کی طرف بڑھتا ہے لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ مل جائیگی برخلاف ٹہنیوں کے جو درخت سے ملے ہوں کہ یہ اُوپر کی جانب سے بڑھتی ہیں لہذا بیع غیر مبیع کے ساتھ نہ ملے گی اور یہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر اُون کو بکری کی پیٹھ پر رنگ دیا جائے تو چند روز کے بعد رنگی ہوئی اُوپر کی طرف ہو جاتی ہے جڑ میں نہیں رہتی اور وہیں ٹہنیاں سواگر اُس کے سرے میں تاگا باندھ دیا جائے تو وہ تاگا چند روز کے بعد سرے سے نیچے کی طرف رہ جاتا ہے اور اُوپر کی جانب خریدار کی ملک ہے اور ادھر کو جو بڑھتا جائے گا سو اسی کی ملک میں بڑھے گا۔

مردار کی کھال اور ہڈیوں وغیرہ کی بیع کی جائز و ناجائز صورت | اور ایسے ہی مردار کی کھال کا دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں ہے کیونکہ بسبب ناپاکی کے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور نبی علیہ السلام فرما چکے ہیں مردار کے کباب کو مت برد اور اباب بے پکائے ہوئے چمڑے کو کہتے ہیں اور پکا کر بیچنا اور برتنا پکانے سے پاک ہو جانے کی وجہ سے جائز ہے پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نجاست تو چکنائی کے ملنے کی وجہ سے ہے اور یہ جواز بیع سے مانع نہیں جیسے ناپاک کپڑا تو جواب یہ ہے کہ چمڑے میں چکنائی پیدا ہوتی ہے پس جب تک دباغت سے دور نہ ہو بمنزلہ عین جلد کے ہے اور اس اعتبار سے چمڑے کی ذات حرام ہوئی برخلاف ناپاک کپڑے کے کہ یہ پیدا ہوتی نہیں بلکہ اس میں لگ گئی کہ اس سے پہلے لگی نہ تھی پس اُس کا حکم جواز بیع اور برتنے میں نہ بدے گا پھر جیسے کہ دباغت کے بعد مردار کا چمڑہ بیچنا اور برتنا جائز ہے ایسے ہی مردار کی ہڈیاں اور سینگ اور پٹھے اور کھیر کے بال اور اور اونٹ کے بال اور اُون کا بیچنا اور اُن کا برتنا بھی جائز ہے بشرطیکہ اُن پر چکنائی نہ ہو کیوں کہ یہ سب پاک ہیں ان میں موت کا اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ ان میں جان نہیں ہوتی بلکہ ان میں نباتات کی طرح نمو ہے البتہ اگر ان پر چکنائی ہو تو ناپاک ہیں نہ اُن کی بیع جائز ہے اور نہ ان کا استعمال۔

چھت میں شہتیر اور تھقان میں سے تھوڑے کپڑے کی بیع | اور ایسے ہی چھت میں چمڑے سے ہونے والے شہتیر کا بیچنا اور ایک گز کا سارے کپڑے میں بیچنا جائز نہیں اس لیے کہ بغیر البیان تھقان اٹھائے جس کو عقد واجب نہیں کرتا قبضہ نہیں کرتا قبضہ نہیں دے سکتا اور اگر بائع نے شہتیر کو نکال لیا اور گز پھر

کپڑا پھاڑ دیا اس سے پہلے کہ مشتری عقد کو توڑے تو یہی بیع صحیح ہو جائے گی کیونکہ مفسد یعنی منقرض
بیع سے پہلے ہی دفع ہو گیا اور یہ تب ہے کہ شہتیر معین ہو اور کپڑا ایسا ہو جس کے پھاڑنے سے نقصان
ہوتا ہو جیسے کہ تا وغیرہ اس واسطے کہ اگر کپڑا ایسا نہ ہو کہ پھاڑنے سے نقصان ہو جیسے تھان تو بیع
جائز ہے اور اگر شہتیر معین نہ ہو تو بیع لوجہ بہاالت درست نہیں ہے۔

بعض معاملوں میں بیع جائز یا ناجائز ہونے کی وجہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے اگر کوئی کسی معین
بکری کا چمڑا ذبح سے پہلے بیچ ڈالے تو جائز نہیں ہے اور پھر وہ اگر چہ بکری کو ذبح کر کے اور
اُدھیر کر مشتری کے حوالہ کر دے تو بھی بیع درست نہیں ہوتی اور اگر چہ چمڑا معین اور موجود ہے
جیسے کہ شہتیر چھت میں پڑے ہونے کی حالت میں معین اور موجود تھا۔ اور ایسے ہی اگر بکری کی
او بھڑی یا پائے بیچ ڈالے پھر اس کو ذبح کر کے جو چیز بیچی تھی تو الہ کر دی جب بھی بیع صحیح نہیں
ہوتی (تو اس کی کیا وجہ کہ شہتیر کی بیع تو جائز ہے اور بکری کے چمڑے وغیرہ کی بیع جائز نہیں) تو
جواب یہ ہے کہ چمڑا اگر چہ معین اور موجود ہے لیکن وہ غیر بیع کے ساتھ پیدا لشی متصل ہے لہذا اسی کا
تابع ہے لہذا قبضہ دینے میں عجز اصلی ثابت ہے عجز حکمی نہیں بخلاف شہتیر کے کہ وہ بذات خود ایک
مال ہے اور اس کا دوسری چیز سے اتصال بندوں کے فعل کی وجہ سے ہو گیا ہے اور قبضہ دینے میں
عجز حکمی ہے اس لیے کہ اس میں ایک مکان کا خراب کرنا ہے جس کا استحقاق عقد سے نہیں ہوا پس جب
اُسے نکال دیا اور اپنا ضرر قبول کر لیا تو مانع جاتا رہا پس بیع جائز ہو گئی۔

فروخت شدہ چیز کے استعمال کی بعض جائز و ناجائز حدود میں اور جس نے لوندی بیچی پھر بیع سے
مکر گیا تو اس کو لوندی سے صحبت کرنا تا وقتیکہ مشتری اپنا دعویٰ نہ چھوڑے حلال نہیں ہے پس جب
وہ دعویٰ چھوڑ دے اور بائع سُن لے کہ اُس نے دعویٰ چھوڑ دیا اُس وقت صحبت حلال ہوگی اور
جو شخص لوندی خرید کر مکر جائے تو بھی بائع کو صحبت کرنی حلال نہیں ہے جب تک دعویٰ نہ
کرنے کا پکا قصد نہ کر لے اس لیے کہ بیع صرف مشتری کے انکار سے نہیں ٹوٹتی کہ بائع دعویٰ
نہ کر لے پس جب دعویٰ نہ کرنے کی نیت کر لی تو اب دونوں کی رضامندی سے فسخ ہو گیا لہذا صحبت
حلال ہے جیسے کہ کسی نے ایک لوندی اس شرط پر خریدی کہ تین دن تک مجھے اختیار ہے اور قبضہ کر لیا۔
پھر تیار کی مدت کے اندامد ایک اور لوندی واپس کی اور بیان کیا کہ یہ وہی لوندی ہے جس کو میں نے
مول لیا تھا اور قبضہ کیا تھا تو اس کا قول معتبر ہو گا اس لیے کہ دوسری لوندی کے قبضہ کا انکار کرتا ہے
پس اگر بائع اس پر راضی ہو گیا تو اُس کو اس لوندی سے صحبت کرنا حلال ہے اس لیے کہ مشتری نے
جب ایک دوسری لوندی پھیری تو وہ تو پہلی لوندی کے عوض اس پر بائع کے مالک ہو جانے پر
راضی ہے اور جب بائع بھی اس پر راضی ہو گیا تو ان دونوں میں بطریق تقاطعی بیع کامل ہو گئی اور ایسے

ہی دھوبی اگر کپڑے کے مالک کو بدل کر اور کپڑا دیدے اور وہ مالک راضی ہو جائے تو اس کا استعمال بھی جائز ہے۔

بعض صورتوں میں فروخت کرنا جائز ہے | اور اگر کسی نے کوئی ایسی چیز خریدی جو بگڑ جاتی ہے جیسے گوشت اور پھلی وغیرہ اور قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنے گھر چلا گیا تاکہ قیمت لے آئے اور اس میں اسے دیر لگ گئی اور بائع کو اس چیز کے بگڑ جانے کا خوف ہو تو اس کو استھاناً کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنا جائز ہے اور اس دوسرے مشتری کو اس کا خریدنا جائز ہے اور اگر چہ وہ یہ حال جانتا ہو اس لیے کہ بائع فسخ پر راضی ہے اور ایسے ہی بنلا پہلا مشتری بھی راضی ہے۔ پھر اگر دوسری دفعہ سے زیادہ ہو تو اس کو اتنی زیادتی کا خیرات کر دینا لازم ہے اور اگر کم ہے تو یہ نقصان بائع کے ذمہ ہے مشتری اول کے ذمہ نہیں ہے۔

اور اگر کوئی لڑکا یا بالغ پلیدہ یا روٹی لے کر کسی دکاندار کے پاس آیا اور کوئی ایسی چیز مانگی جو گھروں میں کام آتی ہے جیسے نمک اور اشنان وغیرہ تو اس کے ہاتھ بیچنا جائز ہے اور اگر اس سے اخروٹ یا بستہ وغیرہ مانگے جو لڑکے اپنے واسطے لیا کرتے ہیں تو اس کے ہاتھ نہ بیچے اس لیے کہ پہلی صورت میں لڑکے کو بظاہر اجازت ہے اور دوسری صورت میں نہیں۔

صرف نیت سے بیع منعقد نہیں ہوتی | اور اگر کسی نے نان بانی کو کچھ روپے دئے اور کہا میں نے تجھ سے ان روپوں کے بدلے اتنے من روٹی خریدی اور ہر روز بعض ایک ایک درہم کے پانچ من روٹیاں یعنی شروع کیں تو بیع ناسد ہے اور جو کھاتا ہے وہ چونکہ عقد ناسد سے کھاتا ہے لہذا وہ مکروہ ہے ہاں اگر اس کو روپے دیدئے اور یہ نہ کہا کہ میں نے تجھ سے اتنے من روٹیاں مول لیں اور ہر روز اس سے پانچ من روٹیاں ایک ایک روپے کی یعنی شروع کیں تو بیع جائز ہے اور جو کھاتا ہے حلال ہے اگر چہ روپیہ دیتے وقت خریداری کی نیت ہو اس واسطے کہ صرف نیت سے بیع نہیں ہوتی بیع تو صرف لیتے وقت منعقد ہوگی اور لیتے وقت بیع اور ثمن دونوں معلوم ہیں۔

درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع | اور درخت پر لگے ہوئے پھل کی بیع جائز ہے خواہ پک گیا ہو یا نہیں اس لیے کہ وہ ایسا مال ہے جس کی قیمت ہے کیونکہ وہ اب یا آئندہ کام کے لائق ہے اور مشتری پر ملک بائع کو خالی کر دینے کے لیے ابھی اس کا کاٹ لینا لازم ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ بغیر شرط کے خرید کیا ہو یا توڑ لینے کی شرط کر لی ہو اور اگر درخت پر چھوڑنے کی شرط کی ہو تو بیع ناسد ہے اس لیے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جس کا عقد مقتضی نہیں اور اس میں ایک کا فائدہ ہے اس واسطے کہ اس میں مشتری کے لیے زیادہ عمدگی اور تازگی حاصل ہوگی۔

اور اگر پھل کو بغیر شرط کے خرید کر کے بائع کی اجازت سے درخت پر لگے رہنے دیا تو اس کو

یہ زیادتی حلال ہے اور اگر بے اجازت درخت پر رکھا جائے تو جس قدر پھل میں زیادتی ہوئی ہے اس کو خیرات کر دے کیونکہ یہ زیادتی بطور ممنوع حاصل ہوئی ہے اور یہ بات زمین منسوب کے زور سے حاصل ہوتی ہے اور یہ جب سے کہ پھل کا بڑھنا ختم ہونے سے پہلے خرید کر درخت پر رکھے۔ اور اگر بڑھنا ختم ہو چکنے کے بعد بے اجازت درخت پر رکھا تو اس میں سے کچھ خیرات نہ کرے کیونکہ اب صرف حالت کا تغیر ہے کچا تھا اب پک گیا کچھ جسم اس کا نہیں بڑھا کیونکہ پھل جب اپنی مقدار کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اس میں بائع کے ملک سے کچھ نہیں بڑھتا بلکہ اس کا پکنا آفتاب کی گرمی سے ہوتا ہے اور اس کی رنگت چاند کی تاثیر سے اور مزہ تاروں کے اثر سے لہذا اس میں بجز سورج اور چاند اور تاروں کی تاثیر کے اور کچھ نہیں ہے اور یہ عزیز حکیم کے حکم سے ہے۔

مہتروں مجلس سود کی حقیقت اور اس کے انجام بد بیان میں

سود کا لین دین پھل جانے کی پیشین گوئی | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان میں سے کوئی بے سود کھائے نہ رہے گا اگر کوئی خود سود کو نہ کھائے گا تو اس کو اس کا غبار ہی پہنچے گا اور ایک روایت میں ہے اس کا غبار اس کو پہنچے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جس میں سود کی کثرت ہو جائے گی اور اس وقت ان میں سے کوئی بے سود کھائے نہ رہے گا اور اگر صاف نہ کھائے گا تو اس کو اس کا غبار یا غبار ہی پہنچے گا۔

اور بخار وہ بھاپ ہے جو پانی میں سے جوش کھاتے وقت دھوئیں کی طرح اٹھتی ہے اور پانی بلا آگ کے جو اس کے تلے جلائی جانے جوش نہیں کھاتا اور سود قیامت کے دن چونکہ ایسی آگ ہی جائیگا جس سے کھانے والے کا دماغ پکے گا اور اس میں سے بھاپ نکلے گی اس وجہ سے سود کی طرف بخار کی نسبت کرنا مناسب ہوا اور ایسے ہی غبار جب اڑتا ہے تو زمین و آسمان کے درمیان پھیل جاتا ہے پس جو اس کے قریب ہوتا ہے سب پر پڑتا ہے۔

پس اس بنا پر اس حدیث کے معنی جیسے کہ تو ریشی نے بیان کئے ہیں یہ ہیں کہ سود کا لین دین بہت پھیل جانے گا پس معاملہ کے وقت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو کر تمام لوگوں کے مالوں میں مل جائے گا لہذا سب اس کو بلا ارادہ سود کھائیں گے پس کوئی اس کے گناہ اور ضرر سے سلامت نہ بچے گا اگرچہ سودی لین دین سے سلامت رہے۔

سود کے کثرت سے پھیلنے کا سبب | اور اس کا سبب جہالت کا پھیلنا اور بیع و شرا کے احکام سے

واقف نہ ہونا ہے اس لیے کہ ایسا شخص بہت کم ملے گا جو نبی علیہ السلام کی بتائی ہوئی بات بتائے اور اس پر عمل کرے پس تم دیکھو گے کہ دیندار آدمی سود کھا رہا ہے اور اس کو اس کی خبر نہیں کہ یہ سود ہے لہذا وہ دین کی کوتاہی کے سبب سے گنہگار ہو گا کیونکہ جو شخص بغیر اس کے کہ مسائل اور احکام سے بیخبر ہے وہ شرک کے سیکھے بیع و شرا کرے گا تو وہ سود کھائے گا چاہے یا نہ چاہے۔ اور اسی لیے حضرت عمرؓ بازار میں پھرا کرتے تھے اور سوداگروں کو کوڑے سے مارا کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے بازار میں وہ نہ بیچے جو مسائل دینی نہ جانتا ہو ورنہ وہ سود کھائے گا چاہے یا نہ چاہے۔

سود کھانے والوں کا انجام | اس بیان کے موافق مومن پر واجب ہے کہ بیع و شرا کے مسائل سیکھے تاکہ سود سے بچنا اس کو ممکن ہو کیونکہ سود حرام ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے اور کئی آیتوں سے اس کے حکم میں سختی کی ہے ان میں سے ایک یہ آیت ہے **الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَتَغَيَّرُونَ** قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ جس کے حواس کو دے دیے ہوں شیطان نے پیٹ کر۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دے دی ہے کہ جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اپنی قبر میں سے جب نکالے جائیں گے تو وہ اس جنون کی وجہ سے جو ان کو سود کھانے سے پیدا ہو گیا ہے ایسے اٹھیں گے جیسے مرگی مارے ہوئے کا اٹھنا پس ان کا اٹھنا اور گرنامرگی مارے کی طرح ہو گا لیکن نہ اس وجہ سے کہ ان کی عقل میں فتور ہے بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ میں جو سود کی چیزیں کھائی ہیں ان کو بڑھانے کا لہذا بوجہ سے عامل کی طرح کبھی اٹھیں گے اور کبھی گریں گے اور یہ عذاب قیامت کے دن ان کو ایسا گھیرے گا کہ اسی سے اہل محشر کے نزدیک پہچانے جائیں گے پس بے شک اہل محشر میں سے ہر شخص سمجھ جائے گا کہ یہ سود خوار ہیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ معراج کی شب میں ایک قوم پر پہنچا جن کے پیٹ گھروں کی طرح فراخ تھے اس کے اندر بہت سے سانپ اور بچھو باہر سے نظر آتے تھے میں نے پوچھا اے جبریلؑ یہ کون لوگ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سود خوار ہیں۔

تجارت کرنے والے کے لیے علم سیکھنے کی ضرورت | اس بیان کے موافق جو تجارت کرے اس کو چاہیے کہ اتنا علم ضرور سیکھ لے جس کی تجارت میں حاجت پڑتی ہے تاکہ سود کھانے سے بچے کیونکہ سود کبیرہ گناہ ہے۔

سود کے معنی | اور سود کے معنی لغت میں مطلق زیادتی کے ہیں اور امد مطلق شرح میں وہ زیادتی مراد ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو اور ذوالوں میں سے کسی ایک ذوال میں شرط ہو۔

سود کی قسمیں | اور سود کی دو قسم ہیں ایک زیادتی کا سود اور ایک امد کا سود۔

زیادتی تجارت کے سود کی شرط | زیادتی کے سود میں تو یہ شرط ہے کہ دونوں عوض ایک جنس کے ہوں اور ایسے ہوں کہ دونوں ناپ کر سکتے ہوں یا تول کر سکتے ہوں اور دونوں ایسے ہوں کہ شرعی اندازہ کے تحت میں داخل ہوں اور شرعی اندازہ ناپ کر سکنے والی چیزوں میں ناپ ہے اور تول کر سکنے والی چیزوں میں تول ہے اور ناپ و وزن کی تعبیر قدر سے کرتے ہیں اب اس بیان کے موافق دو پیمانہ ہو کی زیادتی ایک پیمانہ گھیوں پر سود نہ ہوگی کیونکہ دونوں ایک جنس کے نہیں اور گز کی چیز کی زیادتی دوسری گز کی چیز پر جیسے دو گز کپڑے کا ایک گز کپڑے سے زیادہ ہونا اور مددو کی زیادتی جیسے دو انڈوں کا ایک انڈے سے زیادہ ہونا سود نہیں کیونکہ یہ دونوں نہ ناپنے والی چیز ہیں اور نہ تولنے والی اور دو آنہ بخورہ گھیوں کا ایک آنہ بخورہ گھیوں سے زیادہ سود نہیں اس لیے کہ یہ دونوں شرعی اندازہ کے تحت میں داخل نہیں ہیں اس لیے کہ شرع میں ناپنے والی چیزوں کا اندازہ کرنے کے لیے کم از کم ادھار صاع معتبر ہے اس سے کم معتبر نہیں اور دو پیمانہ گھیوں اور دو پیمانہ جو کا ایک پیمانہ گھیوں اور ایک پیمانہ جو سے زیادہ ہونا سود نہیں ہے اس لیے کہ اول اگرچہ دوسرے سے زیادہ ہے لیکن ایک جنس کو دوسری خلاف جنس سے مقابلہ کرنے کی وجہ سے عوض سے خالی نہیں ہے کیونکہ جب ایک جنس اپنی جنس کے ساتھ مقابل ہوتی ہے تو ایک کا ہر ہر جز دوسرے کے ہر ہر جز کے مقابل ہوتا ہے پس اگر ایک میں زیادتی ہو تو وہ زیادتی مالک کی طرف سے مفت جاتی ہے لہذا لوگوں کا مال تلف ہونے سے بچانے کے لیے شارع نے اس میں مقدار کی برابری واجب کر دی ہے اور جب ایک جنس کا خلاف جنس سے مقابلہ ہو تو پھر ایک چیز کے ایک جز کا مقابلہ دوسری چیز کا ایک جز نہیں ہو سکتا کہ مفت جاتا رہنا ثابت ہو اس لیے کہ مفت جانا صرف جنس کا جنس سے مقابلہ ہونے اور ایک میں زیادتی ہونے کے وقت ثابت ہوتا ہے۔

ادھار کے سود کی شرط | اور ہا ادھار کا سود پس اس میں یہ شرط ہے کہ دونوں عوض میں جنس یا قدر ایک ہی ہووے۔

سود کی علت اور اس کا اثر | کیونکہ سود کی علت علمائے حنفیہ کے نزدیک کیل یعنی ناپ مع الجنس ہے یا وزن مع الجنس ہے پس جب دونوں وصف یعنی جنس اور اس کے ساتھ کے معنی یعنی کیل یا وزن دونوں پائے جائیں تو زیادتی اور ادھار دونوں حرام ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کی حرام کرنے والی علت موجود ہے اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں کیونکہ دونوں کی حرام کرنے والی علت نہیں ہے اور جب ایک ہو اور دوسرا نہ ہو تو زیادتی حلال ہے اور ادھار حرام اس لیے کہ علت کا جز اگرچہ حکم کو پیدا نہیں کرتا لیکن شبہ کو پیدا کرتا ہے اور سود کے بارہ میں اس قدر بھی حقیقت ہی شمار کیا جاتا ہے اگرچہ درجہ میں اس سے کم ہے پس دونوں طرف کا اعتبار کرنا ضروری ہوا پس ادھار میں

چونکہ احد البدین معدوم ہوتا ہے اور معدوم کی بیع جائز نہیں ہے لہذا یہ بات اس شبہ کو قوی کر دے گی اور ناجائز ہونے کا حکم ہو گا اور ادھار کے علاوہ یہ شبہ معتبر نہیں کیونکہ شبہ حقیقت سے کم درجہ ہے اور حاصل یہ ہے کہ زیادتی کی حرمت دونوں وصفوں کے ہونے پر ہے اور ادھار کی حرمت صرف ایک ہی وصف کے ہونے پر ہے یا قدر ہو یا جنس۔

ایک جنس کی اشیاء اور مختلف جنس کی اشیاء کی بیع | پس اس بنا پر جو چیزیں ایک جنس کی ہیں اور جو ایک جنس کی نہیں ہیں اس کا بیان کر دینا ضروری ہو پس انکو سب ایک جنس میں اگرچہ ان کے رنگ اور نام جدا جدا ہوں اور ایسے ہی منقے ہوں تک کہ ایک کا دوسرے سے بچنا جائز نہیں مگر برابر برابر اور ایسے ہی چھوڑے سب ایک جنس ہیں اگرچہ ان کی قسمیں مختلف ہیں یہاں تک کہ ایک قسم کی بیع دوسری قسم سے جائز نہیں مگر برابر برابر اور ایسے ہی پھل کی ہر ایک قسم کا یہی حکم ہے جیسے امرود وغیرہ ایک ہی جنس ہیں ان کی ایک قسم کو دوسری قسم سے بچنا جائز نہیں مگر برابر برابر اور ایسے ہی گائے اور بھینس ایک جنس ہے ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بچنا جائز نہیں مگر برابر برابر اور ایسے ہی مرغی اور بھینس اور بکری ایک جنس ہیں ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بچنا جائز نہیں مگر برابر برابر ایسے ہی بھینس اور بکری ایک جنس ہیں ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت سے بچنا جائز نہیں مگر برابر برابر۔

اور اونٹ اور گائے اور بکری کا گوشت اور ان کا دودھ مختلف جنس ہیں اور ایسے ہی دہنے کی چکتی اور گوشت اور پیٹ کی چربی مختلف جنس ہیں اور ایسے ہی لوبہ اور رائیگ اور تانبا اور پھول مختلف قسمیں ہیں یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسری جنس سے برابر برابر یا کمی زیادتی کے ساتھ بچنا دونوں طرح جائز ہے ادھار جائز نہیں کیونکہ علت کے دو جز میں سے ایک جز یعنی وزن ان سب میں موجود ہے۔

ایک ہی جنس کی اشیاء کی بیع کا اصل مدار | اور ان مسائل کی اصل نبی علیہ السلام کا یہ قول ہے الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل ید اید فمن زادوا مستزاد فقد اربی الاخذوا والمعطی سواہ ترجیہ سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے اور گیہوں گیہوں کے بدلے اور جو جو کے بدلے اور چھوڑے کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر ہا تقویوں ہاتھ بیچے جائیں پس جس نے زیادہ دیا اور زیادہ لیا پس اس نے بے شک سود لیا یعنی والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں اور یہ حدیث مشہور ہے اس کو علماء نے قبول کیا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ حکم ان ہی چیزوں میں منحصر نہیں بلکہ یہ نص معلول ہے اور اس کی علت حقیقہ کے نزدیک سونے اور چاندی

میں تو وزن مع الجنس ہے پس اس کا اثر ہر موزن تک پہنچتا ہے لہذا وغیرہ اور باقی چاروں میں کیل مع الجنس ہے پس اس کا اثر ہر کیل میں پہنچتا ہے جیسے چوننا وغیرہ اس لیے کہ لفظ مثل سے جو حدیث میں آیا ہے کیلٹ میں کیل مراد ہے اور موزونات میں وزن کیونکہ ایک دوسری روایت میں بجائے مثلاً مثل کے وزنا بوزن وکیلاً بکیلاً آیا ہے۔

اور حدیث کی زبرداری و دونوں طرح سے روایت کی گئی ہے زبرداری کی صورت میں تو معنی کلام کے یہ ہیں کہ جو پتھم سونے کو سونے سے پس اس صورت میں یہ کلام امر ہوگا۔

اور رہا پیش سو اس صورت میں معنی کلام کے یہ ہونے کہ بیجا جانے سونا سونے سے اور اس صورت میں یہ کلام خبر ہوئی اور رسول علیہ السلام کی خبر بھی امر ہے پس چونکہ امر و جوب کے لیے نے حلالانک بیح مباح ہے اس لیے اس وجوب کو برابری کی رعایت کی طرف راجع کیا گیا اور برابری سے مراد مقدار کی برابری ہے صفت کی برابری مراد نہیں ہے کیونکہ عبادہ ابن الصامت رضی عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ چیزیں عمدہ اور ناقص سب برابر ہیں اور رسول کا ایک کلام دوسرے کی تفسیر کیا کرتا ہے۔

اشیاء کے وزنی وکیلی ہونے کا معیار | پھر جس چیز میں شارع کی طرف سے یہ تصریح آئی ہے کہ یہ کیل (یعنی ناپ) سے بھی جائے جیسے گھیوں اور جو اور چھو ہارے اور نمک سو وہ چیز ہمیشہ کے لیے کیلی ہے اگرچہ لوگ اس میں کیل یعنی ناپ کو ترک کر دیں اور جس چیز میں شارع سے یہ تصریح آئی ہے کہ یہ وزن سے بھی جائے جیسے سونا اور چاندی سو وہ ہمیشہ کو وزنی ہے اگرچہ آدمی اس میں وزن کرنا چھوڑ دیں اور جس میں شارع کی طرف سے کچھ تصریح نہیں ہے کہ وہ کیل سے بھی جائے یا وزن سے تو وہ لوگوں کی رسم اور عادت پر حوالہ ہے پس اگر گھیوں گھیوں سے وزن میں برابر بیچیں یا سونا سونے سے کیل میں برابر بیچیں تو جائز نہیں اس لیے کہ جو ان دونوں میں معیار شرعی ہے یعنی گھیوں میں کیل اور سونے میں وزن اس کے اعتبار سے کن زیادتی کا احتمال ہے اور ایسے ہی اگر گھیوں کو گھیوں کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض اٹکل سے بیچیں تو اگر دونوں معاملہ والوں کو گھیوں اور سونے سے وزن میں برابر ہی ہو اس واسطے کہ عقد کے وقت برابری کا معلوم ہونا صحت عقد کے لیے شرط ہے یہاں تک کہ اگر دونوں نے گھیوں گھیوں کے عوض اور سونا سونے کے عوض اٹکل سے بیچا اور دونوں نے قبضہ بھی کر لیا پھر گھیوں کیل کرنے سے اور سونا تولنے سے برابر ہونا معلوم ہوا تو بھی عقد صحیح ہوگا۔

ہم جنس اشیا میں سود | پس اس بیان کے موافق حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی درنی چیز یا کیلی اپنی ہم جنس چیز سے بھی جائے تو اس کا وزن اور کیل میں برابر ہونا واجب ہے پس اگر کم و زیادہ بیچیں تو حرام ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں فرمادیا ہے کہ جس نے زیادہ دیا زیادہ لیا

وہ سب سوڈ ہی میں داخل ہے اور دینے والا اور لینے والا گناہ اور اس لعنت میں دونوں برابر ہیں جو اس حدیث میں وارد ہے جس کو حضرت ہابر بن زین نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوڈ کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔

چیز اور اس کی قیمت پر فوری قبضہ کی شرط اور ایسے ہی ہاتھوں ہاتھ بیچنا بھی واجب ہے لیکن بیع صرف کے علاوہ ان چیزوں میں جن میں سوڈ ہو سکتا ہے دونوں عوضوں کا مجلس عقد میں صرف متعین کر دینا معتبر ہے طرفین کا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے یہاں تک کہ اگر گھوڑوں گھوڑوں کے بدلے متعین کر کے بچے پھر وہ دونوں قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع جائز ہے اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول بدایہ سے عیناً بعین ہی مراد ہے اس دلیل سے کہ عبادہ بن الصامت نے اسی طرح عیناً بعین ہی روایت کیا ہے بر خلاف بیع صرف کے کہ وہ اس قسم کی بیع ہے جس میں دونوں عوض جنس جنس سے ہوتے ہیں یعنی روپیہ اشرفی پس جب اس میں ایک جنس کو اپنے جنس سے بچیں جیسے سونا سونے سے یا چاندی چاندی سے تو وزن میں برابر ہونا اور افتراق جسمانی سے پہلے قبضہ ہونا شرط ہے اور جب ایک جنس دوسری جنس سے بچیں جیسے سونا چاندی سے یا چاندی سونے سے بچیں تو وزن میں برابر ہونا شرط نہیں بلکہ کمی بیشی اور انکسار سے بھی جائز ہے لیکن افتراق جسمانی سے پہلے طرفین کا قبضہ شرط ہے اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے الفضة بالفضة هاء یعنی چاندی چاندی کے عوض ادھرے ادھرے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الذہب بالوزن هاء و دھاء سونا چاندی کے عوض ادھرے ادھرے اور ہاء اور ہمزہ کے زبر سے ایک آواز سے جو ہے کے لیے مستعمل ہے اور اس قول سے مراد افتراق جسمانی سے پہلے طرفین کا قبضہ ہے کیونکہ معنی یہ ہیں کہ ہر ایک معاملہ کرنے والوں میں سے دوسرے سے "ے" کے تاکہ دونوں افتراق بدنی سے پہلے قبضہ کر لیں اگرچہ وہ دونوں ایک طرف کو ہزارہ چلے جاتے ہوں یہاں تک کہ اگر کوس بھر چلے گئے پھر افتراق سے پہلے قبضہ کیا تو بھی درست ہے کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اگر وہ چھت پر سے کود پڑے تو تو بھی اس کے ساتھ کود پڑا اور اس کلام سے کود پڑنے کا حکم مراد نہیں ہے جو ہلاک کر دیتا ہے بلکہ اس کلام سے قبل از قبضہ افتراق کو ترک کر دینے کے متعلق مبالغہ مقصود ہے۔

اور عقد کے وقت دونوں عوض کا طرفین کی ملک میں ہونا شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ایک نے دوسرے کے ہاتھ ایک دینار دس درہم کے عوض بیچا اور کسی کے پاس کچھ نہیں تھا اور ہر ایک نے اپنا پنا اپنا واجب الادا دین کر من لے کر افتراق سے پہلے ادا کر دیا تو جائز ہے۔

سوڈ چاندی کی بیع کی جائز اور ناجائز صورتیں | یہی اس بیان کے موافق آجکل جو اکثر لوگ لیا کرتے

میں سب سود میں داخل سے کہ ایک شخص بازار میں دوکاندار کے پاس جا کر ایک دینار یا قرش اس کو دیتا ہے اور کہتا ہے مجھے اس کے بدلے دراهم دے دے پس وہ اس کو کچھ دراهم دیتا ہے یا کچھ بھی نہیں دیتا بلکہ اُس سے کہتا ہے میرے پاس دراهم نہیں ہیں لہذا گھڑی بھر کے بعد آجانا تمہارا دراهم حوالے کروں گا پس وہ شخص سب دراهم لیے بغیر چلا جاتا ہے اور یہ باطل ہے سود میں داخل ہے کیونکہ قبضہ جو کہ صرف میں واجب ہے اُس سے پہلے جدائی ہو گئی اور جدائی سے پہلے تمام دراهم پر قبضہ کر لینے کی صورت میں گنکر قبضہ کرتے ہیں نہ وزن کر کے اور یہ اگر چہ دینار میں اس وجہ سے جائز ہے کہ جنس بدل جانے کے وقت وزن واجب نہیں ہوتا لیکن قرش میں جائز نہیں ہے اس لیے کہ جنس ایک ہونے کے وقت وزن واجب ہے تاکہ وزن کی برابری معلوم ہو جائے اور ظاہر یہ ہے کہ قرش جتنے درہموں کو چلتا ہے وزن میں ان سے زیادہ ہوتا ہے پس یہ سود ہوا اور اگر بے وزن زیادہ چاندی تھوڑی چاندی سے بچیں تو سود سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ جو چاندی وزن میں تھوڑی ہو اس کے ساتھ کچھ اور قیمت دار خلاف جنس چیز ملا دیں اس لیے کہ اگر وہ چیز بے قیمت شے ہوگی جیسے ایک مٹھی مٹی تو بیع جائز نہ ہوگی اور کم سے کم قیمت دار شے جس سے بیع درست ہو جائے ایک پیسہ ہے۔

پھر اگر اس شے مخالف کی قیمت اُس زیادتی کے برابر ہو تو بیع جائز بھی ہے اور نہ وہ بھی نہیں اور اگر تھوڑی چیز ہو تو بیع جائز تو ہے لیکن نہ وہ ہے ایسا ہی امام محمد رو سے روایت ہے کسی نے ان سے پوچھا یہ بات تمہارے دل میں کیسی معلوم ہوتی ہے انہوں نے کہا جیسے پہاڑ:

اور اگر کسی شخص نے صرف کے پاس کسی درمیانی آدمی کے ہاتھ دینار بھیجا تاکہ ٹھنڈا لائے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ قبضہ افتراق جسمانی سے پہلے واجب ہے اور درمیانی آدمی کا قبضہ کرنا اور قبضہ دینا معتبر نہیں ہے پس مناسب ہے کہ درمیانی آدمی کو وکیل بنا دے اس لیے کہ وکیل مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے لہذا اُس کا دیا یا سب معتبر ہوگا اور اب طرفین کا قبضہ افتراق جسمانی سے پہلے ہو جائے گا۔

سود نے چاندی کی بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں اور بیع صرف میں قبضہ سے پہلے قیمت میں تصرف جائز نہیں کیونکہ اگر کسی نے ایک دینار دس دراهم کو بچا اور دراهم پر بھی قبضہ نہیں کیا بلکہ دراهم کا ایک تھکان مول لے لیا تو کپڑے کی بیع اُس قبضہ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے جو سبب عقد اللہ کا ایک حق واجب ہوا تھا فاسد ہے حالانکہ قیاس اس کے جائز ہونے کو چاہتا ہے کیونکہ دراهم اور دنانیر چونکہ متعین نہیں ہوتے لہذا یہ عقد مطلق ثمن کی طرف پھرنے چاہیے لیکن اس وجہ سے جائز نہیں ہوا کہ بیع صرف بھی ایک بیع ہے اور بیع میں بیع کا ہونا ضروری ہے حالانکہ بیع

صرف میں قیمت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا اور دونوں عوض میں سے کسی کو بیع ہونے میں دوسرے پر کچھ فوقیت نہیں ہے لہذا ہر ایک ایک وجہ سے بیع اور ایک وجہ سے قیمت ہے گو اصل غلقت کے اعتبار سے دونوں قیمت ہی ہیں اور قیمت باب صرف میں چونکہ ایک وجہ سے بیع ہوتی ہے اور بیع کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے اس لیے قبضہ سے پہلے یہ بیع بھی جائز نہیں ہے اور اس کے بیع ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ متعین بھی ہو کیونکہ مسلم قبضہ متعین نہیں ہوتا ہے حالانکہ وہ بیع سلم میں بیع ہے خداوند تعالیٰ اپنی رضامندی کے موافق اعمال ہم پر آسان کر دے۔

چوتھوں مجلس بیع سلم کی حقیقت اور اس کے احکام اور اسکے علاوہ اور دیگر اقسام کے عقود بیان ہیں

بیع سلم اقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسلف فی شیء فلیسلف فی کیل معلوم ووزن معلوم ائی اجل معلوم۔ ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کسی شے میں بدہنی کرے تو چاہیے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم اور مدت معلوم میں کرے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عباسؓ نے مع اس کے سبب کے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں ایسی حالت میں تشریف لائے کہ وہاں کے لوگ پھلوں میں بدہنی کیا کرتے تھے ایک سال کی دو سال کی تین سال کی یعنی قیمت اب دیدیتے اور پھل ایک سال یا اس سے اور بعد میں لیتے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز میں بدہنی کرے تو چاہیے کہ کیل معلوم اور وزن معلوم میں مدت معلوم تک بدہنی کرے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں ان سے فرمایا کہ کسی کی مقدار کیل سے اور وزنی کی مقدار وزن سے بیان کر دیا کریں جبکہ ان دونوں میں سے کسی چیز کو بدہنی کر کے خریدیں اور سلف سین اور لام کے زبر سے ہے اور اگر چہ اس کے دو معنی ہیں ایک قرض اور دوسرے بیع سلم لیکن یہاں بیع سلم ہی مراد ہے کہ وہ بھی ایک قسم کی بیع ہے اور اس میں بیع بائع کے ذمہ دین ہوا کرتی ہے اور بیع کو مسلم قبضہ کہتے ہیں اور بائع کو مسلم قبضہ اور طے شدہ قیمت کو اس المال اور مشتری کو زب سلم کہتے ہیں۔

بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو اور بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار اور وصف معلوم ہو جیسے کیلی اور وزنی اور گز سے ناپنے کی چیزیں اور گنتی سے گنتی کی جو تقریباً ایک سی ہوں اور ان کے افراد میں زیادہ فرق نہ ہو جیسے اخروٹ اور انڈے

کیونکہ ان میں بڑا اور چھوٹا برابر ہوتا ہے اس لیے کہ اس تفاوت کے پھوڑ دینے پر حسب لوگ متفق ہیں یہ نہیں کہ ایک اخروٹ تو ایک پیسے کا ہو اور دوسرا دو پیسے کا اور ایسے ہی انڈے برخلاف خرزیزے اور انار کے کہ ان کے افراد میں زیادہ فرق ہوتا ہے اور باعتبار مالیت ان کے افراد کے مختلف ہونے سے ان کا مختلف الافراد عدوی ہونا معلوم ہوتا ہے عدوی متقارب میں سے نہیں کیونکہ مالیت میں افراد کا مختلف ہونا ہی عدوی متفاوت اور عدوی متقارب کی شناخت کا قاعدہ ہے اور یہی امام ابو یوسف رحمہ سے مروی ہے اور وہ روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جو امام ابو حنیفہ رحمہ سے مروی ہے کہ بیع سلم شتر مرغ کے انڈوں میں جائز نہیں ہے کیونکہ اس کے افراد مالیت میں مختلف ہیں پھر معدودات متقارب میں بیع سلم جیسے گنتی سے جائز ہے کیل سے بھی جائز ہے اس لیے کہ مقدار کبھی گنتی سے معلوم ہوتی ہے اور کبھی کیل سے۔

جس چیز کی مقدار اور وصف معلوم نہ ہو اس میں بیع سلم جائز نہیں | اور ہر اس چیز میں جائز نہیں جسکی مقدار اور وصف معلوم نہ ہو سکے جیسے حیوانات اور ان کے اعضاء، اور گوشت اور چمڑا اور ایسے ہی ان چیزوں میں بھی جائز نہیں جو عقد کے وقت سے مدت مقررہ آنے تک برابر موجود نہ رہیں کہ یا عقد کے وقت نہ ہوں یا وقت ادا کیلگی آنے پر باقی نہ رہیں یا ان دونوں وقت کے درمیان میں نہ رہیں اور انقطاع کا یہ مطلب ہے کہ بازار میں جہاں وہ شے بکتی ہو نہ ملے اور گھروں میں اس کے ملنے کا کچھ اعتبار نہیں کیونکہ ان کا حاصل کرنا اور رب سلم کو دینا ممکن نہیں اور ایسے ہی کسی خاص گاؤں کے غلہ اور کسی خاص درخت کے پھل میں بھی جائز نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ کسی آفت کی وجہ سے تلف ہو جائے تو حوالہ کرنے پر قدرت نہ رہے۔

کسی خاص پیمانہ سے بھی سلم جائز نہیں | اور ایسے ہی ایک شخص خاص کے پیمانہ سے یا کسی خاص شخص کے گز سے بھی جائز نہیں بشرطیکہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو کیونکہ اس بیع میں چونکہ حوالہ کرنا بعد میں ہوتا ہے اس لیے احتمال ہے کہ وہ پیمانہ یا وہ گز جاتا رہے تو جھگڑا ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک سات شرطوں کے بغیر بیع سلم جائز نہیں | اور خلاصہ یہ ہے کہ بیع سلم امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک سات شرطوں کے بغیر جائز نہیں ہے اور وہ یہ ہیں۔ اول جنس بیع کا بیان جیسے گیہوں یا جو دوم نوع بیع کا بیان جیسے صیفی اور خر لہنی۔ سوم وصف کا بیان جیسے عمدہ یا خراب۔ چہارم مقدار کا بیان جیسے مین یا تین ارطل۔ پنجم مدت کا بیان اور کم سے کم مدت سلم صحیح روایت میں ایک مہینہ ہے ششم اس المال کا بیان جبکہ وہ کیلی ہو یا وزنی ہو یا عدوی ہو۔ سہتم اس جگہ کا بیان جہاں وہ شے ادا کی اگر اس کے اٹھانے میں کچھ وقت ہو کہ بار برداری اور مزدوری کی حاجت پڑتی ہو اور اگر اس کے پہنچانے میں کچھ خرچ نہ ہوتا ہو جیسے مشک اور عنبر تو جہاں چاہے

ادا کر دے۔

عقد بیع سلم کے صحیح باقی رہنے کی شرط | اور رہا اس المال کا افتراق جسمانی سے پہلے قبضہ کر لینا سو یہ عقد بیع سلم کی صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں ہے بلکہ عقد کے صحیح باقی رہنے کے لیے شرط ہے کیونکہ عقد صحیح ہو کر پھر قبل از قبضہ جدا ہو جانے سے باطل ہو جاتا ہے اور افتراق کے معنی یہ ہیں کہ ایک دوسرے کی نظر سے چھپ جائے یہاں تک کہ اگر کسی نے بیس دراهم سے گھیوں کے ایک پیمانہ میں عقد سلم کیا اور اس کے پاس دراهم نہ تھے اور وہ گھر میں گیا کہ دراهم لاوے اور وہ اس کی نظر سے غائب ہو گیا تو سلم باطل ہو جائے گی اور اگر غائب نہ ہوا تو باطل نہ ہوگی بلکہ درست رہے گی اور ایسے ہی اگر دونوں کوں بھر یا زیادہ چلے گئے اور بلا قبضہ کئے جدا نہ ہوئے تو سلم باطل نہ ہوگی بلکہ درست رہے گی۔

مٹن اور بیع پر قبضہ کی بعض صورتوں کا حکم | اور اگر کسی نے ایک شخص سے قرض کے بدلے جو اس کے ذمہ آتا تھا بیع سلم کی اور روپیہ دینے سے پہلے جدا ہو گئے تو جائز نہیں ہے اور اگر جدائی سے پہلے دے دیا تو جائز ہے اور اس المال اور مسلم فیہ میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے اس المال میں تصرف کا جائز نہ ہونا تو اس لیے ہے کہ اس سے اس قبضہ کو فوت کرنا ہوتا ہے جو عقد سے واجب ہو جاتا ہے اور مسلم فیہ میں تصرف جائز نہ ہونا اس لیے ہے کہ وہ بیع میں ہے اور بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اور ایسے ہی اس میں قبضہ سے پہلے نہ شرکت جائز ہے اور تولیہ و عنبرہ کیونکہ یہ سب قبضہ سے پہلے تصرف ہے کیونکہ شرکت کی صورت تولیہ ہے کہ رب سلم کی کسی سے کہے کہ مجھ کو اور ہاں اس المال دیدو تاکہ آدھا مسلم فیہ تمہارا ہو جائے اور تولیہ کی صورت یہ ہے کہ رب سلم کسی سے کہے کہ تمام اس المال مجھ کو دے دو تاکہ تمام مسلم فیہ تمہارا ہو جائے۔

اور اگر کسی نے ایک پیمانہ گھیوں کی بیع سلم کی پس جب وقت ادائیگی آیا تو مسلم الیہ نے کسی شخص سے ایک پیمانہ گھیوں کا مول لیا اور رب سلم کو حکم دیا کہ وہ یہ گھیوں اپنے حق میں وصول کر لے اور اس نے لے لے تو اس کا حق وصول نہ ہوا یہاں تک کہ اگر وہ قبضہ کی ہوئی چیز رب سلم کے قبضہ میں تلف ہو جائے تو مسلم الیہ ہی کی جائے گی۔

اور اگر اس سے بچوں کے کماؤں گھیوں پر پہلے میری طرف سے قبضہ کر پھر اپنے لیے پھر اس نے پہلے اس کے لیے کیل کئے پھر اپنے لیے تو جائز ہے کیونکہ دو عقد بشرط کیل ہوئے ہیں لہذا دو دفعہ کیل کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وقت تک غلہ بیچنے سے منع کیا ہے جب تک اس میں دو ہار پیمانہ جارے نہ ہو جائے۔

اور جس نے ایک پیمانہ گھیوں کی بیع سلم کی اور جب وقت روانگی آیا تو اس نے مسلم الیہ کو بورے دئے اور کہا کہ مسلم فیہ اس میں ناپ لو اور اس نے کیل کر کے بھر دئے اور رب المسلم خود غائب رہا اور ان بوروں میں مسلم فیہ کی عین کی اور کوئی چیز نہ تھی تو اس طرح ادا ہوگی یہاں تک کہ اگر وہ گھیوں تلف ہو جائیں تو مسلم الیہ کا مال تلف ہو گا اس لیے کہ رب المسلم کا حکم خود اس کی ملک سے متصل نہیں ہوا کیونکہ اس کا حق تو دین میں ہے نہ کہ عین میں اور ایسا ہو گا کہ گویا مسلم الیہ نے وہ بورے عاریت مانگ کر اپنا مال اس میں بھر دیا۔

اور اگر دین اور عین اس طرح جمع ہو جائیں کہ کسی شخص نے ایک پیمانہ گھیوں کے لیے بیع سلم کی اور جب مدت تمام ہوئی تو رب المسلم نے مسلم الیہ سے ایک پیمانہ اور گھیوں خریدے اور اس کو بورا دے دیا کہ اس میں وہ معین گھیوں اور دین کے گھیوں بھر دے تو اب مسلم الیہ نے اگر وہ معین گھیوں بورے میں پہلے بھر دئے تو مشتری دونوں کا قابض ہو جائے گا عین کا تو اس لیے کہ اُن کے متعلق اس کا حکم درست ہے کہ اس کی ملک میں واقع ہوا ہے کیونکہ وہ اُن کا خریداری سے مالک ہو چکا ہے پس مامور کا فعل بجائے امر کے فعل کے ہے اور رہا دین کا قبضہ سو اس لیے کہ دین اس کی ملک میں اس کی رضا مندی سے ملا ہے اور برضا مندی ملک میں ملجانے سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے اور اگر مسلم الیہ نے مسلم فیہ کو پہلے بھر دیا تو مشتری دونوں میں سے کسی کا قابض نہ ہو گا دین کا تو اس لیے کہ دین کے متعلق ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ اس کا حق تو دین میں ہے نہ کہ عین میں اور یہ عین ہے لہذا مامور بوروں کے اندر بھرنے میں اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے لہذا اس کا فعل امر کے فعل کی طرح نہیں اور رہا عین سو اس لیے کہ اس نے قبضہ دینے سے پہلے اپنی ملک میں ملا لیے اور چونکہ یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہلاک کر دینا ہے لہذا بیع فسخ ہو جائے گی۔

بیع استصناع اور اس کا حکم اور یہاں بیع کی ایک اور قسم ہے جس کو استصناع کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کاریگر سے کہے کہ میرے لیے اپنے مال میں سے اتنے درہم کی فلاں چیز بنا دے جس کی صورت ایسی ہو اور اتنی بڑی ہو بلا کسی مدت کا کچھ ذکر کیے ہوئے پس وہاگر چیز ایسی ہے جس میں لوگوں کا عمل در آمد ہے جیسے موزہ اور لگن اور قمقمہ وغیرہ تو استصناع درست ہے اس لیے کہ یہ اس اجماع سے ثابت ہے جو نبی علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک لوگوں کے عمل در آمد سے ثابت ہے اور یہ بیع ہی ہوگی صرف وندہ ہی نہیں یہاں تک کہ وہ کاریگر اس کے بنانے پر مجبور کیا جائیگا اور سائی دینے والا پھر نہیں سکتا اور اگر وعدہ ہوتا تو سائی دینے والے کو رجوع کرنے کا حق ہوتا اور کاریگر مجبور نہ کیا جاتا۔

اور بیع وہ چیز ہے اس کا عمل بیع نہیں ہے یہاں تک کہ اگر وہ عقد سے پہلے کا بنا ہوا یا کسی اور کا بنا ہوا لاکر دیدے تو جائز ہے اور اگر بیع عمل ہوتا تو جائز نہ ہوتا اور بیع پسند کیے بغیر سائی دینے والے کی نہیں ہوتی یہاں تک کہ کاریگر کو بنوانے والے کے دیکھنے سے قبل اس کا بیع ڈالنا جائز ہے اور اگر خریدار کی ہو چکتی تو اس کی بیع جائز نہ ہوتی اور بنانے والے کو دیکھنے کے وقت لینے نہ لینے کا اختیار ہے اس لیے کہ بے دیکھے خریدار سے لہذا اس کو خیار روت ہوگا اور اگر وہ چیز ایسی نہیں ہے جس میں لوگوں کا عمل درآمد ہو جیسے کپڑا وغیرہ تو جائز نہیں ہاں اگر اس میں کچھ مدت معین کر دے اور سلم کی سب شرطیں بیاں کر دے تو اب بطور بیع سلم جائز ہوگی استصناع کے طریقہ سے نہیں۔

اشیاء کے قرض کی جائز اور ناجائز صورتیں | پھر چونکہ تلف کے ایک معنی قرض تھے لہذا یہاں اس کا بیان بھی مناسب ہے اور اگر یہ حدیث میں قرض مراد نہیں ہے اس لیے کہ شرع نے اس کی اجازت دے رکھی ہے اس کے جواز پر امت کا اجماع ہے اور قرض یہ ہے کہ تم اپنا مال غیر کو اس طرح دو کہ اس کو پھرا داکر دے اور ہر ایک کپلی اور روزنی اور عدوی متقارب میں قرض جائز ہے عدوی متفاوت میں نہیں جیسے حیوان اور کپڑا اور لکڑی اور قاعدہ اس میں یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مثلی ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان مثل سے ہوتا ہے نہ قیمت سے تو اس کا قرض لینا جائز ہے اور جو چیز مثلی نہیں ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان مثل سے نہیں ہوتا بلکہ قیمت سے ہوتا ہے تو اس کا قرض لینا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے دوسرے سے غلام یا حیوان ادھار لیا پھر اپنا قرض ادا کر دیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس واسطے کہ حیوان کا قرض لینا فاسد ہے اور قرض ناسد قبضہ کے بعد ملک کا فائدہ دیتا ہے اور ہلاک کرنے کے وقت اس کا ضمان بیع فاسد کی طرح قیمت سے ہوتا ہے۔

اور اگر کسی نے دوسرے کو کچھ مال دے کر کہا یہ مال لو اور اپنی ضروریات میں لگا لو تو یہ مال قرض ہوگا اس لیے کہ اس قول میں اگر چہ ہبہ کا احتمال ہے لیکن اس سے ہبہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ قرض ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں میں کم ہے اور اگر اس کو کپڑا دے کر کہا کہ اس سے کوزا اٹھایا تو قرض نہ ہوگا کیونکہ کپڑے کا ادھار فاسد ہے بلکہ ہبہ ہوگا تاکہ اس کا تصرف درست رہے اور جس نے قصائی سے گوشت لیا اور یہ نہ بیان کیا کہ یہ قرض لیتا ہے یا مول لیتا ہے تو یہ قرض ناسد ہوگا قبضہ سے مالک ہو جائے گا اور کھانا اس کا حلال نہ ہوگا اور منتقی میں مذکور ہے کہ گوشت بحساب وزن کے قرض لینا ہمارے اصحاب کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ گوشت جیسا کہ نو اور ابن رستم میں امام محمد سے مذکور ہے مثلی ہے اس کا ضمان مثل سے ہوتا ہے اور جامع کبیر میں مذکور ہے کہ گوشت کا ضمان قیمت سے

ہوتا ہے اور اسپجابی کہتے ہیں کہ یہ جب سے کہ لوگوں کے پاس نہ رہا اور شرح صحاوی سے کہ ہر وزنی پتیر مشلی ہے اور ان کا یہ قول اس کو چاہتا ہے کہ گوشت بھی مشلی ہو اور ایسے ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ انگور اور سوت بھی مشلی ہو۔

اور کاغذ کا بحساب عدد قرض لینا جائز ہے اس لیے کہ یہ عدوی متقارب ہے اور جو شخص کسی کا درشاب تلف کر دے تو قیمت کا منمان دے گا اس لئے کہ جو چیز آدمیوں کی بتائی ہوئی ہے اس میں کارگیری مختلف ہونے کی وجہ سے مماثلت ممکن نہیں۔ پس اس تقریر کے موافق چاہیے تو یہ تھا کہ اس کا قرض لینا جائز نہ ہو لیکن علماء کہتے ہیں کہ اس کا قرض لینا جائز ہے اس لیے کہ وہ صاحبین کے قول کی بنا پر مشلی ہے۔

اور شیرہ انگور مشلی ہے اور ایسے ہی اگر وہ پکائے بغیر و درشاب ہو جائے اور آٹا اور روٹی قیمت والی ہیں پس اس کے موافق یوں چاہیے تھا کہ ان کا ادھار لینا جائز نہ ہوتا لیکن قاضی خان میں مذکور ہے کہ آنے کا قرض لینا بحساب وزن یا کیل جائز ہے اور ایسے ہی روٹی کا قرض لینا وزن سے یا گن کر امام محمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک کر کے جائز ہے عدو کے حساب سے نہیں اور اسی پر فتوے سے۔

قرض لینے دینے اور اس کی ادائیگی کی جائز و ناجائز صورتیں۔ اور اگر ایک جماعت نے مل کر ایک شخص سے کچھ روپیہ قرض مانگے اور سب نے کہا کہ ہم میں سے فلا نے شخص کو دے دینا اور اس نے اس کو دے دئے تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس فلا نے سے سوائے اس کے حصہ کے زیادہ کا تقاضا کرے اور قرض کے قبضہ کرنے کے لیے تو وکیل بنا نا درست ہے جیسے کوئی شخص کسی سے کئے مجھ کو اتنے درہم قرض دیدے پھر کسی کو ان کے قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنائے تو صحیح ہے اور قرض لینے میں وکیل کرنا صحیح نہیں حتیٰ کہ وہ قرض جو وکیل نے موکل کے لیے لیا ہے اس میں موکل کی ملک ثابت نہ ہوگی اس واسطے کہ قرض لینے کے لیے وکیل بنانے کی صورت میں غیر کی ملک میں تصرف کا حوالہ کرنا ہے لہذا جائز نہیں برخلاف ایلی گری کے کہ یہ صحیح ہے کیونکہ اس میں ملک غیر میں تصرف کا حوالہ کرنا نہیں ہے اس لیے کہ ایلی صرف واسطہ ہوتا ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ مجھ کو فلا نے نے تیرے پاس بھیجا ہے اور اتنے درہم تجھ سے قرض مانگتا ہے لہذا اب بیچنے والے کی ملک ثابت ہوگی۔

اور قرض دینے میں وکیل کرنا درست ہے کیونکہ اس صورت میں اپنی ملک میں تصرف کا حوالہ کرنا ہے۔

اور جس کے گھوڑوں دوسرے کے ذمے آتے ہوں اور وہ اس کے ہاتھ ایک درہم کے

بدلے بیچ ڈالے کہ درہم کچھ دنوں بعد دے تو جائز نہیں کیونکہ یہ دین کی دین سے بیع ہے اور اس سے نبی علیہ السلام نے منع کیا ہے اور جواز کا حیلہ یہ ہے کہ قرضدار کے لیوں کے عوض کپڑا خرید کر قبضہ کرنے پھر وہ کپڑا اس کے ہاتھ بیع و قرض درہم کسی مدت پر بیچ ڈالے اور یہ ایسی بات ہے جس کا یاد رکھنا اس زمانے میں واجب ہے اس لیے کہ بعض آدمی گہیوں یا جو وغیرہ جس کا قرض لینا درست ہے قرض لیتے ہیں اور خرچ کر ڈالتے ہیں پھر مالک ان سے مانگتا ہے اور اس کو واپس کر سکتے تو اسے کسی مدت پر درہم کے بدلے خرید لیتے ہیں یہ بیع فاسد ہے جائز نہیں۔

قرض میں تعین مدت کا مسئلہ | پھر جاننا چاہیے کہ جس دین بلا مدت میں مالک مدت بٹھرائے تو وہ دین مؤجل ہو جاتا ہے اور مدت لازم ہو جاتی ہے بجز قرض کے کہ اس میں مدت لازم نہیں ہوتی بلکہ قرض خواہ کو جائز ہے جب چاہے مانگ لے کیونکہ قرض ابتدا میں عاریت ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اس میں مدت لازم نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ احسان ہے اور احسان میں کسی کا کچھ زور نہیں جیسے عاریت میں اور آخر کب دلا ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے بھی اس میں مدت درست نہیں ہے کیونکہ یہ درہم کا درہم سے ادا ہونا چاہیے اور یہ سود ہے اور اس کو چاہتا ہے کہ قرض جائز ہی نہ ہو اور یہ صرف بلحاظ ابتدا جائز رکھا گیا ہے لیکن بغیر مدت لازم ہونے کے اور اگر یہ قصد ہو کہ اس میں مدت لازم ہو جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرضدار قرض خواہ کو کسی اور پر جس پر اس کا دین اتنا ہو جوالہ کہ دے پس اب قرض خواہ اس کے لیے کوئی معین مدت مقرر کر دے تو اب یہ مدت لازم ہو جائیگی یہاں تک کہ قرض خواہ کو یہ حق نہ ہو گا کہ اس سے اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے تقاضا کرے۔

پچھتروں مجلس سوال حرام اور اس کے متعلق وعید اور اس بیان میں کہ سوال کس موقع پر حرام ہے

سوال کرنے والے کی آخرت میں رسوائی | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مِرَّةٌ - توجہتہ آدمی ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہو گا۔ یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عمر نے روایت کی ہے اور مزعہ میم کے پیش اور زائے معجزہ کے جزم اور عین مہملہ کے ساتھ گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں اور قیامت کے دن سائل کے منہ پر نہ ہونے سے وہ مراد ہے جو آخرت میں اس کو فنیحت اور ذلت پیش آئے گی اس لیے کہ سوال اصل میں حرام ہے اور بلا ضرورت مباح نہیں ہے۔

سوال حرام ہونے کی وجوہات | اور سوال اصل میں اس لیے حرام ہے کہ سوال کئی حرام باتوں سے نکالی نہیں ہوتا۔

اقل اللہ تعالیٰ کی شکایت کا ظاہر کرنا پس جس طرح کہ مملوک غلام اگر بھیک مانگے تو اس کے مانگنے سے مولا کو عار آتی ہے ایسے ہی بندے کا سوال اللہ تعالیٰ کو بُرا لگتا ہے اور یہ بات اس کی مقتضی ہے کہ سوال حرام ہو اور بلا ضرورت حلال نہ ہو جیسے مردار بلا ضرورت حلال نہیں اور دوسرے اپنے آپ کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرنا حالانکہ مومن کی یہ نشان نہیں کہ اپنے آپ کو غیر اللہ کے سامنے ذلیل کرے بلکہ اس پر واجب تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا ہی کے سامنے ذلیل کرے کیونکہ اس میں تو دنیا اور دنیا اور آخرت میں اس کی عزت اور شرافت ہے۔ اور تمسیرے اکثری طور پر جس سے سوال کیا ہے اس کو مستانا اس لیے کہ بعض وقت دینے کو اس کا دل نہیں چاہتا ہے اور یہ شرم بھی معلوم ہوتی ہے کہ نہ دینے سے بخیل سمجھا جائے پس دینے میں تو مال کا نقصان ہے اور نہ دینے میں عزت کا نقصان ہے اور دونوں سے ہر ایک سے اس کو ایذا ہوتی ہے اور ایذا دینا حرام ہے بلا ضرورت حلال نہیں۔

پھر یہ کہ اگر اس نے دیا تو یہ شرما شرعی یاریا کے واسطے دے گا پس لینے والے پر اس کا لینا بھی حرام ہے جب تم نے یہ خرابیاں سمجھ لیں تو نبی علیہ السلام کے اس قول کے معنی بھی سمجھ گئے ہوتے کہ آدمیوں سے سوال کرنا ایک امر فاحشہ ہے فواحش میں سے اس کے سوا کوئی حلال نہیں پس دیکھو تو سہی آپ نے اس کا کیوں کر فاحشہ نام رکھا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ فاحشہ بلا ضرورت مباح نہیں ہوتا۔

کس وقت سوال کرنا حلال ہے؟ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت سوال کرنا حلال ہے بعضے کہتے ہیں جس کے پاس ایک دن رات کا کھانا موجود ہے اس کو سوال کرنا حلال نہیں اور بعضے کہتے ہیں جو شخص کما سکتا ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں ہاں اگر سارا وقت تحصیل علم میں صرف ہو جائے اور بعضے کہتے ہیں ہم کو مقدار مقبرہ کرنے کا کچھ اختیار نہیں بلکہ اس کو نقل پر موقوف رکھتے ہیں اور حدیث میں آچکا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا سٹی رہو اللہ تعالیٰ کی عننا سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ کیا ہے یا رسول اللہ! فرمایا کھانا صبح کا اور کھانا رات کا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جو شخص مانگے اور اس کے پاس سچا س درہم یا اس کے برابر سونا ہو تو اس نے بجا حبت سے سوال کیا اور ایک روایت میں چالیس درہم آئے ہیں پس جب مقدار کے متعلق روایتیں مختلف ہیں تو لازم ہے کہ اختلاف احوال پر عمول کی جائیں پس جس چیز کا سائل اسی وقت محتاج ہو مثلاً دن اور رات کے کھانے کا اور کپڑے کے پہننے کا اور رہنے کے گھر کا تو اس کے جواز میں

کچھ شک نہیں۔

آئندہ ضرورت کے لیے مانگنے کا حکم شرعی | رہا آئندہ کے لیے مانگنا تو اس میں سوال کے تین درجے ہیں ایک وہ جس کی کل ہی حاجت ہو اور دوسرے وہ جس کی چالیس یا پچاس دن کے بعد احتیاج ہو اور تیسرے وہ جس کی سال بھر میں احتیاج رہے پس اس کا تو سم کو یقین ہے کہ جس کے پاس اتنا ہو کہ سال بھر تک اس کو اور اس کے بال بچوں کو کفایت کرے تو اس کو مانگنا حرام ہے کیونکہ یہ سب سے بڑی غنا ہے پھر اگر سال سے پہلے اس شے کی حاجت پڑے لیکن اس وقت بھی سوال کر سکتا ہے اور سوال کا موقع ہاتھ سے نہ جانے گا تو اس کو سوال کرنا حلال نہیں کیونکہ ابھی سوال کی حاجت نہیں اور شاید کل تک جیتا نہ رہے تو اب اس نے ایسی چیز کا سوال کیا جس کی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس کے پاس اتنا تھا جو صبح اور شام کے کھانے کو کافی ہو اور اگر سوال کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے کہ اگر سوال آئندہ پر رکھے تو دینے والا نہ ملے تو اب سوال کرنا مباح ہے کیونکہ برس بھر بیٹا کچھ بعید نہیں اور سوال میں دیر کرنے سے اس کو یہ خوف ہے کہ اپنی ضروریات میں مضطرب و عاجز رہ جائے اور اس مدت تک مؤخر کرنا جس میں سوال کی ضرورت ہو مقرر کرنے کے قابل نہیں ہے وہ صرف اس کے اجتہاد اور اپنی جان کے متعلق اس کی رائے پر موقوف ہے پس یہ شخص اپنے دل سے فتوے لے لے اور اس پر عمل کرے اور شیطان کے ڈرانے پر کان نہ دہرے کیونکہ وہ تو فقیر کا وعدہ اور فحشاء کا حکم کیا کرتا ہے اور سوال بھی وہ شخص ہے جو ضرورت کے لیے مباح ہوا ہے۔

ایسی صورت جس میں سوال کرنا لازم ہے | کیونکہ جو شخص کمائی سے ناچار ہو اور زور کی بھوک اُسے لگے اور اپنی جان کا خوف ہو تو اس کو سوال کرنا لازم ہے کیونکہ سوال بھی ایک طرح کی کمائی سے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ سوال آخر درجہ کمائی کا ہے پس اگر ایسی حالت میں سوال نہ کیا جہاں تک کہ مرگیا تو گنہگار ہو گا کیونکہ اس نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالا اس واسطے کہ سوال سے وہ چیز میسر ہو جاتی ہے جس سے ایسی حالت میں اس کی جان بچ جاتی جیسے کمائی سے اور ایسی حالت میں مانگنا کچھ ذلت نہیں ہے اور ذلت تو جب ہے کہ بلا ضرورت مانگے پس جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اس کو سوال کرنا حلال نہیں ہے کیونکہ اب اپنے آپ کو وہ بے ضرورت ذلیل کرتا ہے اور یہ حرام ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مسلم کو یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

کمائی سے عاجز شخص کی ہلاکت سے سب لوگ گنہگار ہوں گے | اور اگر وہ اپنے لیے کما سکتے سے عاجز ہو تو جو شخص اس کے حال سے واقف ہو اس پر فرض ہے کہ اس کو ہلاکت سے بچانے کے لیے اس کو خود کھانا کھلائے یا ایسے شخص کو بتلا دے کہ جو اس کو کھانا دے اور اگر سب لوگ اس سے

باز رہے یہاں تک کہ وہ مر گیا تو سب گناہ میں شریک ہوں گے اور اگر کسی ایک نے بھی کھلا دیا تو سب سے گناہ جاتا رہا۔

معنی سے مروی ہے اور ابو عبیدہ کہتے ہیں جس کے پاس چالیس درہم ہوں وہ غنی ہے اور ثوری اور ابن مبارک اور احمد بن حنبل رحمہ اور عماد کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ جس کے پاس سچا س درہم ہوں یا اس قیمت کا سونا تو ایسے شخص کو زکوٰۃ میں سے کچھ نہ دینا چاہیے اور حنفیہ کہتے ہیں ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہے جو پورے نصاب کا مالک نہ ہو اگرچہ بھلا چنگا کھاؤ کماؤ سہاؤ جو دیکھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس کے پاس ایک روز کا گزارا ہو اس کو سوال کرنا حلال نہیں اور خانہ میں مذکور ہے کہ صبح شام کے کھانے کی قدرت صبح شام کا کھانا مانگنا حرام کر دیتی ہے پھر بھی کہتے ہیں اور چادر کا مانگنا جائز ہے۔

سائل حد شرعی سے بڑھ جائے تو اس کو تنبیہ اور تادیب جائز ہے اور نہ بیعی نے کہا ہے اور ایسے ہی ہے کئے فقیر کو سوال کرنا حرام ہے اور روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سنا کہ مغرب کے بعد مانگتا ہے پس آپ نے اپنے ایک خادم سے کہنا شام کی خوراک اس سائل کو دیدے وہ اٹھا اور خوراک دیدی پھر اس کو دوبارہ مانگنے ہوئے سنا پس اپنے خادم سے کہا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اس کو شام کی خوراک دیدے؟ اس نے عرض کیا یا امیر المؤمنین میں نے تو دیدی پس حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ اس کی بغل میں ایک تھیلہ روٹیوں سے بھرا ہوا ہے پس آپ نے اس سے فرمایا تو سائل نہیں ہے بلکہ تو سوداگر ہے پھر اس کا تھیلہ لے کر اس میں جو کچھ تھا سب خیرات کے اونٹوں کے آگے بھاڑ دیا اور اس کو کوڑے سے مارا پس اگر اس کا سوال کرنا حرام نہ ہوتا اس کو نہ مارتے اور اس کا تھیلہ لے کر جو کچھ اس میں تھا اونٹوں کے آگے نہ ڈالتے۔

رہا اس کو مارنا سو تادیب کے لیے تقاضا سائل کی تادیب اور اس کا بھڑکانا جبکہ اس کا سوال خلاف شرع ہو جائز ہے اور رہا اس کا مال لے لینا سو اس لیے تھا کہ آپ نے اس کو سوال کرنے سے مستغنی پایا اور یہ جاننا کہ جس نے اس کو دیا ہے یہ سمجھ کر دیا ہے کہ وہ محتاج ہے حالانکہ یہ سائل حاجت کے اظہار میں بھوٹا تھا اور مکر و فریب سے لینے کی وجہ سے یہ چیزیں اس کے ملک میں نہیں آئی ہیں اور پیمان پیمان کر مالکوں کو واپس کرنا دشوار ہے کیونکہ خود وہ لوگ معلوم نہیں ہو سکتے لہذا یہ مال بلا مالک ہو گیا پس اب اس کو مسلمانوں کی مصلحتوں میں صرف کرنا واجب ہے اور صدقہ کے اونٹ اور ان کا پھارا مسلمانوں کی مصلحت میں ہیں لہذا آپ نے اس میں صرف کر دیا۔

پس حضرت عمرؓ کے اس فعل سے یہ معلوم ہوا کہ سائل جب حد شرعی سے بڑھ جائے تو اس کی تنبیہ اور تادیب جائز ہے۔

سائل کو نہ بھڑکنے کے حکم کا مطلب [رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وَآ مَا السَّائِلِ فَلَا تَنْهَؤْهُ تَبَرُّهُ] اور سائل کو نہ بھڑک "سو یہ وقت ضرورت سوال کرنے والے کے لیے ہے کیونکہ جو شخص ناقہ اور ضرورت سے مانگتا ہو اور اس کا سوال شریعت کے مطابق ہو تو اسے کا بھڑکانا گناہ ہے کیونکہ جیسا کہ حضرت ابراہیم نخعیؑ نے فرمایا ہے وہ طالب آخرت ہے کہ سائل آخرت کا طالب ہوتا ہے جو تمہارے دروازے پر آئے کہتا ہے کیا کچھ اپنے لوگوں کو بھیجواتے ہو اور ابراہیم بن ادہم رو کہتے ہیں مانگنے والے کا خوب لوگ ہیں ہمارا تو شہ آخرت میں اٹھانے ملتے ہیں پس خب ایسا تو یہ مناسب نہیں کہ سائل محروم لوٹا دیا جائے بلکہ اس کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیے اگرچہ تھوڑا ہی سا ہو اس خوف سے کہ شاید وہ اپنی حاجت بیان کرنے میں سچا ہو پس اس کو محروم پھیر دینے والا ہلاکت میں پڑے بشرطیکہ اس کو کچھ دینے پر قدرت رکھتا ہو اور اگر کچھ دینے کی طاقت نہیں ہے تو لائق ہے کہ اچھی نرم بات کہہ کر لوٹا دے اور اس کو بھڑکے نہیں اور نہ سخت بات کہے ہاں اگر وہ ضد کرے تو اب بھڑکانا اور اس کو سخت بات کہنا جائز ہے جیسا کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ جب فقیر نے کسی شخص سے کچھ مانگا پس اس نے اس کو نرم بات سے جواب دید یا پھر فقیر وہیں اڑ گیا تو اس کا اس طرح بھڑکانا اور سخت بات کہنا جائز ہے کہ یہ کیا ضد ہے خدا سے ڈرا ہے الحاج سے لوگوں کو مت ستا کیونکہ ضد ممنوع ہے۔

مسجد میں سائل کو دینے کا حکم [اور ایسے ہی جو سائل مسجد میں مانگتا ہو اور نمازیوں کی گردنیں پھاند پھاند کرتا ہو تو ایسے کو دینا نہ چاہیے اس لیے کہ اس کو دینا مسجد میں گناہ کرنے کی امداد ہے پناخہ قاضی خانؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ جامع مسجد سے نکال دے تو مجھ کو امید ہے کہ خدا اس کو مسجد سے نکالنے کی وجہ سے بخش دے اور خلف بن ایوبؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ اگر میں قاضی ہوتا تو میں مسجد کے سائل کو خیرات دینے والے کی گواہی قبول نہ کرتا اور ابی بکر بن اسماعیلؒ سے روایت ہے انہوں نے کہا یہ ایک پیشہ ستر پیسوں کا محتاج ہے تاکہ وہ ستر اس ایک پیسے کے کنارہ بنیں اور ابو مطیع بلخیؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ مسجد کے سائلوں کو دینا کسی کو حلال نہیں کیونکہ اس میں وعید آئی ہے۔

پس اگر سائل لوگوں کی گردنیں نہ پھاندتا ہو اور نہ نمازیوں کے سامنے پھرتا ہو اور نا پارسی سے سوال کرتا ہو اور مند نہ کرتا ہو تو مانگنے اور دینے میں کچھ معنائتہ نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سائل لوگ مسجد میں انکا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ حضرت علیؑ نے عین رکوع کے اندر اپنی انگو بیٹی دے دی تھی پس اللہ تعالیٰ نے اس قول میں ان کی تعریف فرمائی وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذَاكِعُونَ ۗ وَتَرْجَاهُ ۗ وَتِي هِيَ زَكَاةُ اسْ عَالِ

میں کہ وہ رکوع میں ہیں۔
 جمعہ کے خطبہ کے دوران یا پہلے سوال کرنے مکمل اور نصاب الاحتماب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے جامع مسجد کے مانگنے والوں کو خطبہ کے وقت اور خطبہ سے قبل صدقہ دینے کا مسئلہ پوچھا تو قاضی نے جواب دیا کہ خطبہ کے وقت خیرات کرنا تو کسی حالت میں جائز نہیں ہے اگرچہ سائل کی ہلاکت کا بھی خوف ہو اس لیے کہ خطبہ کے وقت تو خود نماز بھی جو تمام عبادتوں کی سردار اور ان کی بنیاد ہے جائز نہیں ہے اور نہ سبحان اللہ پڑھنا اور لا الہ الا اللہ کہنا اور نہ قرآن مجید کی تلاوت تو صدقہ کی کیا اصل ہے۔

اور رہا خطبہ سے پہلے تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر سائل اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہے اور ایک صف سے دوسری صف میں گھومتا نہیں پھرتا ہے اور نہ گردنوں پر سے پھاندتا ہے تو ایسے کو دینا جائز ہے اور ثواب ہے اور رہا وہ سائل جو لوگوں کی گردنوں پر پھاندے سو ایسے کو دینا حرام ہے اور جو شخص ایسے کو دے گا تو وہ شخص اس کے اس گناہ میں شریک ہوگا جو اس پر نمازیوں کے سامنے پھرنے اور قرأت سے خیال ہٹانے اور نمازیوں کی گردنوں پر سے پھاندنے کا ہوتا ہے۔
 مسجد میں سوال کرنے والوں کے لیے وعید اور روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی آواز دے گا خبردار ہو کہ خدا کے دشمن کھڑے ہو جائیں پس مسجد کے سائلوں کے سوا اور کوئی نہ کھڑا ہوگا کیونکہ مسجد میں صرف نماز اور یاد اللہ کے واسطے بنائی گئی ہیں کمانی اور اللہ تعالیٰ کی شکایت کے لیے نہیں ہیں کیونکہ اگر کوئی انسان بادشاہ کے دربار میں ایسے وقت جائے کہ وہ اپنے دوستوں میں بیٹھا ہو پھر اس کی شکایت اس کے دوستوں کے سامنے کرنے لگے تو وہ بادشاہ ضرور اس پر خفا ہوگا ایسے ہی یہاں ہے۔

ضرورت مند کو مسجد میں صدقہ دینا استحساناً جائز ہے | پس اس کے موافق قیاس تو یہ تھا کہ مسجد کے سائلوں کو صدقہ دینا ان عقلی اور نقلی دلیلوں کی وجہ سے جو مذکور ہو چکیں بالکل جائز نہ ہو لیکن ایسے سائل کے لیے جو حاجت مند ہو اور نمازیوں کی گردنوں پر نہ پھاندتا ہو اور ضد کے سوال نہ کرتا ہو تو ان عام نصوص کی وجہ سے جو صدقہ دینے اور سائل کے حق میں استحساناً جائز ہے۔

سوال کی قسمیں اور ان کا شرعی حکم | اور خلاصہ یہ ہے کہ سوال میں بعضی روایتیں خواہ کی آئی ہیں اور بعضی نا جائز ہونے کی لہذا سوال دو قسم کا ہوا ایک جائز کہ اس میں دینا جائز ہے اور دوسرا ممنوع کہ اس میں دینا جائز نہیں اور جب سائل کا حال معلوم نہ ہو کہ آیا ضرورت سے مانگتا ہے یا بلا ضرورت اور اس سے کوئی ایسی بات ظاہر نہ ہو جو شرع کے خلاف ہو تو مومن کو چاہیے کہ ایسے کو اگر کچھ دینے

کی قدرت ہو محروم نہ پھرے ممکن ہے کہ وہ محتاج ہو پس محروم رکھنے والے کو اگر کچھ دینے کی قدرت ہوگی تو بہتری نہ ہوگی اور کسی فقیر کا قصہ ہے کہ وہ بھوک کے مارے نا تو ان ہو گیا پس کسی نے اس سے کہا تو مانگتا کیوں نہیں تجھ کو تو سوال حلال ہے پس اُس نے کہا مجھ کو یہ ڈر ہے کہ کہیں میں لوگوں سے مانگوں پھر وہ مجھ کو باوجود دینے کی قدرت ہونے کے محروم پھیر دیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہلاک کر ڈالے۔ پھر یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر علماء مجلس علم میں لوگوں سے کچھ مانگیں تو یہ اُن کو حلال نہیں کیونکہ یہ تو علم اور طاعت سے کمانا ہے خواہ اپنے لیے طلب کریں یا غیر کے واسطے اور بڑے سوال میں سے ایک یہ ہے کہ بہت لینے کے لیے مکتوڑا سا تحفہ دینا جیسا کہ ویرمہ اور ختنوں کی دعوت میں ہوتا ہے اور نسل کے واسطے بکریاں پالنا کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی ہے اور احسان نہ جتا کہ زیادہ ہو۔

سوال کی حرمت جس طرح مال میں بے خدمت میں بھی ہے۔ | پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابو بکرؓ اور ابو ذرؓ اور ثوبانؓ سے فرمایا کہ کسی سے کچھ نہ مانگنا اگرچہ تمہارا کوڑا اگر پڑے اور ابو بکرؓ اور ثوبانؓ کا یہ حال تھا کہ لوگوں کے مجمع میں کوڑا اگر پڑنے کے وقت خود اتر پڑتے اور کسی پاس کے چلنے والے سے نہ کہتے کہ کوڑا اٹھا دو اس سے معلوم ہوا کہ سوال کی حرمت مال ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ خدمت کو بھی شامل ہے اور سوال نفقہ کو بھی شامل ہے خصوصاً ایسے شخص کے لیے جس کا اس میں کچھ حق نہیں اگرچہ نابالغ یا غیر کا غلام ہو۔

خدمت لینے کی جائز صورتیں | البتہ اگر اپنا لڑکا ہو تو اُس سے خدمت لینا تہذیب و تادیب کے لیے جائز ہے اور ایسے ہی اپنے غلام سے اور مزدور سے خدمت لینی اور اپنی بیوی سے گھر کے اندر کے کاروبار میں اور اپنے شاگرد سے خود اُس کی اجازت سے اگر بالغ ہو اور اجازت دلی سے اگر نابالغ ہو جائز ہے۔

خداوند تعالیٰ ہم پر اپنی رضا کے موافق عمل آسان کرے۔

چھترویں مجلس مالک پر غلاموں کے حقوق اور اس کے سوا اور

احکام کے بیان میں

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کا مالک پر کھانا اور لباس ہے اور طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہ دی جائے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے روایت کی اور اس کے

معنی یہ ہیں کہ مملوک غلام ہو یا لونڈی اُس کا بقدر کفایت کھانے کا خرچ اور حاجت کے موافق کپڑا مونے پر واجب ہے اور اُس کو یہ جائز نہیں کہ ایسے کام کی انہیں تکلیف دے جو اُن کی طاقت سے باہر ہو اس واسطے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جیسا کہ خود کلام مجید میں فرماتا ہے لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا تَرْجِمَهُ اللَّهُ تَكْلِيفًا
نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اُس کی طاقت کے موافق۔“

اور علی ابن ابی طالبؑ سے بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے ایک مرتبہ خطبہ میں فرمایا ہے لوگو! اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو اپنے غلام اور لونڈیوں کے حق میں پس اُن کو جو تم کھاتے ہو وہ کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ پہناؤ اور ایسی تکلیف نہ دو جس کی اُن کو طاقت نہیں کیونکہ وہ بھی گوشت اور خون ہیں اور تمہاری طرح پیدا ہوئے ہیں پس جو کوئی اُن پر ظلم کرے گا تو میں قیامت کے دن اُس پر مدعی ہوں گا اور اللہ اُن کا حاکم ہوگا۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا وہ لونڈی غلام تمہارے بھائی ہیں خدا نے اُن کو تمہارے ہاتھ کے نیچے کر دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے جس کے ہاتھ کے نیچے اُس کے بھائی کو کر دیا ہو تو وہ اُس کو وہی کھلانے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنانے جو خود پہنتا ہے اور ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اس پر گراں گذرے اور اگر ایسی کوئی تکلیف دے جو اس پر گراں گذرے تو اُس کی مدد کرے۔

پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا ہے کہ مملوک غلام ہوں یا لونڈیاں اپنے مالکوں کے بھائی ہیں یا نبی آدم ہونے کی وجہ سے یا اُن کے مسلمان ہونے کی وجہ سے پس جس کے ہاتھ کے نیچے اُس کا بھائی ہو تو اُس پر واجب ہے کہ اُس کو وہی کھانا دے جو آپ کھاتا ہے اور وہی پہنانے جو آپ پہنتا ہے اور ایسی کام کی تکلیف دے جس کے کر لینے پر وہ قادر ہو اور اُس کو برابر کرتے رہنے کی طاقت رکھتا ہو ایسا کام نہیں کہ ایک دو دن یا کچھ زیادہ کر کے پھر اُس سے تھک جائے بلکہ اگر کوئی دشوار کام کی تکلیف دے تو اُس پر اُس کی مدد کرے اور ایک وقت میں دو کام یا زیادہ اُس پر نہ ڈالے مثلاً اس کو روٹی پکانے اور سالن پکانے اور کپڑا دھونیکا حکم دے جیسا کہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس وقت وہ آٹا گوندھ رہے تھے اس نے تعجب سے کہا اے ابو عبد اللہ یہ کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا میں نے خادم کو ایک کام کے لیے بھیجا ہے پس مجھ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ اس پر دو کام ڈال دوں۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑا مالک حنت میں نہ جائے گا اور بڑے مالک سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے غلام کے ساتھ بڑائی کرتا ہو اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے

کہ مالک پر غلام کا خرچہ واجب ہے پس اگر اُس پر خرچہ نہ کرے تو اگر وہ غلام خود کما سکتا ہے تو کمائے اور اپنے اوپر خرچ کرے اور اگر وہ کمانے پر قادر نہیں ہے تو موٹے کو اس کے بیچ دینے کا حکم کیا جائے گا جیسا کہ ابو ذر رضی عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو غلام تمہارے موافق ہو اس کو جو تم کھاتے ہو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ پہناؤ اور جو تمہارے موافق نہ ہو اس کے ساتھ احسان کرو اور جو تمہارے موافق نہ ہو اس کو بیچ ڈالو اور اس پر عذاب مت کرو۔

غلاموں کو مارنے کی ممانعت اور فقہ ابو اللیث رحمہ نے تنبیہ الغافلین میں عطاء بن یسار رضی عنہ سے روایت کی ہے کہ ابو ذر نے اپنے غلام کے منہ پر مارا پس نبی علیہ السلام نے اُس کی زیادتی کی اور فرمایا مسلمانوں کے منہ پر مت مارو اور اُن کو جو تم کھاتے ہو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو پہناؤ پھر اگر وہ تمہارے ساتھ دھوکہ بازی کریں تو اُن کو بیچ ڈالو اور ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی اسے ابو مسعودؓ جان لے کہ اللہ تیرے اس غلام پر قادر ہونے سے زیادہ تجھ پر قادر ہے پس میں نے پھر کر جو دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا یہ خدا کے لیے ہزار ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو ایسا نہ کرتا تو البتہ تجھ کو آگ بھونک دیتی یا یہ فرمایا بے شک تجھ کو آگ لگتی اور ایک اور حدیث میں ابن عمر رضی عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے اپنے غلام کو ناحق سزا دی یا طمانچہ مارا تو اس کا کفارہ یہی ہے کہ اُس کو آزاد کر دے یعنی جس نے اپنے غلام کو ایسی خطا پر مارا جو اُس نے نہیں کی یا طمانچہ مارا تو اس کا وبال آزاد کئے بغیر نہیں جاتا یہ جبت ہے کہ اُس سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

تاویب کے لیے مارنے کی اجازت اور اس میں احتیاط اور اگر اُس سے خطا ہوئی ہو تو نبی علیہ السلام نے قصور کے برابر ادب سکھانے کی اجازت دی ہے کیونکہ تنبیہ کے لیے مار کی سزا دینا بھی سزائے شرعی کی کم سے کم مقدار کے برابر نہ ہونے پائے اور سزائے شرعی کم سے کم چالیس ڈرے ہیں اور یہ مقدار غلام اور لونڈیوں کی تمت لگانے اور شراب خواری میں شرعی سزا ہے پس امام ابو حنیفہ رحمہ کے نزدیک تعزیر اس سے کم ہونی چاہیے اور اس طرح کہ زیادہ سے زیادہ انتالیس ڈرے ہوں اور کم سے کم تین ڈرے اور کم سے کم تین اس لیے ہیں کہ اس سے کم میں کچھ دھمکی نہیں ہوتی لہذا تین سے لے کر انتالیس تک جتنے میں خیال ہو کہ اُس کو تنبیہ ہو جائے گی مارے لیکن عفتہ کے وقت اُس کو نہ مارے بلکہ عفتہ جاتے رہنے کے بعد مارے اس واسطے کہ شاید خطا سے زیادہ مار بیٹھے پس اُس زیادتی کے بدلے قیامت کے دن اُس سے مواخذہ ہو بلکہ یوں چاہیے کہ جرم اور خیانت کی وجہ سے جس وقت غلام پر عفتہ آئے اپنے گناہ اور اللہ تعالیٰ کے جرم ہونے اور طاعت الہی میں کوتاہی

کرنے کو سوچے اور یہ سمجھے کہ میری خدمت میں میرے مملوک کی کوتاہی میرے اپنے خالق کی خدمت میں کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

غلاموں کی خطائیں ستر و فتنہ معاف کرنے کا حکم | اور رات دن میں ستر و فتنہ اُس کی خطائیں معاف کر دیا کرے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر پوچھا یا رسول اللہ ہم خادم کو کتنے بار معاف کر دیا کریں پس آپ چپ ہو رہے اُس نے دوبارہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا سر روز ستر بار معاف کیا کر اور۔

گھر کا نقصان کرنے پر غلاموں کو مارنے سے ممانعت | ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارے پس وہ اللہ کا تم بے لے تو چاہیے کہ رُک جائے یعنی معاف کر کے الگ ہو جائے اور قیامت کے دن کا بدلہ یاد کرے اور اُس لغزش اور بھول پر نہ مارے اور نہ برتن ٹوٹنے پر مارے جیسا کہ کعب بن عجرہ رضی عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارا کرو کیونکہ برتنوں کی بھی آدمیوں کی طرح عمر ہوتی ہے اور ایک اور حدیث میں جس کو صعق رضی عنہ نے بیان کیا ہے آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ برتن توڑنے پر غصہ مت کرو اور مت جھنجھلاؤ کیونکہ ان کی عمریں انسانوں کی سی ہیں۔

حکایت اور حکایت ہے کہ میمون بن مہربن رضی عنہما کے پاس ایک مہمان آئے تھے پس انہوں نے لونڈی سے کھانے کی جلدی کی پس وہ جلدی سے آئی اور اُس کے ہاتھ میں گرم کھانے کا بھرا ہوا پیالہ تھا پس اُس کو ٹھوکر لگی اور وہ کھانا موٹی کے سر پر گر گیا اُس کے مولیٰ نے کہا اے لونڈی تو نے مجھ کو جلا دیا پس اُس لونڈی نے کہا اے بھلی بات بتلانے والے اور اے لوگوں کو ادب سکھانے والے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو خیال کر مولیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ کیا کہتا ہے وہ بولی فرماتا ہے۔

وَالْكَافِرِينَ الْفٰئِظٰتِ اور دبا لینے والے غصہ کے "میمون" نے کہا میں اپنا غصہ پی گیا۔ لونڈی بولی زیادہ کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْعٰفِیْنَ عَنِ النَّاسِ اور معاف کرنے والے لوگوں کو "میمون" نے کہا میں نے تجھ کو معاف کیا لونڈی نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

"اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو۔ میمون رضی عنہما نے کہا خدا کے لیے تو آزاد ہے۔

حکایت اور احنف بن قیس رضی عنہما سے کسی نے پوچھا تم نے تحمل کس سے سیکھا انہوں نے کہا قیس بن عاصم رضی عنہما سے وہ اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں اُن کی لونڈی کباب کی جلتی ہوئی سیخ لیے ہوئے آئی پس اُس کے ہاتھ سے وہ سیخ پھوٹ کر قیس کے بیٹے پر گر پڑی اور اس کو زخمی کر دیا پس وہ سر گیا پس وہ لونڈی بہت گھبرائی پس قیس نے کہا اس لونڈی کا خون آزادی کے سوا اور کوئی چیز دوزخ نہ کرے گی پس کہا اے جبار یہ تو خدا کے لیے آزاد ہے مت ڈر۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت | اور ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علیؓ کو ایک غلام دیا اور فرمایا اس کو مارنا مت کیونکہ میں نمازی کے مارنے سے منع کیا گیا ہوں اور میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث میں اشارہ فرمادیا کہ نمازی غالباً ایسی خطا نہیں کرتا جس سے مار کھانے کا مستحق ہو کیونکہ نماز نفل اور برائیوں سے بچاتی ہے۔

عبادات کی ادائیگی میں غلام کے لیے حکم | اور حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے ایسے غلام کا مسئلہ پوچھا جس کو مولیٰ نے کسی کام کو بھیجا ہو اور اس کو جماعت یا جمعہ کی نماز کا وقت آجائے تو پہلے کیا کرے انہوں نے جواب دیا مولیٰ کا کام۔

فقہ ابو اللیثؒ کہتے ہیں یہ جب ہے کہ وقت میں گنجائش ہو اور نماز فوت ہو جانے کا خوف نہ ہو اور جب اس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو نماز کو وقت سے ہٹا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ روایت سے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا کے گناہ میں بندہ کی تابعداری نہیں ہے اور منظر میں نہ کہے کہ مولیٰ کو جائز نہیں ہے کہ اپنی خدمت کی وجہ سے اپنے غلام کو اللہ تعالیٰ کے فرائض سے روکے اور غلام جب اللہ تعالیٰ کے فرائض ادا کر چکے تو اس کو یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے مولیٰ کی خدمت چھوڑ کر ایسی عبادت میں مشغول ہو جو اس پر واجب نہیں مگر جب اس کا مولیٰ خود اس کی اجازت دیدے یہاں تک کہ اگر مولیٰ کی اجازت کے بغیر حج کے لیے احرام باندھ لیا تو مولیٰ کو جائز ہے کہ اس کو احرام میں سے نکال دے اور حج پورا کرنے سے روک دے اور اگر اس نے حج کر لیا اور اس میں مولیٰ کی خدمت اس سے فوت ہو گئی تو گنہگار ہوگا۔

مولیٰ اور غلام کے ایک دوسرے پر حقوق | اور ایسے ہی مولیٰ کو یہ بھی جائز ہے کہ نفل نماز اور نفل روزہ سے اس کو منع کر دے اور اس کو یہ جائز نہیں کہ لشکر اور انجمن اور کچھ قرآن کی سورتیں اور نماز روزہ کے فرائض سیکھنے سے منع کرے اس لیے کہ یہ چیزیں واجب ہیں ان کا چھوڑنا جائز نہیں بخلاف اور چیزوں کے اور غلام کو چاہیے کہ اپنی غلامی کا زمانہ غنیمت سمجھے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جب غلام اپنے مالک کی خیر خواہی کرے اور اپنے پروردگار کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دو برابر ثواب ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "وہ کیا ہے اچھا غلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں وفات دے کہ اپنے پروردگار کی عبادت اور مولیٰ کی اطاعت اچھی طرح کرتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنے مولیٰ سے بھاگے ہوئے غلام کی وعید میں فرمایا "جب غلام بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جو غلام بھاگا

وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری خارج ہے۔

غلاموں کو آزاد کر دینے کا حکم | موٹے کو چاہیے کہ جب غلام کو اس کی خدمت میں زیادہ مدت ہو جائے تو اس کو آزاد کر دے شاید اس سے باقی حقوق اور ظلموں سے برابر برابر چھوٹ جائے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ غلام کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے اعضا کو آزاد کر دے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس نے کوئی مسلمان غلام آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے اعضا آگ سے آزاد کر دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس کی شرمگاہ کے بدلے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صحیح الاعضاء والے کو آزاد کرنا مستحب ہے کہ ذکر کیا ہوا یا سحر مانہ ہو پورا مقابلہ کرنے کے لیے اس لیے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ غلام کی شرمگاہ کو غلامی سے آزاد کرنے کے بدلے میں آزاد کرنے والے کی شرمگاہ کو آگ سے آزاد کر دیتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ مرد تو غلام آزاد کرے اور عورت لونڈی تاکہ مقابلہ ثابت ہو جائے۔

موٹے کے لیے غلام کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کا حکم | اور ایسے ہی مالک کو لازم ہے کہ جب غلام کھانا پکا کر لائے تو اس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے اور اگر ساتھ نہ بٹھائے تو ایک لغمی دیدے اور اس سے کہے کہ لے کھالے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارے کسی نے اس کا غلام کھانا پکائے پھر لے کر آئے اور وہ اس کی وجہ سے آگ کی گرمی اور دھون کی تکلیف اٹھا چکا ہے تو مناسب ہے کہ اس کو اپنے ساتھ بٹھالے تب کھائے اور اگر کھانا تھوڑا ہو تو اس کے ہاتھ پر اس میں سے ایک یا دو لقمہ رکھ دے اور فتاویٰ میں مذکور ہے کہ جو شخص غلام کا خرچ بڑا اٹھاتا ہو تو اگر وہ غلام کمانے پر قادر ہو تو اپنے مولیٰ کے مال میں سے اس کی رضا مندی کے بغیر نہ کھائے اور اگر کمانے پر قادر نہ ہو یا مالک کمانے نہیں دیتا اس کو جائز ہے کہ موٹے کے مال میں سے اس کی رضا مندی کے بغیر کھالے اور لونڈی بہر حال کھایا کرے۔

غلام کو دین کی باتیں سکھانا موٹے پر واجب ہے | ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام مرض کی حالت میں فرماتے تھے "نماز اور مملوک کی خبر گیری کرو" پس نبی علیہ السلام نے اس قول میں غلاموں کا ذکر نماز کے ساتھ ملا دیا اور جیسے کہ نماز کی حفاظت کا حکم کیا ان کی حفاظت کا بھی حکم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بقدر حاجت غلاموں کی خبر گیری کھانے اور پہننے اور دین سیکھنے کے متعلق مالکوں کے ذمہ جیسے کہ ان پر نماز واجب ہے یہ بھی واجب ہے کیونکہ مسلمان پر جیسے اس کے غلاموں اور لونڈیوں کا خرچ بقدر کفایت واجب ہے اسی طرح

اُس پر یہ بھی واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر جو کچھ فرض کیا ہے اور جس سے اُن کو منع کیا ہے اُن کو سکھائے اور یہ ایسی بات ہے کہ آجکل اس کو اکثر علماء نے چھوڑ دیا ہے عوام کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ آجکل غلام اور لونڈیوں کے متعلق دین سکھانے کا ارادہ ہی نہیں کرتے بلکہ اُن سے صرف دنیاوی حاجتیں پوری کرنے کا ارادہ کرتے ہیں گویا کہ وہ لوگ اپنے مالکوں کے نزدیک حیوان ہیں کہ ان کے ذمہ کوئی احکام شرعی نہیں ہیں پس بے شک اس زمانے میں اکثر وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اُن کے پاس غلام اور لونڈیاں ہوتی ہیں لیکن وہ ان کو نہ کسی واجب کا حکم کرتے ہیں اور نہ کسی حرام سے روکتے ہیں بلکہ غلام اور لونڈیوں کو اُن کی ملک میں کئی کئی سال گذر جاتے ہیں کہ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے اور اکثر ممنوع اور بُری باتیں کرتے رہتے ہیں اور وہ دیکھا کرتے ہیں اور کچھ نہیں کہتے اُن سے اور گمان کرتے ہیں کہ اُن کا گناہ خود اُن ہی پر ہے مگر کچھ نہیں جانتے کہ اُس بچارہ کو یہ ظہر نہیں ہے کہ جو گناہ اُن سے ہو گا وہ بھی اس میں پکڑا جائے گا اور اُس سے پوچھا جائے گا اور قیامت کے دن اُن کے گناہوں سے اُس کو بھی عذاب ہو گا جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم سب نگہبان ہو اور اپنی اپنی رعیت کے متعلق تم سب سے پوچھا جائے گا پس جب انسان کو یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کے دن میرے غلام اور لونڈیوں کے متعلق مجھ سے پرسش ہوگی تو اُن کو آزاد جانور کی طرح قاعدہ دینی اور تلبیہ شرعی کے بغیر نہ چھوڑے بلکہ ان کو شریعت کی رسی میں مضبوط باندھے اور احکام دینی میں گھیرے اور عذاب اخروی کے اسباب سے بچائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ ذٰرًاۗ ؕ اے ایمان والو بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے "پس بیشک لفظ اہل اگر چہ باعتبار اصل قرابت دار پر بولا جاتا ہے لیکن نوکر چاکر پر بھی بولتے ہیں اور کچھ بعید نہیں کہ بیان موم کی وجہ سے یہی معنی مراد ہوں۔

پس اس بنا پر مومن کو واجب ہے کہ اپنے غلام اور لونڈیوں کو جس قدر اُن پر احکام دینی واجب ہیں سکھا دے پھر اُن کو فرائض اور واجبات ادا کرنے کا حکم کرے اور گناہ اور حرام باتوں کے کرنے سے پہلے تو نرمی سے پھر اگر نہ مانیں تو اُن کو سخت سست کہہ کر منع کرے پھر بھی اگر نہ مانیں تو مارے پھر اس کے بعد بھی جو کوئی ان میں سے راہ راست پر نہ آئے تو اس کو بیچ ڈالے اس لیے کہ جب تک اُس کی ملک میں رہے گا اُس کی حفاظت اس پر واجب رہے گی جیسا کہ قاضی خان اپنے فتاویٰ میں کہتے ہیں ایک شخص کا غلام بیمار ہے کہ وضو نہیں کر سکتا تو امام محمد سے منقول ہے کہ مولے پر اُس کو وضو کرانا واجب ہے اس لیے کہ جب تک اُس کی ملک میں ہے اُس کی ظہر گیری اُس پر واجب ہے۔

مولے غلام کو سزائے شرعی نہیں دے سکتا | لیکن سمجھنا چاہیے کہ مولیٰ کو اگرچہ غلام کا ایسی خطا پر مارنا جو حد یعنی سزائے شرعی کے قابل نہ ہو مارنا جائز ہے لیکن اگر ایسا کام کرے جس میں سزائے شرعی واجب ہے تو اس کو یہ اختیار نہیں کہ اس کو سزائے شرعی ثابت ہو جائے پھر اگر اس کو سزائے شرعی دی جا چکی اور وہ ہائز نہ آیا تو بیچ ڈالے اگرچہ کم داموں ہی پر سہی جیسا کہ ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کسی کی لونڈی زنا کرے اور وہ زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو سزائے شرعی دے اور بڑا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ وہ زنا کرے تو پھر اس کو سزائے شرعی دے اور کچھ سزائے نہ کرے پھر اگر تیسری دفعہ زنا کرے تو اس کو بیچ ڈالے اگرچہ بال کی ایک رسی کے بدلے میں ہو۔

اور لونڈی کے مطلق بیان کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ لونڈی کی حد بیاہی ہو یا بے بیاہی سزے ہی ہیں ہاں اتنا فرق ہے کہ آزاد عورت سے آوے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے **فَإِن آتَيْنَّ بِغَا حِسَّةٍ فَلَعْنَتُهُنَّ لِنُصْفِ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** ترجمہ میں پھر اگر کہیں بے حیائی تو ان پر ہے اس کی آدھی مار جو بی بیوں پر مقرر ہے اور بے حیائی سے اس آیت میں نہ مراد ہے اور محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں اور عذاب سے مراد دوزخ ہے کیونکہ سنگساری کا نصف نہیں ہو سکتا۔

اور امام شافعی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ مولا کو اپنے غلام پر حد لگانا جائز ہے اور معنی کہتے ہیں کہ بلا اجازت امام اس کو یہ جائز نہیں کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ چارہا تیں والیوں ہی کے سپرد ہیں اور ان ہی میں سے آپ نے حدود کو بھی ذکر کیا اور ولایت والی کی جمع ہے اور جب صرف والی بولتے ہیں تو اس سے وہی مراد ہوتا ہے جس کو عام ولایت حاصل ہو اور ایسا شخص بادشاہ یا اس کا نائب ہے اور دوزخ سے لگانے کا حکم کرنے کے بعد سزائے سے ممانعت کی تصریح اس لیے ہے کہ زنا کی عقوبت دوزخ مقرر ہونے سے پہلے سزائے معنی جھڑکنا اور شرم دلانا تو معنی حدیث کے یہ ہونے کہ سزائے ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اس کو شرعی سزا دی جائے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو شرعی سزا دینے کے بعد اب اس پر سزائے کا کوئی حق نہیں رہا تیسری دفعہ میں اس کے بیچ ڈالنے کا حکم ہوا اس لیے ہے کہ اس میں فساق اور نجار سے میل جول کا ترک ہے پھر اگر کوئی یہ اعتراض کرے بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو اپنے لیے بڑا سمجھے اور اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے یا جو دیکھ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے مومن نہ ہو گا کوئی تم میں سے جب تک کہ پسند نہ کرے اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی چیز جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نیت سے

بیچے کہ مشتری کے پاس اُس کی نگرانی یا احسان کرنے اور فراخی برتنے سے عقیقہ ہو جائے۔
 غلام کے ساتھ براسلوک کرنے والے کا حکم اور نصاب الاحتماب میں مذکور ہے جس کی
 یہ عادت پڑ جائے کہ غلاموں کو ہر روز اور ہر وقت گالیاں دیا کرے تو اُس کی گواہی مقبول
 نہیں ہوگی اور کبھی کبھی ہو تو گواہی مقبول ہوگی جبکہ تہمت نہ مانہ ہو اور اگر زنا کی تہمت لگائے تو
 وہ عادل نہیں رہتا اور درہ مارنا واجب سے لیکن دنیا میں نہ مارے جائیں گے اس لیے کہ دنیا
 میں غلام کی وجہ سے مولیٰ پر عقاب نہیں ہوتا بلکہ آخرت میں لگیں گے جیسا کہ ابوہریرہ سے روایت
 ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو تہمت لگائے حالانکہ وہ اس سے بڑی ہو
 تو قیامت کے دن درے لگایا جائے گا مگر جبکہ وہ ایسا ہی ہو جیسا اُس نے کہا تھا۔
 اور فقہ ابوالملیث نے تنبیہ میں عام شعبی رحم سے نقل کیا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم میں سے ایک شخص نے اپنی بی بی سے پانی مانگا پس بی بی نے اپنی لونڈی کو بلایا اُس نے دیر
 کی پس بی بی نے اُس کو گالی دی پس اس شخص نے کہا کہ سننتی ہے قیامت کے دن بے شک
 شرعی سزا دی جائے گی یا چارہ گواہ کہ یہ لونڈی ایسی ہی ہے جیسا تو نے کہا ہے پس بی بی نے
 اُس کو آزاد کر دیا اُس پر اس شخص نے کہا امید ہے کہ یہ تیرے لیے کفارہ ہو جائے۔
 حد قذف کی شرائط | یہ حدیث اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کو گالی دینے سے شرعی سزا
 لازم آتی ہے لیکن اس لیے کہ اس میں احسان نہیں ہے شرعی سزا کا دیا جانا واجب نہیں کرتی کیونکہ
 حد قذف کے لیے احسان کی پانچ شرطیں۔ آزادگی اور اسلام اور عقل اور بلوغ اور پاکباز
 ہونا زنا سے پس جس میں ان پانچ شرطوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے وہ محض نہیں ہے
 ایسے پر تہمت لگانے سے شرعی سزا واجب نہیں ہوتی بلکہ بڑی سے بڑی تعزیر آتی ہے جس کی
 انتہائے حد امام ابوحنیفہ کے نزدیک اتالیس درے اور امام ابو یوسف رحم کے نزدیک ایک
 روایت میں پچپن اور ایک روایت میں اناسی درے ہیں پس اگر دنیا میں نہ لگے تو آخرت میں سب کے
 سامنے آگ کے درے مارے جائیں گے۔

اور جس میں یہ پانچوں شرطیں سب موجود ہوں تو وہ محض ہے اس پر تہمت لگانے سے حد
 یعنی شرعی سزا واجب ہوتی ہے اور اُس کی مقدار اسی درے آزاد کے لیے۔

حد قذف کے بعد اس شخص کی گواہی مقبول نہیں | اور اُس کے آدھے غلام کے لیے ہیں مع اس
 بات کے کہ گواہی کے بعد ہی ان کی گواہی بھی مقبول نہ ہوگی کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔
 وَالَّذِينَ يُدْعُونَ إِلَى الْمُحْسِنَاتِ ثُمَّ يَأْتُونَ بَابِهَا رُبَّمَا قُبِّلُوا لَهُمْ ثُمَّ إِنِّي جَلَدْتُهُمْ لَمَّا
 تَقَبَّلُوا لَهُمْ شَهَادَةً ابْتَدَأُوا وَلِيَكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ

ذَلِكَ وَأَصْلِحُوا تَرْجِمَهُ اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں قید و نیوں کو پھر بدلانے چار گواہ تو مارو ان کو اسٹی ورسے اور نہ مانوان کی کبھی کوئی گواہی اور یہی لوگ ہیں فاسق مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے پیچھے اور نیک ہو گئے۔

کسی پر تہمت زنا لگانے والوں کے لیے حکم پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ جو لوگ پاک عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے تو ان پر تین حکم جاری ہوں گے ایک ورسے مارنے کا واجب ہونا۔ دو م اُن کی گواہی کا مردود ہونا اور سوم ان کا فاسق ہونا لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنے جھوٹ اور جس پر تہمت لگائی ہے اس کے بری ہونے کا اقرار کر لیں اور اس سے معاف کر لیں اور جو خرابی ہے ابر وئی اور پردہ درسی کی انہوں نے کی تھی اُس کو درست کر لیں تو اُن کا فسق اس استثناء کی وجہ سے جو آیت میں واقع ہوا ہے دور ہو جانے کا اور درہ لگنا معاف نہ ہو گا اور نہ گواہی کا مردود ہونا علمائے حنفیہ کے نزدیک معاف ہو گا۔

اور حاصل یہ ہے کہ آیت میں ان پر تین حکموں کے جاری ہونے کا حکم صرف گواہ گذرانے سے عاجز ہونے پر ہے بلا اس شرع کے کہ حقیقت اور نفس الامر میں جھوٹ ہو اس لیے کہ قذف خبر ہے جھوٹ سچ دونوں کا احتمال رکھتی ہے لیکن بے فائدہ عفت کی پردہ درسی کی وجہ سے جب ثابت کرنے سے عاجز رہیں گے تو فاسق ہو جائیں گے اور عذاب کے مستحق ہوں گے جو کہ درہ لگنا اور شہادت کا رد ہو جاتا ہے اور اگر چہ واقع میں وہ سچے ہی ہوں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تَوْلَا جَاؤُمْ هَلِيئُو بِاَذْبَعِيْ شَهِيْدًا اَوْ طَا فَاذْلَمُوْا بِاللّٰهِ كُفْرًا كَا وَّلِيْكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمْ اَكْذٰبُوْنَ ؕ

ترجمہ کیوں نہ لائے اس بات پر چار گواہ پس جب نہ لائے گواہ تو اللہ کے نزدیک وہی ہیں جھوٹے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ جس بات پر دلیل نہ ہو وہ حکم الہی میں جھوٹ ہے اور اسی لیے اس پر حد یعنی سزائے شرعی مقرر ہوئی اس لیے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے نہ تہنیہ کا اور نہ زجر اور سیاست کا بلکہ یہ صرف پردہ درسی اور بے ابر و کرنا ہے اور یہ تو جب ہے جبکہ سچے ہوں پھر اگر جھوٹے ہوں تو کیا حال ہو گا اور لوگ اُس کو سہل سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ کر قتل کرنا حلال ہے اہل جو شخص کسی کو زنا کرتے دیکھے تو اُس کا قتل کرنا حلال ہے اور اگر قتل نہ کرے تو اس لیے کہ یہ کوئی نہ مانے گا کہ اس نے زنا کرتے دیکھ کر قتل کیا ہے۔

سترویں مجلس اعلام کی حرمت اور اس کی سزا وغیرہ کے بیان میں

لواطت کی ذلت و خبیثت | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سب سے بڑے سے بڑا خوف جس سے میں اپنی امت کے متعلق خوف کرتا ہوں قوم لوط کا عمل ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اسے ماہرین نے روایت کیا ہے اور اس میں اس بات پر بڑی تشبیہ ہے کہ ان کا یہ عمل سب گناہوں سے بڑھ کر ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سزا دی کہ تمام امتوں میں سے کسی کو نہیں دی اور ان پر ایسے کئی قسم کے عذاب جمع کر دئے جو اور کسی نبی آدم پر جمع نہیں کئے اور ان کی بُرائی بیان کی اور بار بار ان کا قصہ اپنی کتاب کہیم کی کئی سورتوں میں بیان کیا تاکہ ان کے عمل سے وہ لوگ اچھی طرح باز آئیں جو خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لائے ہیں اور اس سے اور اس کے اسباب سے بھی گماحقہ بچیں جیسے دیکھنا اور پاس بیٹھنا اور ہاتھ لگانا اور منہ چومنا اور نہ اس کے پاس پھٹکیں اور نہ اس کے گرد جا میں کرنے کا تو کیا ذکر اس لیے کہ روایت ہے کہ سورا اور بندر کے علاوہ تمام حیوانات کی طبیعتیں بھی اس سے نفرت کرتی ہیں اور ایک روایت میں ہے بجز سورا اور گدھے کے۔

پس جس کی طبیعت ادبہرائل ہوئی وہ کمینگی اور ذلت اور خبیثت میں سورا اور بندر اور گدھے کے برابر ہے بلکہ ان سے بھی اس کا حال بدتر ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا سورا اور بندر اللہ کے نزدیک ان لوگوں سے زیادہ ہوشیار ہیں جو گناہ کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ جو شخص بغیر توبہ اور استغفار کے ہمیشہ گناہ کرتا رہتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلَّغْنَا مِنْهُمْ أَصْلَهُ** "وہ لوگ جو پائے کے برابر ہیں بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں"۔

لواطت کرنے والے جو پاؤں سے بھی بدتر ہیں | پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دل و دماغ کے اسباب دنیاوی کی طرف متوجہ ہونے اور اسی کے پورے ہونے اور جو آیتیں ان کے کالوں میں پڑتی ہیں ان کے نہ سوچنے اور ان سے کچھ نفع نہ لینے میں جو پاؤں سے تشبیہ دی ہے بلکہ ان کو ان سے بھی زیادہ گمراہ ٹھہرایا ہے کیونکہ وہ اتنا تو سمجھتے ہیں جو ان کی سمجھ کے لائق فائدہ اور نقصان کی چیزیں اور فائدہ کے حاصل کرنے میں اور مضرت کے دفع میں خوب کوشش کرتے ہیں اور اپنے مالک کے مطیع رہتے ہیں اور جو ان کے ساتھ احسان کرے اور جو برائی کرے دونوں کو خوب پہچانتے ہیں حالانکہ یہ لوگ ایسے نہیں ہیں اس لیے کہ یہ لوگ نہ نفع نقصان میں تمیز کرتے ہیں اور نہ اپنے پروردگار کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نہ اپنے ساتھ اس کے احسان کو پہچانتے ہیں جو اس نے شیطان کی

بدی کے مقابلہ میں جو ان کا سب سے زیادہ دشمن ہے کیا ہے اور دروناک عذاب کی طرف دوڑتے ہیں اور عیش و انہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

آخرت سے غافل لوگ | اور ان لوگوں میں داخل ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ۝

ترجمہ جانتے ہیں ظاہری دنیا کے جتنے کو اور وہ لوگ آخرت سے غافل ہیں | یعنی وہ لوگ دنیا کی ظاہری حقیر بے حقیقت باتوں کو تو جانتے ہیں یعنی جن کا انہیں دنیا کی زیب و زینت اور لذتوں اور تمام وہ حالات جو ان کی خواہشوں کے موافق اور ہوا ہوس کے مناسب ہیں مشاہدہ ہے حالانکہ یہ لوگ آخرت سے جو سب سے بڑا مطلب اور اعلیٰ درجہ کا مقصد ہے غافل ہیں اس کا خطرہ بھی دل میں نہیں لاتے اور دنیا کے حالات میں ایسی باتوں پر نظر ہی نہیں ڈالتے جن سے انہیں آخرت کی معرفت حاصل ہو اور نہ ایسی باتوں میں کچھ فکر کرتے ہیں تاکہ آخرت کا کچھ علم ان کو حاصل ہو کیونکہ امور آخرت کا جاننا اللہ کے وجود اور اس کی قدرت اور ارادہ اور علم اور حیات کے جانتے پر موقوف ہے اور یہ علم مخلوقات کی حالت پر نظر کرنے اور ان کے بدلتے ہوئے احوال میں فکر کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا حالانکہ ان لوگوں نے اپنی نظر کو چوپایوں کی طرح ظاہری ذلیل حالات تک ہی کوتاہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عجیب صنعتوں میں غور ہی نہیں کرتے تاکہ اس کے ذریعہ سے اس کے وجود اور ان صفات پر دلیل قائم کر سکیں جن پر عالم کا وجود موقوف ہے پس اس سے انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ آخرت کی جن باتوں کی خبر دی گئی ہے سب ممکن ہیں اور ان کا ثبوت ضروری ہے۔

آخرت میں لوگوں کی قسمیں | اور نیز یہ کہ آخرت کے بارے میں مکلف نیک اعمال اور بد اعمال کے لحاظ سے دو قسم کے ہوں گے ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ گناہوں سے محبت کا سبب | پھر بندے کی گناہوں سے محبت کا سبب یا علم کی خرابی ہے یا قصد کی خرابی یا دونوں کی خرابی بلکہ بعضے تو یہ کہتے ہیں کہ ارادہ کی خرابی کا سبب بھی علم کی خرابی ہے اس لیے کہ جو شخص مہتر چیز کے نقصان کو بخوبی جانتا ہے وہ کبھی اس طرف رغبت نہ کرے گا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جس کو کسی مزہ دار کھانے کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اس میں دہرا ہوا ہے تو اس کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوگا۔

ایمان حقیقی کا تقاضا | پس اس بیان کے مطابق ایمان حقیقی وہی ہے جو ایماندار کو ایسے فعل کے کرنے پر آمادہ کرے جو آخرت میں مفید ہے اور ایسے کام کے چھوڑنے پر آمادہ کرے جو وبال

مفسر ہے پس جب اُس نے ایسا کام نہ کیا جو آخرت میں مفید ہے اور اُس کام کو نہ چھوڑا جو وہاں مفسر ہے تو اُس کا ایمان حقیقی نہیں ہے بلکہ زبانی ہے دلی نہیں ہے کیونکہ جس شخص کو دوزخ پر ایسا ایمان کامل ہو جیسے اُس کو دیکھ رہا ہے تو وہ شخص کبھی ایسی راہ نہ چلے گا جو دوزخ میں لے جائے چہ جائیکہ خود اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرے اور محبت پر ایسا کامل ایمان رکھنے والا گویا اس کو دیکھ رہا ہے اُس کی طلب میں سستی نہ کرے گا بلکہ اُس میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا اور یہ ایسی بات ہے جس کو ہر آدمی اپنے دل میں دنیاوی امور میں دفع مفسرت اور تحصیل منفعت کے وقت پاتا ہے۔

لواطت کرنے والے کا ایمان | پس اس بنا پر جس شخص کی عادت قوم لوطیہ کے فعل کی پڑ جائے اُس کا ایمان حقیقی نہیں بلکہ زبانی ہے اس لیے کہ اُس کا جرم اور جرموں کے مشابہ نہیں ہے۔

لواطت کی بنا | اور اسی لیے علماء نے اس کی حد میں اختلاف کیا ہے ایک گروہ کا تو یہ مذہب ہے کہ فاعل پر زنا کی حد لگائی جائے گی پس اگر وہ محسن ہے تو سنگسار کیا جائے اور اگر محسن نہیں تو سو دس مارے جائیں اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد ابن حسن بصری رحمہ اللہ اور عطار رحمہ اللہ اور نخعی اور قتادہ رحمہ اللہ اور اداعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ اُس کو ہر حال سنگسار کیا جائے محسن ہو یا غیر محسن اور ایسے ہی مفعول کو اور یہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد کا قول ہے اور اپنے اس قول پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو پھروں سے ہلاک کیا چنانچہ اپنے کلام میں فرماتا ہے **وَأَمْطَرْنَا عَلَيْكُمْ حِجَابًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ** اور برسائے ہم نے اُن پر پھریچے ہوئے **وَجِبَاسْتَدْلَالِ** یہ ہے کہ اگلے لوگوں کی شریعت بھی ہماری شریعت ہے جبکہ اس کا بیان بلا انکار ہو اور اس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہو اور اس قصہ کی حکایت بلا انکار ہوئی ہے اور نسخ ظاہر نہیں بلکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کو تم دیکھو کہ قوم لوط والا فعل کرتا ہے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو اور کل صحابہ اس پر متفق ہیں اگرچہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے کیونکہ چار خلیفوں نے تو ایسے شخص کو جلا دیا ہے اور وہ حضرات ابو بکرؓ، علیؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور ہشام بن عبدالملکؓ ہیں اور حضرت ابو بکرؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا **اُس پر گھر گرا دیا جائے** اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ ایک سب سے بلند مکان جو یزید کیا جائے پس اس پر سے سر کے بل گرا دیا جائے پھر پھریچے جائیں اس لیے کہ لوطیہ کی قوم اسی طرح ہلاک کی گئی چنانچہ ان کے گاؤں اٹھالیس گئے تھے اور ان پر آٹ دئے گئے تھے اور گرتے وقت مکان کے اُن پر آ پڑنے میں کچھ شک نہیں اور صدر الشریعہ نے دُرُ الحاکم میں لکھا ہے کہ صحابہ نے ایسے شخص کو سزا یعنی آگ میں جلاسنے اور دیوار کو گراسنے

اور بلند مقاموں سے اوندھا گرانے اور اس پر پتھر برسانے میں اختلاف کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسی قسم کی تشبیہ و تمثیل چاہیے اور جرم سخت ہونے اور صحابہؓ کی موافقت پائے جانے کی عرض سے اسے موقع پر بھی مناسب ہے۔

لواطت کی مناسکین ہونے کی وجہ | کیونکہ اس طرح کی تشبیہ اگر حد سے بڑھ کر ہے لیکن بطور سبب جائز ہے تاکہ لواطت کے لیے لواطت کی طرف رغبت کرنے میں کوئی گنجائش نہ رہے کیونکہ حد کا لازم نہ ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس لیے نہیں ہے کہ جرم خفیف ہے کیونکہ اس کی حرمت تو ان کے اور تمام علماء کے نزدیک زنا کی حرمت سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس لیے کہ اس کی شباهت خود طبیعتوں میں ودیعت کی گئی ہے کیونکہ وہ مقام گندہ ہے سلیم طبیعت والا خود اس کی طرف کبھی مائل نہ ہوگا اور اس سے روکنے کے لیے کسی تشبیہ کرنے والے کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس میں طبعی مانع کافی ہے جیسے کہ گو کھانے اور موت پینے میں طبعی مانع کافی ہے۔

لیکن چونکہ خبیث طبیعتوں میں جو حدود اللہ سے بڑھ جانے والی ہیں اس کا مقتضی بڑا قوی ہے اس لیے اس سے کامل طریق پر زجر کرنا واجب ہوا کیونکہ آجکل تو یہ امت محمدیہ میں بھی بہت جاری ہو گیا ہے اور عرب اور عجم اور علم اور جاہل اور خاص اور عام سب میں پھیل گیا اور اس سد کو پہنچ گیا کہ اس پر فخر کرتے ہیں اور جس کے پاس لوٹھانہ ہو اس کو ملامت کرتے ہیں اور طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آدمی ہی نہیں ہے اور اس کو کچھ دلچسپی ہی نہیں اور اپنے سامنے لونڈوں کے کھڑے ہونے پر فخر کرتے ہیں اور ان کو اچھے اچھے حرام کپڑے پہناتے ہیں تاکہ اچھا معلوم ہو۔

بارغ کے لیے ناہالغ سے میل جول جائز نہیں | حالانکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جس کو یہ بات صلی معلوم ہو کہ اس کے سامنے آدمی تصویر کی طرح کھڑے رہیں اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہیے" پس یہ وعید بارغ مردوں کے سامنے کھڑے رہنے کے متعلق پھر بعد لونڈوں کے کھڑے رہنے کا کیا کہنا جن پر نظر کرنا بھی جائز نہیں جیسا کہ نوازل میں مذکور ہے کہ لڑکا اگر خوبصورت ہو تو اس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا امیروں کے لڑکوں کے پاس بیٹھنے سے بچو کیونکہ ان کی صورت عورت کی سی ہوتی ہے اور ان کا فتنہ عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر ہے۔

لڑکے عورت کے حکم میں ہیں | اور ملتقط تا صری میں لکھا ہے کہ لڑکا جب مرد کے برابر ہو جائے اور خوبصورت نہ ہو تو وہ مردوں کے حکم میں ہے اور اگر خوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں کا ہے اور وہ سر سے پیر تک عورت ہے اس کی طرف شہوت سے دیکھنا

جائز نہیں رہا سلام کرنا اور بے شہوت دیکھنا سو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور اسی لیے اُس کو نقاب کا حکم نہیں دیا گیا۔

اور حدیث میں آیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ اپنے گھر کے دروازے پر اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے پس انہوں نے ایک لڑکے کو سامنے گلی میں آتے دیکھا پس آپ اُٹھے اور گھر میں چلے گئے پس جب لوگوں نے کہا کہ وہ چلا گیا تب آپ گھر سے نکلے پس کسی نے آپ سے پوچھا کہ اے ابو عبدالرحمن یہ آپ کا ذاتی فعل ہے یا اس بارے میں آپ نے کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سنا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ اُن کی طرف دیکھنا اور ان کے ساتھ باتیں کرنا اور ان کے پاس بیٹھنا سب حرام ہے۔ لڑکوں سے تعلقات کی خرابی اور قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں میں نے امام صاحبؒ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان رہتے ہیں اور ہر خوبصورت لونڈے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں اور محمد بن حسنؒ خوبصورت تھے اور امام ابو حنیفہؒ ہم آنکھ کی خباث کے خوف سے باوجود اپنے انتہائی تقویٰ کے اُن کو اپنے پیچھے یا مسجد کے ستون کی آڑ میں بٹھاتے تھے تاکہ اُن پر نگاہ ہی نہ پڑے۔

اور سفیانؒ کہتے ہیں کہ اس امت میں تین قسم کے لوطی ہوں گے ایک قسم تو گھورنے والے اور ایک قسم ہاتھ لگانے والے اور ایک وہ جو اس کام کو کر لیتے ہوں۔ اور لڑکوں کی بڑائی عورتوں سے زیادہ ہے اس لیے کہ جس کا دل کسی عورت پر آگیا تو اس کا نکاح سے جائز کر لینا تو ممکن ہے اور لڑکے کے چہرے کی طرف دیکھنے سے محبت پیدا ہوتی ہے تو اس میں لواطت کا جائز ہونا کسی طرح ممکن نہیں پس جب اس کی محبت اُس پر غالب ہوگی تو وہ فعل بد کر لے گا اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گا جو آیات الہی اور اس کے دین کو ہنسی کھیل سمجھتے ہیں اس لیے کہ بعض اوقات اُن دونوں میں اس قدر محبت ہو جاتی ہے اور ان کے درمیان وہی میل جول ہوتا ہے جیسا میاں بی بی میں ہوتا ہے یہاں تک کہ ناسق بدکار تو اُن کو میاں بی بی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو بی بی بنا لیا اور حاضرین اُن کی یہ باتیں سنا کرتے ہیں اور ان کا یہ حال دیکھا کرتے ہیں اور منع نہیں کرتے بلکہ ہنستے ہیں اور ان کو ایسا مذاق اچھا معلوم ہوتا ہے اور ایمان اسلام کے ہاتھ سے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ امر و غلام کا بدکار آدمی کے ہاتھ ایسے شخص کو بچینا مکروہ ہے جو یہ جانتا ہو کہ یہ اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا اس لیے کہ اس میں گناہ کی مدد ہے۔

لواطت حرام ہونے کے دلائل | اور تمام اگلے اور پچھلے علماء لواطت کے حرام ہونے پر متفق ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خلق کو نر و مادہ پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ عضو دے دیں کہ دونوں ہر عضو سے وہی کام لیں جس کے لیے وہ اعضا پیدا کیے گئے ہیں اور عورت کو کھیتی کا محل بنایا جیسا کہ کلام پاک میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے **نِسَاءُ كَوْكَبَاتٍ لَّهُنَّ مَحَارِبٌ لَّهُنَّ فَاَتُوا حَرْثَكُمْ اَنِي سُبْحٰنَ مَنۡ جَعَلَ ذٰلِكَ** تمہاری بی بیوں تمہاری کھیتی میں پس اپنی کھیتی کو جس طرح چاہو لو۔

پس کیا عاقل کو لائق ہے کہ اپنے کسی عضو کو کسی ایسے کام میں لگانے جس کے لیے وہ نہیں بنایا گیا ہے اور کیا اُس جگہ کھیتی ہو سکتی ہے جو کھیتی کا موقع نہیں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم نے مانگہ لڑکا کھیتی کا محل نہیں ہے لیکن وہ شہوت پوری کرنے اور لذت لینے کا موقع تو ہے پس اگر مملوک ہو تو اُس کے مالک کو اس میں تصرف کرنا کیوں جائز نہیں جیسا کہ اور تمام املاک کھلنے اور پہننے میں تصرف کیا جاتا ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ اگرچہ انسان کو بھی اپنے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے لیکن اُس پورا تصرف کرنے سے روک دیا گیا ہے اس لیے کہ جو مال اُس کے قبضہ میں ہے درحقیقت اُس کا نہیں ہے بلکہ اُس کے ہاتھ میں ایسی عاریت ہے کہ شریعت میں اُسے اجازت ہے کہ اس میں ایک قسم کا تصرف کرے اور دوسری طرح سے تصرف کرنے کی ممانعت ہے اور شریعت نے اس کو اس بات کی اجازت نہیں دی ہے کہ ایسے مگر وہ موقع پر غایت درجہ کی خواہش اور نہایت درجہ کی ناپاکی کی وجہ سے تصرف کرے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اپنی بی بی سے گو پیشاب گاہ میں وطی کرنا حلال ہے لیکن حیض کی حالت میں گندگی کے سبب سے اُس سے بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے **وَسْئَلُوْا نَكَحَ عَلٰی الْمَحِيْضِ طٰقُلٌ هُوَ اَذٰی فَاَعْتٰزِلُوْا النِّسَاءَ فِی الْمَحِيْضِ** اور لوگ تجھ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں کہدو وہ گندگی ہے پس الگ رہو عورتوں سے حیض میں اور وہ چھینے میں چند دن ہیں پھر ایسی جگہ سے کیوں ممانعت نہ ہوگی جہاں سے ایسی نجاست کبھی جدا نہیں ہوتی جو حیض کے خون سے بھی زیادہ سخت ہے۔

پھر اس سے معلوم ہوا کہ محض مالک ہونا ایسی چیز میں تصرف کا مقتضی نہیں جس میں شریعت نے اجازت نہیں دی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آتش پرست اونٹنی یا بت پرست باوجود کھیتی کا محل ہے لیکن اس کے مالک کو جائز نہیں کہ اُن میں بوسہ اور نغجید وغیرہ لوازم جماع کا کوئی تصرف کرے چہ جائیکہ جماع اور ایسے ہی چوپایہ باوجودیکہ وہ شہوت پوری کرنے کا موقع ہے لیکن اُس کے مالک کو اس سے شہوت پوری کرنا جائز نہیں جب یہ ثابت ہو گیا تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس فعل بد سے الگ رہے۔

لواطت کی اخروی سزا کیونکہ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا "جس نے قوم لوط کا کام کیا اس پر دوزخ میں اوندھا کر کے عذاب کیا جائے گا،" اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب زنر پر چڑھتا ہے تو عرش الی جاتا ہے اور آسمان کہتے ہیں خداوند اہم کو اس کے ہلاک کرنے کا حکم دے اور زمین کہتی ہے یا اللہ مجھ کو حکم دے کہ میں اُس کو نکل جاؤں پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جانے دو اس کا راستہ میری ہی طرف ہے اور اس کا کھڑا ہونا میرے ہی سامنے ہے،" اور یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوطی اگر سات سمندر میں نہاتے جب بھی قیامت کے دن نہ آئے گا مگر ناپاکی کی حالت میں۔

لواطت خبیث فعل ہے اور فتاویٰ صوفیہ میں سفیان رحمہ سے نقل ہے کہ لواطت جنت میں نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ناپسند کیا ہے اور برا قرار دیا ہے اور فرمایا مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۗ مگر تم سے پہلے جہان میں ایسا کام کسی نے نہیں کیا اور اس کا نام خبیثہ رکھا چنانچہ فرمایا ہے وَ كُنْتُمْ مِنَ الْفَرِيقِ الَّذِينَ كَانَتْ تَعْمَلُ الْفِجَارِ ۗ اور بچایا اہم نے اُس کو اُس گاؤں سے جو کرتے تھے خبیث کام، اور جنت خبیث کاموں سے پاک ہے کسی نے کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت چونکہ نہایت پاکیزہ اور مددِ رب کی لطیف ہے جب اُس میں لواطت ہو بہ خبیث فعل ہونے کے نہیں ہو سکتی تو لازم آتا ہے کہ اس شخص کو بھی قبول نہ کرے جو دنیا میں اس کام کو کرتا ہے اس لیے کہ وہ نہایت درجہ کا خبیث اور ذلیل ہے کیونکہ جو خبیث بات سے موصوف ہوں وہ خود بھی خبیث ہے ہاں مگر جبکہ اللہ اُس کو سچی توبہ سے جس سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں درست کر دے۔

المختصر میں مجلس شراب نوشی کی حرمت اور اس کے عذاب اور

تمام برائیوں کے بیان میں

شراب حرام اور نجاست غلیظ ہے اس کا پینے والا جنت میں نہ جائے گا | فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے شراب دنیا میں پی اور مر گیا اور وہ ہمیشہ پیتا رہتا تھا اور اس سے توبہ بھی نہیں کی تو آخرت میں شراب ظہور نہ پینے پائے گا۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عمر نے اس کو روایت کیا ہے اور اسکے معنی یہ ہیں کہ جس شخص نے ہمیشہ نئے نوشی کی اور ایسی حالت میں مر گیا اور اس سے توبہ نہیں کی وہ نہ جنت میں داخل ہو گا نہ اُس کو وہاں کی شراب پینے کو ملے گی اس لیے کہ وہاں ایک قسم کی

شراب دنیاوی شراب جیسی خمر بھی ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَأَنْتُمْ مِّنْ قِبَلِ
 خَيْرِهَا لَذَّةٌ لِلشَّارِبِينَ وَأَوْدٌ لِّشَرَابِهَا كِي تَهْتَبُوا مِنْهَا لَذَّةً مِّنْ قِبَلِهَا وَلِيَذَّكَّرُوا
 جنت میں مزہ دار غم یعنی دنیاوی شراب کی نہریں ہوں گی جن میں نہ بدبو ہوگی نہ بد مزگی اور نہ نشہ
 اور نہ غمار کی تکلیف ہوگی بلکہ وہ محض مزہ اور لطف ہوگا جس سے پینے والے مزے اڑائیں گے
 پس جو جنت میں جائے گا وہ اس میں سے ضرور ہی پیئے گا اور اس سے محروم نہ رہے گا پس اس
 میں سے پی نہ سکنا دنیا میں شراب نوشی کی وجہ سے جنت میں نہ داخل ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ
 دنیا کی شراب حرام اور نجاست غلیظہ سے اس کا پینا جائز نہیں

شراب پینے کی دنیاوی سزا اور جو شخص اپنی خوشی سے اس کو پیئے گا خواہ ایک قطرہ ہی ہو اس پر حد
 لگے گی اور اس کی مقدار آزاد پر اتنی درے اور غلام پر اس کے آدھے ہیں پس اگر دنیا میں نہ لگے تو
 آخرت میں سب کے سامنے آگ کے درے مارے جائیں گے۔

شراب کو حلال سمجھنا کفر اور اس کا کاروبار حرام ہے اور جو شخص اس کو حلال سمجھے وہ کافر
 ہے اور اس کا بچپنا اور خریدنا اور اس کی قیمت کو کھانا سب حرام ہے اور ذمی لوگوں کو شراب
 علائقہ پینے اور بچینے سے منع کیا جائے گا اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ شہروں اور گاؤں
 اور گھر اس شخص کو کرایہ پر دنیا جو اس میں شراب ہے مسلمان ہو خواہ کافر جائز نہیں ہے اس لیے
 کہ گناہ میں مدد دینا ہے اور اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا
 تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِسْرِ وَالْعُدْوَانِ ۗ نِكِحُوا ذُرِّيَّتَهُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِمَا رَزَقْتُم مِّنْهُنَّ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ
 اور نافرمانی اور ظلم میں مدد نہ دو اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اپنے اپنی بستی کے اطراف
 میں اس کی اجازت دینی ہے تو ان کی بستی کے اطراف سے مراد جیسا کہ علماء نے بیان کیا ہے
 سواد کوفہ یعنی اس کے اطراف ہیں اس لیے کہ وہاں کے اکثر رہنے والے ذمی ہی تھے رہے
 ہمارے شہروں کے سواد یعنی اطراف سوا میں چونکہ اسلام کے جنڈے غالب ہیں لہذا یہاں
 ان کو قدرت نہ دی جائے گی جیسے کہ شہروں میں ان کی اجازت نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

شراب خانے کو حلالانے کا حکم شرعی اور لھاب الاحتماب میں مذکور ہے مگر محتسب مشہور
 شراب خانے کو چھوٹک دے تو تاوان نہیں ہوتا جبکہ یہ جانے کہ اس کے بغیر باز نہ آئے گا کیونکہ
 ایسی حالت میں ہی انتظام کا طریقہ ہے البتہ ہمارے علماء سے گھر جانے کے متعلق کوئی روایت
 نہیں آئی بلکہ صرف گھر کا کرنا اور منگے کا توڑ دینا آیا ہے لیکن محیط کی کتاب الصلوٰۃ کی آئینوں فصل میں
 لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی سے کہہ دوں کہ نماز پڑھائے اور ان
 ان لوگوں کو دیکھوں جو جماعت میں نہیں آتے میں ان کے گھر جلا دوں اور یہ حدیث جماعت سے

پچھے رہ جانے والے کے گھر کو پھونک دینے کے جواز پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ رسولؐ سے گناہ کا ارادہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ ارادہ بھی گناہ ہے پس جب سنت مؤکدہ کے چھوڑ دینے سے گھر کے جلا دینے کا جواز معلوم ہوا تو واجب اور فرض کے چھوڑ دینے پر گھر جلائے کی نسبت تم کیا خیال کر سکتے ہو۔

اور خصائص کی شرح ادب القامنی کے تیسویں باب میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ پڑھا تو آپ نے فرمایا مجھ کو خبر ملی ہے کہ فلاں اور فلاں کے گھر میں شراب سے پس میں ان کے گھروں کی تلاشی لوں گا اگر ٹھیک ہوا تو دونوں کے گھر پھونک دوں گا اور یہ دونوں آدمی ایک تو قریش میں سے تھا اور ایک قبیلہ ثقیف میں سے تھا پس قریشی نے یہ بات سنی تو ڈر گیا اور اُس کے گھر میں جو نشہ کی چیز تھی سب پھینک دی اور ثقیفی نے ایسا نہیں کیا اور اس کا نام مرشد تھا پس حضرت عمرؓ قریشی کے گھر آئے تو اُس میں کوئی چیز نشہ کی نہ پائی اور ثقیفی کے گھر آئے تو اُس میں شراب پائی پس آپ نے اس کا گھر جلا دیا اور فرمایا تو مرشد نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ محتسب کو جب کسی بُری بات کی خبر ملے تو اُس کو پکارتے کہ مشورہ دے اور اُس پر دھمکائے کیونکہ حضرت عمرؓ کو جب شراب کی خبر پہنچی تو آپ نے خطبہ دیا اور وعظ میں ظاہر کر دیا اور گھر پھونک دینے کی دھمکی دی اور قریشی نے نصیحت مان لی اور اُس کا گھر نہیں جلا یا گیا اور ثقیفی نے نصیحت نہ مانی لہذا اس کا گھر پھونک دیا کیونکہ جلائے ہی سے دھمکایا تھا اور یہ سیاست کے لائق نہیں کہ کسی بات سے دھمکائے پھر اس کو نہ کرے۔ شراب کو حلال قرار دینے والے مسلمان کو قتل کر دیا جانے گا اور روایت ہے کہ چند شامیوں نے

شراب پی اور کہا کہ ہمارے لیے تو یہ حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا ۗ نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کچھ گناہ ۱۱ اُس چیز میں جو کہ انہوں نے کھایا ۱۲ پس اُن کے بارے میں اس بات کی تحریری اطلاع حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور آپ نے لکھ بھیجا کہ اُن کا چالان میرے پاس کر دو پس جب وہ لوگ آگئے تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کو جمع کیا اور ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا ان حضرات نے کہا کہ اے امیر المؤمنین ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے اور اُس کے دین میں ایسی بات نکالی ہے جس کی اُس نے عبادت نہیں دی ہے لہذا آپ اُن کی گردنیں مار دیجئے اور حضرت علیؓ نے سب میں خاموش تھے حضرت عمرؓ نے آپ سے پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اُن سے توبہ کر لیجئے پس اگر توبہ کر لیں تو ہر ایک کے اسی درجے مارنے اور اگر توبہ نہ کریں تو اُن کی

گر وہیں مار دیکھے پس آپ نے اُن سے توبہ کرائی پس انہوں نے توبہ کر لی اور ہر ایک کو اتنی اسی دترے ننگے۔

اور اس آیت کا جواب جس سے وہ شراب کے جائز ہونے پر دلیل لاتے تھے یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو سب نے کہا یا رسول اللہ ہمارے اُن بھائیوں کا کیا حال ہو گا جو شراب خواری کی حالت میں مر گئے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی کہ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا ۗ نہیں ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لائے اور نیک کام کئے کچھ گناہ اُس چیز میں جو پہلے کھا چکے ۷ یعنی جن لوگوں نے حرام ہونے سے پہلے شراب پی اُن پر کچھ گناہ نہیں گناہ تو اُن ہی پر ہے جو اس کے حرام ہونے کے بعد پیتے ہیں۔

اسلام میں شراب حرام ہونے کی وجہ اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی چیز کا پینا حرام ہونا جو اُس عقل کو کھو دے جو معرفت الہی اور شکر نعمت کی جڑ ہے اس میں شک نہیں بہت ہی اچھا ہے لیکن پہلی امتوں کے لیے کیوں حلال تھی حالانکہ اُن کو بھی اس کی حاجت تھی تو جواب یہ ہے کہ تھوڑی سی پینے میں عقل نہیں ہاتی عقل تو نشہ سے جاتی ہے اور نشہ سب دنیوں میں حرام رہا ہے لیکن اس امت پر جس کے خیر ہونے کی سب نے گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تکرم کے سبب سے تھوڑی سی شراب بھی حرام کر دی گئی تاکہ نشہ میں نہ پڑ جائیں جو کہ ممنوع ہے کیونکہ تھوڑی شراب بہت کا تقاضا کرتی ہے اور یہ اس کا خاصہ ہے اسی لیے شرابی کا مزہ زیادہ پینے سے بڑھتا جاتا ہے برخلاف اور شربتوں کے۔

اسلام میں حرمت شراب کا تدریجی حکم اور اس کی حکمت اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تقاضائے مذکور تو اس میں پہلے سے موجود تھا پس پہلے ہی کیوں نہ حرام ہو گئی اور آہستہ آہستہ کیوں حرام ہوئی تو جواب یہ ہے کہ خیر ہونے کی گواہی اس وقت نہ تھی اور یہی آہستگی سوا اس لیے کہ اسلام سے نفرت نہ ہو جائے کیونکہ وہ لوگ جاہلیت میں اس کے پینے کے بڑے شائق تھے پس اس کے پینے کی طرف اُن کے شوق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اور احسان ظاہر فرمایا اور دفعۃً حرام نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ یہاں تک کہ اس شان میں چار آیتیں اُتریں۔

پہلا حکم نفرت دلانے کے لیے اَلَمْ يَكُنْ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ آمَنُوا حَرَجًا مِّنْ اٰیٰتِ الرَّسُولِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ يَخْتَصِمُوْنَ ۗ اِنَّهُمْ لَشَاٰكِرُونَ ﴿۱۰۱﴾ اور کھجوروں اور انگوروں کے میوں سے بنائے ہوئے نشہ اور روزی اچھی ۷ اور نشہ سے مراد شراب ہے پس بڑے بڑے صحابہؓ نے فرمایا کہ اگر شراب میں کچھ خوبی ہوتی تو رزق حسن سے الگ نہ کی جاتی پس انہوں نے اُس کو چھوڑ دیا اور

لوگوں پر یہ بات پوشیدہ رہی کہ معطوف کو بھلائی سے موصوف کرنا اس دلالت سے خالی نہیں ہے کہ معطوف علیہ میں کچھ نہ کچھ برائی ہے لہذا انہوں نے اس کو نہیں چھوڑا۔

دوسرا حکم شراب کا گناہ فائدہ سے بڑا ہے | پھر حضرت عمرؓ اور معاویہؓ اور کئی اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ہم کو شراب اور جوئے کے بارے میں فتوے دیجئے کیونکہ ایک تو عقل کھودیتی ہے اور دوسری چیز بال تلف کرتی ہے تب یہ آیت آئی **لَا يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا اثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ مِمَّنْ نَقَعَهُمَا**۔ ”تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ ان میں گناہ بڑا ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے سے بڑا ہے | پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام نہیں کیا بلکہ اس کی بھجی کی اور اس سے آگاہ کر دیا کہ ان دونوں سے بچنا ان کے پاس جانے سے بہتر ہے اس لیے کہ ہر کام میں اکثر یہ ہوتا ہے پس بہتر ہے لوگ تو ان دونوں سے باز آئے اور کہا ہم کو اس کی تجھ حاجت نہیں جس میں بڑا گناہ ہو اور بعضوں نے کہا ہم ان کا فائدہ حاصل کرتے رہیں گے اور گناہ چھوڑ دیا کریں گے پس وہ ان دونوں سے باز نہ آئے۔ تیسرا حکم نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے ممانعت | پھر عبدالرحمن بن عوفؓ نے کھانا پکا کر صحابہؓ

کی ایک جماعت کو بلایا اور شراب پیش کی پس سب نے پی اور مست ہوئے اور وہیں مغرب کا وقت آگیا تو انہوں نے آپس میں سے ایک کو آگے کیا اس نے اس طرح پڑھا **قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ** آخر سورہ تک لفظ لاکو چھوڑ کر پھر یہ قول اللہ تعالیٰ کا نازل ہوا **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَرَىٰ** اسے ایمان والو پاس نہ جاؤ نماز کے حالت نشہ میں یہ آیت پہلی آیت سے سخت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اوقات نماز میں نشہ حرام کر دیا اس لیے کہ نہی کا تعلق مقید یعنی نماز سے اس طرح نہیں ہے کہ قید یعنی شراب کے پینے کی اسی طرح اجازت ہو بلکہ نہی کا تعلق قید یعنی شراب کے پینے سے اس طرح ہے کہ مقید یعنی نماز اسی طرح لازم ہے کیونکہ نماز مسلمانوں پر فرض وقت بند ہی ہوئی ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ”اسے ایمان والو نماز کے وقتوں میں شراب نہ پیا کرو“ پس بہتوں نے اس کا پینا چھوڑ دیا اور کہ لوگ اوقات نماز کے علاوہ اور وقتوں میں یعنی تو نماز عشا کے بعد پیتے تھے کہ صبح ہوتی تو نشہ اتر چکا ہوتا اور یعنی صبح کی نماز کے بعد پیتے پس ظہر کا وقت آنے تک پیش میں آجاتے پس ان کا اکثر وقت شراب سے خالی رہتا اب مطلقاً حرمت کی طرف منتقل کر دینا ان کا آسان ہو گیا۔

چوتھا حکم صریح حرمت شراب | پھر عتبایں بن مالکؓ نے کئی مسلمانوں کی دعوت کی اور ان کے لیے اونٹ کی سری بھونی پس انہوں نے کھائی اور شراب پی پس جب مست ہوئے تو اپنی اپنی شیخی مارنے لگے اور شعر پڑھنے لگے اور اس جماعت میں سعد بن ابی وقاصؓ تھے پس انہوں نے

ایسا شربٹ پھا جس میں انصار کی جو جھٹی پس ان میں سے ایک نے اونٹ کا جیڑا لے کر سعد بنہ کے سر پر ایسا مارا کہ سر کھل گیا پس سعد بنہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فریاد کی اور حضرت عمر بنہ اس وقت حاضر تھے پس انہوں نے دعا کی "یا اللہ ہمارے لیے شراب کے بارے میں شافی طور پر بیان کر دے" پس یہ آیت اتری "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَسْرَارُ رَجَسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُواهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ هَٰ إِنَّهَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ" اے ایمان والو شراب اور جو اور بت اور پانسے گندے ہیں کام شیطان کے سوان سے بچتے رہو تاکہ تمہارا بھلا ہو۔ شیطان چاہتا ہے کہ ڈال دے تم میں دشمنی اور بغض ڈال دے اور جوئے سے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے پس کیا تم اس سے باز آتے ہو؟ پس حضرت عمر بنہ نے کہا اللہ ہی ہم باز آئے۔

حرمت شراب کی آیت کی شراب کے حرام ہونے پر دلالت کے دس وجوہ | پس یہ آیت شراب کے قطعی حرام ہونے پر دس وجہوں سے دلالت کرتی ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو جوئے کے ساتھ ملا کر ذکر کیا اور وہ بالاتفاق حرام ہے اور اسی طرح وہ جو اس کے ساتھ ہو اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بتوں کے ساتھ ملا یا اور وہ بھی حرمت میں ایسے ہی ہیں اور تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانسو کے ساتھ ملا یا اور وہ بھی حرمت میں ویسے ہی ہیں اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام رجن رکھا اور رجن حرام نجس ذاتی کو کہتے ہیں اور پانچویں یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس تنبیہ کے لیے کہ اس کا کرنا محض برا ہی ہے شیطان کا کام قرار دیا اور چھٹے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کا حکم کیا اور حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے لہذا تعمیل حکم واجب ہے اور ساتویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے پر کامیابی کا وعدہ فرمایا اور کامیابی حرام سے بچے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور آٹھویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شیطان ہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیانی دشمنی اور بغض ڈال دے اور جو چیز یہاں تک پہنچائے وہ حرام ہے اور نویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ شیطان کی غرض یہ ہے کہ یاد اللہ اور نماز سے تم کو روک دے اور ایسا کرنا حرام ہے اور دسویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے باز رہنے کو فرمایا اور باز آنا ہی سے واجب ہوتا ہے جو حرام ہو۔

حرمت شراب کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کا عمل | پس ان وجہوں سے شراب کی قطعی حرمت ثابت ہوئی لہذا سب نے اس کا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھا اور وہ

سب شراب پی رہے تھے اور میں ان کا ساقی ممتا تھے میں وہاں ایک شخص آگیا اور اُس نے کہا شراب تو حرام ہو گئی پس خدا کی قسم نہ اُن لوگوں نے ذرا دیر کی اور نہ اس کے متعلق کچھ پوچھا یہاں تک کہ انہوں نے کہا اِس جہنمی تیرے برتن میں سے سب گراوے پس میں نے گرا دی اور کسی نے پھر کبھی نہ پی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے مل گئے۔

شراب کی قباحت | اور حضرت علی رضی سے روایت ہے آپ فرماتے تھے کہ اگر شراب کی ایک بوند کنویں میں گر جائے پھر اُس کی جگہ مینا نہ بنا میں تو میں اُس پر اذان نہ کہوں اور اگر شراب کی بوند دریا میں گر پڑے پھر وہ خشک ہو کر گھاس جم آئے تو میں جانور نہ چراغوں اور حضرت عثمان رضی سے روایت ہے وہ فرماتے تھے شراب سے بچو بیشک وہ تمام نجیثوں کی جڑ ہے پس تم سے اللہ کی کہ کسی شخص کے دل میں ایمان اور شراب دونوں جمع نہیں ہوتے مگر قریب ہے کہ ان میں سے ایک چیز دوسرے کو کھودے گی یعنی شرابی جب مست ہوتا ہے تو اُس کی زبان پر کلمہ کفر آجاتا ہے پس اب حالت مستی میں قصداً اور اعتقاداً نہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ اس کے مرتد ہونے کا اعتبار نہیں ہے لیکن اس کی زبان کو یہی عادت پڑ جاتی ہے اور اس پر خون ہے کہ مرتے دم بھی اُس کی زبان سے کلمہ کفر نہ نکل جائے اور دنیا سے کافر ہو کر جائے کیونکہ عموماً جو چیز آدمی کامرتے وقت ایمان کھودیتی ہے وہ صرف گناہوں کے سبب سے ہے جن کو زندگی میں کیا کرتا تھا پس ہمیشہ کو دوزخ میں پڑا رہے گا۔

دوزخ کا عذاب | اور روایت ہے کہ دوزخی دوزخ کی طرف لیجائے جائیں گے پس جب وہ دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو فرشتے لوہے کے گرز لے کر اُن کے سامنے آئیں گے پس جب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو اُن کے بدن کا کوئی عضو باقی نہ رہے گا کہ اُس کو عذاب نہ ہو یا تو اُس کو سانپ ڈستار ہے گایا بھوڑنگ مارتا رہے گایا آگ جلا کر کوٹلا کرتی رہے گی یا فرشتہ گرز سے مارتا رہے گا پس جب فرشتہ اُس کو ایسی چوٹ لگائے گا تو چالیس برس کے برابر آگ میں دھنستا جائے گا ابھی اُس کی تہ کو نہیں پہنچنے پائے گا کہ آگ کی لپٹ پھر اُس کو اُچھال دے گی پس جب اُس کا سر نکلے گا پھر فرشتہ دوسری ایسی چوٹ لگائے گا کہ آگ میں اتر جائے گا پس یہی عذاب جب تک مرضی اللہ عذاب دینے کی ہوگی ہوتا رہے گا پھر دوزخ کے نگہبانوں کو وہ لوگ یہ کہہ کر پکاریں گے کہ دعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کر دے ہم پر ایک دن محوڑا عذاب سو وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے کہ دعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کر دے ہم پر ایک دن محوڑا عذاب سو وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے پھر وہ مالک کو پکاریں گے وہ بھی کچھ جواب نہ دے گا پس وہ کہیں گے ہم نگہبانوں کو پکار چکے اور مالک کو پکار چکے اور کسی نے جواب نہیں دیا اور ہم ہی فریاد کریں پس انہیں اس سے کچھ نایدہ

نہ ہو گا پھر کہیں گے آدھ صبر کریں پھر صبر کریں گے اور کچھ فائدہ نہ ہو گا پھر کہیں گے برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں یا صبر کریں نہیں ہے ہم کو کچھ خلاصی پس یہ عذاب اگر چہ کفار کے لیے ہے لیکن مسلمان بھی جب شراب پیئے گا اور اس کی زبان سے کلمہ کفر نکلے گا اور اس کی زبان کو کلمہ کفر بکنے کی عادت پڑ جائے گی تو اس کا ایمان جاتا رہے گا اور کفار کی جماعت میں داخل ہو جائے گا اور ہمیشہ کو دوزخ میں پڑا رہے گا۔

شراب کے بارے میں مومن کا رویہ | لہذا مومن کو چاہیے کہ اس کے پینے سے باز رہے اور شرابی کے پاس نہ بیٹھے اور قیامت کے ہول کا خیال رکھے کیونکہ جو شخص قیامت کے ہول کا خیال رکھیںگا اس کا دل اس کے پینے اور شرابی کی صحبت کی طرف مائل نہ ہوگا۔

شراب کی حقیقت، اقسام اور ان کا حکم | لیکن اس کی حقیقت کا جاننا بھی ضروری ہے شراب وہ ہے جو انگور کے کچے شیرہ کی موجودگی میں جوش کھا کر کف گرانے لگے اور جب تک کف نہ گرائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک حرام نہیں ہوتی اور صاحبین کے نزدیک جب جوش کھا جائے خمر ہو جاتی ہے اگرچہ کف نہ گرائے اور مثلث وہ ہے کہ انگور کا شیرہ پکا ڈالا جائے یہاں تک کہ دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے پھر وہ خوب جوش کھا کر نشہ دار ہو جائے۔ پس امام محمد رحمہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک اس میں سے بھوڑی اور بہت سب حرام ہے اور ایسے ہی ہر نشہ لانے والی اور خمر کی شراب حرام ہے خواہ غلوں سے بنتی ہو جیسے گہیوں اور جو اور جواریاں دودھ اور شہد اور انجیر سے بنتی ہو۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک جب تک نشہ نہ لائے مثلث کا پینا حلال ہے اور جب پینے والے کو مست کر دے تو پینا حلال نہیں ہے یہاں تک کہ ابو الیث نے تشبیہ میں کہا ہے کہ مطبوخ کا پینے والا شراب پینے والے سے بھی زیادہ گنہگار ہے اس لیے کہ شراب پینے والا قائل تو ہے کہ میں نے حرام شراب پی پس وہ فاسق ہوگا اور مطبوخ پینے والا نشہ کی چیز پیتا ہے اور پھر اس کو حلال جانتا ہے حالانکہ سب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نشہ کا پینا حرام ہے اور جب اس چیز کو حلال سمجھا جو بالاجماع حرام ہے تو کافر ہو گیا۔

اور مطبوخ غیر مسکر کا پینا جب ہی تک حلال ہے کہ اس سے لہو اور طرب مقصود نہ ہو اور جب اس سے لہو اور طرب کا قصد ہو تو اس کا پینا حلال نہیں یہاں تک کہ ابو حفص رحمہ کبیر سے پوچھا گیا تو کہا اس کا پینا حلال نہیں ہے بس کسی نے کہا شیخین یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اور امام ابو یوسف رحمہ کے خلاف کہتے ہو انہوں نے جواب دیا نہیں اس لیے کہ وہ دونوں مہتمم طعام کے لیے حلال کہتے تھے اور اس زمانہ کے لوگ بخور اور لہو کے لیے پیتے ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ اختلاف اس صورت

میں ہے کہ عبادت پر قوت حاصل کرنا مقصود ہو اور اگر لہو مقصود ہو بلا اتفاق حلال نہیں ہے بلکہ اگر پانی وغیرہ مباح چیزیں بھی لہو اور طرب سے فاسقوں کی وضع پر پیے تو وہ بھی حرام ہو جائے گا۔
اناسویں مجلس غنیمت میں خیانت اور غازیوں میں اس کی تقسیم

واجب ہونے کے بیان میں

غنیمت میں خیانت کا انجام | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے ادا کرو سوئی اور تاگا اور بچو چوری سے کیونکہ وہ قیامت کے دن خیانت کرنے والے پر بڑی شرم ہوگی۔
 یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اس کو عبادہ بن صامت نے روایت کیا ہے اور غلول سے مراد غنیمت میں خیانت کرنا ہے۔

مالِ غنیمت اور اس کے جمع تقسیم کرنے کے احکام | اور غنیمت وہ مال ہے جو کفار سے بطور غلبہ چھینا جائے اور غنیمت اگلی امتوں کو حلال نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنا فضل کیا پس اُن کے لیے اس کو حلال کر دیا چنانچہ فرماتا ہے **كَلِمًا مِمَّا عَخْتُمُ حَلَالًا طَيِّبًا** "پس کھاؤ جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا حلال اور طیب" اور دارالاسلام میں لانے کے بعد اس کا حکم یہ ہے کہ غازیوں کے پاس جو کچھ ہو سب جمع کیا جائے حتیٰ کہ عطیہ کے سوا جس کا ذکر آگے آئے گا، دانے چارے سے جو کچھ بچا ہو وہ بھی جمع کیا جائے پھر اس میں سے پانچواں حصہ یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے واسطے نکال لیا جائے پھر باقی اُن ہی غازیوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ پس امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیادے کو ایک حصہ اور سوار کو دو حصے دئے جائیں اور اوروں کے نزدیک سوار کو تین حصے دئے جائیں اور جیسا کہ تادی قاضی خان میں مذکور ہے امام کو یہ اختیار نہیں ہے کہ غنیمت کو دارالحرب سے دارالاسلام میں لانے سے پہلے ہی تقسیم کر دے یا اگر کوئی شہر اہل حرب کا فتح کر لیا ہو اور اس میں مالِ غنیمت بانٹ دے تو اب اس کا تقسیم کرنا جائز ہے اس لیے کہ جب اس کو فتح کر لیا تو وہ جگہ بھی دارالاسلام ہو گئی پس اس میں مالِ غنیمت تقسیم کرنا جائز ہو گیا مالِ غنیمت میں یہ تو شرعی حکم ہے لیکن اس زمانہ میں یہ حکم چھوٹ گیا اور منسوخ شریعت کی طرح ہو گیا کیونکہ نہ تو مالِ غنیمت غازیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے نہ اس کا پانچواں حصہ نکالا جاتا ہے اس لیے کہ آج کل تو یہ عادت ہو گئی ہے کہ جب فوج دارالحرب میں داخل ہوتی ہے اور کافروں پر غالب آجاتی ہے تو اُن کا مال لوٹنے لگتے ہیں پس کوئی تو بہت مال لے لیتا ہے اور کوئی گھوڑا اور بعض کو کچھ بھی نہیں ملتا بلکہ محروم رہ جاتے ہیں پھر اسی حالت میں آپس میں بانٹنے

اور پانچواں حصہ نکالنے کے بغیر متفرق ہو جاتے ہیں۔
مال غنیمت میں خیانت پر وعیدیں اور یہ وہی خیانت ہے جس کی نسبت شامع کی طرف سے
 کئی حدیثوں میں سخت وعیدیں آئی ہیں جن میں سے

ایک یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک غلام تحفہ میں بھیجا جس کا نام بدم تھا۔ پس ایک مرتبہ جب کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوا اتار رہا تھا یکا یک کسی دشمن کا تیرا اس کو آکر لگا اور اس کو ہلاک کر دیا پس لوگوں نے کہا کہ اس کو جنت مبارک ہو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ کملی جن کو خیر کے دن تقسیم سے پہلے مال غنیمت میں سے اس نے لے لی تھی آگ بن کر بھڑک رہی ہے لوگوں نے جب یہ سنا تو مختصر اگے پس ایک شخص ایک تمہ یاد دہانہ لایا اور کہا کہ یہ میں نے خیر کے دن لیے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آگ کا ایک تمہ یاد دہانہ ہے۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے جو زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک شخص نے خیر کے روز وفات پائی پس اس واقعہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اپنے پار پوچھ ہی نماز پڑھ دو اس پر لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے تو فرمایا تمہارے پار نے غنیمت میں خیانت کی ہے پس ہم نے اس کے اسباب کی تلاشی لی تو یہود کے مہروں میں سے ایک مہرہ پایا جو دو درعم کے برابر بھی نہ تھا۔

اور ایک یہ ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب غنیمت کا مال ملتا تو بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں پکارتے اور لوگ اپنی اپنی غنیمت لاکر جمع کر دیتے پھر آپ خمس نکال کر تقسیم کر دیتے پس ایک شخص تقسیم کے بعد بالوں کی رستی لے کر آیا اور عرض کیا اس کو میں نے غنیمت میں سے لے لیا تھا پس نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے بلال رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ آواز دیتے سنا تھا اس نے عرض کیا ہاں آپ نے فرمایا پھر لانے سے تجھے کون چیز مانع ہوئی اس نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا تو ہی قیامت کے روز لے کر آنا میں تجھ سے ہرگز نہ لوں گا اور نبی علیہ السلام نے وہ رستی اس واسطے نہ لی کہ اس میں تمام غازیوں کی شرکت تھی اور وہ سب ادھر ادھر ہو گئے تھے اور ہر ایک کا حصہ اس رستی میں سے حصہ دار کو پہنچانا ممکن نہ تھا لہذا اسی کے پاس رہنے دی کہ اس کا گناہ اسی پر رہے کیونکہ وہ ہی غاصب تھا۔

شرعی طریقے کے سوا مال غنیمت میں سے کچھ لینا حلال نہیں پس اس بنا پر ہمارے زمانے کے غازی غنیمتوں میں سے جو کچھ بلا تقسیم کئے اور بغیر پانچواں حصہ نکالنے لیتے ہیں اس میں سے کسی کو

کھانا حلال نہیں کیونکہ اُن کا قبضہ شرع کے موافق نہیں ہے اور اس پر بھی بہتوں سے تم سفتے ہو کر کہتے ہیں کفار سے ہم کو ایسا مال ملا ہے کہ ہمارے لیے اُس مال سے بھی زیادہ حلال ہے جو ہمارے مال باپ سے میراث میں ملا ہے حالانکہ ان مغرور لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ انہوں نے طریق شرع کے خلاف لیا ہے لہذا حلال نہیں ہے۔

غنیمت کے مستحق دو فریق | کیونکہ اس میں مستحقوں کے دونوں فریق کا حق ہے ایک فریق تو یتیم اور مساکین اور مسافر ہیں اس لیے کہ پانچواں حصہ اُن کا حق ہے اور وہ اس میں باقی سے اور دوسرے فریق غازی ہیں جو اُن کے ہمراہ تھے اس لیے کہ پانچویں حصہ کے بعد جو بچا اُس میں اٹکا رہی حق ہے اور وہ اس میں باقی ہے کہ بطور شرع اُن میں تقسیم نہیں ہوا ہے پھر حلال کیوں کر ہو گا۔

شرعی طریقے کے بغیر مال غنیمت میں تصرف کرنے والے کا حکم | بلکہ اس طرح کی لی ہوئی چیز اگر لوٹدی ہو تو اس طرح کے لینے والے کو اس میں تصرف جائز نہیں اس لیے کہ وہ مشترک ہے اور اس کا بھی اُس میں حق ہے اگرچہ خمس نکل چکا ہو اس لیے کہ باقی لشکر کا حق اُس میں باقی ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مشترک لوٹدی سے تمام شرکاء کو وطی حرام ہے اور حرمت میں کچھ اس سے فرق نہیں ہوتا کہ حصہ محفوظ ہو یا بہت اور اس پر سب علماء متفق ہیں کہ لشکر میں سے کسی کو جائز نہیں ہے کہ قیدیوں میں سے کسی لوٹدی سے تقسیم سے پہلے وطی کرے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر صحبت کر لی تو اس پر کیا واجب ہے پس امام مالک کہتے ہیں کہ اس کو مد لگائی جائے کیونکہ وہ زانی ہے اور امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اُس کے لیے حد نہیں ہے بلکہ اُس کے لیے تنبیہ ہے اور اگر اس لوٹدی سے بچہ پیدا ہو تو وہ غلام ہے غنیمت میں شامل کیا جائے پس جب یہ بات ہے تو اُس شخص پر جو کافر کو کفر کے سبب سے قتل کرتا ہے یہ خوف ہے کہ وہ خود بے تقسیم کی ہوئی غنیمتوں اور مشترک شر مگاہوں کو حلال سمجھنے کی وجہ سے خود کافر ہو جائے۔ پھر یہ نسا و ہر اُس شخص تک پہنچے گا جو کوئی لوٹدیوں وغیرہ کو اُن سے لے گا اور یہ بڑا سخت دشواری سے جانے والا مرض ہے کیونکہ اُس زمانے کے اکثر لشکریوں نے اسلامی احکام کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ اُن کو کچھ اس کا حکم ہی نہیں پس جو کرتے ہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے پھر اس کا علاج کیسے ہو سکتا ہے کہ جو غنائم اُن کے قبضہ میں ہیں جمع کریں اور اُن کے درمیان تقسیم کریں حالانکہ وہ شرع کے تابع نہیں ہیں۔

پھر جبکہ جمع کرنا اور اُن میں تقسیم کرنا دشوار ہو تو جو چیز ہر ایک کے ہاتھ میں سے وہ لقمہ کے حکم میں ہے پس جو شخص فقیر ہو تو امید ہے کہ اُس میں اس کو شرف کرنا جائز ہو اور جو غنی ہے اُس کو عہ لقمہ وہ پڑی گری چیز جس کو کوئی شخص پائے۔

جائزہ نہیں کہ اس میں تصرف کرے بلکہ اس کو لازم ہے کہ کسی فقیر پر خیرات کر دے پھر اگر چاہے تو اس فقیر سے لے کر مالک ہو جائے یا بطور مہبہ یا خرید کر یہ سب اس وقت ہے کہ جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے بغیر تنقیل یعنی انعام کے ہو۔

تنقیل یعنی انعام میں ملنے والے مال غنیمت اور اس میں تصرف کا حکم شرعی اور جس چیز کو بطور انعام لیا ہو تو وہ خاص اسی کی ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں لیکن دارالاسلام میں لائے بغیر اس کا مالک نہیں لیکن دارالاسلام میں لائے بغیر اس کا مالک نہیں یہاں تک کہ اگر امام نے یا سردار لشکر نے حکم دیا کہ جس کے ہاتھ لوٹنے آئے وہ اسی کی ہے پس کسی غازی کو لوٹنے سے اور خیموں سے رحم پاک ہو تو بھی نہ وہی حلال ہے اور نہ دارالاسلام میں لانے سے پہلے اس کی بیع حلال ہے۔

اور تنقیل سے مراد کچھ مال کا حصہ غنیمت سے زائد وعدہ کر کے لڑائی کی رغبت دلانا ہے اور یہ مستحب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جِدِّصِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ** "اے نبی، شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا، لہذا امام یا سردار لشکر کو مناسب ہے کہ کچھ زائد حصے کا وعدہ کرے اور کہے جو کسی کو قتل کرے تو مقتول کا سامان اسی کا ہے یا سر سے لے کر جو کچھ لوٹ میں تم کو ملے سب تمہارا ہے یا اس کا جو تھائی یا تھائی وغیرہ اور تمام لوٹ کا انعام مقرر نہ کر دے کیونکہ اس میں سب کا حق باطل کرنا ہے اور اگر سر سے لے کر ساقیہ لیا کرے تو جائز ہے اس لیے کہ بعض وقت اسی میں مصلحت ہوتی ہے ہدایہ میں یہی مذکور ہے۔

اور شرح مجمع میں مذکور ہے کہ امام تمام لوٹ کو نقل کر دے کیونکہ اس میں وہ تقسیم باطل ہوئی جاتی ہے جو غنیمت میں مشروع ہے اور اگر سر الکبیر میں مذکور ہے کہ امام اگر تمام لشکر سے کہے کہ جو تم کو ملے خمس نکال کر وہ تمہارا ہی ہے تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ تنقیل سے عرض لڑائی پر ابھارنا ہے اور یہ بات کسی کے لیے کچھ مقرر کر دینے سے حاصل ہوتی ہے اور تقسیم میں سوار کی فضیلت کو جو اسے پیادے پر ہے باطل کرنا ہے اور ایسے ہی اگر یہ کہے کہ جو کچھ تم کو ملے سب تمہارا ہے اور بعدا خمس نہ کہے تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ اس میں خمس کا جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں واجب کیا ہے باطل کرنا ہے۔

پس اس بیان کے موافق فتاویٰ قاضی خان میں جو یہ مذکور ہے کہ امام نے اگر کہہ دیا کہ جس کو جو شے ملے وہ اسی کی ہے پھر کسی کو کوئی چیز دارالحدیب میں ملی تو وہ خاص اسی کی ہوگی اس میں خمس واجب نہیں اور نہ کوئی اور اس میں شریک ہے اور اگر دارالحدیب میں وہ مر جائے تو جو اس کو ملا تھا اس کی میراث ہوگی اور ایسے ہی وہ جو کہ نیتہ المفتی میں مذکور ہے کہ امام اگر کہہ دے کہ

سہ سر پہ پانچ آدمی سے میں سو یا چار سو تک کا ہوتا ہے یعنی چھوٹا سا لشکر ۱۲

جس کو جو کچھ ملے وہ اسی کا ہے تو اس صورت میں امام بھی تنفیل میں داخل ہو گا تو مناسب ہے کہ یہ سب باتیں اس بات پر محمول کی جائیں کہ امام کا یہ قول سر یہ کے لیے ہو پورے لشکر کے لیے نہیں تاکہ اس سے اور کتابوں کے خلاف نہ سمجھا جائے اور تنفیل کے عموداً جائز ہونے کا گمان نہ ہو اور امام کا تنفیل میں داخل ہونا اس لیے ہے کہ وہ ان کے ساتھ جاتا ہے تنفیل عام ہونے کی وجہ سے نہیں اور ان دونوں نے اس لیے اس کی تصریح نہیں کی اور اس لیے مطلق پر اکتفا کیا کہ یہ بات قانون فقہ اور اصول فقہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ظاہر ہے اور مشہور ہے کہ محتمل محکم پر محمول ہوتا ہے۔ تنفیل کے سوا دار الحرب سے ملنے والی اشیاء کا حکم اور حاصل یہ ہے کہ جس شخص نے کوئی چیز دار الحرب میں بلا تنفیل کے لی تو وہ اس کے لیے نہ ہو گی بلکہ مال غنیمت ہے اور اس میں سے خمس نکالنا واجب ہے جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ سر یہ اگر تنفیل امام کے بغیر لڑائی کو نکلے یا چارہ کی تلاش کو نکلے تو جو ان کو ملا ہے وہ سب مال غنیمت ہے اس میں خمس واجب ہے اور سر یہ اس کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح اگر کسی کا زکوٰۃ قتل کریں تو اس کا مال اسباب مال غنیمت ہے اور خاص قاتل کا نہیں اور اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ غازی اگر دار الحرب میں کوئی ایسی مباح چیز لے جو کسی کے قبضہ میں نہ ہو تو اگر اس کی کچھ قیمت ہو جیسے پرندہ اور چھلی اور لکڑی اور خزانہ تو یہ چیز بھی غنیمت ہے اس میں بھی خمس واجب ہے اور اگر اس کی کچھ قیمت نہیں ہے تو وہ اسی کی ہے جس نے اسے پایا ہے اور اس میں خمس نہیں ہے کیونکہ وہ پائی اور گھاس کے حکم میں ہے پھر اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر غازی غنیمت کی گائے یا بکری کھانے کے لیے ضرورت کے وقت ذبح کر ڈالے تو اس کا چمڑا مال غنیمت میں شامل کر دے اس لیے کہ چمڑا نہ کھانے کی چیز ہے اور نہ چارہ ہے۔

اور بدایہ میں مذکور ہے کہ مسلمان جب دار الحرب سے نکل آئیں تو ان کو جائز نہیں ہے کہ اپنے جانوروں کو مال غنیمت میں سے چارہ کسلا میں اور نہ یہ کہ خود اس میں سے کھا لیں اس لیے کہ اب ضرورت جاتی رہی اور اجازت اسی کی وجہ سے تھی اور جس کے پاس کھانا یا چارہ بچ گیا ہو تو مال غنیمت میں تقسیم ہونے سے پہلے شامل کر دے اور اگر اس کو کام میں لے آیا ہے تو اس کی قیمت غنیمت میں شامل کر دے اور تقسیم کے بعد اگر غنی ہے تو صدقہ کر دے اور اگر کام میں لایا چکا ہے تو اس کی قیمت نعیارت کر دے اور اگر محتاج ہے تو کام میں لے آئے اس لیے کہ اب وہ لفظ کے حکم میں ہے کیونکہ اب غازیوں پر تقسیم کرنا دشوار ہے۔

تجارت اور بندر گاہوں وغیرہ پر ٹیکس لینے کی شرعی حیثیت | پس جبکہ غنیمت کا یہ حکم سے باوجود کہ اس میں بھی غائبین کا حق ہے کیونکہ وہ سب اس میں شریک ہیں تو بعدا غضب اور لوٹا ظلم کی

کمانی کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو آج کل اسلامی شہروں میں پھیلی ہوئی ہے خصوصاً بیت المال کی تحصیل کے وقت کیونکہ جو لوگ اُس کی تحصیل کے لیے مقرر کیے گئے ہیں وہ ظلماً بندرگاہوں اور بازاروں وغیرہ میں عشر اور زکوٰۃ کے نام سے لوگوں کا مال لے لیتے ہیں اور مالکوں پر نہایت سختی کرتے ہیں حالانکہ نبی علیہ السلام جب اپنے اصحاب میں سے کسی کو کسی کام کے لیے بھیجتے تو فرماتے خوش کیجیو نفرت نہ دلائیو آسانی کیجیو اور دن نہ کیجیو یعنی لوگوں کو عبادتوں اور طرح طرح کیوں کے اجر سنا کر جن میں سے اُن حقوق کا ادا کرنا بھی ہے جو اُن پر عشر و زکوٰۃ واجب ہے بشارت و خوشخبری دینا اور اُن کو بڑی باتوں کے کرنے اور حرام کام ہو جانے کے وقت رحمتِ الہی سے مایوس نہ کرنا بلکہ اُن کو توبہ اور عبادت کی ترغیب دیکھو اور قبولیتِ توبہ سے اُن کا دل خوش کر دینا اور اُن پر سب کاموں کو سہولت اور نرمی سے اُن چیزوں کو وصول کر کے جو اُن پر عشر و خراج اور چوپالیوں اور مالِ تجارت کی زکوٰۃ واجب ہے سہل کر دینا اور جو حق اُن پر واجب نہیں اُس کو لے کر یا اگر واجب ہے تو اُس سے زیادہ لے کر سختی نہ کرنا۔

اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صاحبِ کس جنت میں نہ جائے گا اور ایک اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا صاحبِ کس دوزخ میں ہے بغوی نے کہا ہے کہ صاحبِ کس سے مراد وہ شخص ہے جو تاجروں سے عشر کے نام سے محصول لے لیتا ہے جیکہ وہ اُس کے پاس سے گذرتے ہیں۔

اور حافظؒ کہتے ہیں کہ محکل لوگ کچھ تو عشر کے نام سے لیتے ہیں اور بہت کچھ اور بھی لیتے ہیں جس کا کچھ نام نہیں ہے بلکہ جو کچھ وہ لیتے ہیں سب حرام ناجائز ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خرابی ہے کم تو لے والوں کی پس جب کم تو لےنے والے کا یہ حال ہے باوجودیکہ وہ تول یا ناپ میں سے بہت کم رکھ لیتا ہے تو اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو خواہ مخواہ بے ناپے تولے لوگوں کا مال لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ سلطان کا حق ہے یہ فلاں کا حق ہے اور ایمان سے نکلتے ہیں اس لیے کہ اکثر فتاویٰ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جو شخص بیت المال میں بھی خیانت کرتے ہیں۔

سرکاری بیت المال میں ناجائز تصرف کی اخروی سزا اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بہتر ہے لوگ اللہ کے مال میں بلا کسی حق کے گھس پڑتے ہیں پس قیامت کے دن اُن کے لیے دوزخ ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان کر دیا کہ جو لوگ بیت المال میں ہاتھ ڈالتے ہیں اور بدو حکم خدا اور رسولؐ اس میں تصرف کرتے ہیں تو قیامت کے دن اُن کے لیے دوزخ ہے۔ اسلامی بیت المال کی قسمیں | کیونکہ بیت المال کی جیسا کہ بڑا ذیہ وغیرہ میں مذکور ہے چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم صدقات و زکوٰۃ اور اس کے مصارف | اول صدقات اور ادنیٰ جو اسی کے حکم میں ہیں جیسے عشر ہیں یہ ان موقعوں پر صرف کیا جائے گا جن کا اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ذکر ہے کہ
 اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمَوْلَىٰ كَفَّةً قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
 وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ " صدقے فقر اور محتاجوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو اس پر کام کرتے ہیں اور جن کی تالیف قلب کرنا ہے اور گردن چھڑانے میں اور جو لوگ فرزندار ہیں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے۔"

پس یہ سب آٹھ طرح کے لوگ ہیں لیکن ان میں سے مؤلفہ القلوب نکل گئے اور سات قسمیں باقی رہیں اور وہ فقرا اور مساکین اور صدقہ کے وصولی وغیرہ کا کام کرنے والے اور مکاتب اور فرزندار اور مفلس غازی اور مسافر ہیں۔

دوسری قسم غنائم وغیرہ کا خمس اور اس کے مصارف | دوسری قسم غنیمتوں اور کانوں اور زمینوں کا خمس ہے یہ ان جگہوں پر صرف ہوگا جو اس قول الہی میں مذکور ہیں وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ
 "اور جان لو کہ جو کچھ لوٹا ہے تم نے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے اور رسولؐ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا۔"

اور یہ چھ قسمیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ذکر بکت کے لیے ہے اور رسولؐ اور قرابت والوں کا حصہ ساقط ہو گیا لہذا تین قسمیں باقی رہیں اور وہ یتیم اور مسکین اور مسافر ہیں لیکن محتاج قرابت والے ان میں داخل ہیں اور فقرا پر مقدم ہیں غنی اس میں شامل نہیں۔

تیسری قسم خراج و جزیرہ اور اس کے مصارف | اور تیسری قسم زمینوں کا خراج ہے اور جو آدمیوں سے جزیرہ لیا جاتا ہے اور وہ چیزیں جو اہل حرب کی طرف سے امام کو نذرانہ آئی ہیں اور جو کچھ عاشر ذمی اور مستامن تاجروں سے لیتا ہے یہ سب مسلمانوں کی بیہودی کے کاموں میں صرف ہوگا جیسے سرحدوں پر چھاؤنی ڈالنا اور سسرانے اور پل بنوانا اور عام نہریں کھدوانا اور نفع پہنچانے والے علماء اور عدل کرنے والے قاضیوں اور غازیوں اور محتسبوں کو دینا۔

چوتھی قسم لفظ اور لا وارث مردہ کے ترکہ کا مال اور اس کے مصارف | اور چوتھی قسم پڑا پانا مال ہے یا اس مردہ کا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں ہے یہ مال بیماروں کے علاج اور ان کی دوا اور غذا اور مردوں کے کنن اور لا وارث بچوں اور ان لوگوں پر جو کمائی سے عاجز ہیں صرف کیا جائے گا۔

عہ مؤلفہ القلوب وہ جماعت ہے جو کافر تھے لیکن ابتدائے اسلام میں ان کو غنیمت میں سے کچھ حصہ اس خیال سے دیا جاتا تھا کہ کفار کا ساتھ دے کر مسلمانوں سے نہ لڑیں جب اسلام قوی ہو گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کا حق ساقط ہو گیا۔

بیت المال کے پیاروں تم کے اموال کو ان کے مصارف پر خرچ کرنے کا حکم اور کوتاہی کا وبال | پس امام پر واجب ہے کہ ان مالوں کا خیال رکھے اور اپنے اپنے موقع پر صرف کرے کیونکہ شارع علیہ السلام نے ہر ایک کے صرف کا موقع مقرر کر دیا ہے اور ہر ایک مال کے لیے حقدار مقرر کر دئے ہیں پس اگر اس میں زیادتی کرے گا اور اپنی لذتوں اور شہوتوں میں اس کو صرف کر دے گا تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مسلمانوں پر اس لیے حاکم نہیں کیا ہے کہ کھانے اور پینے اور مزے اڑانے میں سب سے بڑھ کر ہو بلکہ اس لیے حاکم بنا یا ہے کہ دین کی مدد کرے اور مسندین کے فساد کو دفع کرے اور علماء اور فقرا اور دیگر مستحقین کو نظر میں رکھے اور ان کو ان کے مرتبہ پر رکھے اور ان کی ضرورت کے موافق بیت المال سے دیتا رہے جو اس کے پاس امانت ہے اور اس کا بھی اس میں اسی قدر حق ہے جتنا کسی اور ایک شخص کا۔

اس لیے کہ تجنیس میں لکھا ہے کہ اماموں اور سلاطین اور والیوں پر واجب ہے کہ ان حقوق کو ان کے حقداروں پر صرف کریں اور ان سے روک نہ رکھیں اگر اس میں کچھ کوتاہی کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہو گا اور قیامت کے دن ان سے سوال ہو گا۔

اور شرح جمع میں لکھا ہے کہ امیروں پر واجب ہے کہ ہر قسم کے مال کے لیے علیحدہ علیحدہ جگہ مقرر کریں اور ان میں سے ہر ایک کو اس کے موقع پر صرف کریں اور اگر اس میں سے اپنے لیے اس سے تائد لے لیا ہے جو ان کے واسطے کافی تھا یا اس سب کو ملاحظہ دیا اور بے محل خرچ کر دیا اور اس کے موقع کا خیال نہ رکھا تو وہ ظالم ہوں گے۔

بیت المال کے ایک قسم کے مال کو دوسری قسم کے مصارف میں خرچ کرنے کے بارے میں حکم شرعی | اور زر طبعی رد نے کہا ہے کہ امام پر واجب ہے کہ ہر قسم کے مال کے واسطے خاص جگہ مقرر کرے اور ایک کو دوسرے میں نہ ملائے اس لیے کہ ہر قسم کے لیے ایک خاص حکم ہے اور اگر کسی قسم میں کچھ نہ رہے تو امام کو جائز ہے کہ اس خزانے کے لیے دوسرے خزانے میں سے قرض لے لے اور اس کے اہل پر صرف کرے پھر جب اس قسم میں کچھ آجائے تو اس خزانہ میں جس سے قرض لیا تھا واپس کر دے سوا اس صورت کے کہ صدقات یا مال غنیمت کے خمس میں سے عزیز اہل خراج پر صرف کیا گیا ہو تو وہ اس میں واپس نہ کیا جائے گا اس لیے کہ حاجتمندی کی وجہ سے وہ بھی حقدار تھے اسی طرح اور خزانوں کا بھی اگر مستحق پر خرچ ہوا ہو واپس نہ کیا جائے گا۔

اور امام پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہر حقدار کو اس کی ضرورت کے مطابق دیا کرے زیادہ نہیں اور اگر اس میں کوتاہی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے حساب لے گا۔ اور محیط میں لکھا ہے کہ امام اگر بیت الصدقات کے مال کے لیے بیت الخراج کے مال سے قرض لے

اور اس کو فقیروں پر صرف کر دے تو یہ قرص نہ ہوگا اس لیے کہ خراج نے اور غنیمت کے حکم میں ہے اور فقیروں کا بھی اُس میں حصہ ہے اور خراج میں اُن کو صرف اس لیے نہیں دیا جاتا ہے کہ وہ صدقات کی وجہ سے خراج میں سے دئے جانے کے حاجت مند نہیں رہتے پس اگر اُن کو ضرورت ہو تو اُس میں سے دے دے۔

پس امام پر واجب ہے کہ ان مالوں کو اپنے اپنے موقع پر صرف کرنے اور ان حقوق کو حقداروں تک اس طرح پہنچانے میں کہ جس کو جس قدر زیادہ پاکم یا برابر دینا مناسب ہو اللہ سے ڈرتا ہے بلا اس کے کہ اس میں اپنے خواہش نفس کی طرف مائل ہو اور حقداروں سے اُس کو روک نہ سکے اور اُن کو اتنا ہی دے جتنا اُن کو اور اُن کے متعلقوں کو دستور کے موافق کافی ہو اگر اس میں کوتاہی کی اور بیٹھ رہا تو اللہ اُس سے حساب لے گا۔

بیت المال حکمران کی ملکیت نہیں ہے | پس اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کے ہاتھ میں جو بیت المال ہوتا ہے وہ اُس کی ملک نہیں ہے بلکہ اُس کے پاس امانت ہے اُس پر واجب ہے کہ اُس کو اُس کے محل پر صرف کرے لیکن چونکہ وہ خود بھی اُس کا محل ہے اس لیے اُس کو جائز ہے کہ خراج کے مال میں سے صرف بقدر حاجت لے لے زیادہ نہ لے اور اگر اپنی حاجت سے زیادہ لے لیا اور اپنے غلاموں پر صرف کیا جن کو اپنے لیے پسند کر لیا ہے اور اُن کو طرح طرح کے حرام لباسوں سے آراستہ کیا اور اپنے سامنے اُن کے کھڑے رہنے سے مخز کیا تو وہ نائن ہے۔

روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کو یہ بات پسند آئے کہ اُس کے سامنے لوگ تصویر کی طرح کھڑے رہیں تو اُس کو اپنا ٹکنا نادرخ میں بنا لینا چاہیے۔

بیت المال سے تنخواہ اور وظائف لینے کا مسئلہ | پھر جانتا چاہے کہ جس شخص کو بیت المال سے کچھ وظیفہ ملتا ہو تو اگر وہ مصارف میں سے ہے تو اُس کو جائز ہے کہ اپنی ضرورتوں پر صرف کرے اور اگر مصارف میں سے نہیں ہے تو اُس کو جائز نہیں کہ اپنی ضرورتوں میں صرف کرے بلکہ اُس کو لازم ہے کہ فقیروں پر خیرات کر دے اور جب وہ مرے گا تو وہ مال اس کی میراث نہ ہوگا بلکہ اب وہ اوروں کے لیے ہوگا پس سلطان یا نائب سلطان کو چاہئے کہ اُس وظیفہ پر ایسے شخص کو مقرر کر دے جو مصارف میں سے ہو اور اگر کسی شخص کو مقرر کیا جو مصارف میں سے نہیں ہے تو بادشاہ پر واجب ہے کہ اُس کو الگ کر دے اور اس کی جگہ ایسے شخص کو مقرر کر دے جو مصارف میں سے ہو اور اگر ایسا نہ کرے گا تو دو وجہوں سے گنہگار ہوگا جیسا کہ بزاز یہ میں لکھا ہے کہ جس کا دفتر میں وظیفہ تھا اگر دو بیٹے چھوڑ کر مر جائے پس ان دونوں نے اس طرح صلح کر لی کہ دفتر میں اُن میں سے ایک کام نام لکھا جائے اور وہ ہی وظیفہ لے لیا کرے

اور دوسرے کو اُس وظیفہ میں سے کچھ نہ ملا کر بے اور وہ وظیفہ لینے والا اس کو ایک معین رقم دیدیا کرے تو یہ صلح باطل سے اور بدل صلح واپس کیا جائے اور وظیفہ اسی کا ہے جس کے لیے امام وظیفہ مقرر کرتے اس لیے کہ وظیفہ کا استحقاق امام کی تجویز پر ہے دوسرے کی رضامندی اور تجویز کو اس میں کچھ دخل نہیں ہاں اگر سلطان حقدار کو نہ دے تو ایک مقدمہ میں دو گناہ ہوں گے حقدار کو محروم کرنا اور غیر مستحق کو مقرر کرنا۔

اللہ ہم پر اپنی رضامندی کے موافق عمل کرنا آسان فرمائے۔

اسی مجلس فتنے اور خلاف شرع باتیں ظاہر ہونے کے بیان میں

اور یہ کہ اُس وقت کیا کرنا چاہیے

مسلل فتنوں کے ظہور سے پہلے عمل کی تلقین | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نیک عملوں میں جلدی کرو اس سے پہلے کہ ایسے فتنے پیدا ہوں جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے صبح کو آدمی مسلمان ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا یا شام کو مسلمان ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا اپنا دین متاع دنیا کے عوض بیچ ڈالے گا۔"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں ہے اور ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بکثرت اور آگے چھے فتنوں کے ظاہر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو اندھیری رات کی تاریکی کی طرح تہ بہ تہ ہوں گے کسی کو اُس سے نجات کا راستہ معلوم نہ ہوگا اور ان کے آنے سے پہلے نیک عملوں میں جلدی کرنے کا حکم فرمایا اس لیے کہ ان کے آجانے کے وقت معاملہ سخت ہوگا اور کوئی شخص نیک عمل میں مشغول ہونے پر قادر نہ ہوگا بلکہ آدمی صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر یا شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔

فتنوں کے سبب مسلمان کے کافر ہونے کی وجہ | اور فتنوں کے ظاہر ہونے کے وقت مسلمان کے کفر میں پڑ جانے کی وجہ ممکن ہے کہ آپس میں لڑائی واقع ہو جانا ہو کہ ایک شخص دوسرے کا خون اور مال حلال سمجھے پس ہر شخص دوسرے کا خون اور مال حلال سمجھنے کی وجہ سے کافر ہو جائے اور ممکن ہے کہ آپس کی نااتفاتی اس کا سبب ہو کہ کفار ان پر غالب آجائیں اور اپنے دین کی طرف کھینچیں پس بعضے مال و جاہ کی خواہش میں مُرتد ہو جائیں جیسا کہ آخر حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ اپنا دین عرض یعنی متاع دنیا کے عوض میں بیچ ڈالے گا۔

کیونکہ عرض بفتح و امتاع دنیا اور اس کے مال کو کہتے ہیں اور ممکن ہے کہ ان پر ظلم و ساد کا

غالب آجانا اُس کا سبب ہو کہ وہ فیصلوں میں شریعت کی رعایت نہ کریں بلکہ شریعت سے نکل کر طرح طرح کے ظلم اور سختیاں کرنے لگیں اور خونریزی کریں اور ناحق لوگوں کا مال چھینیں اور یہ سمجھیں کہ ہم ان گناہوں کے کرنے میں حق پر ہیں اور یہ نہ سمجھیں کہ وہ لوگ اس خیال سے اسلام سے نکل گئے۔

اور بعض اوقات چور کو یہ خیال کر کے سولی دے دیں اور قتل کر ڈالیں کہ اس کا قتل کر دینا جائز ہے پس اس اعتقاد سے وہ کافر ہو جائیں اس لیے کہ چور کی حد سولی اور قتل نہیں ہے بلکہ اُس کی حد ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا "چور مرد اور چور عورت پس دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو"

اور بعض وقت بادشاہ کسی پر عرصہ ہو اور اس کے قتل کا حکم دیدے بغیر کسی ایسے سبب کے جو قتل واجب کرتا ہو پس لوگ اُس کو یہ خیال کر کے قتل کر ڈالیں کہ اُس کا حکم ہم پر واجب اور ضروری ہے پس اس اعتقاد سے وہ کافر ہو جائیں اس لیے کہ خدا کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے پس اگر یہ کہا جائے کہ بادشاہ کا صرف حکم ہی بلا دہکی اور وعید کے جبر ہے پس جب جبر ہوا تو جواب یہ ہے کہ مسلمان کا ناحق قتل کرنا کسی ضرورت سے جائز نہیں جیسا کہ شرح ہدایہ کے باب اکراہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی کو قتل کی دھمکی دے کر دوسرے کے ناحق قتل کرنے پر مجبور کیا تو اُس کو جائز نہیں کہ اس پر پیش قدمی کرے بلکہ صبر کرے یہاں تک کہ جان دیدے اور اگر اُس کو قتل کر ڈالے گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ کسی مسلمان کا ناحق قتل کرنا کسی ضرورت سے جائز نہیں پس ایسے ہی جبر کی حالت میں اور اصول میں مذکور ہے کہ اجازت کی دلیل ہلاکت کا خوف ہے اور قاتل اور مقتول دونوں اس میں برابر ہیں پس جب برابر ہوئے تو قاتل کو غیر کا قتل اپنی جان بچرانا کے لیے جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے قتل کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مَّتَعَمِدًا فِجْرًا اَوْ كُفْرًا ثُمَّ يَدْعُ بِدَمِهَا ظُلْمًا فَقَدْ اتَّخَذَ لِنَفْسِهِ عَذَابًا اَلِيمًا "اور جو شخص کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے تو اس کی جزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اُس میں"

عرف کی بنیاد پر شریعت کے خلاف فیصلہ شریعت کے احکام منسوخ کرنے کے مترادف ہے پس جب یہ بات ہے تو جاننا چاہیے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر حاکموں اور قاضیوں نے شرع محمدی کو چھوڑ دیا ہے اور ناپسندیدہ طریقہ لگا لیا ہے اور اُس کا نام عرف رکھا ہے اور اسی پر عمل کرنا سب میں فہمیل گیا ہے یہاں تک کہ اب قریب قریب یہ حالت ہو گئی ہے کہ شریعت اُس کی وجہ سے ترک ہو جائے کیونکہ اب کوئی مقدمہ بلا عرف کے ملائے صرف شریعت سے فہمیل نہیں ہوتا البتہ بہت سے مقدمے بلا شریعت کے ملائے صرف عرف سے فہمیل کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ محض شریعت سے نہ انتظام پورا ہوتا ہے

اور نہ خلقت کی حالت ٹھیک ہوتی ہے اور اس کو کھلم کھلا کہتے ہیں اور کچھ بُرائیاں جانتے۔
پس اسے منصف مزاج سوچ آیا ایسی باتوں اور ایسی سمجھ کا کچھ اور مطلب ہو سکتا ہے سوائے اس کے
کہ شریعت محمدیہ اُن احکام کی وجہ سے جو انہوں نے اپنی ناقص عقلوں سے بُری سیاستوں اور سخت مزاول
کے متعلق ایجاد کئے ہیں منسوخ ہو گئی ہے۔

جرم کی تقشیر میں سختی کا نتیجہ ظلم ہے | اور اُن کا یہ اعتقاد اور اس فساد پر عملدرآمد صرف اس لیے ہے
کہ وہ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ان کی زیادہ سختی اور بہت دھمکی سے چور اور قاتل کا پتہ لگ جاتا ہے
بے شک اُن کی اس دھمکی اور سختی سے کبھی کبھی چور اور قاتل قتل جاتا ہے لیکن ایک ظالم کے پتہ لگنے
تک بہتیری خلق کی جان اور اُبرو پر ظلم ہو چکتا ہے بلکہ بعض آدمی طرح طرح کے عذاب اور قسم قسم کی
سختیوں سے ہلاک ہو جاتے ہیں اور بعضوں کے اعضا بیکار ہو جاتے ہیں رہا مال سے لینا اور اُس کو تلف
کر دینا اس کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں بلکہ اس کو مباح اور حلال جانتے ہیں۔

پس جب ایک ظالم کا ظلم دفع کرنا بہت سے بے شمار ظلموں کو شامل ہو تو اسے عاقل اب غور کر
کیا ایماندار کو ایسا کرنا زیادہ اور کیا دارالایمان میں ایسا کام جائز ہے حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ
کہ شارع نے اس قاعدہ کو نہیں چھوڑا مگر اس کے بعد کہ اس کو حکمت کی ترازو میں خوب تول لیا
اور اس کا نقصان بہ نسبت فائدہ کے زیادہ معلوم ہو چکا کیونکہ حکیم حکم نہیں دیتا ہے مگر اسی کا جس
میں عام نفع ہو جو سب کو شامل ہو یا جس میں فائدہ نقصان سے زیادہ ہونے لگے اس چیز کا جس کا ضرر فائدہ
سے زیادہ ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب اور جوئے کو اللہ نے قرآن میں اس کے بعد کہ اُن دونوں کے فائدے
کی قرآن میں تصریح کر دی کیونکہ حرام کر دیا چنانچہ فرمایا یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا
إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمَا لَأَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ” ترجمہ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور
جوئے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی نہیں لوگوں کو اور اُن کا گناہ بڑا ہے اُن کے فائدے سے
کیونکہ نفع کے پہلو پر جب ضرر کا پہلو غالب ہو تو ضرر کے پہلو کا لحاظ ہوتا ہے۔

عرف کی بنا پر ظلم کی انتہا | پس بے شک اس زمانے کے اہل عرف ایک ظالم کی وجہ سے شہر کے شہر
اور گاؤں کے گاؤں والوں پر قسم قسم کے اکثر ظلم کر ڈالتے ہیں اور باوجود اس کے اُس ظالم پر کامیاب
نہیں ہوتے تو اُن کا ظلم اُس ظالم کے اظلم سے ہزاروں زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ ظلم بھی اسی طرح باقی رہا۔
عرف کی بنا پر ظلم سختی کرنے والوں کی مثال | پس ان کی مثال ایسی ہے جیسی کوئی کھیت کے
اندر کی گھاس جلانے کا قصد کرے پس اُس کھیت کے عین وسط میں آگ جلائے کہ تمام کھیت
پھنک جائے اور وہ گھاس جس کا جلانا مقصود تھا ممکن ہے جلے اور ممکن ہے نہ جلے۔

قابل غور سوال | پس خدا کی قسم یہ اصلاح نہیں ہے بلکہ بگاڑنا ہے کیونکہ اگر عرف میں خوبی ہوتی تو یہ زمانہ جس میں یہ عرف خوب استعمال کیا جاتا ہے اس زمانہ سے بہتر ہوتا جس میں یہ عرف استعمال نہیں کیا گیا جیسے نبی علیہ السلام اور خلفائے راشدین رحمہم اللہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ اور اس میں شک نہیں کہ سب زمانوں سے بہتر نبی علیہ السلام کا زمانہ ہے پھر ان کے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا پھر ہمارے زمانے تک جو سب سے بڑا زمانہ ہے برابر بھوٹا اور فساد پھیلتا رہا مشہور حدیثیں اسکی گواہ ہیں بلکہ متواتر حدیثیں اگرچہ تو اتنے مقدار مشترک میں ہو۔

عرف کی بنیاد پر ظلم و ستم کے جواز پر استدلال اور اس کی حقیقت | پھر اگر کوئی یہ کہے کہ وہ زمانے چونکہ رشد اور صلاح اور صدق اور فلاح کے تھے اس لیے شرعی سہولت سے کام بن جاتا تھا اور عرف کی اسکی سختی کی حاجت نہ تھی یہاں یہ زمانہ سو چونکہ اس میں نسق اور فساد اور بھوٹا اور عناد بہت زیادہ ہے اس لیے عقلاً اس سخت عرف کی طرف مجبور ہوئے جبکہ انہوں نے یہ دیکھا کہ اس زمانے کے لوگ صرف شرع محکم سے باز نہیں آتے۔

سو جواب یہ ہے کہ اس سوال کا اب کوئی محل نہیں جب عرف کے جاری کرنے میں خرابیاں گناہی گئیں اور شریعت کا تمام زمانوں میں تمام مطالب کے لیے کافی ہونا بتلا دیا گیا تو پھر وہ جو مذکور ہوا کہ وہ زمانے رشد اور صلاح کے تھے اور یہ زمانہ نسق اور فساد کا ہے تو یہ بات نہیں ہے مگر اس وجہ سے کہ اس زمانہ میں شریعت کے احکام جاری کرنے کی برکت تھی اور اس زمانے میں اس نکتے عرف کے ایجاد کی نحوست ہے کیونکہ اس زمانے میں حرام کی اولاد اس وجہ سے بہت ہو گئی کہ اہل عرف ہر ایک شہر اور اور ہر ایک گاؤں والوں کو ہر سال بلکہ ہر ماہ کئی کئی بار طرح طرح کے مقدمات میں طلاق کی قسمیں دلاتے ہیں پھر قسم کا ٹوٹنا بالضرور لازم آجاتا ہے اور اس سبب سے اس زمانہ میں حرام کی اولاد بہت ہو گئی ہے اور مگر اور فریب اور طرح طرح کے فساد کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں کیونکہ بدذات آدمی سے نہیں ہوتے مگر بد فانی کے کام۔

مشتبہ افراد کو سیاست کے طور پر سخت سزا کا شرعی حکم | پھر اگر کوئی یہ کہے کہ ایسی عنوت جو شرع کی حد معین سے بڑھ جانے سلف سے بھی صادر ہوئی ہے اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ وہ سیاست پر محمول ہے پس یہ کیوں نہیں جائز ہے کہ یہ عرف مذکور بھی سیاست پر محمول ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ سیاست جیسا کہ معین الاحکام میں مذکور ہے دو قسم کی ہے ایک ظالمہ ہے اور دوسری عادہ ظالمہ کو تو شرع نے حرام کیا ہے اور اس کے ناجائز ہونے کا حکم دیا ہے اور یہ عرف مذکور بعینہ وہی ہے اور اس کے سبب سے بڑے بڑے ظلموں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور مال چھین لیے جاتے ہیں اور خلافت شرع خوار ہو جاتی ہے۔

اور یہی عادلہ سو شرع اُس کی طرف توجہ کرنا اور اُس پر اعتماد کرنا واجب کرتی ہے اور یہ ہے جو غنایہ میں مذکور ہے کہ کسی خطا پر حکم شرعی سے زیادہ فساد کے دور کرنے کی غرض سے زیادہ سزا دینا اور کوئی کہتا ہے کہ وہ بھی شریعت کا سخت حکم ہے اور اُس کے سبب سے حق ظالم کے قبضہ سے نکل آتا ہے اور بہت سے اور ظلم بند ہو جاتے ہیں اور مفسد لوگ فساد سے باز آ جاتے ہیں اور اُس کو چھوڑ دینے سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں اور شرعی سزائیں بے کار ہو جاتی ہیں پس اُس کا اعتبار ضروری ہے لیکن اُس کے جاری کرنے کا طریقہ سمجھ لینے کے بعد تاکہ اُس سے بڑھ کر اور کچھ نہ کر بیٹھے۔ اس لیے کہ روئے زمین سے فساد کا دور کرنا مشتبه اور حرام پیشہ مشہور لوگوں کو تہمت و شہرت کے برابر عقوبت شرعی دے بغیر ممکن نہیں یا تو قید کر کے جیسا کہ تاتوائے قاضی خان کی کتاب الحدود میں مذکور ہے کہ جس پر خون اور چوری اور لوگوں کو مارنے کی تہمت ہو اُس کو قید کریں اور قید خانہ میں ایک مدت تک پڑا رکھیں یہاں تک کہ توبہ کرے۔

اور خلاصہ کی بحث قصدا کے باب المجلس میں اور بزازیہ میں مذکور ہے کہ مفسد یعنی وہ لوگ جو لوگوں کا مال اور جان تلف کرنے کا قصد رکھتے ہیں قید کئے جائیں جب تک کہ ان کی پیشانی میں نیکیوں کے آثار نمایاں ہو کر ان کی توبہ معلوم ہو جائے یا مار کر چنانچہ بزازیہ کے باب اکراہ میں مذکور ہے کہ حسن بن زیاد سے کسی نے ایسے شخص کا حکم پوچھا جس پر چوری کا شبہ ہو کہ آیا اس کو اس لیے مارنا جائز ہے کہ وہ اقرار کر لے انہوں نے کہا جب تک کہ مار گوشت نہ بھاز نہ دے اور ہڈی نہ نکل آئے یعنی ایسی مار چاہیے کہ شرعی سزا کی حد سے نہ نکل جائے اور کوئی اور سزا سوائے شرعی سزا کے نہ دیں بلکہ تعزیر کی نیت سے اُسے ماریں حد کی نیت سے نہ ماریں۔

باغیوں کو قتل کرنے کا حکم آیا قتل کر کے چنانچہ بزازیہ کے باب السیر میں مذکور ہے کہ عطاء بن حمزہ سے ایام فتنہ میں باغیوں اور ظالموں کے مایوں کو قتل کرنے کا حکم پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا۔ ان کا قتل مباح ہے کیونکہ وہ ملک میں فساد کرنے کی کوشش کرتے ہیں کسی نے ان سے کہا ان دنوں تو وہ اس کوشش سے باز آتے ہیں اور چھپ جاتے ہیں تو انہوں نے کہا یہ باز آنا مجبوری سے ہے اور اگر پھر وہی حالت ہو جائے تو پھر وہی کرنے لگیں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔ اور ایسے ہی امام سید ابو شجاع نے کہا ہے اور اتنا زیادہ کہا کہ ان کا قاتل ثواب پائے گا کسی نے کہا کہ قاتل کو ثواب کیسے ہو گا تو انہوں نے کہا اس لیے کہ اسلام کے لیے مخلوق پر شفقت کرنا اور ان کی خوشی سے خوش ہونا اور ان کے غم سے غمگین ہونا شرط ہے اور یہ لوگ اس کے برخلاف ہیں اور بزازیہ کے باب کہ اسبتہ میں مذکور ہے کہ وہ ان کے کفر پر فتوے دیتے تھے لیکن عام مشائخ کا مختار مذہب یہ ہے کہ ان کے کفر پر فتویٰ نہ دیا جائے اور قتل جائز ہونا کفر پر ذالبت نہیں کرتا البتہ

فرماتا ہے اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا یہی سزا ہے اُن کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور فوطے میں ملک میں فساد کرنے کو کہ قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں اور اُن کے مددگار بھی اللہ اور رسول سے لڑنے والے ہیں۔

فتنہ کے زمانہ میں باغیوں کے مددگاروں کو قتل کرنا جائز ہے اور بزازیہ کی بحث جنایت کے باب السعایہ میں مذکور ہے کہ مشائخ نے چغل خوری کے سبب سے ملک میں فساد پھیل جانے کی وجہ سے فتوے دیا ہے کہ فتنہ کے زمانے میں باغیوں کے مددگاروں کا قتل کرنا بھی جائز ہے اور قید کی سزا دینا بھی جائز ہے کیونکہ یہ لوگ ایسے زمانے میں بہت مضر ہیں لہذا ایسے لوگ اُن ہی لوگوں کے حکم میں ہیں جو اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں پس اس کے موافق اُن کا قتل کرنا جائز ہے مگر آسان طریق سے جس سے تکلیف نہ ہو دے جیسے سولی دینا اور سر اڑا دینا نہ سخت طریقے سے جس میں تکلیف زیادہ ہو جیسے وہ سیاسیات جو اس زمانے میں مروج ہیں کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو۔

شہ کے سبب صرف اُس ملزم پر سختی کی جاسکتی ہے جو جرائم میں مشہور ہو | پس ان نقلوں سے معلوم ہوا کہ ان عقوبات کا جاری کرنا اسی وقت جائز ہے جبکہ مدعا علیہ پر جرم کا شبہ ہو اور جرم کرنے میں وہ مشہور ہو اور جس بات کا اُس پر دعوے ہے وہ اُس سے منکر ہے۔

لیکن اگر جرم کرنے میں مشتبہ نہ ہو بلکہ نیک آدمی ہونے کے ساتھ مشہور ہو تو ایسے کو عقوبت دینا کسی طرح جائز نہیں بلکہ اُس سے قسم لی جائے اور چھوڑ دیا جائے اگر اُس پر گواہ قائم نہ ہوں اور اگر مجہول الحال ہو کہ نہ نیک مشہور ہے اور نہ بدکار تو ایسے شخص کو ایک یا دو دن حوالات کر دینا جائز ہے یہاں تک کہ اُس کا حال گواہی یا اقرار سے ظاہر ہو جائے اور اگر کچھ بھی ظاہر نہ ہو تو قسم لی جائے اور چھوڑ دیا جائے اور اُس کو مارنا جائز نہیں۔

چنانچہ خلاصہ اور بزازیہ کے باب السرقة میں مذکور ہے کہ عمام بن یوسف امیر کے پاس گئے وہاں ایک چور پکڑا آیا پس اُس نے چوری سے انکار کیا پس امیر نے عمام بن یوسف سے پوچھا اس پر کیا واجب ہے عمام نے کہا اس پر قسم ہے اور مدعی پر گواہی پس امیر نے کہا کورٹ اور درتیاں تو لاؤ پھر دس کوڑے نہیں لگائے تھے کہ اُس نے اقرار کر لیا اور چوری کا مال لے آیا اس پر عمام نے کہا کہ سبحان اللہ میں نے اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں دیکھا جو عدل سے مشابہ ہو۔

پس دیکھو تو سہی کیونکر انہوں نے اس کا نام ظلم رکھا باوجودیکہ اس سے حق ظاہر ہو گیا تھا اور اُس کو عدل نہیں ٹھہرایا بلکہ عدل کا مشابہ قرار دیا کیونکہ کوئی ظاہری دلیل ایسی نہ تھی جس سے اس کو

مارنا واجب ہو اس واسطے کہ اگرچہ اس وقت تو حق ظاہر ہو گیا لیکن اکثر حق ظاہر نہیں ہوا کرتا ہے پس ایسی صورت میں محض ظلم ہو گا بزعمان مشتبه آدمی کے کہ اس کا مارنا ضروری حق نکالنے کے لیے نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ اپنے افعال بد سے باز آئے خواہ حق ظاہر ہو یا نہ ظاہر ہو لہذا ان دونوں میں فرق ہے۔

اور جو کچھ ہم نے یہاں تک ذکر کیا یعنی مشتبه لوگوں پر اجرائے عقوبت کا جائز ہونا تو یہ حکم گواہی یا اقرار کے ذریعہ ثبوت ہو جانے سے پہلے پہلے کے لیے ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ جرم ثابت ہو جانے کے بعد تو اس پر وہی قائم ہو گا جو شرع نے اس کے لیے مد اور تعزیر مقرر کی ہے۔

خداوند تعالیٰ اپنی رضا کے موافق عمل کرنا ہم پر آسان فرمائے۔

اکیا سویں مجلس قاضی بننے بنانے کے احکام اور عہدہ قضا کو رشتہ سے لینے اور جھوٹی گواہی پر حکم کرنے کے بیان میں

قاضی کا فیصلہ ظاہری گواہی کے مطابق ہو گا نفس الامر کے مطابق ہونا ضروری نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ائمانا لبشر وانکیر تختصمون الی وبعث بعضکم یكون الحقن یحجتہ من بعض واقضی لہ علی ما نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشی من حق انعیہ فلا یاخذ نہ فانما قطع لہ قطعة من النار" میں بھی ایک آدمی ہوں اور تم میرے پاس فیصلے لاتے ہو اور ممکن ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے سے دلیل بیان کرنے میں نہ زیادہ ہوشیار رہو بعض سے اور اس وجہ سے جیسا اس سے سنوں اس کے موافق میں فیصلہ کر دوں تو ایسی حالت میں جس کو میں اس کے بھائی کا حق دلا دوں تو وہ ہرگز نہ دے کیونکہ اس کو آگ کا ٹکڑا دے دیتا ہوں۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے فیصلے میرے پاس لاتے ہو اور شاید کوئی اپنے دعوے میں جھوٹا ہو اور میں اس کا اپنے دعوے میں جھوٹا ہونا نہ جانوں لیکن چونکہ وہ حجت میں ایسا قوی اور تقریر میں اتنا چست ہو کہ اس کے دعوے کو سچا گمان کر لوں اور اس کے دعوے کے موافق فیصلہ کر دوں پس وہ چیز جو میں نے اس کو اس کے بھائی کے حق میں سے دلائی ہے آگ کا ٹکڑا ہے کیونکہ حرام ہونے کی وجہ سے وہ اس کو دوزخ میں کھینچ لے جائے گی۔

پس نبی علیہ السلام نے اپنے کلام کو اس حدیث میں اس لفظ سے کہ میں ایک آدمی ہوں اس تنبیہ کے لیے شروع کیا ہے کہ آپ کے حکم کا نفس الامر سے مطابق نہ ہونا جائز ہے اس لیے کہ آپ بشر ہونے کی وجہ سے غیب دان نہیں ہیں اور نہ دل کے بھید پر مطلع ہوتے ہیں مگر اسی بات پر جس کی آپ کی طرف وحی آئے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کا حکم بجا ہو اس واسطے کہ یہ بات حکم میں غلطی ہونے کی طرح نہیں ہے کیونکہ حکم کو صرف یہ حکم ہے کہ دونوں مدعی مدعا علیہ میں ظاہر کے موافق جیسا ان کا کلام سُننے اور جو ان کی حجت سے ثابت ہو حکم کر دے یہ نہیں کہ نفس الامر کے مطابق حکم ہو یہاں تک کہ جس کا دعویٰ جھوٹا ہو جب وہ دو جھوٹے گواہ گزار دے اور قاضی کو ان کا جھوٹا معلوم نہ ہو تو وہ ان کی عدالت ثابت ہو جانے کے بعد گواہی کے موافق جو حکم کر دے گا وہ اس حکم میں حق پر ہو گا اور اگر یہ اس نے جو کچھ حکم کیا ہے نفس الامر میں درست و حق نہ ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی گواہی سے قاضی کا حکم حرام کو حلال نہیں بناتا اور نہ حلال کو حرام اور اس کا حکم ظاہر ہی میں جاری ہوتا ہے اور اس بات پر مطلق ملک میں یعنی جس میں اسباب ملک ہیں سے کسی خاص سبب کا ذکر نہ ہو سبب کا اتفاق ہے۔

عقد کے انعقاد اور نسخ میں قاضی کا فیصلہ ظاہر و باطن دونوں طرح نافذ ہو گا۔ اربا عقد کا کرنا جیسے بیع اور شرا اور نکاح اور اجارہ وغیرہ اور عقد کا نسخ کرنا جیسے اقالہ اور طلاق وغیرہ سوا امام ابوحنیفہ رحمہ کے نزدیک قاضی کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں جاری ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ اوروں کے نزدیک صرف ظاہر ہی میں جاری ہوتا ہے باطن میں نہیں۔

اوروں کی دلیل تو یہ ہے کہ قضا یعنی فیصلہ کسی ثابت چیز کے ظاہر کرنے کا نام ہے غیر ثابت کا ثابت کرنا قضا نہیں ہے اور چونکہ جن عقود اور نسخ کا دعویٰ تھا وہ دعویٰ کے باطل اور گواہوں کے جھوٹے ہونے کی حالت میں ثابت نہیں ہے لہذا قضا صرف ظاہر ہی میں نافذ ہوگی باطن میں نہ ہوگی اس لیے کہ قضا حجت کے موافق نافذ ہوتی ہے اور یہ حجت اس لیے کہ جھوٹے گواہ ظاہری دلیل ہے باطن میں نہیں باطن میں غلط ہے اور گواہوں والا اس کو جانتا ہے اور قاضی نہیں جانتا ہے لہذا اس کی قضا صرف ظاہر میں نافذ ہوگی باطن میں نہیں جیسے کہ مطلق ملک میں حکم ہے۔

اور امام صاحب رحمہ کی یہ دلیل ہے کہ قاضی کے پاس جب گواہ گزار دئے گئے اور تعدیل ہو چکی تو اس پر حکم دینا واجب ہے یہاں تک کہ اگر حکم نہ دے یا دیر کرے گنہگار ہو گا لیکن چونکہ قضا ثابت چیز کا ظاہر کرنا ہے اور جن لبثہ اور نسخ کا دعویٰ ہے وہ دعویٰ کے باطل اور گواہوں کے جھوٹے ہونے کی تقدیر پر ثابت نہیں ہیں تو اب بلوراً قضا اس کا ثابت کرنا ضروری ہے

تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ قاضی اس بات کا حکم کرے جو اس کی طاقت سے خارج ہے پس قاضی کا حکم ایسے محل میں جس میں انشا کی قابلیت ہو اور وہاں کوئی مانع بھی نہ ہو اور گواہ جھوٹے ہوں تو انشا ہو جائیگا کیونکہ قاضی کو حق فیصلہ کرنے کا حکم ہے اور اس کا فیصلہ ایسے محل میں جس میں انشا کی قابلیت ہو اور اس محل میں کوئی مانع بھی نہ ہو اور گواہ جھوٹے ہوں انشا پر محل کئے بغیر حق نہیں ہو سکتا اور چونکہ عقود اور منسوخ میں انشا کی قابلیت ہے اور قاضی انشا کا حقوڑا بہت مختار بھی ہے لہذا اس کی قضا بطریق اقتضا انشا ہو جائے گی پس عقد نکاح کا دعویٰ گویا ایسا ہوگا کہ قاضی نے کہا میں نے تیرا نکاح اُس کے ساتھ کر دیا اور میں نے تم دونوں میں نکاح کا حکم دے دیا اور نسخ نکاح کے دعوے میں گویا ایسا ہوگا کہ قاضی نے کہا میں نے تجھ کو اس سے اب جدا کر دیا اور تم دونوں میں طلاق کا حکم دے دیا اور ایسے یہی عقود اور منسوخ کے دعووں کا حکم ہے۔

مطلق ملک میں قاضی کا فیصلہ صرف مال کے مطابق ہوگا نفس الامر میں نہیں | ابر خلاف مطلق ملک کے کہ اس میں قضا جھوٹی گواہی سے صرف ظاہر میں نافذ ہوگی کیونکہ ملک کے واسطے کوئی سبب چاہیے اور اسباب بہت اور ایک دوسرے کے مخالف ہیں اور قاضی کو یہ ممکن نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو بلا دلیل معین کر دے کیونکہ کسی کو کسی پر ترجیح نہیں پس اب بطریق اقتضا قضا سے پہلے کسی بات کا ثابت کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ملک میں انشا کی قابلیت نہیں اور قاضی کو ملک کے حکم دینے کا حکم نہیں بلکہ اس کو مدعا علیہ کا ہاتھ مدعی سے روک دینے کا حکم ہے پس اسی قدر اس سے ظاہر میں نافذ ہوتا ہے نہ کچھ۔

ملک عقد اور ملک مطلق کے فیصلے کی مثالیں | اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص پر ایک لوٹری یا کھانے کی خرید یا فروخت کا دعویٰ کیا اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دئے اور قاضی نے ان دونوں میں خرید یا فروخت کا فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں اس کا حکم ظاہر اور باطناً نافذ ہو جائیگا یہاں تک کہ جس کے لیے اس لوٹری یا کھانے کا حکم ہوا ہے اس کو جائز ہے کہ بعد استبراء لوٹری سے واپس کرے اور کھانا کھائے کیونکہ اس کی ملک اس قیمت سے ثابت ہو گئی جس پر گواہ گذر گئے۔

اور جس صورت میں ایک شخص کسی شخص پر لوٹری یا کھانے کی مطلقاً ملکیت کا دعویٰ کرے بغیر اس کے کہ اسباب ملک میں سے کسی سبب کو معین کرے اور دو جھوٹے گواہ پیش کر دے اور قاضی نے ان دونوں میں ملک کا فیصلہ کر دیا تو اس کا حکم صرف ظاہر میں نافذ ہوگا یہاں تک کہ جس کے لیے لوٹری یا کھانے کا حکم دیا ہے اس لوٹری سے صحبت کرنا یا کھانا کھانا حلال نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان اس کے لیے ملک ثابت نہیں ہے۔

عہ انشا یعنی کسی عقد کا ازبر لڑ کر نہ عہ استبراء یہ ہے کہ لوٹری خریدنے کے بعد اس کے حیض آئے تک انتظار کیا جائے کہ آیا اس کو حمل تو نہیں ہے اگر حیض اپنے معمول سے آجائے تو اب واپس کرنا جائز ہے۔

اور ایک مثال عقود کی یہ ہے کہ کسی مرد یا عورت نے دوسرے پر نکاح کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے گواہ پیش کر دئے اور قاضی نے ان دونوں میں نکاح کا حکم کر دیا تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرد کو صحبت کرنا اور عورت کو اپنے اوپر قابو دینا جائز ہے یہ جب سے کہ وہ عورت کسی دوسرے کے نکاح یا عدت میں نہ ہو اور اگر کسی اور کے نکاح یا عدت میں ہو تو حکم ظاہر میں نافذ ہو گا نہ باطن میں۔

اور فسخ کی ایک مثال یہ ہے کہ میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے پر فسخ نکاح کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے گواہ گزار دئے اور قاضی نے ان دونوں میں جدائی کا حکم دے دیا تو اس کا حکم ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ مرد کو صحبت کرنا اور عورت کو اپنے اوپر قابو دینا حرام ہے اور عورت کو اور مرد سے نکاح کر لینا ہے اور اس دوسرے خاوند کو اس سے صحبت کرنا درست ہے اگرچہ اسے یہ معلوم ہو کہ پہلے خاوند نے اس کو طلاق نہیں دی اور یوں کہ ان دو جھوٹے گواہوں میں سے ایک خود بھی ہو۔

جھوٹے دعویٰ اور جھوٹی گواہی پر وعیدیں | یہ سب باتیں اوپر کے بیان سے ظاہر اور معلوم ہیں لیکن یہ بھی جاننا چاہیے کہ عقود اور فسوخ میں جھوٹی گواہی سے قاضی کا حکم اگرچہ ظاہر و باطن نافذ ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس لیے حلال بھی کر دیتا ہے کہ وہ بطور اقتضا انشا سے مگر اتنی بات ہے کہ مدعی اور گواہ غضب الہی اور اس کے عذاب میں پڑ جانے سے بچ نہیں سکتے کیونکہ انہوں نے وہ کام کیا ہے جس کو خدا اور اس کے رسول نے منع کیا ہے اور دوسرے کی حق تلفی کرنے اور ظلم کرنے کی کوشش کی ہے خصوصاً جبکہ وہ قیمت جس کی گواہی دی ہے اصل قیمت کے برابر نہ ہو۔

مدعی تو اس لیے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور اس چیز کا دعویٰ کیا ہے جو اس کی نہ تھی اور روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اس چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو تو وہ ہم میں سے نہیں اور اس کو اپنا نیک نام دوزخ میں بنا لینا چاہیے۔

اور گواہ اس لیے کہ انہوں نے اتنا بڑا گناہ کیا ہے جو شرک کے قریب قریب ہے اور وہ جھوٹی گواہی ہے اور مدعی بھی اس گناہ میں شریک ہے کیونکہ وہ اس پر راضی تھا اور روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے تین مرتبہ فرمایا جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے ہم پلہ ہے پھر یہ آیت پرستی
فَاَجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ "کہ بچو بتوں کی ناپاکی سے اور بچو جھوٹی بات سے" پس آنحضرت نے اس حدیث میں یہ بیان فرمایا کہ جھوٹی گواہی گناہ میں شرک کے برابر ہے جو کہ جہنم میں لے جانے والا ہے ہاں اتنی بات ہے کہ شرک دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا موجب ہے اور جھوٹی گواہی اس کی موجب نہیں۔

مذکورہ صورتوں میں قاضی کے فیصلے کے نافذ ہونے کی شرط اور یہ بھی جانتا چاہیے کہ قاضی کا حکم جھوٹی گواہی سے عقود اور فتوح میں جب ہی نافذ ہوتا ہے اور حلت جھبی ثابت کرتا ہے جبکہ قاضی نے عہدہ قضاء بلا رشوت پایا ہو۔

اور جب رشوت دے کر عہدہ قضاء پایا ہے تو وہ قاضی نہیں ہوتا اور نہ اس کا حکم نافذ ہوتا ہے جیسا کہ تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

آنجل کے حجوں کے دینی معاملات میں فیصلے نافذ نہیں ہوں گے۔ پس اس بیان کی رو سے اس زمانے میں ایسا کوئی قاضی نہیں مل سکتا جس کا حکم نافذ ہو کیونکہ ایسے قاضی بہت کم ہیں جنہوں نے قضاء بلا رشوت حاصل کی ہو اس لیے کہ اس زمانے میں قاضی رشوت سے عہدہ قضاء حاصل کرنے کی بڑی کوشش کرتے ہیں اور اس کے لیے بہت بہت مال خرچ کرتے ہیں اور رشوت کے علاوہ انہوں نے اس کا کچھ اور نام رکھ چھوڑا ہے حالانکہ یہ سب رشوت ہے۔ پس ایسا قاضی بھلا کیونکر ملے کہ جس کا حکم نافذ ہو کیونکہ یہ لوگ تو رشوت سے عہدہ قضاء حاصل کر کے بہت سے شرعی احکام باطل کرنے کے سبب بنتے ہیں اور وہ یوں کہ مسلمانوں کے اکثر معاملات ان کی رائے پر حوالہ اور ان کے حکم پر موقوف ہیں اور انہوں نے جب عہدہ قضاء رشوت سے پایا تو احکامات شرعیہ میں ان کا کوئی حکم نافذ نہیں پس مسلمانوں کے بہت سے معاملات کا باطل ہونا لازم آتا ہے بالخصوص نکاح جو ان ہی کے سپرد ہے کیونکہ جس قاضی نے رشوت سے عہدہ قضاء لیا ہے جب کوئی ایسا نکاح کرے گا جو اس کے سپرد ہے تو وہ نکاح باطل ہو گا لہذا لازم آتا ہے کہ میاں بیوی جب تک اس نکاح میں ہیں زانی پول اور یہ حالت صرف دنیا سے ان کی محبت کی کثرت اور دین کی بے پروائی کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ لوگ آخرت سے بے انتہا غفلت کی وجہ سے عہدہ قضاء رشوت سے لیتے ہیں اور رسول علیہ السلام کی لعنت سے اپنے ملعون ہونے کی کچھ پرواہ نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں باوجودیکہ اگلے لوگ خود اس کے قبول کرنے سے باز رہے ہیں یہاں تک کہ اس کے قبول کرنے پر بہت مجبور کئے گئے پھر بھی اس کو قبول نہیں کیا چہ جائیکہ اس کے حاصل کرنے میں مال خرچ کرنا۔

عہدہ قضاء قبول کرنے میں علماء دین کا طرز عمل اور اس کا سبب کیا تمہیں نہیں معلوم کہ امام ابوحنیفہ رحمہمین دہنہ عہدہ قضاء کے لیے بلائے گئے اور آپ نے انکار کیا یہاں تک کہ قید کئے گئے اور ہر مرتبہ تمہیں تیس کوڑے لگے پھر جب اپنی جان کا خوف ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر لوں پس آپ نے مشورہ کیا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ اگر آپ قبول کر لیں تو لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچے پس امام ابوحنیفہ نے ان کی طرف غصہ کی نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ اگر مجھ کو سمندر کو تیر جانے کا حکم دیا جاتا تو مجھ کو اس کی قدرت تھی میری بجائے تو ہی قاضی ہو جا پھر منہ پھیر لیا اور اس کے بعد ان کی طرف پھر نہ دیکھا۔

اسی طرح امام محمدؒ کو عہدہ قضا کے لیے کہا گیا آپ نے انکار کر دیا یہاں تک کہ قید ہو گئے اور کچھ اور پچاس دن قید رہے اور آخر مجبور ہوئے اور قبول کر لیا۔

اور یہ بزرگ اس کے قبول کرنے سے اس لیے باز رہے کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کا قاضی کر دیا گیا تو بے شک وہ بے بھبری ذبح ہوا اور ذبح سے مراد اس حدیث میں قتل ہے کیونکہ بغیر پھیری کے قتل ہونا یعنی جیسے نہ ہرنی لینا ظاہر ہے کچھ اثر نہیں کرتا صرف باطن میں اثر کرتا ہے کہ جان چلی جاتی ہے اسی طرح عہدہ قضا ظاہر میں تو کچھ اثر نہیں کرتا کیونکہ ظاہر میں تو وہ مرتبہ کی بلندی اور عظمت ہے لیکن اس کا اثر صرف باطن میں ہوتا ہے جو کہ دین تباہ کر دیتا ہے اس لیے کہ قاضی طرفین میں بہت ہی کم انصاف کرتے ہیں بلکہ اکثر اوقات فیصلہ میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کی طرف داری کر جاتے ہیں یا اس شخص کی جو ذی قدرت ہو اس سے کچھ ملنے کی امید ہو یا کسی تکلیف کا اندیشہ ہو اور اکثر اوقات اُس کے دل میں رشوت قبول کرنے کا وسوسہ آتا ہے پس جس کا یہ حال ہو تو اُس کو مر جانا قضا سے بہتر ہے اس لیے کہ موت گناہوں سے اُس کو جُدا کر دے گی اور قضا گناہوں میں ڈالتی ہے۔

عہدہ قضا کو طلب کر کے لینے والے کا انجام | پس اگر کوئی یہ کہے کہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا سب سے

بڑا فرض اور سب سے عمدہ عبادت ہے اس لیے کہ نیک بات کا حکم اور بدی سے روکنے اور اللہ نے نبیوں کو اس کا حکم کیا ہے جیسا کہ اپنی کتاب میں فرمایا ہے اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَ نُورٌ يَخْتَصِمُ بِهَا النَّبِيُّونَ کہ ہم نے تمہارا توریت کو جس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے اُسی پر ستم کر کے تمہیں اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے لیے یوں فرمایا اِنَّا اَنْزَلْنَا لَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخَيَّرَ بَيْنَ النَّاسِ ہم نے تمہاری تم پر کتاب سچی کہ تم لوگوں میں حکم کرو یہ پس اس سے باز رہنے کی کیا وجہ ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ اگرچہ سب سے بڑا فرض اور سب سے عمدہ عبادت ہے لیکن فقہ کی کتابوں

میں لکھا ہے کہ جو شخص اس کے قابل ہو اُس کو چاہیے کہ نہ دل سے اُس کا طالب ہو اور نہ زبان سے اس کی درخواست کرے پس اگر بلا درخواست کئے اس کے لیے بلا یا جائے تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اپنے اختیار سے اس میں پڑنا مکروہ ہے اس لیے کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جس نے عہدہ قضا تلاش کیا اور اُس کی درخواست کی وہ اپنے نفس کے سپرد کیا جاتا ہے اور جو اُس پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو اس کو ابداً حق پر رکھتا ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جو شخص عہدہ قضا کو دل سے چاہتا ہے اور اپنی زبان سے درخواست کرتا ہے تو اُس کا حال اُس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور جس کا معاملہ اُسی کے نفس کے حوالہ ہو اور ٹھیک راستہ نہیں پاتا اس لیے کہ نفس برائی کا حکم بہت

دیتا ہے آدمی کو مخالفتِ حق اور بڑی خواہش کی طرف کھینچتا ہے لہذا ظلم اور معصیت میں پڑ جانے سے نہیں بچتا۔

نیز یہ کہ جو شخص قضا کی درخواست اور سوال کرتا ہے تو وہ اپنے علم اور پرہیزگاری پر بھروسہ کرتا ہے لہذا خود پسندی والا ہوا پس تو نفاق سے محروم رہتا ہے اور جو اُس پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ جبر کی وجہ سے پشیمردہ دل ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی رستی سے سہارا لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور جس نے اللہ کا سہارا لیا ابے شک وہ سیدھی راہ دکھایا گیا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا وہ اُس کو کافی ہے پس اُس کے دل میں رُشد پیدا کرتا ہے اور سیدھی راہ لے جاتا ہے خدا تعالیٰ ہم پر اپنی رحمت کے مطابق عمل اپنے لطف اور کرم سے آسان فرمائے۔

بیاسویں مجلس اس بیان میں کہ کس شخص کو لوگوں کے سامنے وعظ

کہنا جائز ہے اور کس کو جائز نہیں اور جو باتیں اس سے نکلتی ہیں

وعظ کہنے والے لوگوں کی تین قسمیں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یقصر الا امیر او ما مور و مختال و وعظ نہیں بیان کرتا مگر امیر یا اس کام پر مقرر کیا ہوا یا شیخی والا |

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے عوف بن مالک نے روایت کی ہے۔

اور اسی طرح وہ روایت ہے جو عوف نے ہی روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا اَلْقَصَاصُ

ثَلَاثَةٌ امیر و ما مور و مختال و وعظ کہنے والے تین ہیں امیر اور مقرر کیا ہوا اور شیخی کرنے والا۔

اور قصص کے معنی قصہ بیان کرنے کے ہیں اور وعظ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں بھی اُرد

ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ لوگ جو لوگوں کو وعظ کہتے ہیں تین قسم کے ہیں ایک تو امیر یعنی حاکم کیونکہ پہلے

زمانہ میں حکام ہی لوگوں کو وعظ کیا کرتے تھے اور گزری ہوئی خبریں ان کو سناتے تھے تاکہ عبرت

حاصل کریں اور دوسرا محکوم یعنی وہ جس کو امیر نے وعظ کے لیے مقرر کیا ہو اور اُس کی اجازت

دی ہو اور تیسرا شیخی کرنے والا اور یہ وہ ہے کہ نہ امیر ہے اور نہ امیر کی طرف سے مقرر ہے بلکہ وہ فضولی

ہے لوگوں پر بڑا بننے اور ان میں سردار بننے کے لیے ایسا کرتا ہے اور اپنے قول و فعل سے ریاکاری کرتا ہے

اور اس میں بلا اجازت امام وعظ کہنے سے ممانعت ہے۔

صحیح العقیدہ علماء کو وعظ کہنے کے لیے مقرر کرنے کی وجہ | اور یہ اس لیے ہے کہ امام پر جب

سے کہ رعیت کی مصلحتوں کو لوپرا کرنے اور ہر گاؤں اور ہر محلہ میں ایک عالم دین مقرر کر دے کہ وہ لوگوں کو

دین کی تعلیم کیا کرے لہذا علماء میں غور کرے پس جس میں علم اور دیانت اور نیک عقیدہ دیکھے اُس کو اجازت دے

کہ لوگوں کو وعظ کہا کرے اور جس میں یہ صفات نہ دیکھے اُس کو وعظ کی اجازت نہ دے تاکہ لوگوں کو بدعت اور بے راہی میں نہ ڈالے جیسا اس زمانہ میں ہو رہا ہے اور یہ اس واسطے کہ مخلوق علم لے کر پیدا نہیں ہوتی بلکہ جاہل پیدا ہوتی ہے اور جہالت دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے لہذا اس بیماری کے لیے ایک لائق طبیب کی ضرورت ہے کہ اُن کا علاج کرے اور دین کے اصلی اور فرعی احکام سکھا کر اُن کا مرض دور کرے اور جو طبیب لائق نہ ہوگا تو وہ اُن کا مرض دور نہ کر پائے گا بلکہ اُن کا مرض زیادہ کر دے گا اور اُن کو ہلاک کر دے گا اور ارحماء میں مذکور ہے کہ دنیا بیماری کا گھر ہے کیونکہ زمین کے اندر مردوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اُس کے اوپر بیماروں کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور دونوں کی بیماری جسمانی بیماری سے بڑھ کر ہے اور اس کی کثرت تین وجہ سے ہے ایک تو یہ کہ جو دل کا بیمار ہوتا ہے وہ اپنے کو بیمار نہیں سمجھتا۔

اچھے علماء کو وعظ کے لیے مقرر کرنے کی دوسری وجہ | اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دل کی بیماری کا انجام موت سے پہلے نہیں معلوم ہوتا برخلاف جسمانی مرض کے کہ اس کا انجام موت ہے مشاہدہ سے معلوم ہے جس سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اور چونکہ موت کے بعد کا حال دکھائی نہیں دیتا ایسے گناہوں سے بہت کم نفرت ہے اور اس بارے میں، گنہگار اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کر لیتا ہے اور اپنے دلی مرض کے علاج میں مشغول نہیں ہوتا بلکہ جسمانی مرض کے علاج میں مشغول ہوتا ہے بغیر اسکے کہ وہاں بھی، اللہ تعالیٰ کے فضل پر توکل کرے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل دنیا اور آخرت دونوں کو شامل ہے۔

اچھے علماء کو وعظ کے لیے مقرر کرنے کی تیسری وجہ | اور تیسری وجہ جو کہ خود وہی بڑی سخت بیماری ہے طبیب کا نہ ہونا ہے کیونکہ طبیب صرف علماء ہیں اور وہ اس زمانہ میں خود ہی سخت بیمار ہیں یہاں تک کہ اپنے ہی علاج سے عاجز ہیں چہ جائیکہ اوروں کا علاج کرنا اور اسی سبب سے بیماری سبب میں پھیل گئی اور دوا نہیں رہی اور خلق ہلاک ہو گئی بلکہ اطبا طرح طرح سے بہکانے میں مشغول ہو گئے پس کاش وہ طبیب اگر درستی نہ کہتے تو بگاڑتے بھی نہیں اور کاش وہ خاموش رہتے اور کچھ نہ بولتے کیونکہ جب وہ بولتے ہیں تو اپنے وعظ سے سوائے عوام کے دل اپنی طرف مائل کرنے کے اور کچھ ان کی نیت نہیں ہوتی اور امید رحمت کے ذکر ہی کو اُس کا وسیلہ بناتے ہیں کیونکہ یہ ذکر کالوں میں لذیذ اور طبیعتوں پر ہلکا ہے پس خلقت اُن کی مجلس وعظ سے اس حال میں ٹوٹتی ہے کہ گناہوں پر اور بھی جرات پیدا ہوگئی۔

زروحانی بیماریوں کے علاج کا طریقہ | اور جب طبیب ایسا ہو تو مر لیض دوا سے ہلاک ہو جائے گا اس لیے کہ وہ بے عمل دوا استعمال کر رہا ہے کیونکہ خوف اور رجاء دور نہیں ہیں لیکن ایسے دو شخصوں

کے لیے جن کی بیماریوں میں اختلاف ہو پس جس پر خوف اتنا غالب آگیا ہو کہ دنیا باکل ترک کر دی ہو اور اپنی جان طاقت سے زیادہ تکلیف میں ڈال رکھی ہو اور معیشت دنیا کو تنگ کر لیا ہو تو اس کے خوف کی شدت کو اسباب رجا اور فراخی رحمت الہی کے ذکر سے گھٹانے تاکہ وہ اعتدال پر آجائے اور ایسے ہی جو شخص گناہ پر اڑا ہوا ہو توبہ کا آرزو مند ہو مگر اپنے گذشتہ گناہوں کو بہت بڑا سمجھ کر ناامید اور مایوس ہو کر توبہ نہ کرتا ہو تو ایسے کا علاج بھی اسباب رجا اور فراخی رحمت الہی کو بیان کر کے کیا جائے تاکہ اس کو توبہ کی قبولیت کی توقع ہو پس وہ توبہ کرے اور رہا فریب کھائے ہوئے معاصی میں پڑے ہوئے کا اسباب رجا اور فراخی رحمت الہی کے بیان سے علاج کرنا تو یہ ایسا ہے جیسے بخار والے کا شہد سے علاج کرنا

آج کل کے واعظوں کی حالت | اور اجیار کی ایک اور جگہ میں مذکور ہے کہ یہ زمانہ ایسا زمانہ ہے کہ اس میں خلقت کے سامنے اسباب رجا اور فراخی رحمت الہی کا بیان نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ بیان لوگوں کو سرسراہک کر دے گا لیکن چونکہ یہ ذکر نفسوں پر ہلکا ہے اور ان کے دلوں میں زیادہ لذت ہے اور واعظوں کی غرض سوائے دلوں کے بدلانے اور خلقت سے اپنی تعریف کرانے کے اور کچھ نہیں اس لیے خواہ کچھ ہی ہو رجا ہی کی طرف جھکے رہتے ہیں یہاں تک کہ گناہ گار فساد میں اور سرکشی میں گرفتار ہونے والے سرکشی میں اور بھی بڑھ گئے۔

خوف اور مایوسی کی حقیقت | اور ایک اور جگہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ میں جو خلقت موجود ہے ان کے لیے خوف کا غالب رہنا ہی بہتر ہے بشرطیکہ ناامیدی اور عمل چھوڑ دینے اور مغفرت کی امید نہ رہنے کی نوبت نہ آئے کہ یہ حالت عمل میں سستی اور معاصی میں غرقاب ہو جانے کا سبب بن جائے سو یہ ناامیدی ہے خوف نہیں ہے بلکہ خوف وہ ہے کہ عمل پر اقبال سے اور تمام خواہشوں کو بے مزہ کر دے اور دل کو دھوکے کی جگہ یعنی دنیا کی رغبت سے اکھاڑ دے اور خوشی کی جگہ رآخرت کی رغبت دلانے اور یہی خوف محمود ہے نہ وہ یا اس جو ناامیدی کا سبب ہے۔

وعظ کا صحیح طریقہ | پس جب یہ بات ہے تو وہ طریقہ جس پر واعظوں کو اپنے وعظ میں اس زمانہ کی خلقت کے ساتھ چلنا چاہیے جبکہ واعظ امام کی طرف سے مقرر شدہ ہو یہ ہے کہ قرآن میں سے وہ آیات بیان کرے جو گنہگاروں کو خوف دلاتی ہیں اور وہ احادیث اور آثار جو گنہگاروں کی مذمت اور توبہ کرنے والے اطاعت کرنے والوں کی تعریف میں ہیں اور اسی طرح کے وعظ کی کثرت رکھے اگر وہ رسول رب العالمین کا وارث ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے نہ دنیا چھوڑے ہیں اور نہ درہم صرف علم اور حکمت چھوڑ گئے ہیں اور ہر عالم نے جس قدر علم حاصل کیا ہے وہ اس کا وارث ہے پھر اس کو یہ چاہیے کہ ان سے یہ بیان کرے کہ گناہ پر دنیا میں عذاب ہونا ممکن ہے اور بیان کرے کہ انسان پر دنیا میں جو مصیبت پڑتی ہے وہ سب

گناہوں کے وبال سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا آصَابَكُمْ مِنَ مُصِيبَةٍ فَمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ اور جو پڑتی ہے تم پر کوئی سختی سو اسی سبب سے ہے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے“ پس اس کو چاہیے کہ ان کو اُس کا خوف دلائے کیونکہ بعض آدمی دنیا کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور آخرت کے بارہ میں محض جاہل ہونے کی وجہ سے تساہل کرتے ہیں لہذا اُس کو لازم ہے کہ ان سے کہے کہ سب گناہوں کی شامت اکثر دنیا ہی میں آجاتی ہے اور اُس کے سبب سے اس پر روزی تنگ ہو جاتی ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی بہ سبب گناہ کے جس کو وہ کرتا ہے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

پھر اُس کو چاہیے کہ وعظ اس طرح کہے جس سے اُس کی عظمت ہو اور اپنی آواز بلند رکھے اور جیسا وعظ بیان کرتا ہو ویسی ہی ترغیب یا ترہیب جیسی اپنی صورت بنا لے جیسا کہ جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب وعظ فرماتے تو آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی گویا کہ فوج سے ڈراتے ہیں اور ایسے ہی اُس کو چاہیے کہ جب کوئی بات کہے تو تین بار مکرر کہے تاکہ سننے والے سمجھ لیں اور اُن کے دل میں بیٹھ جائے اور اُس کو یاد رکھیں کیونکہ اُس سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب کوئی بات فرماتے تو تین بار دہراتے تاکہ خوب سمجھ لیں۔

لیکن اُس پر واجب ہے کہ اپنے کلام میں بدعت کی آمیزش سے بچے کیونکہ احیاء میں مذکور ہے کہ وعظ جب کبھی بدعت کی بات ملائے تو اُس کا روک دینا واجب ہے اور اُس کی مجلس میں جانا جائز نہیں ہاں اگر قدرت ہو تو اُس پر رد کرنے کے قصد سے ہانٹے اور اگر قادر نہ ہو تو اُس کی مجلس میں نہ جائے۔ اور ایسے ہی جب اُس کا کلام امید دلانے اور لوگوں کو معاصی پر جرأت دلانے کی طرف حکمت ہو اور اس باعث سے خلق کو خوف سے زیادہ امید بڑھ جائے تو یہ بڑا ہے اُس کا روک دینا واجب ہے کیونکہ اس کا فساد بہت بڑا ہے بلکہ خلقت کے مال کے مناسب اور لائق یہ ہے کہ خوف کو امید پر غالب رکھے کیونکہ وہ خوف کے زیادہ تر محتاج ہیں۔

اور امام غزالی رحمہ کے رسالہ میں جس کا نام یا ایہا الولد ہے مذکور ہے کہ وعظ کو مناسب ہے کہ اُس کا قصد اور نیت وعظ سے یہ ہو کہ لوگوں کو دنیا سے آخرت کی طرف اور گناہ سے طاعت کی طرف اور حرص سے قناعت کی طرف بلائے اور اُن میں آخرت کی محبت اور دنیا کا بغض پیدا کرے اور اُن کو عبادت اور پرہیزگاری سکھائے اس لیے کہ اُن کی طبیعتوں میں شرع کی راہ سے کجی اور اُس چیز کے بارہ میں کوشش سے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنہیں اُن کے دلوں میں رعب ڈالے اور جو خوفناک چیزیں اُن کے آگے آنے والی ہیں اُن سے ڈرائے شاید کہ اُن کے صفاتِ باطنی بدل جائیں اور ظاہری معاملہ ملت جائے اور ان سے طاعت کی حرص اور معصیت سے رجوع ظاہر ہو جائے۔

وعظ جو وبال ہے اور وعظ اور نصیحت کا یہی طریقہ ہے اور جس واعظ کا وعظ ایسا نہ ہو تو اس کا وعظ کئے والے اور سننے والے دونوں پر وبال ہے بلکہ بعضے کہتے ہیں کہ وہ انسان کی صورت میں شیطان ہے کہ خلقت کو حق کی راہ سے نکالتا ہے اور اُن کو بلاک کرتا ہے پس اُن پر واجب ہے کہ اُس سے ایسا بھاگیں جسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ یہ واعظ جتنا ان کے دین بگاڑنے پر قادر ہے شیطان بھی اتنا خراب نہیں کر سکتا اور جس شخص کو قابو اور قدرت ہو اس کو واجب ہے کہ اُس کو مسلمانوں کے منبر سے اتار دے اور وعظ کئے سے روک دے کیونکہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ وعظ میں قصہ گوئی کی حقیقت اور ایسے ہی وہ واعظ جو قصہ گوئی میں مشغول ہو جاتے ہیں جس میں کمی زیادتی اور جھوٹ اور بہتان ہو جاتا ہے سو اُن کی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی اگلے لوگوں سے ممانعت ثابت ہے اس لیے کہ بعضے قصوں کا سننا مفید ہوتا ہے اور بعضے قصوں کا سننا ضرر کرتا ہے خواہ وہ سچا ہی ہو پس جو شخص اپنے اوپر یہ دروازہ کھول لے گا اُس کو سچ جھوٹ کے ساتھ اور نافع مضر کے ساتھ مشتبہ رہے گا۔

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر انبیاء، صلحاء، کا قصہ ایسی باتوں کے متعلق ہو جو امور دینی سے متعلق ہیں اور روایت بھی صحیح ہو تو اُس میں مجھ کو کچھ مضائقہ نہیں معلوم ہوتا پس جھوٹ اور ایسے احوال بیان کرنے سے بچے جس کا انجام لغزش اور تساہل ہو عوام کی سمجھ اُس کے معانی سمجھنے سے قاصر ہو کیونکہ عامی آدمی اس سے اپنے تساہل اور خطا کی سند کرے گا اور اپنے لیے ایک صند بنا لے گا اور کہے گا کہ بعضے بعضے مشائخ اور بزرگوں سے ایسی ایسی باتیں ہو گئی ہیں تو ہمارا کیا پوچھنا ہم سب تو سراسر گنہگار ہیں پس اگر ہم سے کوئی گناہ ہو گیا تو کیا تعجب ہے کیونکہ گناہ تو ایسوں سے ہو گیا ہے جو ہم سے بڑے تھے اور اس سے خدا پر ایسی جرات پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کو خبر نہیں ہوتی۔

اور ان دونوں باتوں سے بچنے کے بعد پھر کچھ خوب نہیں اور اب اُن اچھی حکایتوں کو لے جو قرآن میں آئی ہیں اور تاریخ کی معتبر کتابوں میں صحیح طور پر ثابت ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں غلط سلف قصے بیان کرنے کی ممانعت اور اسے وہ قصے جو بعضی کتابوں میں ملتے ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایسے قصے مذکور ہیں جو ان کے حال کے لائق نہیں سو اُن سے اُن کو پاک سمجھنا واجب ہے جیسے داؤد نبی علیہ السلام کا قصہ سو یہ قصہ جیسا کہ قصہ گوئیوں کی روایت ہے۔

داؤد علیہ السلام ایک روز اپنی محراب میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا اور نماز پڑھتے اور

اسے یہ واقعہ اسی طرح بائبل کی کتاب سموئیل اول باب ۱۱ میں تعقیب سے مذکور ہے۔

زبور کی تلاوت کرنے لگے وہ اسی حال میں تھے کہ اتنے میں شیطان سونے کا بوتل بن کر آگیا پس انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے اُس کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا وہ اُڑ گیا پھر اور ہاتھ پکایا تو وہ اُڑ کر روشن دان میں گر پڑا اُس کے سمجھے انہوں نے نظر دوڑائی تو ایک خوبصورت عورت نظر پڑی کہ اُس نے اپنے مال کھول رکھے تھے اور باتوں نے سارا بدن ڈھنک لیا تھا اور وہ ایک شخص کی بی بی تھی جس کا نام اوریا تھا اور وہ بلقا کے غازیوں میں سے تھا پس آپ نے بلقا کے لشکر کے سردار یعنی ایوب بن صوریا کو لکھا کہ میں اوریا کو بھیجتا ہوں تم اُس کو تابوت کے آگے کر دینا۔ اور جو شخص تابوت کے آگے ہو تا تھا اُس کو ٹوٹنا جائز نہیں تھا تا وقتیکہ اللہ اُس کے ہاتھ پر فتح دے یا شہید ہو جائے پس اللہ تعالیٰ نے اُس کے ہاتھ پر فتح دی اور سلامت رہا اور آپ نے حکم دیا کہ اُس کو دوبارہ اور دوبارہ بھیجیں یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا اور اس کے قتل کی خبر آپ کے پاس آئی اور آپ کو کچھ رنج نہ ہوا جیسا کہ شہیدوں پر ہوا کرتا تھا پھر آپ نے اس کی بوی سے نکاح کر لیا۔

پس یہ اور اس جیسے اور قصے تہمت اور بنائے ہونے قصے ہیں جس کے سننے سے کان انکار کرتے ہیں اور ایسے بیوہ گھڑے ہوئے ہیں جن سے طبیعت نفرت کرتی ہے اس کا منشا اس بات کا نہ جانتا ہے کہ انبیاء کے حق میں کیا واجب ہے اور کیا محال ہے اور کیا جائز ہے پس ہلاکی سے اُس شخص کے لیے جس نے اُس کو گھرا اور مشہور کیا اور تباہی سے اُس کے لیے جس نے اُس کو بنایا اور پھیلایا کیونکہ اس بات کو تو کسی ایسے شخص کے متعلق بیان کرنا جو مسلمانوں میں نیک مشہور ہو رہا ہے چہ جائیکہ بزرگ۔ انبیاء۔ اور پیغمبروں کے متعلق۔

اور اسی لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام کا قصہ قصہ گو یوں کی روایت کے موافق بیان کرے گا تو میں اُس کو ایک سو ساٹھ دسے ماروں گا اور پیغمبروں پر ہتھان باندھنے کی یہی سزا ہے۔

اور روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے ہی قصہ بیان کیا گیا اور وہاں ایک بزرگ اہل حق موجود تھے پس انہوں نے اس قصے کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ قصہ اگر کتاب اللہ تعالیٰ میں موجود ہے تو یہاں بھی بات نہیں ہے کہ اُس کے خلاف کی جستجو کی جائے اور خلاف واقعہ بیان کیا جائے۔ اور اگر یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسا تو نے بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کا پردہ ڈھانکنے کے لیے اُس کو بیان نہیں کیا پس اُس کا اظہار نہ چاہیے پس حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا اس بات کا سننا مجھ کو اُن تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر آفتاب نکلے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ کی حقیقت اور یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ اس قصے میں بہترے لوگوں کو لغزش ہو گئی ہے اور خدا کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی نسبت وہ باتیں کہی ہیں جو

انبیاء کی نشان کے مناسب نہیں ہیں کیونکہ اصل قصہ حبیبیہ کہ بعض تفسیروں میں مذکور ہے یوں ہے کہ داؤد
 پنجم نے اور یانامی ایک شخص کی بیوی کو دیکھا اور اس پر آپ کا دل مائل ہو گیا آپ نے اور یا سے
 درخواست کی کہ اس کو طلاق دے دو اس کو آپ کا سوال رو کر تے شرم آئی لہذا ایسا ہی کیا پس آپ نے
 اس سے نکاح کر لیا اور وہی حضرت سلیمان ۳ پنجم کی ماں ہیں اور یہ طریقہ ان کی شریعت میں
 جائز تھا ان کی امت میں راجح تھا اور خلافت مروت نہ تھا کیونکہ جب کسی کی بیوی کسی کو پسند آتی تھی
 تو وہ اس کو چھوڑ دینے کی درخواست کرتا تھا پھر خود اس سے نکاح کر لیتا تھا اور آغاز اسلام میں
 انصار ہماجرین دن سے بے روک ٹوک ایسا ہی برتاؤ کیا کرتے تھے البتہ داؤد علیہ السلام کو اپنے بلند
 مرتبے اور عظمت منزلت اور علو شان کے لحاظ سے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ کام کرس جو ان کی امت
 کے معمولی آدمی کرتے تھے اور ایک ایسے شخص سے درخواست کریں جس کی ایک ہی بیوی ہو کر میرے
 لیے چھوڑ دے پھر اپنی بہت سی بی بی ہوتے ہوئے اس سے نکاح کر لیں بلکہ ان کو چاہیے تھا
 کہ اپنی خواہش کو دباتے اور اپنے نفس کو منکوب کرتے اور جس بات کا امتحان ہوا تھا اس پر صبر کرتے۔
 بعض انبیاء پر گرفت الہی کا سبب | پس اس بیان کے موافق حضرت داؤد ۴ کی نسبت صرف ترک
 اور لے لازم آتا ہے اس لیے کہ آپ کی نگاہ اس عورت پر پڑ جانا بلا قصد تھا پس یہ کچھ گناہ نہیں اور
 ایسے ہی دیکھنے کے بعد دل کا مائل ہو جانا بھی کچھ گناہ نہیں ہے کیونکہ اس سے بچنا آدمی کی قدرت میں
 نہیں اور ان پر اس سبب واقعہ کے متعلق عتاب ہوا یہاں تک کہ فرشتے ان کے سامنے ان کے حال کی
 مثال دینے اور اس کو آپ کے سامنے واضح کرنے کے لیے جھگڑاتے ہوئے بھی گئے کیونکہ انبیاء
 علیہم السلام سے ادنیٰ بات پر بھی اگر ان سے ہو جائے موافقہ ہوتا ہے کہ جس پر اوروں سے موافقہ
 نہیں ہوتا بلکہ اوروں سے وہ کام سب سے اعلیٰ اور بہتر عمل سمجھا جاتا ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ
 یونس ۵ پنجم نے جب اپنی قوم کو ایمان کی طرف بلایا اور انہوں نے اس کے ملتے سے انکار کیا اور
 کفر اور نافرمانی پر اڑے رے اور دشمنی اور ہر کشی حد کو پہنچا دی یہاں تک کہ آپ کو صبر کرنا دشوار ہو
 گیا اور ضبط کی طاقت نہ رہی تو آپ ان کے پاس سے غضب الہی کے خوف اور کفر کو برا جاننے کی وجہ سے
 چلے گئے۔ اور یہ کام اگر چہ ان کے علاوہ مؤمنین میں سے اور کسی کے حق میں سب سے اعلیٰ اور بہتر عمل
 شمار کیا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کے پاس سے آپ کا چلا جانا بدوہ اجازت الہی تھا اور آپ پر
 واجب تھا کہ صبر کرتے اور اجازت الہی کے منتظر رہتے لہذا عتاب کیا گیا اور چھلی کے پیٹ میں
 جب تک اللہ کو منظور تھا قید رہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام | اور حاصل یہ ہے کہ پنجم اپنی نبوت کے زمانہ میں گناہ کبیرہ سے تو مطلقاً
 معصوم ہوتے ہیں اور ضعیفہ کے فقدا کرنے سے۔ لیکن ان سے ضعیفہ گناہوں کا سہواً بطور

نسیان یا تاویل میں خطا ہو جانے کی وجہ سے ہو جانا ممکن ہے اور اس کو دردت لغزش کہتے ہیں اور لغزش وہ صغیرہ گناہ ہے جو بلا قصد ہو جائے جیسا کہ امام سرخی کہتے ہیں کہ لغزش میں خود لغزش کا ارادہ نہیں پایا جاتا بلکہ اس میں صرف اصل فعل کا ارادہ پایا جاتا ہے کیونکہ لفظ زلت عرب کے اس قول سے لیا گیا ہے ذل الرجل فی الطین آدمی کو چھو بیٹھنا پڑا۔ جبکہ اس کا ارادہ نہ کر پڑنے کا ہو اور نہ کرنے کے بعد پڑے رہنے کا اگرچہ اس راستہ میں چلنے کا اس کا ارادہ ضرور پایا جاتا ہو اور انبیاء سے لغزش پر بھی اس لیے مواخذہ ہوتا ہے کہ یہ ایک قسم کی کوتاہی سے خالی نہیں جس سے آدمی غور و فکر سے بچ سکتا ہے اور لیکن حقیقی گناہ پس وہ ایک افضل حرام ہے کہ اس کی حرمت کو جان بوجھ کر اس کا قصد کیا جاتا ہے تو ایسی بات کا انبیاء سے سرزد ہونا محال ہے۔

قرآن و حدیث میں مذکور قصص انبیاء کی توضیح اور قرآن اور حدیث کے قصوں میں جو ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جس سے زمانہ نبوت میں ان سے گناہ کے صادر ہونے کا وہم ہوتا ہے تو ان قصوں کا اجمالی جواب یہ ہے کہ جو قصے ان میں سے روایت آماد سے ثابت ہیں ان کا رد کر دینا واجب ہے کیوں کہ راوی کی طرف خطا کا الزام انبیاء پر گناہ کے الزام لگانے سے بہتر ہے اور جو قصے بطریق تواتر منقول ہیں تو جب تک ان کے کوئی اور معنی نکل سکیں اس وقت تک وہی معنی لیں اور ان کی عصمت کی دلیلوں کی وجہ سے ظاہری معنی نہ لیں اور جس سے کوئی مخلصی کی صورت نہ ملے تو یہ خیال کریں کہ یہ ترک اولیٰ ہے یا ایسا صغیرہ گناہ ہے جو ان سے سہویا بھول چوک سے ہو گیا ہے اور ترک اولیٰ ہو یا ایسا صغیرہ ہونا جو ان سے سہویا بھول چوک سے ہو گیا ہے اس کے گناہ کہنے کے منافی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں سے لیغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَهَدَّىٰ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُذُ بِكَ شَيْءٌ وَرَبُّكَ جَوَادٌ ہو چکے تیرے گناہ اور جو بعد میں ہوئے اور اس سے استغفار کر لے کے منافی ہے جیسا کہ واؤر نبی علیہ السلام کے قصے میں ہے اور نہ اس کے ظلم ہونے کا اقرار کرنے کے منافی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصے میں ہے کیونکہ یہ سہویا صغیرہ گناہ اگرچہ اوروں کے حق میں نیکی ہے لیکن ایک اعتبار سے گناہ ہی شمار کیا جاتا ہے اور وہ اس سے استغفار کرتے ہیں اور اس کے ظلم ہونے کا اقرار کرتے ہیں کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کے لیے گناہ ہیں۔

قرب الہی کے مقام پر فائز شخص کے عمل کی نوعیت اور اسی لیے اہل عرفان نے کہا ہے کہ جو شخص قرب الہی کے مقام میں ہو اور اس کی نیت کو دن میں اتنا پیدا کرنے کے لیے حرکت ہو جس سے رات کو روزنہ افطار کرے تو یہ اس کے حق میں خوبا لکھی جاتی ہے کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے فضل پر کم بھروسا اور وعدہ کی ہوئی روزی پر کم یقین ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ رتبہ انبیاء اور صدیقین اور مقرب ولیوں کا ہے۔

تراسویں مجلس اس بیان میں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایسا شخص پیدا کرتا ہے جو دین کو تازہ کر دے

ہر صدی میں مجدد دین کی پیشین گوئی | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان اللہ یبعث
لہذا الامۃ علی داس کل مائۃ سنة من یجد دینہا دینہا لبے شک اللہ اس امت کے
ہر سو برس کے شروع میں ایسا شخص بھیجے گا جو امت کے لیے دین کو تازہ کر دے،
یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ اس کے راوی ہیں اور
ہر سو برس کے شروع سے "ہجرت نبوی کے حساب سے صدی کا ابتدائی زمانہ مراد ہے۔
تجدید دین کا مطلب اور امت کے لیے دین تازہ کر دینے سے اس بات کا زندہ کر دینا
مراد ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل مٹ گیا ہے اور ان کے احکام کے موافق حکم دینا
کیونکہ شروع صدی پر بھیجے ہوئے۔

مجدد دین کی پہچان | اور دین کے مجدد کے لیے علماء کہتے ہیں کہ ایسا شخص ہونا لازم ہے جو علم میں مشہور
اور فضل میں معروف اور دین میں مشار الیہ ہو اور یہ کہ آخر صدی تک زندہ رہے اور مجدد بغیر اس کے
اور کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس کے ہم عصر علماء میں سے اس کی حالتوں اور اس کے علم سے
لوگوں کو فائدہ پہنچنے کے اعتبار سے اس کے متعلق گمان غالب قائم ہو جائے اس لیے کہ دین
کے مجدد کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام ظاہر اور باطنی علوم دینی کا عالم سنت کا حامی اور بدعت
کا کھونٹے والا ہو اور یہ کہ اس کا علم تمام اہل زمانہ کو عام ہو۔

ہر سو برس کے لیے تجدید دین کی ضرورت | اور یہ تجدید ہر سو برس کے شروع میں اس لیے ہوتی
ہے کہ اس وقت عموماً علماء کم ہو جاتے ہیں اور سنتیں مٹ جاتی ہیں اور بدعتیں پھیل جاتی ہیں اس
لیے اب دین کو تازہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پس اللہ تعالیٰ اگلے بزرگوں کے عوص میں خلق
میں سے ایک یا کئی شخص پیدا کرتا ہے۔

نو ہجری صدیوں کے مجددین | ایسی پہلی صدی کے مجدد تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسری
صدی کے امام شافعی رحمہ اور تیسری صدی کے ابن شریح رحمہ اور اشعری رحمہ اور چوتھی صدی کے باقلانی
اور پانچویں صدی کے امام غزالی رحمہ اور چھٹی صدی کے امام فخر الدین رازی رحمہ اور رافعی رحمہ اور ساتویں
صدی کے ابن دمیق العیسیٰ رحمہ اور آٹھویں صدی کے بولہقتینی رحمہ اور حافظ زین الدین رحمہ اور نویں صدی

کے امام سبکی رحمہ اور دسویں صدی میں ظاہر نہیں ہوا۔ کہ کون ہے

ہر صدی کے شروع میں ایک ظالم بادشاہ اور مجددین ہوگا | امام سیوطی نے کہا ہے اور اس حدیث کی طرح وہ ہے جو ثابت ہے کہ ہر صدی کے شروع میں ایک بادشاہ ہوگا۔

پہلی صدی کا فتنہ حجاج | پس پہلی صدی میں حجاج ہوا جس کا ظلم اور فساد عام پھیلا ہوا تھا پس اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیز سے اس کی تجدید کی۔

دوسری صدی کا مامون کا فتنہ خلق قرآن | اور دوسری صدی پر مامون کا فتنہ ہوا جس سے معتزلہ نے بل تھل کر مخلوقیت قرآن اور اس کے علاوہ اور اعتقادی بدعتوں کو سنوار کر دکھایا یہاں تک کہ اُس نے اس بارہ میں تمام اطراف کے علماء کا امتحان لیا اور جس نے اس بات کو قبول نہ کیا پس کسی کو مارا اور کسی کو قید اور جس کو قتل کیا اور اس امت میں یہ سب سے بڑا فتنہ ہوا اور اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کسی بدعت کی طرف نہیں بلایا پس اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں امام شافعی رح کو مقرر کیا پس آپ نے اپنے علوم سے زمین کو بھر دیا اور وہ پہلے شخص میں جنہوں نے ایسے شخص کے قتل اور تکفیر کا فتوے دیا ہے جو قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہو۔

تیسری صدی میں قرامطہ کا فتنہ | اور تیسری صدی میں قرامطہ کا فتنہ اکثر شہروں میں پھیلا یہاں تک کہ وہ مکے میں گھس آئے اور حاجیوں کو مسجد حرام میں بڑی طرح سے قتل کیا اور لاشوں کو جاہ زمزم میں ڈال دیا اور حجر اسود کو گرنے لگانے اور توڑ ڈالا پھر اُس کو اکھاڑ کر اپنے ملک کو لے گئے اور ان کے پاس بیس برس سے زیادہ رہا پھر ان سے تیس ہزار دینار کو خرید کیا گیا اور مکے میں لاکھ پھر اسی جگہ لگایا گیا۔

چوتھی صدی میں حاکم بامر اللہ کا فتنہ | اور چوتھی صدی میں حاکم بامر اللہ کا فتنہ ہوا اور اُس کے فساد کی کچھ حد نہیں بلکہ وہ جتنے پہلے گزر چکے ہیں ان سب سے بدرجہا بڑا تھا کیونکہ اس نے لوگوں کو جب خطبہ میں اس کا نام آئے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اس سے پہلے جو کوئی بھی گزرے ان میں سے کسی نے جب اُنکا نام آئے اپنے لیے سجدہ کا حکم نہیں دیا تھا۔

پانچویں صدی میں بیت المقدس پر فرنگیوں کا غلبہ | اور پانچویں صدی میں فرنگیوں کا شام کے بہت سے شہروں پر غلبہ ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ بیت المقدس میں گھس آئے اور صرف بیت المقدس میں ستر ہزار سے زیادہ لوگ قتل کر ڈالے اور لوگ فرنگیوں کے ظلم سے فریاد کرتے ہوئے شام سے عراق کو بھاگ گئے اور بیت المقدس ان کے قبضہ میں آ گیا نوے روز رہا یہاں تک کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے سلطان صلاح الدین ابن ایوب کے ہاتھوں ان کے پیچھے سے پھینکا یا۔

چھٹی صدی میں فتنہ تاتار | اور چھٹی صدی میں تاتاریوں کا نکلنا اور ان کے فساد کا پھیلنا ہے یہاں تک کہ علماء نے ان کے کفر کا حکم دیا اور ان شہروں کے بارہ میں جن پر وہ غالب آئے تھے اختلاف کیا کہ آیا وہ بلاد اسلام ہیں یا نہیں اور فرمایا کہ جو شہر آج کل ان کے قبضہ میں ہیں کچھ

شک نہیں کہ وہ بلا واسلام ہیں کیونکہ وہ نہ دارالحرب سے متصل ہیں اور نہ ان میں انہوں نے احکام کفر جاری کئے ہیں بلکہ جس شہر میں ان کی طرف سے مسلمان حاکم مقرر ہے اُس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور خراج لینا اور قاضیوں کا مقرر ہونا اور میتوں کا نکاح کرنا اس لیے جائز ہے کہ اُس شہر پر مسلمان کا غلبہ ہے اور اُس مسلمان کا ان کافروں کا مطیع ہونا یا بطور سمجھوتہ سے یا بطریق فریب۔

دارالاسلام اور دارالحرب اور جن شہروں پر کفار حاکم ہیں ان میں بھی جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا اس لیے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک ذرا بھی علت باقی رہے حکم باقی رہتا ہے اور ہم یہ حکم لگا چکے ہیں کہ یہ ملک تاتاریوں کے غلبہ سے پہلے دارالاسلام تھے اور ان کے غلبہ کے بعد بھی اذان اور جمعہ اور جماعتیں اعلان کے ساتھ اور شریعت کے مطابق حکم اور فتوے ان کے پادشاہ کی ممانعت کے بغیر برابر جاری رہے پس اُن کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور علانیہ شراب کا پکنا اور ٹیکس اور جنگی کاتاریوں کی طرح لینا نبی قرظیہ کے مدینہ میں یہودیت ظاہر کرنے اور بتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں حکم لینے کے قائم مقام ہے اور باوجود اس کے مدینہ طیبہ بلاشبہ دارالاسلام تھا پھر بے شک جو شخص ان میں سے کہے کہ میں مسلمان ہوں اور دونوں شہادت کے کلموں کی گواہی دے تو اُس کے مسلمان ہونے کا حکم دیا جائے گا لیکن خلاصہ میں ایک مسئلہ ہے اُس سے آگاہ کر دینا واجب ہے۔

کفار کے قہقہے میں دارالاسلام کے شہریوں کا حکم اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی شہر والے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں اور نماز پڑھتے ہوں اور روزہ رکھتے ہوں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہوں اور باوجود اس کے بتوں کو پوجتے ہوں پس مسلمان اُن پر حملہ کریں اور اُن کو گرفتار کر لائیں اور ان قیدیوں میں سے کسی کو کوئی خریدنا چاہے تو اگر وہ اپنے پادشاہ کے غلام ہونے کا اقرار کرتے ہوں تو خرید لینا جائز ہے اور اگر اپنے پادشاہ کی غلامی کا اقرار نہ کرتے ہوں تو عورتوں اور بچوں کا خریدنا جائز ہے بڑوں کا نہیں۔

قاضی خان اپنے فتاویٰ میں کہتے ہیں یہ اس لیے کہ انہوں نے جبکہ اسلام کا اقرار کیا پھر بت پرستی کی تو وہ مرتد ہو گئے لہذا ان کی عورتوں اور بچوں کا غلام اور لونڈی کر لینا جائز ہے اور بڑوں کا غلام کرنا جائز نہیں ہاں اگر اپنے پادشاہ کی غلامی کے قائل ہوں تو اب ان کا غلام بنانا بھی جائز ہے پس جب قید کرنے والا ان کا مالک ہو گیا تو اُس کا اُن کو بیچنا بھی جائز ہے۔

ساتویں صدی کا قحط اور ساتویں صدی میں قحط اور بامصر اور شام کے شہروں میں بہت ہوئی اس قدر کہ گدھے اور بچر اور کتے کھائے گئے۔

آٹھویں صدی میں تیمور لنگ کا فتنہ | اور آٹھویں صدی میں تیمور لنگ کا فتنہ ہوا۔
 نویں صدی میں سلطان سلیم خاں کا فتنہ ہوا | اسی نویں صدی تو علامہ ناصری روکتے ہیں کہ مجھ نہ
 کچھ شک ہے اور نہ مجھ کو کچھ شبہ ہے کہ نویں صدی کا فتنہ سلطان سلیم خاں کا فتنہ ہے اور
 اپنے بھائیوں سے اُس کی لڑائیاں اور اُن کا اور اُن کی اولاد کا قتل کرنا پھر صاحب الشرف سے
 اُس کی لڑائیاں اور اُس کی توت کا توڑنا اور مار ڈالنا اور اُس کا ملک چھین لینا پھر مصر کے لشکر سے
 مقابلہ کرنا اور وہاں کے سلطان کو اور بڑے بڑے امیروں کو قتل کرنا پھر مصر میں جا کر وہاں کے
 باشندوں کے ساتھ اُس نے افعال جو جو کئے۔

دسویں صدی کے فتنے | اور دسویں صدی میں بہت سے فتنے لگاتار ہوئے جو آج تک ختم نہیں
 ہوئے یہاں تک کہ اہل اسلام ایک دوسرے کے ساتھ ایک کے دوسرے کو قتل کرنے میں کفار کا
 معاملہ کرتے ہیں حالانکہ حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ
 نہ ہو جاؤ تم میرے بعد کافر کہ بعضے بعضوں کی گردنیں مارنے لگو یعنی یہ کفار کا چلن ہے کہ ایک
 دوسرے کو قتل کرے سوائے مومنوں تم ایک دوسرے کے قتل کرنے میں اُن کے مشابہ نہ ہو
 اور تمہارے افعال مسلمانوں کی گردنیں مارنے میں اُن کے افعال سے مشابہ نہ ہوں۔

مسلمان قاتل و مقتول کا حکم | اور ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان
 مقابل ہوں پھر کوئی اُن میں سے اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے اندر کھڑے
 ہیں پس جب ایک اپنے یار کو قتل کر دے گا تو دونوں دوزخ میں جائیں گے قاتل تو اپنے فعل کی
 وجہ سے اُس میں جائے گا اور مقتول اپنے بھائی کے قتل کی کوشش کی وجہ سے اس میں جائے گا
 جیسا کہ یہی جواب نبی علیہ السلام نے ایک اور حدیث میں دیا ہے اُس کو بھی ابو بکرؓ ہی نے روایت
 کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں
 جہنمی ہیں ابو بکرؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قاتل تو قاتل ہے لیکن مقتول کا کیا قصور
 ہے فرمایا یہ بھی اپنے بھائی کے قتل کرنے پر حریص تھا۔

فتنوں کا دور اور فتنوں کی صورتیں | اور ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا
 اُن فتنوں سے پہلے ہی اعمال جلدی سے کر لو جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے صبح کو
 آدمی مسلمان ہو گا اور شام کو کافر۔ اور شام کو مسلمان ہو گا اور صبح کو کافر اپنا دین اسباب دنیا کے عوض
 بیچ ڈالے گا۔

پس گو یا نبی علیہ السلام نے فرمایا عنقریب ایسے فتنے آئیں گے جیسے اندھیری رات کہ کوئی
 اُس سے مخلصی کا طریقہ نہ معلوم کر سکے گا اور اُس میں صاحب وظیفہ کو وظیفوں اور اوقات کی غفلت

کی قدرت رسیدگی لہذا نیک اعمال جلد ہی سے کر لو اس سے پہلے کہ تم پر فتنے آجائیں اس لیے کہ فتنے آجانے کے وقت دو حال سے خالی نہیں یا تو مؤمنین کی دو جماعتیں بڑھیں گی اور ہر ایک دوسرے کے خون اور مال کو سلال سمجھے گا پس اس عقیدے سے کافر ہو جائے گا اور یا یہ کہ فاسق لوگ غالب ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی خونریزی کریں گے اور ناحق اُن کے مال چھین لیں گے اور زنا کریں گے اور شراب پیں گے اور ریشم پہنیں گے اور یہ اعتقاد کریں گے کہ ہم حق پر ہیں اور بعض بڑے علماء اُن کے افعال کے جواز کا فتوے دیں گے۔

اور بسا اوقات چور کو اس خیال سے قتل کریں گے اور سولی چڑھائیں گے کہ اُس کو قتل کرنا اور سولی دینا جائز ہے اور اس اعتقاد سے کافر ہو جائیں گے اس لیے کہ چور کی حد قتل اور سولی نہیں ہے بلکہ چور کی حد ہاتھ کاٹنا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمْ اَمَّا وَاَنْتُمْ فَاَنْتُمْ دُونَ ذٰلِكَ

اور یہ اسی بات کا ظہور ہے جو عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ علم یوں نہیں اٹھائے گا کہ آدمیوں کے دل میں سے نکال لے بلکہ علماء کو اٹھا کر علم کو اٹھالے گا ہاتھ تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلون کو سردار بنائیں گے پس اُن سے سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم فتوے دیں گے پس آپ بھی گمراہ ہوں گے اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں میں سے اس طرح نہ اٹھالے گا کہ علماء کے سینوں سے بھلا دے اور اُن کے اندر سے آسمان پر لے جائے کیونکہ یہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جائز ہے لیکن یہ حدیث ایسا نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے بلکہ یقین ہو گا کہ اللہ تعالیٰ علماء کی رو میں قبضہ کر کے علم کو اٹھالے گا اور جب اللہ تعالیٰ علماء کی روح قبضہ کرے گا اور کوئی عالم نہ چھوڑے گا تو جاہل باقی رہ جائیں گے پس لوگ اُن ہی کو علماء کی صورت ہونے کی وجہ سے قاضی اور مفتی بنائیں گے پھر اُن کا قاضی بدون علم کے فیصلہ کرے گا اور اُن کا مفتی بغیر علم کے فتویٰ دے گا پس خود گمراہ ہونے والے اور اوروں کو گمراہ کرنے والے نہیں گے۔

ذمیری کہتے ہیں کہ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ علم کا اٹھا جانے سے جو اور مطلق حدیثوں میں آیا ہے عالموں کے سینوں سے مٹ جانا مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عالم سب مر جائیں گے اور لوگ جاہلون کو سردار بنائیں گے وہ اپنی جہالت سے حکم دیں گے اور اپنی حماقت سے فتوے دیں گے لہذا خود بھی اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اور قرطبی نے کہا ہے کہ حدیث کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھالے گا اور

جاہل باقی رہ جائیں گے جو علماء کی تعلیم اور فتوے کی جگہ اپنے آپ ایک دوسرے کو لیں دیں گے پس بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور بغیر علم کے سکھائیں گے اور تھیل پھیل جائے گا۔

اور لے شک یہ ظاہر ہو چکا اور نبی علیہ السلام نے جو خبر دی تھی پائی جا چکی علم و عمل اٹھائے جائیں گے کی پیشین گوئی پوری ہو چکی اور یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک دلیل ہے

پس یہ بھی آپ کی نبوت کی ایک دلیل ہے خاص کر اس زمانہ میں ہاں اتنی بات سے کہ ترند میں ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اٹھایا جائیگی وہ عمل ہو گا۔ چنانچہ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس آپ نے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھائی پھر فرمایا یہ وہ وقت ہے کہ جس میں لوگوں سے علم چھین لیا جائے گا یہاں تک کہ علم میں کچھ قدرت نہ رہے گی، پس زیاد بن لبید انصاری نے عرض کیا علم ہم سے کیونکر چھین لیا جائے گا حالانکہ ہم قرآن پڑھتے ہیں اور یقیناً ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو پڑھائیں گے پس نبی علیہ السلام نے فرمایا اے زیاد تیری ماں تجھ پر روئے یہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے پاس ہے پھر ان کو کیا فائدہ ہوتا ہے۔

اور اس حدیث کے ظاہری معنی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو چیز اٹھ جائے گی وہ عمل ہے خود علم نہیں برخلات اُس کے جو پہلی حدیث سے ظاہر ہوا کہ وہ علم اٹھ جانے میں صاف ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں ان دونوں میں کچھ اختلاف نہیں کیونکہ جب علماء کے مرنے سے علم جاتا رہے گا تو ان کے بعد جاہل رہیں گے اور جہالت سے فتویٰ دیں گے اور اسی پر عمل ہو گا پس علم اور عمل دونوں جاتے رہیں گے اور اگر یہ قرآن اور کتابیں لوگوں کے ہاتھ میں ہوں گی جیسے کہ یہود اور نصاریٰ ایسے ہی تھے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے زیاد سے فرمایا تجھ کو تیری ماں پر روئے یہ توریت اور انجیل یہود اور نصاریٰ کے پاس ہیں پس اُن کو کیا فائدہ ہے کیونکہ ان کے علماء جب گذر چکے تو اُن کے بعد جاہل آئے اور انہوں نے کتاب کی مخالفت کی اور اُس کو بدل ڈالا پس معنی سے ناواقف رہ گئے اور جہل پر عمل کیا اور بغیر علم کے فتویٰ دیا لہذا علم اور عمل دونوں جاتے رہے اور صرف کتابیں ان کے پاس رہ گئیں جن سے اُن کو کچھ فائدہ نہیں۔

ہم پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے موافق عمل کرنا آسان فرمائے۔

چوراسویں مجلس سلام کے طریقہ اور جو پہلے سلام کرے اس کے افضل ہونے کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اولی الناس باللہ تعالیٰ من بدأ بالسلامہ لوگوں
میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔
یہ حدیث مصابیح کی سن حدیثوں میں سے ہے اس کو ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور معنی
اس کے یہ ہیں کہ لوگوں میں سب سے زیادہ رحمت الہی کا مستحق اور سب سے زیادہ رحمت سے
قریب وہ ہے جو سلام پہلے کرے۔

سلام پہلے کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے اور ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام
کرنا جواب دینے سے افضل ہے اور اسی طرف بعض علماء گئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جواب
دینا افضل ہے کیونکہ جواب فرض ہے اور ابتداء سلام کرنا سنت ہے لہذا فرض کا ثواب سنت سے
زیادہ ہے اور اس کی فرضیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا
بِحَسَنٍ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا اور جب دعا دے جاؤ سلام سے تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہ
ہی الٹ کر کہہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول فَحَيُّوا اور رُدُّوهَا امر ہے ظاہر و جواب ہی سے لہذا جواب
سلام واجب ہوا لیکن سلام پر رحمت یا برکت کا ذکر بڑا دینے اور چھوڑ دینے میں اختیار ہے پس
جو شخص دوسرے کو سلام کرے اور کہے السلام علیک تو دوسرا جواب میں مختار ہے خواہ وعلیک
السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ رحمت اور برکت دونوں بڑھا کر کہے یا صرف وعلیک السلام بغیر
دونوں کے بڑھانے کہے اور اتنی مقدار فرض ہے اور اس سے زیادہ کہنا افضل ہے۔

اور رد سلام سے یہ مراد نہیں ہے کہ یوں کہے تیرا سلام میں نے تجھ پر پھیر دیا بلکہ سلام کے
برابر جواب دینا مراد ہے۔

سلام کا صحیح طریقہ | کیونکہ جب کسی کو سلام کرے تو کم سے کم مقدار جس سے سلام کی سنت ادا
ہو جاتی ہے یہ ہے کہ السلام علیک الف لام کے ساتھ کہے اور اگر سلام علیک بدون الف لام
کہے بلکہ میم کی تنوین کے ساتھ کہے تو بھی درست کیونکہ ایک دوسرے کا قائل مقام بن جاتا ہے اور ان دو طریقوں
کے سوا درست نہیں ہے اور سلام نہ ہو گا اور بہتریوں سے کہ ایک شخص پر بھی سلام کرنے میں السلام علیکم
الف لام کے ساتھ یا سلام علیکم بدون حرف تعریف کے بلکہ تنوین کے ساتھ دونوں صورتوں میں ضمیر
جمع کے ساتھ کہے تاکہ اس پر اور اس کے فرشتوں پر بھی سلام ہو جائے اس لیے کہ مسلمان اکیلا کبھی نہیں ہوتا

بلکہ اس کے ساتھ صحیح قول کے مطابق پانچ فرشتے ہوتے ہیں ایک تو دہنی طرف جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک اس کے بائیں طرف جو برائیاں لکھتا ہے اور ایک سامنے جو نیکیوں کی ہدایت کرتا ہے اور ایک اس کے پیچھے جو مکروہات سے بچاتا ہے اور ایک اُس کی پیشانی کے پاس جو درود کو لکھتا ہے جو نبی علیہ السلام پر پڑھے اور اُس کو حضور کے پاس پہنچاتا ہے پس اُن پر بھی سلام میں شامل کرنا چاہیے۔ اپنے گھر جا کر سلام کرنا مستحب ہے اور جو شخص اپنے گھر میں جائے تو مستحب ہے کہ اپنے گھر والوں کو سلام کرے کیونکہ وہ اوروں کی نسبت سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اے بچے جب تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے تو اُن پر سلام کر تجھ پر اور تیرے گھر والوں پر برکت ہوگی۔

کسی سے ملتے وقت سلام کرنے کی اہمیت | اور فتاویٰ قاضی خان میں مذکور ہے کہ جو کوئی کسی شخص کے دروازے پر آئے تو اُس پر واجب ہے کہ سلام سے پہلے اجازت چاہے پھر جب اندر جائے تو پہلے سلام کرے پھر بات چیت کرے اور اگر میدان میں ہو تو پہلے سلام کرے پھر بات کرے اور کسی بزرگ کی حکایت ہے جیسا کہ بستان العارفین میں مذکور ہے کہ اُن کا ایک دوست اُن کے سامنے آیا اور کہا آج کیسے رہے تو اُس سے اُن بزرگ نے کہا افسوس ہے تجھ پر یہ کیا کہا یہ کیوں نہیں کہا السلام علیکم تاکہ تجھ کو دس نیکیاں ملتیں اور میں تجھ کو جواب دیتا تو مجھے دس نیکیاں ملتیں پس جب بس نیکیاں جمع ہو جائیں تو پھر اُس وقت رحمت کے اترنے اور مغفرت کے حاصل ہونے کی امید ہوتی۔

سلام کے لیے جھکنا مکروہ تحریمی ہے | نووی نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے اس کے مخالف کوئی حدیث نہیں آئی اور نہ اس کی مخالفت کی گنجائش ہے اور اس کے اُن کرنے والوں کی کثرت سے بھی فریب میں نہ آنا چاہیے جو کہ عالم اور نیک کہلاتے ہیں کیونکہ پیروی صرف نبی علیہ السلام ہی کی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا اسَلَّمُ الدَّسُولُ فَنَحْنُ ذُو دَا وَمَا نَكَلُّكُمْ عَنْهُ فَاَنْتَهُوْا " اور جو دے تم کو رسول سولے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو" اور ایک اور روایت میں فرمایا فَلَیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یَخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖ اَنْ تَصِیْبَہُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ " چاہیے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُس کے حکم کا کہ پیچھے اُن کو کچھ نہ آئی یا پیچھے اُن کو عذاب سخت"۔

اور فضیل بن عیاض رحمہ نے ایک بات کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت کا راستہ اختیار کر اور چلنے والوں کا کم ہونا تجھ کو کچھ مضر نہیں اور اگر اسی کے راستے سے بچتا رہ اور ہانکین کی کثرت سے دھوکا نہ کھا۔ ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے | رہا مصافحہ سو ملاقات کے وقت سنت ہے جیسا کہ

برادر سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں کوئی دو مسلمان کہ ملیں اور مصافحہ کریں مگر دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی دونوں بچنے جاتے ہیں اور مستحب ہے کہ اس کے ساتھ چہرے پر خوشی اور مغفرت کی دعا ہو جیسا کہ برادر سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا بیشک دو مسلمان جب ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں اور محبت اور خیر خواہی سے جمع ہوتے ہیں تو دونوں کے گناہ دونوں کے درمیان جھڑپڑتے ہیں۔

اور ایک روایت میں سے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان مل کر مصافحہ اور اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مغفرت مانگتے ہیں تو اللہ دونوں کو بخش دیتا ہے۔

اور ایک اور حدیث میں ہے جس کو انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نہیں کوئی ایسے دو شخص جو خدا کے لیے محبت رکھتے ہیں ایک دوسرے کے سامنے آئے پس مصافحہ کریں پھر مجھ پر درود بھیجیں مگر جدا نہیں ہونے پاتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ جو ہو چکے ہیں اور جو آئندہ ہوں گے سب بخش دیتا ہے۔

اور یہ مصافحہ ان میں سلام ہی کا بقیہ ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہارے آپس کے تحیتہ یعنی سلام کا کمال مصافحہ ہے اور تحیتہ سے مراد سلام ہے۔

سلام کے مشروع ہونے کی دلیل اور سلام کی اصل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرِ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْأَلُوا أَهْلَهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

”اے ایمان والو! نہ داخل ہو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوا یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو اس گھر والوں پر یہ بہتر ہے تمہارے لیے“

یعنی اجازت لینا اور سلام کرنا تمہارے لیے اچانک ملے جانے سے بہتر ہے اور زمانہ جاہلیت کا سلام یہ تھا کہ جب کوئی شخص اپنے گھر کے سوا اور کے گھر میں جاتا تو کہتا جیتکہ صباحا و حییتکہ مساءً میں نے تم کو دعا دی تم کو صبح کو اور دعا کی شام کو اور داخل ہو جاتا تو اکثر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ ایک ہی لحاف میں پاتا۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے کہا کیا اپنی ماں سے بھی اجازت لیا کروں آپ نے فرمایا ہاں اس نے عرض کیا اس کے پاس تو میرے سوا اور کوئی خادم نہیں ہے تو کیا جب جایا کروں اجازت لیا کروں آپ نے فرمایا تو اسے پسند کرتا ہے کہ اس کو نگا دیکھ لے اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا تو پس اجازت لے لیا کرو۔

لعلکم تذاکرون اس کلمہ کا متعلق مذکور سے یعنی اس کا متعلق انزل علیکم یاقین لکم ہے اور اس کے ساتھ مل کر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ حکم تم پر اس لیے نازل کیا گیا ہے

یا اس وجہ سے تم سے کہا گیا ہے کہ تم جن باتوں کی تمہیں ضرورت ہے ان کے متعلق نصیحت حاصل کرو اور انہیں سیکھو فان لکم تجددًا وانیہا احدثًا افلا تدرؤنہا حتی یؤذن لکم۔ پھر اگر کوئی اس میں نہ ہو کہ تم کو اجازت دے تو مت گھسو اس میں یہاں تک کہ تم کو اجازت ہو۔ یعنی یہاں تک بٹھرو کہ وہ شخص آجائے جو تم کو اجازت دے کیوں کہ اندر جانے سے ممانعت صرف عیوب پر اطلاع کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بات پر اطلاع ہونے کی وجہ سے بھی ہے جس کو لوگ عادتاً چھپاتے ہیں نیز یہ کہ غیر کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا حرام ہے اور ضرورت کا پیش آنا جیسے آگ لگ جانا یا ڈوبنے لگنا یا اس جگہ خلاف شرع امور کا ہونا وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں وان قیل لکم ان جعوا فاذا جعوا هو اذکی لکم۔ پس اگر تم کو کہا جائے کہ پھر باؤ تو لوٹ آؤ۔ یہی تمہارے لیے پاکیزہ ہے، یعنی پلٹ آنا تمہارے لیے پاکیزہ ہے اور تمہارے دین کو زیادہ مفید ہے۔

پس جو شخص کسی گھر میں جائے تو اس کو چاہیے کہ ان لوگوں کو سلام کرے جو اس میں موجود ہوں۔ پس اگر کوئی وہاں نہ ہو تو اپنے اوپر اس طرح سلام کرے کہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین کہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فاذا دخلتمہم بویؤ تانسلمو علیٰ انفسکم۔ پس جب جاؤ تم گھروں میں تو سلام کرو اپنے اوپر۔ پس یہ آیت ان دونوں باتوں کو چاہتی ہے ایک اہل خانہ کو اگر وہاں موجود ہوں سلام کرنا۔ اور دوم اپنے آپ کو اگر ان میں سے کوئی نہ ہو سلام کرنا۔ سلام کا ضروری جواب اور کم سے کم جس سے سلام کا جواب ادا ہو جاتا ہے وعلیک السلام ہے واؤ عطف کے ساتھ یہاں تک کہ اگر واؤ کو چھوڑ دے گا تو جواب نہ ہوگا اس لیے کہ شریعت میں جواب واؤ ہی کے ساتھ آیا ہے پس اگر اس کو چھوڑ دیا تو صرف علیک السلام کا کچھ اعتبار نہیں اور بدون اس کے فرض ساقط نہ ہوگا۔

کامل سلام اور کامل سلام یہ ہے کہ کہے السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص صرف السلام علیکم کہے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہے اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان کر دیا کہ صرف سلام میں دس نیکیاں ہیں اور اس کے ساتھ رحمت کے ملا لینے میں بیس نیکیاں ہیں اور اس کے ساتھ برکات کے ملا لینے میں تیس نیکیاں ہیں اور یہ انتہائی درجہ ہے کیونکہ یہ تمام قسم کے مفقودوں کو شامل ہے یعنی ضرر سے سلامتی اور منفعت کا پانا اور ان کا ہمیشہ رہنا اور بڑھتا رہنا اور اس سے بڑھانا نہ چاہیے اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ ہر چیز کی ایک انتہا ہے

اور سلام کی انتہا ذکر برکات سے۔

سلام کرنے اور اس کا جواب دینے میں حق سنت پھر جانا چاہیے کہ شخص کسی پر سلام کرے تو حق سنت جب ادا ہو گا کہ اس قدر آواز بلند کرے جس سے دوسرا سن لے اور اگر دوسرے نے اس کو نہ سنا تو حق سلام ادا کرنے والا نہ ہوا لہذا جواب دینا بھی واجب نہیں اس واسطے کہ کسی چیز کے لیے حکم ثابت ہونے میں اس چیز کا جانا شرط ہے پس جب سلام کی خبر نہ ہوئی تو جواب فرض نہیں ایسے ہی جو شخص سلام کا جواب دیتا ہے تو وہ فرضیت جواب کا ادا کرنے والا جب ہی ہو گا کہ آواز اس قدر بلند کرے جس سے سنانا محقق ہو پس اگر سنانا محقق نہ ہوا تو فرضیت جواب ساقط نہ ہوگی کیونکہ جو شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو اس پر جواب فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہوگا۔

ایک جماعت کو سلام کیا گیا تو سب پر جواب دینا فرض ہو گیا اور جس نے ایک جماعت کو سلام کیا تو ان سب پر جواب فرض ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر سب نے جواب چھوڑ دیا تو سب گنہگار ہوں گے اور اگر بعض نے جواب دے دیا تو باقی لوگوں کے ذمہ سے فرض اتر گیا لیکن افضل یہ ہے کہ سب جواب دیں اور اگر ان میں کوئی لڑکا ہو اور اس لڑکے کے سوا کسی نے جواب نہ دیا تو ان سے فرض نہ اترے گا اس لیے کہ لڑکے پر فرض نہیں ہے اور جواب میں شرط ہے کہ فوراً ہو یہاں تک کہ اگر دیر کرے گا تو جواب شمار نہ ہو گا اور اس شخص کو جو کسی ایک شخص کو سلام کرے اور اس کو سلام سنا دے اور اس کے ذمہ جواب شرائط کے موافق لازم آجائے پھر بھی وہ جواب نہ دے یہ مستحب ہے کہ اپنی طرف سے معاف کر دے پس یہ کہے کہ میں نے اس کو اپنا حق سلام کے جواب کا معاف کیا یا میں نے اپنی طرف سے اس کو معاف کیا یا اسی طرح کے اور کلمات پس جب یہ کہہ دے گا تو اس شخص سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔

سلام کرنا سنت کفایہ اور جواب دینا فرض کفایہ ہے اور جب کوئی جماعت کسی گروہ کے پاس آئے تو سب کے لیے مسنون یہ ہے کہ سلام کریں اور سلام کا چھوڑ دینا ان کو مکروہ ہے پس اگر بعضوں نے سلام کر لیا تو باقی لوگوں سے کراہت ساقط ہو جائے گی کیونکہ سلام کرنا سنت کفایہ ہے جیسے کہ جواب دینا فرض کفایہ ہے، چنانچہ زید بن وہب سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی جماعت کسی جماعت پر گزرے اور ایک شخص ان میں سے سلام کرے تو سب کو کافی ہے اور اگر ایک شخص ان میں سے جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔

ایک چھوٹی جماعت کو سلام اور جواب اور جب کوئی شخص کسی ایسی چھوٹی جماعت کے پاس آئے کہ ایک سلام ان سب کو پہنچ سکتا ہو تو ایک ہی سلام ان سب کو کافی ہے اور اگر کسی خاص

شخص کو دوسرا سلام کرے تو یہ مستحب ہے اور جواب میں کافی ہے کہ ایک شخص اُن میں سے جواب دیدے پس اگر ان میں سے کسی نے دوسرا جواب بھی دیا تو یہ مستحب ہے۔
 بڑی جماعت کو سلام کا طریقہ اور اگر بڑی جماعت ہو کہ ایک سلام سب تک نہ پہنچ سکے جیسے جامع مسجد اور بڑی مسجد تو سنت یہ ہے کہ جن سے ملتا جانے اُن کو سلام کرتا جائے اور اس کو جو کوئی سن لے گا یہ اُن سب کا حق سلام اور کرنے والا شمار ہوگا۔

جماعت میں بیٹھنے کے لیے سلام پھر اگر ان لوگوں میں بیٹھنا چاہے تو اُس کے ذمہ ہے اُن بقیہ لوگوں کی سنت سلام ساقط ہو گئی جنہوں نے نہیں سنا ہے اور اگر خود ان لوگوں میں بیٹھنا چاہے جنہوں نے سلام نہیں سنا ہے تو اُس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان پر سلام کرنے کی سنت پہلوں پر سلام کرنے سے ادا ہو گئی کیونکہ یہ سب ایک ہی جماعت سے ہے پس اگر اُس نے اُن کو بھی دوبارہ سلام کر لیا تو یہ مستحب ہے اور دوسری صورت یہ کہ اُن لوگوں کا حق سنت سلام جن تک اس کا سلام نہیں پہنچا ہے باقی ہے۔

سلام کا مستون طریقہ اور مستون یہ ہے کہ سوار پیادہ کو سلام کرے اور چلتا ہوا بیٹھے کو اور چھوڑا ہوا کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو اور اگر اس کے خلاف کیا اور پیادہ نے سوار کو سلام کیا یا بڑی جماعت نے چھوٹی جماعت کو اور بڑے نے چھوٹے کو تو مکروہ نہیں ہے بلکہ اپنے اس حق کا ترک ہوگا کہ دوسرا اس کو سلام کرتا۔

سلام کرنے سے ممانعت کے مواقع اور جو شخص قرآن کی تلاوت کرنے والے پر گزرے تو اُس کو سلام نہ کرنا چاہیے تاکہ تلاوت سے اُس کا دل نہ بٹائے پس اگر اُس نے اُس کو سلام کر لیا تو یعنی کہتے ہیں اُس پر جواب دینا واجب نہیں اور یعنی کہتے ہیں واجب ہے اور اسی کو فقہ ابو اللیث نے اختیار کیا ہے۔

اور جس کا ایسے شخص پر گزرے جو پاخانہ میں ہے اور پاخانہ پھرتا ہے یا پیشاب کرتا ہے تو چاہیے کہ اس حالت میں اُس کو سلام نہ کرے پس اگر اُس کو سلام کر لیا تو امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ وہ شخص دل سے جواب دے زبان سے نہ دے اور ابو یوسف کہتے ہیں نہ دل سے جواب دے نہ زبان سے اور نہ قراعت کے بعد اور امام محمد کہتے ہیں قراعت کے بعد جواب دے۔ اور خطبہ کے وقت کسی کو سلام نہ کرے پس اگر کسی نے خلیفہ کے خطبہ پڑھتے ہوئے سلام کیا تو سننے والے پر جواب واجب نہیں ہے۔

عہد ہونے وقت سلام کا وہی حکم جو ملاقات کے وقت ہے اور جو شخص کسی جماعت میں بیٹھا تھا پھر جانے کے لیے کھڑا ہوا تو سنت یہ ہے کہ اُن کو سلام کرے جیسا کہ ابو ہریرہ سے روایت ہے۔

کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرے پھر جب اٹھنے لگے تو سلام کرے کیونکہ پہلے سلام کو دوسرے سے کچھ فوقیت نہیں۔

امام نووی کہتے ہیں کہ بظاہر یہ حدیث اس بات کو چاہتی ہے کہ اس جماعت پر اس شخص کو جواب دینا واجب ہے جسے سلام کیا ہے اور جدا ہوا ہے۔

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جماعت سے رخصت ہوتے وقت سلام کرنا عادت ہے اور رخصت ہوتے وقت سلام کرنا سلام تو نہیں، دعا ہے جواب دینا مستحب ہے ورنہ سلام تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے نہ رخصت ہوتے وقت۔

اور امام ابو بکر شافعی نے اس بات کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ سلام جیسے ملتے وقت سنت ہے ایسے ہی رخصت ہوتے وقت سنت ہے چنانچہ اس پر حدیث سابقہ دلالت کرتی ہے۔

خط یا قاصد کے ذریعہ سلام کا حکم اور جس نے کوئی خط لکھا اور اس میں کسی کو سلام لکھ دیا یا کسی کو قاصد کی زبانی سلام کھلا بھیجا پس اس شخص کو خط یا زبانی سلام پہنچا تو اس پر فوراً جواب واجب ہے اس لیے کہ غائب کو سلام یا بذریعہ قاصد ہوتا ہے یا بذریعہ خط لہذا اس پر لازم ہے کہ ویسا ہی جواب دے یا اس سے بہتر۔

قاصد کے ذریعہ سلام پہنچنے کے جواب کا طریقہ لیکن جاننا چاہیے کہ جس نے ایک کو دوسرے کا سلام پہنچایا تو پہلے کو لازم ہے کہ دونوں کو سلام کا جواب دے اور یوں کہے علیک وعلیہ السلام جیسا کہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا باپ آپ کو سلام کہتا ہے سو نبی علیہ السلام نے فرمایا علیک وعلیٰ ابیک السلام۔ تجھ پر اور تیرے باپ پر سلام۔

کثرت سلام مستحب ہے اور جس نے کسی کو سلام کیا پھر اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی یا دوبارہ دیکھا تو مستحب ہے کہ اس کو دوبارہ سلام کرنے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مسجد میں تشریف لاتے تو اپنے اصحاب کو سلام کرتے پھر جب منبر پر چڑھتے اور ان کی طرف متوجہ ہوتے تو دوبارہ سلام کرتے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی تم میں سے اٹھے بھائی سے ملے تو سلام کرے پھر اگر ان دونوں کے درمیان میں رخصت یا دیوار یا پتھر مائل ہو جائے اور پھر ملے تو پھر سلام کرے اور رسول اللہ علیہ السلام کے اصحاب جب راستہ چلتے اور ان کے آگے کوئی درخت آجاتا تو اس سے گزر کر آپس میں سلام کیا کرتے۔

دو شخص بیک وقت سلام کریں تو دونوں پر جواب دینا واجب ہے اور جب دو شخص ملیں اور دونوں میں سے ہر ایک وقت یا بترتیب سلام علیکم کہے تو علماء کا مقولہ ہے کہ ہر ایک کو دوسرے کو

سلام کیا اور یہ جواب کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ ہر ایک کو جواب دینا واجب ہے اور جیسا کہ نووی نے بیان کیا ہے ٹھیک یہ ہے کہ ایک کا سلام اگر دوسرے کے سلام کے بعد ہو تو جواب ہوگا اس لیے کہ اس لفظ میں جواب کی صلاحیت سے ورنہ نہیں۔

زندوں کو مردوں والا سلام کرنے کی ممانعت اور جو شخص کسی سے ملا اور پہلے ہی کہا علیکم السلام تو یہ سلام نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ جواب کا مستحق نہیں کیونکہ یہ لفظ شریع میں جواب کے واسطے مقرر ہے ابتداً سلام کے واسطے نہیں لہذا زندوں پر سلام کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ یہ مردوں کا سلام ہے جیسا کہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا علیکم السلام یا رسول اللہ پس نبی علیہ السلام نے فرمایا علیکم السلام نہ کہو علیکم السلام مردوں کا سلام ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ یہ لفظ ایسا نہیں ہے جس سے زندوں کو سلام کیا جائے بلکہ اس سے مردوں پر سلام کرتے ہیں کیونکہ زندوں کے واسطے شریعت نے سلام کی اور عبارت مقرر کی ہے اور جواب کے واسطے اور عبارت لہذا جو لفظ جواب کے واسطے مقرر ہوا ہے اس کو سلام کی جگہ استعمال کرنا اچھا نہیں۔

مردوں کو دونوں طرح سلام جائز ہے اور مردوں کے ذمہ چونکہ جواب نہیں ہوتا لہذا ان کے حق میں دونوں لفظوں سے سلام برابر ہے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام قبر والوں پر اپنے اس لفظ سے سلام کرتے تھے کہ السلام علیکم دیا رقوم مومنین۔

بہرے کو سلام کرنے اور سلام کا جواب دینے کا طریقہ اور جو شخص بہرے کو سلام کرے تو اس کو مستحب ہے کہ زبان سے سلام کرے کیونکہ یہ اس پر قادر ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ وہ سمجھ سکے اور جواب کا مستحق بنے اور اگر دونوں جمع کرے سلام نہ کرے گا تو جواب کا مستحق نہ ہوگا اور اگر بہرہ اس کو سلام کرے اور یہ اس کو جواب دینا چاہے تو لازم ہے کہ زبان سے جواب ہے کیونکہ یہ اس پر قدرت رکھتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کر دے تاکہ وہ سمجھ جائے اور اس کے ذمہ سے جواب آجائے گوئیے کو سلام اور جواب اور اگر گوئیے کو سلام کیا اور اس کو گوئیے نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ یہ اس پر قادر ہے اور ہاتھ سے اشارہ کرے تاکہ وہ سمجھ سکے اور جواب کا مستحق بنے اور اگر دونوں جمع کرے سلام نہ کرے گا تو جواب کا مستحق نہ ہوگا اور اگر بہرہ اس کو سلام کرے اور یہ اس کو جواب دینا چاہے تو لازم ہے کہ زبان سے جواب ہے کیونکہ یہ اس پر قدرت رکھتا ہے اور ہاتھ سے اشارہ کر دے تاکہ وہ سمجھ جائے اور اس کے ذمہ سے جواب آجائے گوئیے کو سلام اور جواب اور اگر گوئیے کو سلام کیا اور اس کو گوئیے نے ہاتھ سے اشارہ کر دیا تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس کا اشارہ بولنے ہی کے قائم مقام ہے اور گوئیے کو

اشارہ سے سلام کرے تو وہ جواب کا مستحق ہے۔

عورتوں کے آپس میں اور مردوں کے ساتھ سلام اور اس کے جواب کا مسئلہ اور عورتیں آپس میں سلام کے بارے میں مردوں ہی کی طرح ہیں لیکن مرد جب کسی عورت کو سلام کرے تو اگر وہ عورت اس کی بیوی یا لونڈی یا اس کی محرم ہو جب تو اس عورت پر جواب دینا ضروری ہے اور اگر اجنبی سے اور جوان تو اس عورت کو جواب دینا جائز نہیں اور اس مرد کا سلام اس پر بجا ہے ایسے ہی عورت اگر کسی مرد کو سلام کرے تو اگر وہ عورت اس کی بیوی یا لونڈی یا اس کی محرم یا ایسی بوڑھی ہو جس سے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے تو مرد پر جواب دینا فرض ہے اور اگر جوان ہے جس کی طرف نفس مائل ہوتا ہو تو جواب دینا مکروہ ہے اور اس مرد پر عورت کا سلام کرنا بجا ہے۔

تابالغ لڑکوں کو سلام کرنا سنت اور جواب دینا واجب ہے اور رے نابالغ لڑکے پس سنت یہ ہے کہ ان پر سلام کرے اس لیے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ چند لڑکوں کے پاس سے گذرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ نبی علیہ السلام بھی کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ کچھ لڑکوں کے پاس سے گذرے تو آپ نے ان کو سلام کیا اور اگر کوئی لڑکا کسی بالغ کو سلام کرے تو صحیح یہ ہے کہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول ہے **وَإِذَا حِيلْتُم بِتِحْيَةٍ فَاُخِيَا بِأَخْنٍ مِنْهَا** کہ جب دعا دے جاؤ سلام سے تو تم اس سے بہتر جواب دو۔ بدعتی وغیرہ کو سلام کی ممانعت اور رے بدعتی لوگ اور وہ جس نے کیوں گناہ کیا ہو اور اس سے توبہ نہ کی ہو تو چاہیے کہ نہ ان کو سلام کرے اور نہ ان کے سلام کا جواب دے۔

شطرنج کھیلنے والے کو سلام کا مسئلہ اور بازی رے نے کہا ہے کہ شطرنج کھیلنے والے کو امام صاحب کے نزدیک سلام کرے تاکہ تھوڑی دیر اس کو شطرنج سے جدار کھے اور صاحبین رے کے نزدیک ایسا نہ کرے اس لیے کہ کھلے خزانے اپنے اعتقاد کے فسق کو ظاہر کرنے والا اگرچہ مجتہد ہو عزت کا مستحق نہیں ہے ظالم کو سلام کرنے کا طریقہ اور نووی نے کہا ہے جو شخص ظالموں کو جب ان کے پاس جائے سلام کرنے پر مجبور ہو اور یہ ڈر ہو کہ سلام نہ کرے گا تو میرے دین یا دنیا کا کچھ نقصان ہو جائے گا تو ان کو سلام کرے اور یہ نیت رکھے کہ سلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے تاکہ یہ معنی ہو جائے کہ اللہ تم پر نیک بیان ہے لہذا تم جس کے مستحق ہو وہ سزا دے گا۔

ذمی کافر کو سلام کا مسئلہ اور رے ذمی کافر لوگ پس مسلمان کو ان کو پہلے سلام کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ ابو مریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کیا کرو۔ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے یہ جب سے کہ مسلمان کی اس سے کوئی غرض نہ ہو اور اگر کوئی غرض ہے تو اس کو سلام کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

معلوم نہ ہونے کے سبب کافر کو سلام کرنے کا مسئلہ اور جس نے کسی ایسے شخص کو سلام کیا جس کو
پہچانتا نہ تھا پھر ظاہر ہوا کہ وہ کافر ہے تو مستحب یہ ہے کہ اس سے اپنا سلام پھیر لے پس یوں کہے
کہ میرا سلام مجھ کو واپس کر دے کیونکہ روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو سلام کیا
پس کسی نے کہا کہ یہ تو یہودی ہے تو آپ اس کے پیچھے گئے اور فرمایا کہ میرا سلام مجھ کو پھیر دے۔
ذہبی کے سلام کا جواب دینے کا طریقہ اور اگر کوئی ذہبی مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان کو چاہیے
کہ اس کے جواب میں لفظ علیکم سے زیادہ نہ کہے اس لیے کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر علیہ السلام
نے فرمایا جب اہل کتاب تم کو سلام کریں تو کہو وعلیکم۔

خطابی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ تمام محدثین اس کو اسی طرح وعلیکم واؤ کے ساتھ روایت کرتے
ہیں اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم بلا واؤ کے روایت کرتے ہیں اور یہی ٹھیک ہے اس لیے کہ بغیر واؤ
ہونے کی صورت میں جو کچھ انہوں نے کہا ہے بعینہ ان پر لوٹ جائے گا اور واؤ کے ساتھ کہنے
میں ان کے ساتھ شرکت ہو جائے گی اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس میں شمول ہو جائے گا اس
لیے کہ واو حرف عطف دو چیزوں کو جمع کرتا ہے۔

اور نووی رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ اہل کتاب کو جواب دینا لازم ہونے پر سب علماء متفق ہیں لیکن
سلام کا لفظ نہ کہے بلکہ بنیر اس کے وعلیکم واؤ کے ساتھ یا علیکم بغیر واؤ کے کہے اس لیے کہ حدیثیں
واؤ کے ساتھ اور بدون واؤ کے دونوں طرح آئی ہیں اور واؤ کا قائم رکھنا زیادہ ثابت ہے تو اب
اس کے معنی کی تاویل میں دو صورتیں ہیں ایک تو واؤ کا عطف اور شرکت کے لیے ہونا کیونکہ وہ
لوگ مسلمانوں کو السلام علیکم کہا کرتے تھے اور سلام کے معنی موت کے ہیں تو معنی یہ ہونے کہ ہم
اور تم اس میں برابر ہیں سب ہی امریں گے اور دوسرے واؤ کا استیناف کے لیے ہونا عطف
اور شرکت کے لیے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہم بھی تم کو وہی کہتے ہیں جو تم نے کہا ہے یا جس کے تم
مستحق ہو یا جو تم ہمارے لیے چاہتے ہو۔

اور بعض علماء کا قول ہے کہ اگر ان کی طرف سے ہم پر بددعا کا اشارہ نہ ہو تو ان کے جواب میں
واؤ کا قائم رکھنا ان کے لیے سلام کی دعا ہوگی کیونکہ دونوں جہان میں سلامتی اسی بات پر موقوف ہے۔
پچاسویں مجلس اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ

دینے کے بیان میں

مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے کی ممانعت | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا ہے کہ لایحیل لرجل ان یجھرا خاہ فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرضن هذا ویعرضن هذا وخیر
 هما الذی یبدا بالسلام "کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین رات سے زیادہ
 چھوڑ دے کہ دونوں ملتے ہیں تو یہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور وہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور ان دونوں میں
 سے اچھا وہ ہے جو پہلے سلام کرے"

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے
 اور یہ اپنے صریح معنی کے لحاظ سے مسلمان کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دینے کے حرام ہونے پر دلالت
 کرتی ہے اور تین دن تک چھوڑنے کے جائز ہونے پر اپنے مفہوم سے دلالت کرتی ہے نہ صریح معنی سے
 پس جو شخص مفہوم کو حجت مانتا ہے اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ چونکہ عفتہ اور بدخلقی انسان کی
 پیدائشی بات ہے لہذا تین دن کی اجازت کم مقدار ہونے کی وجہ سے دے دی گئی تاکہ اس کا
 عفتہ اتر جائے اور اس سے زیادہ کی اجازت زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں دی گئی۔

پس نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ ملتے ہیں تو یہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے اور وہ اپنا منہ پھیر لیتا ہے
 یہ چھوڑ دینے کی کیفیت کا بیان ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ دونوں میں سے اچھا وہ ہے جو پہلے
 سلام کرے یہ جدائی کے ترک پر ابھارتا ہے کیونکہ مجبور کے مذہب کے موافق سلام سے جدائی
 جاتی رہتی ہے۔

بھائی سے مراد دینی بھائی ہے اور لفظ بھائی کا خاص طور سے ذکر کرنا ترک حیران کی علت بیان
 کرتا ہے اور بھائی سے مراد دین کا بھائی ہے قرابت کا نہیں جس کی دلیل دوسری حدیث میں نبی علیہ السلام
 کا یہ ارشاد ہے کہ مسلمان کو حلال نہیں کہ کسی مسلمان کو تین رات سے زیادہ چھوڑ رکھے پس بے شک یہ دونوں
 اس وقت تک حق سے علیحدہ ہیں جب تک جدائی پر ہیں اور ان میں سے پہلے باز آنے والے کے لیے
 اس کی سبقت ہی کفارہ ہو جائے گی۔

صلح کی اہمیت اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا پیر اور جمعرات کے روز جنت
 کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں پس ہر ایک وہ بندہ بخش دیا جاتا ہے جو اللہ کے ساتھ کسی کو
 شریک نہ کرتا ہو سوائے اس شخص کے کہ اس میں اور اس کے بھائی میں عداوت ہو پس ارشاد ہوتا ہے
 ان دونوں کو رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کر لیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا لوگوں کے اعمال ہر جمعہ یعنی ہفتہ میں دو بار
 پیش کئے جاتے ہیں پیر کے دن اور جمعرات کے دن پس ہر بندہ مومن بخش دیا جاتا ہے مگر وہ بندہ کہ
 اس کے احساس کے بھائی کے درمیان رنج ہو پس ارشاد ہوتا ہے ان کو رہنے دو یہاں تک کہ
 رنج رفع کر لیں اور جمعہ سے ہفتہ اس دلیل سے مراد ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کی تفصیل پیر اور جمعرات کے

دن سے اس طریقہ پر کی ہے جیسے کسی چیز کا آخری جز بیان کیا جائے اور کل شئی مراد ہو۔ اور دشمنی کے معنی دشمنی کے ہیں اور حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کی بخشش کو چھوڑ دو یہاں تک کہ یہ دونوں دشمنی سے دوستی کی طرف لوٹیں کیونکہ دینی بھائی ہونا دوستی کو مقتضی ہے اور عداوت کے منافی ہے کیونکہ سب مومن اس لحاظ سے بھائی بھائی ہیں کہ وہ سب ایک اصل کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور وہ باپ ہے جو حیات قانی کا سبب ہے۔ دین کی بھائی بندی نسلی بھائی بندی سے قوی ہے پس دین کی بھائی بندی نسب کی بھائی بندی سے زیادہ قوی ہے اس لیے کہ نسب کی بھائی بندی جب دینی بھائی بندی سے خالی ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ مسلمان اگر مر جائے اور اس کا بھائی کافر موجود ہو تو اس مسلمان کا مال مسلمانوں کو ملے گا کافر بھائی کو نہ ملے گا۔

پس اس بنا پر مسلمان پر واجب ہے کہ ان ہاتھوں کو چھوڑ دے جو اس دینی بھائی ہونے کے منافی ہیں جو دوستی کو واجب اور دشمنی کو دور کرتی ہیں جیسا کہ۔

دینی بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنے والا دوزخ میں جائے گا | ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے اور جو تین دن سے زیادہ چھوڑے رہا پھر وہ مر گیا تو دوزخ میں جائے گا یعنی وہ اس کا مستحق ہے کہ دوزخ میں جائے کیونکہ گنہگاری کی حالت میں بغیر توبہ کے مرے اور اس طرح مرنا دوزخی ہونے کو چاہتا ہے۔

دینی سبب سے چھوڑ دینا واجب ہے | اور یہ سبب ہے کہ چھوڑ دینا کسی دنیاوی سبب سے ہو جیسے ہم جلیسی اور آپس کے تعلقات کے حقوق میں کوتاہی کرنا لیکن اگر دینی حق یعنی فسق اور گناہ کی وجہ سے ہو تو تین دن سے زیادہ بھی جائز ہے کیونکہ گنہگاروں کا اس وقت تک کے لیے چھوڑ دینا کہ وہ گناہ چھوڑ دیں جائز ہے اور ان کی توبہ ظاہر ہو جائے کیونکہ یہ بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ «تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور اس کے رسول پر یعنی قیامت پر کہ دوستی کرتے ہوں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے ہوں یا ان کے بھائی ہوں ان کے بھائی بھائی ہوں یا ان کے چھوڑ دینے سے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ جو لوگ گناہ اور برائیاں کرتے ہوں ان کا چھوڑ دینا واجب ہے اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں خاص کر ایسے لوگوں کو جو غیروں پر ظلم اور خدا کی نافرمانی

کرتے ہوں کیونکہ ایسے شخص سے اعراض نہ کرنا اُس پر احسان کرنا ہے اور ایسے پر احسان کرنا اچھا نہیں ہے کیونکہ اس پر احسان کرنا مظلوم کے ساتھ بدی کرنا ہے اور مظلوم کے حق کی رعایت کرنا اولیٰ ہے اور اُس کے دل کو ظالم سے اعراض کر کے قوی کرنا ظالم کا دل قوی کرنے کے بہ نسبت اللہ کو زیادہ پسند ہے اور خود نبی علیہ السلام نے ان تین شخصوں کو چھوڑ دیا تھا جو جنگ تہوک سے پیٹھ رہے تھے اور ان سے پچاس دن تک نہیں بولے تھے اور لوگوں سے بھی ان کو چھوڑ دینے کو فرما دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کی آیت نازل فرمائی۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے جب صفیہ کا اونٹ بیمار ہو گیا تو زینب سے فرمایا تو اُس کو اونٹ دیدے اور ان کے پاس اونٹ زیادہ تھے پس زینب نے کہا میں اُس بیوہ کو دوں گی؟ پس نبی علیہ السلام عفتہ ہو گئے اور ان کو تمام ذی الحجہ اور محرم اور چند روز سفر میں چھوڑے رکھا۔

چھوڑ دینے کی زیادہ سے زیادہ مدت جو بزرگوں سے ثابت ہے [علماء کہتے ہیں کہ اس سے زیادہ مدت ترک حدیث میں نہیں ملتی لیکن اگلے بزرگوں سے کسی دینی بڑائی پر اپنے مسلمان بھائی کو ایک برس اور دو برس چھوڑ دینا بھی پایا گیا ہے اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنے ملاقاتی کو ایسی حالت میں تمام عمر کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے آپ کو اس بارہ میں جب تک وہ شخص جس کو چھوڑ دیا ہے اپنی حرکتوں سے باز نہ آگیا بے قصور جانتے تھے۔

اور امام احمد رو بھی انہیں لوگوں میں سے ہیں جو گناہ کرنے والوں اور بُرے افعال کرنے والوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے ایک ہم جلیس کو جو ان سے پڑھتا تھا چھوڑ دیا تھا اور وہ آتا جاتا تھا لیکن آپ اُس سے بات نہ کرتے تھے پس وہ ہمیشہ اپنے اس تغیر حال کو پوچھتا رہتا اور آپ کچھ نہ کہتے آخر ایک روز فرمایا کہ مجھ کو خبر نہی ہے کہ تو نے اپنے گھر کی دیوار شارع عام کی طرف پھینکی ہے سو تو نے گارے کی موٹائی کے برابر مسلمانوں کے شارع عام سے لے لی ہے لہذا تو علم سیکھنے کے لائق نہیں ہے۔

اور ابن عمر نے اپنے ایک بیٹے کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

دین کے لیے چھوڑ دینے کی اصل وجہ اور اس کی اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی بری بات پر مطلع ہو اور اپنے ہاتھ اور زبان سے منع کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور بیزاری کے علامات ظاہر کر سکتا ہو تو اُس کو یہی لازم ہے اس لیے کہ مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ کسی کو بُری بات پر قرابت یا دوستی اور محبت کی وجہ سے رہنے دے کیونکہ اس کی دوستی اور محبت تو یہ بات واجب کرتی ہے کہ اُس کو نظرِ رحمت سے دیکھے اور بُرائی پر اُس کی پیش قدمی کو اپنے اوپر مصیبت سمجھے اور اُس کے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے منہ موم اور رنجیدہ ہو اور منع کر کے اُس سے اُس کے بچانے کا قصد

کرے اس لیے کہ انکار نہ کرنا اور کچھ نہ بولنا اس پر رحمت کا مقتضا نہیں بلکہ اُس کے حق میں کمال رحمت ایسے کام سے منع کرنا اور طریق درست اور راہ راست پر اس کو لانا ہی ہے ورنہ اُس کی یہ دوستی قیامت کے دن دشمنی بن جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے **أَلَا خَلَدًا يَوْمَ يُؤْتِيذُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوًّا إِلَّا الْمُتَّقِينَ** ”دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی لوگ“ کیونکہ خود غیر متقی دوست اُس دن کسے گا خرابی ہو میری کاش میں فلا نے کو دوست نہ بناتا کاش میرے اور اس کے درمیان مشرق مغرب کے برابر دوری ہوتی۔

آدمی کا حقیقی دوست اور دشمن | پس آدمی کا دوست وہ ہے جو اُس کی آخرت کی درستی میں کوشش کرے اگرچہ اس میں اُس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اُس کا دشمن وہ ہے جو اُس کی آخرت کے نقصان میں کوشش کرے۔ اگرچہ اس میں اُس کی دنیا کا فائدہ ہو اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** ”مدد کرو آپس میں نیک کام اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو گناہ اور زیادتی پر“

برائی سے نہ روکنے والے کا آخرت میں انجام | اور اس میں شک نہیں کہ جس نے کسی اپنے مسلمان بھائی کو بڑے کام پر دیکھا اور اس سے اُس کو منع نہ کیا تو بے شک اس کو اُس بُرائی پر چھوڑ دینے اور اس پر اعتراض نہ کرنے سے اس کی اس بُرائی میں امداد کی اور البہرہ یہ ہے کہ روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی دوسرے آدمی کا دامن گیر ہو گا اور وہ اُس کو پہچانتا نہ ہو گا تو وہ اُس سے کہے گا تجھے کیا ہوا کہ مجھ سے اُلجھتا ہے میں نے تو تجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں تو وہ کہے گا ہاں تو نے بے شک مجھ کو ایک دن بڑے کام پر دیکھا تھا اور اصلاح نہیں کی تھی۔

اور ابن عمر سے روایت ہے کہ ایک آدمی کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہو گا اور اُس کے ہم نشینوں کے لیے بھی یہی حکم ہو گا پس وہ لوگ کہیں گے ہماری کیا خطا ہے تو اُن سے کہا جائے گا کیا تم اس کو دا چھے کام کا، حکم کیا کرتے تھے کیا اس کو بُرائی سے منع کیا کرتے تھے تو وہ کہیں گے نہیں پس حکم ہو گا کہ اُس کے ساتھ اُن کو بھی دوزخ میں لے جاؤ اور یہ بڑی مشکل بات ہے اس سے بہت کم بچاؤ ہو سکتا ہے اس لیے کہ اکثر بُرائیاں ہر زمانہ میں ظاہر ہوا کرتی ہیں اور اُن کی اصلاح نہیں کی جاتی ہے بلکہ اُن سے اس لیے سکوت کیا جاتا ہے کہ نفس اُن سے مانوس ہو گئے ہیں۔

مومن کو مومنوں کے ساتھ تعلق رکھنے کا حکم | اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں جس کو ابو سعید نے روایت کیا ہے فرمایا ہے نہ اٹھو بیٹھو مومن کے ساتھ اور نہ کھائے تمہارا کھانا مگر پرہیزگار پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں مومن کو ایسے شخص کے پاس بیٹھنے اور اُس سے ملنے جلنے سے منع فرمادیا ہے جو پرہیزگار نہ ہو کیونکہ صحبت اور میل جول سے دل میں الفت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا | پھر یہ ضروری ہے کہ ویسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے جو ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ آدمی کا حشر اپنے دوست کے دین پر ہوگا لہذا دیکھ بھال لو کہ کس سے دوستی کرتے ہو یعنی جو شخص اپنا حال دریافت کرنا چاہے تو چاہیے کہ اپنے دوست کو دیکھ لے پس اگر اس کا دوست نیک ہو تو وہ بھی نیک ہے اور اگر اس کا دوست فاسق ہو تو وہ بھی فاسق ہے اس لیے کہ طبیعتوں کی پیدائش ہی مشابہت پر اگر لینے اور پیروی کرنے لگ جانے کے مادہ کے ساتھ ہوئی ہے اور ایک طبیعت سے کوئی بات اس طرح چڑھتی ہے کہ آدمی کو خبر بھی نہیں ہوتی اور ممنوعات کو دیکھتے دیکھتے معصیت پر جرات ہو جاتی ہے اور اسکی نفرت دل سے چلی جاتی ہے۔

ایمان کی آخری حد | پس ایسی حالت میں وہ ضعیف ایمان بھی نہیں رہتا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے جس کو ابو سعید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص تم میں سے کسی گناہ کو دیکھے تو چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کر دے اور اگر قدرت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے پس جب اس میں ضعیف ایمان بھی نہ پایا گیا تو پھر کس چیز کے پائے جانے کی امید کی جائے۔

چھپا سوئیں مجلس بدگمانی یعنی عیب جوئی سے ڈرانے کے بیان میں

بدگمانی اور عیب جوئی کی ممانعت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا "بچتے رہو گمان سے کیونکہ گمان بڑی کھوٹ بات ہے اور عیب جوئی نہ کیا کرو"۔

یہ حدیث مسابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس میں گمان سے ڈرانا اور عیب جوئی سے ممانعت ہے۔

گمان کی قسمیں | اور گمان شریعت میں دو قسم کا ہے ایک اچھا اور ایک بُرا اور یہاں اس سے مراد وہی گمان ہے جو مذموم اور بُرا اور دل کی گرہ ہے اور کسی شخص پر بغیر کسی کھلی ہوئی علامت کے جو اس کو مقتضی ہو بڑائی کا حکم کر دینا اور رہے خطرات اور نفس کے وہ خیالات جن کا دفع کرنا ممکن نہیں تو وہ اگر ہم نہ جانیں اور قائم نہ رہیں تو وہ معاف ہیں کیونکہ بندہ کو اسی بات کی تکلیف ہے جو اس کے اختیار میں ہو نہ اس کی جو اس کے اختیار میں نہیں۔

بدگمانی کے معنی اور اس کی قسمیں | اور بدگمانی کے معنی یہ ہیں کہ کسی مومن کے فعل کو باوجودیکہ اس کو اچھی وجہ پر محمول کر سکتے تھے کسی خراب وجہ پر محمول کرنا اور اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جس کا باعث اُس کے حق میں تمہاری بداعتقادی ہو یہاں تک کہ اگر اُس سے کوئی ایسا کام ہو جس کی دو صورتیں ہوں تو اُس سے تمہاری بداعتقادی بغیر کسی ایسی علامت کے جو اس کام کو بُرائی سے خاص کرتی ہو اس کام کو بُری صورت پر محمول کرے گی اور یہ اُس کے دل کا تصور ہے اور یہ ہر مؤمن کے حق میں حرام ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی علامت کی وجہ سے ہو کیونکہ علامت گمان کو بالضرور ایسی حرکت دیتی ہے کہ آدمی اُس کے ہٹانے پر قادر نہیں۔

حسن ظنی اور بدگمانی میں پہچان کا طریقہ اور وہ قاعدہ جس سے اُن گمانوں کی جن سے بچنا واجب ہے ماسوائے پہچان ہو جائے یہ ہے کہ جس گمان کی کوئی صحیح علامت ظاہر نہ ہو اور اس کا کوئی صاف سبب معلوم نہ ہو تو وہ حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے اور یہ اُس وقت سے جبکہ جس کے حق میں بدگمانی کی سے وہ ایسا شخص ہو کہ ظاہر میں اُس کی بہتری اور بھلائی دیکھی گئی ہو پس اُس پر بُرائی اور خرابی کا گمان حرام ہے برخلاف اُس شخص کے جو لوگوں میں شک پیدا کرنے والے کاموں کے کرنے اور کھلم کھلا گناہوں کے کرنے میں مشہور ہو تو اُس کے ساتھ نیک گمان جائز نہیں۔

گمان کی دو حالتیں اور ان کا حکم شرعی | کیونکہ گمان کی دو حالتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ دل میں کوئی بات پیدا ہو اور کسی علامت سے اُس کا علم ہو جائے اور شبہ قوی ہو جائے تو ایسی بات پر حکم لگانا جائز ہے اس لیے کہ شرع کے اکثر احکام گمان غالب ہی پر مبنی ہیں جیسے قیاس اور خبر و ہمد اور اس کے سوا تلف کی ہوئی چیزوں کی قیمتیں اور خطاؤں کا تاوان۔

اور دوسری حالت یہ ہے کہ نفس میں کوئی بات آئے بغیر اس بات پر کسی ثبوت کے کہ یہ پہلو اسکے خلاف اولیٰ ہے پس اس کا حکم لگانا جائز نہیں بلکہ اس سے باری تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے ممانعت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا ۗ اے ایمان والو بچتے رہو بہتر سے گمانوں سے کہ بے شک بعضے گمان گناہ ہیں اور نہ بھید ٹٹولو کسی کا اور نہ غیبت کرو ایک دوسرے کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اول بدگمانی سے ممانعت کی پھر بھید کی ٹوہ لگانے سے پھر غیبت سے کیونکہ اول جو بات انسان کے دل میں آتی ہے وہ بدگمانی ہے پھر اس کی ٹوہ لگانے کی حاجت پڑتی ہے پھر غیبت شروع کرتا ہے۔

بدگمانی کے حرام ہونے کا سبب اور بدگمانی کے حرام کرنے کا سبب یہ ہے کہ آدمی کے بھید اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی کو یہ جائز نہیں کہ کسی غیر کے حق میں برا اعتقاد کرے مگر جب کہ اُس کا حال کسی ایسی طرح سے کھل جائے جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو پس اب اس کو ممکن نہیں کہ اس

بات کا اعتقاد نہ کرے جس کو کسی علامت سے معلوم کیا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے لیکن جب تک کسی علامت سے معلوم نہ کیا ہو اور اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اور اپنے کانوں سے نہ سنا ہو بلکہ بغیر کسی ظاہری سبب اس کے دل میں آیا ہو تو یہ ایسا خطرہ ہے کہ شیطان نے اس کے دل میں ڈالا ہے لہذا اس کو مناسب ہے کہ اس کو تھپلائے کیونکہ شیطان تمام فاسقوں سے بڑھ کر فاسق ہے۔

بدگمانی کا نتیجہ مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ
بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ اے ایمان والو اگر
آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار کوئی خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جانا پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر
ہو جاؤ اپنے کئے پر نادم

اس آیت کی شان نزول میں مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ولید بن عقبہؓ کو صدقات وصول کرنے کے لینے کے لیے بنی مصطلق کے پاس بھیجا تھا پس جب بنی مصطلق نے سنا تو وہ ان کی پیشوائی کے لیے نکلے پس انہوں نے جانا کہ یہ لڑنے آتے ہیں کیونکہ ان میں اور ان میں دشمنی تھی لہذا لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ تو مرتد ہو گئے لہذا نہ کوڑا نہیں دی پس رسول اللہ علیہ السلام نے ان پر جہاد کا قصد کیا تب یہ آیت یہ بتانے کے لیے نازل ہوئی کہ فاسق کی بات پر بھروسہ کرنے سے احتراز واجب ہے کیونکہ جو فسق سے نہیں بچتا جھوٹ سے بھی نہیں بچتا کہ وہ بھی اسی کی ایک قسم ہے بلکہ لوگوں میں فتنہ ڈالنا چاہتا ہے۔

اور اس میں اس بات پر دلالت ہے کہ جو کوئی شخص کوئی کام ناواقفیت سے بے حقیقت حال جانے کر بیٹھے گا وہ بالضرور شرمندہ ہوگا۔ اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہوا اور شرمندگی گذری ہوئی بات پر اس آرزو کے ساتھ کہ کاش یہ بات نہ ہوئی ایک دائمی غم ہے۔

کسی پر تہمت لگانا بدگمانی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ گمان سے جو آیت اور حدیث میں آیا ہے تہمت مراد ہے مثلاً کوئی کسی پر فحش یا شراب خواری یا ایسی ہی کسی اور بات کی تہمت لگانے حالانکہ اس نے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی جو اس کی مقتضی ہو پس بے شک جو شخص گمان سے بغیر پر بھرائی کا حکم لگاتا ہے اس کو شیطان ابھارتا ہے کہ اس کی غیبت اور بہتان میں زبان درازی کرے یا اس کے حقوق کے ادا کرنے میں کوتاہی کرے یا عزت کرنے میں سستی کرے کہ اس کو نظر حقارت سے دیکھے اور اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھے اور یہ سب ہلاک کرنے والی چیزیں ہیں۔

مؤمن کے لیے تہمت سے بچنے کا حکم اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے تہمت کی جگہ جانے سے منع کیا ہے پس فرمایا ہے بچتے رہو تہمت کی جگہ سے یہاں تک کہ خود نبی علیہ السلام اس سے احتراز فرماتے تھے

کیونکہ علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ام المؤمنین) صفیہ بنت حبیبی کہتی ہیں کہ نبی علیہ السلام متکلم تھے پس میں ان کے پاس آئی اور آپ سے باتیں کہیں پھر جب میں وہاں سے لوٹی تو پیغمبر علیہ السلام اٹھ کر میرے ساتھ چلے اتنے میں دو شخص انصار کے آگئے اور سلام کر کے چلے گئے پس نبی علیہ السلام نے ان کو بلایا اور فرمایا یہ صفیہ بنت حبیبی ہیں ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو آپ پر سوائے خیر کے کچھ گمان نہیں ہے آپ نے فرمایا شیطان آدمی کے اندر خون کی طرح پھرتا ہے اور مجھ کو خون ہوا کہ تم پر دخل کرے۔

پس دیکھو نبی علیہ السلام ان کی طرف سے کیسے ڈرے بلکہ تمام امت کی طرف سے اور ان کو تہمت سے بچنے کا طریقہ سکھا دیا تاکہ کوئی عالم جو احوال میں نیکی کے ساتھ مشہور ہوتا سناہل نہ کرے اور اپنی خود بینی سے یہ کہے کہ مجھ جیسے پر سوائے نیکی کے اور کوئی گمان نہیں ہو سکتا مسلمانوں میں جو کوئی سب سے بڑا پر سیزگار اور سب سے بڑا مستحق اور سب سے بڑا عالم ہوتا ہے تو اس کو بھی سب لوگ ایک نظر سے نہیں دیکھتے ہیں بلکہ بعضے اعتقاد کی نگاہ سے اور بعضے ناراضی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

پس اس بیان کے موافق مومن پر تہمت کی جگہ سے اجتراز کرنا واجب ہے تاکہ لوگوں میں برائیوں کے ساتھ بدنام نہ ہو اور اس بات کی دلیل کہ آیت اور حدیث میں گمان معنی ہمت ہے۔

تجسس کی ممانعت | اس کے بعد تجسس کی ممانعت کا آنا ہے کیونکہ آدمی کے دل میں بعضے وقت پہلے تہمت کا خطرہ آتا ہے پھر ٹوہ لگانے کا ارادہ ہوتا ہے تاکہ تہمت کا جو خطرہ پیدا ہوا ہے اس کی تحقیق ہو جائے اس لیے کہ تجسس بدگمانی کا پھل ہے کیونکہ جس کے دل میں کچھ خطرہ آتا ہے تو وہ صرف گمان پر اکتفا نہیں کیا کرتا بلکہ تحقیق کرنا چاہتا ہے لہذا تجسس میں لگ جانا ہے پس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تجسس کی ممانعت کر دی۔

تجسس سے مراد | اور تجسس لوگوں کے عیوب کو تلاش کرنا اور ایسی علامتیں تلاش کرنا ہے جن سے عیوب کا یقین ہو جائے۔

پس اگر کوئی علامت بلا جستجو کے حاصل ہو جائے اور اس سے یقین ہو جائے تو اس پر عمل جائز ہے یہی اس کی جستجو سوائے کی بالکل اجازت نہیں ہے اور عبداللہ بن مبارک سے روایت ہے کہ انہوں نے سہیل کے باپ علی سے کہا کیا تم سہیل سے خوش ہو پس سہیل نے ان سے کہا کیا تم کو اللہ تعالیٰ نے تجسس سے منع نہیں کیا پس عبداللہ نے اپنے دل میں شرمندہ ہو گئے۔

پس ہر وہ بات کہ اگر تم اس کی تفتیش کرو تو تمہارے دوست کو تمہاری آگاہی گراں گذرے اور وہ تم سے اس کو چھپائے پس ہی تجسس ہے۔

ابن جوزی نے کہا ہے کسی کو نہیں پناہیے کہ خیر کے گھر پر پوچھنا کہ شیدہ کان لگائے تاکہ باجوں کی

آواز سننے اور نہ سونگھنے کا قصد کرے تاکہ شراب کی بو پیے اور نہ اُس چیز کو ٹھوٹے جس کو کپڑے سے ڈھانک رکھا ہو کہ وہ کیا ہے نہ پڑوس کی خبر لیتا پھرے کہ اُن پر کیا گزری پس اگر اس میں سے کوئی بات بھی کرے گا تو وہ تجسس کی اور اس آیت کی مذمت میں آجائے گا وَالَّذِينَ يُؤْمِدُونَ الْمُؤْمِنِينَ بِالْمَدِينِ مِمَّا أَوْفَرَتْهُمْ أَسْبَابُ السُّبُورِ وَمِمَّا أُتِيَ النَّبِيَّ الْأَخْيَرُ مِنْ أَجْلِ الْوَالِدِ وَالْذِيئِ وَمِمَّا يَنْتَظِرُونَ الْمَوْتِ الْيَأْسَ وَالْمُؤْمِنِينَ يَدْعُونَ لَهُمْ وَلَهُمْ فِيهَا عَذَابٌ مُعْتَقِدٌ

مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ اُنہوں نے کیا ہو تو اٹھایا انہوں نے بہتان اور صریح گناہ۔ تجسس کا انجام اور ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام منبر پر تشریف لے گئے پھر بلند آواز سے پکار کر فرمایا اے اُن لوگوں کی جماعت جو صرف زبانی مسلمان ہوئے ہیں اور اُن کے دلوں میں ایمان کا اثر نہیں ہوا ہے مسلمانوں کو مت ستاؤ اور نہ عار دلاؤ اور نہ اُن کے پوشیدہ عیب ڈھونڈو بیشک جو اپنے بھائی کے چھپے عیب تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کے چھپے عیب ظاہر کرتا ہے اور اللہ جس کے چھپے عیب گھومتا ہے اُس کو رسوا کر دیتا ہے اگرچہ گھر کے اندر کیا کرے۔

غیبت سے بچنے کا نسخہ اور بعض اگلے لوگوں کا قول ہے جو شخص چاہے کہ غیبت سے بچے تو اپنے اوپر گمان کا دروازہ بند کرے کیونکہ جو گمان سے بچ گیا وہ تجسس سے بچ گیا ہی اور جو تجسس سے بچا غیبت سے بچا اور جو غیبت سے بچا جھوٹ سے بچا اور جھوٹ سے بچا اور جھوٹ سے بچا وہ بہتان سے بچا۔

مسلمان بر بلا سچی شہادت کے بدگمانی کرنا جائز نہیں پس اگر کسی مسلمان سے ایسی علامت ظاہر ہو جائے جو خرابی پر دلالت کرتی ہو تو اس کو دل میں ٹھان لیتا اور اُس کے سبب مسلمان پر بدگمانی کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا خون اور مال اور آبرو اور اُس کے حق میں بدگمانی کرنا حرام کر دیا ہے پس بدگمانی جائز نہیں مگر اسی طرح جس طرح کہ اُس کا مال جائز ہوتا ہے یعنی مشاہدہ سے یا عادل گواہوں سے یقین حاصل ہوا ہو اور اگر تمہارے دل میں بدگمانی کا خطرہ آئے اور تم کو اس کے متعلق یقین حاصل نہیں ہے تو تم کو چاہیے ہے کہ اُس کو دل سے دور کر دو اور اُس کو یوں سمجھاؤ کہ اُس کا حال تم سے پوشیدہ ہے اور جو اُس کی علامت تم نے دیکھی اُس میں نیک اور بد دونوں کا احتمال ہے پس اس پر بُرائی کا کیسے حکم لگاتے ہو۔

ایک عادل آدمی کی شہادت سے بدگمانی کے بارے میں حکم اور اگر کوئی عادل آدمی اس کی خبر دے اور تمہارا دل اس کی تصدیق کرنے پر مائل ہو تو تم معذور ہو اس لیے کہ اگر تم اُس کو جھوٹا سمجھو تو اُس کے گنہگار ہوتے ہو کہ اُس کے حق میں جھوٹ کا گمان کیا اور یہ بھی ایک بدگمانی ہے لہذا مناسب نہیں ہے کہ ایک کے حق میں اچھا گمان کرو اور دوسرے کے حق میں بدگمانی کرو بلکہ تم کو چاہیے ہے کہ اُن دونوں کا حال دریافت کرو کہ آیا اُن دونوں میں دشمنی اور حسد اور سرکشی تو نہیں ہے پس اگر اُن دونوں میں اس میں سے کچھ بھی ہو تو اب تمہارے لئے راہ پائی اور شرع نے تو عادل باپ کی گواہی کو بھی تمت کے لحاظ سے رد کر دیا

سے لہذا اب تم کو جاہے کہ توقف کرو اور کچھ حکم نہ لگاؤ نہ بھوٹ کا اور نہ سچ کا اور یوں کہو کہ اُس کا جو حال بیان کیا گیا ہے وہ تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں تھا اور اُس کا حال مجھ سے پوشیدہ تھا اور اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا۔ مجھ پر اُس کا حال کچھ نہیں کھلا۔

دو عادل گواہوں کی شہادت کا حکم | یہ جب ہے کہ ایک عادل آدمی بیان کرے اور اگر تم کو دو عادل خبر دیں تو اب اُن کو سچ نہ جاننے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ دو عادل شرع میں حجت ہیں۔

نیک اور بد کا اصل معیار | لیکن جانتا چاہیے کہ چونکہ کوئی آدمی خطا اور نقصان سے خالی نہیں لہذا مؤمنوں میں سے کوئی موجود نہیں مگر اُس کی بھلائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی پس جس کی خوبیاں برائیوں سے زیادہ ہیں اس کا صلحاؤ میں شمار ہے اسی لیے امام شافعی رحمہ نے کہا ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ سراسر اللہ تعالیٰ کا مطیع ہو اور نافرمانی نہ کرتا ہو اور نہ کوئی ایسا مومن ہے جو سراسر گناہ کرتا ہو اور کچھ اطاعت نہ کرتا ہو پس جس کے طاعات گناہوں سے زیادہ ہوں تو وہ شرع کے حکم میں عادل ہے پس جب ایسا شخص حق اللہ میں عادل ہو تو تمہاری نظروں میں اس کا عادل ہونا اور لی اور زیادہ لائق ہے۔

اور روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کی تعریف کی پس جب کل ہوا تو اُس کی مذمت کی اور کہا تم سے خدا کی بے شک میں نے کل سچ عرض کیا تھا اور آج جھوٹ نہیں کہتا ہوں | کیونکہ کل اُس نے مجھ کو خوش کیا تھا سو میں نے اُس کے حق میں جو نیک معلوم تھا کہہ دیا تھا اور آج اُس نے مجھے ناخوش کر دیا تو مجھ کو جو برائی معلوم تھی کہہ دی پس نبی علیہ السلام نے فرمایا بے شک بعضی تقریر جاوے ہے پس گویا نبی علیہ السلام کو یہ برائی معلوم ہو اور جاوے سے اس کو مشابہ فرمایا اس لیے کہ ایسا کوئی شخص نہیں جس کی حالت کی اُس کی اچھی اور بری خصلتوں کی وجہ سے تحسین یا تہنیج نہ کی جاسکے۔

سنا سویں مجلس فاسق کی صحبت اور اُس کے ساتھ کھانا کھانے کی

ممانعت کے بیان میں

پہنیز گار کی مجلس میں رہنے کا بیان | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تصعب الاموننا ولا یاکل طعامک الا نقتی "مت صحبت رکھ مگر مومن سے اور نہ کھائے تیرا کھانا مگر پہنیز گار"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے اس کو ابو سعید نے روایت کیا ہے اور مومن سے اس حدیث میں وہ خاص مومن مراد ہے جس کے مقابلہ میں فاسق ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا لَمَّا كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ "کیا جو شخص مومن ہو اُس کے مثل ہے جو فاسق سے دونوں برابر نہیں؟" پس گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا مت صحبت رکھ مگر صالح کی اور مت دوستی کر مگر پہنیز گار

سے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں مومن کامل کو اس شخص کی صحبت سے ڈرایا ہے جو پرہیزگار نہ ہو اور اس سے میل جول اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے منع کیا ہے۔

آدمی کا ہشتر اپنے دوست کے دین پر ہوگا اس لیے کہ صحبت اور ملاقات دل میں الفت اور محبت ڈال دیتی ہے پس لازم آتا ہے کہ ویسا ہی ہو جیسا کہ نبی علیہ السلام نے ایک حدیث میں فرمایا ہے جس کو ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ آدمی کا ہشتر اپنے دوست کے دین پر ہوگا لہذا ہر ایک کو دیکھ بھال لینا چاہیے کہ کس سے دوستی کرتا ہے یعنی جس کا دوست نیک ہو گا وہ بھی نیک ہو گا اور جس کا دوست فاسق ہو گا وہ بھی فاسق ہو گا پس اس آیت کے عام مضمون میں داخل ہوگا **لَا تَجْرُوا أَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَالِ الَّذِي جَاءَكُمْ بِالذِّمَّةِ وَلَا إِلَى الْمَالِ الَّذِي جَاءَكُمْ بِالذِّمَّةِ وَلَا إِلَى الْمَالِ الَّذِي جَاءَكُمْ بِالذِّمَّةِ** کیونکہ ہر پرہیزگار دوست قیامت کے دن کہے گا اے خرابی میری کاش نہ بناتا میں فلا نے کو دوست اے کاش میرے اس کے درمیان مشرق مغرب کے درمیان فاصلہ ہوتا۔

اچھے دوست کی خصلتیں ہیں اس بنا پر مومن کو چاہیے کہ دوست نہ بنائے مگر اسی کو جس کے دین اور امانت پر اعتماد ہو اور اس کی خوبی اور تقویٰ معلوم ہو اس لیے کہ ہر ایک شخص دوستی کے قابل نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ جس سے تم دوستی کرو اس میں کئی خصلتیں ہوں۔

اول عقل اس لیے کہ احمق کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ اس کا اچھے سے اچھا حال یہ ہے کہ بھلائی کرنا چاہتا ہے اور تمہارا نقصان کر دیتا ہے اور اس کا انجام ترک تعلق اور وحشت ہو جاتا ہے اور اگر یہ ایک بدت گذر جائے اسی لیے کسی کا قول ہے عقلمند دشمن نادان دوست سے بہتر ہے اور عاقل سے وہ شخص مراد ہے جو امور کی حقیقت اور اصل کو خود بخود سمجھتا ہو یا سکھانے اور سمجھانے سے اور حسن رائے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں احمق سے ترک تعلق اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں مردوں کے زندہ کرنے سے کبھی عاجز نہیں ہوا لیکن احمق کے علاج سے عاجز ہو گیا۔

دوسری خصلت حسن خلق ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں جس کو غصہ اور نفسانی خواہش کے وقت اپنے نفس پر قابو نہ ہو کیونکہ سمجھ دار آدمی اگر چہ اشیاء کو اپنی اصلی حالت پر جان لے گا لیکن جب اس پر غصہ اور شہوت غلبہ کرے گی تو نفس کی اطاعت کرے گا اور وہی کام کریگا جو اس کی خواہش چاہتی ہے۔ اور

تیسری خصلت نیک ہونا ہے اس واسطے کہ فاسق کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ جو شخص گناہ کبیرہ کرتا ہے وہ خدا سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے اس سے نقصان پہنچنے سے اطمینان نہیں ہو سکتا اور اس کی دوستی کا بھروسہ نہیں۔

اور چوتھی نخصلت سچائی ہے اس لیے کہ تھوٹے کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ اس کی مثال سراب کی سی ہے کہ دور کو تو تم سے نزدیک کر دیتا ہے اور نزدیک کو دور کر دیتا ہے اور تم ہمیشہ اس کے فریب میں رہتے ہو۔

پانچویں نخصلت مردانگی ہے اس واسطے کہ ڈرپوک کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں کیونکہ سختی کے وقت وہ تمہاری ادا اور اعانت چھوڑ دے گا اور تم کو ڈرائے گا بلکہ پھپ زہے گا اور تم سے غائب ہو جائے گا اور چھٹی نخصلت وفاداری ہے اس واسطے کہ ایسے کی دوستی میں کچھ بھلائی نہیں جو وفادار نہ ہو۔

وفاداری کے معنی اور اس کے تقاضے اور وفاداری کے معنی محبت پر قائم اور قائم رہنا ہیں اور انکی

محبت وہی ہوتی ہے جو خدا کے واسطے ہو اس لیے کہ جو محبت کسی عرض کے سبب سے ہوتی ہے تو اس عرض کے ساتھ وہ بھی جاتی رہتی ہے پس وفاداری نہیں ہونے پاتی کیونکہ جو وفاداری کے خلاف ہو وہ وفاداری میں داخل نہیں پس دوست کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اس کے تمام دوستوں اور اس کے رشتہ داروں اور متعلقین کی رعایت کیا کرے کیونکہ ان لوگوں کی رعایت اس کے دل میں بہ نسبت اپنی رعایت کے زیادہ اثر کرے گی پس اس کی خوشی اس کے متعلقوں کی خبر گیری سے اس لیے اور زیادہ ہوگی کہ اس سے اس شخص کی محبت کا بڑھ کر متعلقوں تک پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ کہتے ہیں جو کتا دوست کے گھر کے دروازے پر ہو تو مناسب ہے کہ دل میں وہ بھی بہ نسبت اور کتوں کے متمیز ہو اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے کیونکہ امام شافعیؒ کہتے ہیں جب تیرے دوست نے تیرے دشمن کا کہا مانا تو دونوں تیری دشمنی میں شریک ہو گئے۔

اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ دوست کے ساتھ انکساری کی حالت نہ بدل جائے اگرچہ تیرا مرتبہ بلند اور حکومت زیادہ اور رتبہ بڑا ہو جائے اور وفاداری میں سے ایک یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچتا رہے جو دونوں میں جدائی کا سبب ہوں اس لیے کہ پوری وفاداری یہی ہے کہ مفارقت سے بہت گھبراتا ہو اور اسی لیے بعضے انکلوں نے کہا ہے میں نے زمانے کی تمام مشیبتوں کو دوستوں کی جدائی کے سوا آسان پایا۔

وفاداری کی حقیقت شرعی اور ابن مبارکؒ کہتے ہیں سب سے مزہ دار چیز دوستوں کی ہم نشینی ہے اور وفاداری میں سے اس چیز میں جو حق کے خلاف نہ ہو ساتھ دینا بھی ہے اور رہی وہ بات جو دنیاویات میں حق کے خلاف ہو تو اس میں رفاقت کرنا وفاداری نہیں ہے بلکہ اس میں مخالفت کرنا ہی اور حق کا بٹلا دینا ہی وفاداری ہے۔

چنانچہ امام شافعیؒ سے حکایت ہے کہ وہ محمد بن حکمؒ سے برادرانہ محبت رکھتے تھے اور انکو

پاس بٹھاتے اور ان کے پاس جا کر تے اور کہتے تھے کہ مجھ کو مصر میں میرے قیام کا سبب یہی ہے
پس جب لوگوں نے ان دونوں کی سچی محبت دیکھی تو خیال کیا کہ اپنی وفات کے بعد اپنی گدی ان
ہی کو سپرد کریں گے پس لوگوں نے مرضی موت میں ان سے پوچھا کہ اپنے بعد اپنی گدی کس کو سپرد
کرتے ہو اور اس وقت محمد بن حکم بھی سرہانے موجود تھے اور وہ سامنے ہو گئے تاکہ ان کی طرف
اشارہ کر دیں پس امام شافعی نے کہا سبحان اللہ میری جگہ ابو یعقوب بویطی رہے گا اور امام شافعی
کے تمام شاگرد بویطی کی طرف بھک پڑے پس محمد بن حکم رو کر یہ بات باوجودیکہ انہوں نے امام شافعی
سے ان کے مذہب کے متعلق تمام علم حاصل کیا تھا بڑی معلوم ہوئی مگر بات یہ ہے کہ بویطی واقع
میں افضل اور نہایت زاہد اور مستحق تھے۔

کیونکہ بعضے لوگ اگرچہ مخلوق میں علم اور فضل کے ساتھ مشہور ہو جاتے ہیں مگر کبھی دوسرے شخص
ان سے افضل ہو کر تاسے یا توہر باب میں یا کسی خاص امر میں لیکن اس کو بہترے لوگ نہیں سمجھ سکتے
ہیں اس لیے غیر مشہور کو چھوڑ کر جو ان میں مشہور ہوتا ہے اوپر متوجہ ہو جاتے ہیں لہذا ان سے اس
شخص کو حاصل کرنے کی فضیلت جاتی رہتی ہے جو ان میں مشہور نہیں ہے۔

پس امام شافعی نے اللہ کے واسطے اور مسلمانوں کے فائدے کے لیے خیر خواہی کی اور ان کو
اختیار کیا اور طرفداری کو ترک کیا اور خلقت کی رضامندی اللہ کی رضامندی کے مقابلہ میں اختیار نہ کی۔
پس جب امام شافعی نے وفات کی تو محمد بن حکم ان کے مذہب سے پھر کر اپنے باپ کے
مذہب پر ہو گئے اور امام مالک کی کتابوں کا درس شروع کیا اور بویطی نے زاہد اور خلوت اختیار
کی اور عبادت میں مشغول ہوئے اور ان کو جمع ہونا اور حلقہ میں بیٹھنا پسند نہ آیا۔

دوستی کے لائق شخص | پس اس تمام بیان سے ظاہر ہوا کہ دوستی کے لائق وہی ہے جس میں یہ
جمع نہ ہوں تو پھر سب لوگوں سے الگ ہو کر اپنے گھر میں بیٹھ رہنے کو اپنے اوپر لازم کرے اس لیے
کہ اس زمانے میں عقلمند کو سوائے خاموشی اور گھر میں پڑے رہنے کے اور کچھ نہ چاہیے۔
آجکل کے دوستوں کی حالت | اور ابو سلیمان خطابی نے کہا ہے کہ تمہاری صحبت اور تمہاری شاگردی

کی رعایت کرنے والوں کو چھوڑ دو کیونکہ ان میں نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ رفیق ہے ظاہر کے
بھائی ہیں باطن کے دشمن جب تم سے ملتے ہیں تعریف کرتے ہیں اور جب تم ان سے جدا ہو جاؤ تو
غیبت کرتے ہیں جو کوئی ان میں سے تمہارے پاس آتا ہے وہ تمہارا نگہبان ہوتا ہے اور جب تمہارے
پاس سے چلا جاتا ہے تو تمہارے متعلق ایک بُرا لکچر ہوتا ہے لہذا اپنے پاس ان کے جمع ہونے
اور اپنے سامنے خوشامد کرنے سے دھوکا نہ کھانا کیونکہ ان کی عرض علم نہیں ہے بلکہ ان کی عرض یہ ہے
کہ تم کو اپنی حاجات کا زینہ اور اپنے مقاصد کا گدھا بنا لیں اور اگر تم نے ان کی کسی عرض میں ذرا کوتاہی کی

تو پھر تمہارے بڑے سخت دشمن ہیں اور تمہارے پاس اپنی آمدورفت کو تم پر احسان سمجھتے ہیں اور انکو تمہارے اوپر ایک واجب حق سمجھتے ہیں اور خواہش کرتے ہیں کہ تم آبرو اور اپنا دین ان کے لیے کھو دو اور ان کا ادنیٰ فرمانبردار بن جاؤ اس کے بعد کہ تم واقع میں حاکم اور سردار تھے۔

شیخ و مرشد کا مقام | اور ابن عمر رض سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ شیخ اپنے گروہ میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں اور شیخ اپنی قوم میں ایسا اس لیے ہے کہ ان کو دین سکھاتا ہے جیسے ہر نبی نے اپنی امت کو دین سکھایا ہے۔

استاد کا مقام اور شاگرد کے فرض اور شاگرد پر اس شخص کا حق جس نے بھلائی سکھائی ہو اگرچہ ایک ہی حرف سہی یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں اس کی عزت کرے کیونکہ وہ اس کے باپ کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بہتر ہے جیسا کہ ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے بیٹے کے لیے باپ۔

اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اچھا باپ وہ ہے جو تم کو علم سکھائے اور اس کا سبب یہ ہے کہ استاد آخرت کی آگ سے بچانا چاہتا ہے اور یہ دنیا کی آگ سے مال باپ کے اپنے بچے کو بچانے سے زیادہ اہم ہے اور اسی واسطے استاد کا حق مال باپ کے حق سے زیادہ ہے کیونکہ مال باپ اگرچہ وجود اور حیات ثانی کے سبب ہیں لیکن اگر استاد اور اس کی وہ تعلیم نہ ہوتی جو حیات اخروی دائمی کا سبب ہے تو بے شک جو کچھ مال باپ کی طرف سے حاصل ہوا ہے وہ ہمیشہ کی ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔

استاد اور شاگرد کی ذمہ داریاں | پھر وہ جب استاد بجائے باپ کے ہوا تو اس کو لازم ہے کہ شاگرد کو بچانے بیٹے کے سمجھے اور اس پر شفقت کرے اور اپنے مرتبہ سے ایسے مرتبہ کی طرف بڑھنے سے جس کا وہ ابھی مستحق نہیں ہوا اور اس کا ابھی وقت نہیں آیا منع کرے اور اس سے بیان کر دے کہ علم سے مقصود سعادت اخروی ہے نہ باست اور عزت کی طلب نہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام یوسف رحمہما کی ایک حکایت | چنانچہ حکایت ہے کہ ابو یوسف نے جب ایک مدرسہ تدریس کے واسطے امام ابوحنیفہ رحمہما کی اطلاع کے بغیر جاری کیا تو امام ابوحنیفہ نے ان کے پاس کوئی آدمی بھیجا تاکہ ان سے چند مسئلے پوچھے آئے ان میں سے ایک یہ پوچھا تھا کہ ایک دھوبی کپڑے سے نگر گیا پھر دھو کر لے آیا تو آیا دھوبی کا مستحق ہے یا نہیں ابو یوسف نے کہا مستحق ہے اس شخص نے کہا غلط ہے پھر انہوں نے کہا مستحق نہیں پھر اس شخص نے کہا غلط کہا پس ابو یوسف حیران رہ گئے تب اس شخص نے کہا اگر انکار سے پہلے دھو چکا ہے تو اجرت کا مستحق ہے ورنہ نہیں اور اسی طرح جتنے مسائل کا جواب دیا سب میں غلطی پکڑی تو ابوحنیفہ نے کہا نہیں لایا تجھ کو مگر دھوبی کا

مسئلہ بے شک تو نے انگور پختگی سے پہلے توڑے سبحان اللہ ایک شخص مدرسہ قائم کر کے اللہ کے دین میں گفتگو کرے اور اجارے کا ایک مسئلہ بھی ٹھیک طور سے نہیں جانتا اور پھر فرمایا جس کو یہ خیال ہو کہ علم سیکھنے کی مجھ کو حاجت نہ رہی تو وہ اپنے اوپر روئے۔

اور ان کے الگ ہو جانے کا سبب جیسا کہ مناقب کروری میں مذکور ہے یہ ہوا تھا کہ ابو یوسفؒ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے پس امام صاحب ان کی عبادت کو گئے تو فرمایا مجھ کو اپنے بعد تجھ سے مسلمانوں کے حق میں بڑی امید تھی بے شک اگر تم مر گئے تو بہت بڑا علم مرجائے گا پس جب وہ اچھے ہو گئے تو اپنے دل میں خوش ہوئے اور مدرسہ تیار کیا اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کے اس قول میں کہ مجھ کو اپنے بعد مسلمانوں کے لیے تجھ سے بڑی امید تھی۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شاگرد کو مناسب نہیں ہے کہ اپنے آپ استاد کے زمانہ میں بلا اس کی اجازت کے مستقل ہو جائے پس جب ان کو اپنا قصور ثابت ہو گیا تو وہ مجلس پھوڑ دی اور ابو حنیفہؒ کے پاس آکر ان کی شاگردی شروع کی۔

علم کی راہ | ابن مبارک کہتے ہیں کہ آدمی اُس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک علم طلب کرتا رہے پس جب یہ گمان پیدا ہوا کہ میں سیکھ چکا تو اب جاہل ہو گیا اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں کہا ہے جس شاگرد نے اپنی کوئی رائے قائم کی اور استاد کی رائے کے علاوہ ان کو اختیار کیا تو اُس پر نقصان پانے کا حکم لگاؤ۔

اٹھاسویں مجلس اس بیان میں کہ اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے

عداوت سب اعمال سے عمدہ ہے

اللہ کے لیے محبت و دشمنی افضل اعمال ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل الاعمال المحب فی اللہ والبغض فی اللہ "سب اعمال سے افضل دوستی ہے اللہ کے واسطے اور دشمنی ہے اللہ کے واسطے"۔

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ذرؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مومن کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کچھ ایسے دوست ہوں جن سے اللہ کے واسطے محبت رکھتا ہو اور کچھ ایسے دشمن ہوں جن سے اللہ کے واسطے عداوت رکھتا ہو پس جب وہ کسی سے اللہ کا فرما تہر دار ہونے کی وجہ سے محبت کرے گا تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے کے وقت اُس سے بغض رکھے گا۔

دوستی و دشمنی | کیونکہ جو شخص کسی سبب سے محبوب ہوتا ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے خلاف کرنے سے مبعوض ہوگا اور یہ بات محبت اور بغض میں عام طور پر ہوتی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک دل میں دبی رہتی ہے اُس کا ظہور صرف غلبہ کے وقت ہوتا ہے اس لیے کہ محبت کے غلبہ میں دوستوں کے سے افعال ظاہر ہوتے ہیں یعنی ملنا جلنا اور آپس کا تفاق اور اسی کو دوستی کہتے ہیں اور بغض کے غلبہ کے وقت عداوت کے سے افعال ظاہر ہوتے ہیں جیسے آپس کی علیحدگی اور مخالفت اور اسی کا نام دشمنی ہے۔

اظہارِ بغض کے طریقے | پس اگر کوئی کہے کہ بغض کا ظاہر کرنا کس طرح ممکن ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کا اظہار دو حال سے خالی نہیں یا تو قول سے ہوگا یا فعل سے پس قول سے تو کبھی اس سے بات چیت اور کلام کرنے سے زبان روک لینے سے ہوتا ہے اور کبھی اُس کے ساتھ سخت کلامی سے رہا فعل سے اظہارِ دشمنی تو کبھی اُس کی اذاد میں کوشش نہ کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی برائی اور اس کا مقصد خراب کرنے کے لیے اس بات میں کوشش کرنا جو اُس کے گناہ میں خارج ہو ایسی چیز کے خراب کرنے میں کوشش نہ ہو جس کا گناہ کے خارج ہونے میں کچھ اثر نہ ہو۔

گناہ اور ظلم کرنے والے کے بارے میں رویہ کا حکم | اور یہ جب ہے کہ گناہ اُس سے قصداً ہو کبیرہ ہو یا صغیرہ لیکن وہ گناہ جو لغزش کے قائم مقام ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ وہ اُس پر شرمندہ ہے اس پر اڑا ہوا نہیں ہے تو اُس میں چشم پوشی اور پردہ پوشی کرنا اونٹے سے خاص کر جب کہ وہ معصیت تمہارے یا تمہارے کسی متعلق کے حق میں تصور ہو تو اس پر اعتراض نہ کرنا اچھا ہے کیونکہ ایسے شخص سے درگزر کرنا جو تم پر ظلم کرے اور تمہارے ساتھ بُرائی کرے مدافعتین کی عادت ہے۔

لیکن جس نے کسی اور پر ظلم کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو تو اُس پر اعتراض نہ کرنا اُس کے ساتھ احسان کرنا ہے اور ایسے پر احسان کرنا اچھا نہیں کیونکہ اُس کے ساتھ احسان کرنا مظلوم کے ساتھ بدسلوکی سے اور مظلوم کے حق کی رعایت زیادہ بہتر ہے اور مظلوم کا دل ظالم سے اعراض کر کے قوی کرنا اللہ تعالیٰ کو ظالم کے دل کی تقویت سے زیادہ محبوب ہے اور تمام مستفیدین ظالموں اور بدعتیوں اور ان لوگوں کے ساتھ بغض اور عداوت ظاہر کرنے پر مستحق ہیں جو خدا کی ایسی نافرمانی کرتے ہوں جس کا اثر دوسرے تک پہنچے۔

خدا کی نافرمانی کرنے والے کے ساتھ طرز عمل | اور یہ وہ شخص جو اپنے حق میں خدا کی نافرمانی کرتا ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے پس یعنی اُس کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھتے ہیں اور بیزار نہیں ہوتے ہیں اور بعضوں نے اس پر سخت الکار کیا ہے اور اُس سے اس آیت کی وجہ سے ترک تعلق اختیار کر لیا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ "تو نہ دیکھے گا کسی قوم کو جو ایمان رکھتے ہوں

اللہ پر اور پچھلے دن پر کہ دوستی کرتے ہوں وہ ایسے شخص سے جو مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول ص کا اگرچہ وہ اپنے باپ ہوں یا اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے گھرانے کے۔“

پس اس آیت نے یہ بات بتلائی کہ جو شخص معاصی اور منکرات کرتا ہو اس سے تعلق چھوڑ دینا واجب ہے اگر رشتہ دار ہو اور سزا اور تادیب کے طور پر چھوڑ دینا تعزیر کے قائم مقام ہے اور اس کو نظر رحمت سے دیکھنا دین میں سستی پیدا کرتا ہے کیونکہ گناہ میں ادا کا اکثری سبب ہی سستی اور ولیداری اور دل میں نفرت اور وحشت پیدا ہو جانے سے خوف کرنا ہے پس اس حالت کو احمق نا سمجھ تو یہ خیال کرتا ہے کہ میں اس کو نظر رحمت سے دیکھتا ہوں لیکن یہ اس کے دین کی سستی ہے۔

اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اگر اپنے حق میں قصور کرنے سے بھی رحم کرتا ہو اور یہ کہتا ہو کہ تقدیر میں یوں ہی ہونا تھا پھر یہ کیونکر نہ کرتا اور تقدیر سے بھاگنا مفید نہیں تو ایسی حالت میں حقوق اللہ تعالیٰ میں اس کے قصور کرنے کے وقت اس کا رحم کرنا درست ہے اور اگر اپنی حق تلفی کے وقت غصہ کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے گناہ پر رحم کرتا ہو تو یہ شخص دین میں سست شیطان کے مکر میں پھنسا ہوا ہے۔

گنہگاروں اور فاسقوں کی تمہیں اور ان کا حکم ایسے اگر کوئی یہ کہے کہ گنہگار اور فاسق مختلف قسم کے ہیں تو کیا سب کے ساتھ ایک ہی طریقہ بنتا جائے یا نہیں تو جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا مخالف دو حال سے خالی نہیں یا تو اعتقاد میں مخالف ہو گا یا عمل میں اور اعتقاد میں مخالف کی تمہیں ہیں۔

اول قسم کافر ہے اور وہ اگر حربی ہے تو قتل اور غلام بننے کا مستحق ہے اور اگر ذمی ہے تو اس کا ستانا جائز نہیں مگر کم تو جہی اور میل جول اور معاملہ چھوڑ دینے سے اور اس کے ساتھ ہنسی کھیل اور دوستوں جیسی بے تکلفی برتنا ایسا مکروہ ہے کہ قریب بحرام ہے۔

اور دوسری قسم وہ بدعتی ہے جو اپنی بدعت کی رغبت دلاتا ہو پس اگر اس کی بدعت ایسی ہے کہ اس سے کافر ہوتا ہے تو اس کا حال ذمی سے ہی بدتر ہے۔ اس لیے کہ اس کو نہ جزیہ لے کر رکھا جاتا ہے اور نہ ذمی بنا کر اس کے ساتھ سہولت کی جاتی ہے اور اگر بدعت ایسی نہیں ہے جس سے کافر ہو جائے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے بہ نسبت کافر کے تو ضرور سہل ہے مگر اس پر انکار بہ نسبت کافر کے زیادہ کرنا چاہیے اس لیے کہ کافر کا شر دوسرے تک نہیں پہنچتا کیونکہ مسلمان نہ اس کی طرف متوجہ ہوتے اور نہ کافر ہونے کی وجہ سے اس کا کہنا مانتے ہیں لیکن وہ بدعتی جو اپنی بدعت کی طرف بلاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ جس کی میں رغبت دلاتا ہوں وہ حق ہے تو وہ خلعت کی گمراہی کا سبب ہے پس اس کی بدی دوسرے تک پہنچتی ہے پس اس لیے اس سے بغض اور عداوت ظاہر کرنا اور اس سے ترک تعلق کر دینا اور بدعت کی وجہ سے اس کو برا کہنا اور لوگوں کو اس سے نفرت دلانا مستحب ہے اور اگر مجمع میں سلام کرے تو لوگوں کے نفرت دلانے اور بدعت کی بُرائی ظاہر کرنے کے لیے جواب

نہ دینا بہتر ہے اس لیے کہ سلام کا جواب اگر چہ واجب ہے لیکن کسی معمولی غرض سے بھی ساقط ہو جاتا ہے اور بدعت سے روکنا تو بہت ضروری غرض ہے۔

اور تیسری قسم وہ اُن بڑھ بدعتی سے جو ترغیب دلانے پر قادر نہیں ہے تو بہتر یہ ہے کہ اُس کے ساتھ سخت کلامی اور اہانت سے اجتناب کریں بلکہ مناسب ہے کہ نصیحت میں اُس کے ساتھ نرمی کریں کیونکہ عوام کے دل جلد پلٹ جاتے ہیں پھر اگر نصیحت کارگر نہ ہو اور اُس سے اعراض کرنے سے اُس کی نظر میں بدعت کی بُرائی ظاہر ہو جائے تو اب اُس سے اعراض کرنا ہی مستحب ہے کیونکہ بدعت کو اگر بُرا ظاہر کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے تو مخلوق میں پھیل جائے گی اور اُس کا فساد عام ہو جاوے گا۔

بدعتی شخص کے ساتھ تعلقات رکھنے کی ممانعت اور اسی لیے شیخ علاؤ الدین سمنانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مسلمان آدمی کو لازم ہے کہ جب کسی کو کسی نفسانی خواہش اور بدعت کو کرتا ہوا یا کسی سنت میں سستی کرتا ہوا پائے تو اُس کو چھوڑ دے اور اُس سے جدا ہو جائے اور زندہ اور مردہ ہر طرح چھوڑ دے اور جب اُس سے ملے تو سلام نہ کرے اور اگر وہ سلام کرے تو اُس کا جواب نہ دے یہاں تک کہ بدعت سے باز آئے اور حق کی طرف متوجہ ہو اور اگر وہ مرجائے تو اُس کے جنازہ کے ساتھ نہ جائے اور میں دن زیادہ چھوڑ دینے کی ممانعت اُس صورت میں ہے کہ وہ شخصوں میں حقوق ملاقات اور معاشرت میں کوتاہی کی وجہ سے ہو جائے نہ اُس صورت میں کہ دین کے حق میں ہو کیونکہ نفسانی خواہش پر عمل کرنے والوں اور بدعتیوں کا چھوڑ دینا برابر اُس وقت تک کے لیے ہے کہ وہ توبہ کر لیں بیشک تمام صحابہ اور تابعین اور علمائے اہل سنت بدعتیوں کی عداوت اور اُن کو چھوڑ دینے پر متفق ہو چکے ہیں۔

بدعتی سے تعلقات رکھنے کا نتیجہ اور سہل رم سے اس آیت کی تفسیر میں لَا تَجِدُ نَوْمًا يَوْمًا مِّنْهُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يَوْمَ آذُنٌ مِّنْ حَادِّ اللَّهِ وَرَسُولُهُ "تو نہ دیکھے گا کسی قوم کو جو ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور پچھلے دن پر پھر دوستی کریں ایسوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اُس کے رسول کے" منقول ہے اُنہوں نے کہا ہے کہ جس نے اپنے ایمان کو درست کیا ہے اور اپنی توحید کے دعوے کو خالص کیا ہے وہ بدعتی کے ساتھ نہ بیٹھے گا اور نہ اُس کے ساتھ کھانا پینا رکھے گا بلکہ اپنی طرف سے اُس کے حق میں دشمنی اور بغض ظاہر کرے گا اور جس نے بدعتی کے ساتھ سستی برتی ہے اللہ تعالیٰ اُس سے عداوت یقین لے لینا ہے اور جس نے بدعتی کی عزت اور تو انگری دنیا کی وجہ سے کہا مانا تو اللہ تعالیٰ اُس کو اُس عزت کے بدلے ذلیل کرے گا اور اُس تو انگری کے عوسن منفسی کر دے گا اور جو شخص بدعتی کو دیکھ کر منہ پڑے اللہ تعالیٰ اُس کے دل سے ایمان کا نور نکال لے گا۔

اور ثوری سے روایت ہے جس نے بدعتی کی بات سنی اُس کو اللہ تعالیٰ اُس سنی ہوئی بات سے کچھ فائدہ نہیں دے گا اور جس نے اُس سے مسائتہ کیا اُس نے اسلام کی رسی کو توڑ دیا۔

اور تفصیل سے روایت ہے کہ جس نے بدعت والے کو دوست رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے اعمال اکارت کر دیتا ہے اور اسلام کا نور اُس کے دل سے نکال دیتا ہے اور اُن ہی سے روایت ہے کہ جو شخص بدعتی کے پاس اٹھتا بیٹھتا ہو اُس سے بچتے رہو اور اُن ہی سے روایت ہے جب تم بدعتی کو کسی راہ میں دیکھو تو تم دوسری راہ اختیار کرو اور تفصیل یہ کہتے ہیں جو شخص بدعتی سے ملنے گیا ایمان کا نور اُس کے دل سے جاتا رہا۔

فعل و عمل کے گناہ گار سے تعلقات کے بارے میں شرعی حکم | لیکن وہ محض جو اپنے فعل اور عمل کے اعتبار سے تو یہ وہ شخص ہے جو شراب پینے یا کسی واجب کے ترک کرنے یا ایسی ممنوع چیز کے کرنے سے جو اُس کے ساتھ خاص سے اپنے لیے نسق کرتا ہے اور اُس کا اثر دوسرے تک نہیں پہنچتا پس ایسا شخص اگر خاص اس برے کام کو کرتا ہوا پایا جائے تو اُس کو جس طور سے وہ باز آئے منع کرنا واجب ہے اگرچہ قدرت ہو تو مار پیٹ یا قتل سے ہو اس لیے کہ بڑی بات سے ممانعت واجب ہے اور اُس کا وجوب حاکموں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ رعایا میں سے ہر ایک کو طاقت کے موافق قول اور فعل سے اس کا کرنا جائز ہے خواہ اُرد ہو یا غلام یا عورت لیکن مناسب ہے کہ گناہ کے مطابق درجہ بدرجہ ہو پہلے کچھ سختی پھر زیادہ سختی جیسا کہ محیط میں مذکور ہے کہ جو شخص کسی کو گھٹنا کھوے ہوئے دیکھے تو اُس کو نرمی سے منع کر دے اور اگر وہ نہ مانے تو اُس سے بھگڑا نہ کرے اور ان کے بارہ میں سختی سے منع کرے اور اگر وہ نہ مانے تو مارے نہیں اور شرمگاہ میں اُس کو مارے اور اگر نہ مانے تو قتل کرے اور تمام گناہوں میں قدرت ہوتے ہوئے ہی حکم ہے اور قدرت نہ ہونے کے وقت چاہیے کہ رنجیدہ اور منموم ہو اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اُس میں مومن کا دل ایسا گھل جائے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے کیونکہ معاصی کثرت سے دیکھے گا اور منع کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔

گناہوں سے نہ روکنے والوں کا آخری انجام | اور ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کا قیامت کے دن دامنگیر ہو گا اور وہ اُس کو نہ پہچانتا ہو گا پس اُس سے کہے گا تجھے کیا ہوا کہ مجھ سے لپٹتا ہے میں نے تو تجھ کو کبھی دیکھا بھی نہیں وہ کہے گا ہاں تو نے مجھ کو ایک دن ایک گناہ پر دیکھا تھا لیکن اُس کی اصلاح نہیں کی تھی لہذا یہ بڑی مشکل بات ہے اس سے بہت کم بچاؤ ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہر وقت اور ہر دم بہتر ہے گناہ ظاہر ہوا کرتے ہیں اور ان کی کچھ اصلاح نہیں ہوتی بلکہ اُن سے سکوت کیا جاتا ہے کہ فل اُن سے مانوس ہو گئے ہیں۔

گناہوں سے صرف دلی نفرت ایمان کا آخری درجہ ہے | اور اسی لیے کسی عالم نے کہا ہے بخدا گناہوں اور بدعتوں کی کثرت کی جھکے کچھ پر وا نہیں مجھ کو تو خوف اور ڈر دلوں کے اُس سے مانوس ہو جانے کا ہے کیونکہ جو چیزیں برابر کی جاتی ہیں نفس اُن سے مانوس ہو جاتا ہے اور نفس جب کسی سے

مانوس ہو جاتا ہے تو کم اثر قبول کرتا ہے اور اُس کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو تغیر گناہ کے بارے میں آئی ہے اور وہ جو کہ ابو سعید رضی سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی تم میں سے بُرا کام دیکھے تو لازم سے کہ اپنے ہاتھ سے اُس کی اصلاح کرے اور اگر اُس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اُس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اور یہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں یہ خبر دے دی کہ دل سے بیزار ہونا سب سے ضعیف ایمان ہے اور یہ وہ ہے جو مومن اپنے دل میں اُس دیکھے ہوئے کام سے بغض اور اُس سے باز رہنے اور دفع کرنے کی حالت پاتا ہے اور یہ بات اکثر اسی کام میں ہوتی ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہو لیکن وہ کام جو ہر وقت اور ہر لمحہ دیکھے جاتے ہیں اُن سے دل مانوس ہو جاتا ہے لہذا دل میں وہ قلق اور نفرت جو کہ ایمان کا سب سے ضعیف درجہ ہے نہیں پائی جاتی۔

جب گناہ سے نفرت بھی نہیں رہی تو ایمان نہ رہا اور جب دل میں اضعف ایمان بھی نہ ہو تو پھر کس چیز کے ہونے کی امید کی جائے۔

اور اس کی زیادہ تو منجھ اس واقعہ سے ہوتی ہے جو قوت القلوب میں مذکور ہے کہ حسن بصریؒ نے فرمایا پہلے پہل جو میں نے بدعت دیکھی تو میں نے خون کا پیشاب کیا پھر اس کے بعد زرد پیشاب کیا پھر ویسی ہی عادت کے موافق ہونے لگا کیوں کہ اُن کو ایمان کے قوی ہونے اور ایسے امر کو دیکھنے سے جس کی عادت نہ تھی بہت غصہ آیا یہاں تک کہ اُن کے مزاج میں تغیر ہو گیا اور اُس کا اثر پیشاب میں ظاہر ہوا کیونکہ آدھی کا مزاج جب بدلتا ہے تو اُس کا اثر پیشاب میں ظاہر ہو جاتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ طبیب لوگ بیمار کے مرض پر پیشاب سے استدلال کرتے ہیں پھر جب وہ بدعت ایسی ہوتی رہی اور اُس کے روکنے کی قدرت نہ ہوئی تو پہلی دفعہ کا اس غصہ نفس کے مانوس ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا اور صرف اتنی ہی نفرت رہ گئی جتنی دل سے بڑھا جانے کو لازم ہے اس واسطے کہ دل سے انکار کسی طرح ساقط نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کا کوئی مانع نہیں جو اُس سے روکے۔

ہر شخص اپنی وسعت کے مطابق ہی مکلف ہے اور صرف اتنے پر وہی اکتفا کرتا ہے جو ضعیف ایمان ہو خواہ ہاتھ اور زبان سے انکار کرنے پر قادر ہو یا نہیں لیکن قادر نہ ہونے کے وقت گناہ نہیں ہوتا ایمان بدستور ضعیف رہتا ہے کیونکہ گناہ جب کثرت سے ہونے لگیں اور مومن ممانعت پر قادر نہ ہو اور وہ چپ ہو جائے اور کچھ نہ کہے تو گنہگار نہیں ہوتا اس لیے کہ تکلیف بقدر طاقت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا "اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اُس کی وسعت کے موافق۔"

فَقَسَّ الْأَوْسَعَهَا "اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر اس کی گنجائش کے موافق" اور ایک اور آیت میں فرمایا "مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ" اور نہیں کی تم پر دین میں تنگی۔

ممانعت کی سب باتوں کا چھوڑنا ضروری ہے۔ پھر وہ ممانعت جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے کہ جس سے میں نے تم کو منع کیا اس سے پرہیز کرو اس بات کو چاہتی ہے کہ جتنی باتوں سے ممانعت ہے سب کو چھوڑ دے کیونکہ تعمیل اس کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

تعمیل حکم بقدر استطاعت ہے۔ برخلاف اس امر کے جو نبی علیہ السلام کے اس قول میں ہے "وَمَا أَمَرَ بِكُمْ بِهِ فَافْعَلُوا عِنْدَهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" اور جس کا میں تم کو حکم کروں اس کو کر دو جس قدر تم سے ہو سکے۔ کیونکہ یہ صرف اس قدر کرنے کو چاہتا ہے جتنے کی قدرت ہو جیسے کوئی بیمار ہو تو جب وہ نماز میں کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو تو بیٹھ کر رکوع اور سجود کے ساتھ پڑھ لے اور اگر رکوع اور سجدہ پر بھی قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر اشارہ سے پڑھ لے اور سجدہ بہ نسبت رکوع کے دریا نیچا کرے تاکہ دونوں میں فرق ہو جائے اور اگر بیٹھنے پر قدرت نہ ہو تو اشارہ سے کروٹ پر یا چپٹ لیٹ کر پڑھ لے اور ایسے ہی اگر سواری پر سوار ہو اور اترنے میں اپنی جان کا یا سواری کا کسی درندہ یا چور سے خوف ہو یا بہت بارش ہوتی ہو یا اتنی کچھ ہو کہ منہ اس میں دھنس جائے اور کوئی خشک جگہ نہ پائے یا سواری سے اترنے اور چڑھنے سے بڑھاپے یا ضعیف المزاجی کی وجہ سے عاجز ہو یا اس کا گھوڑا شریب ہو کہ بدون درگاہ کے چڑھ سکنا اس کو ممکن نہ ہو یا قافلہ جنگل میں چلا جاتا ہو اور اترے تو اپنی جان کا یا کپڑوں کا خون ہو تو سواری کے اوپر اشارہ سے نماز پڑھ لے جس طرح بن پڑے اور ایسے ہی عورت جب اس کا کوئی محرم نہ ہو اور وہ خود اتر چڑھ نہ سکتی ہو تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لے پس ان سب صورتوں میں اسی سے تعمیل حکم ہو جائے گی اور ایسے ہی اگر اتنا کپڑا نہ ملے کہ ستر ڈھکے اور اتنا پانی نہ ملے جس سے وضو کے اعضاء ایک ایک مرتبہ دھو لے یا وضو اور غسل میں بعض اعضاء پر پانی لگانے سے عاجز ہو یا نماز کے کسی رکن یا کسی شرط کے ادا کرنے سے مجبوری ہو تو بقدر ممکن کر لینے سے تعمیل حکم ہو جائے گی۔

پہلی امتوں کی ہلاکت کا ایک سبب کثرت سوال تھا اور نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ فَاثْمَانَا اَهْلَكَ الذِّينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةَ مَا سَأَلُوهُمُ "تم سے پہلوں کو زیادہ پوچھنے نے ہلاک کر دیا" تو مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس سے صاف مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے سامنے رسول اللہ علیہ السلام نے وعظ کیا پس فرمایا اے لوگو! بے شک اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے لہذا حج کرو پس ایک شخص نے کہا کیا ہر سال پس نبی علیہ السلام چپ رہے یہاں تک کہ اس نے کئی بار کہا پس نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو چھوڑو

رکھو جب تک میں تم کو چھوڑے رکھوں کیونکہ تم سے پہلے لوگ بہت سوال کرنے اور اپنے انبیاء کے خلاف کرنے ہی سے ہلاک ہوئے پس جب میں تم کو کسی بات کا حکم کروں تو اُس کو کرو جتنا تم سے ہو سکے اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اُس کو چھوڑ دو۔

پس نبی علیہ السلام نے گویا یہ فرمایا مجھے یوں ہی رہنے دو جب تک میں تم کو کسی بات کے حکم یا ممانعت میں چھوڑے رکھوں اور خواہ مخواہ مجھ سے پوچھا مت کہ واور زیادہ تحقیق نہ کیا کرو ورنہ تم پر بھی اللہ تعالیٰ ویسی ہی سختی کرے گا جیسی بنی اسرائیل پر اُس وقت کی تھی جبکہ اُن میں ایک نعش ملی اور یہ معلوم نہ ہوا کہ کس نے مارا ہے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم کو قاتل بتا دو پس موسیٰ نبی علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو فرماتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو اور اُس کا ایک ٹکڑا مردہ سے لگا دو وہ زندہ ہو جائے گا اور اپنا قاتل تم کو بتا دے گا پس جب انہوں نے موسیٰ سے یہ بات سنی تو تعجب کرنے لگے کہ مردہ گائے کا گوشت مردہ سے لگائیں تو مردہ زندہ ہو جائے اور اپنے قاتل کا نام بتائے پس انہوں نے گائے کا حال اور قسم اور عمر اور رنگ پوچھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس طرح کی گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا جو اُس طرح کی ایک ہی گائے تھی اور اُس کے مالک نے اُس کا چمڑا سونے سے بھرا کر اُس کے عوٹن میں بھی پس اتنے ہی داموں کو موٹل یعنی پڑی اور ذبح کر کے گوشت کا ٹکڑا مردے سے لگایا تو وہ زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا پس لوگ اگر پہلے ہی کوئی سی گائے ذبح کر دیتے تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے والے ہو جاتے لیکن انہوں نے سوال زیادہ کر کے اپنے اوپر خود سختی کر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔ اور بے شک اسی طرف نبی علیہ السلام نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ جو تم سے پہلے تھے بہت سوال کرنے والے اور اپنے انبیاء کے خلاف کرنے ہی سے ہلاک ہوئے ہیں۔

انبیاء سے کثرت سوال کے سبب ہلاک ہونے کی وجہ اور زیادہ سوال کرنا اور انبیاء کے خلاف کرنا ہلاکی کا سبب اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اسی لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو وہ باتیں بتلائیں جن کی اُن کو اپنے دین میں ضرورت ہے اور اُن باتوں سے آگاہ کہیں جن میں اُن کی دنیا اور دین کی مصلحت ہو اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی کو امت کے کاروبار کا امین بنایا ہے اور اُن کو یہ جائز نہیں ہے کہ ضرورت کے وقت چپ رہیں یا مصلحت کے خلاف کچھ کہیں اور جن کا یہ حال ہوا اُن سے بار بار پوچھنا اور اُس کے خلاف کرنا اُن کے قول پر بے اعتمادی کی نشانی اور ان پر بدگمانی کی علامت ہے اور اس میں شک نہیں کہ نبی پر بدگمانی ہلاکت کا سبب ہے حالانکہ مشائخ کا قول ہے جس نے اپنے استاد سے کہا یہ کیوں وہ کبھی کا منہ باندھ نہ ہو گا پھر تمہارا اُس کے حق میں کیا خیال ہے جو رسول کے سامنے بے ادبی کرے اور تسلیم اور قبولیت کے مقام سے بڑھ جائے۔

بقدر حاجت سوال کرنا ضرر نہیں کرتا | پھر نبی علیہ السلام نے کثرتِ سوال کا ذکر کر کے اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ بعضے سوال ضرر نہیں کرتے ہیں اور یہ وہ ہیں جو بقدر حاجت ہوں اور رہے وہ سوال جو بے فائدہ ہیں اور ان کے کرنے کے لائق نہیں ہیں تو یہ عمر کا ضائع کرنا اور شک کی دلیل ہے اور کبھی ایسے سوال کرنے نامہی اور ضعف بصیرت کی وجہ سے کبھی اور بدعتوں میں پڑ جانے کا سبب ہو جاتا ہے اور اسی لیے تم سے پہلے جو امتیں تھیں گمراہ ہو کر لعنت اور صورت بگڑ جانے وغیرہ بلاؤں اور تکلیفوں کی مستحق ہو گئیں۔

انبیاء کی اطاعت و پیروی ہی کا حکم ہے | اور حدیث کا لفظ واختلاف فقہ کثرت پر معطوف ہے سوال پر معطوف نہیں اس لیے کہ انبیاء کی مخالفت بالکل جائز نہیں تھوڑی ہو یا بہت اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے قابل اور اپنی وحی کا امین جب ہی کیا ہے کہ آپ ان کے ٹھیک سمجھنے کا ذمہ دار ہو گیا ہے اور نیک اور اچھے کاموں میں ہدایت سے ان کی تائید کی ہے لہذا امت کے سر ایک شخص کو لازم ہے کہ ان کی بات کان لگا کر سنے اور دل سے ان کے سامنے گواہی دے اور ان کے کلام کو جب وہ کچھ فرمائیں اور ان کی خاموشی کو جب وہ چپ رہیں غنیمت سمجھا اور ان کے ساتھ اختلاف کا دروازہ بند کرنے اور اعتراض کا دروازہ نہ کھولے بلکہ ان کی پیروی کئے جائے اس لیے کہ اطاعت کے بارے میں تمام انبیاء ہمارے نبی محمد علیہ السلام ہی کے برابر ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے **وَ اتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ** اور ان کے تابع رہو تاکہ تم راہ پاؤ۔

صحابہ کرام کی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم | اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملات دینی سے یہ بات یقیناً معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ تمام افعال اور اقوال میں بلا کسی قسم کے توقف اور تردد کے آپ کی پیروی کرتے تھے مگر اس فعل میں کہ حضور کے ساتھ اس کے خاص ہونے کی کوئی دلیل قائم ہو جائے پس انہوں نے اپنی جوتی اتار ڈالی جب حضور نے اپنی جوتی اتاری اور اپنی انگوٹھیاں اتار ڈالیں جب حضور نے اپنی انگوٹھی اتاری اور آپ کی طرز نشست اور خواب اور کھانے اور پینے کے طریقے وغیرہ کی بہت تفتیش کیا کرتے تھے تاکہ آپ کی پیروی کریں اور انہوں نے جب دینا کو چھوڑ دینے اور دن رات عبادت کے لیے الگ ہو جانے کا قصد کیا تھا تو آپ نے فرمایا میں تو کھاتا بھی ہوں اور پیتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے پھر جائے وہ مجھ سے نہیں ہے پس دیکھو نبی علیہ السلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس ارادہ سے اپنا کام بتا کر کیوں کر روکا باوجودیکہ تامل سے پہلے معلوم ہوتا تھا کہ سب سے بڑی طاعت اور سب سے افضل عبادت ہے۔

اور اسی لیے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ہمارے دین کی بنیاد منقول پر ہے مناسبات عقلی پر نہیں ہے اور ابام غزالی نے اصول الدین میں کہا ہے اس بات سے بچتے ہو کہ تم اپنی عقل سے کچھ تصرف

کر داور کہو کہ جو چیز بہتر اور مفید ہے تو وہ جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی زیادہ مفید ہوگی کیونکہ تمہاری عقل امور الہی کے اسرار کو نہیں پاسکتی ان کو صرف قوت نبوی نے پایا ہے پس تم اتباع کو لازم رکھو کیونکہ خاص باتیں تیس سے نہیں معلوم ہو سکتیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیوں کہ تم نماز کے واسطے بلائے گئے ہو اور تمام دن اُس سے روکے گئے ہو کہ صبح اور عصر کے بعد اور عین طلوع اور غروب اور ٹھیک دوپہر کو اُس کے ترک کا حکم ہوا ہے اور اتنا زمانہ تہائی دن کے برابر ہوتا ہے کیوں کہ نہ ہو تمہارے اسی تیس میں نساؤ کا اثر کھلا ہوا ہے کیونکہ تمہارا یہ قول ایسا ہی ہے جسے تم کہو کہ دو ایماں کو مفید ہے تو جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ نائدہ ہوگا اور یہ یقینی بات ہے کہ دو اکی کثرت بعضی دفعہ مار ڈالتی ہے اور احیاء میں کہا ہے سمجھ لو کہ طبیب حاذق جس طرح معالجات میں ایسے ایسے اسرار جانتا ہے کہ ناواقف لوگ حیران ہو جاتے ہیں ایسے ہی انبیاء و دلوں کے طبیب ہیں اور آخر وہی زندگی کے اسباب سے واقف ہیں پس ان کے طریقہ پر اپنی عقل سے کچھ حکم نہ لگاؤ کہ تم ہلاک ہو جاؤ کیونکہ ایسے شخص بہت ہیں کہ ان کی انگلی میں کوئی مرہن پیدا ہو جاتا ہے پس خود ان کی عقل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس پر لپ کرنا چاہیے یہاں تک کہ طبیب حاذق آگاہ کرتا ہے کہ اس کا علاج یہ ہے کہ بدن کے دوسری طرف کے مونڈھے پر لپ کریں پس اس کو وہ بعید سمجھتا ہے اس لیے کہ اُسے پٹھوں کی شاخوں کی کیفیت معلوم نہیں ایسا ہی حال آخرت کی راہ کا ہے اس کے بارے میں طریقے عقل کے احاطہ میں نہیں سما سکتے جیسے پتھروں میں بعضے ایسے خواص ہیں کہ ہم کو ان کا علم نہیں۔ یہاں تک کہ ہم اُس سبب کو نہیں جانتے جس سے مقنا طیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے اور عقائد اور اعمال کے عجائبات تو دوافل سے بہت زیادہ ہیں پس جیسے کہ عقلیں دو اداروں کی تاثیرات جاننے سے کوتاہ ہیں باوجودیکہ ان میں تجربہ کو دخل ہے ایسے ہی عقلیں اُس بات کے جاننے سے بھی کوتاہ ہیں جو حیاتِ اخروی میں مفید ہے باوجودیکہ تجربہ کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں تجربہ تو جب ہوتا ہے کچھ مردے لوٹ کر ہمارے پاس آتے اور ہم کو وہ اعمال بتا دیتے جو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرتے ہیں اور جو دور کرتے ہیں اور ایسے ہی عقائد کو بتا دیتے اور اس کی کوئی امید نہیں لہذا عقل سے اتنا ہی فائدہ تم کو بہت ہے کہ تصدیقِ نبی علیہ السلام کی تم کو ہدایت کرتی ہے اور آپ کے اشارات کے معنی سمجھا دیتی ہے پھر اس کے بعد عقل کو تصرف سے الگ رکھو اور اتباع کو لازم کر لو کیوں کہ اگر تمہاری سلامتی سے تو اسی میں ہے۔

امور دینی میں عقل کی حیثیت کسی عالم کا قول ہے کہ عقل تم کو نبی علیہ السلام کی تصدیق تک پہنچا دیتی ہے اس کے بعد تم اُس کو چھوڑ دو اور جو کالم نبی علیہ السلام نے کیے ہیں اور جن کو چھوڑ دیا ہے اس میں آپ کی پیروی کرو جیسے تمہارے ظاہری سفر میں گھوڑا کہ وہ تم کو دریا تک پہنچا دیتا ہے اس کے بعد

تم اس کو چھوڑ دیتے ہو اور کشتی میں سوار ہو جاتے ہو اور اس کے چلانے اور ٹھہرانے میں ملاح کی پیروی کرتے ہو۔

اور شیخ کلابادی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امور دینی کی بنیاد بندوں کی عقل پر نہیں رکھی ہے اور نہ ان باتوں کے لحاظ سے وعدہ اور وعید کیا ہے جن کو ان کی عقلیں جان سکتی ہوں اور اپنی سمجھ سے وہ اُسے معلوم کر لیتے ہوں یا اپنی رائے سے قیاس کر لیتے ہوں بلکہ وعدہ اور وعید اپنی مشیت اور ارادہ کے موافق کیا ہے اور امر اور نہی اپنی حکمت اور علم کے مطابق فرمایا ہے اور اگر مردہ امر جو عقل سے دریافت نہ ہو سکتا ہو مردود ہو تو اکثر احکام شرعی عقول عباد کے موافق محال ہو جائیں اور وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے منی کے نکلنے سے جو کہ بعض صحابہ اور اکثر فقہائے امت کے نزدیک پاک ہے نہانا واجب کر دیا ہے اور پانخانہ کے نکلنے سے صرف اعضائے وضو کا دھونا واجب کیا جس کی نجاست اور پلیدی اور بدبو میں اس امت میں سے کسی کو اس امت کے علاوہ کسی عاقل کو اختلاف نہیں ہے اور مومنین سے ہوا کے نکلنے سے بھی وہی واجب کیا ہے جو کثیر اور بُرے پانخانہ کے نکلنے سے واجب کیا ہے پس کونسی عقل سے یہ درست ہو سکتا ہے اور کونسی رائے ہو کہ جس کی کچھ جسمیت بھی قائم نہیں ہے اُس کے ساتھ برابری واجب کرتی ہے جس کی جسمیت موجود ہے اور ہوا سے بدبو اور نجاست میں زیادہ ہے اور دس درہم کی چوری پر اور بعضوں کے نزدیک تین درہم کی چوری یا اس سے کم پر مومن کا داہنا ہاتھ کاٹ دینا واجب کیا پھر مال کی اتنی مقدار میں یعنی دس درہم یا تین درہم اور اس سے کم، اور لاکھ اشرافی میں برابری کر دی کہ دونوں میں ہاتھ کاٹنا برابر ہے اور ماں کو اولاد کے ترکہ سے تہائی دلایا ہے پھر اگر میت کے دو بھائی بن ہوں تو اُس کے لیے چھٹا حصہ ہے بلا اس کے کہ وہ بھائی بن میت کے کچھ وارث ہوں پس تسلیم اور اطاعت کے سوا کس عقل سے یہ معلوم ہو سکتا ہے خداوند تعالیٰ ہم پر اپنے لطف و کرم سے تسلیم اور اطاعت آسان فرمادے۔

نوے مجلس اللہ تعالیٰ کے غصہ پر اس کی رحمت کے غالب ہونے اور دونوں کی حقیقت کے بیان میں

اللہ کی رحمت غصہ پر غالب ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لما قضی اللہ الخلق کتب کتابا فهو عنادہ فوق عرشہ ان رحمتی سبقت غضبی ذنی روایۃ ان رحمتی غلبت غضبی "جب اللہ تعالیٰ تخلقت کو پیدا کر چکا تو ایک حکم لکھا پس وہ اُس کے عرش کے اوپر اس کے پاس ہے کہ بے شک میری رحمت میرے غصہ پر سابق ہے اور ایک روایت میں ہے بے شک میری رحمت

میرے غضب پر غالب ہے۔

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اللہ کی رحمت کے غضب پر غالب ہونے کے معنی اور اُس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب خلقت کو پیدا کیا تو ایک یقینی حکم کیا اور ایک لازمی وعدہ فرمایا کہ اُس کی رحمت اُس کے غضب پر سابق اور غالب ہے پس رحمت سے مراد مطیع کو ثواب دینے کا ارادہ ہے اور غضب کا مطلب گنہگار کو بدلہ دینے کا ارادہ ہے۔

پس اس بیان کے موافق ان دونوں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک ایسی صفت ہے جو ارادہ سے تعلق رکھتی ہے اور یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ صفات الہی سب قدیم ہیں ایک کو دوسرے پر سابق اور غالب نہیں کہا جاسکتا پس یہ کہنا لازم ہے کہ اس کلام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور تمام خلق کو اُس کے شامل ہونے کا بیان ہے کیونکہ رحمت فرما کر زیادہ اور گنہگار اور چھوٹے اور بڑے سب پر ہوتی ہے اور ہر غضب تو وہ فقط گنہگار پر ہوتا ہے۔

پھر یہ کہ رحمت میں سے خلقت کا حصہ بہ نسبت غضب سے زیادہ ہے کیونکہ لوگ رحمت کو تو بدون استحقاق پاتے ہیں اور غضب بغیر استحقاق نہیں پاتے پس رحمت ایسی ہو گئی کہ گویا وہ بہ نسبت غضب کے سابق اور غالب ہے۔

رحمت کا تقاضا پھر یہ کہ رحمت غیر سے مضرت کے دور کرنے اور اُس کو فائدہ پہنچانے کو چاہتی ہے اور اگرچہ خود اس غیر کا نفس اُس کو بُرا جانے اور اُس پر دشوار گزارے اور حقیقی رحمت یہی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ باپ کی رحمت بیٹے کے ساتھ ہی ہے کہ اُس کو شہوات سے منع کرے اور علم اور ادب پر مار مار کر مجبور کرے اور جب اس طریقہ میں بیٹے کے ساتھ لاپرواہی کرے گا تو یہ اس پر بے رحمی ہوگی اگرچہ وہ یہی سمجھے کہ یہ میری شفقت ہے کیونکہ یہ شفقت جہالت کی ہے جیسے ماں کی شفقت اور اسی لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں پر یہ ہے کہ اُن کو اوامر اور نواہی کے ذریعہ سے آزمائے یہ بات نہیں کہ خدا کی اُن کے ساتھ کوئی غرض ہے جس کی وجہ سے اُن کو حکم دیا ہے اور نہ یہ کہ جس بات سے اُن کو منع کیا اُس میں اُن کے ساتھ بخل ہے بلکہ اس لیے کہ سیدھی راہ چلیں اور دھمی عیش میں داخل ہوں۔

بندوں پر رزق کی تنگی اور مصیبت بھی رحمت سے | اور یہ بھی اُس کی رحمت ہے کہ دنیا ان کو کم کر دی اور مکر کر دی اور دنیا میں اُن پر بچانے کی غرض سے بلا نہیں مسلط کر رکھی ہیں تاکہ مطمئن ہو کر اُس سے غایت درجہ کی محبت نہ کر لیں اور آخر دی مرتبوں سے الگ رہ جائیں پس چونکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو مرتبوں کی طرف ابتلا کے کوڑوں سے چلا یا ہے لہذا اُن کو اب اکثر باتوں سے روکا ہے تاکہ آئندہ

عطا کرے اور اب اس لیے مصیبت میں مبتلا کیا کہ آئندہ عاقبت دے اور اب اس لیے موت دی کہ آئندہ ابدی زندگی عطا کرے اس لیے کہ بندہ جب مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُس کے نفس کی تیزی گھٹ جاتی ہے اور بشری صفات جاتے رہتے ہیں اور ہوا و ہوس کا مادہ اور دنیا کی لذت منقطع ہو جاتی ہے اور ہر خوشی اور رنج کی حالت میں اپنے موٹے کی طرف متوجہ رہتا ہے اور اُس کی طرف متوجہ رہنے سے مالوت ہو جاتا ہے اور اُس کے سامنے صبر اور رضا پر جم جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اولیاء اور احباب کے درجہ پر بلند کر دیتا ہے کیونکہ بلا بندہ کو پگھلا دیتی ہے پس گو یا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندہ کو بلاؤنگی آگ سے پگھلاتا ہے تاکہ اخلاق بشری کے میل کچیل سے اُس کو صاف کر دے اور اپنی ولایت اور محبت کے لائق بنا دے اور یہی بڑی سعادت اور بڑی کرامت ہے۔

دائمی نعمت صرف دین حق ہی ہے | لیکن نبی آدم سے نادانی ہوئی اور انہوں نے سعادت اور کرامت دین ناسد اور دنیا نے فانی کے ذریعہ سے طلب کی حالانکہ فی الواقع یہ دونوں اُس چیز کے خلاف ہیں جس کو طلب کرتے ہیں لہذا اُن کا مطلوب جس طریقہ سے انہوں نے طلب کیا تھا اُسی سے فوت ہو گیا اور جس رنج سے بچنا چاہتے تھے اُس میں جا پڑے اور یہ اس واسطے کہ جو اعمال لوگ کرتے ہیں ان کو یاد دین بنایا ہے یا نہیں اور جن کو دین بنایا ہے وہ یاد دین حق ہے یا نہیں پس دائمی نعمت تو صرف دین حق ہی میں ہوتی ہے پس دائمی نعمتوں والے صرف دین حق کے لوگ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کئی جگہ اس کی خبر دی ہے۔

پرہیزگاروں کا انعام | مُجِدَّانَ کے پرہیزگار ہدایت والوں کے حق میں ایک یہ آیت ہے أَذْلَلْنَاكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأَذْلَلْنَاكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ”یہی لوگ ہیں راہ پر اپنے رب کی اور یہی ہیں مراد کو پہنچنے والے“ اور یہ آیت فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ”پھر جو پیلا میری بتائی راہ پر وہ نہ بھٹکے گا اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا“ اور یہ آیت فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خُوفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ”تو جو کوئی پیلا میرے بتائے پر نہ ڈرے اُن کو اور نہ اُن کو غم ہو گا“ اور آیت إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۗ ذَرِّبْنَا لِيَفِي حَجَّيْهِ ۗ ”بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں اور بیشک گنہگار ہیں دوزخ میں“ اور قرآن ہدایت اور نیک اعمال والوں کے لیے آخرت میں دائمی نعمت کے وعدوں اور گمراہوں اور بدکاروں کے واسطے آخرت میں دوزخ کی وعیدوں سے بھر ہوا ہے اور اس پر تمام انبیاء علیہم السلام اول سے آخر تک متفق ہیں۔

نیک لوگوں پر مصیبتیں آخرت کی ترقی کا سبب ہیں | وہ مصیبتیں جو دنیا میں لوگوں کو ہوتی رہتی ہیں تو اگر وہ لوگ گنہگار نہ ہوں تو وہ مصیبتیں عقبتے میں رفع درجات کے لیے ہوتی ہیں چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی شخص کا اللہ کے یہاں کوئی خاص مرتبہ ہوتا ہے اور وہ بذریعہ عمل اُسے حاصل

نہیں کر سکتا ہے پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ اُس کو ایسی باتوں میں مبتلا رکھتا ہے جو اُس کو ناپسند ہیں یہاں تک کہ اُس درجہ کو پہنچ جاتا ہے اور اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں۔

گناہ گاروں کی مصیبت کا سبب | اور اگر وہ لوگ خطا دار ہیں تو وہ مصیبتیں اُن کے گناہوں کے سبب سے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فِيمَا كُنْتُمْ آيْدُرُكُهُمْ "اور جو بڑے تم پر کوئی مصیبت سو وہ اُس کے سبب سے ہے جو کمایا ہے تمہارے ہاتھوں نے" پس وہ مصیبتیں جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اُن کے گناہوں کا کفارہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "جب آدمی کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی جو اُن کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اُس کو غم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔"

ایک غلط فہمی کا ازالہ | اور ایک اور حدیث میں ہے جو ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے ہمیشہ مؤمن مرد اور مؤمن عورت پر اُس کی جان اور مال اور اولاد پر بلا آتی نہ سہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے وہ اس حال میں ملتا ہے کہ اُس پر کوئی گناہ نہیں رہتا لیکن بعضے باوجود گناہوں میں آلودہ ہونے کے یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم دین حق پر خوب قائم ہیں اور اپنی جہالت سے اپنے رب پر تمہمت رکھتے ہیں اور اپنے ساتھ اُس کا احسان نہیں سمجھتے اور جب اُن پر کسی طرح کی بلا آتی ہے تو کہتے ہیں اے میرے پروردگار میری کیا خطا ہے جو تو نے میرے ساتھ ایسا کیا اور یوں اعتقاد کرتے ہیں کہ دنیا میں سلامتی اور آرام نیکوں کے لیے ہے اور دنیا میں مشقت بدکاروں کے واسطے ہے اور اسی پر بھروسہ کیا ہے جو بے ہیں۔

دین حق حقیقت سے ناواقفی کے نتائج | اور یہ اعتقاد بہت بڑا فتنہ ہے اگر خلقت کو اُس دین حق پر قائم رہنے سے روک رکھا ہے اور اس کی بنیاد دین حق کی حقیقت سے ناواقفی ہے اور اس ناواقفیت سے دین حق پر قائم رہنے سے اعراض پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس اعتقاد سے اکثر وہ جاہل عابد بگڑ گئے ہیں جن کو امور دین سے کچھ واقفیت نہیں اور وہ نام کے ظالم جن کو حقائق دین کی کچھ معرفت نہیں اس لیے کہ یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ آدمی اگر چہ نبی علیہ السلام کے لائے ہوئے احکام پر ایمان رکھتا ہو مگر وہ اپنے لیے ضروریات یعنی نفع حاصل کرنے اور ضرر کے دفع کرنے کا محتاج ہے اور جب یہ اعتقاد کر لیا کہ دین حق پر قائم ہونا اس کے برخلاف ہے اور جس نے دین حق کو لیا اُس کو ایسی بلا کا سامنا ہو گا جس کی طاقت نہیں اور اُس کو لذتیں اور موجودہ فائدے نہ ملیں گے تو اس سے اس کا لگے مقرب لوگوں کے حال سے منہ موڑنا لازم آتا ہے بلکہ راہ راست والوں کے حال سے بھی جو داہنے ہاتھ والے ہیں بلکہ ظالموں کے زمرہ میں داخل ہونا لازم آتا ہے بلکہ منافقوں کے زمرہ میں یہاں تک کہ بعضوں کو تم کہتے سنتے ہو کہ جب میں اللہ سے توبہ اور

اعمال نیک کرتا ہوں تو میری روزی تنگ اور عیش مکدر ہو جاتا ہے اور جب میں معصیت کی طرف لوٹتا ہوں اور نفس کی مراد پوری کرتا ہوں تو میرا رزق فراخ اور عیش عطا ہو جاتا ہے اور یہ حالت اللہ کے دین اور اس کے وعدہ اور وعید کو نہ جاننے سے ہے اور اس جہالت سے کہ کتنا دین حق میرے پاس ہے کیونکہ وہ یہ خیال کر رہا ہے کہ میں دین حق پر قائم ہوں اور احکام کو سبلا لاتا ہوں اور ممنوعات کو ترک کرتا ہوں حالانکہ وہ اکثر اوقات بہتیری باتیں جو اس پر واجب ہیں اس وجہ سے کہ وہ ان کو نہیں جانتا ہے یا ان کو واجب نہیں جانتا ہے چھوڑ دیتا ہے پس اس صورت میں علم میں کوتاہی کرنے والا ہوگا بلکہ اکثر ان کو اور ان کے واجب ہونے کو جانتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے یا تو سستی اور کاہلی سے یا کسی باطل بہانہ سے یا اس وہم سے کہ اس سے ضروری کام میں لگا ہوا ہوں یا اور کسی وجہ سے بلکہ اکثر اوقات اللہ کی عبادت اس چیز کو چھوڑ کر کرتا ہے جو اس پر واجب ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو باوجود اس پر تادیر ہونے کے اور یہ سمجھتا ہے کہ میں بے نادمہ کاموں کو چھوڑ کر اللہ کا قرب حاصل کرتا ہوں اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں دین حق پر قائم ہوں اور یہ خبر نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مردود اور سب سے زیادہ مبغوض ہے بلکہ اکثر اوقات اس چیز سے خدا کی عبادت کرتا ہے جو اللہ نے اس پر حرام کی ہے اور یہ اعتقاد کرتا ہے کہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور اس کا مال اس عمل میں اس شخص سے بدتر ہے جو اس کو گناہ اور معصیت سمجھ کر کرتا ہے جیسے گانا سننے والے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست اور اس کے محبوب ہیں اور اکثر لوگ جب ان پر ان کا دشمن غالب ہو جاتا ہے اور وہ اپنے نزدیک نیک ہوتے ہیں اور ان کا دشمن فاسق اور ان کے خیال میں یہ ہوتا ہے کہ میں بہر حال حق پر ہوں اور مظلوم ہوں اور میرا دشمن باطل پر ہے اور ظالم ہے تو کہتے ہیں کہ حق والے دنیا میں مغلوب اور مقہور ہوتے ہیں اور اہل باطل سر بلند اور فتحیاب ہوتے ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ کبھی خود اس کی طرف ایک طرح کا ظلم اور باطل ہوتا ہے اور اس کے دشمن کی طرف ایک طرح کا حق اور انصاف لیکن آدمی کی پیدائش چونکہ اپنی محبت اور دشمن کی عداوت پر ہوئی ہے اس لیے وہ بجز اپنی خوبیوں اور دشمن کی برائیوں کے کچھ نہیں دیکھتا بلکہ کبھی اپنی محبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اپنی برائیوں کو بھی نیکیا سمجھتا ہے اور دشمن کی عداوت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ اس کی خوبیوں کو برا جانتا ہے اور یہ بات اس جہالت کی وجہ سے ہے جو ظلم اور نفسانی خواہش سے ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اس کے وعید اور اس بات کے نہ جاننے سے کہ میرے پاس کتنا دین حق ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں دین حق اور اس پر علم اور عمل کے ساتھ قائم رہنے والوں کی مدد کا نامن ہوا ہے اور باطل کی مدد گاری کا نامن نہیں ہوا ہے اگرچہ

باطل والا اپنے آپ کو حق پر جانے۔

عزت اور رفعت صرف دین والوں کے لیے ہے اور اسی طرح عزت اور رفعت میں سے ہر ایک صرف دین والوں کے لیے ہے جس کو دیکھنا اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا اور کتابیں اتاریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَاللّٰهُ الْعَزِيزُ الَّذِي سَوَّلَ لِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ** اور اللہ ہی کو عزت سے اور اس نے رسول کو اور ایمان والوں کو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَاَنْتُمْ اِلَّا عَلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ مَّوْمِنِيْنَ** اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہو تم ایمان والے۔ پس بندہ کا عزت اور رفعت میں سے اسی قدر حصہ ہے جتنا اُس کے پاس علم اور عمل کے اعتبار سے ایمان اور اُس کے حقائق ہوں پھر اگر اُس کی عزت اور رفعت میں سے کچھ جاتا رہا ہو تو وہ اُس کے بدلے میں ہے جو علم اور عمل کے اعتبار سے حقائق ایمان اُس سے جاتے رہے ہیں اور ایسے ہی پوری امداد اور کامل تائید صرف کامل ایمان والوں ہی کی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کا دنیا میں بھی مددگار ہے اور کبھی اکثر لوگوں کے بارہ میں غلطی ہو جاتی ہے اور یہ اعتقاد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین حق والے کی تائید نہیں کرتا ہے اور نہ مدد کرتا ہے اور نہ اس کو کسی طرح کا دنیا میں آرام دیتا ہے بلکہ ایسا شخص دنیا میں مدت العمر مظلوم اور مغلوب ہو کر بسر کرتا ہے باوجودیکہ جس بات کا حکم ہے اس کو ظاہر اور باطناً بجا لاتا ہے اور جس سے ممانعت کی گئی ہے اُس سے ظاہراً اور باطناً بچتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ دین حق والے دنیا میں ذلیل اور مغلوب ہی ہوتے ہیں پس اگر اُن باتوں کا ذکر ہوتا ہے جن کا قرآن میں وعدہ ہے تو کہتا ہے یہ صرف آخرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین نہیں لاتا کہ اپنے دین اور دنیاویوں کا دنیا اور آخرت میں مددگار ہے اور یہ کج فہمی کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں مومنوں کی مدد کرے گا فرمایا ہے **اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ** ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں اور جس دن کھڑے ہونگے گواہ، اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے **وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ رَمٰنَ قَبْلُ وَكُنْتُمْ لَشِيْطٰنًا لِّمَن يَدَّبُّوْنَ** اور اگر لڑتے تم سے وہ جنہوں نے کفر کیا تو ضرور پھرتے پیٹھ پھرنے پائیں گے ممانعتی اور نہ مددگار رسم پڑی ہے اللہ کی جو چلی آتی ہے پہلے سے اور نہ دیکھے گا تو اللہ کے طریقے کو بدلتے، اور یوں مومنوں کو خطاب ہے جو ایمانی حقائق ظاہر و باطن میں قائم ہیں۔

عاقبت سے مراد اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے **وَالْعٰقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ** اور آخر بھلائی سے پرستگاروں کے لیے، اور عاقبت سے مراد آخرت سے پہلے دنیا کا آرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جملہ کو سورہ اعراف میں حضرت موسیٰ نبی علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا اسے نقل کرتے ہوئے

وکر کیا سے کہ اسْتَعِينُوا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوا اِنَّ الْاَرْضَ مِنْ بِلَدِهِ يَوْمَئِذٍ تَبْتَلُ السُّعُوتِ وَاللّٰهُ يَوْمَئِذٍ عَلِيمٌ
 وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ "مذونا گواشد سے اور صبر کرو زمین اللہ ہی کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور آخر بھلائی ہے پرہیزگاروں کے لیے"

بلکہ اسی کی طرح سورہ ہود میں نوح علیہ السلام کے قصہ اور اپنی قوم پر ان کے فتیاب ہونے کے بعد ذکر فرمایا ہے تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ لَوْ حِطَّ بِهَا لَيُكَفِّرَنَّ عَنْكَ سَيِّئَاتِكَ وَلَيُعَذِّبَنَّكَ لَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ مَا كَانَتْ تَفْعَلُ ۝ "ان کو تو نہ جانتا تھا اور نہ تیری قوم اس سے پہلے پس صبر کر بے شک آخر بھلائی ہے پرہیزگاروں کے لیے" لہذا معنی یہ ہونے کہ آخر کو نصرت تیرے لیے ہے اور تیرے ساتھیوں کے لیے جیسے نوح علیہ السلام

اور ان کے ساتھیوں کے لیے معنی اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی اور فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے قَائِدًا نَالِذِينَ اٰمَنُوا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاصْبِرُوا اَظْهَرَ مِنْ ۝ "پھر تائید کی ہم نے ان کی جو ایمان لائے ان کے دشمنوں پر پس ہو گئے وہ غلبہ اللہ کی تائید کم ہونے کی وجہ اس جس کا عمل مقتضائے ایمان سے گھٹ گیا اس کا حصہ بھی مدد اور تائید کا گھٹ جانے کا اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ آدمی پر جو مصیبت آتی ہے اس کی جان پر یا مال پر یا دشمن کا اس پر غالب آنا تو یہ سب اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے یا تو واجب ترک کرنے سے یا کسی حرام کے کرنے سے پھر یہاں کئی نامیں ہیں جن کا جانا ضروری ہے۔

انسان پر مصیبت ارادہ الہی سے ہی آتی ہے اول یہ کہ آدمی پر بعضے وقت جو مصیبت آتی ہے دشمن کا اس پر غالب آنا اور اس کا ایذا دینا سو یہ بات طبیعت بشری اور عالم انسانی کو ایسی ہی بمقتضائے ارادہ الہی اور حکمت ربانی لازم ہے جیسے شدید گرمی اور سخت جاڑ سے اور بیماریاں اور نکر اور غم جو آدمی کو لاحق ہوتے ہیں یہاں تک کہ بچوں اور جانوروں کو بھی پس اگر خیر شر سے اور نفع ضرر سے اور لذت الم سے خالی ہوتا تو یہ عالم کے علاوہ کوئی اور ہی عالم ہو جاتا اور اس دینا کے علاوہ کوئی دوسری دنیا جاتی۔

مصیبت میں گرفتاری کا معاشرتی سبب اور دوسرے یہ کہ آدمی خلقتاً تمدن پسند ہے اس کو ممکن نہیں کہ ایلا زندہ رہ سکے بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اور لوگوں کے ساتھ رہے اور لوگوں کے اپنے اپنے ارادے اور مقاصد ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ یہ ان میں ہماری موافقت کرے اور اگر موافقت نہیں کرتا ہے تو ایذا دیتے ہیں اور استاتے ہیں اور اگر ان کی موافقت کی اور اس میں کچھ ٹسک نہیں کہ باطل میں ان کی مخالفت کا رنج اس رنج سے بہت سہل ہے جو ان کی موافقت پر حاصل ہوتا ہے پس وہ تھوڑا سا رنج جس کے بعد بڑی دائمی لذت ہے اٹھانا اور لی ہے نسبت اس تھوڑی سی لذت کے جس کے بعد ہمیشہ کا بڑا الم ہو۔

موت سے فرار ممکن نہیں | تیسرے یہ کہ جو بلا انسان پر راہ حق میں آتی ہے اس سے خالی نہیں کہ یا تو اُس کی جان پر ہوگی یا اُس کے مال پر یا اُس کی آبرو پر یا اہل پر اور ان قسموں میں سب سے سخت وہ ہے جو خود اُس کی جان پر ہو اور اُس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ مارا جائے اور شہید ہو جائے اور یہ سب موتوں میں اشرف اور سب سے سہل ہے اس لیے کہ شہید کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی مگر اتنی کہ جیسے حیوانی کاٹ کھانے اور شہید کے قتل ہونے میں اس سے زیادہ تکلیف نہیں ہوتی جو بنی آدم کو بستر پر مرتے وقت معمولی ہو کرتی ہے اور کوئی موت اجل سے پہلے نہیں ہوتی اس لیے کہ عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مقتول اپنی موت پر مرتا ہے پس جو شخص اپنی موت یا قتل سے بھاگے اور یہ گمان کرے کہ میرے بھاگنے سے میری عمر بڑھ جائے گی اور زیادہ زندگی سے فائدہ اٹھاؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس خیال میں اس کو جھٹلایا ہے اور فرمایا ہے قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمْ الْفَرَارُ إِنَّ فَوْذَكُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِثْلًا مَّمْتَعُونَ إِلَّا لِقَلِيلٍ ۗ وَ تُو كَهْر دَسے ہرگز نہ فائدہ دے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے تم مرنے سے یا مارے جانے سے اور پھر نہ پھل پاؤ گے مگر کم | پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا کہ موت یا قتل سے بھاگنا فائدہ نہیں دیتا مگر کچھ حقوڑا سا اس لیے کہ موت سے کسی کو رہائی نہیں بلکہ اس سے کوئی پارہ نہیں پس اس بھاگنے سے وہ بات جاتی رہے گی جو اُس کے لیے بہتر ہے یعنی ہمیشہ کی زندگی جو شہید کو اُس کے رب کے پاس ملتی ہے۔

جو اللہ کی اطاعت سے اعتراض کرتا ہے وہ مخلوق کی اطاعت پر مجبور ہوتا ہے | پس اس لیے جو شخص دنیا کے آرام کو اللہ کے راستے کی محنت کے بدلہ میں پسند کرتا ہے تو راہ خدا کے علاوہ جو محنت اُس کو ہوتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ میں خداوند تعالیٰ اُسے ڈال دیتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اطمینان جب آدم علیہ السلام کے سامنے ذلیل ہونے سے بچنے کے لیے سجدہ سے باز رہا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو سب سے زیادہ ذلیل کر دیا اور قیامت تک ان کی اولاد میں سے فساق اور فجار کا خادم بنا دیا اور ایسے ہی جو شخص اس سے باز رہتا ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کے سامنے ذلیل کرے اور اپنے بدن کو اللہ کی طاعت اور مرضی کے لیے رنج میں ڈالتے ہیں تو ضرور ہے کہ اُس شخص کے سامنے ذلیل ہو گا جو تمام خلق اللہ میں زیادہ ظالم اور زیادہ مفسد ہو اور اپنی جان اور بدن کو اُس کی طاعت اور مرضی کے کاموں میں رنج میں ڈالے گا اللہ کی طرف سے یہ اُس کی سزا ہے اور اسی لیے کسی عارف نے کہا ہے جو شخص اپنے اختیار سے حق تعالیٰ کی بندگی نہ کرے گا وہ ناپاک ہو کر خلق کی بندگی کرے گا پس خالق کی خدمت سے الگ ہو کر مخلوق کی خدمت کرے گا پس اس بنا پر آدمی کو واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُسکی طاعت میں مشغول ہو اور اُس پر اعتراض نہ کرے نا چھوڑ دے اور بہر بات میں جو اس کے پاس سے آئے اُس کی قضا پر راضی رہے نفع ہو یا نقصان صحت ہو یا مرض منع ہو یا عطار رنج ہو یا تکلیف اور

اللہ کے اس قول کا لحاظ رکھئے **عَلَيْكُمْ أَنْ تَكُونُوا شِرْكًا وَأَنْ تَكُونُوا شُرَكَاءَ لِلَّهِ يَكْفُرُ بِاللَّهِ عَمَّا كَفَرَ بِهِ وَأَنْ تَكُونُوا كَالَّذِينَ اتَّخَذُوا أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَأُولَئِكَ يَحْسَبُونَ أَنْ سَوْفَ نُعَذِّبُهُمْ وَأَسْفُكُوا**۔
 تمہارے لیے اور شاید تم پسند کرو کوئی چیز اور وہ بُری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو گناہوں کے سبب آنے والی اکثر مصیبتوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے اور یقین رکھے کہ اللہ اپنے

بندوں پر اس سے زیادہ رحیم ہے جتنا مال اپنے بچے پر اور اللہ تعالیٰ خود اس سے زیادہ اس کی مصلحت جانتا ہے پھر جب کوئی عطا اس کی طرف سے ظاہر ہو تو اللہ کا شکر سجالاتے اور جب بلا آئے تو اپنے نفس کا حساب لے کہ کیا خطا ہوئی جس سے اس بلا کا مستحق ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَمَا آصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ** اور نہیں آتی تم پر کوئی مصیبت مگر اسی وجہ سے جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کر دیتا ہے۔
 پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا ہے کہ بندہ پر جو کوئی مصیبت آتی ہے اس کے اُن گناہوں کی وجہ سے ہے جو خود اس نے کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ اُن میں سے اکثر معاف کر دیتا ہے لہذا اُن کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں کرتا۔

آخرت کی معافی کی صورت اور عقوبت میں اگر توبہ نہ کی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے پس اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو معاف کر دے گا اور بلا عذاب جنت میں داخل کر دے گا اور اگر چاہے گا تو دوزخ میں گناہوں کے برابر عذاب دے گا پھر اس سے نکالے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔

مومن کے لیے پانچ سزائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں پانچ سزائیں ہیں اول تو بیماری۔ پھر مصیبتیں۔ پھر اگر اس کے گناہ اس سے بھی زیادہ ہوئے تو قبر میں عذاب ہو گا پھر اگر اس سے بھی زیادہ ہیں تو پلصراط پر روک رکھا جائے گا اور اگر اس سے بھی زیادہ ہوئے تو اپنے گناہوں کے موافق دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ پھر توحید کی برکت سے اس سے نکال لیا جائے گا۔

کیا نویں مجلس اس بیان میں کہ شیطان انسان کے اندر خون کی طرح دوڑتا پھر

انسان کے اندر شیطان کے دوڑنے کا مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان شیطان یجری من الانسان مجری الدم۔ بے شک شیطان انسان کے بدن میں خون کی طرح چلتا ہے۔

یہ حدیث مسایح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ام المومنین صفیہ نے روایت کی ہے اور شیطان سے اس جگہ اس کا وسوسہ مراد ہے خود شیطان نہیں پس اب لفظ مجری میں اس بات کا احتمال ہے کہ اسم ظرف ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ شیطان کا مکر اور اس کا وسوسہ انسان میں رہاں وہاں

چلتا ہے جہاں جہاں خون چلتا ہے یا تمام رگوں میں اور یہ بھی احتمال ہے کہ مصدر مسمی ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ شیطان کا نکر اور اُس کا دوسو سہ انسان کے اندر خون کی طرح چلتا پھرتا ہے کیونکہ خون جیسے انسان کے اعضاء میں پھرتا ہے بغیر اس کے کہ آدمی کو اُس کا چلنا کچھ معلوم ہوتا ہو ایسے ہی شیطان کا دوسو سہ انسان کے اعضاء میں پھرتا ہے بلا اس کے کہ آدمی کو اُس کے چلنے کی خبر ہو اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ خود شیطان مراد ہونے اُس کا دوسو سہ پس اس لیے کہ وہ چونکہ کثیف چیز نہیں ہے تو کچھ بعید نہیں کہ انسان کی رگوں میں پھرتا ہو کیونکہ غیر کثیف چیز کثیف میں گھس ماتی ہے جیسے ہوا بدن میں چلی جاتی ہے۔

انسان کو گمراہ کرنے کا شیطانی طریقہ | پس اس صورت میں شیطان ہی انسان کے اندر خون کی طرح چلتا پھرتا ہے اور اُس کے نفس سے ملتا ہے اور اُس کی محبوب اور مقصود باتیں پوچھتا ہے پس جب اُس کا مقصود اور مراد جان لیتا ہے تو اُس سے انسان کو بھٹکانے اور طریق مستقیم سے نکلانے میں مدد دیتا ہے پس وہ اُس کو ایسے گھاٹ لگاتا ہے جس کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ اس میں ناپید ہونے سے پھر ایسی جگہ لاتا ہے جہاں کچھ عطا ہاتھ آئے پھر اُس سے الگ ہو جاتا ہے اور اسی کے حوالے کر دیتا ہے اور آپ الگ ہو کر خوش ہوتا ہے اور اُس پر ہنستا ہے۔

انسان کو ذلیل کرنے کا شیطانی طریقہ | پس وہ آدمی کو چوری اور زنا اور خون کرنے کا حکم کرتا ہے پھر ظاہر کر دیتا ہے اور رسوا کرتا ہے جیسے کہ اُس راہب کے ساتھ کیا تھا جس نے ایک عورت سے زنا کیا پھر جب اُس عورت کے بچہ پیدا ہوا تو اُس کو اور اُس کے بچہ کو قتل کر ڈالتے کی زبرد کو صلاح دی عورت کے گھر والوں کو بتا دیا اور اُس کا سب حال کھول دیا پھر جب اُن لوگوں نے ان کو سولی دینا چاہا تو اپنے سجدہ کرنے کا حکم دیا کہ میں بچا لوں گا پس جب اُس نے سجدہ کیا تو اُس کو چھوڑ کر بھاگ گیا اور اسی قصہ کے بارے میں یہ قول الہی اُترتا ہے **كَذَلِكَ الشَّيْطَانُ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ** جیسے کہ اوت شیطان کی جب کہا انسان کو کہ کافر ہو جا پس جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا میں بری ہوں تجھ سے میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب ہے سارے جہان کا اور یہ بکر اسی شخص کے ساتھ خاص نہیں ہے جس کا یہ قصہ بیان ہوا ہے بلکہ ہر اُس شخص کو عام ہے جو شیطان کے کفر اور گناہ کرنے کے حکم کو اس لیے مانتا ہے کہ وہ اسکی مدد کرے گا اور اس کی حاجت پوری کرے گا پھر اُس سے الگ ہو جائے گا اور اسی کے حوالے کر دے گا جیسا کہ اس نے سارے دو سنتوں سے قیامت کے دن برات کرے گا اور یہ کہے گا **إِنِّي كَفَرْتُ مِمَّا آسُرْتُكُم بِهِ مِن قَبْلُ** میں انکار کرتا ہوں اُس کا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پس بے شک وہ اپنے دوستوں کو دنیا میں تو کسی گھاٹ لگا دیتا ہے پھر اُن سے قیامت کے دن

الگ ہو جائے گا۔

انسان پر شیطان کے غلبہ کی حقیقت | پس اس بنا پر عاقل کو لازم ہے کہ اپنے دل سے اُس کے دوسو سہ کے دوز کرنے کی کوشش کرے اس لیے کہ انسان پر اس کا غلبہ قہر اور مجبور کر کے نہیں ہے بلکہ اُس پر اُس کا غلبہ گناہوں کے راستہ کر کے دکھلانے اور بہکانے سے ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ابلیس زینت دینے کو پیدا ہوا ہے اور گمراہ کرنے کا کچھ اعلان اُسکو نہیں ہے پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا کہ شیطان نبی آدم پر اس طرح مسلط نہیں کہ اُن کو معصیت کا حکم کرے اور اُس پر مجبور کر دے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اُس کے شر سے کوئی نہ بچتا بلکہ اُس کا یہ مال ہے کہ اُن کے دلوں میں دوسو سہ ڈالتا ہے اور معصیت کو اُن کی نظروں میں اچھا بنا کر دکھاتا ہے اور اس سے زیادہ اس کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس سے نقل کیا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخیوں سے کہیگا
 وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاَنْتُمْ لَكُمْ فَاَنْتُمْ لَكُمْ فَاَنْتُمْ لَكُمْ فَاَنْتُمْ لَكُمْ
 ”اور نہ تھا مجھ کو تم پر کچھ غلبہ مگر اتنا کہ میں نے تم کو بلایا پس تم نے مان لیا پس نہ ملامت کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنے آپ کو“

یعنی باطل کی طرف تم کو میرا بلانا کچھ بطور قہر اور جبر کے نہ تھا اور نہ کسی محبت اور دلیل سے تھا جو میری سچائی پر دلالت کرتی ہو بلکہ صرف زینت اور آرائش دینے سے تھا پس تم نے میرا کہا اپنی ہوا و ہوس اور غرضوں کے موافق ہونے کی وجہ سے تو مانا اور اپنے پروردگار کا کہنا نہ مانا جس نے حق کی طرف تمہیں اس طرح بلایا کہ وہ بلانا مجتوں اور دلائل کے ساتھ تھا کیونکہ تمہاری خواہشوں اور غرضوں کے موافق نہ تھا۔

شیطان کو انسانوں کو گمراہ کرنے کی مہلت | پس چونکہ دشمن خدا نے تعالیٰ جب آدم نبی علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے باز رہا اور مقرب ملائکہ کی جماعت سے یا جنت سے نکال دیا گیا اور اُس نے درخواست کی کہ اُس دن تک جس میں آدم نبی علیہ السلام اور ان کی اولاد جزا کے لیے اٹھائے جائیں گے مہلت دی جائے تو اُس کو اس وقت معلوم کے دن تک مہلت ملی اور وہ پہلے نوحہ کا وقت ہے کہ جس کی نسبت اللہ جانتا ہے کہ جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اُس وقت سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے تو شیطان نے کہا قَالَ رَبِّ هَمَّا اَعْوٰ يَتَنِي لَا زَيْنٌ لَّهٗمْ فِي الْاَرْضِ حٰى وَلَا اَعْوٰ يَتَنِي اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ ”اے رب اس وجہ سے کہ تو نے مجھ کو راہ سے کسویا میں اُن کو بہار دکھاؤں گا زمین میں اور بہکاول گا اُن سب کو مگر جو تیرے بندے اُس میں سے چنے ہوئے ہیں“

اللہ کی اطاعت و عبادت کرنے والے شیطان کے اثر سے پاک رہیں گے اور اس نے ان بندوں کو الگ کر دیا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعت اور عبادت کے لیے چن لیا ہے اور ان کو اس کے بہکانے کے اثر سے پاک رکھا ہے پس جب ان کو نکال دیا اور ان کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ ۝** "یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر قابو نہیں لگے گی جو میری راہ چلا بہکنے والوں میں سے" پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دے دی ہے کہ اس کے وہ بندے جن کو اس نے اپنی طاعت اور عبادت کے لیے چن لیا ہے ان پر دشمن خدا کا کچھ قابو نہیں ہے بلکہ اس کا قابو ان ہی لوگوں پر ہے جو گمراہ اس کے تابع ہیں۔

اور دوسری آیت میں خبر دی ہے کہ اس کے مومن اور متوکل بندوں پر اس کا کچھ قابو نہیں ہے پس فرمایا **إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّهُمْ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝** "تو انہیں اس کا کچھ قابو ان پر جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اس کا قابو ان ہی پر ہے جو اس کو رفق سمجھتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں" اور یہ آیت دو باتوں کو شامل ہے ایک تو ایمان والوں پر اس کے قابو ہونے کی نفی کرنا اور ان لوگوں پر جو لوگ اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں جو کرتے ہیں یا جو چھوڑتے ہیں پس اس کا دوسرے ان لوگوں میں اثر نہیں کرتا ہے اور اس کا بلا نا ان کے پاس مقبول نہیں ہوتا ہے۔

شیطان کا قابو مشرکوں پر ہوگا اور دوسرے مشرکوں پر اس کے قابو ہونے کو ثابت کرنا اور ان لوگوں پر جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے دوسرے کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے بلانے کو مانتے ہیں۔

شیطان کے مسلط ہونے سے مراد اور ان پر قابو ہونے سے مراد دوسرے اور ایسا بلا نا ہے جس کو وہ مان ہی ہیں مگر اور مجبور کر کے مسلط ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ ایسا تسلط تو کسی پر نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول شیطان کی طرف سے بطور حکایت گذر چکا ہے **وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۝** اور مجھ کو تم پر کچھ حکومت نہ تھی مگر اتنی کہ میں نے تم کو بلا یا پس تم نے میرا کہا مان لیا ہے

اور چونکہ دشمن خدا جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں پر مجھ کو قابو نہ دے گا اس لیے کہا **فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِينَ ۝** "تم سے تیری عزت کی میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا مگر ان میں سے تیرے مقبول بندوں کو"

اور اللہ تعالیٰ نے عبرتوں سے دی ہے کہ جب دشمن خدا الہیں اس قول الہی سے بھڑکا گیا وَمَا مَنَعَكَ اَلَّا تَتَّجِدَ اِذَا اَمَرْتُكَ قَالَ فِجْأًا غَوِيَّتَنِي لَا قُعْدَانَ لَهُمْ حِيْرًا اَطَّكَ الْمُسْتَقِيْمَةَ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَلْاَكْثَرَ هُمْ شَاكِرِيْنَ ؕ اور تجھ کو کس نے منع کیا سجدہ سے جب میں نے تجھ کو حکم دیا تو بولا اس وجہ سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا البتہ ضرور بیٹھوں گا اُن کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بھڑوٹنگا اُن کے پاس اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور سامنے سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار،

تمام مفسرین اور نحوی کہتے ہیں کہ یہاں سے علی کا لفظ محذوف ہے اور صراطک کا زبر حروف جو دور کرنے سے ہے گو یا عبارت یوں ہے لَا قُعْدَانَ عَلٰی صِرَاطِكَ الْمُسْتَقِيْمِ پھر اُن کے پاس سب طرف سے آؤں گا۔

اور یہ اُس کی تفصیل ہے جو اُس نے اس قول میں مجملًا کہا تھا فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوِيَّتَهُمْ اَجْتَعِيْنَ پس قسم ہے تیری عزت کی میں ضرور سب کو بہکاؤں گا،

شیطان کے وسوسہ کا انداز اور اُس کے وسوسہ ڈالنے اور آرائش کرنے کی مثال ہے کہ جتنا اُسے ممکن ہو گا اور وہ قادر ہو گا کہ اُسے گواہی دے کہ کوئی خیر کار راستہ نہیں ہے مگر شیطان اُس پر بیٹھا ہوا ہے طرح طرح کے مکر اور فریب سے چلنے والے کی راہ مارتا ہے کیونکہ وہ انسان کے نفس پر غور کیا کرتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ دونوں قوتوں میں سے اس پر کون سی قوت غالب ہے آیا پیش قدمی کی قوت یا باز رہنے کی قوت پس اگر دیکھتا ہے کہ اس باز رہنے کی قوت غالب ہے تو اُس کے سست کرنے اور مامور بہ کا قصد اور ارادہ ضعیف کر دینے میں لگ جاتا ہے اور وہ عمل اس پر دشوار کر دیتا ہے اور ترک کر دینے کو آسان بتلاتا ہے یہاں تک کہ وہ اُس کو سرسری چھوڑ دیتا ہے یا اُس میں کوتاہی کرتا ہے یا اس میں سستی کرتا ہے اور اگر دیکھتا ہے کہ اُس پر قوت عمل غالب ہے تو مامور بہ کو اُس کی نظر میں گھٹانا شروع کرتا ہے اور وہم ڈالتا ہے کہ یہ مجھ کو کافی رہے گا بلکہ مبالغہ اور زیادہ کرنے کی ضرورت ہے اور اول میں کوتاہی کرتا ہے اور دوسرے میں بڑھ جاتا ہے۔

اللہ کے حکم میں اذراط و تقزیط ہی گمراہی اور کسی بزرگ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے اُس میں شیطان کے دو جھٹکے ہیں یا تو کوتاہی اور تقصیر کی طرف یا زیادتی اور افراط کی طرف اور وہ اُس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دونوں میں سے کس میں کامیاب ہو اور اکثر لوگوں پر ان ہی دونوں میدانوں میں رہنے کی ہے ایک تو کوتاہی اور تقصیر کا میدان اور ایک زیادتی اور حد سے بڑھ جانے کا میدان اور ان میں سے اُس راستہ پر قائم رہنے والے جس پر رسول اللہ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب تھے بہت ہی کم ہیں۔

ظلم کے ذریعہ ملنے والے مال سے نیکی کے کام کرنے کا شرعی حکم | اس لیے کہ بعضے اُن میں سے ایسے شخص ہیں کہ مسجدیں اور مدرسے اور پل اور خالق ہیں اُن مالوں سے بناتے ہیں جو بذریعہ ظلم چھین بھپٹ اور رشوت اور بیجا طریقوں سے جمع کیے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم اس کے بدلے میں اللہ کی طرف سے مغفرت اور بڑے ثواب کے مستحق ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ وہ اُس کے جمع کرنے اور خرچ کرنے میں غضب الہی کے سامنے آئے ہیں اس واسطے کہ اُن پر اس طرح مال جمع کرنے سے باز رہنا واجب تھا پس جب انہوں نے اس وجہ سے جمع کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تو اب توبہ اور خدا کی طرف رجوع کرنا اور اگر ممکن ہو تو اُس مال کا اُس کے مالکوں کو پھیر دینا واجب تھا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اُن کے وارثوں کو اگر مل جائیں ورنہ اُس مال کو فقیروں کو اس نیت سے بانٹ دینا واجب تھا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں امانت سے قیامت کے دن اُس کے مالکوں کو سچا دے اور انہوں نے چونکہ فقیروں کو تقسیم نہیں کیا اس لیے اُن کے ذمہ باقی رہا اور قیامت کے دن اُن کے اعمال میں سے لیا جائے گا۔

غیبت اور یادہ گوئی وغیرہ کا انجام | اور بعضے اُن میں ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے ہیں اور زبان سے ہر روز سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھتے ہیں پھر ہمیشہ لوگوں کی غیبت کیا کرتے ہیں گالیاں دیا کرتے ہیں اور اُن کی بے آبروئی کیا کرتے ہیں اور دن بھر بے انتہا اور بیشمار ایسی باتیں بکا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اپنے نفس کا حساب نہ لینے اور اپنے گناہوں کی خبر گیری نہ کرنے کی وجہ سے یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہماری نیکیاں گناہوں سے زیادہ ہیں اور اُن کی نگاہ اپنی تسبیح اور تہلیل کی گنتی پر تو ہوتی ہے اور اپنی یہودہ گپ کو بھولے رہتے ہیں کہ اگر وہ کبھی جائے تو اُن کی تسبیح اور تہلیل سے سو گنی بلکہ ہزار گنی ہو جائے اور بے شک کرائیگا کہ تبیں لے اس کو لکھ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کلمہ پر سزا کا وعدہ کر چکا ہے چنانچہ فرمایا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ "نہیں بولتا کوئی بات مگر اُس کے پاس ایک نگہبان ہے مقرر کیا ہوا"

زبان کی آفتوں سے نہ بچنے والوں کے لیے غور کا مقام | پس وہ شخص ہمیشہ تسبیحات اور تہلیلات کے فضائل تو سوچا کرتا ہے اور اس بات کو خیال نہیں کرتا جو غیبت کرنے والوں اور چلچلوروں اور جھوٹوں وغیرہ اور ان لوگوں کی سزا کے بارہ میں آیا ہے جو زبان کی آفتوں سے نہیں بچتے اور خدا کی قسم اگر کرائیگا کہ تبیں اس سے اس کی اُس وامہیات گپ کی جو اس کی تسبیح اور تہلیل سے ہزار گونہ زیادہ ہے جسے وہ لکھتے رہتے ہیں مزدوری مانگتے تو بے شک اپنی زبان روک لیتا اور اُس کو اپنا ضروری کام سمجھتا اور جو بول چکا ہے اُس کو اپنی لغزش شمار کرتا اور اپنی تسبیحات سے اُس کو موازنہ کرتا کہ لکھنے کی مزدوری

زیادہ نہ دینی پڑے پس بڑا تعجب ہے اُس شخص سے جو اپنا حساب کرے اور مزدوری میں ایک کوڑی کے چلنے جانے کے خوف سے تو احتیاط کرے اور آخرت میں فردوسِ اعلیٰ اور جنتِ الماویٰ کے جاتے رہنے کے خوف سے احتیاط نہ کرے اور یہ غفلت تو سمجھدار کے لیے بڑی مصیبت ہے اور ہم ایسی بلا میں پڑ گئے ہیں کہ اگر اُس میں شک کریں تو کافر ہوئے جاتے ہیں اور اگر اس میں تصدیق کریں تو جاہل مغرور بنتے ہیں اور یہ کام اُس شخص کا نہیں ہو سکتا جو احکام قرآن اور رسول ﷺ رب العالمین کی تصدیق کرتا ہے۔

پانویں مجلس دوسرے پر چیتک کہ اُس پر عمل نہ کیا جائے یا اُس کو زبان سے

بولانہ جائے کچھ مواخذہ نہ ہونیکے بیان میں

امت محمدیہ کو دوسرے کی معافی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ تجاوز عن امتی ما تو سوست بہ صدورہا ما لم تعمل بہ او تکلم بہ شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کیا ہے جو اُن کے دلوں میں خیالات آئیں جب تک اُن پر عمل نہ ہو یا زبان پر نہ لائے جائیں۔

یہ حدیث مسابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہؓ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جو اس امت کو معاف کر دیا گیا ہے وہ پہلی امتوں سے معاف نہ تھا اس لیے کہ خاص اس امت کے ذکر کا کوئی ضرور فائدہ ہونا چاہیے۔
دوسرے اور الہام | اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو وہ خیالات معاف کر دئے ہیں جو دل میں بڑے خیالات اور نفسانی منصوبے گذرتے ہیں کیونکہ دل میں جو نیکے اور بڑے خیالات آئیں اُن کو دوسرے کہتے ہیں اور جو اچھے عمدہ خیالات دل میں آئیں اُن کو الہام کہتے ہیں۔

امت محمدیہ کو دوسرے معاف ہونے کا مطلب | پھر دوسرے یا غیر اختیاری ہے یا اختیاری پس غیر اختیاری تو وہ خیالات ہیں جو دل میں بے اختیار آجاتے ہیں اور یہ دوسرے تمام امتوں کو معاف ہیں اس واسطے کہ یہ قدرت سے باہر ہیں اور اختیاری وہ خیالات ہیں جو دل میں آتے ہیں اور طبیعت اُن کو کھینچ لاتی ہے اور نفس اُس کے پیچھے لگا رہتا ہے اور بار بار اُن کو لاتا ہے اور اُن سے لذت لیتا ہے پھر اُس پر عمل یا بیان کی رغبت کرتا ہے اور یہ وہ قسم ہے جو اس امت کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے معاف ہے نہ اور امتوں کو۔

اعمال قلبی اور دوسرے سے فرق | اور ہے فاسد عقیدے اور بُری عادتیں اور دیگر قلبی اعمال

جو اسی کے مشابہ ہیں تو یہ امور وسوسہ دلی میں داخل ہونے سے الگ ہیں بلکہ بیان اعمال قلوب میں سے ہیں جن پر انسان سے مواخذہ ہوگا۔

دل میں آنے والی بات کے پانچ درجے | اور حاصل یہ ہے کہ جو بات دل میں آتی ہے اُس کے پانچ درجہ ہیں۔ پہلا با جس ہے اور یہ وہ ہے جو خیال اول اول دل میں آتا ہے۔ دوسرا خاطر اور یہ پیدائشہ خیال کا جاری ہونا ہے۔ تیسرا حدیث النفس اور یہ پیدائشہ خیالی میں تردد کا ہونا ہے کہ کروں یا نہیں۔ چوتھا ہم اور یہ کرنے کی جانب کو غالب کرنے کا نام ہے۔ پانچواں عزم اور یہ کرنے کا چکارا وہ اور پورا قصد کرنا ہے۔

خیالات کے جن درجوں میں نہ مواخذہ ہے نہ ثواب | اور یہ خیالات اگر گناہوں کے ہوں تو اُس میں تفصیل ہے مگر با جس پر تو بالاتفاق کسی سے مواخذہ نہیں ہوتا کیوں کہ یہ بندہ کا فعل نہیں یہ تو ایسی بات ہے کہ خود بخود آگئی ہے نہ اُس کے دفع پر قدرت ہے اور نہ اُس کے روک دینے کی اور خاطر جو با جس کے بعد ہے تو اُس کے دفع کرنے پر آدمی کو قدرت ہے کہ با جس کو آتے ہی دفع کر دے لیکن پھر بھی یہ اور اُس کے بعد والا یعنی حدیث النفس اس امت کو سب معاف ہیں اُس حدیث صحیح کی رو سے جو اس امت سے حدیث النفس کے معاف ہونے کے بارہ میں آئی ہے اور وہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے عفی عنی ما حدثت بہ نفوسہم "میری امت کو معاف کر دیا گیا ہے جو ان کے نفس خیالات پکائیں۔"

پس جب حدیث النفس معاف ہو تو اس سے پہلے کے دو درجہ بطریق اولیٰ معاف ہوں گے اور یہ تینوں اگر نیکیوں میں ہوں تو قصد نہ ہونے کی وجہ سے ان کا کچھ ثواب نہیں لکھا جاتا اور رہا ہم سو حدیث صحیح میں بیان ہو چکا ہے کہ نیکی کے ہم کا ثواب ہوتا ہے اگرچہ سبب کسی مانع کے دکھ جائے اور برائی کے ہم کا گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ ملتوی رہتا ہے پس اگر بندہ اُس کو اللہ کے واسطے ترک کر دے تو اُس کی نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر کر گذر تو صرف عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے ہم کا نہیں کیونکہ ہم اس امت کو معاف ہے۔

عزم پر گناہ و ثواب ہوتا ہے | اور رہا برائی کا عزم سو بعض علماء نے اس کو اگرچہ ہم میں داخل کیا ہے مگر محققین اس پر ہیں کہ بندہ سے اس پر مواخذہ ہوگا لیکن اگر اپنے عزم پر نادم ہو اور اللہ کے خوف سے وہ کام نہ کیا تو اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے کیونکہ گناہ کا عزم اگرچہ گناہ ہے لیکن اُس سے باز رہنا بھی نیک عمل سے لہذا ایک نیکی لکھی جاتی ہے لیکن جس صورت میں کہ وہ کام کسی مانع کے سبب سے نہ ہونے پایا یا کسی عذر کی وجہ سے اُسے چھوڑ دیا اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تو ایک گناہ لکھا جاتا ہے۔

عزم فعل قلب سے اس پر مواخذہ ہوگا | کیونکہ عزم قلبی انحال میں سے ایک اختیاری فعل ہے لہذا اس پر گرفت ہوگی اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا یحشوا الناس علی نیا تھم لو گونگا حشر اپنی اپنی نیتوں پر ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص رات کو یہ عزم کرے کہ صبح ہوتے ہی مسلمان کو قتل کروں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا یا شراب پیوں گا یا اس کے علاوہ اور کوئی گناہ کروں گا پس وہ اسی شب میں مر گیا تو گناہ پر اڑا ہوا گناہ گار مرے گا اور اپنی نیت پر اٹھے گا باوجود کہ اس سے صرف معصیت کا عزم ہی واقع ہوا ہے نہ اس کا فعل اور وہ دلیل جو اس پر ولایت کرتی ہے یہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اذالتقی المسلمان بسیفھما فالقاتل والمقتول فی النار قیل یا رسول اللہ ہذا القاتل نہما بال المقتول قال لا نہ اراد قتل صاحبہ جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ایہ تو قبلا قاتل ہے اس مقتول نے کیا کیا فرمایا اس لیے کہ یہ بھی اپنے یار کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا اور یہ اس بات کی تشریح ہے کہ مقتول صرف ارادہ سے جہنمی ہوا باوجودیکہ وہ مظلوم قتل ہوا ہے پھر قبلا کیونکہ بندہ سے نیت کا مواخذہ نہ ہوگا اور عزم اور ہر اس بات پر جو آدمی کے اختیار میں داخل ہے اس کا مواخذہ ہوگا ہاں اگر نیک کام سے اس کا کفارہ کر دے تو خیر اور نہ امت سے عزم کا توڑ دینا بھی نیک کام ہے اسی لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے رہا کسی مانع سے مراد کافوت ہو جائے تو یہ حسنہ نہیں ہے پس اسی واسطے ایک گناہ لکھا جاتا ہے لہذا اس پر مواخذہ ہوگا۔

اعمال قلوب اور ان پر مواخذہ کا ثبوت | تو قبلا کیونکہ اعمال قلوب پر بندہ کی پکڑ دھمکڑ نہ ہو سالاں کہ کبر اور خود پسندی اور ریا اور حسد اور نفاق اور سارے بُرے قلبی اعمال قلوب ہی سے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ السَّخْمَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئَلًا ۗ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اس کی پوچھ ہوگی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کر دیا کہ بندے سے ہر سرعنو کے بارہ میں جو جو کام اسکے اختیار میں داخل ہیں پیش ہوگی مثلاً اگر نامحرم عورت پر بے اختیار نگاہ پڑ گئی تو اس نگاہ کا کوئی مواخذہ نہ ہوگا پھر اگر اس پر دوبارہ نظر دوڑائی تو اس دوسری نظر کا مواخذہ ہوگا کیونکہ اس میں اختیار تھا ایسے ہی دل کے خیالات بھی اسی حکم میں ہیں۔

اعمال قلب پر گناہ و ثواب کی بعض صورتیں | بلکہ دل بدرجہ اولیٰ گرفت کے قابل ہے کیونکہ ہی اسل ہے اس لیے کہ جس کا دل کسی بات کا حکم کرے اور اس میں خطاوار ہو تو اس کا بدلہ پائے گا اگر نیکے، تو نیک اور اگر بد ہے تو بد جیسے کسی نے گمان کیا کہ میں باومنو ہوں اور جا کر جمعہ پڑھا پھر یاد آیا کہ ہا و تنو نہیں تھا تو بھی اپنے فعل کا ثواب پائے گا اور اگر جمعہ کو ترک کر دیا پھر یاد آیا تو اس تک پر عقاب

ہوگا اور جس نے اپنے بستر پر ایک عورت پائی اور سمجھا کہ میری بی بی ہے پس اس سے جماع کیا تو اس صحبت کرنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ غیر عورت ہو اور اگر اس کو غیر عورت سمجھا پھر اس سے اسی خیال پر صحبت کی تو اس کی صحبت سے گنہگار ہوگا اگرچہ اس کی بی بی ہو یہ سب کچھ دل ہی کے اعتبار سے تو سے نہ اعضا کے لحاظ سے۔

عزم کے درجہ تک پہنچنے سے پہلے دوسوہ معاف ہے | کیونکہ دوسوہ تو اس وقت تک اس امت کو معاف ہے جب تک عزم کے مرتبہ کو نہ پہنچے لیکن جب اس درجہ تک پہنچ جائے تو پھر معاف نہیں بلکہ اس پر بندہ کی گرفت ہوگی لہذا اس کو نہ امت اور استغفار سے توڑ دینا بندے کو لازم ہے تاکہ شکی بن جائے۔

شیطان کی طرف سے دوسوہ اور اس کو دور کرنے کا طریقہ | لیکن جاننا چاہیے کہ دوسوہ بعض وقت ابلیس کے فریب دینے سے ہوتا ہے کیونکہ شیطان کبھی انسان کو دھوکا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ابھی عمر بہت ہے اور تمام عمر خواہشوں کے ترک پر صبر کرنا سجنّت عذاب ہے پھر بھلا لذتیں اور خواہشیں کیسے چھوڑی جائیں لہذا ایسے وقت آدمی کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ثواب اور سخت عذاب اور اس کے وعدے اور وعید یاد کرے اور اپنے ایمان اور یقین کو تازہ کرے اور کہے ہاں بے شک صبر کرنا خواہشوں سے سخت ہے لیکن آگ پر صبر کرنا اور بھی سخت ہے لہذا اس میں سے کم کو اختیار کرنا ضروری ہے پس جب آدمی یہ بات یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا اور بھاگ جاتا ہے کیونکہ اس کی قدرت نہیں کہ آگ پر صبر کرنا معصیت پر صبر کرنے سے زیادہ سخت نہیں ہے اور نیز یہ کہہ سکتا ہے کہ معصیت و وزخ تک نہ پہنچائے گی اس واسطے کہ آدمی کا ایمان اس کو دفع کر دیتا ہے اور نور ایمان سے اس کا دوسوہ جا تارہتا ہے کیونکہ جب آدمی کا ایمان حقیقی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں بلکہ دلی یقینی ہوتا ہے تو اپنے دل سے شیطانی دوسوہ دور کر دیتا ہے اور اس کو اس قول الہی کی تعمیل کرتے ہوئے اپنا دشمن جانتا ہے **إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا** "تعمیق شیطان ہے تمہارا دشمن پس بنائے رہو اس کو اپنا دشمن"

پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمادیا کہ شیطان نبی آدم کا دشمن ہے اور یہ ان کو حکم دیا کہ وہ اس کو اپنا دشمن سمجھتے رہیں کیونکہ وہ ان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تاکہ اپنے ساتھ انکو وزخ میں کھینچ لیا جائے۔ پس اس بیان کے موافق سمجھدار کو چاہیے کہ اپنا دشمن پہچان لے اور اس کا دوسوہ دفع کرنے کی کوشش کرے اور اس کا دوسوہ ہو اور ہوس کی مخالفت کے بغیر دفع نہیں ہوتا۔

نفس کو ہوا دہوس سے روکنے والوں پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ پس جو شخص اپنے نفس کو ہوا دہوس سے روکے گا وہ اللہ کے بندوں میں سے ہو جائے گا جن پر شیطان قابو نہیں پاتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

اس کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے **إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ** "تحقیق میرے بندے نہیں ہے ان پر تیری حکومت، پس اس آیت نے اس بات کو ثابت کیا کہ شیطان اگر قابو نہیں پاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور ان ہی پر غلبہ پاتا ہے جو اللہ کے بندے نہیں ہیں۔

خواہش نفس کی اتباع کرنے والے پر شیطان قابو پالیتا ہے | پس جو شخص اپنی خواہش نفس کے پیچھے پڑا وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے بلکہ خواہش کا بندہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر **أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ** "بھلا دیکھا تو نے اُس کو جس نے بنایا اپنی خواہش کو اپنا معبود" اُس کی خواہش کے معبود اور خدا ہونے کا بھی اشارہ کیا اور یہ بھی کہ وہ خواہش کا بندہ ہے اللہ کا بندہ نہیں پس جو شخص اللہ کا بندہ نہیں بلکہ خواہش کا بندہ ہے اُس پر شیطان بوسیدہ خواہش نفس جس سے مختلف شہوتیں پیدا ہوتی ہیں قابو پالیتا ہے پس جیسے کہ شہوتیں انسان کے گوشت پوست اور خون میں پھیلی ہوئی ہیں ایسے ہی شیطان کی سلطنت آدمی کے گوشت اور خون کے اندر گھسی ہوئی ہے اور ہر طرف سے اُس کو گھیرے ہوئے ہے۔

شیطان کا راستہ روکنے کے لیے روزے رکھنے کا حکم | اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ شیطان آدمی میں خون کی طرح پھرتا ہے لہذا تم اُس کا راستہ بھوک سے بند کرو اور نبی علیہ السلام نے شیطان کا راستہ بھوک سے بند کرنے کو اس لیے فرمایا کہ شیطان کا قابو انسان پر نہیں ہوتا مگر شہوت کے ذریعہ سے اور شہوت بھوک سے ٹوٹ جاتی ہے لہذا جو شخص چاہے کہ شیطان کے غلبہ سے سلامت رہے وہ روزے رکھنا اپنے اوپر لازم کر لے تاکہ شیطان کے غلبہ سے بچا رہے کیونکہ جو شخص شہوت کے پیچھے پڑا رہتا ہے جو ہوا کی ایک شاخ ہے تو اُس پر بوسیدہ ہوا شیطان قابو پاتا ہے کیونکہ ہوا ہوس شیطان کی چراگاہ ہے۔

ہر ایک شخص کا ایک شیطان ہے | اور چونکہ کوئی شخص شہوت سے جو کہ ہوا ہوس کی شاخ ہے خالی نہیں ہے لہذا ایسا کوئی شخص نہیں پایا جاتا جس میں شیطان کا قابو نہ ہو اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں فرمایا ہے جو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ تم میں سے کوئی نہیں مگر اُس کا ایک شیطان ضرور ہے۔ "لوگوں نے غرض کیا اور آپ یا رسول اللہ فرمایا "اور میں بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس پر میری مدد کی کہ وہ مسلمان ہو گیا پس وہ سوائے خیر کے کچھ نہیں بتلاتا"

انسان پر شیطان کے تصرف نہ کر سکنے کا مطلب | اس کی تفصیل جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء میں ذکر کیا ہے یہ ہے کہ شیطان انسان میں بلا بوسیدہ شہوت تصرف نہیں کرتا جس کی اللہ تعالیٰ نے شہوت توڑنے پر مدد کی یہاں تک کہ ایسا بن گیا کہ اسی طرف متوجہ ہو یہاں مناسب ہے اور اسی حد تک جتنا مناسب ہے تو اُس کی شہوت بُرائی کی طرف نہیں بلاتی اور شیطان جو شہوت کا لباس پہنتے ہوئے ہے سوائے خیر کے

کچھ حکم نہیں کرتا پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان کا آدمی سے جدا ہونا ممکن نہیں اور آپس میں ایک کی دوسرے سے شناخت پس اُس کی موافقت کرے یا اُس کی مخالفت کرنے سے ہوتی ہے پس جس پر شہوت کی خواہش غالب ہے اُس میں شیطان کو راستہ مل جاتا ہے پس وہ اس پر غلبہ کر لیتا ہے اور اسی لیے کہ انسان کو شہوات نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے البتہ نے کہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دیا ہے لَا قَعْدَانَ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَةَ ثُمَّ لَا يَنْفَعُهُمْ مِنْ ابْنِ آيِدٍ يُهْرِدُ مِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ آيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ؕ "میں ضرور بیٹھونگا اُن کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر پھر آؤں گا ان کے پاس اُن کے آگے سے اور پیچھے سے اور دامن سے اور بائیں سے اور نہ پائے گا تو اُن میں سے بہتروں کو شکر گزار۔"

شیطانی کمزوری کی صورت | چنانچہ شیطان انسان کے پاس ہر ایک طرف سے طرح طرح کے مکر لاتا ہے اور وہ کام اُس کو مرغوب کر دیتا ہے جو اُس کو مضر ہو یہاں تک کہ اُسے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اُس کو مفید ہے اور وہ کام ناپسند کر دیتا ہے جو اُس کو نافع ہو یہاں تک کہ اُسے یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سب سے زیادہ اُس کو مضر ہے اور اسی طریقہ سے اس نے بہترے لوگوں کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اُن لوگوں کو مختلف کھیلوں اور طرح طرح کے خیالات میں ڈال دیا اور اُن کو کفر اور گمراہی تک پہنچا دیا اور اُن کو گناہ اور وبال میں ڈال دیا اور اس پر بھی باوجود کفر اور بد کاری اور گناہوں کے اُن سے جنت کی کامیابی کا وعدہ کرتا ہے۔

شیطان مومنوں کو خوف دلاتا ہے | اور مومنوں کو اپنے لشکر اور دوستوں سے ڈراتا ہے یہاں تک کہ وہ اُن پر جہاد نہیں کرتے اور نہ اُن کو بھلی بات کا حکم کرتے ہیں اور نہ اُن کو برائیوں سے منع کرتے ہیں اور ایمانداروں کے لیے یہ اُس کا بہت بڑا فریب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس کی خبر دے دی ہے چنانچہ فرمایا ہے اِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمُ وَخَافُوْا اِن كُنْتُمْ مَوَدِّعِيْنَ "یہ شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو دھمکاتا ہے سو تم اُس سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر ہو تم ایماندار۔"

اور تمام مفسرین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اُن سے مت ڈرو۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شیطان اُن کو تمہارے دلوں میں بڑا کہ کے دکھاتا ہے اور اسی واسطے کہا ہے پس تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر ہو تم ایماندار کیونکہ ایماندار کا ایمان جتنا قوی ہوگا اتنا ہی شیطان کے رفیقوں کا خوف جاتا رہے گا پس نیک باتوں کا حکم کیا کریگا اور بُری باتوں سے منع کرتا رہے گا اور جتنا ضعیف ہوگا اتنا ہی شیطان کے دوستوں کا خوف زیادہ ہوگا پس نیک باتوں کا حکم نہ کرے گا نہ بُری باتوں سے روکے گا۔

ولم یزددهدی لم یزدده من الله اذ بعدا۔ جو شخص علم میں بڑھ گیا اور ہدایت میں نہ ٹھہرا تو اللہ سے بڑھا کر دوری میں ہے اور ایسی ایسی بے شمار سختیاں عالم بے عمل کے حق میں آنے کے بعد کیوں کر سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ نیک راہ پر ہے باوجودیکہ اس پر محبت الہی اچھی طرح قائم ہے۔

علم مکاشفہ اور شیطان کا فریب | رہا علم مکاشفہ یہ وہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے ناموں کا علم ہے سو جس نے اس علم کو حاصل کیا پھر اس پر عمل نہ کیا اور حکم الہی کو مانع کیا تو وہ بھی شیطان کے فریب میں ہے اور اس کے اس فریب میں آنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو معرفت الہی سے صرف نام ہی نام حاصل ہوا ہے معنی حاصل نہیں ہونے اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پہچانتا تو اس سے ڈرتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔ "اللہ سے اس کے بندوں میں سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علماء ہیں۔"

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان لوگوں میں سے کر دے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

تراویں مجلس اس بیان میں کہ آدمی کے ساتھ شیطان کو ایک تعلق ہوتا

ہے اور ایک تعلق فرشتہ کو

انسان کے ساتھ شیطان اور فرشتہ کا تعلق اور اس کا اثر | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ان للشيطان لمة بابن ادم وللملك لمة فامالة الشيطان ايعاد بالشر وتكذيب بالحق و
امالة الملك فايعاد بالخير وتصديق بالحق فمن وجد ذلك فليعلم انه من الله
تعالى فليحمد الله تعالى ومن وجد الاخر فليتعوذ بالله تعالى من الشيطان الرجيم
"بنی آدم کے ساتھ ایک تعلق شیطان کو ہے اور ایک تعلق فرشتہ کو پس شیطان کا لگاؤ تو بڑائی کا وعدہ
کہ نا اور حق کی تکذیب اور فرشتہ کا لگاؤ بھلائی کا وعدہ کہ نا اور حق کی تصدیق۔ پس جو شخص ایسا پائے
تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جس نے وہ دوسرا پایا تو شیطان
راوند سے ہونے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے۔"

یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے اور لفظ
لمہ جو اس حدیث میں آیا ہے امام سے مشتق ہے اور امام کے معنی قرب ہیں پس اس لیے کہ فرشتہ
اور شیطان میں سے ہر ایک ان دونوں کاموں کے لیے انسان کے قریب ہو جاتے ہیں اور وہ دونوں
کام بڑائی کا وعدہ دینا اور بھلائی کا وعدہ کرنا ہیں۔

الہام اور وسوسہ اور ان کے اثرات | اور مراد ان دونوں سے وہ دونوں ہم ہیں جو دل میں آتے ہیں

ایک فرشتہ کے واسطے سے اور دوسرا شیطان کے ذریعہ سے اور جو فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے اس کا نام الہام ہے اور جو شیطان کے واسطے سے ہوتا ہے اس کا نام وسوسہ ہے اور دل دونوں کے درمیان میدان جنگ ہے اس لیے کہ وہ باعتبار اصل پیدائش فرشتوں اور شیطانوں کے اثر قبول کرنے کی برابر درجہ کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک کو دوسرے پر غلبہ نہیں مگر صرف ہو اور ہوس کی پیروی اور خواہشوں پر اوندھا گر پڑنے کے اعتبار سے یا باعتبار مخالفت ہو اور شہوت سے منہ پھیر لینے کے کیونکہ انسان جب شہوت اور غصہ کی پیروی کرتا ہے تو اس کے دل پر بواسطہ ہوا شیطان کا غلبہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کا دل شیطان کا گھونسل اور اس کا مقام ہو جاتا ہے کیونکہ ہوا ہوس شیطان کی چراگاہ اور اس کی بیڑی ہے اور اگر اس نے نفس کا مجاہدہ کیا اور خواہشات شہوت اور غضب کی پیروی نہ کی تو اس کا دل ملائکہ کا مقام اور گذرگاہ ہو جاتا ہے۔

صرف ذکر الہی وسوسہ کو دور کرتا ہے | لیکن چونکہ کوئی دل شہوت اور غضب اور حرص اور طمع وغیرہ صفات بشری سے جو ہوا کی شاخیں ہیں خالی نہیں ہے اس لیے کوئی ایسا دل نہیں پایا جاتا جو بذریعہ وسوسہ شیطان کے گدڑ سے خالی ہو اور اس کا وسوسہ بجز اس کے کبھی نہیں جاتا کہ جس بات کا اس نے وسوسہ ڈالا ہے اس کے سوا کسی اور بات کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ اور کسی چیز کا ذکر آنے کے وقت جو بات پہلے سے دل میں تھی جاتی رہے گی ہاں اتنی بات ہے کہ ذکر الہی اور جو کچھ اس سے متعلق ہے اس کے سوا جو بھی ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید وہ بھی گذرگاہ شیطان ہو لہذا صرف ذکر خدا ہی ایسی چیز ہے کہ جس کی طرف سے اطمینان ہے اور معلوم ہے کہ گذرگاہ شیطان نہیں۔

شیطانی حملوں سے دل کی حفاظت کا طریقہ | کیونکہ دل کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قلعہ ہو جس کے کئی دروازے ہوں اور شیطان چاہتا ہے کہ ہر ایک دروازے سے اس میں آکر مالک اور غالب ہو جائے اب آدمی کو اس کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس کی حفاظت پر بدون دروازوں کی نگہبانی اور راستوں اور رخنوں کے بند کرنے کے قدرت نہیں ہو سکتی اور شیطان کے راستے بڑی صفات ہیں۔

پس آدمی کی کوئی صفت صفات مذمومہ میں سے ایسی نہیں ہے کہ وہ شیطان کی غذاؤں میں سے کوئی غذا اور اس کے ہتھیاروں میں سے کوئی ہتھیار اور اس کے دروازوں میں سے کوئی دروازہ اور اس کے راستوں میں سے کوئی راستہ نہ ہو اور یہ دروازے اور راستے بہت ہیں یعنی ظاہر میں اور یعنی پوشیدہ اور شیطان کے لیے سب کے سب کھلے ہوئے ہیں اور فرشتہ کے لیے اس میں صرف ایک ہی دروازہ ہے اور کبھی وہ ایک بھی ان سب میں مل کر مشتبہ ہو جاتا ہے پس آدمی کی اس بارہ میں ایسی مثل ہے جیسے مسافر جو اندھیری رات میں ایسے جنگل میں رہ گیا جہاں راستے بہت ہیں اور پوشیدہ ہیں وہ مسافر بغیر رہبریت کی آنکھ اور چمکنے والے سورج کے نکلنے کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور بصیرت کی آنکھ سے یہاں تقویٰ سے صاف کیا ہوا دل مراد ہے اور آفتاب روشن سے مراد وہ علم ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے حاصل ہوا ہو کیونکہ ان ہی دونوں سے اس کے پوشیدہ راستے اور ان کے دروازے اور ایسی راہیں معلوم ہوتی ہیں جس سے دل میں وہ بیماریاں آتی ہیں جو علاج کی محتاج ہیں اور ہر چیز کا علاج اس کے خلاف ہی سے ہوتا ہے اور تمام شیطانی وساوس کے خلاف اللہ کا ذکر ہے اس کی پناہ مانگ کر اور طاقت اور قوت سے بری ہو کر اس طرح سے کہ پڑھے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اور لا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم اگر کوئی پوچھے آیا دفع کے لیے صرف ذکر الہی کافی ہے یا اس میں علاج کی بھی ضرورت ہے پھر اس کا علاج کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ اس کا علاج صفات مذمومہ سے دل کو پاک کر کے اور تقویٰ سے آباد کر کے اس کے راستہ کو بند کرنا ہے تاکہ اس میں ذکر جگہ کرے۔

شیطان کے راستوں کو بند کرنے والے لوگ اور اس پر تادیر نہیں ہوتے مگر وہی پرہیزگار جنہوں نے اپنے دل صفات مذمومہ سے پاک کر لیے ہیں اور تقویٰ سے آباد کر رکھے ہیں اور ان پر یاد الہی غالب ہو گئی ہے کیونکہ ذکر الہی دل میں جب ہی جگہ کرتا ہے کہ تقویٰ سے آباد اور بری صفات پاک ہو چکے لہذا اس کا پاک کرنا ضروری ہے تاکہ اس میں ذکر جگہ کرے اس لیے کہ اگر ذکر نے دل میں جگہ نہ کی تو وہ حدیث النفس ہو گا لہذا وہ شیطانی وساوس کو دفع نہ کرے گا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذْ أَمَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔

”بیشک جو لوگ ڈر رکھتے ہیں جہاں ہو گیا ان پر شیطان کا گزر چونک گئے پھر تب ہی ان کو سوچھ آگئی۔“

پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پرہیزگاروں ہی سے خاص کیا ہے۔

شیطانی فریب کی ناکامی اور کامیابی کا سبب کیونکہ دل جب بری صفات سے پاک ہو جاتا ہے تو اس میں شیطان کا قیام نہیں ہوتا بلکہ صرف آمد و رفت ہوتی ہے اور آمد و رفت سے اس کو ذکر الہی روک جاتا ہے پس اس کی مثال ایسی ہے جیسے بھوکا کتا ہتھارے پاس آئے پس اگر ہتھارے سامنے کچھ کھانا نہ ہو تو صرف اتنا کہہ دینے سے چلا جائے گا ورنہ پس صرف ذہانی دُنگار اس کو دفع کر دیتی ہے اور اگر ہتھارے سامنے کوئی کھانے کی چیز ہو تو بیٹھا رہے گا اور صرف دُنگار سے نہ جانے گا پس جو دل ہو ہی سے خالی ہیں ان سے تو شیطان صرف ذکر سے چلا جاتا ہے کیونکہ شیطان صرف غفلت اور ذکر الہی سے خالی ہونے کے وقت ہی دل میں آتا ہے پھر جب وہ ذکر کرنے لگا تو شیطان پھلے پاؤں بھاگتا ہے رہا وہ دل جو ہوئی میں لگا ہوا ہے تو چونکہ ہوا ہوس شیطان کی خوراک ہے اس لیے وہاں شیطان بندہ لپڑ لیتا ہے اور ذکر سے بھی نہیں جاتا۔

دل میں شیطان اور فرشتہ کی جنگ | خلاصہ یہ کہ دل پر جب ہوا کی خواہشیں غالب ہو جاتی ہیں تو شیطان

راستہ پاجاتا ہے پس اُس میں وسوسے ڈالتا ہے اور جب ذکر میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان وہاں سے چل دیتا ہے اور فرشتہ وہاں آتا ہے اور الہام کرتا ہے اور قلب کے معرکہ میں فرشتہ اور شیطان دونوں کے لشکر کے درمیان ہمیشہ جنگ و دھکاپیل رہتی ہے یہاں تک کہ کسی ایک کے لیے دل کی فتح ہو پس اکثر دلوں کو تو شیطان ہی نے فتح کر لیا اور مالک ہو گیا پس وہ ایسے وسوسوں سے بھر گئے ہیں جو دنیا کے اختیار کرنے اور آخرت سے الگ رہنے کی طرف بلا تے ہیں۔

اور وسوسہ کی ابتدا ہوا کی پیروی ہے اور اس کے بعد اُس کا فتح ہونا ممکن نہیں مگر ہوا سے خالی اور ذکر الہی سے مزین کر کے اور یہ بات بغیر ان خیالات کی معرفت کے میسر نہیں ہو سکتی جو دل میں آتے ہیں۔

خیالات کی قسمیں اور ان کے اثرات | کیونکہ آنے والے خطرات کی ایک تو وہ قسم ہے جس کے متعلق یقیناً معلوم ہے کہ وہ نیکی کی طرف بلا تے ہیں پس اُن کا الہام ہونا تو پوشیدہ نہیں دوسرے وہ ہیں جن کے متعلق یقیناً معلوم ہے کہ وہ بُرائی کی طرف بلا تے ہیں پس اُن کا وسوسہ ہونا چھپا نہیں تیسرے وہ ہیں جن میں تردد ہے کہ نہیں معلوم وہ فرشتہ کے اثر سے ہیں یا شیطان کے اثر سے کیونکہ شیطان کا ایک مکر یہ بھی ہے کہ بُرائی کو خوبی کے لباس میں پیش کرتا ہے اور اس کی تمیز بہت دشوار ہے اور اس مکر سے بہتیرے عابد اور زاید اور عالم اور نیکو کار اور فقیر اور غنی اور تمام اُس قسم کے لوگ ہلاک ہو گئے ہیں جو بالکل ظاہر گناہ کو ناپسند کرتے ہیں اور اپنے لیے صریح گناہ میں پڑنا پسند نہیں کرتے ہیں پس شیطان بھی اُن کو صریح گناہ کی طرف بلا نے پر قادر نہیں ہوتا لہذا گناہ کو تخریر کی صورت بناتا ہے اور اس طرح کے اُس کے فریبوں کی کوئی انتہا نہیں۔

عقاید اور اعمال سے متعلق شیطانی مکر اور اس سے حفاظت کا طریقہ | اور اس کے وہ مکر جو عقاید اور اعمال سے علاوہ رکھتے ہیں بیشمار ہیں پس اس لیے کہ اُس کے کراعتقادات اور عبادات کے بارے میں تو تمام شہروں میں پھیل گئے اور تمام خلقت میں منتشر ہو گئے ہیں لہذا بندہ کو چاہیے کہ ہر ہم پر جو اُس کے دل میں آئے بٹھر جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فرشتہ کا اثر ہے یا شیطان کا اثر اور بصیرت کے نور سے اُس میں خوب غور کرے ہوائے طبعی کی رُو سے نہیں اس لیے کہ وسوسہ دل کو کھینچتا ہے اور اُس سے جھگڑتا ہے اور اس کو اللہ کے ذکر سے مُبدا کر لہو میں ڈال دیتا ہے پس اس میں مجاہدہ کی ضرورت ہے اور اس مجاہدہ کا موت تک کہیں خاتمہ نہیں ہوتا اور زندگی بھر شیطان سے کوئی نہیں چھوڑتا کیونکہ آدمی جب تک زندہ رہتا ہے شیطان کے لیے دل کے دروازے کھلے رہتے ہیں بند نہیں ہوتے اور جب تک دروازہ کھلا رہے اور دشمن غافل نہ ہو تو بغیر نگہبانی اور مجاہدہ کے دفع نہ ہو گا اور اسی لیے جب کسی شخص نے حسن سے کہا کہ اے ابو سعید کیا ابلیس سویا کرتا ہے تو مسکرا کے کہا اگر ابلیس سویا کرتا تو تم آرام ہی نہ

پاتے پس اگر کوئی کہے کیا انسان سے تمام دلی وسوسوں اور خطروں کا مواخذہ ہوگا یا سب کا مواخذہ نہیں بلکہ بعض کا۔ تو جو آپ یہ سے کہ یہ بات بہت باریک ہے جب تک پیدا ہونے کی ابتداء سے کہ اعضا میں اُن کا اثر ہونے تک کی تفصیل معلوم نہ ہو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔

انسان کے دل میں آنے والی بات کے چار مرتبے | کیونکہ انسان کے دل میں جو بات آتی ہے اسکے جیسا کہ امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے چار مرتبے ہیں۔

پہلا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کے دل میں دفعۃً بے قصد کوئی بات آجائے اور یہ خاطر سے اور اس کا حدیث النفس نام ہے جیسے انسان کے دل میں کسی عورت کے دیکھنے کا خیال آئے جو اس کی پیوٹ کے چھے راستہ میں سے اس طرح کہ اگر منہ پھیرے تو دیکھ لے۔

اور دوسرا مرتبہ دل میں اُس کام یعنی اس کو دیکھنے کی رغبت کا جوش اٹھتا ہے اور یہ اُس شہوت کی حرکت ہے جو طبیعت میں ہوتی ہے اور خاطر سے پیدا ہوتی ہے اور اُس کا نام میل طبع ہے۔

اور تیسرا مرتبہ حکم کرنا کہ یہ کام یعنی اس عورت کے دیکھنے کو کرنا چاہیے اور یہ مرتبہ خاطر اور میل دونوں کے بعد ہوتا ہے اور اس کو اعتقاد کہتے ہیں۔

اور چوتھا مرتبہ اُس کام یعنی اُس کے دیکھنے کا پختہ قصد کرنا اور اس کو ہم اور قصد اور نیت کہتے ہیں اور اس ہم کا مبداء کبھی ضعیف ہوتا ہے لیکن جب دل خاطر کو صاف کرنا ہے یہاں تک کہ نفس کے منصوبے دیر تک ہوتے رہتے ہیں تو یہ ہم مضبوط ہو جاتا ہے اور سختہ ارادہ ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا مراتب میں سے پہلے دو پر مواخذہ نہیں | جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ان کا حکم یہ ہے کہ خاطر پر بندہ سے مواخذہ نہیں کیونکہ اختیار کے تحت میں داخل نہیں اور ایسے ہی میل یعنی شہوت کے جوش اٹھنے کا بندے سے مواخذہ نہیں کیونکہ اختیار میں نہیں ہے اور یہی نبی علیہ السلام کے اس قول میں مراد ہے میری امت سے حدیث النفس معاف ہوا ہے اس لیے کہ حدیث النفس اُن خیالات کو کہتے ہیں جو دل میں آئیں اور اُن پر کچھ عزم نہ ہو کیونکہ ہم اور عزم حدیث النفس نہیں کہلاتا۔

اعتقاد اور ہم پر مواخذہ کی صورت | رہا تیسرا مرتبہ کہ وہ دل کا اعتقاد اور حکم ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا اختیاری ہوگا یا اضطراری پس اختیاری میں بندہ کی گرفت ہوگی اور اضطراری میں گرفت نہ ہوگی۔ رہا چوتھا مرتبہ یعنی ہم تو اُس میں بندہ سے مواخذہ ہوگا ہاں اپنے ہم پر نادم ہو کر اگر اُس کام کو اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھوڑ دے تو اُس کے لیے ایک نیکی لکھی جائے گی کیونکہ اس کا ہم اگرچہ گناہ ہے لیکن اُس کا باز رہنا اور اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا اُن نیکیوں میں سے ہے جس کے عوض میں وہ ثواب کا مستحق ہے۔

عمل قلب اور اس پر مواخذہ کا ثبوت | اور اگر وہ کام کسی مانع اور عذر کے سبب سے نہ ہو سکا تو
خوف الہی کی وجہ سے تو ایک گناہ لکھا جائے گا کیونکہ ہم دل کا اختیاری فعل ہے لہذا اس پر مواخذہ
ہوگا پس اس لیے کہ جس نے کسی مصیبت کا عزم کیا اور کسی سبب یا عفتلت سے اس کا کرنا دشوار ہو گیا
تو یہ خوف الہی سے باز رہتا نہیں ہوا لہذا اس کے لیے نیکی کیسے لکھی جائے اور روایت سے کہ نبی
علیہ السلام نے فرمایا ہے: "لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اکتفیں گے" اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو شخص
رات کو یہ عزم کرے کہ صبح ہوتے ہی کسی مسلمان کو قتل کروں گا یا کسی عورت سے زنا کروں گا یا
شراب پیوں گا یا کوئی اور گناہ کروں گا پھر اسی رات میں مر گیا تو گنہگار گناہوں پر اڑا ہوا مرے گا اور
اپنی نیت پر اٹھے گا باوجودیکہ اس سے صرف گناہ کا قصد ہوا ہے نہ اس کا کرنا۔

اور اس کی دلیل یہ روایت سے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب دو مسلمان تلوار لے کر مقابل
ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو خیر قاتل ہے مقتول کی کیا
خطا ہے تو آپ نے فرمایا اس لیے کہ اس کا یہ قصد تھا کہ اپنے بھائی کو قتل کرے اور آپ کا یہ قول
مقتول کے صرف ارادہ سے جہنمی ہو جانے کے بارہ میں صاف ہے باوجودیکہ وہ مظلوم مارا گیا ہے
پھر قبلا بندہ سے نیت اور عزم پر کیوں کر گرفت نہ ہوگی اور عزم اور اس کے علاوہ جو بات
اختیار میں داخل ہے اس پر بندہ سے مواخذہ ہوگا مگر اس وقت کہ اس کا عزم کسی نیکی سے کر دے۔

اور عزم کا شرمندہ ہو کر توڑ دینا بھی نیکی ہے پس اسی لیے ایک نیکی لکھی جاتی ہے رہا کام کا
کسی مانع سے نہ ہونے پانا یہ نیکی نہیں ہے لہذا ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور بندہ سے اس کا مواخذہ ہوگا
اور بندہ سے انفعال قلب پر قبلا کیسے مواخذہ نہ ہو مالا نہ کہ کبر اور خود بینی اور ریا اور کینہ اور
نفاق اور تمام خباثت یہ سب۔ قلب کے اعمال ہیں اور اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عِنْدَهُ مُسَدَّدًا "بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب سے
اس کی پرکھش ہوگی" پس بے شک اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دے دی ہے کہ
بندہ ہر اس امر کے بارہ میں جو اس کے اختیار میں داخل ہو ان اعطاء کے متعلق پرکھش ہوگی مثلاً
اگر اس کی نگاہ کسی حرام پر بے اختیار پڑ جائے تو اس نظر کا کچھ مواخذہ نہیں پھر اگر اس کے بعد دوبارہ
نگاہ کی تو اس نگاہ ثانی کا مواخذہ ہوگا کیونکہ اس میں وہ اپنے اختیار میں تھا۔

اعمال قلب پر مواخذہ کی صورتیں | اور ایسے ہی دلی خطرات کا یہی حکم ہے بلکہ دل پر مواخذہ اولے
سے کیونکہ وہی جڑ ہے پس اس لیے کہ جس کے دل نے کسی بات کا حکم کیا اور اس میں غلطی کی تو اس
کا بدلہ پانے کا اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد جیسے کوئی خیال کرے کہ میں پاک ہوں اور
جا کر نماز جمعہ ادا کر لے پھر یاد آئے کہ میں پاک نہ تھا تو اپنے فعل کا ثواب پانے کا اور اگر نماز

چھوڑ دی پھر یاد آیا تو اُس کے چھوڑنے پر عقاب ہوگا اور جو شخص اپنے بستر پر کوئی عورت پائے اور سمجھے کہ یہ میری بی بی ہے پھر اسی خیال پر اُس سے جماع کرے تو اُس کے جماع سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ اُس کی بی بی ہی ہو یہ سب دل ہی کے اختیار سے ہے نہ اعضا کے اعتبار سے۔

وسوسہ کی معافی کی صورت | پس بے شک وسوسہ اس امت کو جب ہی تک معاف ہے جیتک عزم کے درجہ کو نہ پہنچے اور جب اس درجہ کو پہنچ جائے تو پھر معاف نہیں بلکہ بندہ سے اُس پر مواخذہ ہوگا لہذا اُس کو واجب ہے کہ عزم کو ندامت اور استغفار سے توڑ دے تاکہ وہ نیکی بن جائے ورنہ شیطان دل کی سلطنت پر غالب ہو جائے۔

شیطان کو انسان پر قابو پانے کی مہلت | اور وہ مردود اپنا وعدہ پورا کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس سے نقل فرمایا ہے چنانچہ فرمایا لَنْ اُخَذَ نَبِيٌّ اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا خَيْرَ لَكَ اِلَّا قَلِيلًا ۝ اگر تو مجھ کو ڈھیل دے تو قیامت کے دن تک تو اُس کی اولاد کو لگام دے لوں گا مگر تھوڑوں کو اور اُس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو مجھ کو قیامت تک زندہ باقی رہنے دے تو البتہ میں اُن کو جہاں چاہوں گا بھیج دے گا اور اُن پر خوب قابو حاصل کر لوں گا مگر کچھ تھوڑے سے اور وہ تیرے چنے ہوئے نیک بندہ ہوں گے۔

شیطان کے فریب کا طریقہ | اور یہ اُس لعین کے اس قول کی طرح ہے كَاذِبِيْنَ كَهْمُرٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا غَوْلِيْنَهُمْ اَجْبَعِيْنَ ۝ البتہ میں اُن کو بہار دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوڑوں گا سب کو۔ شیطان کو اپنی کامیابی کے یقین کا سبب | اور اس مردود کو اس مطلب میں کامیابی کا علم باوجود غیب وال نہ ہونے کے اس دلیل سے معلوم ہو گیا کہ ان میں بدی کے راستے تو اُس نے بہت دیکھے اور بھلائی کا راستہ صرف ایک اس لیے کہ انسان میں چوہ پالیوں جیسی شہوانی قوت بھی ہے اور درندوں جیسی غصہ کی قوت بھی ہے اور شیطانی وہی قوت ہے اور یہ تینوں آدمی پر ابتداء سے پیدائش سے غالب ہوتی ہیں بُرائی کی طرف بلاتی ہیں اور ان تین کے بعد اُس میں فرشتوں جیسی عقل قوت پیدا ہوتی ہے اور یہ اگرچہ بھلائی کی طرف بلاتی ہے لیکن تینوں پہلی قوتوں کے دل پر غالب ہو چکنے کے بعد کامل ہوتی ہے پس جب اُس لعین نے یہ دیکھا تو جان گیا کہ جو میں چاہتا ہوں اُس کا حاصل ہو جانا ممکن ہے کیوں کہ شہوت اور غصہ کبھی تو انسان کے خوب پوری طرح مطیع ہو کر جس راستہ وہ چل رہا ہے اُس کی امداد کرتی ہیں اور وہ جس سفر کے درپے ہے اُس میں اُس کی خوب رفاقت کرتی ہیں اور کبھی اُس کی نہایت نافرمانی بغاوت اور بے کشتی کرتی ہیں یہاں تک کہ خود اُس کی مالک ہو جاتی اور اس کو مطیع کر لیتی ہیں اور اس میں انسان کی ہلاکت اور اس سفر سے رہ جانا ہے جس سے سعادت ابدی تک پہنچ سکتا ہے۔

شیطان کا نفس انسانی پر حملہ اور عقل کی طرف سے دفاع | لہذا انسان کو چاہیے کہ ان دونوں پر عقل سے

مدد سے اور اگر اس سے مدد لینا چھوڑ دیا اور اپنے اوپر ان کو قابو سے دیا تو بے طرح مارا جائے گا اور ہمت بڑا نقصان اٹھائے گا اور اکثر خلق کا یہی حال ہے کہ ان کی عقلیں شہوت پوری کرنے کے لیے چلے جو اسے نکالنے کو شہوت کی مطیع ہو گئی ہیں حالانکہ ان کو مناسب تو یہ تھا کہ ان کی خواہشیں عقلوں کی مطیع ہوتیں جہاں عقل کو ان کی حاجت ہے کیونکہ مومن کے دل میں کبھی ہولی کا خیال آ کر بُرائی کی طرف بلاتا ہے تو اُس سے ایمانی خیال جاملتا ہے اور ہدی سے روک کر خیر کی طرف بلاتا ہے اس پر شیطان بڑے خیال کی مدد کے لیے اٹھتا ہے اور خواہش کے تقاضے کو زور دیتا ہے اور دنیا کی لذتوں سے عیش اور حمن اٹھانے کو اچھا کرنے دکھاتا ہے پس نفس ادھر مائل ہوتا ہے پھر عقل نیک خطرہ کی مدد کو اٹھتی ہے اور تڑپاتی پر گر پڑتے اور انجام کی پرواہ نہ کرنے میں اُس کو چوپایوں سے مشابہ بتلاتی ہے پس نفس کو عقل کی نصیحت کی طرف رغبت ہوتی ہے پس شیطان نفس پر ایک بار حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے تجھ کو کیا ہوا کہ اپنے عیش سے باز رہتا ہے تیرے زمانہ میں کوئی ایسا پایا جاتا ہے جو اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہو گیا تو دیکھتا نہیں کہ تیرے زمانہ کے اکثر علماء اپنی خواہش سے پرہیز نہیں کرتے ہیں اور اگر یہ بڑا ہوتا تو وہ ابیں سے باز رہتے کیا عیش اور لذت دنیا کی ان ہی کے لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس سے چین اڑائیں اور تو مشقت میں اور محروم رہے کہ تجھ پر تیرے ہمسر نہیں اب نفس و سوسہ شیطانی کی جانب رغبت کرتا ہے تو عقل نفس پر ایک حملہ کرتی اور کہتی ہے کہ کیا ان کے علاوہ اور بھی کوئی ہلاک ہوا ہے جو اپنی ہوا کے پیچھے لگ گیا اور اپنی آخرت اور اپنے ٹھکانے کو بھول گیا کہ تو اس چھوڑی سی لذت پر کثاعت کر کے جنت کی لذت کو چھوڑے دیتا ہے جس کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں کیا تو دوزخ کے عذاب کا مستحق بنتا ہے اور لوگوں کی غفلت سے اور ان کے ہواؤ ہوس کے پیچھے لگے رہنے سے دوسو کے ہیں آتا ہے ہر جو دیکھتے ہیں سے دوزخ کا عذاب اور دوزخ کی معصیت کی وجہ سے ہکانہ ہوگا بھلا دیکھتے تو سہی اگر تمام خلقت گرجی کے دن دھوپ میں کھڑی ہو جائے اور تیرا ایک سر داہہ موجود ہو تو کیا تو ان کے ساتھ دھوپ میں کھڑے ہونے میں موافقت کرے گا یا ان کے خلاف کرے تو دھوپ سے اپنے گھر کے سایہ میں چلا جائے گا پھر تو جب آفتاب کی گرمی سے بھاگنے میں ان کے خلاف کرتا ہے تو آگ کی گرمی سے بھاگنے میں کیسے ان کے خلاف نہیں کرتا اب اس وقت عقل کی رائے پر نفس ہوتا ہے۔

نفس پر شیطان اور عقل کی کشمکش پر تقدیر الہی کا فیصلہ اور نفس ہمیشہ اسی دودلی میں ان دونوں لڑائیوں میں کھینچا رہتا ہے آخر انسان کے دل پر وہ بات غالب آجاتی ہے جو اُس کے مال کے مناسب ہو پس اگر اُس پر صفات شیطانی غالب ہیں تو بُرائی کی طرف مائل ہوتا ہے اور اُس کے اعصاب سے گزشتہ تقدیر کے سبب وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب ہے اور اگر اُس پر صفات ملکی غالب ہیں تو خیر کی طرف جھکتا ہے اور اُس کے بوارح سے نوشتہ تقدیر کے موافق وہی ظاہر

ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے نزدیکی کا سبب ہے اور یہ عبادات اور گناہ جب ظاہر ہوتے ہیں تو یہ نشانیوں ہیں کہ ان سے گذت و قضا و قدر کا حکم معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ بات خزانہ غیب سے خزانہ دل کے ذریعہ سے ظاہر ہوا کرتی ہے کیونکہ دل عالم ملکوت کا خزانہ ہے پس جو شخص جنتی پیدا ہوا ہے اُس کے لیے عبادات اور اُس کے اسباب آسان ہو جاتے ہیں اور جو شخص دوزخی پیدا ہوا ہے اُس کے لیے گناہ اور اس کے اسباب سہل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کیا ہے اور اُس کے واسطے لوگ پیدا کئے ہیں اور ان کو طاعات میں لگا دیا ہے اور دوزخ کو پیدا کیا ہے اور اُس کے لیے بھی لوگ بنا ئے ہیں جن کو معاصی میں لگا دیا ہے پھر خلقت کو جنتی اور دوزخی کی علامت بتا دی ہے پس فرمایا ہے **إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفٰجِرَآءَ لَفِي سٰجِدٍ مَّعٰذٌ لِّمَنْ هُمْ يُسٰئِلُونَ** اور بے شک نیک لوگ آرام میں ہیں اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم کو جنتی کرنے اور ہم کو دوزخی نہ بنائے۔

چورانویں مجلس اس بیان میں کہ اسلام جب شروع ہوا تو اجنبی تھا

اور پھر عنقریب اجنبی ہو جائے گا

آخری زمانہ میں اسلام کے عزیز ہونے کا معنی و مفہوم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا كَمَا بَدَأَ اَفْطُوْبِي لِلْغُرَبَاءِ** "اسلام عزیز شروع ہوا ہے اور پھر عزیز ہو جائے گا جس طرح شروع ہوا تھا لہذا غریبا کو خوشی ہو" یہ حدیث معاصیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ابتداء میں کسی کسی اور قحور سے لوگوں میں ظاہر ہوا تھا پھر پھیل گیا اور مشہور ہوا اور قوی ہو گیا اور اس کے بعد پھر عنقریب اس میں اور خلل آئے گا یہاں تک کہ نہ باقی رہے گا مگر کسی کسی اور بہت مقوروں میں اور یہی لوگ غریبا یعنی اجنبی ہیں۔

"غریبا، کون لوگ ہیں؟ اور غریبا کی تفسیر ایک اور حدیث میں آئی ہے کہ قبیلوں میں سے چھٹے ہوئے"

یعنی یہ وہ لوگ ہیں جو مقور سے ہوں گے کہ ہر قبیلہ میں ان میں سے ایک یا دو کے سوا نہیں پایا جائے گا بلکہ ان میں کا ایک بھی بہت سے قبیلوں اور شہروں میں نہیں ملے گا جیسا کہ ابتدائے اسلام میں ایسا ہی تھا۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے بگڑنے کے وقت ان کی اصلاح کریں گے یعنی یہ نیک لوگ ہوں گے لوگوں کے بگڑ جانے کے زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے لوگ ہوں گے لوگوں کے بگڑ جانے کے زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے لوگ ہوں گے اور ایک اور

حدیث میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو میرے بعد لوگوں نے میری سنت کو بگاڑ دیا ہے اُس کی اصلاح کہیں گے پس یہی لوگ وہ عزباء و اجنبی ہیں جن کی تعریف ہوئی ہے اور جن کی حالت قابل رشک ہوگی اور لوگوں میں ان کے بہت کم ہونے کی وجہ سے ان کا نام عزباء و اجنبی ہو اور۔

عزباء کی قسمیں | ان کی دو قسمیں۔ ایک تو وہ جو لوگوں کے بگاڑ کے وقت اپنے نفس کی درستی کریں۔

دوسرے وہ جو اور لوگوں کی بگاڑی ہوئی سنت کو درست کریں اور یہ دونوں میں اعلیٰ درجے

کے ہیں اور یہی لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام پر قائم ہونے والے ہیں۔

عزباء اور ان کی فضیلت کا سبب | پس ایسے لوگ آخر زمانہ میں بہت کم ہوں گے اور اسی لیے کہ وہ

کم ہوں گے ان کو اجنبی کہا گیا ہے جیسا کہ بعضی روایت میں آیا ہے کہ وہ بہت سی بُری جماعت میں

مختوڑے سے نیک لوگ ہیں اُن سے بعض رکھنے والے بہ نسبت اطاعت کرنے والے لوگوں کے

بہت زیادہ ہیں اور اُس میں اُن کی کمی اور اُن کے توابع کی قلب کا اور اُن کے مخالفوں اور منافقوں کی

کثرت کی طرف اشارہ ہے اور یہ بڑی فضیلت جس کا اہل عزبت کے لیے وعدہ ہوا ہے اس لیے ہے کہ وہ

لوگ سب لوگوں میں کم اور ہوا ہوس کی تاریکی میں سنت کو پکڑتے ہیں پس جب کوئی مومن

ہے جس پر اس زمانے کے لوگ ہیں یعنی بدعتیں اور بے راہیاں اور اُس سیدھی راہ سے الگ چلنا جس پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کھتے اور اُن کو اُس راہ مستقیم پر بلاتا ہے اور جن بُری باتوں پر

وہ قائم ہیں اُن کا عیب ظاہر کرتا ہے تو اُس وقت اُن لوگوں کی قیامت برپا ہو جاتی ہے اور اُس مومن

کے لیے طرح طرح کے جہاں بچھاتے ہیں اور اُس پر اپنے سوار اور پیادوں سے چڑھائی کرتے ہیں۔

یعنی اُس کے خلاف ہر نیک کوشش کرتے ہیں پس اب وہ اس وجہ سے کہ لوگوں کے دین ناسد ہیں اپنے

دین کے اعتبار سے بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ وہ بدعات سے تمسک کرتے ہیں سنت رسول اللہ

سے تمسک کرنے میں بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ لوگوں کے عقیدے ناسد ہیں اپنے عقیدے کے

اعتبار سے بھی اجنبی ہے اور اس لیے کہ لوگوں کے طریقے ناسد ہیں اپنے طریقہ میں بھی اجنبی ہے

اور اس لیے کہ لوگوں کی نفسانی خواہشوں میں اُن کا ساتھ نہیں دیتا اپنی طریق معاشرت میں بھی اجنبی

ہے اور خلاصہ یہ ہے کہ وہ تمام دنیوی اور اخروی امور میں اجنبی ہے نہ کسی کو اپنا مددگار پاتا ہے اور

نہ پاور اور بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تَعَاذُ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالشَّقْوَىٰ ذَلَالًا تَعَاذُ لَكُمْ اَعْلَىٰ الْاَشْمٰ

وَالْمَعْدُنِ اِنَّ اِيَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَرْجَعُ رُجُوعًا سَرِيعًا

زیادتی پر۔

پس وہی ایک اپنے دین سے ناواقف قوم میں دین کا عالم ہے بدعتیوں میں متبع سنت مگر گمراہوں

اور بدعتوں کی طرف بلائے والوں میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے والے ہے ایسی جماعت میں

جن کے نزدیک اچھی بات بُری اور بُری اچھی ہے اچھی بات کا حکم کرتا ہے اور بُرائی سے منع کرتا ہے
 دین پر صبر کرنے کی اہمیت اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا
 جس میں اپنے دین پر صبر کرنے والا ایسا ہے جیسے ہاتھ میں انگارے لیے ہوئے پس نبی علیہ السلام نے
 اس حدیث میں بیان فرمادیا کہ جو شخص ہاتھ میں آگ لیے جیسے اُس کو بغیر بے انتہا صبر کے آسانی
 سے لیے رہنا ممکن نہیں ہے۔

آخری زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کا مرتبہ ایسے ہی آخر زمانہ میں وہ شخص جو سنت سے تمسک
 کرے اور اُس پر عمل کرے اُس کو بغیر سخت صبر کے آسانی سے اپنے دین کی حفاظت ممکن نہیں ہے
 اور اسی واسطے اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے میری امت
 کے بگڑ جانے کے وقت میری سنت کو اختیار کیا اُس کو سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

دین کا کمال اور زوال اور ابوامامہؑ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہر شے کا ایک کمال
 اور ایک زوال ہوتا ہے اور بے شک دین کا کمال ایک تو وہ تھا کہ تم دین کی طرف سے اندھے
 اور جاہل تھے اور مجھ کو اللہ تعالیٰ نے دین دے کر بھیجا اور ایک دین کا کمال یہ ہے کہ سارا قبیلہ
 عالم ہو جائے یہاں تک کہ اس میں ایک یا دو ناسق سے زیادہ نہ پائے جاہیں پس وہ دونوں مغلوب
 اور ذلیل ہوں گے۔

اور دین کا زوال یہ ہے کہ تمام قبیلہ کو ڈھونڈتے پھر و تو اس میں ایک یا دو قبیہوں سے
 زیادہ نہ ملیں اور وہ بھی مغلوب اور ذلیل ہوں گے نہ اس دین پر اپنا کوئی مددگار پائیں گے اور نہ کوئی باور
 آخری زمانہ میں سنت پر عمل کرنے والے کی حالت پس نبی علیہ السلام نے مومن کا وصف جو سنت
 پر عمل کرنے والا دین کا عالم ہو یہ بیان کیا ہے کہ وہ آخر زمانہ میں لوگوں کے نزدیک مغلوب اور
 ذلیل ہو گا نہ اپنا معین پائے گا اور نہ مددگار اور اسی ثوریؑ نے کہا ہے جب تم کسی عالم کو کثیر الاحباب
 پاؤ تو سمجھ لو کہ وہ گڑبڑ کرنے والا ہے کیونکہ اگر وہ حق بولے تو اُس کے سب دشمن ہو جائیں اور کعب
 احبارِ رمن سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ بے شک تم پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں نصیحت
 بُری لگے گی یہاں تک کہ مومن اپنا ایمان لے کر ایسا چھپتا پھرے گا جیسے بدکار بدکاری لے کر چھپتا
 ہے اور مومن کو اُس کے ایمان پر ایسی عار دلائیں گے جیسے بدکار کو اُس کی بدکاری پر عار دلاتے ہیں۔

مومن کی ذلت اور اس کا سبب اور مومن کی ذلت آخر زمانہ میں اسی لیے بڑھ جائے گی کہ ناسق اور
 ظالم اور بدعتی بہت ہو جائیں گے اور وہ ان میں تنہا ہو گا سب کے سب اُس کو بڑا سمجھیں گے اور اُس کو
 ستائیں گے کیونکہ اُس کا طریقہ اُن کے طریقہ کے خلاف اور اُس کا مقصد اُن کے مقصد کے مخالف ہے
 اور وہ اُن کے اُس کے اُس چلن سے موافق نہیں جس پر وہ لوگ قائم ہیں خاص کر اُس وقت جب کہ

وہ بھلائی کا حکم کرے اور بُرائی سے منع کرے جیسا کہ خلیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُن کو مُردار گدھا ایسے مومن سے زیادہ پسند ہو گا جو اُن کو نیک بات بتانے اور گناہ سے منع کرے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ مومن کا دل ایسا گھل جائے گا جس طرح کہ پانی میں نمک گھل جاتا ہے کسی نے عرض کیا یہ کس لیے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اس خرابی کی وجہ سے جس کو دیکھے گا اور اُس کے بدلنے کی قدرت نہ پائے گا بے شک بعض مقلدین ایسے ہوئے ہیں کہ خرابی کو دیکھا اور اُس کے دور کرنے کی قدرت نہیں ہوئی تو خون کا پیشاب کیا اور بعض کئی دن تک بیمار رہے۔

انبیاء و صلحاء کا طریقہ اور ان کے مصائب کی وجہ اور بیشک نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے اس کے بعد صلحاء کا پس جیسے انبیاء منکروں میں پھنسنے سے خالی نہیں رہے اسی طرح علماء اور صلحاء اور بھلائی کا حکم کرنے والے اور بُرائیوں سے روکنے والے اُن لوگوں میں پھنسنے سے خالی نہیں رہ سکتے جو گناہوں پر اڑے ہوئے ہیں پس اس لیے کہ جو شخص اس زمانہ میں بھلی بات بتاتا اور بُرائی سے منع کرتا ہے وہ دین کے بہت بڑے رکن اور اُس ضروری کام کو سنبھالے ہوئے ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سارے رسولوں کو بھیجا ہے اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے بھلائی کا حکم کیا اور بُرائی سے منع کیا وہ دنیا میں اللہ کا خلیفہ اور اُس کی کتاب اور اُس کے رسول کا خلیفہ ہے اور یہاں سے لے کر انبیاء صرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے بھیجے گئے ہیں اور یہی اُن کا معمول تھا جس کو لے کر وہ آئے تھے پس جو شخص اس میں اُن کا پیر و ہوا اور اُس نے حکم کیا اور منع کیا وہ اس بہت بڑے کام میں اُن کا نائب ہوا اور اُس کا مرتبہ اُن کے مرتبہ سے اس بڑے ضروری کام میں قریب ہو گیا چنانچہ اس کا اشارہ اس قول الہی میں کر و یا ان الذین یکنفروا بآیت اللہ یقتلون الثیبین بغیر حق و یقتلون الذین یأثمرون بالقسط من الناس فبئس عذاب الیمہ ۷۰ بے شک جو لوگ کرتے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور مار ڈالتے ہیں نبیوں کو ناحق اور مار ڈالتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے سو اُن کو خوشخبری سناؤ کہ واسے عذاب کی ۷۱

نبی اسرائیل نے تینتالیس انبیاء اور ایک سو بارہ عابدوں کو ایک دن قتل کر ڈالا پس اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو عدل کا حکم کرتے ہیں ترتیب کے اعتبار سے انبیاء کے بعد ذکر کیا ہے اور اس آیت کی تفسیر کے متعلق مذکور ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نبی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے پہلے ہی پر میں ایک ساعت میں قتل کر ڈالا پس ایک سو بارہ شخص بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے اٹھ کھڑے ہوئے

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے لگے پس دن کے آخر حصہ میں ان سب کو قتل کر ڈالا اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے **وَلَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ** اور مار ڈالتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والوں کی تلقین کیونکہ دیندار بھلائی کا حکم کرنے والے اور بُرائی سے منع کرنے والے بہت کم قسم قسم کی تکلیفوں اور طرح طرح کی بلاؤں سے بچتے ہیں شہر و سکن نکالا جاتا اور بادشاہوں اور حکام کے وہاں ان کی پہلی ہونا کفر اور دین سے خارج ہونے کی ان پر گواہی گزرنا اور ایسے کاموں کا بہتان رکھنا جس سے ان کا فسق لازم آئے یعنی بدعتیں اور گناہ اور اس کے علاوہ اور وہ باتیں جو کہ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہیں۔

تکلیفوں پر صبر کرنے کا حکم پس اس بنا پر بھلائی کے بتلانے والے اور بُرائیوں سے منع کرنے والے کو چاہیے کہ خلق کی ان ایذاؤں پر اپنے نفس کو مضبوط کر لے جو اُس کو پہنچیں گی اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صبر کا کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور بعض جگہ صبر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَإِنَّ الْأَعْيُنَ لَنَافِلِحُونَ** "اے ایماندارو صبر کرو اور ثبات قدم رہو اور جبرے رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم فلاح پاؤ۔ اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے **وَاصْبِرْ دَا إِنْ أَلَّفَ اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ** "اور صبر بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" اور اللہ نے صبر کرنے والوں کے لیے اتنا ثواب جمع کر دیا ہے جو اوروں کے لیے نہیں جمع کیا اور فرمایا ہے **أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْتَدُونَ**۔ "انہیں پر ہیں اللہ کی رحمتیں اور مہربانی اور یہی لوگ ہیں راہ پر" علماء کہتے ہیں کہ صبر کا یہی اجر کافی ہے کہ کل اعمال کا ثواب نو دس گنے سے لے کر ہات سو گنے تک ہے مگر صبر کہ اُس کا ثواب بے حساب دیا جانے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **إِنَّمَا يُؤْتِي الصَّابِرِينَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** "بے شک دئے جائیگے صبر کرنے والے اپنا ثواب بے حساب" اور صبر کا حکم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ اس قول الہی میں صاف آیا ہے **وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ** "بھلی بات سکھا اور بُری باتوں سے روک اور صبر کر اُس چیز پر جو تجھ کو پہنچے پڑی اور العزمی کی بات ہے"۔

اور اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص نیک باتیں سکھاتا ہے اور بُری باتوں سے منع کرتا ہے کبھی اس کو اذیت پہنچتی ہے پس جب اُس کو ایذا پہنچے تو اُس کو واجب ہے کہ صبر کرے اور سمجھے کہ مخلوقات کی طرف سے اُس کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اللہ کی مشیت اور اس کے حکم اور مقدمہ کرنے سے ہے پس اُس کو ایسا سمجھے جیسے باڑے گرجی اور مرض کی تکلیف پس جب یہ سمجھے گا تو آرام

پائے گا اور یقین کر لے گا کہ یہ بات تو ضرور ہونے والی تھی کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اُس کا ہونا ضروری ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس کا ہونا محال ہے پس گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ اس میں صبر کرنا چاہیے۔

مصیبت پر صبر کرنے اور معاف کرنے کے فائدے کیونکہ جو شخص آئی ہوئی مصیبت پر اختیار سے صبر نہیں کرتا حالانکہ یہ اچھی بات ہے تو اُس کو اُس سے زیادہ پر مجبوراً صبر کرنا پڑے گا اور یہ بُرا ہے لہذا اُس کو چاہیے کہ صبر کرے اور بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دے اس لیے کہ اگر بدلے کا خیال نہ چھوڑے گا بلکہ اُس میں مشغول ہو جائے گا تو اس کے بعد اُس کو خوف اور زلت اور ندامت ہوگی اس لیے کہ اُس کے سبب سے عداوت پیدا ہو جائے گی اور عاقل اپنے دشمن سے بے کشکے نہیں رہتا اگرچہ وہ حقیر ہی کیوں نہ ہو اور جب بخش دے گا اور معاف کر دے گا اور بدلہ لینے میں مشغول نہ ہوگا تو عداوت پیدا ہونے سے بے خوف رہے گا اور ندامت میں پڑنے سے چھوٹ جائے گا باوجودیکہ معافی میں عزت بھی بہت ہے اس لیے کہ صحیح طور سے ثابت ہے کہ حضور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے بندہ کی عزت بڑھاتا ہے بلکہ اُس کو چاہیے کہ اس کے عوض میں اُس کے ساتھ احسان کرے اس لیے کہ تکلیف دینے والے نے اس کو اپنی نیکیاں ہدیہ دی ہیں اور اپنے نامہ اعمال میں بد لوادی ہیں اور یہ سمجھے کہ اُس کی بُرائی میرے حق میں اللہ کی طرف سے نعمت ہے کہ مجھ کو مظلوم بنایا کہ دنیا میں بدد کا اور آخرت میں ثواب کا امیدوار ہوں اور مجھ کو ظالم نہیں بنایا کہ دنیا اور آخرت میں عذاب کا مستحق بنایا۔ مخلوق سے تکلیف گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اور عاقل کو اگر ان دونوں حالتوں میں مختار بنایا جائے تو مظلوم ہونا ہی پسند کرے کیونکہ اُس کو مخلوق سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے اس لیے کہ مومن کو جو مصیبت رسوخ یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے اور یہ حقیقت میں اُس کی دوا ہے کہ اُس سے گناہوں کی بیماری دور کی جاتی ہے کیونکہ اس کو خلقت سے جو اذیت پہنچتی ہے وہ اُس کے لیے کڑوی اور ناگوار دوا کی طرح ہے لہذا اُس کو چاہیے کہ دوا کی تلخی اور بد مزگی کو نہ دیکھے اور نہ اُس شخص کو جس کی طرف سے اُس کو پہنچی ہے بلکہ اُس کے نفع کو دیکھے اور اُس ذات کی طرف سے سمجھے جو اُس کو اس اذیت کے نقصان سے نفع پہنچانے کا۔

پچھانویں مجلس تندرستی اور فراغت کی نعمت اور ان نعمتوں والوں

کے نقصان میں ہونے کے بیان میں

تندرستی اور فراغت نعمتیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نعمتان مغبون فیہما

کثیر من الناس الصحة والفرغ " دو نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ نقصان میں رہتے ہیں یعنی تندرستی اور فراغت۔
یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تندرستی اور فراغت دو بڑی نعمتیں ہیں۔

فراغت اور تندرستی کی نعمتوں کی قدر اور ناقدری | لیکن اکثر لوگ جب تک انہیں یہ حاصل ہوتی ہیں ان کی قدر نہیں جانتے ہیں کہ نہ تو نیک اعمال کرتے ہیں اور نہ موت کے دن کا کچھ سامان کرتے ہیں کیوں کہ آدمی تندرستی کی حالت میں اپنے بدن اور مال سے نیکیاں کمانے کی قدرت رکھتا ہے اور جب بیمار ہو تو اس کا بدن عمل سے لاچار ہو جاتا ہے اور اس کا ہاتھ مال کی طرف سے تھائی سے زائد میں کوتاہ ہو جاتا ہے پس نہ اپنے بدن سے طاعت پر قادر ہوتا ہے اور نہ اپنے مال میں تھائی سے زیادہ پر تصرف کر سکتا ہے پس اس لیے اس کو چاہیے کہ اپنی تندرستی کو غنیمت سمجھے اور اپنی جان اور مال سے نیکیاں حاصل کرنے میں کوشش کر لے۔

اور ایسے ہی فراغت کے زمانہ میں عبادت پر بے روک ٹوک قدرت ہوتی ہے پھر جب فراغت مشغولیت سے بدل گئی تو موانع پیدا ہو جاتے ہیں لہذا طاعت پر قدرت نہیں رہتی کیوں کہ انسان کبھی بھلا بیگنا تو ہوتا ہے لیکن فارغ نہیں ہوتا بلکہ معاش کے کاروبار میں لگا ہوتا ہے اور کبھی تو انگر تو ہوتا ہے لیکن تندرست نہیں ہوتا پس جب اس کو صحت اور فراغت دونوں حاصل ہوں پھر بھی طاعت کرنے سے سستی اس پر غالب آ جائے تو وہ نقصان میں ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے | اس کو یوں سمجھو کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس میں ایسی تجارت ہوتی ہے جس کا فائدہ آخرت میں ظاہر ہوتا ہے پس جس نے اپنی فراغت اور تندرستی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کیا تو وہ محفوظ ہے اور جس نے ان کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں صرف کیا تو وہ نقصان پانے والا ہے اس لیے کہ فراغت کے بعد مشغولی اور تندرستی کے بعد بیماری لگی ہوتی ہے اور جس شخص نے صحت کی حالت میں اپنے بڑائی کا حکم کرنے والے ہمیشہ آرام طلب نفس کو ڈھیل دے دی اور حدود اللہ کی نگہبانی اور طاعات پر ادا امت کو چھوڑ دیا وہ نقصان اٹھائے گا اور ایسے ہی جب فارغ ہو کیونکہ کارباری آدمی کو تو کبھی کوئی عذر ہوتا ہے برخلاف فارغ کے کہ اس سے تمام عذر اٹھ جاتے ہیں اور اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے لہذا اس کو چاہیے کہ فراغت کو غنیمت سمجھے اور نیک اعمال حاصل کرنے میں سعی کرے اور اپنی عمر کو بیہودہ کاموں میں برباد نہ کرے کیونکہ عمر کا ہر سانس ایک نفیس بے با جو ہر ہے اس واسطے کہ اس میں قابلیت ہے کہ اس کو سعادت ابدی تک پہنچا دے اور ہمیشہ کی بد بختی سے نجات دے پھر اس جو ہر سے بڑھ کر کونسا جو ہر ہو گا پھر اگر اس کو غفلت میں کھو دیا تو بہت بڑا نقصان اٹھایا اور اگر اس کو معصیت میں لگا یا تو بے طرح ہلاک ہوا۔

نیک اعمال میں سستی نہ کرنے کی ہدایت | پس بندہ پر واجب ہے کہ نیک اعمال میں جس حال میں ہو موت سے پہلے اور فوت ہونے سے قبل جلدی کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے **وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ** : دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کا پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے تیار ہوئی ہے پرہیزگاروں کے واسطے : دنیا کی محبت کا نتیجہ | کیونکہ جس کا دل دنیا میں اٹک گیا اور دنیا میں اُس نے حاجت سے زیادہ کھایا پیا اور لباس حاصل کیا تو یہ بات اُس کے حق میں مضر ہوتی ہے مگر اُس صورت میں کہ طاعت الہی میں اس سے مدد لے کیونکہ ہر وہ چیز جس کو آدمی پسند کرتا ہے اور اُس پر کامیاب ہو جاتا ہے اُس سے جدا ہونا ضروری ہے پس اگر اُس سے غیر اللہ کے لیے محبت رکھتا تھا تو اُس کا فوت ہونا بھی اس پر عذاب ہو گا اس لیے کہ جس قدر اس کے دل کو اُس سے تعلق ہو گا اسی قدر رنج ہو گا پس جس کے پاس سرمایہ اسی قدر موجود ہو جو اس کو کافی ہو وہ تو فارغ دل ہے پھر اگر سوا شرفیاء پا جائے تو اُس کے دل میں دس خواہشیں اٹھ کھڑی ہوں گی جن میں سے ہر ایک خواہش کے لیے سو سوا شرفیوں کی حاجت ہو پس جو ہاتھ آیا ہے کافی نہ ہو گا بلکہ اور نو سو کی حاجت پڑے گی حالانکہ ان سو کے پانے سے پہلے مستغنی تھا پس انہیں پایا اور گمان کیا کہ غنی ہو گیا حالانکہ اُس کو یہ خبر نہیں کہ وہ اور نو سو کا محتاج ہو گیا تاکہ مکان خریدے یا اُس کو نوائے اور لونڈی مول لے اور اُس کے اور اپنے لیے قیمتی پوشاک خریدے اور ہر ایک کے لیے اُن لوازم کی ضرورت ہے جو اُس کے مناسب اور لائق ہوں جن کی کہیں انتہا نہیں پس ایسے گڑھے میں پڑ جائے گا جس کا انجام دوزخ کا گھاؤ ہے اور سو اس کے کوئی اُس کی انتہا نہیں۔

ایک حکایت | اور حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے پاس ایک فیروزہ کا پیالہ کوئی لایا اور وہ پیالہ جو اہرات سے بڑا ہوا تھا اور اُس میں سیاد پکھنے میں نہیں آیا تھا پس بادشاہ اُس سے بہت خوش ہوا اور بادشاہ کے پاس ایک حکیم تھا بادشاہ نے اُس سے کہا تم اس کو کیسا جانتے ہو اُس نے عرض کیا مجھ کو یہ تمہارے لیے مصیبت اور فقر معلوم ہوتا ہے بادشاہ نے کہا کیونکر اُس نے عرض کیا اس لیے کہ جس چیز کا بھی انسان دنیا میں مالک ہوتا ہے وہ ہمیشہ نہیں رہتی پس یہ پیالہ اگر جاتا رہا یا ٹوٹ گیا تو تم کو اس کی حاجت ہوگی اور ایسا ملے گا نہیں اور تمہارے لیے ایسی مصیبت ہوگی جس کا کچھ علاج نہیں حالانکہ اس سے پہلے کہ یہ پیالہ تمہارے پاس لایا جائے تم مصیبت اور احتیاج سے امن میں تھے پھر ایک روز اتفاق سے وہ پیالہ ٹوٹ گیا تو بادشاہ کو بہت بڑا رنج ہوا اور اُس نے کہا حکیم نے جو کہا تھا ٹھیک تھا کاش وہ میرے پاس نہ لایا جاتا۔

اور اسی جیسے رنج بلکہ اس سے بہت زیادہ ہر ایسے شخص کو پہنچتے رہتے ہیں جس کو دنیا سے تعلق ہے

پس ان لوگوں کو دنیا کی حرص گھٹانے اور اُس کے لیے سخت محنت اٹھانے اور اُس کے جاتے رہنے کے وقت حسرت میں تڑپانے کا عذاب دیا گیا ہے۔

دنیا کو دوست بنانے والے کی مصیبت | اور اسی لیے بعض متقدمین نے کہا ہے جس نے دنیا کو دوست بنایا وہ اپنی جان کو مصیبتوں کے لیے تیار رکھے کیونکہ دنیا کا دوست تین مصیبتوں سے خالی نہیں رہتا۔ پھر موت کی فکر اور ہمیشہ کی محبت اور ایسی حسرت جو کبھی ختم نہ ہو۔

دنیا کو دوست رکھنے والے کو پہلا عذاب | پس اگر دنیا کے دوست کو موجودہ عذاب کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بھی اُس کے لیے کافی مصیبت تھی پھر اُس وقت کیا حال ہو گا جب کہ اُس کے اور اُس کے تمام محبوب چیزوں اور لذتوں میں موت مائل ہو جائے گی اور جس چیز سے لذت اٹھاتا تھا خود اسی سے اُس لذت کے برابر جس نے روز قیامت کے لیے توشہ کی سعی سے روک رکھا تھا عذاب پائے گا اسی لیے کہ اگر کسی کے ہزار محبوب ہوں تو مرتے وقت ایک دم میں اُس پر ہزار مصیبتیں پڑ جائیں گی کیونکہ وہ سب کو دوست رکھتا تھا اور ایک ہی لمحہ میں سب کے سب اُس سے پھین جائیں گے اور موت کے بعد حسرت اور ندامت میں پڑا رہ جائے گا اور یہ تو وہ پہلا الم ہے جو مرتے ہی پیش آئے گا چہ جائیکہ وہ دوزخ کا عذاب جو اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو دنیا کی زندگی کو دوست رکھتے ہیں اور اُس کو پسند کرتے ہیں۔

دنیا سے محبت کرنے والوں کی حالت نزار | اور خلاصہ یہ ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کو دوست بنایا اور اس سے محبت اللہ کے لیے نہ ہوئی اور نہ اس کے لیے کہ وہ طاعت الہی پر معین سے تو اس کو اُس سے صبر حاصل ہو گا خواہ وہ شے حاصل ہو یا نہ ہو کیونکہ اگر وہ نہ ملی تو رنج میں بسر ہوگی اور تعب سے فرصت نہ پائے گا اور اگر مل گئی تو جو رنج میرا آنے سے پہلے ہوا ہے اور جو حسرت اُس کے جانے کے بعد ہوگی وہ اُس لذت سے کئی حصہ زیادہ ہے جو اُس کو حاصل ہوئی ہے اور اگر بناہ دنیا کے تمام عیش اور اُس کی ساری لذتیں پا جائے اور اُس کی عمر اسی میں کٹ جائے اور سعادت آخر کی کی تکمیل میں سستی نہ کی ہو تو مرتے وقت وہ ایسا ہو جائے گا جیسے نہ کوئی عیش کیا اور نہ کوئی لذت پائی اور وہی عیش اور لذت عذاب بن جائے اور خود انہیں سے جن کی وجہ سے اُسے عیش تھا اور وہ بہت سے عذاب ہو گا ایک تو باوجود دل کے اُس کے ساتھ سخت تعلق ہونے کے اُس کا جاہا رہنا اور دوسرے جو اُس کے لیے بہت نافع اور ہمیشہ رہنے والا تھا اُس کا حاصل نہ ہونا پس جو محبوب حاصل تھا وہ جاتا رہے گا اور بڑا محبوب حاصل نہ ہو گا پس یہ وہ پہلا عذاب ہے جو مرتے ہی دوزخ کے عذاب سے بچنے کا

موت کی حقیقت | اس لیے کہ موت عدم محض اور صرف فنا نہیں ہے بلکہ موت دنیا کی مفارقت اور

اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔

بندہ کے ساتھ رہنے والی دو چیزیں۔ علم اور عمل ہیں اور بندہ کے ساتھ مرتے دم دو ہی چیزیں رہتی ہیں علم اور عمل اور یہی دونوں بندہ کے لیے نجات دینے والی اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے دیدار کی لذت تک پہنچا رہتی ہیں اور یہی وہ سعادت ہے جو مرنے کے بعد جلدی سے اُسے حاصل ہو جاتی ہے اور اُس کی گور اُس وقت تک کے لیے بہشت کا ایک چمن بن جاتی ہے کہ دیدار کے وقت جنت میں جائے اور علم سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور افعال اور اس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوں کا علم ہے اور اس کے سوا اُن اعتقادی اور عملی باتوں کا علم جن کا جانا واجب ہے اور عمل سے مراد عبادت ہے جو خالص اللہ کے لیے اُس کی کتاب اور سنت رسول کے موافق ہو۔

علم و عمل میں معاون دنیاوی آسائشیں مذموم نہیں پھر علم اور عمل میں سے ہر ایک بغیر بدن کے باقی رہنے اور بغیر اس کی تدرستی کے حاصل نہیں ہوتا اور بدن کی بقا اور اُس کی تدرستی میسر نہیں ہوتی مگر کھانے اور کپڑے اور گھر کی بدد سے اور یہ حسب باتیں اسباب کی محتاج ہیں پس اُس مقدار کو جو ان تینوں میں سے ضروری ہے اگر بندہ دنیا میں سے آخرت کے لیے لے لے تو یہ شخص دنیا داروں میں سے نہ ہو گا بلکہ دنیا اس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہوگی کیونکہ دنیا اور آخرت انسان کی دو حالتوں کا نام ہے پس نزدیک دانی کا دنیا نام ہے اور نزدیک ہر وہ چیز ہے جس کی لذت موت سے پہلے ختم ہو جائے اور آخر والی پھیلی حالت کا آخرت نام ہے اور آخرت ہر وہ چیز ہے جس کی لذت موت کے بعد تمام نہ ہو جائے۔

پس اس بنا پر تمام وہ چیزیں جس کی طرف آدمی کو رغبت ہو اور اُس کو ان میں اس وقت لذت ہو وہ مذموم نہیں ہیں بلکہ جن میں اس وقت موت سے پہلے لذت ہو اور اُس کا کچھ پھل موت کے بعد باقی نہ رہے وہ اس کے حق میں دنیا ہے اور جن میں اس کو اس وقت موت سے پہلے بھی لذت ہو اور اُس کا کچھ پھل موت کے بعد بھی ہوتا رہے جیسے طاعات اور عبادات اور وہ چیزیں جو طاعت میں معین ہیں وہ اُس کے حق میں دنیا نہیں ہے بلکہ آخرت میں داخل ہیں اس واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں میری محبوب بنائی گئی ہیں خوشبو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے پس نبی علیہ السلام نے نماز کو دنیا کی لذتوں میں سے قرار دیا ہے اور اسی لیے دنیا کی طرف اُسے منسوب کیا ہے کیونکہ رکوع اور سجدہ میں ہاتھ پاؤں ہلانے کی لذت دنیا ہی میں ہوتی ہے اور تمام وہ چیزیں جو محسوس اور مشاہدہ ہوتی ہیں وہ ظاہری عالم کی ہیں لہذا دنیا ہی کی ہونیں لیکن دنیا میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ چونکہ اس کا پھل باقی رہتا ہے آخرت میں شمار ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم پر اپنی پسند کے موافق عمل آسان فرمائے۔

چھپانویں مجلس اس شخص کے مسجد میں جانے سے ممانعت کے

بیان میں جس نے بدبودار چیز کھائی ہو

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی ممانعت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اکل من ہذا الشجرة المنتنة فلا یقر بن مسجدنا فالملئکة تتأذی مما يتأذی منه الا انس۔ جو شخص اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے نزدیک ہرگز نہ آئے کیونکہ فرشتے ایسی چیز سے ایذا پاتے ہیں جس سے آدمیوں کو ایذا ہوتی ہے۔

یہ حدیث صحیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے اس کو ابوہریرہؓ نے روایت کیا ہے اور اسے اشارہ سے جو اس حدیث میں واقع ہے اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس میں بدبودار اور معنی یہ ہیں کہ جو شخص ایسی چیز کھائے جس میں بدبودار تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اور مسجد کی اپنی طرف اعناق کسے سے ظاہر ہوئے کہ مسجد سے مراد نبی علیہ السلام کی مسجد ہو لیکن تمام علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم سب مساجد کے لیے عام ہے اس لیے کہ ایک اور حدیث میں حضور صلعم نے یوں فرمایا ہے وہ مسجدوں کے پاس نہ جائے۔

یہاں ہر نیک مجلس مسجد کے حکم میں ہے۔ بلکہ علماء نے علت یعنی ملائکہ اور آدمیوں کا تکلیف پانا موجود ہونے کی وجہ سے ہر نیک مجلس کو اسی کے حکم میں داخل کیا ہے جیسے علم کی مجلس اور عید گاہ اور جنازہ وغیرہ۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت کا مطلب | پھر یہ کہ یہ حکم مسجد میں آنے اور جماعت میں ملنے سے ممانعت نہیں ہے کیونکہ جماعت سے سنت ہو کہ وہ واجب کے مشابہ ہے لہذا ایسی چیز کے استعمال سے جو جماعت میں حاضر ہونے سے مانع ہو اس کا چھوڑنا مناسب نہیں بلکہ یہ ایسی چیز کے کھانے سے ممانعت ہے جو مسجد میں آنے اور جماعت کی ہاضمی سے منع کرے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب کسی شخص کے پاس مسجد میں پیاز یا لہسن کی بو پاتے تو حکم کرتے پس وہ بقیع کی طرف نکال دیا جاتا اور اسی لیے فقہاء کہتے ہیں جس کے پاس ایسی بدبودار پائی جاتی ہو جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو اس کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں سے کھینچ کر ڈال دیا اور سر کے بال نہ کھینچے۔

حقہ پینے والے کو مسجد سے روکنا | پس اس بنا پر لازم ہے کہ مسجد کے پاس ان لوگوں کو آنے سے منع کریں جو حقہ پیتے ہیں جس کا آجکل کفار کی طرف سے جو اہل ایمان کے دشمن ہیں رواج ہوا ہے اور تمام خلقت خاص اور عام اس بتلا ہو گئی ہے کیونکہ اس کی بو پیاز اور لہسن کی بو سے بہت زیادہ بڑی ہے بلکہ ایسے

شخص کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں سے کھنچ کر ہو جیسا کہ فقہاء کی ہر ایسے شخص کے بارے میں یہی رائے ہے جس کے پاس ایسی بدبو آتی ہو جس سے خلقت کو ایذا ہو۔
 حقہ کے نقصانات اور اس کے پینے کا حکم شرعی اور مسجد میں نہ آنے کی صورت میں آیا اس کا استعمال حلال ہے جیسے کہ پیاز لسن کھانا حلال ہے یا نہیں تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حقہ پیاز اور لسن کی طرح نہیں ہے کیونکہ پیاز لسن تو کھانا درست کرنے والی چیزیں ہیں اور عزیز لوگوں کی غذا اور رسالیں ہیں اور یہ حقہ ان میں سے کسی بات کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کے بارے میں لوگوں کے بہت سے قول ہیں اور حق بات جس پر اعتماد ہے یہ ہے کہ ہر اختیاری کام جو مکلف سے سرزد ہو اگر اس پر کوئی دینی یا دنیوی فائدہ مرتب نہ ہو تو وہ یا عبث ہے یا لعب ہے یا لہو ہے اور لغت کی کتابوں میں لوگوں تینوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہے لیکن فرق ہونا ضرور چاہیے کیونکہ قرآن میں ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے اور وہ فرق جیسا کہ بعض علماء نے ذکر کیا ہے اور قبول کے قابل بھی ہے یہ ہے کہ عبث وہ کام ہے جس میں نہ لذت ہو اور نہ فائدہ اور جس میں لذت ہو فائدہ نہ ہو وہ لعب ہے اور لہو بھی ایسا ہی ہے لیکن اس میں نفس کو زیادہ لذت ہوتی ہے کہ اس میں مشغولی سے ضروری کام رہ جاتا ہے اور یہ سب حرام ہیں اس واسطے کہ قرآن میں ان سب کا ذکر صرف بطریق مجہول ہے پس جب لعب اور لہو اور عبث کی حرمت معلوم ہو گئی تو حقہ کے استعمال کی حرمت بھی معلوم ہو گئی کیونکہ حقہ لعب میں داخل ہے یا عبث میں یا لہو میں بلکہ اس کو عبث سے زیادہ مناسبت ہے کیونکہ لہو و لعب میں جو لذت ہے حقہ اس لذت سے خالی ہے یا الٹی مگر شاید بعض حقہ پینے والوں کے نفس شیطانی تزمین کے سبب اس کو لذت جانتے ہوں تو اب لعب میں داخل ہو گا یا لہو میں باوجودیکہ دینی فائدہ سے بھی خالی ہے اور یہ تو ظاہر ہے۔
 اور دنیاوی فائدہ سے بھی کیونکہ حقہ غذا یا دوا بننے کی کچھ بھی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ مضر ہے کیونکہ طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دھواں مطلقاً مضر ہے ابن سینا کہتا ہے اگر دھواں اور گرد و غبار نہ ہوتا تو آدمی ہزار برس جیا کرتا۔

اور چالیسویں کتاب ہے کہ تین چیزوں سے بچو اور چار چیزیں اپنے اوپر لازم رکھو تو تم کو طبیب کی حاجت نہ ہوگی دھویں اور غبار اور بدبو سے بچو اور چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو لازم کر لو۔ اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کا دھواں اپنے زمین کے اجزاء کی وجہ سے تو خشکی پیدا کرتا ہے اور کچھ اس میں آگ کے اجزاء بھی ہوتے ہیں۔

کسی بزرگ کا مقولہ ہے جب کہ تمام قسم کے دھویں خشکی کرتے ہیں تو حقہ بھی رطوبات بدنہ کو خشک کرتا ہو گا لہذا بہت سے امراض پیدا ہونے کا سبب ہو گا اس لیے اس کا پنا جائز نہیں اس لیے کہ ضرر سے جان کا بچانا واجب ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ مضر شے کا استعمال حرام ہے۔

پس اگر کوئی ریاضتِ صائم کرے کہ بعضے طبیب کبھی کبھی بعضے مرصیوں کا بعض قسم کے دھویں سے علاج کیا کرتے ہیں اور اُس کا فائدہ ظاہر ہوتا ہے پھر تمام قسموں کے دھویں سے کیوں کر ممانعت درست ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ وہ کٹوڑی دیر کے لیے علاج کرتے ہیں نہ ہمیشہ کے لیے تاکہ اُس میں وہ خشکی پیدا ہو جس کا ذکر ہوا۔
پھر اگر کوئی کہے کہ خشکی بلغمی مزاج والے کو ضرر نہیں کرتی کیونکہ رطوبت بہت ہوتی ہے اور اُس کی خشکی سے نفع ہوتا ہے پس اس حقتہ سے ممانعت کی کیا وجہ ہے۔
تو جواب یہ ہے کہ نفع کی حد جہول ہے پس اس کا ایسے طبیب حافظی سے اس کا معلوم کرنا ضروری ہے جو مزاجوں سے اور اُس مقدار سے واقف ہو جو نافع ہو۔ ورنہ سلامتی اور عدم سلامتی میں تردد ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔

کیونکہ عاقل لوگ جو حقتہ پیتے ہیں اس میں اختلاف کرتے ہیں بعضے اُس کے ضرر کے قائل ہیں اور بعضے ضرر نہ کرنے کے اور بعضے اس میں شک کرتے ہیں لیکن فریق غالب جن کی طرف ان کے زیادہ دیندار ہونے کی وجہ سے حق پایا جاتا ہے یہی کہتا ہے کہ یہ اول اول تو جسم میں قوت اور پینائی میں دھند اور اعصاب میں بوجھ اور باضمہ میں رکاوٹ اور بدن میں ضعف پیدا کرتا ہے۔
اس لیے کہ حقتہ جیسا کہ اطباء نے کہا ہے ایک قسم کی حرارت کے ساتھ خشکی کرتا ہے لہذا اول اول تو وہ اثر کرتا ہے جو انہوں نے پہلے بیان کیا ہے یعنی خشکی، اور انجام کو وہ اثر کرتا ہے جو آخر میں بیان کیا ہے یعنی حرارت، علاوہ ازیں یہ کہ اگر حقتہ کا نفع ثابت بھی ہو جائے تو نفع کے بعد بھی اُس کا پینا منع ہے اس لیے کہ اس صورت میں وہ دوا ہوگا اور دوا کا استعمال بیماری جاتے رہنے کے بعد جائز نہیں ہے اس لیے کہ جب حقتہ بدن میں کوئی مرض نہ پائے گا جسے دور کرے تو بدن میں اثر کرے گا۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب جو آیت سے حرام کی گئی ہے قرآن نے اُس کے نفع کی بھی خبر دی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا كَبِيرٌ مِّنْ نَّفْعِهِمَا "تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جو سے کا تو کہہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدہ بھی ہے لوگوں کو اور ان کا گناہ فائدے سے بڑا ہے۔"
لیکن نفع کی جانب سے جب ضرر کا مقابلہ ہو تو ضرر کا لحاظ کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ فقہاء اتے کہا ہے جب ایک چیز میں کئی دھمیں ملال ہونے اور جواز کی ہوں اور ایک وجہ حرام ہونے اور ناجائز ہونے کی تو بنا برا احتیاط جانب حرمت کو مقدم رکھیں گے۔

اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا طریقہ | پھر اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا ایک عمدہ طریقہ ہے جس کا مرجع اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ اشیاء میں نبوت سے پہلے کوئی حکم نہیں اور نبوت کے بعد اس میں علماء کے تین مختلف قول ہیں۔

اول یہ کہ سب چیزیں حرام ہیں مگر وہ جن کے مباح ہونے پر دلیل شرعی قائم ہو۔

دوسرا یہ کہ تمام چیزیں جائز ہیں مگر وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی دلالت کرے۔

اور تیسرا قول جو صحیح ہے یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ ضرر کی چیزیں حرام ہیں یعنی

اصل ان میں حرمت ہے اور نفع دینے والی چیزیں مباح ہیں یعنی اصل ان میں جائز ہوتا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا "وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو احسان کی جگہ فرمایا ہے اور احسان صرف حلال جائز سے ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے گویا یہ فرمایا کہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کے سارے منافع پیدا کر دیئے تاکہ تم اس سے فائدہ لو۔

کیا حقہ پینا حرام ہے؟ اور اسی تیسرے صحیح قول کی بناء پر حقہ کا حکم بھی نکل آتا ہے کیونکہ اگر وہ مفید ہوتا تو اصل اس میں جواز ہوتا لیکن حاذق طبیبوں کے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ وہ مضر ہے اگرچہ آئندہ چل کر ہو لہذا اصل اس میں حرمت ہے بلکہ اگر اس میں شک ہوتا جب بھی حرمت کی جانب کو غلبہ ہوتا جیسا کہ یہی شرعی قاعدہ ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں مانتے پس جو شخص شبہات سے بچتا رہا اس نے اپنا دین اور عزت بچائی اور جو شخص شبہات میں پڑ گیا وہ اس چہرہ واسے کی طرح ہے جو احاطہ کے گرد چراتا ہو کہ عنقریب اس میں جا گھے گا۔

اور علماء نے ان شبہات کے حکم میں اختلاف کیا ہے پس بعضے تو ان کی حرمت کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں خبر دے دی ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم اس پر مشتبہ ہو اور حقیقت حال اس کی معلوم نہ ہوئی ہو تو اس کا دین خراب کر دینے والی اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے اور اس کا نفس عیب اور ملامت کی چیزوں سے بچا رہے گا اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ گزرا تو حرام میں پڑ جائے گا اور یہ حقہ ان ہی چیزوں میں سے ہے جن کا حکم مشتبہ ہے اور اس کی حقیقت حال نہیں کھلی پس جس نے چھوڑ دیا اور نہ پیا تو اس کا دین نسا اور نقصان سے اور اس کا نفس عیب اور خلقت میں ملامت سے بچا رہا اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ پیا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔

اور بعضے علماء مکر وہ ہونے کی طرف گئے ہیں کیونکہ ایک اور حدیث میں

آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ امور تین طرح کے ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہو گیا ہے پس اُس کو اختیار کرنا اور ایک وہ جن کا گمراہی ہونا تمہیں ظاہر ہو گیا پس اُس سے بچتے رہو اور ایک وہ امر جس میں اختلاف ہو پس شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو تم کو شک میں نہ ڈالے۔

اور اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ حقہ کے حکم نے شک اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے لہذا کم سے کم اس کا مرتبہ کراہت ہے۔

اور یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ اکثر حقہ نوشوں کی اس دلیل سے یہ باہت کے درجہ تک آجائے گا کہ حقہ فائدہ کرتا ہے اور بیماری کی دوا ہے اور ہم نے استعمال میں اس کو اپنے امراض کے لیے مفید پایا ہے اس لیے کہ یہ سب باتیں شیطانی تلبیس اور اُس کی تزیین کی وجہ سے ہیں تاکہ آخر کو اس کی کثافت سے بیماریاں پیدا ہو جائیں کیونکہ اُس کا بار بار پینا اپنے مقابل کو ایذا دیتا ہے لہذا اُس سے حرارت پیدا ہوگی پس آخر کو مرض ہو جائے گا نہ کہ دوا پھر ان کے قول کے موافق لازم آتا ہے کہ تمام لوگ بیماری ہوں اور اُن کا مرض چاروں فصلوں میں ایک ہی طرح کا ہو اور ان کا علاج بھی تمام فصلوں میں ایک ہی شے سے ایک ہی طرح پر ہو اور اس کا بطلان کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔

پھر اس میں مال کا ضائع کرنا ہے کیونکہ گراں داموں سے خریدتا ہے لہذا اسراف حرام میں داخل ہو گیا۔

حقہ کے حرام ہونے کی ایک وجہ یہ | اور کسی مالکی مذہب والے نے ملک حجاز میں ایک سوال کا جواب لکھا ہے جو حقہ کے متعلق ہے اور وہ یہ کہ حقہ کا استعمال بھی اُس کی اصل کی طرح حرام ہے کیونکہ اُس کی اصل لکڑی اور آگ ہے اس لیے کہ دھوئیں میں لکڑی کے اجزاء آگ کے اجزاء میں ملے ہوئے ہیں اور دھوئیں کا اپنے اجزائے ناری کے اعتبار سے جو اُس میں استعمال حرام ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے **ان الذین یأکلون اموال لیثمی ظلماً انما یأکلون فی بطونہم ناراً** جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کے مال ناحق وہ بھرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ یہ پس اس آیت نے آگ کا حرام ہونا بتلایا لہذا دھواں بھی حرام ہوا جو آگ سے نکلتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عذاب کی چیز بتایا ہے چنانچہ یونس نبی علیہ السلام کی قوم کے حق میں فرمایا ہے **نآئامنوا کشفنا عنهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیاء** جب ایمان لائے وہ تو کھول دیا ہم نے اُن پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں یہ پس اس لیے کہ جو عذاب اُن پر سے دفع ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے **فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس** **هذا عذاب الیم** پس راہ دیکھ تو اُس دن کی کہ لائے گا آسمان صریح دھواں جو گھیرے گا

لوگوں کو یہ ہے ورنہ ناک عذاب یہ اور دھان سے جو اس آیت میں مذکور ہے ایک قول کے موافق حقیقی معنی مراد ہیں اور اس قول کے مطابق مضمون آیت اس بارہ میں صریح ہے کہ دھواں سخت عذاب ہے اور جس شے سے تغذیہ ہو اس کا استعمال حرام ہے کیونکہ فقہا محل عذاب سے بھاگنے کے واجب ہونے پر متفق ہیں جیسے بطن محسوس اور جسم عمل کے وزن پر ہے باب تحمیر سے ایک میدان کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا اور جب محل عذاب سے بھاگنا واجب ہوا تو جس شے سے عذاب ہوا ہو اس سے بدرجہ اولیٰ بھاگنا واجب ہے۔

حقہ پینے والوں کی حالت | پھر حقہ پینے والوں کو تم دیکھتے ہو کہ ان کے حلق اور ناک سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دوزخیوں اور ان شریر لوگوں سے مشابہت ہے جو آخر زمانہ میں ہلاک ہوں گے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں دھواں پیدا ہو کر تمام زمین کو بھروسے گا لوگوں پر چالیس دن تک رہے گا مومن کو تو صرف اُس کا اتنا اثر پہنچے گا جیسے زکام کی حالت لیکن کافر سو اُس کی ناک اور کانوں اور آنکھوں سے نکلے گا یہاں تک کہ ایک ایک کا سر جل جلی یعنی ہوئی سری کی طرح ہو جائے گا۔ عذاب والوں کی طرح بناوٹ سے مسلمانوں کو ممانعت | پس مومن کو مناسب نہیں کہ عذاب والوں کی طرح

بنے اور نہ یہ کہ ایسی چیز استعمال کرے جو ایک قسم کا عذاب ہو اور نہ وہ چیز جو اہل عذاب کے لوازم میں سے ہو اور اگر علماء نے اسی وجہ سے اور تانبے کی انگوٹھی پہننے کو مکروہ کہا ہے کہ حدیث میں ثابت ہو چکا ہے کہ یہ دونوں دوزخیوں کے زیور ہیں اور صحیح طور سے ثابت ہے جیسا کہ بلالی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کیم کھانا ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ کھانے کو نہیں بتایا اور یہ دھواں تو بدرجہ اولیٰ مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں اجڑے نار یہ بھی ملے ہوئے ہیں جیسا کہ گذر چکا پھر اگر اس کے استعمال میں ان کفار کے طریقے کو رواج دینے کے سوا اور کچھ نہ ہوتا جنہوں نے اسے ایجاد کر کے بلا دیا اسلام میں پھیلا دیا ہے تاکہ ایمان والوں کو نقصان پہنچے تو عقلمند کے لیے خود ہی امر پر پزیر کرنے کا ایک بڑا سبب اور اختیار کرنے سے ایک بڑا مانع موجود تھا بلکہ اگر اس کے استعمال میں کپڑے اور بدن سیاہ ہونے اور بدبو اور سڑا ہند کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو خود ہی عاقل کو اس کے استعمال سے منع تھا۔

لیکن اس زمانے کے لوگوں کی طبیعتیں اکثر مشکل سے مطیع ہونے والی ہیں ہمیشہ یہودہ کام کی طرف مائل رہتی ہیں اگر جعلی بات کہو تو نہیں مانتے اور اگر سکھاؤ تو نہیں سیکھتے اور اگر سمجھاؤ تو نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو اُس کے موافق کبھی عمل نہیں کرتے اور ان لوگوں میں سے ہیں جو ان یٰۤاَسْبِیْلَ الرَّسٰدِ لَا یَخْتٰذُوْہُ سَبِیْلًا طَوٰاٰنَ یٰۤاَسْبِیْلَ الْعٰی یَخْتٰذُوْہُ سَبِیْلًا وَاگر دیکھتے ہیں راہ ہدایت کی تو نہیں بناتے ہیں اُس کو راہ اور اگر دیکھتے ہیں راہ گمراہی کی تو اُس کو بناتے ہیں راہ۔“

الہی ہم پر اپنی رضا کے موافق اعمال اپنے لطف اور فضل اور کرم سے آسان کر۔

ستائیس مجلس بیکار قول اور فعل ترک کر دینا لازم ہونے کے بیان میں

آدمی کے اسلام کے کامل ہونے کی شرط | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیه "آدمی کے اسلام کی خوبی ہے یہ وہ کام کا ترک کر دینا" یہ حدیث مصابیح کی حسن حدیثوں میں سے ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام آدمی کا کامل اور خوب نہیں ہوتا اگر جب وہ اقوال و افعال پھوڑ دے جن میں بالکل کوئی فائدہ نہ ہو نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

حقہ بے فائدہ کاموں میں سے ایک ہے | اور جن کاموں میں بالکل کوئی فائدہ نہیں ان میں سے ایک حقہ بھی ہے جو آجکل کفار کی طرف سے جو اہل ایمان کے دشمن ہیں نکلا ہے اور اس کے پینے میں تمام خلقت خاص و عام مبتلا ہے چنانچہ حقہ گیارہویں قرن کے اول میں نکلا اور تمام لوگوں کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ ہو گیا کہ اس کا استعمال تمام شہروں میں مردوں اور عورتوں اور بچوں میں پھیل گیا ہے لہذا علماء دین پر مسلمانوں کے لیے اس کا حکم بیان کرنا لازم ہوا کہ آیا اس کا پینا حلال ہے یا اس سے پرہیز واجب ہے۔

پس اسے ہوش والو جو کچھ اس بارہ میں کہا جاتا ہے اس کو سنو اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف قول ہیں۔

بے فائدہ کام کی حقیقت | اور وہ حق بات جو اعتماد کے قابل ہے یہ ہے کہ ہر فعل اختیاری جو کسی عقل بالغ سے صادر ہو اگر اس میں کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہ ہو تو وہ عیب سے یا لعب یا لہو اور لغت کی کتابوں میں تو ان تینوں میں کچھ فرق نہیں کیا ہے لیکن فرق کرنا ضرور چاہیے کیونکہ قرآن میں ایک کو دوسرے پر عطف کیا ہے اور فرق جیسا کہ بعض علماء نے بیان کیا ہے اور قبول کرنے کے قابل ہے یہ ہے کہ عیب وہ فعل ہے جس میں نہ کچھ فائدہ ہو اور نہ لذت اور جس میں لذت ہو بغیر کسی فائدہ کے وہ لعب ہے اور ایسا ہی لہو ہے یا اتنی بات ہے کہ لہو میں نفس کو زیادہ لذت ہوتی ہے کہ اس میں مشغول ہو کر ضروری کام سے رہ جاتا ہے اور یہ تینوں حرام ہیں کیونکہ قرآن میں ان کا ذکر صرف بطور ہجو کیا گیا ہے۔

حقہ کا حکم شرعی | پس جب ان تینوں کی حرمت معلوم ہو گئی تو حقہ پینے کی بھی حرمت معلوم ہو گئی اس لیے کہ حقہ یا لعب میں داخل ہے یا لہو میں یا عیب میں بلکہ عیب سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ حقہ اس لذت سے خالی ہے جو لعب اور لہو میں ہوتی ہے یا الہی مگر شاید کہ بعض پینے والوں کو شیطان کے اسے مزید ثابت کرنے سے مزہ آتا ہو تو اس صورت میں لعب یا لہو میں داخل ہو جائے گا اور ہر صورت حقہ دینی فائدہ سے تو خالی ہے اور یہ ظاہر ہے۔

اور دنا کے نایدے سے بھی خالی ہے کیونکہ غذا اور دوا میں سے بالکل کسی کام کا نہیں ہے بلکہ وہ مضر ہے کیونکہ تمام طبیبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دھواں مطلقاً مضر ہے اس سبب کہتا ہے اگر دھواں اور گرد و غبار نہ ہوتا تو یقیناً آدمی ہزار برس جیا کرتا اور جالیونس کہتا ہے تین چیزوں سے بچتے رہو اور چار چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرو تو تم کو طیب کی کچھ حاجت نہیں ہے دھویں اور غبار اور بدبو سے بچتے رہو اور چکنائی اور مٹھائی اور خوشبو اور حمام کو لازم کرو اور قانون میں مذکور ہے کہ تمام قسم کا دھواں اپنے بزرگاری کی وجہ سے خشکی پیدا کرتا ہے اور کچھ اس میں آگ کے اجزاء بھی ہوتے ہیں کسی بزرگ کا مقولہ ہے پس جبکہ دھویں کے تمام اقسام خشکی پیدا کرتے ہیں تو یہ حقہ بھی بدنی رطوبات کو خشک کرے گا لہذا بہت سے امراض پیدا ہوجانے کا سبب ہوگا لہذا اس کا پینا اس لیے جائز نہیں کہ مضر شے سے اپنے آپ کو بچانا واجب ہے اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ مضر شے کا استعمال کرنا حرام ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ بعضے طبیب کبھی کبھی بعضے بیماریوں کا علاج بعض قسم کے دھویں سے کیا کرتے ہیں اور اس سے نفع اٹھاتے ہیں لہذا تمام قسم کے دھویں سے ممانعت کیونکر درست ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے علاج کرتے ہیں نہ ہمیشہ کے لیے تاکہ خشکی جس کا ذکر ہوا پیدا ہو۔ پھر اگر کوئی یہ کہے کہ خشکی مذکور بلغمی مزاج والے کو اس لیے ضرر نہیں کہتی کہ اس میں رطوبات بہت ہوتے ہیں اور اس کو حقہ کی خشکی پیدا کرنے سے فائدہ ہوتا ہے لہذا حقہ سے ممانعت کی کیا وجہ ہے۔

تو جواب یہ ہے کہ نفع کی حد معلوم نہیں لہذا کسی ایسے طبیب حاذق سے جو مزاجوں کو اور اس مقدار کو جانتا ہو جو مفید ہے معلوم کرنا ضروری ہے اور اس وجہ سے اُدھر قدم رکھنا مطلقاً حرام ہے کہ صحت اور مرض میں تردد ہے۔

کیونکہ حقہ پینے والے عادل لوگ اس میں مختلف ہیں بعضے تو اس کے ضرر کے قائل ہیں اور بعضے ضرر نہ کرنے کے قائل ہیں اور بعضوں کو اس میں شک ہے لیکن وہ فریق اغلب جو قریب بحق ہیں یہ کہتے ہیں کہ حقہ پہلے پہلے تو جسم میں قوت اور نظر میں تیزی اور اعصاب میں نشاط اور کھانے میں سہم پیدا کرتا ہے پھر جب ہمیشگی ہو جاتی ہے تو بدن میں ناتوانی اور اعصاب میں بوجھ اور آنکھ میں دھند اور ہانسی میں رکاوٹ پیدا کر دیتا ہے اور یہ اس لیے کہ حسب قول اطباء حقہ خشکی کرتا ہے مع ایک قسم کی حرارت کے اول میں تو وہ اثر کرتا ہے جو پہلے بیان کیا یعنی خشکی، اور آخر کو وہ اثر جو بعد کو بیان کیا یعنی حرارت بنا۔ بریں اگر نفع ثابت بھی ہو جائے تو نفع کے بعد پینے سے بھی ممانعت ہوگی اس لیے کہ اس صورت میں حقہ دو ہوا اور بیماری جاتے رہنے کے بعد دوا کا استعمال کرنا جائز

نہیں اس لیے کہ واجب کوئی بیماری نہیں پاتی جس کو دور کرے تو بدن میں اثر کرتی ہے پس ضرر کا سبب بن جاتی ہے۔

نقصان وہ چیز سے ممانعت اور جو چیز نقصان کرتی ہو اس کے استعمال سے ممانعت ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ شراب جو آیت سے حرام ہے قرآن نے اس کے نفع کی خبر دی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْمِرِ وَالْمُنْبَرِ قُلْ فِيهِمْ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعَةٌ لِلنَّاسِ۔ ترجمہ سے پوچھتے ہیں حکم شراب اور جوئے کا تو کہہ کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو! لیکن نفع کی جانب سے جب نقصان کی جانب کا مقابلہ ہوتا ہے تو نقصان کا لحاظ کرتے ہیں یہاں تک کہ فقہا کہتے ہیں اگر کسی شے کو کئی دلیلیں جائز اور حلال ثابت کرتی ہوں اور ایک وجہ اس کی حرمت اور ناجائز ہونے کو لازم کرتی ہو تو حرمت کی جانب کو احتیاطاً غلبہ دیں گے۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ حقہ پینے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ پینے کے بعد وہ اپنے بدن میں خفت پاتے ہیں تو نفع نہ ہونے کا قول کیونکہ صحیح ہے۔

تو ان لوگوں کے بیان کے موافق جنہوں نے نفع و ضرر کا تجربہ کرنے کے لیے اس کو استعمال کیا ہے جواب یہ ہے کہ حقہ پینے والوں کو حقہ پیتے ہوئے تو ایک قسم کا سخت الم ہوتا ہے اور پی چکنے کے بعد اس الم سے نجات پاتے ہیں اور راحت ملتی ہے سو یہ بھاری سے یوں سمجھتے ہیں کہ یہ راحت اس کے پینے سے ملی ہے حالانکہ وہ یہ نہیں جانتے کہ اس کا پینا چھوڑنے سے حاصل ہوئی ہے۔

اشیاء کی حرمت و اباحت کی پہچان کا ایک طریقہ | پھر یہ کہ اشیاء کی حرمت اور اباحت کی پہچان کا ایک عمدہ قاعدہ ہے جس کا مرجع اصول ہے اور وہ یہ ہے کہ حق یوں ہے کہ نبوت سے پہلے اشیاء میں کوئی حکم نہیں ہے اور نبوت کے بعد علماء میں قول پر مختلف ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ ان کے علاوہ سب چیزیں حرام ہیں جن کا شرعی دلیل نے جائز ہونا بتلایا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ان کے سوا سب چیزیں مباح ہیں جن کا دلیل شرعی نے حرام ہونا بتلایا ہے۔ اور تیسرا قول اور یہی صحیح ہے یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ نقصان کی چیزیں اس معنی کو سب حرام ہیں کہ اصل ان میں حرمت ہے نفع اور نفع کی چیزیں سب مباح ہیں اس اعتبار سے کہ اصل ان میں اباحت ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا قول ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَبِيئَةً وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو احسان جتانے کی جگہ ذکر فرمایا ہے اور احسان صرف نافع اور مباح سے ہو سکتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لیے تمام چیزیں

جو زمین میں ہیں پیدا کیں تاکہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔

کیا حقہ پینا حرام ہے؟ اور اسی تیسرے صحیح قول کی بنا پر حقہ کا حکم بھی نکلتا ہے پس اس لیے کہ حقہ اگر نافع ہوتا تو اصل میں اباحت ہوتی لیکن حاذق لمیبوں کے بیان سے ثابت ہوا ہے کہ حقہ مضر ہے اگرچہ آئندہ چل کر ہو لہذا اصل اس میں حرمت ہی ہوگی۔ بلکہ اگر اس میں شک بھی ہوتا تو بھی حرمت ہی کی جانب کو غلبہ ہوتا جیسا کہ یہی شرعی قاعدہ ہے اس واسطے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا حلال بھی ظاہر اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان میں مشتبہ چیزوں میں اکثر لوگ انہیں نہیں جانتے ہیں پس جو شخص شہادت سے بچتا رہا اس نے اپنا دین اور عزت بچائی اور شہادت میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑا جیسے احاطے کے گرد چروانے والا کہ عنقریب اس کے اندر گھس جائے گا۔

اور ان شہادت کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے تو اس لیے حرمت کی طرف گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں خبر دے دی ہے کہ جس نے ایسی چیز کو چھوڑ دیا جس کا حکم مشتبہ ہے اور اس کی حقیقت حال اس کو معلوم نہیں ہوئی تو اس کا دین مفد اور نقصان پہنچنے والی چیزوں سے اور اس کی جان عیب اور طامت سے سلامت بچ گئی اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ کر گذرا تو وہ حرام میں پڑ گیا اور حقہ بھی ان ہی چیزوں میں سے ہے جن کا حکم مشتبہ ہے اور جن کی حقیقت حال معلوم نہیں لہذا جس نے اس کو چھوڑ دیا اور نہ پیا تو اس کا دین نسا اور نقصان سے پاک اور اس کی جان خلقت میں عیب اور طامت سے سالم رہی اور جس نے نہ چھوڑا بلکہ پینے لگا تو وہ حرام میں پڑ گیا۔

حقہ پینا مکروہ ہے اور بعض نے اس کے مکروہ ہونے کی طرف گئے ہیں اس لیے کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہو گیا ہے پس تم اس کو اختیار کرو اور ایک وہ جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہو گیا ہے پس اس سے پرہیز کرو ایک وہ جن میں اختلاف ہے پس شک میں ڈالنے والی چیز کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ حقہ نے بھی شک اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے اور ایسی صورت میں کم سے کم اس کا درجہ کلمہ بہت کا ہے۔

اور یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ اکثر پینے والوں کی اس دلیل گھڑنے سے کہ یہ نافع ہے اور ہر مرض کی دوا ہے اور ہم نے اس کے پینے میں اپنی بیماریوں کے لیے دوا پائی اباحت کی حد کو پہنچ جائیگا کیونکہ یہ تمام دلیلیں شیطان کے شہادت اور اس کی فریب دہی سے ہیں تاکہ آخر کو اس کی کثافت

سے بیماریاں پیدا ہو جائیں اس لیے کہ اس کے بار بار پینے کے جو حصّہ اس کے مقابل ہو سیاہ ہو جاتا ہے پس اس سے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر کو مرض ہو جاتا ہے نہ کہ دوا پھر ان کے دعوے کے موافق یہ لازم آتا ہے کہ سب لوگ بیمار ہی ہوں اور ان کا مرض بھی تمام چاروں نصلوں میں ایک ہی طرح کا ہو اور ان سب کا علاج ان نصلوں میں ایک چیز سے ایک ہی ہو اور اس کا بطلان کسی عامل پر پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اُس میں مال کا ضائع کرنا ہے کیونکہ منگلی قیمت سے خریدا جاتا ہے لہذا اسرارِ حرام میں داخل ہوا باد جو ذیکہ بد بودار اور نہ پینے والوں کے دماغ کو تکلیف دہ ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ ہر ایذا دینے والا دوزخی ہے اور کما سی رہ فرماتے ہیں کہ بد بو نختنوں کو پھاڑتی ہے اور دماغ تک پہنچ جاتی ہے اور آدمی کو ایذا دیتی ہے۔

بد بودار چیز کھا کر مسجد میں جانے کی شدید ممانعت | اور اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس نے اس درخت میں سے کھایا وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے کیونکہ وہ ہم کو اپنی بد بو سے ستاتا ہے اور هذا الشجرہ سے مراد وہ جنس ہے جس میں ایسی بد بو ہو کہ آدمی اُس سے ایذا پائیں اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے وجہ بیان کر دی ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس نے ایسی چیز کھائی جس میں ایسی بد بو ہو کہ آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے اس لیے کہ وہ ہم کو بد بو سے ستاتا ہے اور صحیح مسلم میں ثابت ہو چکا ہے کہ نبی علیہ السلام اگر مسجد میں کسی شخص سے پیاز یا سن کی بو پاتے تو اُس کے لیے حکم دیتے پس وہ بیعت کی طرف نکال دیا جاتا اور اسی لیے فقہار نے کہا ہے کہ جس شخص میں ایسی بد بو آتی ہو کہ آدمیوں کو اُس سے تکلیف ہوتی ہو تو اُس کا مسجد سے نکال دینا لازم ہے اگرچہ ہاتھ پاؤں سے کھینچ کر بو ڈال دیا اور سر کے بال پکڑ کر نہیں۔

پس اس بناء پر آج کل اکثر امام اور مؤذنون کا مسجد اور جامع مسجد سے نکال دینا لازم آتا ہے کیوں کہ ان کے پاس ہمیشہ اس بد بو دار حقہ نوشی کے سبب سے بد بو پانی جاتی ہے بلکہ یہ لوگ کبھی کبھی مسجد اور جامع مسجد کے اندر اُس کو پیتے ہیں پس اُن کے حق میں کراہت زیادہ سخت اور بہت زیادہ ہے۔

حقہ کے حرام ہونے کی ایک توجیہ | اور کسی مالکی المذہب نے ملک حجاز میں ایک سوال کا جواب لکھا ہے جو حقہ کے متعلق ہے اور وہ یہ ہے کہ حقہ کا استعمال جیسے اس کی اصل حرام ہے کیونکہ اس کی اصل لکڑی اور آگ ہے اس لیے کہ اس کے اجزاء لکڑی کے کچھ اجزاء ہیں جو اجزاء ناری سے بنے ہوئے ہیں پس ان ناری اجزاء کے اعتبار سے جو اُس میں لے میں اس کا استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ان الذین یا کلون اموال الیتامی طلبم انہما یا کلون فی بطونہم ناراً۔ بے شک جو لوگ کھاتے ہیں یتیموں کے مال ناسق وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ :-

پس اس نص نے آگ کی حرمت ثابت کی لہذا دھواں بھی حرام ہوا جو آگ سے پیدا ہوتا ہے اور نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود دھواں کو ذریعہ عذاب کا ٹھہرایا ہے چنانچہ یونس نبی علیہ السلام کی قوم کے حق میں کہا ہے لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ غُظَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا "جب ایمان لائے وہ تو کھول دیا ہم نے ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگی میں" کیونکہ جو عذاب ان پر سے دور ہوا تھا وہ دھواں ہی تھا اور ایک اور روایت میں فرمایا ہے فَاذْقَبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ" پس تو راہ دیکھ اس دن کی کہ لائے گا آسمان دھواں صریح کہ گھیرے گا لوگوں کو یہ ہے دکھ کا عذاب۔

اور ایک قول کی بنا پر دخان سے جو اس آیت میں مذکور ہے دخان کے حقیقی معنی مراد ہیں اور اس قول پر آیہ کریمہ کا مضمون اس بارہ میں صریح ہے کہ دخان عذاب الیم ہے اور جس شے سے عذاب واقع ہوا اُس کا استعمال حرام ہے کیونکہ فقہاء نے محل عذاب سے بھاگنے کے واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے جیسے بطن مجسمہ اور یہ لفظ اسم فاعل کے وزن پر باب تحسیر سے اُس میلان کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تھا پس جب محل عذاب سے بھاگنا واجب ہوا تو عذاب کی چیز سے بھاگنا اونے اور زیادہ لائق ہے

حقہ پینے والوں کی حالت | پھر اس کے پینے والوں کو دیکھو تو اُن کی ناک اور حلق سے دھواں نکلتا ہے اور اس میں دوزخیوں کی اور اُن شریلوگوں کی جو آخر زمانہ میں ہلاک ہوں گے مشابہت ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں ایسا دھواں پیدا ہوگا کہ زمین کو بھردے گا اور لوگوں پر چالیس روز تک رہے گا مومن کو تو صرف اتنا اثر ہوگا جیسے زکام کی حالت اور رہا کافر سو اُس کے نتھنوں اور کانوں اور آنکھوں سے نکلے گا یہاں تک کہ ایک ایک کا سر ایسا ہو جائے گا جیسے چلی تجلی ہوئی سری۔

مومن کے لیے اہل عذاب سے مشابہت مناسب نہیں | لہذا مومن کو مناسب نہیں کہ اہل عذاب سے مشابہت پیدا کرے اور نہ یہ کہ ایسی چیز استعمال کرے جو عذاب کی قسم سے ہو اور نہ اُس کو جو اہل عذاب کے لوازمات سے ہو اور علماء کے ایک گروہ نے اتفاق کیا کہ لوہے اور تانبے کی انگوٹھی کر وہ ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ دوزخیوں کا زیور ہے اور جیسا کہ بلالی نے مختصر الاحیاء میں ذکر کیا ہے صحیح طور پر ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام گرم کھانے کو کر وہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آگ کھانا نہیں بتایا پس یہ حقہ بدرجہ اولیٰ کر وہ ہے کیونکہ اجزائے ناری سے ملا ہوا ہے جیسے گزر چکا پس اگر اس کے استعمال میں سبز کپڑوں اور بدن کے سیاہ ہونے اور بدبو اور بڑا سبند کے اور کچھ نہ ہوتا تو بھی عاقل کے باز رہنے کے لیے کافی تھا بلکہ اگر اُس کے پینے میں سو اُن کنارے طریقہ کو رواج دینے کو جنہوں نے اس کو بلا و اسلام میں اہل اسلام کے ضرر دینے کی غرض سے ایجاد کیا ہے

اور کچھ نہ ہوتا تو یہی عاقل کے لیے اس کے اجتناب کرنے اور اس کے کرنے سے باز رہنے کو کافی تھا۔ لیکن اس زمانے میں اکثر طبیعتیں کند بمشکل اطاعت قبول کرنے والی ہیں ہمیشہ فغول کاموں کی طرف مائل رہتی ہیں اگر ان کو نصیحت کیجیے کبھی نہ مانیں اور اگر سکھاؤ کبھی نہ سیکھیں اور اگر سمجھاؤ تو کبھی نہ سمجھیں اور اگر سمجھیں تو کبھی عمل نہ کریں اور وہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ اگر دیکھیں ہدایت کی راہ تو نہ بنائیں اُس کو راہ اور اگر دیکھیں مگر آہی کی راہ تو اُس کو بنائیں راہ۔

اٹھائیں مجلس عورتوں کیساتھ گذران کرتے ہوئے ان کے حقوق میں نصیحت کا بیان

اپنی عورتوں کو ستانے کی ممانعت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ہے
اتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذتموهن بامان اللہ واستحللتم فروجهن بکلمۃ اللہ و لکم علیہن ان لا یوطئن فرشکم احدًا تکبرھونہ فان فعلن ذلک فاضربوهن ضربا غیر مبرح و لہن علیکم رزقہن و کسوتہن بالمعروف۔

ترجمہ ”اللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں تم نے اُن کو اللہ کی امن میں لیا ہے اور ان کی شرمگاہوں کو کلمۃ اللہ سے حلال کر لیا ہے اور تمہارا حق ان پر یہی ہے کہ تمہارے بستر پر کسی ایسے کو قدم نہ رکھنے دیں جس سے تم بنیر ہو پس اگر وہ ایسا کرے تو اُن کو مارو اتنا کہ ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور اُن کا حق تمہارے اوپر اُن کو دستور کے موافق کھانا اور کپڑا دینا ہے۔“

یہ حدیث مصابیح کی صحیح حدیثوں میں سے ہے جابر نے روایت کی ہے پس گویا نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ سے عورتوں کے بارے میں ڈرو پس اُن کو ناحق نہ ستاؤ بلکہ اُن کے ساتھ اچھی طرح بسر اوقات کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَاشِرُ وَهْنٍ بِالْمَعْرُوفِ اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ عمدہ طرح۔

عورتوں کے بارے میں انسان کا اللہ سے عہد | کیونکہ تم نے اُن کو اپنے قبضہ میں اللہ کے اُس عہد پر لیا ہے جو اللہ نے اُن کے بارے میں تم سے اُن کے ساتھ نرمی اور اُن پر شفقت کرنے کا عہد لیا ہے اور تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے امر اور اُس کے حکم سے حلال کیا ہے پس اگر تم نے اُس کے اُس عہد کو جو تم سے لیا ہے توڑ ڈالا اور اُس کی امانت میں تم نے خیانت کی تو اُن کے لیے تم سے بدلہ لے گا اور یہ اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں پس جب کہ تم نے اُن کو اللہ کے امر اور اُس کے حکم سے اپنا جوڑا بنایا ہے تو وہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف امانت ہیں پس جب تم نے اُن کو ناحق ستایا اور اچھی طرح گذران نہ کیا تو گویا تو تم نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ ڈالا اور اُس کی امانت میں تم نے خیانت کی پس اُن کے لیے وہ تم سے بدلہ لے گا۔

مرد کا عورت پر حق | اور تمہارا حق اُن پر یہ ہے کہ وہ کسی کو یہ اجازت نہ دیں کہ تمہارے گھروں میں تمہاری بے اجازت آئے اور اگر وہ ایسا کریں تو اُن کو اس طرح مارو تاکہ زیادہ تکلیف دہ نہ ہو کہ اُن کو تکلیف تو ہو اور ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور اُن کا بدن لہو لہان نہ ہو جائے اور تم پر اُن کا حق اچھی طرح کھانا اور کپڑا دینا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ میاں بی بی میں کچھ ایک دوسرے کے ایسے حقوق ہیں جن کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

مرد پر عورت کے حقوق | لیکن عورتوں کا جو حق مردوں پر ہے وہ اُن پر اچھی طرح خرچ کرنا ہے ایسے کہ فقہانے کہا ہے کہ مرد پر بی بی کا نفقہ واجب ہے خواہ اُس سے صحبت کی ہو یا نہ ہو اور وہ مسلمان ہو یا کافر یا فقیر ہو یا دولت مند اس لیے کہ اُس کی تو انگری اُس کے نفقہ کا حق ہو خاوند پر ہے باطل نہیں کہ دستی خواہ جوان ہو یا نابالغ صحبت کے قابل ہو اور اگر صحبت کے قابل نہ ہو تو اُس کا نفقہ واجب نہیں ہے اور نفقہ واجب جیسا کہ ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے رہا کھانا تو وہ آٹا اور پانی اور ایندھن اور نمک اور روغن ہے پس اگر عورت کہے کہ میں نہ پکاؤں گی اور نہ روٹی بناؤں گی تو قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ روٹی سالن پکانے پر مجبور نہ کی جائے گی اور مرد پر لازم ہے کہ اُس کو تیار کھانا لادے یا ایسا آدمی جو سالن روٹی پکانا دیا کرے یہ حکم تو قضا کا ہے۔

اپنے گھر کا کام کرنا عورت پر واجب ہے | اور اگر وہ فتنوی ایس پر واجب ہے کہ گھر کے اندر کا ہر کام کیا کرے جیسے پکانا اور روٹی بنانا اور کپڑے دھونا وغیرہ یہاں تک کہ اگر ان میں سے ایک کام بھی نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اُس پر مجبور نہ کی جائے گی۔

عورت کے خادم کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہونے کی صورت | اور اگر عورت کا کوئی خادم ہو تو خاوند پر اُس کے خادم کا بھی خرچ واجب ہے بشرطیکہ سالن روٹی پکاتا ہو اور اگر وہ نہ سالن پکائے اور نہ روٹی تو اُس کا خرچ واجب نہیں اس لیے کہ خادم کا خرچ خدمت کے بدلے تھا تو جب وہ سالن روٹی نہیں پکاتا تو خرچ بھی واجب نہیں بخلاف بی بی کے کیونکہ اُس کا خرچ خدمت کے بدلے میں نہیں ہے بلکہ اپنے گھر روک رکھنے کے بدلے میں ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو خاوند کے حق کے لیے روک رکھا ہے لہذا اُس کا خرچ شوہر پر ہے۔

بیوی کے نفقہ میں وسعت کی ترغیب | اور مرد کو چاہیے کہ خرچ میں اگر خدا وسعت دے تو بی بی پر فراخی کرے اور اس میں اعتدال رکھے نہ کمی ہو نہ زیادتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَلُوا
وَأَشْرُوا بِأَوْلَادِكُمْ فَوَالِکُمْ لَهَا وَأَوْلَادُکُمْ لَهَا وَرِثَتُکُمْ لَهَا وَرِثَتُکُمْ لَهَا

رزق حلال کی اہمیت اور سب سے زیادہ ضروری بات جو مرد پر واجب ہے یہ ہے کہ بی بی کو کسب حلال سے کھلائے اور اس کے لیے بڑے طریقوں میں پڑے کیونکہ یہ اس کے حق میں خیانت ہے اس کے حق کی رعایت نہیں ہے۔

بیوی کو کھانے کی چیزیں خیرات کرنے کا حکم دینا چاہیے اور شوہر کو چاہیے کہ بی بی کو بچے ہونے کھانے اور اس چیز کے خیرات کرنے کا حکم دے جو رکھنے سے بگڑ جائے۔

بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ اور رہا کپڑا سو اس کا اندازہ امام محمدؒ نے دو کرتے اور دو اور صنیاں اور ایک لحاف ہر سال میں مقرر کیا ہے اور دو کرتے اور دو روپے سے مراد گرمی جاڑے کے ہیں پس گرمی کے دنوں کا ایک باریک ہو جو گرمی کے زمانہ کے لائق ہو اور جاڑے کا موٹا جو سردی دفع کرنے کے لائق ہو اور موزے اور جوتے کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان کی حاجت باہر نکلنے کے لیے ہوتی ہے اور خاوند کے ذمہ باہر پھرنے کا سامان نہیں ہے اور پانچ جامہ کا بھی ذکر نہیں کیا حالانکہ جاڑوں میں پانچ جامہ کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ یہ لباس ان کے دستور کا ہے اور رہا ہمارا ملک سو پانچ جامہ اور دوسرے اور کپڑے بھی واجب ہیں جیسے کرتا۔ اور بستر جس پر سوتے ہیں اور لحاف اور جو چیز گرمی اور سردی کو دفع کرے۔ عورت کے خادم کے لیے کپڑوں کا مسئلہ اور عورت کے خادم کے لیے کرتا اور تہمد اور چادر اور موزہ واجب ہے کیونکہ اس کو باہر کے کاروبار کے لیے نکلنے کی ضرورت ہے جیسے کہ بی بی اپنے مال باپ کے پاس کچھ کھلا بھیجے یا اور کسی کام کو بھیجے اور اس کی ٹونڈی کے لیے اور صنیاں واجب نہیں اس لیے کہ اس کے بال عورت نہیں ہیں۔

عورت کے لیے علیحدہ گھر فراہم کرنے کا مسئلہ اور رہا رہنے کا گھر تو اس بارے میں بی بی کا حق احاطہ کے اندر ایک علیحدہ کوٹھڑی ہے جس میں اپنے اسباب سے اسے اطمینان ہو اور اپنے خاوند کے ساتھ رہنے میں غیر سے شرابے نہیں اور اگر شوہر کا کوئی انخیالی بھائی ہو یا بہن ہو اور دوسری بی بی کی کوئی اولاد ہو پس بی بی کے لیے کہ مجھ کو علیحدہ گھر میں رکھو تو بی بی کو حق پہنچتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ اپنے اسباب کے گم ہوجانے سے بے خوف نہیں ہے اور اپنے خاوند کے ساتھ رہنے میں شرابے کی بشرطیکہ احاطہ کے اندر ایک ہی حجرہ ہو اور اگر کئی حجرے ہوں اور اس کو ایک حجرہ دے دیا کہ جب چاہے بند کرے اور جب چاہے کھولے تو اب اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اور حجرہ مانگے اور احاطہ کے اندر خاوند کے بھائی بند ایسے نہ ہوں جو اس کو ستاتے ہوں۔ ہاں مگر اس صورت میں کہ خاوند اس کو مارتا ہو اور ستاتا ہو اور وہ قاضی کے پاس تالش کرے اور درخواست کرے کہ مجھ کو ایسے نیک لوگوں میں بسائے جو خاوند کی بھلائی برائی کو دیکھتے رہیں۔

پس قاضی اگر یہ جان لے کہ عورت جو کچھ کہتی ہے بات یوں ہی ہے تو اُس کو بھڑکے اور ظلم سے اُس کو منع کرے اور اگر قاضی کو یہ نہ معلوم ہو کہ عورت جس طرح کہتی ہے اسی طرح ہے تو اب اُس گھر کے ہمسایوں کو دیکھے اگر وہ نیک لوگ ہوں تو اُن سے دریافت کرے کہ آیا واقعی یوں ہی بات ہے جیسا عورت کہتی ہے پس اگر وہ کہیں کہ وہی بات ہے جو عورت نے کہی تو خاوند کو بھڑکے اور ظلم سے منع کرے اور اگر وہ کہیں کہ عورت نے جیسا کہا ہے ویسا نہیں ہے تو اُس کو اسی گھر میں رہنے دے اور اگر ہمسایہ نیک لوگ نہ ہوں یا شوہر کے طرفدار ہوں تو اُس کو حکم دے کہ عورت کو نیک لوگوں میں رکھے تاکہ بی بی کے حق میں وہ لوگ اُس کا معاملہ دیکھیں اور حاکم کو اُس کی خبر کریں۔

اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرز عمل کا حکم | اس واسطے کہ مرد کو جائز نہیں کہ عورتوں کے حق میں ظلم کرے بلکہ مرد کو عورتوں کے ساتھ خوش خلقی کرنی اور اُن کی ایذا کی برداشت کرنی چاہیے اور اُن کے بعض عیبوں کی طرف جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوں اُن کی بے عقلی کی وجہ سے اُن پر رحم کرتے ہوئے کچھ توجہ نہ کرے بلکہ اُس کو چاہیے کہ ایذا کی برداشت پر منہسی کھیل اور بڑھادے پس اُن کے ساتھ ایسی طرح کھیلے کہ وہ جس میں گناہ نہ ہو۔

اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کو جائز ہے | کیونکہ بی بی کے ساتھ مرد کا کھیل کو اُس کو باطل میں داخل نہیں ہے جو دین میں ممنوع ہے بلکہ یہ جائز ہوئے دین میں اس کی اجازت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے اور اُن کی عقلوں کے موافق کام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ سب سے زیادہ ظریف تھے یعنی سب سے زیادہ خوش مزاج منہسی کرنے والے تھے۔

نومن کامل کی علامت | اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان میں سب سے کامل نومن وہ ہے جو اپنی بیوی سے سب سے زیادہ خوش خلق اور سب سے زیادہ مہربان ہو اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

بیوی سے خوش خلقی میں اعتدال کی راہ | لیکن مرد کو یوں چاہیے کہ خوش خلقی اور کھیل میں اتنا نہ کھیل پڑے کہ اُن کی عادت بگڑ جائے اور اُن سے اس کی ہیبت بالکل جاتی رہے بلکہ اس میں اعتدال کا لحاظ رکھے پس جب کبھی کوئی بُرائی دیکھے ہیبت اور انقباض کو نہ چھوڑے اور بُری باتوں میں امداد کا دروازہ ہرگز نہ کھول دے بلکہ اُن سے جب کوئی بات شرع کے خلاف دیکھے تو منع کر دے اور غصہ کرے اس لیے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حاکم بنا یا ہے چنانچہ فرمایا ہے

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ" مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔

لہذا مرد کو لازم ہے کہ بی بیوں پر امر اور نہی کہتا رہے اور ایسے ابتدائی کاموں میں غفلت نہ کرے جن کے انجام کی بُرائی کا خوف ہو بلکہ اُس کو یوں چاہیے کہ غیرت دار بنا رہے لیکن عیب جوئی اور بدگمانی اور باطن کی تلاش بھی زیادہ نہ کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کے عیوب ڈھونڈنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ کے ہاں ناپسندیدہ غیرت | اور دوسری عبارت میں یہ ہے کہ عورتوں کے عیب کی تلاش سے منع کیا کیونکہ اپنی بیوی پر بغیر کسی شک کے مرد کی غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک ایسی غیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ناپسند فرماتا ہے اور وہ بلا کسی شک کے اپنی بیوی پر مرد کا غیرت کرنا ہے کیونکہ یہ بدگمانی ہے جس کی ممانعت آئی ہے اس لیے کہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں اور رہی وہ نہایت جو اپنے موقع پر ہو وہ تو ضرور چاہیے اور وہ اچھی ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا اللہ بھی غیرت کرتا ہے اور مومن بھی غیرت کرتا ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن ایسا کام کرے جو اللہ نے اُس پر حرام کیا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا میں بڑا غیرت والا ہوں اور جو مرد کہ غیرت نہ کرے تا ہو وہ اوندھے دل والا ہے۔

بے عزتی سے بچانے والی راہ | اور وہ راہ جو بے عزتی سے بچائے یہ ہے کہ اُن کے پاس نہ کوئی مرد آئے اور نہ راستوں میں وہ نکلیں کیونکہ عورتوں کا باہر نکلنا بے عزتی میں شمار ہے پس مرد کو لازم ہے کہ اپنی بی بی کو گھر سے نکلنے سے منع کرے اور چند خاص جگہوں کے سوا اُس کو نکلنے کی اجازت نہ دے اور وہ یہ ہیں جو مصنف خلاصہ نے مجموع النوائیل سے نقل کر کے لکھا ہے کہ عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دینے کا مسئلہ | مرد کو جائز ہے کہ اپنی بی بی کو سات جگہ جانے کی اجازت دے ماں باپ کی ملاقات اور اُن کی بیمار پرسی اور دونوں کی یا ایک کی تعزیت اور محرومی کی ملاقات کے لیے اور ان سات جگہ کے بیان کرنے کے بعد کہا ہے پس اگر وہ عورت دانی ہو یا مردہ کے غسل دینے والی یا اُس کا کسی پر حق آتا ہو یا کسی اور کا اُس پر حق آتا ہو تو اجازت اور بے اجازت نہ دے اور اگر مرد نے اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

اور اجازت کبھی چھپ رہنے سے بھی ہوتی ہے اور وہ زبانی اجازت ہی کی طرح ہے اس لیے کہ ممانعت بڑی بات سے فرض ہے۔

اور اگر عورت مجلسِ علم میں بغیر رضامندی خاوند جانا چاہے تو اُس کو یہ حق نہیں مگر اس صورت میں کہ عورت کو کوئی ضرورت پیش آئے اور خاوند خود اُس کی طرف سے نہ پوچھے تو اب اُس کو جائز

ڈرائے پس اگر کامیابی نہ ہو تو سوتے ہیں اُس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ کر دے یا اُس سے بُدا بچھونے پر سوتے اور تین رات تک چھوڑے رکھے پھر بھی اگر وہ نہ مانے تو اُس کو اتنا مارے کہ ہڈی نہ ٹوٹنے پائے اور منہ پر نہ مارے کہ اس کی ممانعت آئی ہے پھر بھی اگر نہ مانے تو اُس کو طلاق دیدے جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ جس مرد کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو لُسکو طلاق دیدے اگرچہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ ہر ادا کر سکے اور بزانی رو کہتے ہیں عورت کے ہر کا بوجھ گردن پر لیے ہوئے اللہ تعالیٰ سے لٹا ہے نماز عورت سے محبت کرنے سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسمعیل نبی علیہ السلام کی اس قول سے تعریف کی ہے وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالتَّسْلُوتِ وَالتَّكْوَانِ اور حکم کرتے تھے اپنی گھر والی کو نماز اور زکوٰۃ کا اور بزرگ لوگ کہتے ہیں کہ اپنی گھر والی کو نماز پر آمادہ کرنا رزق کا دروازہ کھل جانے کا سبب ہے۔

چار صورتوں میں عورتوں کو مارنے کی اجازت | اور صاحبِ خلاصہ نے کہا ہے خاوند کو حق ہے کہ بی بی کو چار باتوں پر اور جوان چار کے حکم میں ہوں مارے ایک تو ہر دے دینے کے بعد خاوند کے گھر سے بے اجازت نکلنا اور دوسرے جب خاوند سنگار کو چاہتا ہو سنگھار نہ کرنا اور تیسرے جب خاوند صحبت کا ارادہ کرے اور وہ عورت پاک بھی ہو تو قبول نہ کرنا اور چوتھے نماز نہ پڑھنا اور نماز چھوڑنے کے قائم مقام جنابت یا حیض سے غسل نہ کرنا ہے۔

صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنے کا ثواب | پھر اگر مرد چاہے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے اور یہ یقین ہو کہ میں دونوں میں برابری کر سکوں گا تو اُس کو جائز ہے لیکن اگر نہ کرے تو اُس لیے ثواب پائے گا کہ اپنی بی بی کو غم میں ڈالنے سے باز رہا خاص کر جبکہ وہ نیک عورت ہو کیونکہ عورت کی نیک بختی اور پاکدامنی بڑی نعمت ہے جس کا شکر یہ ادا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا نکاح شرط عدل کے ساتھ مشروط ہے | اور اگر خوف ہو کہ میں دونوں میں برابری نہ کر سکوں گا تو ایسا کرنا جائز نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اُس کے لیے یہ ملال کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلثًا وَرُبْعًا پس نکاح کرو جو تم کو اچھی معلوم ہوں عورتیں دو دو، تین تین، چار چار، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کے بعد فرمایا ہے فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً۔ پھر اگر ڈرو اس سے کہ برابری نہ رکھو گے تو ایک ہی۔

تعداد ازواج کی صورت میں عدل و انصاف کا تقاضا | پس اس لیے کہ جس کی دو عورتیں یا دو سے زیادہ ہوں تو اُس پر واجب ہے کہ اُن میں وقت کی تقسیم اور برابری کرے خواہ تندرست ہو یا بیمار لہذا اُن میں سے ہر ایک کے پاس ایک دن رات یا تین دن رات رہا کرے اور اُن میں سے کسی کے پاس اس سے زیادہ بلا اُن کی اجازت کے نہ رہا کرے اور کنواری اور غیر کنواری اور جو جوانی کے

قریب ہو اور جوان اور ہوش و حواس والی اور دیوانی اور مسلمان اور کتابیہ اور تندرست اور بیمار تقسیم میں برابر ہیں اور ایسے ہی نئی اور پرانی تقسیم میں ہمارے مذہب میں برابر ہیں خواہ وہ نئی کنواری ہو یا غیر کنواری پس اگر وہ نئی کے پاس تین دن یا سات دن رہے تو پرانی کے پاس بھی اتنا ہی رہے اور کسی ایک کی طرف دھڑل میں زیادہ میلان نہ رکھے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں پس وہ ایک کی طرف مائل ہو دوسری کی طرف نہیں اور ایک روایت میں یوں ہے اور دونوں میں برابر ہی نہ کرے تو قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اُس کا ایک جانب گرا ہوا ہو گا یعنی دو پہلو میں سے ایک پہلو اس طرح زخمی گرا ہو گا کہ اُس کو میدان قیامت والے سب دیکھیں تاکہ اس سے اُس کے عذاب میں اور زیادتی ہو جائے کیونکہ رسوائی بہت سخت عذاب ہے۔

برابری صرف اختیاری امور میں ضروری ہے | لیکن جانتا چاہیے کہ تقسیم اور برابری صرف خرچ دینے اور سونے میں واجب ہے نہ محبت اور صحبت میں اس لیے کہ محبت اختیاری نہیں ہے اور محبت کرنا نشاط پر موقوف ہے لہذا ان دونوں میں برابری پر قدرت نہیں ہے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں میں انصاف سے تقسیم کرتے تھے پھر فرماتے تھے الہی یہ میری تقسیم ہے اُن باتوں میں جن میں میں مختار ہوں پس مجھ کو ملامت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں۔ علماء کہتے ہیں اس سے مراد محبت ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو سب بی بیوں سے زیادہ پیاری تھیں اور آپ کی سب بی بیوں اس کو جانتی تھیں لیکن نبی علیہ السلام سب کو دینے اور سونے میں برابری کے ساتھ تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ اس مرض میں بھی جس میں وفات پائی اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حالت مرض میں روزانہ گود میں اٹھا کر ہنچانے جاتے تھے اور آپ ہر ایک کے یہاں رات کو سو رہا کرتے تھے اور پوچھا کرتے تھے کل میں کہاں رہوں گا پس آپ کی بی بیوں سمجھ گئیں کہ اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا پوچھنا مقصود ہے پس سب نے اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں پس آپ نے فرمایا تم سب اس امر پر راضی ہو سب نے عرض کی ہاں آپ نے فرمایا مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر نے چلو پس عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر رہے یہاں تک کہ اُن ہی کے پاس وفات پائی۔

خاندان پر عورت کا حق مہر اور اس کی ادائیگی کا شدید حکم | اور ایک حق بی بی کا جو خاندان پر واجب ہے یہ ہے کہ اس کا جہر ادا پر قادر ہو پورا ادا کر دے اور اگر اس کے ادا پر قدرت نہ رکھتا ہو تو نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی اس کو ادا کروں گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط اور دو عورتوں کو اُن کا مہر خوشی سے یعنی اللہ کی طرف سے فرض ہے کیونکہ عورتوں کو اُن کا مہر دینا اللہ تعالیٰ نے مذہب اور دین میں فرض کیا ہے پس

جس نے یہ نیت کی کہ عورت کا ہر اُس کو نہ دوں گا تو قیامت کے دن زنا کار ہو کر آئے گا جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے کم ہر پر یا زیادہ پر اس کے دل میں یہ بات نہ ہو کہ اُس کا حق اُس کو دے دے تو قیامت کے دن خدا سے زنا کاری کی حالت میں ملے گا۔

ادائیگی ہر میں جہلت یا اس کی معافی کا مسئلہ | اور بی بی سے اُس کا ہر ادا کرنے کے لیے جہلت نہ مانگے ہاں مگر اس صورت میں کہ فقیر ہو یا بی بی اپنی خوشی سے اُس کو جہلت دیدے زبردستی سے نہیں اور اُس کو یہ تکلیف نہ دے کہ مجھے اپنا ہر بخش دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کہنے کے بعد **وَاتُوا النِّسَاءَ صِدْقَتِهِنَّ بَخْلًا** اور دو عورتوں کو ان کا ہر خوشی سے یہ فرمایا ہے۔ **فَإِنْ طَبِقَ لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْهُ لَنْفُسِكُمْ فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا** پھر اگر وہ اُس میں سے کچھ حصہ چھوڑیں تم کو خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا پس جیسا کہ تمیر اور انوار التنزیل میں مذکور ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگر تم کو اس میں سے کچھ اپنی نہایت رضا مندی اور دل کی خوشی سے بغیر زبردستی کیے ہوئے اور بلا بد معاملگی کے خون کے بخش دیں تو اس سے فائدہ اٹھاؤ بلا اس کے کہ تمہارے ذمہ کچھ باقی رہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بہت کم کہہ کر بخشو انا مگر وہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کہ عقد نکاح جو بغیر عورت کے کسی طرح اختیار کے خاندان کے اختیار میں رکھا ہے چاہے اُس کو رکھے اور چاہے چھوڑ دے ایسے ہی ہر کی زنجیر کا حلقہ مرد کی گردن میں اور اُس کے ذمہ رکھا ہے پس عقد نکاح تو عورت کو خاندان کی طرف کھینچتا ہے اور ہر کی زنجیر خاندان کو عورت کی طرف کھینچتی ہے پس تمام ہر کا بخشو ایسا اُس کی حق تلفی اور اپنا حق باقی رکھنا ہے اور اس میں بے انسانی ہے اور یہ ایک طرح کا ظلم ہے۔

بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت | اور بے ضرورت اُس کو طلاق نہ دے مگر اسی صورت میں کہ بد خو بے دین بے نماز ہو اس لیے کہ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن سب مباح باتوں سے زیادہ ناپسند ہے اس لیے کہ اس میں غیر کو ایذا دینا ہے اور بے ضرورت کسی کو ایذا دینا جائز نہیں مگر جبکہ اُس کی طرف سے کچھ خطا ہوئی ہو۔

پس جب کسی ضرورت سے اُس کی طلاق کا ارادہ کرے تو اُس کو چاہیے کہ کئی باتوں کا لحاظ رکھے۔

طلاق دینے کا حرام طریقہ | ایک تو یہ کہ اُس کو ایسے طہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو اس لیے کہ حیض میں اور ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کر چکا ہو حرام ہے۔

نیک وقت میں طلاق کے مفاسد اور اس سے ممانعت | اور دوسرے یہ کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا

کرے اور تین طلاق جمع نہ کر دے کہ ایسی طلاق بدعی قبیح ہے اور ایک طلاق بھی عدت گزار جانے کے بعد مقصود کو مفید ہے باوجودیکہ ایک طلاق ندامت سے بہت دور ہے کیونکہ عدت کے اندر رجعت سے اور عدت کے بعد از سر نو نکاح کر لینے سے تدارک پر قادر ہے اور اگر اُس کو تین طلاقیں دے دیں تو شاید ناوہم ہو اور اُس کا تدارک حلالہ کے بغیر نہیں ہو سکتا اور عقد حلالہ ممنوع ہے اور یہی اُس کا کوشش کرنے والا بنتا ہے اور ایک مدت تک صبر کی حاجت ہے باوجودیکہ اُس کا دل اب غیر کی بی بی سے اس امید پر لگا رہے گا کہ وہ طلاق دے دے تو عدت کے بعد میرے پاس واپس آئے اور یہ سب کچھ تین طلاق ایک دم دینے کا پھل ہے اور ایک طلاق میں بلا کسی خرابی کے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

طلاق کی صورت میں عورت سے بھلائی کرنے کا حکم | اور تیسرے یہ کہ اُس کے طلاق دینے میں نہ حی برتے بغیر کسی قسم کی سختی اور حقارت کے اور کچھ مہر سے زیادہ بطور متعہ دے کر اُس کا دل خوش کر دے اور وہ زیادتی ایک کرتا اور ایک دو پٹا اور ایک چادر عورت کو وحشت اور غم میں ڈالنے کا بدلہ ہے۔

خلع کی صورت میں شریعت کا حکم | اور چوتھے یہ کہ اُس کا بھید ظاہر نہ کرے پھر اگر مرد نے مال کے بدلہ طلاق دی اور یہ خلع ہے تو مرد کو اگر بد خوئی خود اُس کی طرف سے ہوئی ہو اس مال کا لینا مکروہ ہے اس لیے کہ اس نے اُسے وحشت میں ڈالا ہے لہذا اُس کا مال لے کر زیادہ وحشت میں نہ ڈالے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَاسْتَأْتَمَرْتُمْ فَبَشِّرُوا بِمَا كُنْتُمْ آتِينَ** اور اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر

مال کا تو نہ لے لو اُس میں سے کچھ

پس اللہ تعالیٰ نے بڑے ڈھیر میں سے جو بہت مال ہوتا ہے توڑے سے لینے کو بھی منع کیا ہے یہ جابیکہ بہت لینا اور اگر نافرمانی عورت کی طرف سے ہو تو جتنا اُس کو دیا ہے اُس سے زیادہ لینا مکروہ ہے۔

پھر اگر مرد نے اُس کو خلع پر مجبور کیا اور عورت نے اُس سے اپنا پیچھا پھڑانے کو مال دینا مان لیا یا جو مہر وغیرہ خاوند کے ذمہ ہے اُس کو معاف کر دیا تو بغیر اُس مال کے لازم ہوئے جو اُس نے اپنے ذمہ لیا ہے اور بغیر اُس مہر وغیرہ کے معاف ہونے کے جو خاوند کے ذمہ ہے طلاق پڑ جائے گی اس لیے کہ مال لازم ہونے اور معاف ہونے میں رضامندی شرط ہے اور زبردستی میں رضامندی نہیں ہوتی چنانچہ اپنی جگہ میں بیان ہو چکا ہے یہ جو کچھ یہاں تک مذکور

ہوا ہے وہ ہے جو بی بی کے خاوند کے ذمہ حقوق ہیں۔

عورت پر خاوند کے حقوق | اور ہے وہ حقوق جو بی بی پر خاوند کے واجب ہیں پس شافی بیان اُس میں یہ ہے کہ نکاح ایک قسم کی غلامی ہے اور زویہ خاوند کی باندی ہوتی ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نکاح غلامی ہے پس ہر ایک دیکھ بھال لے کہ اپنی پیاری بچی کو کہاں دیتا ہے۔ پس نبی علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمایا کہ عورت کے حق میں اس لیے احتیاط بہت ضروری ہے کہ وہ نکاح سے لوٹدی ہو جاتی ہے جس سے خاوند کے طلاق دئے بغیر اور کسی طرح چھٹکارا ممکن نہیں اور رہا خاوند سو وہ طلاق دئے کر اُس سے خلاصی پانے پر قادر ہے۔

عورت کا جہاد | پھر جب عورت خاوند کی لوٹدی ہوئی تو اُس کو لازم ہے کہ خاوند کی سنیرت پر صبر کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید وار رہے کیونکہ یہی اُس کا جہاد ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ عورت کا جہاد حسنِ تعلل ہے یعنی خاوند کے ساتھ خوبی سے بسر کرنا پس اُس کو لازم ہے کہ ہر وہ بات جس میں گناہ نہ ہو خاوند حکم کرنے تو اُس کی اطاعت کرے اس لیے کہ عورت پر خاوند کا بہت بڑا حق ہونے کے بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں منجملہ اُن کے ایک روایت یہ ہے کہ۔

عورت پر خاوند کی اطاعت کی انتہا | نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو اس لیے سجدہ کیا کرے کہ عورت پر خاوند کا بہت بڑا حق ہے۔

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ایک جوان عورت نبی علیہ السلام کے پاس آئی اور عرض کیا اے نبی اللہ میں جوان عورت ہوں پیغام آیا کرتے ہیں سو خاوند کا بی بی پر کیا حق ہے اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر خاوند کے سر سے پاؤں تک پیپ بہتی ہو اور عورت اُس کو چاٹ لے تو بھی اُس کا شکر ادا نہیں کیا۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا یا نبی اللہ میں بے خاوند کی عورت ہوں اور میں نکاح کرنا چاہتی ہوں پس خاوند کا بی بی پر کیا حق ہے اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک حق خاوند کا بی بی پر یہ ہے کہ اگر خاوند اُس کی طرف رہنمائی کرے اور وہ اونٹ کی پیٹھ پر ہو تو انکار نہ کرے۔

خاوند کے گھر کی حفاظت | اور نیز خاوند کا ایک یہ حق ہے کہ اُس کے گھر سے اُن کی بلا اجازت کچھ نہ دے پس اگر دے گی تو اُس پر گناہ ہو گا اور خاوند کو ثواب ملے گا۔

بلا اجازت نقلی روزہ نہیں رکھے | اور خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ نقل روزہ اُس کی بغیر اجازت

نہ رکھے پس اگر ایسا کرے گی تو بھوکے اور پیاسی مرے گی اور قبول نہ ہوگا۔
 بلا اجازت گھر سے باہر نہ جائے اور خاوند کا ایک حق یہ ہے کہ اُس کے گھر سے اُس کی اجازت کے
 بغیر باہر نہ جائے اگر ایسا کرے گی تو جب تک اپنے گھر لوٹ کر نہ آئے اس کو فرشتے لعنت کرتے رہیں گے۔
 عورتوں کے لیے تنبیہ اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس رات مجھے معراج کو لے گئے
 میں نے ایک عورت دیکھی کہ زبان سے لٹک رہی ہے تو میں نے پوچھا اے حیرنیل! اس کی کیا حالت ہے
 انہوں نے عرض کیا یہ اپنی زبان سے اپنے خاوند اور ہمسایوں کو ستاتی تھی اور ایک اور عورت دیکھی
 کہ اس کے لیٹان ہاندھ کہ لٹکانی گئی ہے اور یہ عورت ہے کہ خاوند کی بغیر اجازت دودھ پلاتی تھی
 اور ایک اور دیکھی کہ اپنے پاؤں کے بل لٹکانی گئی ہے اور یہ خاوند کے بے اجازت گھر سے نکلا
 کرتی تھی اور ایک اور عورت دیکھی کہ اپنے ہاتھ کے بل لٹک رہی ہے اور یہ وہ تھی کہ اپنے خاوند کا
 مال خراب کرتی تھی۔

لعننت کی مستحق عورت اور البوسیرۃ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی مرد اپنی
 بی بی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے پس وہ مرد خفا ہو کر سو رہے تو صبح تک سب فرشتے اس پر
 لعنت کرتے ہیں اور ایک اور روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ
 میں میری جہان ہے ایسا کوئی مرد نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کرے تو یقیناً
 وہ ذات جو آسمان پر ہے اس وقت تک اُس سے بیزار رہتی ہے جب تک کہ خاوند راضی نہ ہو جائے۔
 خلاصہ یہ ہے کہ عورت کو لازم ہے کہ خاوند کی رضا جوئی کرتی رہے اور اپنے آپ کو اس سے روکے
 نہیں اور حیض کا بہانہ نہ کرے اور اُس کے حکم کو ٹالے نہیں بلکہ فوراً اس کے چاہتے ہی اگر حیض سے
 پاک ہو اطاعت کرے اور حیض کی حالت میں اپنا حال بتا دے اور پُرانے کپڑے پہن لے تاکہ خاوند
 کا میلان اوپر کم ہو۔

مائلنہ عورت کے لیے عبادت کی صورت اور اس کا ثواب اور حائفنہ کو مستحب ہے کہ جب نماز کا
 وقت آئے تو وضو کر کے گھر میں نماز کے چوترے پر بیٹھ کر جلنی دیر نماز میں لگتی ہے سبحان اللہ اور
 لا الہ الا اللہ پڑھتی رہے تاکہ عبادت کی عادت نہ ہاتی رہے اور روایت ہے کہ نبی علیہ وسلم نے
 فرمایا جب مائلنہ عورت ہر نماز کے وقت ستر بار استغفار پڑھے تو اُس کے لیے ہزار رکعتیں لکھی
 جاتی ہیں اور ستر گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اُس کا درجہ بڑھ جاتا ہے اور اُس کو استغفار کے ہر ہر
 حرف کے بدلے ایک نور ملتا ہے اور بدن کی ہر ہر رگ کے عوض حج اور عمرہ لکھا جاتا ہے۔
 عورت کے لیے صحیح راہ عمل اور حیض کے سوا اور حالت میں اچھا لباس پہنا کرے اور جہاں تک ہو سکے
 خاوند سے محبت ظاہر کیا کرے اور خوشبو لگا اور پاک صاف لہے اور ہر وقت خاوند کے نفع اٹھائیکے

یہ تیار رہے جب وہ چاہے اور گھر کے اندر گھسی بیٹھی رہے اور جس دن سے کہ خاوند کے یہاں گئی ہے جب تک کہ قبر میں جائے چہ خہ کا تہی رہے اور اپنے گھر سے اپنے خاوند کی بے اجازت نہ نکلے اور اگر اجازت سے جائے تو پھپ کر بڑی صورت بنا کر اور خالی اجاڑ رستے سے ہائے بڑک اور بازاروں میں سے نہ جائے اور خوشبو لگا کر بن سنور کر نہ جائے اور رستے میں کسی مرد سے بات نہ کرے جیسا کہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک عورت کو ایک مرد کے ساتھ رستہ میں بات کہتے ہوئے دیکھا تو دونوں کو درے لگائے اُس مرد نے عرض کیا یا امیر المؤمنین یہ میری بی بی ہے حضرت عمرؓ نے جواب دیا اگر تیری بی بی ہے تو اپنے گھر میں تو کیوں نہیں لے گیا تاکہ رستہ میں تجھ پر کوئی تممت نہ لگائے۔

حمام میں جانے کی ممانعت اور حمام میں نہ جائے اگر چہ خاوند اُس کو اجازت دے دے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا حمام میری امت کی عورتوں پر حرام ہے اور اگر کسی مرض یا نفاس کی وجہ سے کوئی ضرورت حمام میں جانے کی معقنی ہو تو شرط یہ ہے کہ تہ بند باندھ کر جائے اور حمام میں کوئی عورت نہ لگی نہ ہو اور سنگار کر کے نہ نکلے پس اگر ان شرطوں میں سے شرط بھی نہ ہو تو اُسے حمام میں جانا حلال نہیں ہے۔

قبرستان جانے کی ممانعت اور ایسے ہی عورت کو قبرستان میں جانا حلال نہیں جیسا کہ نصاب التہذیب میں مذکور ہے کہ قاضی سے عورت کے قبرستان میں جانے کے جواز کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اس بارہ میں جواز کو کیا پوچھتے ہو پوچھو کہ اُس پر کس قدر لعنت پڑتی ہے کیونکہ عورت جب جانے کی نیت کرتی ہے تو خدا کی اور فرشتوں کی لعنت میں ہو جاتی ہے اور جب نکلتی ہے تو ہر طرف سے شیطان اُس کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور جب قبر پر پہنچتی ہے تو مردہ کی روح لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے یہاں تک کہ اپنے گھر میں پہنچے۔ اور حدیث میں ہے جو عورت قبرستان کو جائے اُس کو ساتوں آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں چلتی ہے اور جو عورت گھر میں بیٹھی ہوئی مردے کے لیے دعائے خیر کرے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔

اور سلمانؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک روز مسجد سے نکلے اور اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو رہے اتنے میں حضرت فاطمہؓ آگئیں پس آپ نے اُن سے فرمایا تم کہاں سے آئیں انہوں نے عرض کیا فلانی عورت کے گھر سے جو مر گئی ہے اس پر نبی علیہ السلام نے پوچھا کیا تم اُس کی قبر پر بھی گئی معنی انہوں نے عرض کیا خدا کی پناہ کیا آپ سے جو کچھ سنا ہے اس کے سننے کے بعد بھی ایسا کرتی اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر تم اُس کی قبر پر جاتیں تو

جنت کی خوشبو نہ سونگھنے پاتیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک جنازہ کے ساتھ گئے پس آپ نے عورتوں کو جنازہ کے ساتھ آتے دیکھا تو آپ نے ان سے پوچھا کیا تم سب کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی انہوں نے عرض کیا کہ نہیں پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا کیا تم سب کے ساتھ نماز پڑھو گی انہوں نے عرض کیا کہ نہیں اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا جاؤ گنہگار بے ثواب لوٹ جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو نہ گورستان میں جانا جائز ہے اور نہ جنازہ کے ہمراہ۔

خافہ سے عورت کے تعلق کا نوعیت | بلکہ اُس کو لازم ہے کہ اُس کی ساری فکر اپنے حال کی درستی اور گھر کے کاروبار میں صرف ہو اور خاوند کے گھر میں کسی ایسے مرد یا عورت کو نہ آنے دے جس کا آنا خاوند ناپسند کرتا ہو اور خاوند کے حق کو اپنے اور اپنے تمام عزیزوں کے حق پر مقدم رکھے اور اپنی آواز خاوند کی آواز پر بلند نہ کرے اور اُس سے پہلا گرنے بولے۔

عورت رزق حلال کی متمنی رہے | اور اس کی کمائی حرام سے نفع نہ اٹھائے کیونکہ اگلی عورت میں ایسی تھیں کہ جب مرد اپنے گھر سے باہر نکلتا تو اس کی بیوی اور بیٹی کہہ دیتی کہ حرام کمائی سے بچے رہنا ہم بھوک پر صبر کر سکتے ہیں آگ پر صبر نہیں کر سکتے اور جو خدانے تقاضے نے اُس کے خاوند کو رزق دیا ہے اُس پر قناعت کرے اور خاوند کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے اور اپنے خرچ کا علم اُس پر نہ ڈالے بلکہ صابر متوکل رہے چنانچہ حکایت ہے کہ اگلے لوگوں میں سے کسی شخص نے سفر کا ارادہ کیا تو اُس کے ہمسایوں کو اُس کا سفر برا معلوم ہوا اور اس پر سب لوگوں نے اس کی بی بی سے کہا تو اُس کے سفر پر کیوں راضی ہو گئی حالانکہ وہ تیرے لیے کچھ خرچ نہیں دئے جاتا اُس نے جواب دیا کہ میں اُس کو کھانے والا جانتی ہوں رزاق نہیں جانتی ہوں اور میرا رزاق اور ہے پس کھانے والا جاتا ہے اور رزاق باقی ہے۔

عورت اپنے جمال پر ناز نہ کرے | اور اپنے جمال پر ناز نہ کیا کرے بلکہ ایسی رہے جیسے صمعی رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جنگل میں گیا تو میں نے ایک عورت نہایت خوبصورت ایک نہایت بدصورت مرد کے پاس دیکھی اس پر میں نے کہا تجب سے تجھ سی عورت ایسے کے پاس رہے وہ بولی اے شخص تو نے بجا کہا شاید کہ اُس نے اپنے خالق کی کوئی عبادت کی ہو پس اللہ نے تجھ کو اُس کے لیے اس عبادت کا ثواب بنایا اور شاید تجھ سے اپنے خالق کی کوئی خطا ہوئی ہو جو اللہ نے اُس کو میرے لیے عذاب مقرر کیا تو کیا میں اللہ سے راضی نہ رہوں۔

گھر کا کام واجب ہے | اور ایک خاوند کا حق جو بی بی پر فتوے کی رو سے واجب ہے کہ گھر کے اندر کا تمام کاروبار جیسے سالن روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ کیا کرے یہاں تک کہ اگر اس میں سے

کوئی کام نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اگرچہ اس پر مجبور نہ کی جائے گی اور خاوند کی خدمت میں اپنے آپ کو کوتاہ سمجھتی رہے۔

عورت کے لیے اپنی سوت اور خاوند کے دوسرے نکاح کی صورت میں صحیح طرز عمل اور اپنی سوت کے طلاق کی درخواست نہ کرے کیونکہ اس کو وہی ملتا ہے جو اُس کی سمت کا ہے اور خاوند کو اپنے علاوہ تین نکاح سے منع نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بشرط انصاف ایسا کرنا حلال کیا ہے جتنا سچہ فرمایا ہے۔

فَاَنْكِحُوا امَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعًا فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا تَعْلَمُوْا فَاَوْحِدَاۗةً۔
پس نکاح کرو جو تم کو خوش آئیں عورتیں دو دو تین تین چار چار پس اگر ڈرو کہ برابر رکھو گے تو ایک ہی اور سوتوں کے رشک پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید وار رہو جیسے کہ نبی علیہ السلام کی بیویوں نے صبر کیا یہاں تک کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جب بوڑھی ہو گئیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی علیہ السلام کی محبت معلوم ہو گئی تو اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔

عورت کو طلب طلاق کی ممانعت اور باہ سے بغیر ناامیدی ہونے سے طلاق نہ مانگے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جس عورت نے اپنے میاں سے طلاق مانگی تو اُس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

عورت کو زینت کرنے کے بارے میں شریعت کا حکم اور اپنے خاوند اور محرموں کے سوا کسی کو اپنا سنگار نہ دکھائے اُس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کے حق میں فرمایا ہے۔
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبَاۡرِهِنَّ اَوْ اَبَاۡبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءَ رِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءَ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيۡ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ نِسَاۡئِهِنَّ۔

اور نہ کھولیں اپنے سنگار کو مگر اپنے خاوند کے سامنے یا اپنے باپ کے یا سرے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے سوتیلے بیٹے کے یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی عورتوں کے اور زینت وہ ہے جو عورت کپڑوں اور زیور وغیرہ سے سنگار کرتی ہے اور زینت ایک ظاہری ہے اور ایک باطنی ظاہری زینت کا چھپانا بھی واجب نہیں اور اجنبی کو اُس کا دکھانا بھی حرام نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور نہ دکھائیں اپنا سنگار مگر وہی جو کھلی چیز ہے۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ ظاہری زینت صرف کپڑے ہیں اور یہ قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور کوئی کہتا ہے سر اور انگوٹھی اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے اور ہمارے علماء یعنی حنفیوں سے روایت ہے کہ ان دونوں چیزوں سے چہرہ اور دونوں ہاتھ مراد ہیں اس لیے کہ سر ہرے کی زینت ہے

اور انگوٹھی ہاتھ کی زینت ہے پس جب چہرہ اور ہاتھ کی زینت کا دیکھنا مباح ہو تو وہی چہرہ اور ہاتھ دیکھنے کی اجازت ہے اور یہ اُس وقت ہے کہ بغیر شہوت نگاہ ہو اور جب شہوت سے ہو تو جائز نہیں۔

عذر شرعی میں عورت کو دیکھنے کا حکم شرعی | مگر عذر کے وقت اور وہ عذر قاضی کی بقصنا قاضی اور گواہ کی گواہی اور طبیب کا علاج ہے اور ایسے ہی جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اُس کو اُس عورت کا دیکھ لینا جائز ہے لیکن اُس کو نگاہ دیکھنا جائز نہیں اور نہ ایسا عضو جو اُس کے حق میں عورت ہو بلکہ اُس کو بھی مباح ہے کہ صرف اُس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ دیکھ لے کیونکہ یہ اس کے حق میں عورت نہیں ہے۔

اجنبی عورت کی طرف دیکھنے کا شرعی حکم | اور شرح کرخی میں مذکور ہے کہ اجنبی عورت کا منہ دیکھنا حرام تو نہیں ہے لیکن بے ضرورت مکروہ ہے اس لیے کہ شہوت سے اطمینان نہیں ہو سکتا اور نصاب الاحتساب میں مذکور ہے کہ آزاد عورت کو منہ اور ہاتھ اور پاؤں کھولنے سے جس پر اجنبی کی نظر پڑتی ہے منع کرنا چاہیے کیونکہ اُس کو بعضے دیکھنے والوں کی شہوت سے اطمینان نہیں ہو سکتا ہاں مگر اُس وقت کہ بڑھیا ہو تو اب اُس کے چہرہ پر نگاہ ڈالنا جائز ہے اور شہوت سے امن ہونے کے وقت اُس سے مصافحہ کرنا بھی حلال ہے۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہا رہنا مکروہ تحریمی ہے | لیکن کسی مرد کے ساتھ تنہا رہے جو ان ہو یا بوڑھا اس لیے کہ تنہا رہنا کسی اجنبی عورت کے ساتھ اگرچہ اس کے ساتھ اور عورتیں بھی ہوں مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے مگر اُس وقت کہ عورت کے ساتھ کوئی محرم ہو۔

باطنی زینت اور مومن عورتوں کے لیے حکم شرعی | اور باطنی زینت باطنی اور بازو بند اور پازیب ہے اور کنگن میں اختلاف ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تو روایت ہے کہ کنگن باطنی زینت سے اور یہی رائے اس لیے حق معلوم ہوتی ہے کہ کنگن سٹھیلی سے دور ہے اور اس زینت باطنی کا اجنبی مردوں کو دیکھنا حرام ہے محرم کو نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں خاوند اور اس کے ساتھ آیت میں جو مذکور ہیں سب کو برابر فرمایا ہے پس یہ بات اُن لوگوں کا موضع زینت کو دیکھنا جائز ہونے کو چاہتی ہے جیسے کہ خاوند کو جائز ہے اور نسائیں سے مراد مومن عورتیں ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں مسلمان عورت کو جائز نہیں کہ کافر عورتوں میں کپڑے اتارے اور کافر عورت کے سامنے اتنا ہی ظاہر کرے جتنا اجنبی مرد کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے۔

لوٹاری اور اس کے حکم میں دوسری عورتوں کی باطنی زینت کا حکم شرعی | ہاں اگر لوٹاری ہو تو اُس کو جائز ہے

کہ اپنی باطنی زینت اجنبی مرد کے سامنے ظاہر کر دے کیونکہ لونڈی اگر باطنی زینت اجنبی مرد کو دکھا دے تو اس کے لیے حرام نہیں ہے جیسا کہ ابو بکر اشمش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کسی گاؤں میں گئے اور وہاں عورتیں نہر کے کنارے تنگے سر اور ہاتھ کھولے ہوئے تھیں اور یہ ان میں گھسنے لگیں اور ان پر نظر پڑنے سے کچھ احتیاط نہیں کی تو اس پر کسی نے ان سے کہا یہ تم کیا کرتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ان کی کوئی حرمت نہیں ہے مجھ کو تو ان کے ایمان ہی میں شک ہے یہ سب کی سب حربی عورتیں ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ مدینہ میں ایک نوحہ گر عورت پر گھس پڑے اور اس کو درہ سے مارا یہاں تک کہ اس کی اوڑھنی اتر گئی اس پر ان سے کسی نے کہا اے امیر المؤمنین اس کی اوڑھنی اتر پڑی ہے تو انہوں نے جواب دیا۔ شریعت میں اس کی کچھ حرمت نہیں ہے پس ان کا یہ کہنا کہ اس کی شریعت میں کچھ حرمت نہیں علماء کہتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ جب یہ عورت ایسے کام میں مشغول ہوئی جو شریعت میں ملامت نہیں ہے تو اس نے اپنی حرمت آپ کھودی اور لونڈیوں کے حکم میں ہو گئی لہذا اس کے دیکھنے سے استرازا ضروری نہیں ہے۔

ثناویں و سو مجلس نبی علیہ السلام کے اس قول کے بیان میں کہ عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت حاصل کرو آخر حدیث تک

عورتوں کے بارے میں حضور کی وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استوصوا بالنساء خیرا فان المرأة خلقت من ضلع فان اعوجج شیء فی الضلع اعلا فان ذصبت تقیمہ کسو تہ وان ترکتہ لحد یزل اعوجج عورتوں کے بارے میں اچھی وصیت حاصل کرو کیوں کہ عورت پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی اوپر کی پسلی ہے پس اگر تم اس کو سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور اگر پھوڑ دو گے تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہے گی۔ یہ حدیث آپ سے ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے اور وصیت حاصل کرنے کے معنی وصیت قبول کرنے کے ہیں پس گویا نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں تم کو عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور تم ان کے حق میں میری وصیت پوری کرو اور ان کے ساتھ بھلائی کرو اور جب تمہاری خلافت مرئی کوئی کام کر بیٹھیں تو جب تک اس کام میں کوئی گناہ نہ ہو تم ان پر غصہ نہ کرو کیونکہ وہ ٹیڑھی چیز سے پیدا ہوئی ہیں یعنی پسلی سے۔

اس لیے کہ حدیثوں سے ثابت ہے کہ پہلی عورت یعنی حوا آدم نبی علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہوئی جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا پیدا کیا

تم کو ایک جان سے اور اسی سے بنایا اُس کا جوڑا۔

عورت سے نفع اٹھانے کا طریقہ | پس اب اس حدیث میں یہ اشارہ ہو گا کہ عورت اس طرح پیدا کی گئی ہے کہ اس میں کچی ہے کسی کو اُس کے سیدھی کرنے یا اُس کی اس عادت بدلنے پر جس پر وہ پیدا ہوئی ہے طاقت نہیں پس اُس کی کچی کو بڑا نہ جانے کیونکہ ابتدائے پیدائش اور اصل فطرت سے عورت کی ذات میں کچی داخل ہے پس عورت سے نفع اٹھانا بلا اُس کی مدارات اور اُس کی کچی پر صبر کئے ممکن نہیں اس لیے کہ اگر تم اس کو سیدھا اور اُس کے تمام افعال اور اقوال میں اُسے سیدھا کرنے لگو تو اُس سے تمہارا نفع اٹھانا ممکن نہیں بلکہ اُس کے ٹوٹ جانے یعنی اُس کی طلاق کا سبب بن جائیگا۔

مرد کے ذمہ عورت کا نفقہ | پس جب اس حدیث سے عورتوں کی ابتدائی پیدائش کا حال معلوم ہو گیا تو مرد کو اُن کے ساتھ نیک معاملہ کرنا اور ان کے حقوق کی رعایت رکھنا اور ان کا خرچ اچھی طرح اٹھانا لازم ہے اس واسطے کہ فقہا کہتے ہیں خاوند پر بی بی کا خرچ واجب ہے خواہ اُس سے صحبت کر چکا ہو یا نہ کی ہو اور خواہ وہ مسلمان عورت ہو یا کافرہ فقیر ہو یا تو انکر اس لیے کہ تو انگری سے اُس کے نفقہ کا حق باطل نہیں ہوتا خواہ جوان ہو یا اتنی چھوٹی کہ صحبت کے قابل ہو گئی ہو اور اگر صحبت کے قابل نہ ہو تو اس کا خرچ واجب نہیں اور وہ نفقہ جو واجب ہے کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے جیسا کہ ہشام سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد سے نفقہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نفقہ سے مراد کھانا اور کپڑا اور رہنے کا گھر ہے لیکن کھانا تو اُس میں آتا۔ پانی۔ لکڑی۔ نمک تیل داخل ہیں۔

اپنے گھر کا کام کاج عورت پر واجب ہے | پس اگر بی بی کہے کہ میں سالن روٹی نہیں پکاتی تو قاضی اپنے فتاویٰ سے یہ کہتے ہیں سالن۔ روٹی۔ پکانے کے لیے اُس پر جبر نہ کیا جائے گا بلکہ خاوند کے ذمے ہے کہ پکا پکا یا لاوے یا ایسا آدمی لاوے جو اُس کا سالن روٹی پکانے کا کام کرے یہ حکم تو فقہا کا ہے اور رہا از روئے فتوئے تو عورت پر واجب ہے کہ گھر کے اندر کے تمام کاروبار سالن روٹی پکانا کپڑے دھونا وغیرہ سب کیا کرے یہاں تک کہ اُن میں سے اگر کوئی کام نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی اور مگر اس بارہ میں اُس پر ذمہ دستی نہ کریں گے۔

شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ | اور اگر بی بی کے پاس کوئی خادم ہو تو خاوند پر اُس کا خرچ بھی واجب ہے اگر وہ خادم سالن روٹی پکاتا ہو اس لیے کہ اُس کا خرچ خدمت کے مقابلہ میں ہے اور اگر سالن روٹی نہ پکائے تو اُس پر اُس کا خرچ واجب نہیں بخلاف بی بی کے کیونکہ اُس کا خرچ خدمت کے بدلہ میں نہیں ہے بلکہ روک رکھنے کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اُس نے اپنے آپ کو خاوند کے لیے روک رکھا ہے تو اس کا خرچ بھی خاوند کے ذمے ہوگا۔

عورت پر خرچ کرنے میں وسعت کی ترغیب اور مناسب ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وسعت دے تو عورت پر خرچ کرنے میں وسعت سے کام لے اور اس میں اعتدال رکھے نہ کمی کرے نہ زیادتی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کھاؤ اور پو اور مت اڑاؤ اور سب سے زیادہ ضروری بات جو ناز و ندر پہ واجب ہے یہ ہے کہ اس کو ملال کمائی سے کھلائے اور اس کے خرچ کے لیے بڑے طریقوں میں نہ پڑے کہ یہ اس کے حق میں خیانت ہے اس کے حق کی رعایت نہیں ہے۔ بیوی کو خیرات کی عادت ڈالنے کا حکم اور اس کو چاہیے کہ عورت کو بچے ہوئے کھالے اور ایسی چیز کے خیرات کر دینے کی اجازت دیدے جو رکھے رکھنے بگڑ جائے۔

بیوی کے لیے کپڑوں کا مسئلہ اور پاپا کپڑا سو امام محمد نے اس کی مقدار دو کڑے اور دو اوڑھنیاں اور ایک چادر ہر سال میں مقرر کی ہے اور دو کڑوں اور دو اوڑھنیوں سے مراد گہمی جاڑے کے ہیں پس گہمی کے لیے وہ ہے جو باریک ہو کر میوں کے قابل ہو اور جاڑے کے لیے وہ جو گاڑھا ہو سردی دور کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور موزے اور جوتے کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ اس کی ضرورت تو باہر جانے کے لیے ہوتی ہے اور خاندان کے ذمے باہر نکلنے کا سامان ہوتا ہے نہ نہیں ہے اور پانچامہ کا ذکر نہیں کیا حالانکہ جاڑوں میں یہ ضروری چیز ہے یہاں تک کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے یہ ان کے دستور کے موافق تھا اور ہمارے ملک میں پانچامہ اور دوسرے اور کپڑے بھی واجب ہیں جیسے جتہ اور بھوننا جس پر سونے اور لٹاف اور جو چیز گہمی سردی کو دفع کرے۔

عورت کے خادم کے لیے لباس اور اس کے خادم کے لیے ایک کرتا اور تھمد اور کمی اور موزہ واجب ہے کیوں کہ باہر کی مسکحتوں کے لیے اس کے نکلنے کی حاجت ہے مثلاً مال، باپ کے پاس کچھ کھلا بھیجنا اور ایسے ہی اور کام اور عورت ہو تو اس کے واسطے اوڑھنی واجب نہیں کیونکہ لونڈی کے بال عورت نہیں ہیں۔

عورت کے لیے علیحدہ گھر کا مسئلہ رہا رہنے کا گھر تو اس میں احاطہ کے اندر ایک علیحدہ حجرہ کا حق ہے کہ اپنے اسباب سے مطمئن رہے اور اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سمنے میں کسی غیر سے شرمائے نہیں پس اگر شوہر کے انخیالی بھائی بہن ہوں یا دوسری بی بی سے کوئی اولاد ہو اور ایسی حالت میں عورت کے کہ محمد کو الگ گھر میں رکھو تو اس کو یہ حق پہنچتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کو اپنے اسباب پر اطمینان نہیں ہو سکتا نیز اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سمنے میں شرمائے گی بشرطیکہ حجرہ اس احاطہ میں ایک ہی ہو اور اگر کئی ہوں اور اس نے اس کو ایک حجرہ دے دیا ہو کہ جب چاہے کھوے بے بند کرے اور گھر میں شوہر کے ایسے رشتہ دار نہ ہوں جو اسے ستاتے ہوں تو اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے حجرہ کی درخواست کرے۔

ہاں مگر اُس وقت کہ شوہر اُس کا مارتا اور ستاتا ہو تو پس اُس نے قاضی کے پاس شکایت کی اور اس سے درخواست کی کہ مجھ کو نیک لوگوں میں بسائے کہ وہ اس کی بھلائی برائی کو جان لیں تو قاضی اگر یہ جان لے کہ بات یوں ہی ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو مرد کو اس سے روکے اور ظلم سے اُس کو منع کر دے اور اگر یہ یقین نہ ہو کہ عورت جیسا کہتی ہے ویسا ہی ہے تو اُس گھر کے پڑوسیوں کو دیکھے پس اگر وہ نیک لوگ ہوں تو اُن سے پوچھے کیا یہ بات یوں ہی ہے جس طرح عورت کہتی ہے پس اگر وہ لوگ کہیں ہاں بات یوں ہی ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو مرد کو اس سے ڈانٹ دے اور ظلم سے اس کو منع کر دے اور اگر وہ نیک لوگ کہیں کہ ایسا نہیں ہے جیسا اُس نے کہا ہے تو اسی گھر میں رہنے دے اور اگر پڑوسی نیک لوگ نہ ہوں یا مرد کے طرفدار ہوں تو اُس کو حکم دے کہ عورت کو نیک لوگوں میں بسائے جو اُس کی بھلائی اور برائی کی قاضی کو اطلاع کریں۔

اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے طرز عمل کا حکم اس لیے کہ مرد کو جائز نہیں کہ عورتوں کے حق میں ظلم کرے جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو عورتوں کے بارے میں کہ وہ تمہاری مددگار ہیں تم نے ان کو اللہ کے عہد سے لیا ہے اور اُن کی شرمگاہوں کو اللہ کے کلمے سے حلال بنایا ہے پس نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو اس حدیث میں اپنی عورتوں کے ساتھ بُری طرح لبر کرنے سے ڈرایا ہے کیونکہ نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد اللہ انہی النساء قول کے قائل مقام ہے کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو پس اُن کو ناحق نہ ستاؤ کیونکہ وہ تمہارے قبضہ میں قید یوں کی طرح ہیں بلکہ اُن کے ساتھ اچھا معاملہ رکھو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَاشِرُ وَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور معاملہ رکھو اُن کے ساتھ اچھا کیونکہ تم نے اُن کو اللہ کے عہد کے ساتھ لیا ہے جو اللہ نے تم سے اُن کے ساتھ نرمی اور اُن پر شفقت کرنے کا لیا ہے اور تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال بنایا ہے پس اگر تم اللہ کا عہد توڑو گے جو اُس نے تم سے اُن کے بارے میں لیا ہے اور اُس کی امانت میں خیانت کرو گے تو اللہ اُن کی طرف سے تم سے بدلہ لے گا اور یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور اُس کے حکم سے اُن کو اپنا جوڑا بنایا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اُس کی امانت اور سپردگی میں ہو گئیں پس جب اُن کو ناحق ستایا اور اچھا معاملہ اُن کے ساتھ نہ رکھا تو ایسا ہو گا کہ گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کا عہد توڑ دیا اور اس کی امانت میں خیانت کی لہذا وہ اُس سے اُن کا بدلہ لے گا پس اس بنا پر مرد کو اُن کے ساتھ خوش خلقی اور اُن کی ایذا کی برداشت اور ان کے بعض عیبوں پر جب تک کہ گناہ کی بات نہ ہو اُن کی کم عقلی کی وجہ سے اُن پر رحم کرتے ہوئے توجہ نہ کرنا لازم ہے اور بعض علماء کہا کرتے تھے کہ ایک عورت کی ایذا پر برداشت کرنا حقیقت میں بہت سی اذیتوں سے نجات پانا ہے اس لیے کہ اُس ایک برداشت میں بچہ کے طمانچے سے اور ہانڈی کے

ٹوٹنے سے اور کپڑے کے پھٹنے سے نجات ہے

اپنی بیوی کے ساتھ کھیل کود پسندیدہ ہے | بلکہ اس کو چاہیے کہ ایذا کی برداشت پر اُن کے ساتھ
مہنسی کھیل کو اور زیادہ کر دے پس اُن سے ایسا کھیل کھیلا کرے جس میں گناہ نہ ہو کیونکہ مرد کا اپنی
بی بیوں سے کھیلنا بیہودہ کھیل نہیں ہے جس کی دین میں ممانعت ہے بلکہ یہ جائز کھیل ہے جس کی دین
میں اجازت ہے کیونکہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں سے خلق کیا کرتے تھے اور اُن کی عفتوں کے موافق
کام کیا کرتے تھے یہاں تک کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑتے تھے کہ آگے
کون نکل جائے اور حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں کے ساتھ سب سے ظریف تھے
یعنی ان کے ساتھ سب سے زیادہ خوش مزاجی اور مہنسی کرتے تھے اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے
فرمایا ہے کہ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بی بی کے ساتھ اچھا ہو۔

مومن کے ایمان کامل کی علامت | اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ مومنوں

میں ایمان میں سب سے زیادہ کامل وہ ہے جو اپنی بی بی کے ساتھ زیادہ خوش خلق اور زیادہ مہربان ہو۔
بیوی سے خوش خلقی میں اعتدال کی راہ | لیکن اس کو یہ مناسب نہیں کہ خوش خلقی اور مہنسی دل لگی میں اتنا
کھل پڑے کہ اُن کے اخلاق بگڑ جائیں اور اس کی ہیبت اُن کے دل سے باہر جاتی رہے بلکہ اس
میں اعتدال کی رعایت رکھے کہ جب اُن سے کوئی برائی دیکھے تو ہیبت اور کشیدگی کو نہ چھوڑے
اور اُن کی موافقت کا دروازہ بالکل نہ کھول دے بلکہ جب اُن سے کوئی ایسی بات دیکھے جو خلاف شرع
ہو تو غصہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اُن کا سر پرست بنایا ہے پناہ فرمایا ہے اَلْوَجْهَ لَ
قَدَامِ رَبِّ عَالَمِ النَّسَاءِ مَرُورٍ مَرُورٍ ہے عورتوں کے | پس اس کو لازم ہے کہ سبلی بات نہ بتا کر اور
برائی سے منع کرے کہ اُن کی سر پرستی کرے اور اُن ابتدائی باتوں سے غفلت نہ کرے جن کے انجام کی
برائی کا اندیشہ ہو بلکہ اس کو چاہیے کہ باعزت رہے لیکن عیب جوئی اور بدگمانی اور حسد کی تلاش
میں زیادتی نہ کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے عورتوں کی چھپی باتوں کی تلاش
کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ غیرت | اور ایک روایت میں ہے ان تبعت النساء یعنی عورتوں کی

عیب جوئی سے کیوں کہ مرد کا ہلکسی شہرے کے اپنی بی بی پر غیرت کرنے کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے جیسا کہ
حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ایک غیرت ایسی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے
اور یہ وہ غیرت ہے جو اپنی بی بی پر ہلکسی شہرے کی بات کہے ہو کیونکہ یہ بدگمانی میں داخل ہے جس سے
ممانعت آئی ہے اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہیں وہی وہ غیرت جو اپنے موقع پر ہو تو ضرور چاہیے
اور وہ پسندیدہ ہے اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا خدا بھی غیرت دار ہے

اور مومن بھی عنایت دار ہے اور اللہ کی عنایت یہ ہے کہ مومن ایسا کام کرے جو اللہ نے اس پر حرام کیا ہے اور ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ میں بہت بڑا عنایت دار ہوں اور ایسا کوئی مرد نہیں جو عنایت نہ کرتا ہو مگر اوندھے دل کا۔

بے عزتی سے بچانے والی راہ | اور وہ طریقہ جس سے کبھی عنایت نہ آئے یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی مرد نہ آئے پائے اور نہ وہ راست گلیوں میں جائیں کیونکہ ان کا نکلنا بے عزتی سمجھی جاتی ہے پس مرد کو لازم ہے کہ اپنی بی بی کو گھر سے نکلنے سے منع کرے اور چند خاص جگہوں کے سوا کہیں جانے کی اجازت نہ دے۔ عورت کو گھر سے نکلنے کی اجازت دینے کا مسئلہ | اور وہ خاص جگہیں ہیں جو صاحبہ پخلاصہ نے مجموع النوازل سے نقل کر کے لکھی ہیں کہ مرد کو جائز ہے کہ سات جگہ عورت کو جانے کی اجازت دے مال باپ کی ملاقات اور ان دونوں کی بیماری پر سی اور ان دونوں کی یا ایک کی ماتم پڑسی اور محرموں کی ملاقات کے لیے اور ان سات کے بیان کے بعد کہا ہے کہ اگر وہ عورت دانی ہو یا مردہ کی نہلانے والی ہو یا کسی پر اس کا حق آتا ہو یا کسی اور کا اس پر حق آتا ہو تو باجائز اور بلا اجازت بہر حال جا سکتی ہے اور اس کے علاوہ اجنبی لوگوں کی ملاقات اور ان کی بیماری پر سی اور ولیمہ کی اجازت اس کو نہ دے اور اگر اجازت دی اور وہ گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے اور اجازت کبھی چپ رہنے سے بھی ہوتی ہے اور چپ رہنا زبان سے کہنے ہی کی طرح ہے اس لیے کہ بڑی بات سے منع کرنا فرض ہے۔

اور اگر مجلس علم میں بلا رہنا مندی شوہر کے جاننا چاہے تو اس کو یہ حق نہیں مگر اس وقت کہ اس کو کوئی ضرورت پیش آئے اور شوہر اس کو پوچھ نہ دے تو اب بلا مرضی شوہر اس کے جانے میں گنجائش ہے اس لیے کہ حاجت کی باتوں میں علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے پس شوہر کے حق پر مقدم ہے اور اگر خاوند کسی عالم سے دریافت کر کے اس کو بتلا دے تو اس کو جانے کی گنجائش نہیں۔

اور اگر اس کو کوئی ضرورت تو پیش نہیں آئی لیکن چاہتی ہے کہ مجلس علم میں اس لیے جائے کہ وضو اور نماز کے مسئلوں میں سے کوئی مسئلہ سیکھ لے تو اگر خاوند کو مسائل آتے ہوں اور وہ اس کو بتلا تارہتا ہو تو اس کو جائز ہے کہ عورت کو منع کرے اور اگر اس کو نہ آتے ہوں تو بہتر یہ ہے کہ اس کو کبھی کبھی اجازت دے دیا کرے اور اگر اجازت نہ دے تو نہ اس پر کچھ گناہ ہے اور نہ عورت کو اس وقت تک نکلنا درست ہے جب تک کہ اس کو کوئی واقعہ پیش نہ آئے۔

خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکلنے والی عورت پر لعنت | اور اگر اپنے شوہر کے گھر سے بلا اس کی اجازت کے گئی تو آسمان کا ہر فرشتہ اور ہر وہ چیز جس پر اس کا گذر ہو گا انسان اور جن کے سوا لعنت کرے گی اور حاصل یہ کہ اپنے شوہر کے گھر سے بلا اس کی اجازت کے اس کو نکلنا

حرام ہے اور جب اُس کی اجازت سے نکلے تو چھپ کر بڑی ہیبت بنا کر نکلے اور خالی راہ دھونڈے کہ جائے سڑکوں اور بازاروں میں نہ جائے اور خوشبو لگا کر بن سنور کے نہ جائے اور نہ راستہ میں کسی آدمی سے باتیں کرے اس لیے کہ روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک عورت کو ایک مرد کے ساتھ دیکھا کہ دونوں باتیں کر رہے ہیں پس دونوں کو کوزے لگائے اس پر مرد نے کہا اے امیر المؤمنین یہ تو میری عورت ہے تو آپ نے اُس سے کہا اگر تیری عورت تھی تو اس کو اپنے گھر کیوں نہ لے گیا کہ راستہ میں کوئی تجھ کو نہمت نہ لگائے۔

عورت کے لیے حمام میں جانے کی ممانعت | اور حمام میں نہ جانے اگرچہ شوہر اُس کو اجازت دیدے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حمام میری امت کی عورتوں پر حرام ہے پس اگر حمام میں جانے کی مرض یا نفاس کی وجہ سے کوئی ضرورت پڑے تو شرط یہ ہے کہ سنگی پہن کر جائے اور اس میں کوئی عورت سنگی نہ ہو اور نہ بناؤ سنگھار سے جائے پس اگر ان شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اُس کو حمام میں جانا حلال نہیں۔

عورت کو قبرستان میں جانے کی ممانعت اور وعید | اور اسی طرح اُس کو قبرستان میں جانا بھی حلال نہیں کیونکہ نصاب الاحساب میں مذکور ہے کہ قاضی سے کسی نے عورت کے قبرستان جانے کے جواز کو پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسی بات کے جائز ہونے کو نہ پوچھو اور یہ پوچھو کہ اس پر کبھی لعنت بستی ہے کیونکہ عورت جب نکلنے کی نیت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی لعنت میں آجاتی ہے اور جب نکل کھڑی ہوتی ہے تو ہر طرف سے اُس کے ساتھ شیطان ہولیتے ہیں اور جب قبر کے پاس آتی ہے تو مردہ کی روح اُس پر لعنت کرتی ہے اور جب لوٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتوں کی لعنت میں رہتی ہے یہاں تک کہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

اور حدیث میں ہے جو عورت گورستان جانے کو نکلی اُس پر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کے فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی لعنت میں چلتی رہتی ہے اور جو عورت مردہ کے لیے دعائے خیر کرے اور اپنے گھر سے نہ نکلے اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب دیتا ہے۔ اور سلمان رہا اور ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام ایک دن مسجد سے نکل کر اپنے گھر کے دروازے پر ٹھہر گئے اتنے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ نے اُن سے فرمایا کہاں سے آئی ہو انہوں نے عرض کیا فلائی عورت کے گھر سے جو مر گئی ہے پس آپ نے فرمایا کیا تم اُس کی قبر پر گئی تھیں انہوں نے عرض کیا نہ کی پناہ جو کچھ میں نے آپ سے سنا ہے اُس کے سننے کے بعد بھی میں ایسا کرتی پس آپ نے فرمایا اگر تم اُس کی قبر پر جاتیں تو جنت کی خوشبو نہ پاتیں۔

اور روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک جنازہ کے ساتھ نکلے وہاں دیکھا کہ عورتیں جنازہ کے پیچھے آ رہی ہیں پس آپ نے اُن سے کہا کیا تم بھی سب کے ساتھ جنازہ اٹھاؤ گی انہوں نے کہا کہ نہیں پس حضور علیہ السلام نے فرمایا تو کیا سب کے ساتھ نماز پڑھو گی انہوں نے کہا کہ نہیں پس حضور نے فرمایا جاؤ گنہگار بے ثواب پائے لوٹ جاؤ۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو نہ جنازہ کے ساتھ جانا جائز ہے اور نہ قبرستان جانا۔ گھر سے نکلنے کی صورت میں عورت کے لیے حکم | بلکہ اُس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے گھر کے اندر جب سے کہ شوہر کے گھر آئی ہے اُس وقت سے لے کر قبر میں جانے تک اپنا چرخہ لیے بیٹھی رہے اور اپنے گھر سے اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے۔

ابن ہمام نے کہا ہے کہ جہاں کہیں اور جس وقت اس کو نکلنے کی اجازت ہے تو بناؤ سنگرزہ ہو اور اس طرح بدلنے کی شرط پر ہے کہ مردوں کے دیکھنے اور اُن کے میلان کا سبب نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَبْجُنْ تَبْجُرَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور دکھائی نہ پھرو پہلے نادانوں کے دکھانے کی طرح۔

اور تبرج جیسا کہ صحاح میں مذکور ہے عورت کا اپنے سنگار اور خوبوں کو مردوں کے سامنے ظاہر کرنا ہے اور اول جاہلیت کی عورتوں کی یہ عادت تھی اور بعضوں کے قول کے موافق اول جاہلیت سے مراد آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان کا زمانہ ہے پس اللہ نے مومن عورتوں کو اُن کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع کر دیا اور اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے کا اُن کو حکم دیا کیونکہ عورت جب تک مردوں سے چھپی رہے گی اُس کا دین بچا رہے گا اس لیے کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہ سے فرمایا کہ عورت کے لیے کیا چیز بہتر ہے انہوں نے عرض کیا یہ کہ نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ اُس کو کوئی مرد دیکھے آپ نے اُن کی بات کو پسند فرمایا اور اُن کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور فرمایا ذَرِيَّةٌ بَغَضُهَا مِنْ بَعْضِ أَوْلَادِ أَيْكٍ كَأَيْكٍ جَزْوَةٌ۔

عورتوں کو ادب سکھانے اور تعلیم کا حکم | اور نبی علیہ السلام کے اصحاب دیواروں کے چھروں اور سوراخوں کو بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاویہؓ نے اپنی عورت کو ردشندان میں جھانکتے دیکھا تو مارا پس مرد کو چاہیے کہ ایسا ہی کرے اور اپنی عورت کو ایسی باتوں سے منع کرے پھر اگر اُس کے دل میں کوئی بدعت ہو تو اُس کو دور کرے اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ اُس کو بتلائے اور نماز اور عین اور نفاس کے احکام جن کی حاجت ہوتی رہتی ہے اس کو سکھائے اور اگر دین کے کام میں سستی کرے یا بے نماز ہو تو اس کو ادب سکھائے لیکن ادب سکھانے میں گستاخی سے کام لے لیں ادل نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرائے اور اگر نہ مانے تو سونے میں اس کی طرف سے پیٹھ پھیرے یا اس سے الگ کچھونے پر سوتے اور تین دن رات اُس کو چھوڑے رکھے

پھر اگر نفع نہ ہو تو اس طرح مارے کہ زیادہ تکلیف دہ نہ ہو چوٹ تو لگے مگر ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ اس کا بدن لہولہان ہو اور نہ اس کے چہرے پر مارے کیونکہ اس سے ممانعت آئی ہے پھر بھی اگر فائدہ نہ ہو تو اس کو طلاق دیدے جیسا کہ قاضی خان نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ جس مرد کی عورت نماز نہ پڑھتی ہو اس کو طلاق دیدے اگرچہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کا حرا کر سکے اور بزازی نے کہا ہے کہ بے شک اس حال میں اللہ تعالیٰ سے ملنا کہ عورت کا مرد کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ بے نمازی عورت سے صحبت کرے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسمعیل نبی علیہ السلام کی اس قول سے تعریف کی ہے وَكَانَ يَأْتُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ اور حکم کرتے تھے اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا اور علماء کہتے ہیں کہ اپنی گھر والی کو نماز پر آمادہ کرنا اور رازہ رزق کھل جانے کا سبب ہے۔

شوہر کے لیے عورت کو مارنے کی اجازت کی صورت | اور صاحب مخلص نے لکھا ہے شوہر کو حق ہے کہ اپنی عورت کو چار باتوں پر مارے ایک تو مردے دینے کے بعد بلا اس کی اجازت کے اس کے گھر سے نکلنے پر اور دوسرے جس وقت شوہر زینت کو چاہے اس کا بناؤ سنگار نہ کرنا اور تیسرے جب شوہر صحبت کرنا چاہے تو اس کا کہنا نہ ماننا حالانکہ وہ پاک ہو اور چوتھے نماز نہ پڑھنا اور نماز نہ پڑھنے ہی کی طرح جنابت اور حیض سے غسل نہ کرنا ہے۔

ایک بیوی پر قسامت کرنے والے کا ثواب | پھر اگر مرد دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے اور یہ جانتا ہو کہ دونوں میں انصاف کر سکے گا تو اس کو جائز ہے لیکن اگر نہ کرے گا تو اس وجہ سے ثواب پائے گا کہ اس نے اس کو غم میں نہیں ڈالا خصوصاً اس کے نیک عورت ہونے کے وقت کیونکہ عورت کی نیک بختی بہت بڑی نعمت ہے اس کا شکر یہ ادا نہیں ہو سکتا۔

تعدد ازواج سے ممانعت کی صورت | اور اگر یہ خوف ہو کہ دونوں میں برابر ہی نہ کر سکے گا تو اس کو ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ اس کے لیے ایسا کرنا اس ارشاد سے حلال کیا ہے: **لَا تَنْكِحُوا مَا أَطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِمَّا مَلَكَتْ يَمَانُوتُ وَذُوئَيْنِ مِمَّنْ بَيْنَ يَدَيْكُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ** اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے **فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً** پس اگر خوف کرو تم کہ انصاف نہ کرو گے تو ایک ہی سے۔

تعدد ازواج میں عدل و انصاف کا تقاضا | کیونکہ جس کی دو عورتیں یا زیادہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ سب میں تقسیم اور انصاف سے کام لے خواہ مرد تندرست ہو یا بیمار پس ان میں سب برابر ایک کے پاس ایک دن رات یا تین دن رات رہے اور کسی کے پاس اس سے زیادہ ان کی اجازت کے بغیر نہ رہے اور کنواری اور غیر کنواری اور جوانی کے قریب عورت اور جوان ہوش و حواس والی اور دیوانی اور مسلمان اور کتیبیہ اور تندرست اور بیمار تقسیم میں سب برابر ہیں اور ایسے ہی نئی اور پرانی خواہ وہ نئی کنواری ہو یا بیاہی ہو اگر کسی کے

پاس میں یا سات دن رہا تو پڑائی کے پاس بھی اتنا ہی رہے اور کسی ایک کی طرف دطرز عمل میں جھک نہ پڑے کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا جس کی دو عورتیں ہوں پس وہ دونوں میں سے ایک کی طرف جھک پڑے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اُس کا ایک جانب گرا ہوا ہوگا یعنی اس کا ایک پہلو زخمی گرا ہوا ہوگا کہ سارے میدان قیامت والے اُس کو دیکھیں گے تاکہ یہ حالت اُس کے لیے زیادہ عذاب بن جائے کیونکہ رسوائی بہت سخت عذاب ہے۔

لیکن جاننا چاہیے کہ تقسیم اور انصاف کا اعتبار خرچ دینے اور رات کے رہنے میں ہے محبت اور صحبت میں نہیں کیونکہ محبت اختیار کی نہیں۔ پتھار و صحبت کے نشاط پر موقوف ہے لہذا ان دونوں میں برابری کی قدرت نہیں جیسا کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی بی بیوں میں تقسیم اور عدل کیا کرتے تھے اور پھر فرماتے تھے یا اللہ میری تقسیم ہے اُس بات میں جس کا میں مالک ہوں پس مجھ کو ایسی بات کے بارہ میں ملائمت نہ کرنا جس کا تو مالک ہے اور میں مالک نہیں ہوں کہتے ہیں کہ اس سے آپ کی مراد محبت ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ آپ کو پیاری تھیں اور سب بی بیوں میں بھی اس کو جانتی تھیں لیکن پھر نبی علیہ السلام خرچ دینے اور رات کو رہنے میں برابری کی تقسیم اور عدل کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے اس مرض میں بھی جس میں وفات ہوئی۔ کیونکہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام اپنے مرض میں ہر دن رات گود میں اٹھا کر پھرائے سہاتے تھے پس اُن میں سے ہر ایک کے پاس رات کو رہا کرنے تھے اور فرماتے تھے میں کل کہاں ہوں گا میں کل کہاں ہوں گا پس اس سے آپ کی بی بیوں سمجھ گئیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کو پوچھنا مقصود ہے لہذا سب نے اجازت دے دی کہ آپ کا جہاں ہی چاہے رہیں پس آپ نے فرمایا کیا تم اس پر راضی ہو سب نے کہا ہاں تو نبی علیہ السلام نے فرمایا مجھ کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر لے چلو پس اُن ہی کے گھر رہے یہاں تک کہ اُن ہی کے پاس وفات پائی۔

عورت کا حق مہر اور اس کی ادائیگی کا شدید حکم اور ایک حق عورت کا جو مرد پر ہے یہ ہے کہ اگر ادا کرنے پر قدرت ہو تو اس کا مہر پورا اُس کو دیدے اور اگر اُس کے ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو یہ نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی ادا کر دوں گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً** اور دو تم عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کے طریقہ پر کیونکہ عورتوں کو ان کا مہر دینا ان چیزوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مذہب اور دین فرض کیا ہے پس جس نے یہ نیت کی کہ اُس کا مہر اُس کو نہ دوں گا تو قیامت کے دن ونا کار ہو کر آئے گا کیوں کہ روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے جو مرد کسی عورت سے بھٹوڑے یا زیادہ مہر پر نکاح کرے اور اس کے دل میں اُس کا حق ادا کرنے کی نیت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ سے ونا کار ہو کر ملے گا۔

مہر میں جہلت یا معافی کا مسئلہ اور ادائے مہر کے لیے عورت سے جہلت نہ مانگے مگر اُس وقت

کہ فقیر ہو یا عورت خوشی سے اُس کو مہلت دے دے کہ زبردستی سے نہیں اور اس پر دباؤ نہ ڈالے کہ اپنا مہر بخش دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کہنے کے بعد اور دے دو عورتوں کو ان کا مہر خوشی سے یہ فرمایا ہے **فَإِنْ طَبِقَ لَكَ مِنَ الشَّيْءِ مَبْرُؤٌ فَكُلُوهُ هُنَّ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** اگر وہ خوش دلی سے مہر میں سے کچھ بھوڑوں کو کھاؤ اُس کو رچتا پچتا، پس اس کے معنی جیسے کہ تیسیر اور انوار التنزیل میں مذکور ہے یہ ہیں کہ وہ اگر تم کو کچھ مہر نہایت رضامندی اور خوش دلی سے بخش دیں دباؤ اور بد معاہدگی سے فدیہ کے طور پر دے کر نہیں تو اُس سے نفع اٹھاؤ بلا اس کے کہ تمہارے ذمہ کچھ حق باقی رہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بہت کم کہہ کر بخشوانا مکروہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عقد نکاح کو مرد کے قبضے میں کیا ہے کہ چاہے عورت کو رکھے اور چاہے اُسے بھوڑوں سے بغیر اس کے کہ عورت کا کچھ اختیار ہو اسی طرح مہر کی زنجیر کا حلقہ مرد کی گردن اور ذمہ میں ڈالا ہے لہذا عقد نکاح تو عورت کو مرد کی طرف کھینچتا ہے اور مہر کی زنجیر مرد کو عورت کی طرف پس سارے مہر کا بخشوانا اُس کے حق کو باطل کرنا اور اپنے حق کو باقی رکھنا ہے اور اس میں بے انصافی اور ایک طرح کا ظلم ہے۔

بلا ضرورت شرعیہ طلاق کی ممانعت اور بلا ضرورت اُس کو طلاق نہ دے مگر اُس صورت میں کہ بدخلق بر دین بے نمازی ہو کیونکہ طلاق اگرچہ مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا مباح ہے کیونکہ اس میں ایذا دینا ہے اور بلا ضرورت غیر کو ستانا جائز نہیں ہاں عورت کی طرف سے کوئی غلطی ہو تو اور بات ہے۔

طلاق کا حرام طریقہ پس جب کسی ضرورت سے عورت کو طلاق دینے کا قصد کرے تو اُس کو چاہیے کہ چند باتوں کی رعایت رکھے ایک تو یہ کہ ایسے ظہر میں طلاق دے جس میں صحبت نہ کی ہو اس لیے کہ حیض میں اور ایسے ظہر میں طلاق دینا جس میں صحبت کر چکا ہو حرام ہے۔

تین طلاق کا مسئلہ اور دوسرے یہ کہ ایک ہی طلاق پر اکتفا کرے اور ایک دم میں نہ دے کہ ایسی طلاق بدعی قبیح ہے حالانکہ ایک طلاق بھی عدت گزار جانے کے بعد مقسود کو مفید ہے باوجودیکہ آیات طلاق ہدایت سے بھی دور ہے کیونکہ عدت کے اندر رجعت سے اور عدت کے بعد نئے سرے سے نکاح کر لینے سے تدارک پر قدرت رہتی ہے اور جب اُس کو تین طلاق دے دیں تو بعض دفعہ نام ہوتا ہے اور بلا حلالہ کے اُس کا تدارک ممکن نہیں اور عقد حلالہ سے ممانعت ہے اس میں لعنت آئی ہے اور یہی اُس کا سبب بنے گا اور ایک مدت تک صبر کرنے کی حاجت پڑے گی باوجودیکہ اُس کا دل غیر کی بی بی سے اُس امید پر اٹکارے گا کہ وہ طلاق دے تو عدت نہ نہر جانے کے بعد میرے پاس واپس آئے اور یہ سب کچھ اکٹھا تین طلاق دینے کا پہل ہے اور ایک میں بلا کسی خرابی کے مقسود حاصل ہو جاتا ہے۔

طلاق کی صورت میں بیوی سے بھلائی کرنے کا حکم | اور تیسرے یہ کہ اُس کے طلاق دینے میں نرمی برتنے
 سختی اور حقارت نہ کہے اور اُس کا دل خوش کر دے کہ بطور متعہ ہر سے کچھ زائد اُس کو دیدے اور وہ
 زیادتی ایک کرتا اور ایک دوپٹہ اور ایک چادر اُس کو وحشت میں ڈالنے کا عوض ہے۔
 عورت کے خلع کا شرعی حکم | اور چوتھے یہ کہ اُس کا بھید ظاہر نہ کرے پھر اگر مال کے بدلے میں اُس کو
 طلاق دے اور یہ صورت خلع ہے تو جب کہ بد مزاجی مرد کی طرف سے ہو تو ایسا مال لینا مرد کو مکروہ ہے
 کیوں کہ اس نے اُسے اول تو پھوڑ کے وحشت میں ڈالے تو اب مال لے کر زیادہ وحشت میں نہ
 ڈالے اور اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے **وَإِنْ أَدْرَأْتُمْ اسْتَبْدَالِ ذَوْجٍ مِّمَّا كَانَ ذَوْجًا لَكُمْ إِذَا خُذْتُمْ
 قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ مَشِينًا** اور اگر چاہو تم بدلنا ایک بی بی کا بجائے دوسری بی بی کے
 اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی کو مال کا ڈھیر تو تم اُس میں سے کچھ نہ لو۔
 پس اللہ تعالیٰ نے ڈھیر میں سے جو بہت مال ہوتا ہے کچھ تھوڑا سا لینے کو بھیجنا منع کیا ہے
 یہ جہاں کہ زیادہ اور اگر بد مزاجی عورت کی طرف سے ہو تو جو ہر اُس کو دے چکا ہے اُس سے
 زائد لینا مکروہ ہے۔

پھر اگر مرد نے عورت کو خلع پر مجبور کیا اور اُس نے اپنی جان چھڑانے کے لیے مرد کو مال دینا منظور
 کر لیا یا جو ہر وغیرہ مرد کے ذمہ ہے اُس کو معاف کر دیا تو طلاق پڑ جائے گی بغیر اس کے کہ جو مال اُس نے
 اپنے ذمہ منظور کیا ہے لازم ہو اور بغیر اس کے کہ جو ہر مرد کے ذمہ ہے معاف ہو کیونکہ رضامندی مال کے
 لازم ہونے اور معاف ہونے میں شرط ہے اور زبردستی نارضا مندی ہے جیسا کہ اپنی جگہ بیان ہو چکا ہے۔
 بیوہ کے لیے نکاح کا مسئلہ | اور اگر کسی عورت کا شوہر مر گیا اور وہ چاہے کہ میں آخرت میں اسی کی
 بی بی ہوں تو اُس کو چاہیے کہ اور خاوند نہ کرے کیونکہ عورت آخرت میں پھلے شوہر کو ملے گی چنانچہ
 روایت سے کہ ابوسفیان نے ام دردا کو ابودرداء کی وفات کے بعد نکاح کا پیغام بھیجا سو
 انہوں نے انکار کر دیا اور کہا میں نے ابودرداء سے سنا ہے وہ نبی علیہ السلام سے حدیث بیان کرتے
 تھے کہ آخرت میں عورت اپنے پھلے شوہر کو ملے گی اور مجھ سے کہا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو آخرت میں میری
 بی بی بنے لہذا میرے بعد نکاح نہ کرنا اور یعنی کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ خوش اخلاق شوہر کو
 ملے گی کیونکہ روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جس عورت
 کے دو شوہر ہوں وہ دونوں میں سے کسی کو آخرت میں ملے گی پس آپ نے فرمایا کہ اُس کو اختیار
 دیا جائے گا پس وہ دونوں میں سے اپنے ساتھ چھا برتاؤ کرنے والے کو پسند کرے گی۔

و اعظمین و مقربین خطباء و ائمتہ ساجد کے لئے بے نظیر تحفہ

(اردو)

محاسن الابرار

تصنیف: حضرت شیخ احمد رومی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ باہتمام: مفتی اعظم ہند مولانا محمد کفایت اللہ دہلوی
مصدقہ: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

دارالافتاء

اردو بازار ایم اے رجنج روڈ کراچی پاکستان فون: 32631861